سیاسیات ارسطو

ارسطو :

ولادت ، اسٹیگرا میں ، ۳۸۴ ق - م -

افلاطون کی شاگردی ، ۳۶۴ تا ۳۴۷ -

قیام ، متےلین میں ، ۳۴۴ - مقدونیه میں ، ۳۴۳ تا ۳۳۵ -

مراجعت اثینیه میں ، ۳۳۵ -

انتقال ، کالکس واقعه یوبوئیه میں ۳۲۲ -

یکے از مطبوعاتِ مجلسِ ترقیِ ادب لاہور

# سیاسیات ارسطو

یا

# ایک رسالہ حکومت کی بحث میں

انگریزی ترجمہ از

ولم ایلس

مقدمہ از اے - ڈی - لنڈسے

اردو ترجمہ

معہ تمہید اور تشریحی تعلیقات

از

سید نذیر نیازی

مجلسِ ترقیِ ادب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ۔ لاہور

ناشر

کریم احمد خاں معتمد مجلس ترقیٔ ادب لاہور

مطبوعہ

ریڈنگ پرنٹنگ پریس ، ۳ - اردو بازار ، لاہور

باهتمام

نذر محمد آہل

۱۹۵۹ء

# تمہید

جیسا کہ قارئین ملاحظہ کریں گے حکیم یونان ارسطو کے رسالۂ سیاسیات کا یہ ترجمہ اس نسخے پر مبنی ہے جو امینوئیل بیکر Immanual Bekker کے ہاتھوں مرتب ہوا اور جسے ولیم ایلس نے 'ایوری مینز لائبریری' کے لئے انگریزی زبان میں منتقل کیا - بشکل موجودہ اس انگریزی ترجمے کی اشاعت سب سے پہلے ۱۹۱۲ میں ہوئی اور پھر آخری مرتبہ ۱۹۴۷ میں - ممکن ہے اس کے بعد کوئی اور نسخہ بھی شائع کیا گیا ہو لیکن راقم الحروف کے سامنے بہر حال یہی ۱۹۴۷ کا نسخہ ہے - ترجمہ لفظی ہے اور ہر قسم کی مصطلحات سے پاک حتیٰ کہ مترجم نے اپنی طرف سے کسی حاشیے یا تشریحاً اور تمہیداً عبارت تک کا اضافہ بھی نہیں کیا ، مثلاً تعلیقات یا ضمیموں کا جیسے دوسرے مترجمین کا عام انداز ہے - البتہ لارڈ لنڈ سے کا لکھا ہوا ایک مقدمہ شروع میں موجود ہے جس میں لارڈ موصوف نے ارسطو کے سیاسی افکار پر رائے زنی کرتے ہوئے رسالۂ سیاسیات کی کچھ مخالف اور کچھ موافق تنقید کی ہے - لارڈ لنڈسے کا شمار برطانوی سیاست دانوں میں ہوتا ہے اور ان کی تصنیف 'جمہوری ریاست' The Democratic State بالخصوص توجہ طلب ہے -

مگر پھر ارسطو کے رسالۂ سیاسیات کی حیثیت چونکہ بنیادی ہے اور اس کا شمار بھی مفکرین عالم کے اس زمرے میں ہوتا ہے جن کے نام زبان زد خاص و عام ہیں اور اس لئے علوم و فنون کی بحث ہو یا فرہنگ و دانش کی ان کے خیالات کی طرف کوئی نہ کوئی اشارا ناگزیر ہو جاتا ہے ، بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر محض فنی اور اصطلاحی پہلو کا لحاظ رکھا جائے تو نوع انسانی کا ذہنی ارتقا انہیں کا مرہون منت ہے لہٰذا ہمارے اذہان و قلوب ان کی گرفت سے شاید کبھی آزاد نہ ہو سکیں—اہل یورپ

کا دعویٰ تو غالباً یہ ہوگا کہ صحیح معنوں میں دیکھا جائے تو فلسفہ وحکمت اور علوم و فنون کی باقاعدہ ابتدا حکمائے یونان سے ہوئی - اور اس لئے سیاست ہو یا اخلاق یا علم و حکمت کا اور کوئی مسئلہ جس پر ارسطو نے قلم اٹھایا یا ضمناً اظہار خیال کیا ہم مجبور ہیں بالاستیعاب اس کا مطالعہ کریں - یہ نہیں کہ اس کی تحریروں سے سرسری طور پر گذر جائیں - ایک تو اس لئے کہ کوئی بھی موضوع ہو اس کے باقاعدہ مطالعے میں ہم ارسطو کو نظر انداز نہیں کر سکتے - ثانیاً دوسرے مفکرین عالم کی طرح اس نے جن مہمات مسائل پر قلم اٹھایا ہے ان کے متعلق ہمارے اپنے دل میں بھی کوئی تذبذب یا ابہام باقی نہیں رہنا چاہئے - مثال کے طور پر یہی رسالۂ سیاسیات ہے - بظاہر اس کی حیثیت ایک مختصر تصنیف کی ہے جس میں ارسطو نے سیاست، اجتماع، ریاست، حکومت، دستور، قانون اور ضمناً کئی ایک مسائل مثلاً فرد اور اس کی زندگی، مرد و زن، بچوں، ان کی تعلیم اور نگہداشت، گھر بار اور اس کے انتظام، معاش، غلامی، دولت اور ملکیت وغیرہ سے بحث کی ہے اور یہ سب وہ مسائل ہیں جن سے ناممکن ہے ہمیں صرف نظری دلچسپی ہو - ان کا تعلق زندگی سے نہایت گہرا ہے، بلکہ ہمیں کہنا چاہئے یہی مسائل ہیں جن کے صحیح یا غلط حل پر زندگی کے نیک و بد کا دارومدار ہے حتیٰ کہ تہذیب و تمدن اور ہر اس چیز کا جسے ہم حسن انسانیت سے تعبیر کرتے ہیں - بالفاظ دیگر رسالۂ سیاسیات میں ہم ایک ایسے موضوع سے روشناس ہوتے ہیں جس سے ہمیں ہر لحظ سابقہ پڑتا ہے اور جس کی حیثیت اس لئے فیصلہ کن ہے - پھر اس باب میں اگرچہ ارسطو کی رائے اور افکار و خیالات کو اگرچہ بڑی قدر و منزلت اور وقعت کی نظر سے دیکھا جائے گا لیکن یہ کیسے ممکن ہے ہم ان کو سر تا سر تسلیم کر لیں - ہمیں شائد ان نتائج سے بھی اتفاق نہ ہو جو بحیثیت مجموعی ارسطو کے فلسفۂ سیاست سے مترتب ہوں گے - چنانچہ لنڈسے ہی کا مقدمہ اس کی ایک مثال ہے جسے گویا ارسطو کی تنقید کہئے ایک خاص نقطۂ نظر سے - بعینہ جیسے دوسرے اہل فکر یا اہل سیاست یا ماہرین و مؤرخین فلسفہ یا ارسطو کے شارحین و مبصرین نے اپنے اپنے موقف اور محل

کے اعتبار سے اس کی تنقید کی اور جس سے اتنا تو ہوتا ہے کہ سیاست اور اجتماع ایسے اہم موضوع کے باب میں — بالخصوص جب ارسطو نے اس کا رشتۂ تکمیل ذات سے جوڑا ہے — اس کے خیالات ٹھیک ٹھیک ہماری سمجھ میں آ جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ اس بارے میں مخالف اور موافق رائے کیا ہے ۔ لیکن جہاں تک اس موضوع یعنی ان بنیادی مسائل کا تعلق خود ہماری ذات سے ہے ہم از روئے عقل و فکر جو نتیجہ قائم کریں گے خود اپنے مطالعے اور تحقیق و تفتیش سے کریں گے جیسے ارسطو کے افکار و آراء اور نظریات کی بحث میں ۔ پھر یہ مقصد کسی ایک نسخے کے مطالعے سے پورا ہوگا ، نہ کسی مخالف اور موافق تنقید ، یا شرح اور تبصرے سے ۔ یہی وجہ ہے کہ راقم الحروف نے اس ترجمے میں — اور یہ شاید اردو میں رسالۂ سیاسیات کا پہلا ترجمہ ہے — کسی مقدمے کا اضافہ نہیں کیا ۔ یوں بھی ایک مقدمے کی موجودگی میں دوسرے مقدمے کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی ۔ بایں ہمہ اس ترجمے کا تقاضا ہے (جیسے اس کے انگریزی اصل کا یعنی جس پر اس کی بنا رکھی گئی) ۔ کہ راقم الحروف کے لئے اور نہیں تو بعض ایسی باتوں کی وضاحت ضروری ہے جن کے بغیر رسالۂ سیاسیات کی عبارتیں بہت کچھ مبہم اور الجھی ہوئی نظر آئیں گی ، بلکہ شاید اس امر کا اندازہ بھی نہ ہو کہ ان میں جن الفاظ اور مصطلحات کا استعمال کیا گیا ہے ان کا اشارا در حقیقت کس طرف ہے اور اس لئے ہم ارسطو کا مافی الضمیر سمجھنے سے قاصر رہیں — لہٰذا یہ تمہید ۔

مثال کے طور پر اسی ایک بات کو لیجئے کہ رسالۂ سیاسیات کا ترجمہ جب ہی مکمل ٹھرایا جا سکتا ہے جب اس میں جا بجا حواشی اور تعلیقات کا اضافہ کیا جائے ۔ چنانچہ عام طور پر مترجمین کا یہی انداز ہے بلکہ بعض صورتوں میں تو وہ مجبور ہو گئے کہ متعدد مباحث کی تصریح ضمیموں اور تتموں کی شکل میں کریں ۔ یہ اس لئے کہ ارسطو کی تحریریں در اصل ان خطابات ، یا بہتر ہوگا یہ کہا جائے مکالموں پر مبنی

هیں جو لائی کیئم Lyceum کے باغ میں ٹہلتے ہوئے اس نے اپنے شاگردوں سے کیں - لائی کیئم گویا افلاطون کی اکادمی کی طرح دوسری درس گاہ تھی جو اثینیه میں قائم ہوئی- پھر جس طرح افلاطون کے فلسفه کے لئے آگے چل کر فلسفۂ اشراق کی اصطلاح وضع ہوئی کیونکه اس کا سر چشمه انسان کی حس باطنی یا دوسرے لفظوں میں یه کہئیے حدس اور وجدان ہے - بعینه ارسطو کے طریق تعلیم کی رعایت سے اس کے فلسفے کو مشائیت سے تعبیر کیا گیا - بہر حال ارسطو کی یہی تقریریں اور گفتگوئیں ہیں جن کو اس کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد اس کے شاگردوں نے اپنی یاد داشتوں کی بنا پر مختلف رسائل کی شکل میں مرتب کیا - اب گفتگوؤں میں تو انسان اپنے خیالات کا اظہار جس انداز میں کرتا ہے وہ اس سے مختلف ہوتا ہے جو اسے باقاعدہ تصنیف و تالیف میں اختیار کرنا پڑتا ہے - پھر جب یہی خیالات تحریری شکل میں ترتیب دئے جائیں تو لازماً کئی ایک باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی تشریح ضروری ہو جاتی ہے - لہٰذا ارسطو کے مترجمین مجبور ہیں بعض مقامات کی وضاحت تعلیقات کی شکل میں کریں - چنانچه راقم الحروف کے ذمے بھی جب یه خدمت کی گئی تو بالتصریح کہه دیا گیا که ترجمه بلا تحشیه نه ہو - پھر ایک اور امر ہے جس کی بنا پر ترجمے کے ساتھ ساتھ حواشی کا اضافه ضروری تھا اور وہ یه که ارسطو نے جس زبان میں گفتگو کی ہے وہ نہایت ساده ہے اور جیسا که آج کل رواج ہے سیاسیات کی عام تصنیفات کے خلاف مصطلحات فن سے پاک - در اصل مصطلحات کی ایجاد اس علمی ذخیرے سے مؤخر ہے جو حکمائے یونان نے ہمارے لئے چھوڑا ، یا شاید یه کہنا زیادہ مناسب ہوگا که اگر انہوں نے کچھ اصطلاحات استعمال بھی کیں تو اس لئے که سامعین ان کا مطلب ٹھیک ٹھیک سمجھ لیں - حاصل کلام یه که ان کا ایک مخصوص اسلوب بیان تھا اور جو لوگ ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے خوب سمجھتے تھے وہ جن الفاظ کو اپنے مخصوص خیالات کے پیش نظر استعمال کر رہے ہیں ان کا اشارا کن حقائق کی طرف ہے - لیکن اس طرح جو مصطلحات اور ترکیبات وضع ہوئیں ان کی حیثیت پھر اس قسم کی اصطلاحات کی نہیں جن

سے علوم و فنون کے مطالعے میں آج ہمیں سابقہ پڑتا ہے - لہٰذا ہم کہیں گے
ان مصطلحات اور ترکیبات کا تعلق در اصل ارسطو کی زبان سے ہے - یہ گویا
اس کی مخصوص لغت ہے جس میں اس نے اپنے افکار اور خیالات کا اظہار کیا
اور اس لئے اس قسم کے الفاظ یا ترکیبوں اور جملوں کی تشریح ضروری ہو
جاتی ہے - راقم الحروف کو اس سلسلے میں آگے چل کر پھر کچھ عرض کرنا ہوگا -
سردست اس کا کہنا یہ ہے کہ جہاں اس ترجمے یا ترجمے کے سلسلے میں بعض
الفاظ اور عبارات وضاحت طلب تھیں وہاں باعتبار موضوع اور مضامین یہ
بھی ضروری تھا کہ اگر کہیں ارسطو کے خیالات بجز تشریحی اشاروں کے
سمجھ میں نہیں آتے یا اگر آتے ہیں جب بھی ان کی تھوڑی بہت وضاحت ہو
جانی چاہئے تاکہ رسالۂ سیاسیات کے مطالب تمام و کمال ذہن نشین ہوجائیں
لہذا اس قسم کے اشاروں کا اضافہ ضرور کر دیا جائے - یہ دوسری مصلحت
تھی جس کی بنا پر مناسب سمجھا گیا کہ ترجمے کے ساتھ ساتھ تحشیہ بھی ہونا
چاہئے - مگر پھر مسئلہ یہ تھا کہ حواشی کا اضافہ اگر اس لئے کیا جا رہا ہے
کہ رسالۂ سیاسیات کے مطالب واضح طور پر ہمارے سامنے آ جائیں اور ہم
سمجھ لیں وہ کیا احوال اور کس قسم کی ذہنی فضا تھی جس میں ارسطو
نے سیاست و اجتماع ایسے اہم موضوع میں اپنے افکار مرتب کئے تو ان کی
بنا راقم الحروف اپنی ذاتی رائے اور محدود سے مطالعے پر رکھے یا بہتر ہوگا
ان حضرات سے رجوع کرے جنہوں نے ارسطو کے افکار سیاست میں تحقیق
و تفحص کے پیش نظر تاریخ یونان کا بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور اس
لئے انہیں کی رائے ہے جو اس باب میں فی الواقعہ قابل قبول ہوگی - ظاہر ہے
اس مسئلے کا حل کچھ مشکل نہیں تھا - راقم الحروف کی حیثیت تو اس میدان
میں بجائے خود ایک طالب علم کی ہے - اسے بہر حال انہیں مترجمین و
شارحین سے استفادہ کرنا تھا جن کو اس سلسلے میں درجۂ فضیلت حاصل
ہے - چنانچہ یہ ترجمہ اگرچہ ایلس کے انگریزی متن پر مبنی ہے لیکن
راقم الحروف نے احمد لطفی کے ترجمۂ سیاسیات (السیاسۃ الارسطو طالیس
نقلہ' الی العربیہ احمد لطفی السید - قاہرہ ' مطبعہ دارالکتب المصریہ '
۱۹۴۷ - رسالۂ سیاسیات کے ایک فرانسیسی ترجمے پر مبنی) اور بارکر

کی ، سیاسیات ارسطو (The Politics of Aristotle, translated with an Introduction, Notes and Appendixes by Ernest Barker, Oxford, Clarendon Press, 1945). سے خوب خوب فائدہ اٹھایا اور حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ دونوں نسخے بالخصوص 'بارکر' راقم الحروف کے سامنے نہ ہوتا تو معلوم نہیں ترجمے کے کس قدر مقامات غیر واضح ، مغلق اور ناقابل فہم رہ جاتے - پھر جہاں تک ان حواشی کا تعلق ہے جن کا اضافہ اس لئے کیا گیا کہ ارسطو کے بعض الجھے ہوئے یا مجمل اور مختصر سے اشارات کو کھول کر بیان کر دیا جائے ، یا ان کی توضیح تاریخ یونان کے حوالے سے کی جائے ان میں راقم الحروف کا حصہ تو گویا بقدر صفر ہے ' لطفی بے سے بھی اگرچہ ایک گونہ مدد ملی ، لیکن بحیثیت مجموعی یہ سب حواشی بارکر اور بحوالۂ بارکر نیومین سے (جس سے بارکر نے خوب خوب استفادہ کیا ہے) ماخوذ ہیں - دراصل ارسطو ایسے فلسفی کی تحریریں کیا باعتبار مضمون اور کیا باعتبار زبان پورے طور پر جب ہی سمجھ میں آتی ہیں کہ ان کی تھوڑی بہت تشریح بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہے - اس لئے نہیں کہ ارسطو کا اسلوب بیان بڑا الجھا ہوا اور مغلق ہے یا اس کی تحریریں بڑی ادق اور عسیرالفہم ، بلکہ بسبب ایجاز کلام اور ان اشارات کے جن کا تعلق اگرچہ کسی ایک تحریر سے ہوتا ہے لیکن جن کے پیش نظر ہمیں اس کی دوسری تحریروں سے رجوع کرنا پڑتا ہے ، یا جو سمجھ میں آ سکتے ہیں تو اس کے دوسرے خیالات کے حوالے سے جن کا تعلق اس کے بنیادی افکار سے ہے ، یا جن کے لئے ضروری ہے کہ یونانی تہذیب و تمدن اور سیاست و اجتماع کا پورا نقشہ ہمارے سامنے ہو ، حالانکہ بلحاظ مرور زمانہ ہم اس سے بہت دور ہو چکے ہیں - لیکن سب سے بڑھ کر اس لئے کہ ان تحریروں کی ترتیب و تدوین کئی ایک ہاتھوں سے ہوئی اور پھر اس صورت میں بھی جب اصل نسخوں میں سے بعض نایاب ہو گئے تھے یا دیر تک ان کا پتہ نہیں چلا لہذا ان کی از سر نو ترتیب و تدوین کا عمل بار بار دہرایا گیا اور کئی صدیوں میں جا کر تکمیل کو پہنچا -

یہاں تک تو معاملہ حواشی کا تھا لیکن ابھی ایک اور بات ہے جو قارئین کی خاص توجہ کی مستحق ہے اور جس کی طرف قدرے تفصیل سے اشارہ کرنا پڑے گا۔ راقم الحروف نے عرض کیا تھا رسالۂ سیاسیات کی حیثیت بنیادی ہے۔ یوں بھی 'جمہوریہ' (افلاطون) اور اور 'سیاسات' (ارسطو) ہی دو ایسے رسائل ہیں جن میں یونانی فکر سیاست اپنے معراج کمال کو پہنچ گیا ہے۔ جمہوریہ کی تصنیف سیاسیات سے متقدم ہے اور جیسا کہ معلوم ہے افلاطون نے اس میں ایک مثالی ریاست کا تصور پیش کیا ہے۔ سیاسیات کا موضوع بھی ریاست ہے لیکن ایک ایسی ریاست جو باوجود اپنی غایت اور نصب‌العین کے قابل عمل ہو۔ چنانچہ ارسطو کا یہی خیال ہے جس کے ماتحت وہ بار بار اس امر پر زور دیتا ہے کہ قانون ساز یا دوسرے لفظوں میں مدبر ریاست یعنی اس شخص کو جو کسی ریاست کی تاسیس کر رہا ہے یہی معلوم نہیں ہونا چاہئے کہ بہترین کیا ہے بلکہ یہ بھی کہ قابل عمل کیا ہے۔ بالفاظ دیگر 'قابل عمل بہترین'۔ یوں زیادہ تر افلاطون اور افلاطون کے علاوہ ایک حد تک بعض دوسرے مفکرین سیاست کی تنقید کے ساتھ ساتھ اس وقت کی یونانی ریاستوں اور دنیائے یونان کے سیاسی اور اجتماعی احوال پر نظر ڈالتے ہوئے اس نے جس 'بہترین' ریاست کا خاکہ مرتب کرنے کی کوشش کی ہے وہ اگرچہ اتمام کو نہیں پہنچ سکا اور یہ مسئلہ بھی کہ بہترین یا جیسا کہ ارسطو کی رائے تھی قابل عمل بہترین کیا ہے لا ینحل ہی رہا، پھر بھی افلاطون کی طرح ارسطو کے سیاسی افکار کسی نہ کسی طرح زیر بحث آجاتے ہیں جس کی سب سے بڑی وجہ تو وہی ہے جس کی طرف راقم الحروف اس سے پہلے اشارا کر آیا ہے اور جو اصل محرک ہے رسالۂ سیاسیات کے اردو ترجمے کا اور وہ یہ کہ قطع نظر اس سے کہ دنیا کی دوسری ترقی یافتہ زبانوں کی طرح ہماری زبانیں بھی علوم و فنون کا وہ سارا ذخیرہ منتقل ہو جانا چاہئے جو عبارت ہے نوع انسانی کے ذہنی ارتقا یا اس کے دل و دماغ کی بہترین تخلیقات

سے جیسے ادب اور فلسفہ کی و سب عالیات جو انسانی فکر و نظر کا سرمایۂ ناز ہیں ہم ارسطو کے افکار اور خیالات کے مطالعے پر مجبور ہیں جس کا اندازہ صرف اسی ایک بات سے کیجئے کہ علم و حکمت کی دنیا میں اگر ارسطو سے بے خبری کا اظہار کیا جائے تو اہل علم کی رائے اس شخص کے متعلق کیا ہوگی۔ یقیناً کہا جائیگا کہ اس کا فہم ناپختہ ہے اس لئے کہ اس نے ابھی تک اتنا بھی نہیں سمجھا کہ وہ کیا مراحل تھے جن سے ذہن انسانی کا گذر ہوا اور کیسے کیسے فیصلہ کن اجتہادات جنہوں بڑے بڑے پہاڑوں کی طرح جو دریاؤں اور ندی نالوں کا رخ دائیں بائیں موڑ دیا کرتے ہیں فکر انسانی ، اس کی علمی جستجو اور سعی و کاوش کی سمت عرصہ دراز تک جس طرح چاہا متعین کر دی حتیٰ کہ صدیاں گذر گئیں اور لوگ اسی ایک نہج پر جو انہوں نے مقرر کیا تھا علوم و فنون کی تحصیل کرتے رہے۔ علاوہ اس کے اور بھی متعدد وجوہ ہیں جن کا تقاضا ہے کہ ہم ارسطو کی علمی اور فلسفیانہ تحقیقات سے بے خبر نہ رہیں۔ مثلاً ایک تو اس کی مؤثر و محترم شخصیت جس کی ہیبت قرن ہا قرن تک دلوں پر چھائی رہی اور جس کی بدولت اسلامی مشرق کے ایک حصے نے اسے 'معلم اول' کے لقب سے سرفراز کیا تا آنکہ کسی کو ارسطو کہہ دینا گویا اس بات کی سند ٹھہری کہ اس کی معلومات علم و فن کے میدان میں حرف آخر ہیں - پھر اس کا فلسفۂ مشائیت ہے جو ایک زمانے میں اشراقیت کا حریف اور مشرق و مغرب پر ایک اس طرح کی ذہنی تحریک کی حیثیت سے مسلط رہا جس کے متعلق خیال تھا کہ یہ علم و حکمت ہو یا اخلاق اور مذہب ہم ہر ایسے مسئلے کا فیصلہ جو اصولاً یا عملاً پیش آسکتا ہے اس کے حوالے سے کرسکتے ہیں - پھر جب از منۂ متوسطہ میں عالم اسلام کی کوششوں سے اس کا احیا ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی تشریح و تنقیح اور تنقید بھی ہونے لگی تو اس سے غور و فکر کی دنیا میں ایک تزلزل سا پیدا ہوگیا - بعینہ جیسے آگے چل کر

اس کے رد سے ۔ یوں رفتہ رفتہ ایک ارسطاطالیسی روایت قائم ہوگئی جس کے عروج و زوال کا مطالعہ ضروری ہے، نہ صرف تاریخ و افکار بلکہ کئی ایک مسائل اور نظریات کے صحیح فہم کے لئے ۔ یورپ نے ارسطو کا فلسفہ عالم اسلام سے حاصل کیا لیکن یہ فلسفہ چونکہ اس کے اپنے تاریخی اور ثقافتی ماضی کا ایک حصہ تھا للہذا وہاں اس کا اثر و نفوذ عالم اسلام سے بھی زیادہ زبردست ثابت ہوا گو آگے چل کر اھل یورپ نے بھی اس کے متعلق وھی روش اختیار کی—مگر اپنے رنگ میں—جو اس سے پہلے مسلمان اختیار کر چکے تھے ۔ بایں ہمہ مشائی فلسفہ کہ اشاعت اور عالمگیر حیثیت کو تاریخ علم میں جو درجہ حاصل ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ پھر افلاطونیت یا فلسفہ اشراق کے ساتھ ساتھ علیٰ ھذا اس کے مقابلے میں مشائیت کا شمار بھی دنیا کی ان ذھنی تحریکوں میں کرنا پڑے گا جن سے انسانی دل و دماغ صدیوں تک متاثر رہے—للہذا علوم و فنون کی ترقی اور نشو و نما بھی اچھی اور بری دونوں شکلوں میں — یوں بھی اگر ہم یہ سمجھنا چاھئے ھیں کہ یونانی تہذیب تمدن بلکہ ھمیں کہنا چاھئے 'یونانیت' یا روح یونان یعنی اس نہایت ھی ذھین و فطین قوم کا جس نے ایک زمانے میں علم و فن کی رھنمائی کی ذھنی اور ثقافتی مطمح نظر کیا تھا تو لازم ہے کہ ارسطو کے ھمہ گیر اور ھمہ رس فکر کا مطالعہ پوری ذمہ داری اور سنجیدگی سے کیا جائے ۔ اس لئے کہ وہ منجملہ ان ھستیوں کے ہے، جنھوں نے یونانی دل و دماغ کی بہترین آرزوؤں اور مقاصد کی ترجمانی کی بلکہ اس دور کا خاتم جس کی ابتدا کبھی طالیس سے ھوئی تھی اور جس کے بعد یونان میں اگرچہ کوئی ایسی شخصیت پیدا نہیں ھوئی جو کسی اعتبار سے بھی اس کی ھمسر ھوتی حتیٰ کہ یونانی تہذیب و تمدن اور علم و حکمت کو بھی برابر زوال ھوتا چلا گیا ۔ لیکن جس طرح فلسفۂ یونان کی حیثیت آج بھی ایک بہت بڑی خیال آفریں قوت کی ہے اور ارسطو کے افکار نے بھی بعض مسائل کو جس طرح چھیڑا یا جیسی کچھ ان کو شکل دی کئی ایک پہلوؤں سے بنیادی للہذا عالم اسلام اور مغرب

بلکہ دورحاضر میں بھی اس کی تائید و تنقیص اور رد و کد کے باوجود ارسطو سے استشہاد و استناد کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ کبھی زیادہ کبھی کم۔ جیسے بعض صورتوں میں اتنا ہی کافی سمجھا گیا کہ اس کے قائم کردہ نظریات دھرا من و عن دئے جائیں - یوں علم وحکمت میں اس کے خیالات طرح طرح سے سرایت کرتے رہے، حتیٰ کہ آج بھی ہمارے دل و دماغ میں ان کا تھوڑا بہت دخل ضرور ہے اور ہم اس کے نتائج فکر سے سر تا سر انکار بھی نہیں کر سکتے للہذا اتنا بہر حال تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کا اعادہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور ہوتا رہا ، خواہ مسائل کی بحث و تمحیص، خواہ مصطلحات علم و فن کے سلسلے میں جن میں کئی ایک کا سلسلہ اس تک پہنچتا ہے - مثال کے طور پر اسی موضوع سیاسیات کو لیجئے - کتنی اصطلاحات اور کتنے تصورات ہیں جن کی ابتدا ارسطو سے ہوئی یا جن پر اس نے اپنے رنگ میں اظہار خیال کیا اور جوگویا اب اس کا تار و پود بن چکے ہیں - یہ ایک اور جواز ہے رسالۂ سیاسیات کے مطالعے اور ترجمے کا ، بالخصوص اس لئے بھی کہ فرض کیجئے بحالت موجود ہم اس کی جملہ بحثوں کو بے کار سمجھتے ہیں اور اسے ایک تاریخی دستاویز سے بڑھ کر اور کوئی اہمیت نہیں دیتے جب بھی سیاسیات حاضرہ کی متعدد اصطلاحوں اور متعدد تصورات کی ابتدا اور عہد بعہد تبدیلیوں یا خود اس موضوع کے تاریخی اور تقابلی مطالعے میں ہمیں لازماً اس سے رجوع کرنا پڑے گا - پھر جب یہ طے ہے کہ مغرب کے افکار و خیالات کی پرورش جس فضا میں ہوئی ارسطو کا اثر اس پر نہایت گہرا ہے اور آج یہی افکار و خیالات ہیں جن کے غلبہ و استیلا نے ہم گرفتاران مغرب کی زندگی میں ایک خلفشار پیدا کر رکھا ہے تو اس کو دور کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ منجملہ دوسرے مفکرین سیاسیات کے ہم ارسطو کے نظریات سے بے خبر نہ رہیں - یوں بھی فطرت انسانی کے پیش نظر اس نے بعض احوال سیاست کا تجزیہ اس خوبی سے کیا ہے کہ مرور زمانہ کے باوجود ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ہمارے ہی زمانے کی

باتیں اور ہمارے ہی دل کی ترجمانی کر رہا ہے تو ہم اپنے الگ تھلگ سیاسی اور اجتماعی نصب العین ، یا یوں کہئے کہ نوع انسانی کے معاملات اب جس منزل پر آپہنچے ہیں اس کا لحاظ رکھتے ہوئے بھی خواہ ارسطو سے ہمیں کاملاً اختلاف ہو رسالۂ سیاسیات کی افادیت سے انکار نہیں کر سکتے - پھر ایک اور بات ہے جو ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس رسالے کا مطالعہ ذرا گہری نظر سے کریں اور وہ یہ کہ ارسطو نے سیاسیات کا رشتہ اخلاق سے جوڑا ہے اور یہ وہ رشتہ ہے جو مغرب کے لادین سیاسی تصورات — بالخصوص ریاست اور مذہب کی تفریق ، یعنی ریاست کے ' دنیوی ' (Secular) نظریے کے باعث اگر سرے سے منقطع نہیں ہو گیا تو کم از کم اتنا ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ عملاً اس کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہی - فرد اور جماعت کے تعلق کو بھی وہ اس نظر سے دیکھتا ہے کہ انسان کی تکمیل ذات کسی ہیئت اجتماعیہ ، یعنی معاشرے ہی میں ممکن ہے - یوں دیکھا جائے تو ریاست کا وجود دوگونہ اہمیت اختیار کر لیتا ہے - وہ ایک ذریعہ بھی ہوگا اور مقصد بھی جیسا کہ ارسطو نے بار بار اس پر زور دیا ہے - یہ نظریات ہمارے اپنے — مسلمانوں کے — تصورات سیاست و اجتماع سے بہت کچھ قریب بلکہ ہم آہنگ معلوم ہوتے ہیں - یہ دوسری بات کہ اس طرح جو مسائل پیدا ہوں گے ہم ان کا فیصلہ اپنے نقطۂ نظر سے کریں گے - بایں ہمہ جہاں تک رسالۂ سیاسیات کا تعلق ہے اس کا مطالعہ اس پہلو سے بھی خالی از فائدہ نہیں رہے گا - اس لئے کہ اگر زندگی کے کچھ معنی ہیں اور اس کی تلاش و طلب کا ایک ماضی تو اس ابدی جد و جہد کے پیش نظر جس پر گویا تقدیر انسانی کا دار و مدار ہے اگر ہم تاریخ کی متغیر بایں ہمہ مستقل اور مسلسل حرکت کا رخ صحت سے متعین کر لیں تو خود اپنی مستقبل کی تعمیر اور زیادہ اعتماد اور تیقن سے کر سکیں گے - اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہماری نگاہیں حقائق پر ہیں لیکن حقائق کی تحصیل جب ہی ممکن ہے کہ ہم اس سلسلے میں افکار و خیالات کے ہر مظہر کا رخ کریں ، مثلاً فکر یونان کے مطالعے میں رسالۂ سیاسیات کا لیکن یہ

جب ہی ممکن ہے کہ ہم اس کے مباحث میں غور و تعمق کے ساتھ ارسطو کے بنیادی تصورات ، علیٰ ہذا ان مصطلحات کا ٹھیک ٹھیک مطلب سمجھ لیں جن میں اس نے اپنے خیالات کی ترجمانی کی ہے بالخصوص اس کے اردو ترجمے کے پیش نظر اور یہ وہ بات ہے جس کی طرف راقم الحروف اس سے پہلے بھی اشارہ کر آیا ہے - اس سلسلے میں ہمیں سب سے اول یہ دیکھنا ہے کہ جہاں تک مباحث کی ترتیب اور استقصا کا تعلق ہے ارسطو نے اس میں کیا طریق اختیار کیا ہے - جیسا کہ قارئین ملاحظہ فرمائینگے رسالۂ سیاسیات آٹھ فصلوں میں منقسم ہے اور ہر فصل کم و بیش ضخامت کے متعدد ابواب میں -

فصل اول میں ریاست یا دوسرے لفظوں میں سیاست و اجتماع ایسے اہم موضوع کی ابتدا ارسطو نے اس امر سے کی کہ ہم جس چیز کو سیاسی اجتماع سے تعبیر کرتے ہیں وہ ہے کیا - نیز یہ کہ ہماری زندگی میں جو دوسرے اجتماعات قائم ہیں مثلاً ہمارا گھر اور شہر ان سے اس کا کیا تعلق ہے - یہاں سے اس کا ذہن خواہ مخواہ عائلہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جو گویا اجتماع انسانی کی اس عمارت کا بنیادی پتھر ہے جس کے متعلق ارسطو کا اپنا ایک نظریہ ہے - عائلہ کی بحث میں وہ اس کے عناصر ترکیبی کے علاوہ غلاموں اور غلامی ، املاک ، کسب زر (یعنی حصول معاش اور اس سلسلے میں سود خواری ) ' ازدواج ' بیوی بچوں کی نگہداشت اور گھر کے عام بندوبست یا مختصراً تدبیر منزل کے بارے میں اپنے خیالات اور نظریات پیش کرتا ہے -

فصل دوم (۱۲ ابواب) میں اس نے ان تصورات پر نظر ڈالی ہے جو ایک مثالی یا عینی ریاست کی تشکیل میں وقتاً فوقتاً قائم کئے گئے - اس سلسلے میں اس کی توجہ سب سے زیدہ افلاطون پر ہے - وہ اس کی 'جمہوریہ' اور نوامیس ، کی بالخصوص تنقید کرتا اور زیادہ تر اس امر پر زور دیتا ہے کہ افلاطون کے سیاسی تصورات نہ صرف ناقابل عمل بلکہ

بعض صورتوں میں مضر اخلاق بھی ھیں۔ افلاطون کے بعد اس نے فالیاس اور ھپوڈاموس کے خیالات پیش کئے ھیں جس پر گویا اس فصل کا پہلا حصہ ختم ھو جاتا ھے ۔ اس کے دوسرے حصے میں وہ ان ریاستوں کے دستور و آئین لہذا نقص اور خوبی کی وضاحت کرتا ھے جو اس وقت قائم اور عملاً ایک مثالی ریاست کے لگ بھگ پہنچ گئی تھیں یعنی اسپارٹا ، قریطش اور قرطاجنہ کی ھیئت ترکیبی اور حکومت کی ۔ ضمناً اس نے بعض اور قانون سازوں یا مدبرین ریاست کا ذکر بھی کیا ھے جنھوں نے مختلف احوال اور مختلف شہروں میں وضع دستور و آئین کا بیڑا اٹھایا ۔

مگر پھر اس تمہید کے بعد فصل سوم میں (۱۸ ابواب پر مشتمل) وہ سب سے پہلے یہ بنیادی مسئلہ چھیڑتا ھے کہ شہری کون ھے اور شہریت کیا۔ پھر یہ کہ دستور کسے کہتے ھیں جس کی ظاھر ھے ایک نہیں کئی قسمیں ھوں گی لہذا وہ مجبور ھو جاتا ھے کہ ن کی تقسیم متعدد زمروں میں کرے اور پھر جیسا کہ اس صنف‌بندی کا تقاضا ھے ان اصولوں پر نظر ڈالے جو اساس ھیں جمہوریت اور اعیانیت کی ۔ لیکن اس سلسلے میں ’تفریقی عدالت‘ کی تشریح بھی ضروری ھو جاتی ھے۔ وہ اس سے بحث کرتا ھے اور بالآخر اس امر سے بھی کہ بادشاھت کیا ھے اور اس کی شکلیں کتنی ۔ اس پوری فصل کا تعلق گویا شہریت اور شہریوں کے آئینی حقوق ، للہذا دستور و عدالت اور ریاست کی مختلف نوعوں سے ھے ۔ بادشاھت بھی اس کی ایک نوع ھے، بلکہ بعض مخصوص صورتوں میں عینی اورمثالی ریاست۔

فصل چہارم میں (۱۶ ابواب) اس نے پھر دستور کی بحث چھیڑ دی ھے مگر ایک دوسرے رنگ میں۔ وہ عام طور پر جیسے کچھ دساتیر رائج ھیں مثلاً جمہوری ، اعیانی ، مدنی ان کے اختلافات کی وضاحت کرتا اور بتاتا ھے کہ کس نوعیت کا دستور کہاں سب سے زیادہ قابل عمل ھوگا جیسے یہ کہ جیسی کوئی ھئیت اجتماعی ھے اس کے لئے کیسا دستور موزوں رھے گا ۔ پھر یہ کہ اختیارات ریاست کے ان تین پہلوؤں کی رعایت سے جن کا

تعلق شوریٰ ، حاکمہ اور عدلیہ سے ہے دساتیر کے نفاذ کی کیا صورت ہو سکتی ہے -

یہاں پہنچ کر ہونا تو یہ چاہئیے تھا کہ ارسطو اس ریاست کا خاکہ پیش کردیتا جس کا تصور اس نے اپنے ذہن میں قائم کر رکھا تھا لیکن وہ سمجھتا ہے اس سے پہلے دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے - ایک اس امر کی اور جس سے اس نے فصل پنجم (۱۲ ابواب) میں بحث کی ہے کہ دساتیر میں تغیر اور تبدیلوں کے اسباب کیا ہیں یعنی ریاستوں میں انقلاب اور شورشیں کیوں رونما ہوتی ہیں - اس سلسلے میں اول اس نے ان اسباب کا ذکر کیا ہے جو قطع نظر اس سے کہ دستور کیسا ہے اور ریاست کیسی اس میں انقلاب اور تبدیلی کا باعث ہوتے ہیں - پھر ان مخصوص اسباب کا جن سے خاص خاص دستور بدل جاتے اور اس لئے جمہوریتوں ، اعیانیتوں اور امارتوں میں انقلاب برپا ہوجاتا ہے - وہ ضروری سمجھتا ہے اس امر پر بھی نظر ڈالے کہ ان تینوں قسم کی ریاستوں یعنی جمہوریتوں ، اعیانیتوں اور امارتوں میں آئینی استحکام پیدا ہوگا تو کس طرح - پھر چونکہ بادشاہت بھی ریاست کی ایک شکل ہے، لہذا وہ اس کے حفظ و بقا کا مسئلہ بھی نظر انداز نہیں کرتا - بادشاہتوں کی دو قسمیں ہیں ، ایک آئینی اور دستوری یعنی باقاعدہ بادشاہت - دوسری غیر آئینی اور اور غیر دستوری بالفاظ دیگر استبدادیت - ارسطو نے دونوں کے قیام و استحکام پر گفتگو کی ہے -

دوسری بات جس کا ذکر فصل ششم (۸ ابواب) میں ضروری سمجھ کر کیا گیا ہے - وہ یہ کہ جمہوریتوں اور اعیانیتوں کی تاسیس کس طرح کی جائے کہ انہیں استحکام حاصل ہو - یہ ساری فصل اسی ایک بحث پر مشتمل ہے -

فصل ہفتم (۱۷ ابواب) میں البتہ ارسطو نے ایک مثالی مگر

قابل عمل ریاست کے بارے میں اپنے خیالات پیش کئے ہیں - ریاست اور تعلیم کا اس کے نزدیک چولی دامن کا ساتھ ہے - لہذا سیاسی تصورات کی بحث کے ساتھ ساتھ وہ اس مسئلے پر بھی نظر ڈالتا ہے کہ خیر اعلیٰ کیا ہے اور بہترین اور سر تا پا سعادت زندگی کیا - یہ فصل ہفتم کا پہلا حصہ ہے - دوسرے کا تعلق آبادی ، سر زمین ، باشندوں کے طبعی خصائل - ترکیب اجتماعی اور ایک مثالی ریاست میں مرکزی شہر کی تعمیر سے ہے - تیسرا تعلیم کے لئے وقف ہے - تعلیم سے مقصود کیا ہے اور اس کے وسائل کیا ہیں - تعلیم اور شہریت کو باہم کیا تعلق ہے - تعلیم سے غرض ہے فراغت علیٰ ہذا سیرت اور کردار کی تربیت - چوتھے میں تعلیم کے ابتدائی مدارج مد نظر ہیں لہٰذا اس میں بچوں کی پرورش اور نگہداشت اور اچھی اولاد کی خاطر سلسلۂ ازدواج کے انضباط اور ابتدائی یعنی خود گھر پر تعلیم و تربیت کا ذکر کیا گیا ہے، اس امر کا کہ انہیں کیا سکھایا جائے اور ان کے اتالیق کیسے ہوں وہ کن باتوں کا لحاظ رکھیں -

آخری یعنی فصل ہشتم (۷ ابواب) میں بتایا گیا ہے کہ نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا انداز بالعموم کیا ہونا چاہئے - ان کی جسمانی ورزشیں کیسی ہوں - پھر موسیقی کو چونکہ آداب و اطوار یعنی کردار سازی میں بڑا دخل ہے لہذا اس فصل کا خاتمہ اس بحث پر کیا گیا ہے کہ موسیقی کا دخل تعلیم میں کہاں تک ہونا چاہئے - کس طرح اور کس مقصد کے لئے -

یہاں پہنچ کر رسالۂ سیاسیات کی بحثیں دفعتاً ختم ہو جاتیں ہیں اور وہ موضوع بھی جس پر ارسطو نے قلم اٹھایا تھا ناتمام سا رہ جاتا ہے یہاں تک کہ تعلیم اور تربیت کے بارے میں بھی وہ پورے طور پر اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرتا - پھر اس کے علاوہ اور کتنے مسائل ہیں جن کو اس نے ادھورا چھوڑ دیا ہے - اس کی وجہ کیا ہے ؟ لیکن اس سے پہلے کہ راقم الحروف اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کرے

یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ رسالۂ سیاسیات کے علاوہ ارسطو کی بعض دوسری تحریریں بھی ہیں مثلاً اخلاقیات اور خطابت جن میں بالواسطہ سیاست کی بحث آگئی ہے علی ہذا دستور اثینیہ ، شروع شروع کے سیاسی مکالمات ، سیاسی مضامین ، سیاسی تالیفات اور سیاسی مکاتبت جن میں بلا واسطہ یعنی براہ راست کئی ایک سیاسی مباحث پر نظر ڈالی گئی ہے اور جو سب مل کر گویا ارسطو کے مجموعۂ سیاسیات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں - لہٰذا ہم مجبور ہیں کہ رسالۂ سیاسیات کی بحثوں میں جو مقامات غیر واضح یا ادھورے رہ گئے ہیں ان کی توضیح و تکمیل ارسطو کے دوسرے رسائل نیز یونانی ریاستوں ، بالخصوص اثینیہ کی شہری ریاست پر نظر رکھتے ہوئے اپنے مطالعے اور تحقیق و تفحص کی بنا پر کریں - بعینہ جیسے اس کے بعض افکار حتیٰ کہ سیاست ، قانون ، دستور اور عدالت کے باب میں اخلاقیات اور خطابت بالخصوص اخلاقیات سے - اس لئے کہ بقول لنڈسے سیاسیات اور اخلاقیات کا تعلق درحقیقت ایک ہی موضوع یعنی فرد اور جماعت سے ہے - یونہی ارسطو کا نقطۂ نظر تمام و کمال ہمارے سامنے آئیگا اور یونہی رسالۂ سیاسیات کی ترتیب اور اس کے مباحث کی تقسیم کا مسئلہ بھی جو بجائے خود خاصا دشوار طلب ہے حل ہو سکیگا - بات یہ ہے کہ رسالۂ سیاسیات کی حیثیت ایک مستقل تصنیف کی بجائے مقالات کے ایک ایسے مجموعے کی ہے جو وقتاً فوقتاً قلمبند ہوئے اور جن کو ارسطو یا ارسطو کے اشارے سے آگے چل کر کسی مرتب نے ایک عنوان کے ماتحت ترتیب دیا اور جس کے پیش نظر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس کی منطقی (یعنی باعتبار موضوع) اور سنینی (یعنی باعتبار زمانہ) ترتیب کے بارے میں کیا رائے قائم کریں - گویا بحالت موجودہ اسے جس شکل میں مرتب کیا گیا کیا بتقاضائے منطق جیسے کسی موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس کے جملہ مباحث میں ایک ربط اور تعلق قائم کیا جاتا ہے یا یوں کہ باعتبار حالات جیسے جیسے کچھ مباحث قلمبند ہوتے چلے گئے انہیں ایک

الگ تھلگ رسالے میں جمع کر دیا گیا - محققین کی اس باب میں اگرچہ ایک نہیں مختلف رائیں ھیں لیکن ان سب کا حاصل یہ کہ رسالۂ سیاسیات اگرچہ آٹھ فصلوں میں منقسم ہے - لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس کی چھ شقیں ھیں اور اس لئے ھمیں چاھئے اسے چھ نبذوں پر مشتمل سمجھیں - نبذۂ اول (فصل اول) کی ابتدا اگرچہ اس امر سے ھوتی ہے کہ ایک سیاسی اجتماع کی نوعیت فی الحقیقت کیا ہے لیکن اس کا اصل موضوع ہے 'معیشت' (economy) جیسا کہ اھل یونان میں اس کا تصور تھا اور جس کا مطلب ہے گھر بار کا انتظام و انصرام ، حصول رزق ، خانہ داری - گویا ھماری اصطلاح میں تدبیر منزل - للہذا ارسطو نے ضروری سمجھا کہ سیاسی اور غیر سیاسی اجتماعات مثلاً ریاست اور عائلہ یا شہر اور گاؤں میں فرق کرے - نبذۂ دوم میں افلاطون کی تنقید کی گئی ہے - علیٰ ھذا بعض دوسرے مفکرین سیاسیات اور رائج الوقت اجتماعات یعنی بعض ریاستوں کی اس لئے کہ ان کی کوشش تھی جہاں تک ممکن ھو ایک مثالی ریاست کا درجہ حاصل کر سکیں - نبذۂ سوم (فصل سوم) کا تعلق چونکہ دستور و آئین کی عام بحث سے ہے للہذا اس میں شہریت اور شہریت کے ساتھ ساتھ اختلاف دساتیر ، تفریقی عدالت اور بادشاھت کی بحث ناگزیر ھو گئی - نبذۂ چہارم (فصول چہارم و پنجم) میں البتہ ارسطو کی نظر واقعات اور حقائق پر ہے - یعنی اب سیاسیات کے عملی مسائل اس کے سامنے ھیں اور وہ دیکھتا ہے کہ سیاسی گروہ بندیوں کا اظہار کس کس طرح ھوتا ہے - کبھی جمہوریت ، کبھی اعیانیت اور کبھی مدنیت یا آزاد ریاست کی شکل میں - وہ سوچتا ہے ان سب شکلوں کا امتزاج بھی تو ممکن ہے - بادشاھت کے جواز کی متعدد صورتیں بھی اس کے پیش نظر ھیں - علیٰ ھذا یہ امر بھی کہ دستور و آئین کی ھیئت چونکہ ھر اس اجتماع کی ھیئت سے متعین ھوگی جس میں اس کا نفاذ مطلوب ہے للہذا عادلہ، حاکمہ اور شوریٰ کی ھیئت بھی ھر دستور میں مختلف ھوگی - پھر اگر ریاستوں کے استحکام اور افساد کے کچھ

عام اسباب ہیں تو ہر ریاست کے استحکام اور افساد کے اپنے کچھ مخصوص اسباب بھی ہوں گے ۔ ان پر بھی نظر ڈالنا ضروری ہے ۔ نبذۂ پنجم (فصل ششم) میں اگرچہ نبذۂ چہارم کی اس بحث کا جس کا تعلق دستور سے ہے پھر سے اعاوہ ہو گیا ہے لیکن ایک دوسرے رنگ میں ۔ ارسطو کے سامنے اب سوال یہ ہے کہ جمہوریتوں اور عیانیتوں کی تاسیس کیسے کی جائے ۔ ان میں استحکام اور تقویت پیدا ہوگی تو کس طرح ۔ نبذۂ ششم (فصول ہفتم و ہشتم) میں آخرالامر وہ اس مثالی ریاست کا خاکہ پیش کر دیتا ہے جس کا تصور اس کے ذہن میں ہے ، باعتبار علاقہ ، باعتبار آبادی اور باعتبار اس کی ذہنی اور جسمانی تعلیم و تربیت کے گو پورے طور پر نہیں ۔ لہذا ٹھیک کہا گیا ہے کہ رسالۂ سیاسیات کے دراصل تین حصے ہیں ۔ (۱) نظریۂ سیاست اور عام اصول اجتماع ، (۲) سیاسی تصورات اور (۳) سیاسی ادارات ۔ اب جہاں تک اس رسالے کی منطقی ترتیب کا تعلق ہے ممکن ہے بعض حضرات یہ کہیں کہ سیاسی ادارات کی بحث سیاسی تصورات سے پہلے آنی چاہئے ۔ لیکن اس کے جواب میں یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ کیا وجہ ہے سیاسی تصورات کی بحث سیاسی ادارات سے پہلے نہ آئے ۔ بعینہ جب یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ رسالۂ سیاسیات کے بعض مباحث کی ترتیب زماناً دوسرے مباحث سے متقدم ہے اس لئے کہ ارسطو نے جو کچھ لکھا باعتبار حالات یعنی جیسے جیسے اس کے گرد و پیش سیاسی تبدیلیاں اور سیاسی انقلابات رونما ہوتے گئے اور اس کا ذہن مختلف مسائل کی طرف منتقل ہوتا گیا ویسے ہی وہ ان پر غور و فکر کرتا چلا گیا اور نتیجہ یہ کہ جب ان سب کو باہم جمع کیا گیا تو ان کا ربط باہمی قائم نہ رہ سکا ۔ بظاہر یہ نظریہ بڑا قابل قبول معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس طرح یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ رسالۂ سیاسیات کی ترتیب جس نہج پر کی گئی اس سے اس موضوع کا احاطہ جیسا کہ چاہئے تھا پورے طور پر نہیں کر سکا ۔ لہذا اس کے بعض مقامات ادھورے اور ناتمام رہ گئے ۔ لیکن یاد

رکھنا چاھئے کہ رسالۂ سیاسیات کی سنینی ترتیب کے متعلق ھم جو نظریہ بھی قائم کریں گے اپنے زور استدلال کی بنا پر قائم کریں گے یعنی وہ ھارا اپنا نظریہ ھوگا - واقعات اور شواھد سے اس کی تائید نہیں ھوگی - ھارے پاس کوئی ایسی سند نہیں جو اس کے ثبوت میں پیش کی جاسکے - یہ جو کچھ ھے محض استدلال اور قیاس - علاوہ ازیں یہ بھی ضروری نہیں کہ ارسطو کے بعض افکار کا نشو و نما بعض مخصوص حالات یا اس کی زندگی کے کسی مخصوص دور میں ھؤا اور ھؤا بھی تو یہی وہ حالات اور ادوار تھے جن میں اس نے رسالۂ سیاسیات کی کوئی بحث قلمبند کی - للہذا محققین کی رائے اس باب میں بھی یہی ھے کہ رسالۂ سیاسیات کی تصنیف کے متعلق جو بحیثیں سنینی نقطۂ نظر سے اٹھائی جاتی ھیں ایک قسم کا تکلف ھیں - بحالت موجودہ ھم اس کو جس طرح مرتب دیکھتے ھیں۔ ارسطو کے ھاتھوں یا ارسطو کے کسی شاگرد یا شاگردوں کے۔ یہی اس کی آخری ترتیب ھے (گو بعض نسخوں ، مثلاً احمد لطفی بے ھی کے اس نسخہ میں جس کا ترجمہ فرانسیسی سے ھؤا اس کا اندازہ مختلف ھے اور عبارتوں میں بھی بہت کافی تفاوت پایا جاتا ھے جیسے ایک حد تک بارکر اور ایلس کے نسخوں میں بھی) - بہر حال اوپر کی بحثوں سے جہاں اس سوال کا جواب مل جاتا ھے کہ رسالۂ سیاسیات کا اصل موضوع یعنی ایک مثالی ریاست کا نقشہ ناتمام کیوں رہ گیا نیز یہ کہ اس کے بعض مباحث ادھورے کیوں ھیں خواہ اس کی وجہ ھے رسالۂ سیاسیات کی ترتیب (یعنی متفرق مکالمات کی اشاعت ایک مجموعے کی شکل میں) یا ارسطو کے دوسرے سیاسی رسائل جو وقتاً فوقتاً مختلف مباحث میں مرتب ھوتے رھے اور جن کی حیثیت ایک طرح سے گویا اس کے تکملے اور تتمے کی ھے - البتہ نہیں ملتا تو اس سوال کا کہ ایک مثالی ریاست اور اس کی جزئیات کے متعلق ارسطو کے نقطۂ نظر اور خیالات کو تمام و کمال سمجھنے کی کوشش کی جائے تو کیسے؟ وہ ایک فصل میں ایک بحث چھیڑتا ھے مگر پھر دفعتہً اسے کسی دوسرے موقعہ پر ملتوی کرتے ھوئے

کوئی دوسری بحث میں الجھ جاتا ہے - بعینہ مسائل کے رد و کد میں بھی اس کا اشارہ کبھی کسی سابقہ فصل کی طرف ہوتا ہے کبھی کسی آئندہ فصل کی طرف - یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ارسطو کی تحریر میں کہیں کہیں کچھ بے ربطی سی پیدا ہو گئی ہے یا یہ کہ حرف مطلب حوالہ در حوالہ میں گم ہو گیا یا یہ کہ بعض مقامات پر عبارت ہی مغلق رہی - اندریں حالات اگر اس تکرار در تکرار یا ایجاز کلام یا کہیں کہیں سرسری سے اشاروں کے باعث سیاسیات کے مطالب غیر واضح رہ گئے ، یا ارسطو نے اس ساری بحث کو ایک مقام پر آ کر دفعۃً ختم کر دیا تو اس کی وضاحت اور تکمیل کی صورت کیا ہوگی - اس کا ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ قارئین یا تو خود اپنی محنت یا کاوش سے رسالۂ سیاسیات کے جملہ مطالب کی یاد داشتیں مرتب کرتے چلے جائیں اور پھر ان کا مقابلہ اس کے دوسرے رسائل مثلاً اخلاقیات اور خطابت یا دستور اثینیہ اور اس قسم کی سیاسی تحریروں سے کریں یا کسی ایسے نسخے سے فائدہ اٹھائیں جس میں مترجم یا مرتب نے اس دقت کے پیش نظر جا بجا حوالوں کا اضافہ کر دیا ہے- علیٰ ھذا حواشی ، بعض ضروری اشارات اور اقتباسات کا خواہ بشکل تعلیقات متن کے ساتھ ساتھ خواہ کتاب کے خاتمے پر ضمیموں اور تتموں کی صورت میں -

لیکن اس دشواری کا ایک حل یہ بھی ہے کہ رسالۂ سیاسیات کا ایک مفاد یا ملخص پیش کرنے کی بجائے راقم الحروف ارسطو کے ان بنیادی تصورات کی طرف کسی قدر تفصیل سے اشارہ کر دے جن کی بنا پر اس نے اپنے فلسفہ کی عمارت اٹھائی اور جو اس لئے رسالۂ سیاسیات کی بحثوں کا تار و پود ہیں - یہ بنیادی تصورات اگر قارئین کے سامنے ہوں گے تو ارسطو کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں رہیگی اور وہ اس ریاست کا تصور بھی کر سکینگے جو ارسطو کے سامنے ہے - مگر پھر اس سلسلے میں بھی راقم الحروف کو بار بار ہی سے رجوع کرنا پڑیگا اس لئے کہ جہاں تک انگریزی زبان کا

تعلق ہے ارسطا طالیسی سیاست کی بحث میں شاید اس سے بہتر اور کوئی تصنیف نہ مل سکے - بارکر کا مقدمہ ، بارکر کے ضمیمے ، بارکر کے حاشیے اور مابین قوسین متن میں تشریحی عبارتیں اس قدر باموقعہ اور با محل، مدلل اور مختصر ہیں کہ ان کی بدولت رسالۂ سیاسیات کے جملہ مطالب ، علیٰ ھذا ارسطو کا نقطۂ نظر نہایت واضح طور پر ہمارے سامنے آ جاتا ہیں - لیکن سیاست و اجتماع میں بارکر کے حوالے سے ارسطو کے بنیادی تصورات کی تھوڑی بہت توضیح سے پہلے یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ رسالۂ سیاسیات کی روح سراسر اِخلاقی ہے - اخلاقیات کا تعلق اگر فرد کی 'خصلت' سے ہے تو سیاست سے مراد ہے 'زندگی کا راستہ' اور راستے کا مطلب ہے ہمارے جملہ اعمال و افعال کی کسی ایک نہج پر اس طرح شیرازہ بندی جس سے انجام کار ایک ایسا سیاسی اجتماع—بالفاظ دیگر نظام مدنیت—وجود میں آسکے جس کا مقصد ہو حکومت ، عمالداری ، دستور و قوانین اور تعلیم کے ذریعے ایک خاص قسم کی خصلت پیدا کرنا - افراد کا یہی وسیع حلقہ ہے جس میں وہ اس خصلت کا اظہار اپنی گونا گوں سرگرمیوں اور روابط میں کرینگے اور اس کے ساتھ ساتھ اس امر کی کوشش بھی کہ اسے قائم اور برقرار رکھیں - سیاست گویا اخلاق کا تتمہ ہے یا یوں کہئیے کہ اخلاق اس کی تمہید اور جس کا مطلب ہے اصولاً ایک موقف اختیار کرتے ہوئے حیات اجتماعیہ میں عملاً اس کی ترجمانی اور جو ظاہر ہے بغیر ریاست کے ممکن نہیں - لہٰذا ریاست کا وجود اس کی شرط ضروری ہے - گویا ارسطو نے سیاسیات سے بحث کی تو ایک علمی اور نظری مسئلے کی حیثیت ھی سے نہیں - اس کا نقطۂ نظر فلسفیانہ بھی ہے اور عملی بھی اور یہ وہ نقطۂ نظر ہے جس پر ہر یونانی متفق تھا - وہ سمجھتا تھا سیاسیات کی اھمیت دوگونہ ہے - سیاست ایک علم بھی ہے اور فن بھی - لہٰذا جو کوئی اس موضوع پر قلم اٹھاتا اس کے بنیادی مسائل کے متعلق ایک نظریہ قائم کرتے ہوئے وہ سب تجاویز بھی پیش کرتا جو اس نظریے کے ماتحت اسے معاشرے کے نظم و ضبط کے لئے ضروری معلوم ہوتیں - بالفاظ دیگر وہ بیک وقت مفکر

بھی ہوتا ، مدبر اور مقنن بھی - اسے گروہ افراد سے وہی نسبت ہوتی جو معمار کو خشت و سنگ سے - وہ یا تو یہ دیکھتا کہ جس قسم کا مسالہ اس کے پاس ہے اس سے کس طرح کی عمارت طیار کی جا سکتی ہے یا یہ کہ جو عمارت اس کے ذہن میں ہے اس کے لئے کس قسم کے ساز و سامان کی ضرورت ہوگی - مگر پھر انسان کی مثال محض سنگ و خشت کی نہیں ، اس کے اندر طرح طرح کے رجحان ، امیال و عواطف کام کرتے رہتے ہیں اور اس شخص— مدبر ، مقنن ، ریاست گر— کی ذات بھی جس کے ہاتھ میں ان کا سر رشتۂ زندگی ہے غلطی اور خطا سے مبرا نہیں تو ایک مثالی اجتماع کا قیام کیونکہ عمل میں آئے گا ؟ اب جہاں تک ارسطو کا تعلق ہے وہ اس صورت حالات کا مداوا یوں کرتا ہے کہ ریاست کی بحث میں جو مسائل خود ریاست یا ریاست کے سلسلے میں پیدا ہوتے ہیں نظری پہلو سے تو ان کی تشریح و توضیح میں عقل و فکر ، منطق اور استدلال سے کام لیا جائے عملاً اصول فن ، اس کے منہاجات اور طور طریقوں سے - یہی وجہ ہے کہ اپنے نقطۂ نظر کی تائید و تقویت علیٰ ہذا اس کی عملی ترجمانی کے لئے وہ بار بار فن اور اہل فن کی شہادت پیش کرتا ہے تاکہ ہم جس ریاست کی تاسیس کر رہے ہیں اس میں وہی روش اختیار کریں جو ایک صناع کسی چیز کی طیاری میں کرتا ہے - ہمیں چاہئے دوسرے اہل فن پر بھی نظر رکھیں جیسے ریاست بھی کوئی مصنوعی وجود ہے جسے اصول علم اور اصول فن کے ماتحت حسب دل خواہ جیسی چاہے شکل دے دی جاسکتی بلکہ اسے قائم اور برقرار بھی رکھا جا سکتا ہے - رہا اس میں اصلاح و افساد کا مسئلہ سو اس لحاظ سے ارسطو کے سامنے بہترین نمونہ طب اور طبیب کا ہے - طب کے پیش نظر جسم انسانی کی اصلاح (صحت) اور افساد (مرض) کا معاملہ ہے اور طبیب وہ شخص جس کی ذات میں علم اور فن دونوں جمع ہو جاتے ہیں - چنانچہ علم اور فن کا یہی امتزاج ہے جس کی بدولت وہ جسم کی تندرستی اور حفظ و بقا کا اہتمام کرتا ہے اور یہی کچھ وہ رویہ ہے جو صاحب سیاست کو اپنے سیاسی مقاصد کی رعایت سے

اختیار کرنا پڑتا ہے - مگر پھر اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ ایک صاحب فن یا طبیب کی طرح وہ اپنی اس جد و جہد میں کامیاب بھی ہو جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کیوں نہیں - انسان کی ایک طبیعت ہے اور یہ طبیعت عالم طبیعی کے طور طریقوں سے کچھ مختلف نہیں - عالم طبیعی ھی کے حوالے سے وہ ریاست کی بحث میں مفرد اور مرکب کا ذکر کرتا ہے - مفرد تو خیر مفرد ہے یعنی کوئی ایسی شے جس کا کوئی جز ہے نہ حصہ لیکن مرکب متعدد اجزا پر مشتمل - ریاست بھی ایک مرکب شے جس کی ترکیب کئی ایک عناصر سے ھوتی ہے - لہذا ہم اسے سمجھنا چاھتے ھیں تو ھمیں چاھئے بحیثیت مرکب اس پر نظر رکھیں - یہ دیکھیں اس کے اجزا کیا ھیں اور ان کا ایک دوسرے سے کیا تعلق - اس کی ترکیب کیسے ھوئی اور کب یعنی ھمیں اس کے مبد و مصدر تک پہنچنا چاھئے تاکہ ھم اس کے نشو و نما کا عمل تمام و کمال سمجھ لیں - اس سلسلے میں کوئی ایسا منہاج ھی بکار آمد ثابت ھو سکتا ہے جو کسی چیز کی ابتدا تک پہنچ سکے اور ابتدا ھی کے حوالے سے اسکی انتہا کا تصور کر سکے- یعنی منہاج تکوینی جس سے ارسطو بار بار کام لیتا ہے - لہذا وہ جب افلاطون یا بعض دوسرے محققین پر تنقید کی نظر ڈالتا اور ان سے اپنے اختلافات بیان کرتا ہے تو یہی سمجھ کر کہ ان حضرات نے ریاست کے وجود کو بحیثیت ایک مظہر طبیعی اپنے سامنے نہیں رکھا، نہ اس کی تاسیس میں اس امر کو کہ اصول فن کا تقاضا اس سلسلے میں کیا ہے تاکہ ھم سمجھتے ھم اس کے اصول و منہاجات سے فائدہ اٹھا سکتے ھیں تو کس طرح، نہ ایک طبیب کی طرح اس بات کا کہ اس کی اصلاح و افساد کے اسباب کیا ھیں - وہ سمجھے ھم محض اپنے خیالات اور نظریات کے زور پر جیسی چاھیں ریاست قائم کر سکتے ھیں - ارسطو کا خیال اس کے برعکس یہ ہے کہ اگر ھم ان امور کا لحاظ رکھ لیں تو عین ممکن ہے کہ اصول کا رشتہ عمل یا دوسرے لفظوں میں یوں کہئیے خیالات کا نظریات سے جوڑ دیں -

رہا یہ سوال کہ ارسطو کیا خود بھی یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ جس مثالی ریاست کا نقشہ اس کے ذہن میں ہے وہ حقائق کی اس دنیا میں جہاں ہمارے مقاصد اور ہماری آرزوں کو قدم قدم پر ٹھوکر لگتی ہے سچ مچ قائم بھی ہو سکتی ہے، یا یہ کہ اس ساری بحث میں جو اس نے اپنے پیش کردہ اصولوں پر اٹھائی ہے کیا خیالات اور تصورات کا سلسلہ فی الوقعہ واقعات اور حوادث سے مل گیا تو اس کا جواب اگرچہ نفی میں ہے لیکن ایک بات ہے جسے بہر حال نظر انداز کرنا ناممکن ہے اور وہ یہ کہ سیاست اگر ایک 'طریق زندگی' ہے تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اس میں جب ھی کچھ معنی پیدا ہوں گے جب ہمارے قول و فعل میں پورا پورا تطابق موجود ہو - بالفاظ دیگر ہم جو سیاسی ادارات قائم کریں ان میں اور ہمارے سیاسی تصورات میں کامل ہم آہنگی موجود رہے جیسا کہ ہر یونانی کا خیال تھا خواہ یہ تطابق اور یہ ہم آہنگی نتیجہ ہو ریاست کی طبعی حیثیت کے اعتراف کا جیسا کہ ارسطو نے اپنی واقعیت پسندی کے پیش نظر اس توقع کا اظہار کیا ہے خواہ افلاطون ایسے خیال پرست کے تتبع میں کسی نصب العین کی بدولت - دونوں صورتوں میں سیاست کا یہ تصور کہ وہ ایک طریق زندگی ہے لہذا اس کا تقاضا ہے ایک مخصوص ریاست یونان کے سیاسی فکر کا مابہ الامتیاز رہیگا - جدید مغربی فکر سیاست کا البتہ یہ انداز نہیں - ایک تو اس لئے کہ موجودہ زمانے کی ریاستیں ملکی ریاستیں ہیں لہذا ان کے احوال اور مفاد و مصلحت کا قیاس 'شہری' ریاستوں کی بنا پر نہیں کیا جا سکتا - دوسرے اس لئے کہ عصر حاضر کا نقطۂ نظر 'تاریخی' ہے - تاریخ سے ہمیں اس سلسلے میں جو سبق ملتا ہے وہ یہ کہ ریاستیں پیدا نہیں کی جاتیں، ریاستیں پیدا ہوتیں اور باعتبار حالات جن کی نوعیت داخلی بھی ہوگی اور خارجی بھی بتدریج نشو و نما حاصل کرتی ہیں - ریاست کوئی مصنوعی جسم نہیں کہ آپ نے کچھ اصول اور کچھ قانون وضع

کرتے ہوئے جس طرح چاہا تیار کر لیا - اس کی مثال ایک پودے کی ہے جو کسی مناسب سرزمین میں مناسب وقت پر سر نکالتا اور اپنی زندگی کا رخ اپنے ارتقا کے مراحل طے کرتے ہوئے آپ متعین کرتا ہے - سیاست اور اجتماع کی دنیا ایک متحرک اور متغیر دنیا ہے جس کی کوئی ابدی ہئیت ہے نہ مستقل شکل - یہ ہے ایک طرح سے فکر حاضر کا لب لباب - پھر اسے ریاست اور کلیسا کی تفریق کہئیے یا کوئی اور مجبوری سیاست حاضرہ کا یہ ایک بنیادی عقیدہ ہے کہ ریاست کے اپنے چند حدود ہیں جن سے تجاوز کرنا غلطی ہے اور اس لئے یہ اخلاق ہو یعنی فرد کی 'خصلت' یا اس کی تکمیل ذات ، یا فرد اور جماعت کا ربط باہمی یعنی بحیثیت مجموعی اس کے کسی اخلاقی یا مذہبی نصب العین کا معاملہ ریاست کو براہ راست اس سے کوئی تعلق نہیں - وہ بالواسطہ تو اس میں مد و معاون ہوگی لیکن بلاواسطہ اس میں مداخلت نہیں کرے گی - اس کا فرض ہے اپنے حدود سے تجاوز کئے بغیر ان کے اندر رہتے ہوئے افراد کے آزادانہ نشو و نما کا سامان پیدا کرنا - تصوراتی (ideological) ریاستوں کا معاملہ اگرچہ اس سے مختلف ہے لیکن یونانی نصب العین ریاست سے انہیں بھی بہت تھوڑا تعلق ہے ، جیسے عصر حاضر کی جدید ریاستوں میں باوصف اختلاف کچھ بہت زیادہ فرق بھی نہیں - مگر پھر یہ بحث کہ ریاست کے باب میں ہمارا تصور کیا ہونا چاہئے چونکہ بے محل بھی ہے اور غیر ضروری بھی ، نہ اس تمہید کو اس سے دور کا کوئی تعلق اس لئے یہاں راقم الحروف کو کچھ عرض کرنا ہے تو یہ کہ ریاست کے بارے میں اگر اس بنیادی حقیقت کو جو گویا یونان کے سیاسی فکر کا محرک یا نقطۂ آغاز ہے ذہن نشین کر لیا جائے تو ارسطو کے خیالات اور نظریات کے سمجھنے میں آسانی ہوگی - لہٰذا اب دیکھنا چاہئے کہ یہ خیالات اور نظریات ہیں کیا -

اس سلسلے میں سر فہرست ارسطو کا تصور ریاست ہے لیکن ریاست

کا نام لیجئے تو آج ہمارا ذہن کسی ایسے اجتماع کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جسے سیاست حاضرہ 'قوم' سے تعبیر کرتی ہے اور جو ظاہر ہے کسی چھوٹے یا بڑے قطعہ ارضی یعنی 'ملک' یا 'وطن' ہی میں آباد ہوگی - رسالۂ سیاسیات میں اس کے برعکس نہ قوم کا تصور ملیگا نہ ملک کا - اسے حب الوطنی سے بحث ہے، نہ قومیت سے - اس کا موضوع ہے 'شہر' اور 'شہری' ان معنوں میں کہ ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے اور ایک ہی مقام میں بسنے والوں کی ایک محدود سی تعداد کی بحیثیت فرد اور بحیثیت جماعت گھر اور باہر کی ساری زندگی اس طرح منضبط ہو کہ ہر شہری کی تکمیل ذات کے ساتھ ساتھ خود شہر بھی اپنے خیالات و معتقدات اور اپنے رسوم و آئین کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی اخلاقی ور مادی ضروریات اپنے قدرتی اور طبعی وسائل سے کام لے کر آپ پوری کرے - لیکن ایسا شہر آباد ہوگا تو ایک محدود سے خطے میں اور چند ایک دیہاتی بستیوں کے آس پاس جو ابھی 'شہر' کے درجے کو نہیں پہنچیں - اور جن کی زندگی کا رنگ ڈھنگ ابھی تک گاؤں کا ہے لہٰذا بحیثیت اجتماع ناقص، کیا باعتبار شعور ذات اور کیا باعتبار نظم و جمعیت - اس کے مقابلے میں شہر کی زندگی ہے جس کا ایک نصب العین ہے اور ایک مطمح نظر اور اس لئے ارسطو کو نہ فرد اور جماعت کے امتیاز سے بحث ہے نہ مذہب اور سیاست کی تفریق سے - اس کے یہاں زندگی کا سارا کارواں مجتمع طور پر ایک منزل کی طرف بڑھ رہا ہے جس میں ہر فرد جیسا بھی اس کا مقام ہے اور جتنی بھی اس کی صلاحیتیں ہیں ان کو بروئے کار لاتا اور حتی الوسع کوشش کرتا ہے کہ ادائے فرض میں دوسروں سے پیچھے نہ رہے - بظاہر اس نے ایک دستور ریاست قبول کیا ہے - حقیقتاً ایک اجتماعی نظام اخلاق جو اس سے انتہائی اطاعت کا طالب اور ہر طرح سے واجب التعمیل ہے - اندریں صورت اندازہ ہو سکتا ہے کہ ارسطو اور ارسطو کے ہم خیالوں کے لئے ریاست کا مسئلہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں تھا، بلکہ پوری زندگی اور اس کے مقصود و منتہا

کا مسئلہ - یہ نہیں کہ آج کل کے سیاسی فکر کی طرح زندگی کا صرف ایک پہلو اس کے سامنے ہو اور صرف اس وقت پیش آئے جب عملاً ایک نظم جماعت موجود ہو یا وجود میں آجائے - یہ نہیں کہ جماعت کا سارا مسئلہ اس کے سامنے رہے - باالفاظ دیگر ارسطو اور اس کے ہم خیالوں کا نقطۂ نظر عصر حاضر کے مفکرین سیاست سے جہاں کہیں زیادہ وسیع تھا وہاں ان کا کام بھی ویسا ہی مشکل اور دشوار تر - راقم الحروف کے نزدیک اب یہ بات بہ آسانی سمجھ میں آجائے گی کہ یونانی ریاستوں کو 'شہری ریاستوں' سے تعبیر کیا جاتا تھا تو کیوں اور ان کی حقیقی نوعیت تھی تو کیا - یونان کے سواحل اور اندرون ملک علیٰ ھذا جزائر اور نو آبادیوں میں اس قسم کی ریاستیں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں اور تعداد میں ڈیرہ سو سے بھی متجاوز جن میں سے ہر کوئی اپنی احتیاجات کی آپ کفیل تھی ، لہٰذا اس امر کی بالخصوص کوشاں کہ اس کی وسعت—باعتبار آبادی و باعتبار رقبہ—ایک حد مقررہ سے آگے نہ بڑھے - کفایت ذات اور ایک بہمہ وجوہ مکمل زندگی کے ساتھ ساتھ - لہٰذا ریاست کے بارے میں ان کا تصور یہ تھا کہ اس کا اوج کمال ہے اپنے طبعی اور فطری درجے تک پہنچنا یعنی اس طرز زندگی کا اتباع جو مقصود فطرت ہے اور اس لئے آخر ناگزیر اور ناقابل شکست -

یہاں پہنچ کر ہمارا ذہن ارسطو کے تصور فطرت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے - فطرت کا عام تصور تو یہی ہے کہ اس نے انسان کو آزاد پیدا کیا ، یا یہ کہ جیسی کچھ کسی کی صلاحتیں ہیں ان کے مطابق اسے اپنے اعمال و افعال میں آزادی ہونی چاہئے - یہ نہیں کہ ہم کسی خیال یا عقیدے کے ماتحت اس پر کوئی پابندی عائد کریں - رہا جماعت کا معاملہ سو یہ زیادہ سے زیادہ ایک انتظامی امر ہے جس کا حل کچھ مشکل نہیں - اس قسم کا طرز فکر میں بھی موجود تھا کی اور بادشاہوں اور مستبدوں میں ذات یونان

عملاً اس کا اظہار بھی ہوتا تھا لیکن ارسطو کو یہ طرز فکر بغایت ناگوار تھا - برعکس اس کے وہ دیکھتا تھا کوئی استعداد ہے جو فطرت میں ہرکہیں کار فرما ہے اور جس کی بدولت ہر شے کسی مقصد یا غایت کی طرف بڑھتی اور بالاخر ایک مخصوص وضع قطع، ہئیت یا صورت اختیار کر لیتی ہے - انسان کی ذات بھی اس سے مستثنیٰ نہیں - انسان کی بھی ایک فطرت ہے یہ نہیں کہ اس کی زندگی عبارت ہے چند ایک جبلتوں کے عمل دخل اور کارفرمائی سے - اس کی فطرت کا تقاضا ہے ابنائے جنس کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرنا، کسی مخصوص نصب العین کی خاطر اور اس لئے ایک مقررہ نظم و ضبط کے ماتحت - با لفاظ دیگر وہ ایک 'حیوان شہری' ہے یعنی مدنی بالطبع اور مدنیت یا کسی سیاسی اجتماع کا بالارادہ جز بن کر رہنا سہنا اس کی زندگی کی غایت - لہٰذا ریاست اگر ایک طبعی اور فطری مظہر ہے اور اس کا نشو و نما ناگزیر تو اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اس نشو و نما کا عمل آپ سے آپ سرزد ہوتا ہے یا یہ کہ جہاں اس کا ظہور ہوا مکارم اخلاق کی پرورش ہونے لگی - ہرگز نہیں - وہ ایک طبعی اور فطری امر ہے تو ان معنوں میں کہ تکمیل ذات یا اپنی غایت کو پہنچنا ایک ایسا تقاضا ہے جو انسان کے اندر جبلتاً موجود ہے اور جو عائلہ اور گاؤں کے ابتدائی اور تمہیدی مراحل سے گذرتے ہوئے آخر کار اسے اس مرحلے پر لے جاتا ہے جہاں پہنچ کر ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ ایک ایسے اجتماع کی تاسیس کرے جسے ہم شہر یا ریاست سے تعبیر کرتے ہیں اور جس کے بغیر ناممکن ہے ہم اپنا مقصود دلی حاصل کر سکیں - با لفاظ دیگر ریاست ایک فطری اور طبعی امر ہے تو اس لئے کہ یہ ہماری اپنی فطرت اور طبیعت کا تقاضا ہے کہ ہم اس کی تعمیر میں خود اپنی سمجھ بوجھ سے قدم اٹھائیں - گویا اس تعمیر میں ہماری اپنی کوششوں اور اپنے شعور اور ارادے کا بھی دخل ہے - پھر یہ تعمیر ٹھیک بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی یعنی باعث خیر

اور موجب شر بھی - علیٰ ھذا یہ بھی کہ اس سے ھماری بہتر سے بہتر آرزوؤں اور اعلیٰ سے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل ھو سکے اور یہ بھی کہ وہ ظلم و استبداد اور مذموم الاخلاقی کا سرچشمہ بن جائے - بایں ھمہ جہاں تک نفس ریاست کا تعلق ہے جس کسی نے اس کی بنیاد رکھی وہ بہت بڑا خیر خواہ تھا نوع انسانی کا ، اس لئے کہ اسی نے بہر حال اس راستے پر قدم رکھا جو فطرت کا اپنا راستہ ہے گو اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ انسان ھمیشہ فطرت ھی کے راستے پر چلتا ہے - اس سے سمجھنا چاھئے تو یہ کہ وہ فطرت کے راستے پر بھی چل سکتا ہے بلکہ توقع ہے کہ چلے گا کیونکہ بغیر اس کے ناممکن ہے اسے تکمیل ذات کی نعمت حاصل ھو - یہ گویا اس کی فطرت کا تقاضا ہے کہ اس راستے پر چلے جس کا منتہا ہے ریاست -

لیکن فطرت کے اس تصور سے جو سطور بالا میں خود بخود ھمارے سامنے آگیا ہے ریاست کا وجود ایک ھمہ گیر اھمیت اختیار کر لیتا ہے اور ھم مجبور ھیں اسے ھر چیز پر مقدم رکھیں - اس کا جواز ھر اس ادارے اور تاسیس کا جواز ہے جس نے اس کی ترکیب میں حصہ لیا - مثلاً ارسطو اور افلاطون دونوں غلامی کی حمایت کرتے ھیں - ارسطو اس کے علاوہ عائلہ اور ذاتی ملکیت کی - افلاطون دونوں کا مخالف ہے لیکن ریاست کو بہر حال دونوں غایت ٹھہراتے ھیں اور غایت ھی وہ چیز ہے جس کی بنا پر وہ کسی ادارے یا رسم و رواج کی مخالفت اور موافقت کریں گے - یہ دوسری بات ہے کہ افلاطون کی روش انتہا درجے کی شدت اور سختی ارسطو کی اس کے برعکس نرمی اور ملاطفت کی ہے - لیکن دونوں کے نزدیک ریاست کا وجود ساری زندگی پر حاوی ہے - اس کا ھر حکم ناطق اور ھر فیصلہ قطعی - اسے اختیار ہے حصول مقصد کے لئے جو ذریعہ مناسب سمجھے استعمال کرے جیسے یہ کہ غلامی کا رواج قائم رکھے - یہ اس لئے کہ شہریوں کے ادنیٰ کام کاج

غلام ہی سنبھال سکتے ہیں ۔ غلام ان کا کام سنبھالینگے تو انہیں اتنی فراغت میسر آئے گی کہ امور ریاست میں حصہ لے سکیں ۔ پھر چونکہ ریاست کا سب سے بڑا وظیفہ ہے افراد ریاست کی تکمیل ذات اور مکارم اخلاق کی پرورش کا سامان پیدا کرنا لہٰذا فرد اس کی ضد ہے نہ وہ فرد کی ۔ بیشک وہ ہر فرد کو شہری تسلیم نہیں کرتی مثلاً غلاموں ، محنت مزدوری کرنے والوں اور اہل حرفہ یا پیشہ‌ور جماعتوں کو ۔ گویا بطور اجتماع کے اس کے حدود اس علاقے کی ساری آبادی پر منطبق نہیں ہوتے جس میں اس کا وجود قائم ہے ۔ لیکن اس میں مضائقہ ہی کیا ہے ۔ ریاست اگر غایت الغایات ہے تو ہمیں اس کا درجہ بہت اونچا رکھنا پڑیگا خواہ اس درجے کے پیش نظر بہت سے افراد کو ریاست کی نعمتوں اور خوش بختیوں سے محروم رکھنا پڑے ۔

یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس قسم کی ریاست کا انداز ریاست سے بڑھ کر جیسا کہ آج ہم اس کا مطلب سمجھتے ہیں ایک تعلیمی ادارے کا ہوگا اور اس سے مقصود فضائل اخلاق کی تربیت تاکہ اچھے انسان پیدا ہوں ۔ لہٰذا اس کے نظم و ضبط میں نہ مذہب سیاست کا حریف ہوگا نہ سیاست کو مذہب سے کوئی عداوت ۔ لہٰذا اس کا فرض ہے اندرون خانہ سے لے کر گھر کے باہر تک افراد کی سرگرمیوں پر نظر رکھے اور ان کا رخ جس طرف مناسب سمجھے موڑ دے ۔ ورنہ افراد کی زندگی اس سانچے میں کیسے ڈھلے گی جو ایک مقررہ نصب العین کے ماتحت اس کے سامنے ہے ۔ نظر بریں یہ بحث لاحاصل ہو جاتی ہے کہ فرد اور ریاست کیا دو الگ الگ اور باہم دگر متقابل وجود ہیں ۔ ریاست از کے قول و فعل میں دخیل ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ سیاست حاضرہ کے نقطۂ نظر سے تو ریاست کے کچھ حدود ہیں اور یہ اس کی ذمہ‌داری کہ حتی الوسع ان سے تجاوز نہ کرے ۔ مخصوص یا ہنگامی حالات کی بات دوسری ہے ۔ لیکن یونانی مفکرین سیاست کا نظریۂ سیاست

چونکہ عبارت ہے اس نظم و جمعیت سے جس کے بغیر ناممکن ہے ہم اپنا پسند کردہ طریق زندگی اختیار کریں یعنی ان عادات اور خصائل کا اکتساب ممکن ہو سکے جو مقصود ہیں اخلاقیات کا لٰہذا اسے حق پہنچتا ہے کہ شہریوں کی ساری زندگی اس کی رائے اور آئین و قوانین کے ذریعے منضبط ہو۔ وہ ان کی خانگی زندگی کی نگرانی کریگی، یہ بتائے گی ازدواج کا مناسب وقت کیا ہے، بچوں کی تعلیم و تربیت کیسے کی جائے حتیٰ کہ تفریح و تفنن سے لے کر ہر چھوٹا بڑا معاملہ اس کے زیر احتساب ہوگا۔ نہ جسم کی ورزش اس سے مستثنیٰ ہے نہ دل و دماغ کی پرورش، نہ موسیقی، نہ قصے کہانیاں، نہ آداب و رسوم اس لئے کہ یہی تو وہ باتیں ہیں جن سے فضائل یا رذائل کو تحریک ہوتی ہے اور ہم اپنے نصب العین حیات میں آگے بڑھتے یا پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ لٰہذا یہ کیسے کہا جائیگا وہ مداخلت ہے فرد کی زندگی میں۔ دراصل یونان کے افکار سیاست میں ریاست کی مداخلت اور عدم مداخلت کی کوئی جگہ ہی نہیں تھی اور ارسطو اور افلاطون اس تصور ہی سے ناآشنا تھے۔ گو ہمارے نزدیک اس کی ایک جائز اساس ہے اور ہم سمجھتے ہیں کہ فرد اور ریاست فی‌الواقع دو الگ الگ اور باہم دیگر متقابل وجود ہیں۔ لیکن ہمیں نہیں بھولنا چاہئیے کہ سیاست حاضرہ میں یہ سوال پیدا ہوا تو کیوں اور وہ کیا اسباب تھے جن کی بنا پر یورپ میں اس مسئلے نے ایک انتہائی شکل اختیار کر لی۔ اس کی ایک تاریخ ہے اور اسے ریاست اور کلیسا کی اس تفریق سے نہایت گہرا تعلق جو مغرب کے اخلاق و معاشرت اور حیات اجتماعی میں بڑے دور رس انقلابات کا سبب بنی بالخصوص اس وقت جب قومیت کے جغرافی تصور، معاشی عدم مداخلت، نظام سرمایہ‌داری کا ارتقا ہؤا اور پھر اس کے خلاف اشتمالی ردعمل سے۔ لٰہذا یہ مسئلہ بطور مسئلے کے سمجھ میں آئے گا تو جب ہی کہ ہم اس پر ان مخصوص حوادث اور تغیرات سے الگ کرتے ہوئے نظر ڈالیں۔

ارسطو اور افلاطون بہر حال ان اخلاقی اور اجتماعی تحریکات سے بے خبر تھے جو قرون ما بعد میں پیدا ہوئیں۔ وہ اپنی محدود سی شہری ریاست میں جس کی حیثیت کیا باعتبار آبادی اور کیا باعتبار وسعت آج کل کے ایک معمولی سے شہر سے زیادہ نہیں تھی یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ کیا مسائل ہیں جو عصر حاضر کی وسیع و عظیم ملکی ریاستوں کو پیش آئیں گے یا یہ کہ ان کے باشندوں کی سیاسی اور اجتماعی زندگی کس قدر مختلف اور پیچیدہ شکل اختیار کر لیگی۔ انہوں نے بسبب اپنے مخصوص عقائد اور نسلی تعصبات کے مشرق کی همسایہ ریاستوں سے بھی کوئی سبق حاصل نہیں کیا، نہ ان کے آئین و قوانین اور نظام اجتماع کو سمجھنے کی کوشش کی۔ لہذا یونانی دل و دماغ کو یہ مسئلہ ہی پیش نہیں آیا کہ ریاست کی مداخلت اور عدم مداخلت کے کیا فی الواقع کچھ حدود ہیں۔ فرد کہاں تک اس سے آزاد ہے اور کہاں تک اس کا پابند۔ حالانکہ آزادی ذات کا جذبہ ہر انسان کی فطرت میں موجود ہے اور وہ طبعاً اس امر کا خواہش مند کہ اس کی زندگی کا سررشتہ خود اس کے ہاتھ میں رہے۔ لیکن ارسطو اور افلاطون کو دیکھئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انسانوں کی حیثیت ان کے نزدیک بچوں کی ہے اور اس لئے وہ مجبور ہیں کہ اپنے سود و بہبود اور رہنمائی کے لئے کسی مقنن یا مدبر ریاست سے رجوع کریں۔ بیشک انسان کی ایک خصلت ہے اور اسے ایک دستور حیات کی طلب لیکن اس کا کمال یہ نہیں کہ اس خصلت کی تربیت اور دستور حیات کی پابندی میں ہمیشہ دوسروں کے سہارے آگے بڑھے۔ اس کا کمال یہ ہے کہ اپنے شعور اور عقل اور ایمان کی روشنی میں اپنے نفع و نقصان اور نیک و بد کو سمجھے خواہ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہو یا جماعت کا۔ وہ اس امر کا فیصلہ کر سکے کہ اس کی گونا گوں ذمہ داریاں کیا ہیں اور ان کا تقاضا کیا۔ وہ کس راستے پر چلے اور کیا قدم اٹھائے۔ بصورت دیگر یہ کیسے کہا جا سکتا ہے اس

اپنے نشو و نما اور تکمیل ذات کے مراحل طے کر لئے ۔ دراصل ارسطو نے اس باب میں جو نقطۂ نظر اختیار کیا ہے اصولاً بھی غلط ہے اور عملاً بھی ۔ اصولاً تسلیم کرنا پڑیگا کہ انسان کو شعور ذات کی نعمت حاصل ہے اور اس لئے کوئی وجہ نہیں وہ خیر و شر میں تمیز نہ کر سکے ۔ بالفاظ دیگر وہ ایک ذمہ‌دار ہستی ہے جسے اپنے اعمال و افعال میں اپنی مسئلولیت کا آپ احساس ہے اور اس لئے یہ اہمیت بھی کہ فرائض حیات کی ادائیگی میں خود اپنی عقل و دانش اور فہم و بصیرت کا سہارا ڈھونڈے ۔ لہذا عملاً بھی یہی بہتر کہ اس کی اس اہلیت کو ترقی دی جائے تاکہ وہ اپنے آپ پر اعتماد کرنا سیکھے اور جہاں رائے اور مشورے کی ضرورت ہے وہاں رائے اور مشورے سے کام لے ۔ چنانچہ تاریخ کو دیکھئیے تو انسانی معاشرے نے جتنی بھی ترقی کی ہے اسی روایت اور طرز عمل کے ماتحت کی ہے اور یہی روایت اور طرز عمل ہے جس کی بدولت آئندہ بھی ترقی کرتا چلا جائے گا ۔ لیکن ارسطو اور افلاطون تو گویا انسان سے بدظن ہیں اور ان کے خیالات سے یہ مترشح ہوتا ہے جیسے اس میں کبھی یہ صلاحیت ہی پیدا نہیں ہوگی کہ اپنی زندگی کا مسئلہ آپ حل کر سکے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسے تربیت کی ضرورت ہے مگر تربیت کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا سر رشتۂ حیات ہمیشہ کسی فرد یا افراد کے ہاتھوں میں رہے تا آنکہ یہ اسی یا انہیں کا امر و نہی ہو جس کی متابعت سے وہ ایک اچھا انسان بن سکے ۔

بہر حال ریاست کے اس ہمہ‌گیر غلبے میں ارسطو کو نہ تو کوئی عیب نظر آتا ہے نہ آسکتا تھا اس لئے کہ ریاست کا فریضہ ہے ایک معلم کی طرح افراد ریاست کی اخلاق نگہداشت اور تعلیم و تربیت ۔ لہٰذا جو بھی ریاست ہے اسی ایک غایت کی طرف بڑھ رہی یا اس سے دور ہٹ رہی ہے ۔ یا پھر یہ کہئیے کہ وہ ایک بگڑی ہوئی شکل ہے اپنے 'عین' اور 'مثال' کی ۔ لیکن عین اور مثال سے ہمارا ذہن

افلاطون کے نظریہ اعیان کی طرف منتقل ہو جائیگا جس سے ارسطو کو اگرچہ جزواً اختلاف ہے بایں همه وہ بھی اپنے پیشرو اور معلم کی طرح ہر چیز کو مثالی نقطۂ نظر سے دیکھنے کا عادی ہے۔ ارسطو اور افلاطون دونوں کو جستجو تھی کہ ریاست کا عین‌الکمال کیا ہے لیکن کمال وہ حالت ہے جسے اہل یونان کی فنی اور جمال پسند طبیعت تناسب، تشاکل اور متناہیت میں مشہود دیکھتی تھی۔ لہٰذا ارسطو اور افلاطون دونوں کا خیال تھا کہ 'شہر' کے کچھ حدود ہیں تاکہ اہل شہر ایک دوسرے کے حالات اور معاملات سے بے خبر نہ رہیں۔ نیز یہ کہ ان پر قانون کی گرفت آسان ہو جائے۔ ان کی تعداد بھی بس اتنی ہونی چاہئیے کہ ہر کوئی براہ راست امور ریاست میں حصہ لے سکے۔ یہ نہیں کہ شہر ملک اور اہل شہر قوموں کی شکل اختیار کر لیں۔ چنانچہ ارسطو نے اس سلسلے میں بابل کی مثال پیش کی ہے جہاں آبادی کی کثرت نے ایک ازدہام کی صورت اختیار کر لی تھی اور اہل شہر 'شہری' نہیں رہے تھے ان کی حثیت چند در چند قوموں کی تھی۔ یہ مثال صحیح ہو یا غلط یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ یونانی مفکرین سیاست کے نزدیک خیالی کو واقعی سے جو تعلق تھا یعنی اس امر سے کہ واقعی کامعیار ہے خیالی وہ اس کے پیش نظر ہر چیز کی ایک حد مقرر کرتے۔ ان کا خیال تھا کوئی بھی اجتماع ہو ہم اس میں زندگی کا رخ از روئے آئین قوانین جس طرف چاہیں موڑ سکتے ہیں۔ جیسے کسی دریا کے بہاؤ کو یا جیسے یہ ممکن ہے کہ قدرت نے جو اشیا پیدا کی ہیں ہم ان سے اپنے مطلب اور پسند کی چیزیں طیار کر لیں۔ وہ کہتے جتنا اچھا ساز و سامان ہوگا اتنی ہی اچھی ہماری طیار کردہ چیز او اس لئے برابر اس کوشش میں رہتے کہ جہاں کہیں کوئی نیا شہر یا نو آبادی قائم ہے وہاں موقعہ ملے تو ابتدا ہی میں اسے حسب مطلب شکل دے دیں۔ اس سلسلے میں افلاطون کے تجربات جس قدر ناکام رہے ان کا حال تو سب کو معلوم ہے، ارسطو کی مثالی ریاست بھی کبھی معرض وجود میں نہیں آئی، نہ آ سکتی تھی اس لئے کہ مقدونوی طاقت کے عروج اور غلبۂ و استیلا نے یونان کی بساط سیاست ہی الٹ دی۔ لیکن ارسطو کے سامنے چونکہ یونانی ریاستوں کے

جملہ احوال و کوائف جن کو اس نے بڑی کاوش سے جمع کیا موجود تھے اور یہ اسکی دماغی کاوشوں کی ایک روشن مثال ہے لہذا اس نے یہی بہتر سمجھا اپنی مثالی ریاست کی کوئی کامل و مکمل تصویر پیش نہ کرے جیسے افلاطون نے کی ہے بلکہ صرف اس امر کی طرف اشارا کر دے کہ اس کی تاسیس کے ذرائع کیا ہوں گے - علیٰ ہذا یہ کہ ہم اس کے آئین و قوانین کا مسئلہ طے کریں گے تو کیسے - یہ اس لئے کہ اس نے جن ریاستوں کی تنقید کی ہے ان کی کوشش بھی تو یہی تھی کہ حالت کمال کو پہنچ سکیں - لہذا ایک ایسے صاحب فن اور صاحب علم کی طرح جس کے نزدیک 'بہترین' عبارت ہے 'قابل عمل بہترین' سے اس کی توجہ زیادہ تر اس امر پر رہی کہ ایک مثالی ریاست کی تشکیل کس نہج پر ہونی چاہئے- یہ دوسری بات ہے کہ یوں اس کی مثالی ریاست کا وہ خاکہ جو اس کے ذہن میں تھا ادھورا رہ گیا - لیکن راقم الحروف کے نزدیک اسکی ایک وجہ اور بھی ہے اور وہ یہ کہ جہاں تک 'عین' اور 'مثال' کا تعلق ہے افلاطون ایک عینی اور مثالی ریاست کا نقشہ پیش کر چکا تھا - اس لئے ارسطو کا کام اب صرف یہ رہ گیا تھا کہ کچھ اس کے تصورات اور کچھ واقعات اور حوادث کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کرے کہ اگر ہم یہ چاہتے ہیں حقیقت اور واقعیت یا اصول اور عمل کا رشتہ ایک دوسرے سے جوڑ سکیں تو اس کی صورت کیا ہوگی - بالفاظ دیگر ارسطو کی پیش کردہ ریاست کا خاکہ غیر مکمل نہیں - ہم اس کی خانہ پری دوسرے مفکرین ریاست اور اس وقت کی ریاستوں کے حوالے سے کر سکتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ ارسطو نے اول ان ریاستوں کے دستور و آئین پر نظر ڈالی جو اس کے سامنے تھیں پھر دوسری باتوں پر - فرق صرف اتنا ہے کہ ارسطو واقعی سے حقیقی کی طرف بڑھتا ہے، افلاطون حقیقی سے واقعی کی طرف - افلاطون کہتا ہے جو بھی ریاست ہے اپنے عین اور مثال کی مسخ شدہ صورت ہے - ارسطو اس کے برعکس ان کے نقائص اور خامیوں پر نظر رکھتے ہوئے یہ کہ ایک مثالی ریاست کیا ہو سکتی ہے- بایں ہمہ ددنوں جس چیز کو پرکھتے ہیں 'عین' اور 'مثال' کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں - گو اس طرح ان کی بحثیں حقائق

اور واقعات سے اکثر دور ہٹ جاتی ہیں - مثلاً جب افلاطون یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ ہمیں چاہئیے املاک اور بیوی بچوں میں اشتراک پیدا کریں تو ارسطو اس کی شدت سے مخالفت کرتا ہے - وہ کہتا ہے عائلہ اور نجی ملکیت کا وجود ضروری ہے ورنہ معاشرے کا سارا نظام اخلاق درہم برہم ہو جائیگا - حالانکہ نہ افلاطون اشتراکی تھا ، نہ ارسطو کو سرمایہ داری کی حمایت منظور تھی - یہ ساری بحث نظری ہے اور واقعات سے بے تعلق اس لئے کہ یونانی معاشرے میں اس وقت کہیں بھی نجی ملکیت کا اصول خطرے میں تھا، نہ اس امر کا کوئی خوف کہ عائلے کا وجود باقی نہ رہے اور بیوی بچوں کا اشتراک قائم ہو جائے - بعینہ جب مستبدین کو نصیحت کرتے ہوئے ارسطو ان طریقوں کا ذکر کرتا ہے جن سے کام لے کر وہ اپنا غلبہ واستیلا بر قرار رکھ سکتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کٹلیہ یا کسی میکاولی کی طرح اس کے نزدیک بھی سیاست کا مقصود ہے طاقت جس میں نیک و بد کی کوئی تمیز نہیں - وہ ان باتوں کا ذکر کرتا ہے تو اس لئے کہ ریاستوں کے بناؤ اور بگاڑ کے جملہ طریقے ہمارے سامنے آ جائیں اور ہم ان غلطیوں سے بچ سکیں جو ایک صحیح قسم کی ریاست کے نصب العین میں حارج ہیں - لٰہذا ارسطو نے ان اصولوں کی وضاحت کی ہے جن پر ریاست کے دستور و آئین کی ترتیب یا دوسرے لفظوں میں عہدوں کی تقسیم ہونی چاہئیے - ارسطو کے نزدیک دستور کے معنی ہیں عہدوں کا نظم و ضبط اور یہ بات باسانی سمجھ میں آ جاتی ہے اس لئے کہ یونہی یہ مسئلہ طے ہوگا کہ ہم جس ریاست کی طرح ڈال رہے ہیں اس کی غایت کیا ہے - ارسطو کہتا ہے جتنی زیادہ کسی شخص کی ریاست کے لئے خدمات ہیں اتنا ہی وہ کسی بڑے سے بڑے عہدے کا مستحق ہے - گویا خدمت عبارت ہے اہلیت سے اور اس لئے تفویض مناصب میں ہمارا عمل تفریقی عدالت (distributive justice) کے اصول پر ہونا چاہئیے - گویا ہمیں دیکھنا ہوگا کہاں تک کسی کی نظر ریاست کے نصب العین پر ہے - در اصل ارسطو کو اس اصول سے فضیلت (virtue) یا جدید سیاسی لغت میں یوں کہئیے ایک قسم کے امارتی نظام (aristocratic order)

کی حمایت مقصود ہے - ایکن مشکل یہ ہے کہ اس اصول کو درست مان لیا جائے تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی انتہا فرد واحد کی حکومت بلکہ مشرق کی ایک اصطلاح کے مطابق 'ظل اللہ فی الارض' یا بقول اہل مغرب بادشاہوں کے 'حق خداوندی' (Divine Rights) پر ہو - بایں ہمہ ارسطو اس حقیقت سے غافل نہیں کہ عہدوں کے لئے سب سے بڑی اور آخری صفت گو فضائل کی موجودگی ہے پھر بھی دولت اپنی جگہ پر بڑی چیز ہے - وہ ایک ایسا ساز و سامان ہے جس کے اہل فضیلت بھی محتاج ہیں جیسے کسی اور چیز کے - لہٰذا ہم اس کا دعویٰ بھی نظر انداز نہیں کر سکتے ، نہ حریت کا (بمقابلہ غلامی) - اب دولت اگرچہ فضیلت کے لئے ناگزیر ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دولت ہے تو حسب و نسب کے ساتھ ساتھ فضیلت بھی موجود ہو لیکن حریت میں ضروری نہیں یہ دونوں خصائص جمع ہوں اور اگر ہوں گے تو دولت اور فضیلت کی تفریق لازم آئیگی - پھر بھی اگر کچھ لوگ آزاد ہیں اور وہ اپنی اکثریت کے بل پر آپ حکومت کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے ہم ان کو حکومت سے کیسے روک سکتے ہیں - لہٰذا وہ بھی حکومت کریں گے گو اس قسم کی حکومت کا درجہ بڑا پست ہوگا - دراصل ارسطو اور افلاطون دونوں کی کوشش یہ تھی کہ سیاست کو دولت اور جمہوریت کے چنگل سے آزاد کرسکیں تاکہ فروغ ہو تو امارت یعنی اس طرز حکومت کو جس سے فی الواقعہ ریاست اپنی غایت کو پہنچ سکتی ہے - بیشک ریاست کو دولت کی ضرورت ہے - لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دولت مند طبقہ اس کے سفید و سیاہ پر چھا جائے - پھر اگرچہ حریت کا بھی اس لحاظ سے کہ عامة الناس کا مفاد نظر انداز نہ ہونے پائے پاس رکھنا ضروری لیکن ریاست جمہور کے قبضے میں آگئی تو ہم اپنے نصب العین یعنی کسب فضائل سے محروم رہ جائیں گے - افلاطون نے بھی جمہوریت کی مذمت کی تو اسی نقطۂ نظر سے اور ارسطو بھی اس کے خلاف ہے تو اسی لئے مگر بقدر مناسب اسے جمہور کی اس صلاحیت کا اعتراف ہے کہ مجموعی طور پر

یعنی اگر انہوں نے صلاح مشورے سے کام کیا تو ان میں اتنی صلاحیت پیدا ہو جائیگی کہ امور ریاست کو بحسن و خوبی سر انجام دے سکیں - در اصل جمہوریت کی غلطی ہے 'متناسب مساوات' کی بجائے مطلق مساوات پر زور دینا - یعنی ان امتیازات کا انکار جو دولت ' فضلیت اور حسب و نسب کی بنا پر افراد میں از خود پیدا ہو جاتے ہیں اور جن کا قائم رہنا ارسطو کے نزدیک ضروری ہے - لیکن اسے ان امتیازات یا حفظ مراتب پر اصرار ہے تو اس لئے کہ اپنے ہم قوم مفکرین سیاست کی طرح وہ بھی فساد و فوضویت کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے - اس کی نگاہیں صرف سیاسی فساد و فوضویت پر نہیں جیسے آج کل کی ریاستوں کا طریق ہے - بلکہ ہر پہلو سے اس کے انسداد پر - اسے اخلاقی فوضویت بھی ایسی ہی ناپسند ہے جیسے سیاست یا معیشت کا فساد - لہٰذا ارسطو کا نقطۂ نظر آج کل کے نظریہ سیاست سے بالکل مختلف ہے جو ریاست کو اس سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا کہ اس کا وظیفہ ہے سیاسی نظم و ضبط - برعکس اس کے ارسطو اور افلاطون کی خواہش یہ تھی کہ زندگی میں ہر پہلو سے توازن اور اعتدال کی کیفیت پیدا ہو اور وہ کسی اعلیٰ اخلاقی مقصد کی طرف بڑھے - لیکن یہی تو وہ چیز ہے جس سے عصر حاضر کی ریاستیں مطلق اعتنا نہیں کرتیں -

لٰہذا مناسب معلوم ہوتا ہے یہاں ارسطو کے تصور قانون ، تعلیم اور تدبیر منزل پر بھی سرسری نظر ڈال لی جائے - قانون سے ارسطو نے اگرچہ اس خوبی اور عمدگی سے بحث نہیں کی جیسے افلاطون نے جو اس کے ہر پہلو کی وضاحت بڑی دقت نظر سے کرتا ہے حالانکہ ارسطو نے اس کے رسالۂ نوامیس کی تنقید بھی کی ہے - بایں ہمہ وہ قانون کا پر زور حامی ہے - اس کا قول ہے حکمرانی صرف قانون کی ہونی چاہئے - یہ قول نہایت درجہ درست ، بڑا معنی خیز اور مؤثر ہے لیکن قانون سے اس کی مراد قانون نہیں ہے یعنی اس کا کوئی ضابطہ بلکہ رسم و رواج—یونانی لفظ ناموس یا قانون کے ایک معنی رسم و رواج کے بھی ہیں—جو باعتبار حالات بدلتا رہتا

ہے یا بدلا جا سکتا ہے اور علاوہ ازیں اسلاف کے طور و طریق - لہذا ارسطو کے تصور قانون میں اصلاح اور تغیر کی گنجائش ہے - پھر اگرچہ افلاطون کی طرح اس نے قانون کا کوئی باقاعدہ نظام پیش نہیں کیا - لیکن اس کے باوجود اپنے اس فلسفیانہ عقیدے کی بنا پر کہ فطرت کا مقصود ہے غایت کی طرف بڑھنا اسے یقین تھا کہ زمانے کی ضروریات اور مقتضیات کے ساتھ ساتھ قانون بھی بالقوہ ترقی کرتا رہتا ہے - گو یہاں پھر اس کی نظر مروجہ رسوم و قوانین کے علاوہ شاید افلاطون کے رسالۂنوامیس ہی پر تھی- بہرحال اتنا ماننا پڑتا ہے کہ اگر ریاست فی‌الواقعہ اپنے نصب‌العین کی طرف بڑھ رہی ہے تو قانون بھی اس کا ساتھ دیگا - یوں اس میں ترقی اور تغیر کی گنجائش باقی رہے گی اور ایسا نہیں ہوگا کہ اس کی جکڑ بندیاں زندگی کے مصالح اور نشو و نما کے راستے میں حائل ہو جائیں -

قانون کے بعد تدبیر منزل کی طرف آئیے تو ارسطو کے نزدیک اس کے بڑے بڑے عناصر تین ہیں : کسب معاش ، عائلہ اور خانہ داری یعنی گھر بار کا انتظام - کسب معاش سے ہمارا ذہن اس طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ انسان کی ایک حیات معاشی بھی ہے جس کا کوئی اصول ہے اور کوئی نظریہ - معاش کی ضرورت ہر کسی کو ہے - ہر کوئی رزق کا محتاج ہے اور رزق کے لئے دولت ناگزیر - للہذا ارسطو نے اس سلسلے میں بھی ایک اصول اور ایک نظریہ قائم کیا - اصول یہ کہ دولت بجائے خود مقصود نہیں - وہ ایک طرح کا ساز و سامان ، ذریعہ اور وسیلہ ہے جسے ہم روپے پیسے یعنی سکے سے ناپتے ہیں اور جو اشیا کے اشیا سے تبادلے کی مشکلات میں اس طرح پیدا ہو گیا کہ اشیا کے (جن کی ہمیں ضرورت ہے) ان اشیا سے (جو ہماری پیدا کردہ ہیں تا کہ ہم ان کے عوض دوسری اشیا حاصل کر سکیں) ادل بدل کی بجائے کسی ایسی چیز سے تبادلہ کریں جو بآسانی اٹھائی جا سکے اور جسے بسبب اس کی ذاتی قدر و قیمت کے ہر کوئی قبول کر لے للہذا ارسطو نے اگر ایک طرف کسب معاش اور کسب زر میں فرق کیا تو دوسری جانب اشیا کے بالواسطہ اور بلاواسطہ استعمال میں - مثلاً جوتے ہی کو لیجئے - اس کا بلا واسطہ اور صحیح استعمال یہ ہے کہ ہم اسے پہننے کے

کے لئے طیار کریں - بالواسطہ اور غلط یہ کہ اس کو کسی دوسری شے سے بدلا جائے تاکہ ہمیں اس کی کچھ قیمت وصول ہو جائے - اب جہاں تک قیمت کی وصولی یا محنت کی اجرت کا تعلق ہے کسب و اکتساب کی جائز شکل تو وہی ہوگی جس سے مقصود ہے رزق کا حصول - ناجائز یہ کہ ہم اسے دولت کا ذریعہ سمجھیں اور مال و زر پیدا کریں - لہٰذا ارسطو نے صرافے کے کاروبار اور سود کو ایک لعنت ٹھہرایا - کیونکہ اس سے مقصود کسب رزق نہیں ہے بلکہ حصول دولت اور اس لئے وہ ضد ہے معیشت کی - دولت کو چاہئے اخلاقی قدروں کی تابع رہے اور مصالح ریاست میں اس کا ساتھ دے - رہیں املاک—بالخصوص زمین—سو ان کے لوگوں میں تقسیم ہو جانا ہی بہتر ہے - ارسطو ذاتی ملکیت کا حامی ہے گو اس کے باوجود اس کا نظریہ یہ ہے کہ ملکیت تو ذاتی رہے لیکن اسکا استعمال مشترک، اسلئے کہ یونہی ہمارے جذبۂ خیر خواہی اور اشتراک و تعاون کی بدولت ریاست اس سے مستفید ہوگی گو بالواسطہ اور یہ کچھ مشکل بھی نہیں اس لئے کہ بحیثیت 'شہر' ریاست ہی وہ ہمہ گیر اور واحد نظام ہے جو فرد اور جماعت دونوں کی زندگی پر محیط ہوگا - بنا بریں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ارسطو نے افلاطون کے اصول اشتراک کی مخالفت کی ہے تو کیوں - کسب معاش کے بعد عائلہ کی طرف آئیے تو اس کا وجود چونکہ ازدواج پر موقوف ہے لہٰذا ارسطو نے افلاطون کی اس تجویز کو بغایت ناپسند کیا کہ مرد و زن کے تعلقات بر بنائے اشتراک منضبط کئے جائیں - وہ اسے اخلاق کے لئے مہلک قرار دیتا ہے کیونکہ اخلاق کا وجود قائم ہے تو عائلہ سے - عائلہ ہی سر چشمہ ہے ان گونا گوں روابط کا جن سے عورتوں اور مردوں کے درمیان مناسب حدود قائم ہوتے ہیں اور ہمارے جذبۂ ہمدردی اور خیر خواہی کی تحریک ہوتی ہے - لیکن عائلہ کے حفظ و بقا پر اصرار کے باوجود ارسطو نے اس مسئلے پر مطلق توجہ نہیں کی کہ عورت کا مقام معاشرے میں کیا ہے - اس نے کہا ہے تو صرف یہ کہ ریاست کو عورتوں سے غافل نہیں رہنا چاہئے - ان کی زندگی کو غیر منضبط چھوڑنا غلطی ہے بلکہ فتنہ و فساد کی جڑ - اب جیسا کہ سب کو معلوم ہے یونانی تہذیب

و تمدن میں عورت کا درجہ بڑا حقیر تھا اور بجز عائلہ کے حیات اجتماعی میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی - ارسطو بھی ایک معنوں میں اسے چیز بست ھی قرار دیتا ھے - وہ عورتوں اور غلاموں میں کوئی فرق نہیں کرتا - ان پر بھی آقا ھی کی طرح حکومت کرنی چاھئے - لہٰذا اس کی نظر میں عورت کا کوئی درجہ ھے نہ مقام - اسے اس مسئلے سے کوئی سروکار نہیں کہ بحیثیت ایک انسان عورت کی شخصیت جس طرح پامال ھوتی رھی اس کی بجائے ھم اس کے احترام اور قدر و منزلت کا کوئی راستہ تجویز کریں - رھا گھر بار کا انتظام یا امور خانہ داری سو ارسطو کے نزدیک صاحب خانہ کی حیثیت چونکہ حاکم کی ھے لہٰذا اسے چاھئے ایک کار فرما کی طرح ھر کسی کو اپنے اپنے کام پر لگا دے - عورتوں کو عورتوں، بچوں کو بچوں اور غلاموں کو غلاموں کے - کارکن یا تو غلام ھوں گے یا نوکر چاکر - نوکر چاکر بھی ایک معنوں میں غلام ھی رھینگے - غلامی ایک فطری اور طبعی امر ھے اس لئے کہ فطرت نے بعض کو حاکم پیدا کیا ھے بعض کو محکوم، پھر اگر کوئی اپنے کام کا خود اھل نہیں، وہ کام لے تو سکتا نہیں البتہ اس سے کام لیا جا سکتا ھے تو اس کو غلام بنا لینا ھی بہتر ھے باھیں ھمہ ارسطو اس نزاع سے بے خبر نہیں تھا جو غلامی کے جواز اور عدم جواز کے متعلق بعض حلقوں میں جاری تھا اور جس کا آغاز یوں ھوا کہ یونانی ریاستوں کی جنگ و پیکار نے جب یونانیوں کو بھی غلام بنانا شروع کیا تو بعض لوگوں نے اس پر احتجاج کیا - انہوں نے کہا فطرت نے سب کو آزاد پیدا کیا ھے - یہ صرف قانون یا رسم و رواج ھے جس کی بنا پر ھم دوسروں کو غلام بنا لیتے ھیں - ارسطو کو اس رائے سے اتفاق ھے اور کہا جاتا ھے غلاموں سے اس کا سلوک نہایت اچھا تھا لیکن وہ اس کے باوجود سمجھتا تھا کہ غلامی ایک رسم ضروری ھے جو بہر حال قائم رھیگی - اھل یونان کو البتہ اس سے مستثنیٰ رکھنا چاھئے

غیر یونانی اقوام (ارسطو کی لغت میں وحشی اور غیرمتمدن Barbarians)
سے البتہ جنگ کرنی چاہئے - انہیں غلام بنا لینا جائز ہے -

رہا ارسطو کا نظریۂ تعلیم سو ریاست کا وجود چونکہ
اس لئے قائم ہے کہ افراد ریاست کی اخلاقی پرورش کرے
لہٰذا تعلیم کو آزاد چھوڑ دینا غلطی ہے - اس کا سرشتہ ریاست کے
ہاتھ میں رہنا چاہئے - یوں ہی تعلیم کی بدولت ایک خاص قسم کی سیرت
اور کردار کو تحریک ہوگی اور یوں ہی اچھےشہری پیدا ہوسکینگے لیکن اس
مقصد کہ لئے اسنے جو نصاب تجویز کیا ہے اس میں فلسفۂ حکمت اور تحصیل
علوم کا التزام رکھتے ہوئے بھی زیادہ تر توجہ موسیقی پر کی
ہے - بالفاظ دیگر اس نصاب تعلیم کا رنگ جا لی ہے - شاید اس
لئے کہ فلسفہ و حکمت کی نوعیت عقلی ہے اور بہت کم طبعیتیں ایسی
ہیں جو صحیح معنوں میں اس کی اہل ہو سکیں - یوں بھی تعلیم سے
مقصود اگر محض نوشت و خواند نہیں اور فنی اور صنعتی تعلیم علامت ہے
غلامی کی تو سیرت اور کردار کی تشکیل میں بجز فن یا جمالیات کے
ہمارے لئے اور کیا ذریعہ باقی رہ جاتا ہے ؟ اس کی ابتدا نوشت و خواند
کے ساتھ ساتھ بچپن ہی میں کی جا سکتی ہے - رہا یہ اعتراض کہ
سیرت اور اخلاق کا حقیقی سرچشمہ تو مذہب ہے نہ کہ فن سو اس کا
جواب یہ ہے کہ وثنی نظامات مذہب کی روح ہی فنی اور جمالی تھی
اور شاعری، اداکاری، رقص و سرود، مصوری اور بت تراشی اس کا ذریعہ
اظہار جیسے آج بھی بیشتر مذاہب میں موسیقی کو جزو عبادت تصور
کیا جاتا ہے - بایں ہمہ ارسطو نے سرود و غنا کو داخل نصاب کیا
تو اس امر کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے کہ اخلاق و کردار کے
لئے اس کا وجود کیسے اور کس حد تک مفید ثابت ہو سکتا ہے - اس کی
کون سی شکل بروئے فضائل قابل قبول ہوگی ، کون سی نہیں - تعلیم
بہر حال ریاست کے زیر نگرانی ہونی چاہئے اور یہ اس کا فرض کہ اس
کا ایک باقاعدہ اور یکساں نظام تجویز کرے -

راقم‌الحروف کا خیال ہے کہ ایک مثالی ریاست کی بحث میں

ارسطو کے بنیادی تصورات کا یہ مختصر سا خاکہ شاید اس امر کی وضاحت کے لئے کافی ہوگا کہ ریاست کو جو اجتماع ہے کنبہ اور گاؤں کا ایک کامل اور مکمل اور خود کفیل زندگی کے لئے اور جس سے مقصود ہے حفظ ذات کے علاوہ عزت نفس، سعادت، خیر اور فضائل کا حصول اتنا چھوٹا کیوں ہونا چاہئے کہ شہری ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہوں انہیں معلوم ہو ان کے اخلاق عادات و کردار اور خصائل کیسے ہیں کیونکہ بغیر اس کے ناممکن ہے بسبب ناواقفیت ہم ان کے مخاصمات کا فیصلہ عدل و انصاف کی بنا پر کرسکیں اور جس پر کسی قلۂ کوہ یا اونچے مقام سے نظر ڈالی جائے تو اس کا سارا علاقہ ہمارے سامنے ہو لیکن اسکے باوجود اتنی بڑی کہ اسکے مادی اور اخلاقی وسائل اس کی جملہ ضروریات پوری کرسکیں اسکا فرض ہے جنگ سے بچتے رهنا اسلئے کہ سعادت اور خوش بختی نتیجہ ہے صلح و امن اور اکتساب فضائل نہ کہ جدال و قتال کا - فتح و تسخیر کوئی اچھی شے نہیں بالخصوص جب اس کا خاتمہ یونانی ریاستوں کی محکومیت پر ہو - رہی یہ بات کہ اس قسم کی ریاست میں جب عورتوں کی زندگی از روئے قانون منضبط ہوگی - غلام ہمیشہ غلام رہیں گے اور پیشہ ور جماعتیں آئنی حقوق سے محروم اس لئے کہ وہ ابھی 'شہریت کے درجے تک نہیں پہنچے تو اس کے شہریوں کے مشاغل اور سرگرمیاں کیا ہوں گی - اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی کوشش ہوگی اچھے انسان بننا - یوں بھی یہی بہتر ہے کہ اچھا انسان ہی اچھا شہری ہو اور اچھا شہری اچھا انسان - لیکن اچھائی کا انحصار کسب فضائل پر ہے اور فضائل ہی تکمیل ذات کا ذریعہ - ان سے مقصود ہے عدالت، شجاعت اور میانہ روی (یا اعتدال) کی زندگی اور حکمت اور فلسفہ کی طلب - اس سلسلے میں دو باتوں کی ضرورت ہے - دولت اور فراغت کی - فراغت نتیجہ ہے امن و امان اور کام کاج سے آزادی کا جو ظاہر ہے غلاموں اور اجرت پیشہ ملازموں کے سپرد کر دئے جائیں گے لیکن فراغت سے مراد آرام و سکون نہیں بلکہ غور و فکر اور اچھے اچھے کاموں میں انہماک مثلاً فنون لطیفہ ہی میں گو بحد مناسب - دولت

کا شمار بھی ساز و سامان میں کیا جائیگا نہ کہ ذریعہ عیش و عشرت میں
وہ امور ریاست میں حصہ لینگے - جسم اور ذہن کی تربیت کریں گے
ان کی گفتگو مسائل پر ہوگی اور اُن کا نصب العین تکمیل ذات نہ
کہ محض حصول طاقت- ممکن ہے قارئین کو یہ خیالات کچھ عجیب سے
معلوم ہوں اس لئے بہتر ہوگا لگتے ہاتھ یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ
اس نظریہ سیاست کا ناقص پہلو کیا ہے - یہاں پھر ہمیں ارسطو کے
تصور فطرت کی طرف اشارہ کرنا پڑیگا - در اصل ہمیں اس یونانی لفظ کے
حقیقی مفہوم سے بے خبر نہیں رہنا چاھیئے جس پر رسالۂ سیاسیات
کے فلسفیانہ نظریوں کا دار و مدار ہے اور جس کا انگریزی میں ترجمہ
لفظ نیچر (Nature) اور اردو میں 'فطرت' سے کیا جاتا ہے -
گو ایک زمانے میں اس کے لئے 'قدرت' اور 'طبیعت' حتیٰ کہ 'نیچر'
کے الفاظ بھی مستعمل تھے - یہاں سوال یہ ہے کہ جب ہم کہتے ہیں
یہ ایک فطری امر ہے تو اس سے ہمارا مطلب کیا ہوتا ہے؟ یہی
کہ اسے ایسا ہی ہونا چاھیئے یا یہ کہ وہ یہی کچھ ہو سکتا تھا -
گویا فطرت یا نیچر کا اشارا کسی شے کی ابتدا اور ماہیت کی طرف ہے -
مثلاً ہمارے سامنے ایک ہاتھ ہے جس کا عرض اس کے طول سے زیادہ ہے -
اب کہنے کو تو ہم اسے ہاتھ ہی کہینگے لیکن غیر فطری - اس لئے
کہ فطرت نے اس کا ایک خاص تناسب مقرر کر رکھا ہے - اس لحاظ سے
دیکھا جائے تو لفظ فطرت سے 'نیچر' کا مطلب شاید بخوبی ادا ہو جاتا
ہے - قدرت کا مفہوم البتہ طبعیات کے تصور (Energy) سے قریب تر ہے-
گو حسن قدرت یا مناظرقدرت کے الفاظ میں ہمارا اشارا نیچر یعنی عالم فطرات
ہی کی طرف ہوتا ہے - رہا لفظ طبیعت سو راقم الحروف کے نزدیک اس سے
ارسطاطالیسی اصطلاح 'فزسس' (physis) کے معنی آسانی سے سمجھ میں آجائیں
گے - ارسطو کے نزدیک 'فزسس' یا فطرت سے مراد ہے کسی شے کا
جوہر (یا طبیعت) اور جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو ہر شے میں ایک
عمل اور حرکت یا تغیر رونما ہوتا رہتا ہے تو اس لئے کہ اس کی استعداد
خود اس کے اندر موجود ہوتی ہے - لہٰذا فطرت کا عالم حرکت اور تغیر کا

زندگی اور نمو کا عالم ہے جس میں ہر شے کی ایک ابتدا ہے، ایک استعداد یا اندرونی قوت اور ایک غایت یا انتہا - ہم کسی شے کو شے کہیں گے تو جب ہی کہ وہ اپنے وجود کے جملہ مدارج بحسن و خوبی طے کر لے۔ حاصل کلام یہ کہ فطرت بمعنی نیچر کا اشارا تو صرف وجود کی طرف ہے ، فطرت بمعنی فزسس کا وجود اور غایت وجود دونوں کی جانب - لہٰذا ارسطو کے نظریۂ فطرت کی بحث میں ہماری نگاہیں طبعیات کی بجائے حیاتیات پر ہونی چاہئے اس لئے کہ ابتدا اور استعداد، نمو اور غایت حیاتی تصورات ہیں اور ارسطو بھی عالم فطرت کا تصور بطور ایک زندہ شے ہی کے کرتا ہے - بایں ہمہ اس کا یہ تصور غائی (teleological) ہے ارتقائی (evolutionary) نہیں جیسا کہ شاید غلط فہمی سے سمجھ لیا جائے - نیچر کے معنوں میں تو فطرت ایک مردہ شے ہے طبیعی اور کیمیائی اعمال و افعال کا مجموعہ حتیٰ کہ حیات بھی انہیں کا ایک مظہر ہے - فزسس کے معنوں میں ایک وجود نامی (organism) جس میں ہر شے اپنی اپنی ماہیت کے مطابق اپنی تکمیل ذات کا عمل آپ پورا کرتی اور امکان سے وقوع میں آجاتی ہے - ارسطو نے اس سلسلے میں مفرد اور مرکب کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں - مفرد سے اس کا اشارہ غالباً غیرنامی (میکانیکی) اشیا کی طرف ہے ، مرکب سے نامی اشیا کی جانب - یہی وجہ ہے کہ شہر کی بحث میں وہ بار بار کل (whole) کی مثال پیش کرتا اور منہاج تکوین (genetic) کے ماتحت یہ دیکھتا ہے کہ اس کے اجزا کیا ہیں ، مبدا اور منشا کیا اور وہ کیسے اپنی موجودہ حالت کو پہنچا - اب اگر ابتدا اور نمو اور غایت کے تصورات کو علت و معلول کے ارسطاطالیسی تصورات سے ملا کر دیکھا جائے تو یہ ماننا لازم آئیگا کہ ارسطو کے تصور فطرت میں اگرچہ حرکت بھی ہے اور تغیر بھی لیکن ایک مخصوص حد کے اندر اور ایک پہلے سے طے شدہ مقصد کے لئے - مزید یہ کہ اس کا نقطہ نظر استخراجی ہے استقرائی نہیں - جو کچھ ہے وہی کچھ رہےگا اور وہی کچھ بنےگا جو فطرت کی طرف سے اس کے لئے مقدر ہو چکا ہے - ہر شے پابند ہے اور اپنی فطرت کی زنجیروں میں

اسیر - فطرت کیا ہے ایک پھندا جس سے گلو خلاصی ممکن نہیں - لہٰذا یہ ارتقا ہے ، نہ تکوین (Becomig) - یہ ہے بالقوہ کا فعل میں آنا - بعینہ کمال اور خیر کے الفاظ سے بھی ہمارا ذہن کمال اور خیر کے ان تصورات کی طرف منتقل نہیں ہونا چاہئے جن کا سرچشمہ ہیں مذہب اور تصوف یا اخلاق اور روحانیت کے معتقدات ، خیالات اور جذبات - کمال عبارت ہے غایت کے حصول اور خیر اس امر سے کہ ہمارے اعمال و افعال کا رخ غایت کی طرف رہے - غلام کا کمال ہے غلامی ، اس میں روز بروز پختہ کاری - پیشہ ور کا یہ کہ اپنے پیشے میں زیادہ سے زیادہ مہارت پیدا کرے جیسے اشراف کا اکتساب فضائل یعنی شجاعت ، عدالت ، حکمت اور میانہ روی جس پر اگر ہم سب کی نظر سے تو ہم گویا خیر کے طالب اور اس کے لئے ساعی ہیں اور ہمارا مقصد ہے تکمیل ذات - لہٰذا انسانوں کی اس بھیڑ بھاڑ میں جو ارسطو کے سامنے تھی اسے 'انسان' تو کوئی نظر آتا نہیں - آتا ہے تو وہی جس کو اس نے مقنن یا مدبر ریاست کہا ہے اور جس کے ہاتھ میں باقی سب انسانوں کی باگ ڈور ہے لیکن وہ بھی اس کے معیار پر پورا نہیں اترتا - اس کا کوئی وجود ہے تو وہ بھی صرف اس کے ذہن میں - وہ انسان کا کوئی ایسا تصور قائم نہیں کرسکا جو بلافرق مدارج اور بلاامتیاز مراتب ہر انسان پر بحیثیت انسان منطبق ہو سکتا اور ہم کہتے یہ غایت ہے جس کی طرف ہم سب بالقوہ بڑھ رہے ہیں - لہٰذا ہر کسی کو اس کی طرف بڑھنا چاہئے - اس کی نظر انسان پر نہیں ہے انسانوں کے مختلف گروہوں ، برادریوں اور طبقات پر ہے جن میں بسبب مال و دولت یا کسب معاش یا محاسن و معائب وہ منقسم ہو گئے ہیں اور اس لئے اسے نظر آتے ہیں تو امیر اور غریب ، شریف اور رذیل ، کار فرما اور کار کن ، مزدور اور غلام ، حاکم اور محکوم ، بچے ، بوڑھے ، عورتیں ، کسان اور چرواہے ، کاریگر اور دست کار جن میں ہر ایک کی اپنی ایک استعداد ہے اور اپنا ایک امکان اور ناممکن ہے وہ اس امکان سے باہر قدم رکھ سکے - بظاہر ارسطو کا تصور فطرت کیسا دلکش نظر آتا تھا اور بمقابلہ افلاطون جس کی نظر دوام

اور سکون پر ہے ارسطو کے یہاں حرکت بھی ہے تغیر اور نمو بھی لیکن اس کی انتہا ہوتی ہے تو استخراج در استخراج یعنی منطقی دلائل کے ایک طویل سلسلے سے کام لیتے ہوئے اس تلخ حقیقت پر کہ فطرت میں ارتقا کی گنجائش ہے نہ کسی ایسی تبدیلی کی کہ سب کے سب کسی مشترک اور عالمگیر نصب العین کی طرف بڑھ سکیں - یہی وجہ ہے کہ ارسطو نے عورتوں اور غلاموں اور جمہور کے بارے میں بڑے رجعت پسندانہ نظریات قائم کئے اور زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے تو یہ کہ مخلوط دستور کی جو تجویز اس نے ریاست کے مختلف عناصر کا لحاظ رکھتے ہوئے پیش کی ہے بڑی حد تک ایک متوازن اور انصاف پسند ہیئت اجتماعی کی اساس بن سکتی ہے کیونکہ اس سے مقصود ہے امارت اور جمہوریت اور دولت اور افلاس کے درمیان اعتدال کی کیفیت پیدا کرنا اور یہ گویا بالواسطہ اعتراف ہے واقعات اور حقائق علٰی ھذا الگ الگ حلقوں اور جماعتوں کے مفاد و مصالح کا جن کو نا ممکن ہے کوئی سیاست داں نظر انداز کر سکے - لیکن ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ دو اڑھائی ہزار سال کے اس طویل وقفے کے بعد جو ہمارے اور ارسطو کے درمیان حائل ہے اور جس میں زمانے کئی رنگ بدلے ہم ان احوال و ظروف کا کیا حقہ تصور کر سکیں گے جن میں اس نے سیاست ایسے موضوع پر قلم اٹھایا - یوں بھی اس کی نگاہیں ایک محدود سے اجتماع یعنی شہری ریاست پر تھیں جس سے آج ہمارا ذہن ایک بہت بڑے گھرانے یا زیادہ سے زیادہ ایک انتظامی ادارے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ عائلی اور سیاسی حکومت میں فرق کرنے کے باوجود وہ ایک طرح سے اسے ایک بہت بڑا گھرانہ ہی تصور کرتا رہا - وہ چاہتا تھا بحیثیت ایک کل یا مرکب کے شہر کی زندگی آپس کے میل جول سے یوں منضبط ہو کہ اس سے سیاست اور معیشت کو گزند پہنچے نہ اخلاق اور معاشرت کو - لیکن زندگی کے اس جامع اور ہمہ گیر نقطۂ نظر کے باوجود وہ انسانی معاشرے کا کوئی جامع اور ہمہ گیر یعنی بلا امتیاز مراتب کوئی مساویانہ اور

اعلیٰ و ارفع تصور قائم نہ کرسکا - اس کے نظریات میں حریت و مساوات کی کوئی جگہ ہے — جیسے ہم آج اس کا مطلب سمجھتے ہیں—نہ شرف ذات اور فرد کی ایک آزاد اور مسئول و مختار شخصیت کی کی - یہی وجہ ہے کہ وہ حقوق انسانی یا نوع انسانی کی وحدت اور عالمگیر برادری کے تصور سے ناشنا ہے - لیکن یہ اگر رجعت پسندی ہے جیسا کہ یقیناً ہے تو ہمیں چاہئے ارسطو کو اس میں معذور سمجھیں اس لئے کہ ارسطو کا زمانہ تعصبات اور تفریقات کا زمانہ تھا - البتہ افسوس ہوتا ہے تو اس پر کہ ارسطو نے خود اپنے خیالات اور نظریات کی بعض کوتاھیوں اور خامیوں پر توجہ نہیں کی - یوں اس کا نظریہ سیاست ایک ملغوبہ سا ہے اعلیٰ اور ادنیٰ کی طرح تعصب اور رواداری وسعت اور تنگ نظری کا جس سے بہت ممکن ہے ایک ترقی دشمن ذہنیت استبداد ، شہنشاھیت عصب وتغلب اور سرمایہ داری کا جواز پیدا کرلے- جیسے عورتوں، غلاموں اور فرق مراتب کے بارے میں اسکے خیالات صدیوں تک دلائل و براھین کا سر چشمہ متصور ہوتے رہے - لیکن دنیا بدل گئی اور ارسطو نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سیاست اور اجتماع کی وہ زندگی جسے شہروں اور بستیوں میں محدود رکھا جاتا تھا ان چھوٹے چھوٹے حلقوں سے نکل کر قوموں اور ملکوں پر چھا گئی- پھر باوجودیکہ مشرق کی مثال اس کے سامنے تھی بسبب اپنے نسلی تعصب کے ارسطو نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا - وہ نہیں سمجھا کہ شہری ریاستوں کا سارا تار و پود خود اس کی زندگی میں بکھر جائے گا اور لوگ شہری ریاستوں کی بجائے قومی اور ملکی نظامات اجتماع پر گفتگو کریں گے ، حتیٰ کہ ایک انقلاب ایسا بھی آئیگا جو دنیائے قدیم کے ہر رسم و رواج اور دستور و آئین کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائیگا - ہمارا مطلب ہے اسلام جس نے زندگی کے احترام اور قدرومنزلت کے ساتھ ساتھ انسان کو شرف ذات کا سبق دیا، جو سرچشمہ ہے ان عالمگیر، ابدی اور دوامی قوانین کا جن پر حیات فرد اور جماعت کے مسلسل ارتقا اور حفظ و صیانت کا دار و مدار ہے اور جس نے اس کے ہر پہلو کی طرح سیاست اور اجتماع کا حقیقی

رخ بھی ہمیشہ کیلئے متعین کردیا حتیٰ کہ صدیاں گذر گئیں اور مقاصد عالیہ کی جد و جہد میں انسان نے جو کچھ کیا یا سوچا اسی کی تعبیر ہے، ادھوری اور جزوی، صحیح یا غلط۔

البتہ ایک امر ہے جس میں ارسطو کی رجعت پسندی یا شاید یہ کہنا چاہئے تعصب اور تنگ نظری کے لئے راقم‌الحروف کوئی عذر پیش نہیں کر سکتا اور یہ ہے ارض مشرق سے اس کی بے اعتنائی اور بے خبری جو ایک ایسے انسان کے جس کی نگاہیں علم حکمت پر ہیں کسی طرح بھی شایان شان نہیں - چین اور ہندوستان تو خیر اس سے بہت دور تھے اور کہا جا سکتا ہے کہ مصر و بابل اور اشور اور کلدانیہ کا بھی اسے بخوبی علم نہیں ہو سکا یا ہوا، بھی تو نوع انسانی کی سیاست و اجتماع کا ابتدائی زمانہ اس درجہ پر آشوب تھا کہ وہ اس کی صیحح نوعیت کے فہم سے قاصر رہا - اسرائیل اور انبیائے بنی اسرائیل یا ارض فلسطین میں جو بظاہر معمولی لیکن حقیقتاً بڑے انقلاب انگیز واقعات رونما ہو رہے تھے ان سے بے خبری کی ذمہ داری بھی شاید یہود پر عائد ہوتی ہے لیکن ایران، ایرانی سلطنت اور ایرانی تہذیب و تمدن، اس کے آئین و دستور، مذہبی اور اخلاقی تصورات سے اس کی لا علمی بلکہ بے اعتنائی حد درجہ تعجب خیز ہے - شاید اس لئے کہ اہل یونان ایرانیوں سے مغلوب ہو چکے تھے بہر حال ارسطو نہیں سمجھا زرتشتیت کتنی بڑی تحریک تھی اور نہ اس سے واقفیت پیدا کرنے کی اس نے کوشش کی - برعکس اس کے وہ یونانی وثنیت کے اوہام و اباطیل پر قانع رہا بلکہ اس نے یہاں تک کہا اور اس کا یہ کہنا کس قدر افسوسناک ہے کہ ایران جس کا نظام مدنیت یونان سے کہیں زیادہ برتر تھا جاھل، وحشی اور غیر متمدن انسانوں کی سر زمین ہے - یونانیوں کو چاہئے ان کے خلاف جنگ کریں اور انہیں غلام بنا لیں - حالانکہ ٹھیک اس وقت اسکندر اور اس کے ساتھی اپنی فتوحات کے بعد یہ سوچ رہے تھے کہ بابل میں ایک ایسی عالمگیر اور متعدد الاقوام سلطنت کی بنا رکھیں جس میں

ایرانی اور یونانی سب شریک ہوں - وہ ایرانی لباس اور ایرانی اوضاع و اطوار اختیار کر چکے تھے - حتیٰ کہ انہوں نے ایرانی خواتین سے رشتہ مناکحت بھی جوڑا اور اس طرح عملاً اس کی ابتدا بھی کر دی - یہ دوسری بات ہے کہ اسکندر کی موت یا اس کے بعد اختلاف و نزاع کا جو سلسلہ رونما ہوا اس نے یہ خواب پورا نہ ہونے دیا - اسکندر کی سلطنت پارہ پارہ ہوگئی اور اس کے بڑے بڑے اقطاع یونان ، مصر اور بابل اس کے جانشینوں میں بٹ گئے - لیکن ارسطو اپنی شہری ریاستوں کی محدود سی چار دیواری سے باہر نہ آسکا جس کی وجہ ہے اس کے علمی اور عقلی معتقدات - یا پھر یوں کہیئے کہ اس کے فلسفیانہ خیالات اور نظریات نے جس خیالی اور مثالی دنیا کا منظر اس کے سامنے پیش کر رکھا تھا وہ اس میں اس حد تک کھو گیا تھا کہ باوجود کوشش کے حقائق اور واقعات سے کوئی سبق حاصل نہیں کر سکا - نہ فطرت انسانی کی مصلحتوں اسکی نزاکتوں اور تقاضوں کو سمجھا - یہی وجہ ہے کہ اس کے نظریات تضاد اور تناقض سے خالی نہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ خود اپنی رائے پر قائم نہیں رہتا ، حتیٰ کہ اس کی کئی ایک باتوں سے ایک عجیب ذہنی کشمکش ، تامل اور تذبذب کا اظہار ہوتا ہے - بسا اوقات جب ایک جہت سے وہ کسی مسئلے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر دوسری جہت سے اسے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اندریں صورت شاید اس پر عمل نہ ہو سکے ، للہذا ہمیں اس باب میں کوئی دوسری روش اختیار کرنا پڑیگی - بہر حال جس شخص کی نگاہیں شہری ریاست پر مرکوز ہیں اور جس کا ذہن یونان کی سیاسی وحدت سے بھی عاری تھا اس کے دل میں ایک عالمگیر انسانیت کا تصور کیسے پیدا ہو سکتا تھا - وہ کہتا ہے ریاستیں بالطبع ایک دوسرے کی دشمن ہیں جسے اگر صحیح مان لیا جائے تو ظاہر ہے دنیا کا امن و امان نا ممکن ہو جائیگا - پھر جنگ سے احتراز اور کنارہ کشی کی تلقین اور نصیحت کرتے ہوئے بھی وہ یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکا کہ اگر داخلی لحاظ سے ریاست کو مضبوط اور مستحکم رکھنا ضروری ہے تاکہ ہمسایوں کے

دل میں اس کا رعب و داب قائم ہو تو خارجی اعتبار سے بھی اس کی روش انتہائی حزم و احتیاط اور چوکسی کی ہونی چاہئے۔ اصولاً یہ بات ٹھیک ہے لیکن جس نظام اجتماع کی بنیاد داخلی امتیازات ، نسلی اور وطنی تعصبات پر ہوگی جیسے ارسطو کی ریاست کی تو ظاہر ہے اس کی اس روش سے بھی بڑے افسوسناک نتائج مترتب ہوں گے ۔

بایںہمہ ناانصافی ہوگی اگر ہم نے رسالۂ سیاسیات کی علمی اور فلسفیانہ قدر و قیمت کا بحثیت ایک رسالے کے اعتراف نہیں کیا ۔ ارسطو نے سیاست و اجتماع پر جس خوبی سے قلم اٹھایا ہے اور وہ کئی ایک سیاسی ، معاشی اور اجتماعی حقائق کی تشریح جس دقت نظر سے کرتا ہے ، دستور و آئین کے متعدد پہلوؤں ، حاکمہ ، عادلہ ، شوریٰ اور قانون کے متعلق اس نے جو اصول اور نظریت قائم کئے ہیں ان میں سے بعض کی حثیت آج بھی مستقل ہے اور دو اڑھائی ہزار سال کا تجربہ بھی شاید ان میں اصولاً کوئی اضافہ نہ کرسکے ۔ پھر عملی سیاست میں بھی عام طور پر جس اخلاق اور کردار کا اظہار ہوتا ہے اس کے تجربے و تحلیل میں بھی ارسطو کی ذہانت اور فطانت کی بے اختیار تعریف کرنا پڑتی ہے ۔ بعینہ رسالۂ سیاسیات ایک بہت بڑا اور نادرالوجود ماخذ ہے یونانی تاریخ سیاست بالخصوص ارسطاطالیسی دور کی ریاستوں اور سیاسی اور اجتماعی شئون کا ۔ اس نے اپنے ارد گرد کی سیاسی دنیا کے احوال و کوائف بڑی کاوش سے جمع کئے اور ان آئینی اور قانونی تبدیلیوں پر جو وقتاً فوقتاً رونما ہوتی رہیں یا اس وقت رونما ہو رہی تھیں ایک ایسے حقیقت بیں مبصر کی طرح نظر ڈالی جو اس امر کی تحقیق کر رہا تھا کہ ان تبدیلیوں کے اسباب اور محرکات کیا ہیں ، علیٰ ھذا یہ کہ اس قسم کے حالات میں ریاست اور ارباب ریاست جیسا بھی قدم اٹھائیں گے اس کے پیش نظر اس کے مختلف عناصر کا رد عمل ایک دوسرے کے خلاف کیا ہوگا ۔ ارسطو نے ان حقائق کے مطالعے سے بڑے بیش بہا نتائج اخذ کئے اور پھر جہاں تک ارباب سیاست کا تعلق ہے اس سلسلے میں اس کی نگاہیں اتنی

غائر اور اس کا تجزیہ اس حد تک خوب ہے کہ بعض موقعوں پر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ہمارے ہی زمانے کی باتیں کر رہا ہے اور ہمارے ہی احوال و شئون اس کے سامنے ہیں - یہی وجہ ہے کہ فطرت انسانی کی بعض کمزوریوں کے پیش نظر جن کو ارسطو نے بھی نظر انداز نہیں کیا مثلاً دولت اور طاقت کے حصول میں جیسا بھی طورطریق بالعموم اختیار کیا جاتا ہے اس میں شاید ہمیں ارسطو ہی کے خیالات سے اتفاق کرنا پڑے - ارسطو نے سیاست کو ایک بہت بڑے مقصد کا تابع ٹھہرایا ہے اور اس لئے اس کا بجا طور پر اصرار ہے کہ اس کا رشتہ ان ہاتھوں میں رہے جو فی الواقعہ اس کے اہل ہیں - لہٰذا اس سلسلے میں ہماری مشکلات کچھ بھی ہوں ہمیں اس کے اعلیٰ خیالات اور بلند نگاہی کا بہر حال قائل ہونا پڑے گا - پھر ایک اور بات ہے اور یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ ارسطو نے سیاسیات کا مطالعہ بطور ایک علمی موضوع کے کیا - یہ اس لئے کہ کسی حقیقت کو علم اور عقل کے مدد سے سمجھ لینا شعور ذات کی دلیل ہے اور شعور ذات ہی وہ چیز ہے جس سے انسان زندگی کی کشمکش میں کامیابی سے آگے بڑھتا اور اپنے ایمان اور بصیرت کے نور سے اس میں حسن اور پاکیزگی پیدا کرتا ہے - اس لحاظ سے دیکھا جائے تو رسالۂ سیاسیات کا شمار گنتی کی چند عالیات میں ہوگا - اس سے پتہ چلتا ہے کہ قرن ہا قرن کے مرور اور تاریخ کی انقلاب در انقلاب حرکت کے باوجود نوع انسانی کے مسائل بنیادی طور پر ایک ہی رہتے ہیں - فرق ہے تو یہ کہ ہم ان کے حل میں طرح طرح سے قدم اٹھاتے ہیں کبھی باعتبار حالات کبھی باعتبار ضروریات اور کبھی اپنے فہم اور دانش کے ماتحت اور یہی نقطۂ آغاز ہے انسان کی روحانی اور باطنی کشمکش کا - اندریں صورت اگر سوال کیا جائے کہ اس کشمکش میں ارسطو کی دماغی کاوشوں کا حاصل کیا ہے تو اس کا جواب ایک لفظ میں یہ ہوگا ''دستوریت''- بالفاظ دیگر یہ اصول کہ سیاست اور اجتماع کی بنا ہے رفاقت اور رضامندی اور ایک دوسرے کے حقوق کا اعتراف -

لیکن رسالۂ سیاسیات کے بنیادی تصورات کا یہ خاکہ غیر مکمل رہے گا اگر ان مصطلحات کی تشریح نہ کردی گئی جو عبارت ہیں ارسطو کی علمی اور فلسفیانہ لغت سے - راقم الحروف کا خیال ہے صفحات گذشتہ ھی میں قارئین نے بخوبی اندازہ کر لیا ہوگا کہ ارسطو نے ادائے مطلب میں جو خاص خاص الفاظ اور ترکیبات استعمال کی ہیں ان کے ٹھیک ٹھیک معنی متعین ہو جانا ضروری ہے جیسے لفظ فطرت (فزسس) کے - بات یہ ہے کہ ارسطو کے زمانے سے لیکر اب تک تہذیب و تمدن کی دنیا میں جو انقلاب رونما ہوئے اور اس کے ساتھ ساتھ افکار و خیالات کا عالم بھی جس طرح دگرگوں ہوتا رہا اس میں الفاظ اور مصطلحات کا مفہوم بھی بدلتا رہا - پھر الفاظ اور مصطلحات اگرچہ آج بھی وہی ہیں جو قرن ہا قرن پہلے تھے اور ان کا اشارہ بھی انہیں حقائق کی طرف جن کا وجود اپنی جگہ پر مستقل ہے لیکن بدلا ہے تو ان کے متعلق ہمارا نقطۂ نظر اور جس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی لفظ اور اصطلاح ہے اس کا ایک عہد اور ماحول ہوتا ہے جس سے اس کا مفہوم وابستہ رہے گا - اندریں صورت اگر ہم نے کسی لفظ یا اصطلاح کی تعبیر خود اپنے ماحول اور اپنے زمانے کے حوالے سے کی تو بجائے اس کے کہ ہم یہ سمجھیں دوسروں کا مافی‌الضمیر کیا ہے اور یوں ان کے دل و دماغ کا اندازہ کریں ہمیں ان الفاظ و مصطلحات میں بھی اپنی ہی تصویر نظر آئیگی- اب یہ مسلم ہے کہ ارسطو کا زمانہ ہمارے زمانے سے بالکل مختلف تھا - اس نے جس دنیا میں آنکھ کھولی اور جس آب و ہوا میں پرورش پائی یہ وہ دنیا اور وہ آب ہوا نہیں جس میں آج ہم زندگی کا سانس لے رہے ہیں - یوں بھی جیسی جیسی کوئی ذہنی فضا ہوگی ویسی ہی الفاظ و مصطلحات کی ایک کیفیت اور ایک کا مزاج - ان کے کچھ متضمنات ہوں گے کچھ مستلزمات - لہٰذا ہم اس کیفیت اور مزاج کو سمجھینگے تو انہیں کے حوالے سے یعنی جیسے جیسے ارسطو کی زبان سے کوئی لفظ ادا ہوا اور جیسے جیسے سامعین نے اس کا مفہوم و مدعا سمجھا- ہم آج ان آوازوں اور ان کے زیر و بم کے ساتھ ساتھ ان کی بازگشت یعنی اس لب و لہجے کا

جس سے طرح طرح کے معنی وابستہ تھے ھو بھو اندازہ کیسے کر سکتے ھیں جس کا تعلق ایک ایسی دنیا سے تھا جو صدیاں گذریں ناپید ھو چکی ھے۔ بیشک یونان کی سر زمین آج بھی وھی ھے - وھی اس کے دریا اور پہاڑ اور وھی اس کی وادیاں - وھی اس کے سواحل ، سمندر اور جزیرے - لیکن نہیں ھیں تو وہ چھوٹے چھوٹے شہر ، آبادیاں اور بستیاں جو اس کے سواحل اور دریاؤں کے آس پاس یا کسی سلسلۂ کوہ کے دامن یا جزیروں میں بکھری پڑی تھیں اور اس امر پر مصر کہ اپنی جداگانہ ھستی برقرار رکھیں۔ حالانکہ ان کی زبان ایک تھی ، نسل ایک اور تہذیب و تمدن ایک لیکن اس کے باوجود انہیں کبھی یہ خیال نہ آیا کہ سیاسی اعتبار سے باھم متحد ھو جائیں - بر عکس اس کے وہ اس اتحاد کو اپنے تصور ریاست کی ضد تصور کرتی تھیں - یہ دنیا تھی جس میں ارسطو نے سیاست اور اجتماع پر قلم اٹھایا - لہذا اس کو سمجھنا ارسطو کی زبان اور طرز خیال کو سمجھنا ھے - پھر کتنی اصطلاحات ھیں جو ارسطو نے اپنے مخصوص خیالات کی ترجمانی کے لئے وضع کیں اور کتنی جن کے غیر یونانی مترادفات سے ان کا مفہوم کما حقہ ادا نہیں ھوتا یہاں تک کہ بعض صورتوں میں ھم ان سے جو معانی اور مطالب منسوب کر دیتے ھیں غلط فہمی کا باعث ھوتے ھیں اس لئے کہ یوں ھم ارسطو کے حقیقی افکار اور نظریات سے دور ھٹ جاتے ھیں - اس سلسلے میں لفظ فطرت کی طرف پھر اشارہ کردینا کافی ھوگا- خیر اور تکمیل ذات کے ارسطاطالیسی مفہوم کا ذکر بھی ھم اس سے پہلے کر آئے ھیں تاکہ ان کا اصل مفہوم ھمارے سامنے رھے- ارسطو کے انگریز مترجمین نے تو بلا تکلف اس امر کا اعتراف کیا ھے کہ یونانی مصطلحات کے ان انگریزی مترادفات سے جو اصلاً لاطینی سے مشتق ھیں ارسطو کا مطلب ٹھیک ٹھیک ادا نہیں ھوتا بلکہ اس کے بنیادی تصورات کا نقشہ ھی بدل جاتا ھے ، اس لئے کہ ان کا نشو و نما ایک بالکل مختلف سرزمین اور مختلف سیاسی اور اجتماعی فضا میں ھوا یعنی رومیوں کے یہاں جن کا دل ودماغ اھل یونان سے مختلف تھا۔ پھر لاطینی اور یونانی سے اشتقاق کے باوجود جدید انگریزی مصطلحات کی نوعیت چونکہ معناً کچھ اور

ہوگئی ہے جس کی وجہ سے سیاست و اجتماع میں ہمارے خیالات کی تبدیلی ، لہذا اگر انگریزی زبان میں رسالۂ سیاست کا ترجمہ ان مشکلات سے خالی نہیں جو اقوام مغرب کے مشترکہ تہذیبی ورثے کے باوجود ارسطو کے خیالات اور یونان کی مصطلحات سیاست و اجتماع کی ترجمانی میں پیش آتی ہیں تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کے اردو مترجمین کی ذمہ داریاں بالخصوص جب بطور ایک علمی زبان کے اردو کا نشو نما جاری ہے اور وضع اصطلاحات کا عمل بھی اختتام کو نہیں پہنچا کیا ہونگی - پھر علوم و فنون ہوں یا فلسفہ و حکمت ہم ان کی بیشتر مصطلحات چونکہ اہل مغرب سے مستعار لےرہے ہیں اور انکا ترجمہ جن الفاظ میں ہورہا ہے انکا ماضی کچھ اور ہے اور علمی اور تہذیبی روایات کچھ۔اور اس لئے راقم الحروف نے انگریزی اصطلاحات کے اردو مترادفات پر اگر اس پہلو سے گفتگو شروع کردی تو وہ ایک نئی اور طویل بحث کا پیش خیمہ ہوگی جس کا یہ موقعہ ہے نہ محل اندریں صورت یہاں جو امر قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ رسالۂ سیاسیات کا اردو ترجمہ چونکہ انگریزی سے کیا گیا ہے اور اسکی مصطلحات بھی انگریزی سے ماخوذ ہیں لہذا بہتر ہوگا ارسطاطالیسی مصطلحات کے ساتھ ساتھ انکے انگریزی مترادفات قارئین کے ذہن میں رہیں تاکہ مترجم نے ان کی تشریح جس طرح کی ہے اسکا ٹھیک ٹھیک مطلب سمجھ میں آسکے اور یہ اعتراض بھی نہ کیا جائے کہ اصطلاحات کی بحث میں ہم نے اپنا ماضی اور اپنی روایات کیوں نظر انداز کردیں- مترجم نے جو اصطلاحات وضع کیں سیاست حاضرہ کے حوالے سے کیں -

ان مصطلحات میں سب سے پہلے ہماری توجہ 'پولس' (polis) پر ہونی چاہئیے جس کا ترجمہ راقم الحروف نے 'شہر' کیا ہے حالانکہ اس سے مراد ہے (State) ریاست 'اسٹیٹ' سے بھی اس کا صحیح مفہوم ادا نہیں ہوتا نہ ان خیالات کی ترجمانی جو اس لفظ سے وابستہ ہیں - 'پولس' علامت ہے اس محدود اجتماعیت سے جو اخلاقاً تو کسی شہر کی متمدن زندگی لیکن مادی اعتبار سے اس کے در و دیوار میں مشہود ہوتی ہے ورنہ جہاں تک شہر یعنی محض ایک مسکن اور مامن کا تعلق ہے اس کے لئے یونانی زبان میں ایک جداگانہ لفظ 'اسٹے' (Asty) موجود ہے - اندریں صورت 'پولس' سے

جو متعدد اصطلاحیتیں بنتی ہیں ان سے ارسطو کی شہری ریاست کا صحیح نقشہ ہمارے سامنے آجاتا ہے اور جن کے مترادفات فی‌الحقیقت کسی زبان میں موجود نہیں - 'پولس' اگر شہر ہے تو 'پولی‌ٹیس' (polites) شہری (citizen) ، پولیٹیکوس (politikos) 'شہر گر' (یعنی سیاست داں بمعنی مدبر ریاست statesman) ، پولی‌ٹی‌کی (politiki) شہریت لیکن شہر کے طرز زندگی اور اس کے فلاح و بہبود کے معنوں میں اور جسے باصطلاح جدید نظریۂ سیاست (polity) سے تعبیر کیجئے ، پولی‌ٹائیہ (politeia) شہرداری یعنی دستور (constitution) یا طرز حکومت اور جس کا اشارا اخلاق اجتماعیہ اور تفویض مناصب کی طرف ہے لہٰذا ارسطو نے اسے طریق زندگی کہا ہے اور آخرالامر 'پولی‌ٹوئیمہ' (politeuma) یعنی شہر ساز یا جماعت شہریاں (جس کا ترجمہ عام طور پر civic body کیا جاتا ہے) اس لئے کہ از روئے دستور آئینی حقوق حاصل ہونگےتو صرف اسی جماعت کو- راقم‌الحروف کا خیال ہے کہ الفاظ کا یہی مجموعہ ہے (شہر ، شہری، شہر گر ، شہریت ، شہر داری ، شہر ساز ) جس سے در حقیقت ارسطو کا مطلب واضح طور پر ہماری سمجھ میں آجاتا ہے نہ کہ ان کے لاطینی یا انگریزی مترادفات سے -

بعینہ دو لفظ ہیں جن کے بغیر ناممکن ہے حکومت کے بارے میں ہم رسالۂ سیاسیات کا نظریہ پورے طور پر سمجھ سکیں - ایک ' آرکی' (arche) جس کے لغوی معنی ابتدا کے ہیں اور اس لئے آرکن (archon) کے حاکم ، یا فرمانروا اس لئے کہ وہ امر حکومت کی ابتدا کرتا ہے مگر یاد رکھنا چاہئیے اسکا کام صرف ایک امرکو سر انجام دینا ہے (کیا ارسطو کا مفہوم 'ہماری' اصطلاح 'اول‌الامر' سے سمجھ میں آجائیگا ؟) اس کے اس حق اور تائید کا سرچشمہ ہے 'شوریٰ' ، ارسطو کے لفظوں میں کائیریوس (Kyrios) خواہ وہ ایک یا ایک سے زیادہ افراد پر مشتمل ہو مثلاً ایک مجلس (اکلیسی) پر - لہذا اس ترجمے میں جہاں جہاں 'اقتدار' کا لفظ استعمال ہوا وہاں اقتدار عبارت ہے شوریٰ سے جس کا کام یہ ہے کہ امر حکومت کا سررشتہ جس کو چاہے سونپ دے - اقتدار (Sovereignty) کی بحث رومی تصور سیاست کی پیدا کردہ ہے جس میں امر حکومت کی ابتدا تو کی نہیں جاتی،

برعکس اس کے یہ سمجھا جاتا ہے کہ کسی نہ کسی کو اس کا اقتدار حاصل ہے لیکن کسے؟ لہٰذا یہ بحث کبھی ختم نہیں ہوتی کہ اقتدار دراصل ہے کس کا۔ لیکن یونانی اور راقم الحروف کے نزدیک کچھ اور نظریہ ہائے سیاست بھی ہیں جو اقتدار کے تصور سے بجا طور پر ناآشنا ہیں۔ بہر حال لفظ کائریوس اگر قارئین کے ذہن میں رہیگا تو قرینہ یہ ہے کہ وہ ڈیماکریسی ، ارسٹاکریسی وغیرہ یونانی اصطلاحات سے اور زیادہ لطف اندوز ہوں گے ۔ اس لئے کہ یہ جمہور یا اہل فضائل ہیں جو سرچشمہ ہونگے حکومت کی ابتدا اور آغاز کا۔

قانون اور عدالت کی بحث میں بھی دو لفظ بالخصوص تشریح طلب ہیں ایک نوموس(Nomos معرب یا مفرس ناموس)، دوسرا ڈیکے(Dike)- ڈیکے کے معنی 'ٹھیک اور سیدھا' کئے جاتے ہیں اور اس لئے ڈیکائیون (Dikaion) کے عدالت جس سے دو لفظ بنتے ہیں ڈیکائیوسائنے (Dikaiosyne) اور ڈیکاسٹرئیون (Dikasterion) - اول الذکر کا مطلب ہے راستی (Righteousness) لہٰذا اس کا ترجمہ اگرچہ عدل (Justice) کیا جاتا ہے لیکن وہ عدل سے بڑھ کر ایک اخلاقی صفت ہے ۔ اسے ایک قانونی اصطلاح ٹھہرانا غلطی ہے ۔ وہ گویا ایک اخلاقی اصول ہے جس کا تقاضا ہے کہ ہم راستی اختیار کریں اور عدل و انصاف سے کام لیں ۔ یونانی فضائل کی فہرست میں اس کا درجہ سب سے بلند ہے کیونکہ وہ عبارت ہے خیر سے ۔ مؤخرالذکر سے مراد ہے عدالت (بمعنی دارلعدل) لیکن یونانی عدالتوں کی مثال وہ نہیں تھی جو قانونی عدالتوں کی ہوا کرتی ہے اس لئے کہ ان عدالتوں کے ارکان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ جاتی اور اس لئے انہیں بھی قاضی ٹھرانا غلط ہوگا ۔ پھر اگر خالصاً قانونی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو ان عدالتوں کا طریق بھی یہ نہیں تھا کہ جیسا کوئی معاملہ ہے اسکی چھان بین کرتے ہوئے اپنا فیصلہ صادر کر دیں ۔ بیشک ان میں لوگ اپنی شکایات اور نزاعات پیش کرتے اور عدل و انصاف کے جویا ہوتے جس میں بالعموم بڑی ذمہ داری سے کام لیا جاتا ، پھر بھی ان عدالتوں کا فرض دادگستری نہیں تھا جتنا یہ کہ اہل شہر کے نمائندوں کی حیثیت سے اس امر کی ترجمانی کریں کہ حق و

صواب کیا ہے ۔ وہ گویا ذریعہ نہیں اس امر کے اظہار کا کہ عدل اور قسط (equity) کیا ہے ؟ وہ ایک طاقت تھی ارباب حکومت کے پیچھے لہٰذا ارسطو ٹھیک کہتا ہے 'ڈیکے' کا تعلق دراصل پولس سے ہے اس لئے کہ اس امر کا فیصلہ کہ عدل‌وانصاف کیا ہے اسی کے ہاتھ میں ہے۔ رہا لفظ 'نوموس' سو اس کا مطلب ہے 'حدود اور مقام' کا تعین، لہٰذا قانون اور وہ بھی بطور اس رسم‌و رواج، اس عہد و پیمان اور ان آداب و اطوار کے جن کا سلسلہ شروع ہی سے چلا آ رہا ہے ۔ لہٰذا 'نوموس' کے معنی بھی قانون سازی نہیں کیونکہ اس کا تعلق روایات سے ہے اور جس کا ٹھیک ٹھیک مطلب سمجھانے کے لئے مشہور اثینوی خطیب ڈماس تھنیز کے اس خطبے کی طرف اکثر اشارہ کیا جاتا ہے جس میں وہ کہتا ہے ہمارا شہر (فطرت) فزسس اور ناموس (نوموس) کے زیر فرمان ہے ۔ فطرت اگرچہ بد ہے اور بدی کی طرف مائل لیکن ناموس کا رخ عدالت، خیر اور احسان کی طرف ہے۔ وہ دیوتاؤں کی ایجاد ہے، داناؤں کی رائے کا حاصل ، غلط کاری کا مداوا اور اس میثاق کی بنا جس پر شہر کی بنا رکھی گئی اور جس کو سب نے قبول کیا ۔ لہٰذا ارسطو کے نزدیک وہی ایک ضمانت ہے اہل شہر کے حقوق کی اور یہی وجہ ہے کہ قانون عبارت ہے اس ضابطۂ حیات سے جس سے شہریوں میں اچھائی اور عدل و انصاف کی صفات پیدا ہونگی ۔ پھر اگرچہ انگریز مترجمین کی طرح راقم الحروف نے بھی ان الفاظ کے لئے وہی اردو مترادفات استعمال کئے جو بطور اصطلاحات ان کے لئے رائج ہیں مثلاً عدالت ، قاضی اور قانون وغیرہ ، لیکن یہ دراصل اوپر کے اشارات ہیں جن سے ارسطو کا حقیقی مدعا واضح ہوگا ورنہ ظاہر ہے نہ محض قانون سے انسان اچھائی اختیار کر سکتا ہے نہ اس کے استعمال سے عادل اور منصف ۔

علاوہ ازیں دو اور لفظ ہیں جن کی تشریح ضروری ہے ۔ ایک اریٹے (arete) جسکا ترجمہ انگریزی میں virtue) اور اردو میں فضیلت کیا جاتا ہے ۔ وہ ایک اخلاقی صفت ہے جس کی تعریف اخلاقیات میں ارسطو نے بدیں الفاظ کی ہے کہ یہ سیرت اور کردار کی وہ حالت ہے جس کا تعلق انسان کے اختیار ذات اور اپنے انتخاب سے ہے اور جو عبارت ہے وسط

(mean) سے ... اس کا دارومدار ہے ایک عقلی اصول (logos) جیسے ظاہر ہے وہی شخص استعمال کریگا جو عملاً بھی دانائی (فرونی موس phronimos) سے بہرہ ور ہے اور پھر رسالۂ سیاسیات میں کہتا ہے 'اریٹے' کے لئیے بھی کچھ ساز و سامان (choregia) کی ضرورت ہے - اس کے بھی کچھ اوزار ہیں تاکہ ہم فیاضی سے کام لے سکیں - لہٰذا 'اریٹے' نیکی بھی ہے اچھائی اور خوبی بھی - اس کا تعلق عقل سے بھی ہے اور معاشرے میں انسان کی ذاتی حثیت سے بھی - لیکن اسکی روح محض اخلاقی نہیں اس لئے کہ ایک فضیلت ایک اچھے انسان کی ہے ، دوسری ایک اچھے شہری کی لہٰذا ممکن ہے دونوں باہم مختلف ہوں جیسے ایک سپاھی سے ایک عہدیدار - یہی وجہ ہے کہ اگر کہیں اخلاق پر زور دینا مقصود ہوگا تو وہاں اسکے ساتھ لفظ 'اخلاقی' کا اضافہ کیا جائیگا جیسا کہ مترجم نے بیشتر کیا - مثلاً اس نے کہا ہے اخلاقی فضیلت اور فضائل اخلاق - مگر پھر اس سارے تصور میں چونکہ انسان کی انسان پر برتری ثابت ہوتی ہے اسلئے ہمارے فلاسفۂ اخلاق نے اگر اریٹے کا ترجمہ فضیلت کیا تو ہم سمجھتے ہیں اس سے بڑی حد تک اسکا مفہوم ادا ہو جاتا ہے گو اسکے باوجود ضرورت رہتی ہے کہ ہمیں یونانی نظریہ اخلاق سے پوری پوری واقفیت ہو -

دوسرا لفظ ہے ' یوڈائے مونیا ' (eudaimonia) جس کا ترجمہ انگریزی میں عام طور پر مسرت (happiness) لیکن بارکر نے خوش بختی (felicity) کیا ہے - وہ سمجھتا ہے یہ لفظ اسکا مترادف تو نہیں لیکن بڑی حد تک قریب تر - مترجم کو بھی اعتراف ہے کہ خوش بختی (felicity) کا مترادف نہیں وہ محض ایک اشارہ ہے - ارسطو کے نزدیک اس سے مراد ہے وہ حالت جس میں انسان خیر کے لئے ساعی رہتا ہے - گویا وہ کوئی حاصل کرنے کی چیز ہے ، حاصل شدہ چیز نہیں - اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یوڈائےمونیا بجائے خود مسرت ہے، نہ خوش بختی اور سعادت - بلکہ یہ سب اسکا نتیجہ - البتہ جہاں تک اس کے کسی مترادف کا تعلق ہے مترجم نے یہ دیکھتے ہوئے کہ اس لفظ کا مفہوم چونکہ کسی زبان کے کسی

لفظ سے ادا نہیں ہوتا لہٰذا یہی بہتر ہے کہ اس کے لئے اصطلاحاً سعادت لیکن ویسے خوش بختی کا لفظ بھی استعمال کرے، مگر اس نے یہ الفاظ باہم جمع بھی کر ڈالے ہیں مثلاً مسرت اور سعادت مسرت اور خوش بختی یا خوش بختی اور سعادت ۔ سعادت کا مفہوم بہر حال یوڈائے مونیا ، سے قریب تر ہے کیونکہ وہ بھی ایک حالت اور ایک سعی ہے حصول خیر کی گو اس سے ہمارا ذہن 'منہم شقی و منہم سعید' کی طرف منتقل ہو جائیگا ۔ پھر یوں بھی اس کا تعلق جن اخلاقی ، مذہبی اور صوفیانہ روایات سے ہے وہ اس کے یونانی تصور سے بالکل مختلف علیٰ ہذا بلند اور برتر ہیں جس کے ماتحت اہل یونان یا ارسطو ۔ یہ لفظ استعمال کیا ۔ ارسطو کا اس سے مدعا تھا تو فقط یہ کہ ریاست حصول خیر کی ساعی رہے لیکن خیر کا اظہار چونکہ افراد کی زندگی میں ہوتا ہے ان کی خوش حالی اور خوش بختی علیٰ ہذا کفایت ذات ، اطمینان ، مسرت ، فراغت اور طلب فضیلت ۔ لہٰذا اس کیلئے کچھ ساز و سامان کی ضرورت ہوگی ۔ فرد اور ریاست دونوں کا فرض ہے کہ مادی اور اخلاقی دونوں پہلوؤں سے اس ساز و سامان کے حصول کی ساعی رہے تاکہ شہر میں سعادت کا دور دورہ ہو۔

یہاں ان الفاظ یا مصطلحات کی طرف بھی مختصر سا اشارہ خالی از فائدہ نہ ہوگا جو ارسطو نے معاشرے کے مختلف اجزا اور مختلف درجات کے لئے استعمال کی ہیں ۔ لیکن راقم الحروف صرف ان کی فہرست پر قناعت کریگا ایک تو اس لئے کہ ان کا مفہوم بجائے خود ظاہر ہے ثانیاً ضروری نہیں کہ ان کی تشریح میں یونانی تاریخ سیاست کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی جائے ۔ یہ بحث طویل بھی ہوگی ، بے موقعہ اور بے محل بھی ۔ بہرحال بحیثیت اجزائے معاشرہ ارسطو کی نظر ڈیموس (demos) لوگ آبادی) یعنی جمہور پر ہے ۔ پلیتھوس (plethos) عوام ہیں، اوخلوش (ochlos انبوہ) بھیڑ بھاڑ ۔ باعتبار معاشی حالت کے پنے ٹیس (penetes غریبوں) کرنی ٹیس (charnetes) مزدوروں تھے ٹیس (thetes) اجیروں اور ٹیکنی ٹائی (technitai) اہل حرفہ پر ۔ بلحاظ تہذیب و شائستگی بنونسائی (banausoi) یعنی دکانداروں اور دستکاروں پر جن کو فراغت میسر ہے نہ اس کا امکان کہ ہوگی ۔ ان کا دن محنت یا سستانے ہی

میں گزر جاتا ہے۔ نیچ ذاتوں اور گھریلو غلاموں کو اس نے دولائی (douloi) کہا ہے - زرعی غلاموں کو بالعموم پیریوئکائی (perioikoi) - اونچے طبقات کو اولی گائی (oligoi) اور جو گویا 'معدودے چند' پر مشتمل ہوں گے - ان کی تقسیم یہ ہے : پلو سیائی (plousioi) دولت مند اور 'بیل ٹیونیس' (beltiones) یا ارسٹوئی (aristoi) بہتر - گنوری موئی (gnorimoi) اہل وجاھت ، اپی کائیس (epiekeis) معتدل اور خوش معاملہ اور اس امر کے اہل کہ فراغت سے لطف اندوز ہوں - فراغت کی تشریح متن کے ایک ذیلی حاشیے میں بھی کی جا چکی ہے -

پھر اگر راقم الحروف نے ان اصطلاحات کی طرف اشارا کیا ہے تو اس لئے بھی کہ ہمیں معلوم ہو جائے یونانی معاشرے کی ترکیب کیا تھی - وہ کیسے کیسے عناصر پر مشتمل تھا اور کیسے کیسے درجات اور امتیازات تھے جو اہل یونان کے یہاں قائم تھے - یہ حقائق ہمارے سامنے ہوں گے تو سیاست و اجتماع میں ہم ارسطو کے خیالات کو زیادہ بہتر سمجھ سکیں گے - لیکن مشکل یہ ہے کہ ان اصطلاحات کے صحیح مترادفات کسی زبان میں موجود نہیں اور ایسا ہونا ایک قدرتی امر ہے اس لئے کہ ہر معاشرے کی اپنی ایک ترکیب اور اپنی ایک زبان اور الفاظ و مصطلحات ہوا کرتی ہیں جن سے کوئی دوسرا معاشرہ کلیۃً نہیں تو بڑی حد تک ناآشنا ہوتا ہے - زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی بعض اصطلاحات کو دوسروں کی اصطلاحات کی نسبت ان سے قریب تر سمجھیں- ان اصطلاحات کی حیثیت گویا اسمائے معرفہ کی ہے جن کا حقیقتاً کوئی ترجمہ ممکن نہیں اور جن میں بیشتر کے لئے دوسری زبانوں میں کوئی لفظ ھی نہیں ملتا - یہی وجہ ہے کہ رسالۂ سیاسیات کے انگریزی ترجمے میں بھی ارسطاطالیسی لغت کا وہ باریک اور قطعی فرق واضح نہیں ہوتا جو اصلاً اس کے معانی اور مطالب میں موجود ہے - زیادہ سے زیادہ مترجمین نے یہ کیا ہے کہ مقدمے ، یا ضمیمے یا زیر متن حواشی میں ان کی تشریح کر دی - بارکر کی روش تو اس باب

میں یہ ہے کہ اول ارسطو کی عبارت اس طرح ترتیب دے کہ اس کی سیاسی مصطلحات — حالانکہ ارسطو نے کوئی اصطلاح وضع نہیں کی اس نے صرف اپنی زبان کے الفاظ، محاورے اور ترکیبات استعمال کی ھیں — جدید سیاسی اصطلاحات میں منتقل ھو جائیں تا کہ رسالۂ سیاسیات کی بحثوں کو ھم آج کل کے سیاسی تصورات کے حوالے سے سمجھ سکیں ۔ یا پھر اس نے مروجہ یونانی اور لاطینی اصطلاحات سے کام لیا ھے (جیسے مترجم کو فارسی اور عربی اصطلاحات استعمال کرنا پڑیں) ۔ پہلی صورت میں قابل اعتراض امر یہ ھے کہ ارسطو سے جو مصطلحات لہذا تصورات منسوب کئے جا رھے ھیں فی الحقیقت اس کے ذھن میں موجود نہیں اور ھیں تو ایک بالکل جدا گانہ اور مختلف شکل میں ۔ مثلاً لفظ دستور (constitution) ھی کو لیجئے ۔ اس لفظ کا جو مفہوم آج کل سمجھا جاتا ھے وہ ارسطو کے یہاں نہیں ۔ ارسطو کے نزدیک دستور عبارت ھے 'شہرداری' یعنی اس طریق زندگی سے جو شہر اختیار کریگا ۔ اندریں صورت یہ کیسے کہا جا سکتا ھے کہ ارسطو اس موضوع پر ویسے ھی گفتگو کریگا جیسے موجودہ زمانے کا کوئی سیاست دان ۔ یہ دوسری بات ھے کہ اس کے تصور دستور سے کسی اور نقطۂ نظر کی ایک حد تک ترجمانی ھو جائے ۔ دوسری صورت میں یعنی جب انگریزی یا یونانی اور لاطینی سے مشتق اصطلاحیں استعمال کی جائیں تو ان کا مفہوم چونکہ ھم نے اپنے خیالات اور تصورات کے ماتحت متعین کر چکے ھیں اس لئے ان کا استعمال بھی غلط فہمی کا باعث ھوگا جس سے اجتناب ھی بہتر ھے اس لئے کہ قطع نظر اس ذھنی تسکین کے کہ ھم نے ارسطاطالیسی مصطلحات کا من و عن ترجمہ کر دیا ھم غلطی سے شاید یہ بھی سمجھیں کہ ھمیں ارسطو کے نظریات پر فی الواقعہ عبور حاصل ھے ۔ مختصراً یہ کہ رسالۂ سیاسیات کی عبارتوں کو اس طرح ترتیب دینے کے بعد بارکر ان کی مزید وضاحت قوسین میں کرتا ھے اور پھر جب یہ دیکھتا ھے کہ یوں بھی ادائے مطلب میں

کچھ کمی رہ گئی ہے تو مجبور ہو جاتا ہے کہ ذیلی تعلیقات میں ان پر مزید حاشیہ آرائی کرے - مگر پھر بعض صورتوں میں جب یوں بھی کام نہیں چلتا تو اسے ہر باب کے اختتام پر اپنے مطلب کی مزید تشریح اور زیادہ تفصیلی حاشیوں کے اضافے سے کرنا پڑتی ہے - سطور بالا سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس بعد زمانی اور مکانی کے باعث جو ہمارے اور ارسطو کے درمیان حائل ہے رسالۂ سیاسیات یا ارسطو کی کسی دوسری تصنیف کا ترجمہ مفید ثابت ہو سکتا ہے تو جب ہی کہ ہم ارسطو کی زبان اور اسکے الفاظ و مصطلحات کے ساتھ ساتھ ارسطاطالیسی عہد کے یونانی معاشرے اور اس دور کے علمی اور فلسفیانہ تصورات پر بھی نظر رکھیں - ممکن ہے یہاں پہنچ کر یہ کہا جائے کہ اگر یونانی عالیات مثلاً اسی رسالۂ سیاسیات کے مطالب کو اردو میں منتقل کرنا ایسا ہی دشوار تھا اور یہ بھی ضروری کہ ہم صرف ترجمے پر قناعت نہ کریں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کی تشریح و توضیح بھی کرتے جائیں تو کیوں نہ ایلس کی بجائے بارکر ہی کے نسخے کا تمام و کمال یا اسی کے لگ بھگ ترجمہ کر لیا جاتا - بظاہر یہ خیال نہایت ٹھیک معلوم ہوتا ہے لیکن اس طرح ہم ارسطو کی زبان اور اس کے الفاظ و مصطلحات، تراکیب اور محاوروں سے بہت دور ہٹ جاتے - علیٰ ہذا اس کے اسلوب بیان، طریق گفتگو اور طرز ادا حتیٰ کہ اس کے افکار فلسفہ اور نظریات سیاست کے حقیقی مفہوم و معانی اور اس لئے صحیح نوعیت سے - پھر شاید ہم یہ بھی سمجھتے کہ ارسطو نے یونان میں نہیں سر زمین انگلستان میں اور آج سے دو اڑھائی ہزار سال پہلے نہیں حال ہی میں سیاست ایسے موضوع پر قلم اٹھایا ہے اس لئے کہ عبارات مابین قوسین اور ذیلی تعلیقات کے باوجود ناممکن تھا سیاست حاضرہ کی اصطلاحوں سے ہمارا ذہن اس ماحول، اس فضا اور آب و ہوا کی طرف منتقل ہوتا جس میں کبھی ارسطو نے زندگی کا سانس لیا تھا اور جس کی محدود اور سادہ، گو اپنے رنگ میں بڑی شائستہ

اور مہذب دنیا کے احوال و واقعات کے پیش نظر اور پھر ان سے اپنی 'قوم' کے دل و دماغ کا مقابلہ کرتے ہوئے اس نے اپنا نظریہ ریاست پیش کیا - ارسطو کے سیاسی افکار اور سیاست حاضرہ کے تصورات میں لاکھ مشابہت پائی جائے ان کا اندرونی اختلاف اس سے کہیں زیادہ ہے جتنا ہم بظاہر سمجھتے ہیں - اندریں صورت یہی بہتر تھا کہ رسالۂ سیاسیات کے اردو ترجمے کی بنا کسی ایسے نسخے پر رکھی جاتی جس میں ارسطو کی صاف و سادہ زبان بعینہ اور بلا تکلف انگریزی میں منتقل کر دی گئی ہے، مثلاً بہ صورت موجودہ ایلسؔ (Ellis) پر تاکہ ہمارا دل‌ودماغ حتی‌الوسع ارسطو سے قریب‌تر ہو جائے، ہم اس کی باتیں خود اس کے الفاظ میں سمجھ لیں، اس کے خیالات اس کے اپنے لب و لہجے اور طرز گفتگو میں - ہمیں واقعات اور حقائق کا بھی علم ہو تو اس کی زبان سے - وہ جب ان کا تجزیہ کرے یا افکارونظریات ترتیب دے تو کچھ ایسا معلوم ہو جیسے ہم اس کی درس‌گاہ 'لائی کیم' میں بیٹھے اثینیہ اور اثینیہ کے گرد و پیش کی ریاستوں اور ان کی شہری اور دیہاتی زندگی کا لطف اٹھا رہے ہیں - یہی نہیں بلکہ اپنی ذات اور کائنات کے بارے میں بھی کچھ ویسے ہی جذبات، عقائد اور تصورات پیدا کریں جیسے اس عہد کے یونانیوں کے تھے - للہذا راقم‌الحروف نے اس رسالے کے اردو ترجمے میں بھی وہی انداز اختیار کیا جو انگریزی ترجمے میں ایلس کا ہے - لیکن اس کے باوجود یہ کہنا مشکل ہے کہ مترجم اپنی اس کوشش میں کہ ہمارا دل و دماغ ارسطو سے قریب تر ہو جائے کامیاب ہو گیا - اس لئے کہ مترجم بہر حال انگریزی ترجمے کا پابند تھا اور پھر ایلس بھی باوجود کوشش کے ارسطو کی زبان، الفاظ اور مصطلحات کو تمام و کمال انگریزی میں منتقل نہیں کر سکا - بسااوقات اس نے لاطینی اصطلاحات استعمال کی ہیں، مثلاً 'سینیٹ' جو ایک روسی ادارہ تھا نہ کہ یونانی - بعینہ کس قدر الفاظ ہیں جو ارسطو نے معاشرے یا اجزائے شہر کے مختلف عناصر یا ان کی مختلف حیثیتوں کے پیش نظر استعمال کئے لیکن ایلس کے یہاں ان میں باہم فرق کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی - پھر ایسا بھی ہوا کہ بعض صورتوں میں ایک ہی مفہوم کے لئے دو مختلف الفاظ استعمال

کئے گئے - مثلاً حکومت اور دستور ، بعض صورتوں میں دو سے زیادہ مثلاً معاشرے کے لئے ایلس نے سوسائٹی (society) کا لفظ شاذ ھی استعمال کیا ھے (اور اس لئے مترجم نے بھی) کیا ھے تو ریاست (state) ، اجتماع (association) یا جماعت (community) حتیٰ کہ بعض موقعوں پر کوئی جدید اصطلاح مثلاً ھئیت مدنی (civic body) اور یہی کچھ مترجم کو بھی کرنا پڑا اس لئے کہ وہ بہر حال انگریزی متن کا پابند تھا گو حواشی میں اس نے ان سب الفاظ اور مصطلحات کی تشریح کر دی ھے - دراصل اگر ھم چاھتے ھیں کہ رسالۂ سیاسیات یا عالیات (classics) علم و حکمت اور ادب کے ترجموں میں انتشار خیال سے بچیں اور ان کی عبارات سے وھی کچھ سمجھیں جو ان کے مصنفین کو سمجھانا مقصود ھے تو بہتر ھوگا ان کے مخصوص الفاظ اور مخصوص اصطلاحوں، علیٰ ھذا ادارات و نظامات یا سیاسی اجتماعی حقائق کے لئے جو اسما ان میں استعمال ھوئے بعینہ برقرار رکھیں ، معہ ان مترادفات کے جو خواہ پہلے سے موجود ھوں خواہ ان کے لئے نئے سرے سے وضع کئے گئے - ایلس نے بھی کہیں کہیں یونانی مصطلحات ھی استعمال کیں ھیں مثلاً افوری ، کوسموئی وغیرہ اور اس لئے مترجم نے بھی - اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قارئین کو غالباً اس امر سے اتفاق ھوگا کہ رسالۂ سیاسیات کی فلسفیانہ ، آئینی ، قانونی اور عمرانی اصطلاحات کی جو فہرست اس نے کسی پچھلے صفحے میں پیش کی ھے خالی از فائدہ نہیں -

یہاں تک تو ارسطو کے بنیادی تصورات اور رسالۂ سیاسیات کی زبان ، الفاظ و مصطلحات اور ان کے ترجمے سے بحث تھی - لیکن اب راقم الحروف کو دو ایک باتیں اس اردو ترجمے کے بارے میں بھی عرض کرنا ھیں - اس سلسلے میں بعض ضروری امور کی وضاحت تو اوپر کر دی گئی ھے البتہ چند ایک مصطحات کا ترجمہ جن الفاظ میں کیا گیا اور ان کے انتخاب میں جو اصول مد نظر رھا اگر اسے بھی ذرا تفصیل سے بیان کر دیا جائے

تو ان کی مناسبت اور عدم مناسبت کے متعلق شاید کسی غلط فہمی کی گنجائش نہ رہے ۔ اس سلسلے میں اول ارسطو کے نظریہ ' وسط زریں ' (golden mean) کو لیجئیے جس سے ہمارا ذہن عربی ضرب المثل ' خیرالامور اوسطہا ' کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور جو ایک طرح سے ارسطو کے اس خیال کا عربی مترادف ہے ۔ بایں ہمہ مناسب نہ ہوگا کہ mean کا ترجمہ اوسط کیاجائے ۔ اس لئیے کہ اوسط کا استعمال (average) کے لئے مخصوص ہو چکا ہے ۔ لہٰذا مترجم نے mean کو وسط کہا ہے ۔ یوں بھی ' وسط الشی ' کے معنی کسی شے کے ' بہترین ' کے ہیں ۔ یعنی کسی ایسی بات کے جو افراط و تفریط سے پاک ہو گو ارسطاطالیسی نقطۂ نظر سے ذرا مختلف رنگ میں کیونکہ ارسطاطالیسی لغت میں وسط (mean) عبارت ہے ایک ہی چیز کے دو متضاد اور متقابل پہلوؤں سے ۔ لہٰذا وسط شی اور وسط زریں میں جو مشابہت ہے اس پر زیادہ زور نہیں دینا چاہئیے ۔ وسط کے بعد فضائل کی طرف آئیے تو ہمارے حکمائے اخلاق نے ان کے لئے حکمت ، شجاعت ، عدالت اور عفت کے الفاظ استعمال کئیے ہیں ۔ اب راقم‌الحروف نے اگرچہ ایک آدھ مقام پر لفظ عفت بھی نظر انداز نہیں کیا لیکن یہ وہ فضیلت ہے جسے دراصل اعتدال اور میانہ روی سے تعبیر کیا جاتا تھا ۔ برعکس اس کے ہمارے نزدیک اس کا مفہوم کہیں زیادہ بلند اور پاکیزہ ہے ۔ چنانچہ عام لفظوں میں تو ہم یہی کہینگے کہ عفت کی روح مذہبی ہے ۔ یونانی نقطۂ نظر سے البتہ عفت ایک اخلاقی صفت ہے اور اس سے مدعا یہ کہ کوئی بھی معاملہ ہو انسان اس میں افراط و تفریط سے بچتا رہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ایلس نے اس کا ترجمہ ٹمپرنس (temperence اعتدال) بھی کیا ہے اور کہیں کسی دوسرے لفظ سے تاکہ ارسطو کا صحیح مفہوم ادا ہو جائے ۔ لہٰذا راقم الحروف نے بھی یہی بہتر سمجھا کہ عفت کی بجائے کوئی دوسرا لفظ استعمال کرے ۔ چنانچہ اس نے 'میانہ روی ' کو ترجیح دی ۔ باقی فضائل کا ترجمہ انہیں الفاظ

میں کیا گیا ہے جو ان کے لئے مستعمل ہیں ، البتہ انگریزی ترجمے کی رعایت سے شجاعت کے علاوہ دلیری ایسے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں جیسے میانہ روی کے لئے حزم اور اعتدال بھی ۔ مگر بمجبوری یعنی جہاں کہیں انگریزی متن کا تقاضا تھا کہ ایسا کیا جائے ۔ رہیں ریاست کے متعلق ارسطو کی مصطلحات : جمہوریت (democracy) اعیانیت (obligarchy) ، امارت (aristocracy) استبدادیت (tyranny) اور مدنیت یا آزاد ریاست (free state اور polity) سو ان میں جمہوریت نہایت ٹھیک ترجمہ ہے ڈیماکریسی کا اس لئے کہ وہ حکومت ہے جمہور کی ۔ لیکن سوال یہ تھا کہ آلیگارکی کو کیا کہا جائے ؟ وہ حکومت ہے دولتمندوں کی اور ارسٹوکریسی کو کیا جس سے مراد ہے اہل فضائل کی حکومت ۔ عدیدیت اور اشرافیت یا اعیانیت اور امارت ؟ لیکن راقم الحروف نے آلیگارکی کو اعیانیت اور ارسٹوکریسی کو امارت کہا ہے ۔ عدیدیت سے بیشک آلیگارکی یعنی چند سری حکومت کا مفہوم ادا ہو جاتا ہے لیکن یہ چند سر یا 'کچھ' جیسا کہ اس یونانی لفظ کا مطلب ہے چونکہ اہل دولت اور ثروت ہی تو ہونگے اور وہی اس طرح کی حکومت کا سہارا ، لہذا مترجم نے آلیگارکی کےلئے اعیان حکومت کی رعایت سے اعیانیت کی اصطلاح وضع کی گو اسے خود بھی اس پر پورا پورا اطمینان نہیں ۔ رہا لفظ امارت جسے اردو میں غلطی سے دولت کا مترادف سمجھ لیا جاتا ہے سو مترجم نے اس کو اختیار کیا تو اس بنا پر کہ ہماری سیاسی روایات کے مطابق امارت ہی در اصل وہ حکومت ہے جس کا سر رشتہ قابل اور اہل انسانوں کے ہاتھوں میں رہتا ہے ۔ وہ ہمارے نظریات سیاست کی ایک اصطلاح بھی ہے اور اس کا اشارہ ہے اس سیاست کی طرف جو ظاہر ہے کسی ایسے نظام مدنیت یا ہیئت حاکمہ کا مقتضی ہوگا جس کا فیصلہ اصولاً ہمیں اہلیت ہی کی بنا پر کرنا پڑیگا ۔ پھر استبداد چونکہ بڑا مناسب ترجمہ ہے tyranny کا لہذا بطور ایک طرز حکومت مترجم نے اس کے لئے استبدادیت کی اصطلاح اختیار کی حالانکہ لفظ استبداد بجائے خود استبدادیت ' کا مترادف

ہے - لیکن پھر استبدادی حکومت کے لئے بھی تو کسی لفظ کی ضرورت تھی اس لئے مترجم نے محسوس کیا کہ لغت اور قواعد لغت کی خلاف ورزی کے باوجود اگر استبدادیت کو بطور ایک اصطلاح اختیار کر لیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہ ہوگا - ایسے ہی پالیٹی (polity) کا مفہوم سیاست حاضرہ میں تو اگرچہ اصول یا بنائے اجتماع کا ہے لیکن ارسطو کے نزدیک (مخلوط) دستوری حکومت تاکہ جملہ اہل شہر باتفاق رائے ایک مشترکہ دستور حکومت کے ماتحت زندگی بسر کریں - لہٰذا ایلس نے اسے جہاں آزاد ریاست کیا ہے وہاں مترجم نے بھی اس کا ترجمہ آزاد ریاست ہی کیا - جہاں (اور زیادہ تر) 'پالیٹی' وہاں مدنیت کیونکہ اس سے مقصود ہے سارے شہر یعنی اہل فضائل' اہل زر اور جمہور کا حکومت میں شریک ہونا جس کے لئے ظاہر ہے ایک مخلوط (با نمائندہ) دستور کا نفاذ لازم ٹھہرے گا - اس لحاظ سے دیکھا جائے تو دستوریت کی اصطلاح شاید مدنیت سے بہتر رہتی - مدنیت کو اس کے اصطلاحی معنوں ہی میں محدود رکھنا چاہئے تھا - لیکن اس سے غلط فہمی کا احتمال تھا - دستوریت مترادف ہے آئین پسندی (constitutionalism) کا اور حکومت کیسی بھی ہو اس کا کوئی نہ کوئی آئین ضرور ہوگا - یہاں شاید اس امر کا بیان خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ ہمارے مشہور فلسفی فارابی نے جمہوریت کو سیاست العامیہ، امارت کو سیاست الخاصیہ اور اعیانیت کو سیاست الخسہ یا سیاست الخساسہ کیا ہے جیسے مطلق العنان حکومت (شاید استبدادیت) کو سیاست الذاتیہ - سیاست کے معنی گویا اس کے نزدیک طرز حکومت کے بھی ہیں - لیکن ظاہر ہے اردو میں یہ مصطلحات غلط فہمی کا باعث ہوتیں - پھر ایک اور لفظ ہے 'شمارہ' جس کا استعمال شاید کچھ عجیب سا نظر آئے لہٰذا بہتر ہوگا اس کا بھی استعمال جس ضرورت کے پیش نظر کیا گیا اس کی طرف اشارا کر دیا جائے - یونان کی شہری ریاستیں چونکہ مختلف عناصر پر مشتمل تھیں - ان کے یہاں ایک ہموار اور مساویانہ معاشرے کا کوئی تصور نہیں تھا، نہ یہ

که کسی ریاست کی ساری آبادی بشمول شہر و دیہات ایک ہی اجتماعی ہیئت ہے اس لئے ضروری تھا کہ جو بھی ریاست (شہر) ہے ان سب عناصر کی ٹھیک ٹھیک تعداد سے باخبر رہے جن سے اس کے وجود نے ترکیب پائی - اندریں صورت ان کا حساب و شمار (مردم شماری census) بھی لازم ٹھہرتا - ان کی باقاعدہ گنتی کی جاتی اور یوں ان کے درمیان جیسی کسی ریاست کی حکومت ہوتی مالی یا اخلاقی اعتبار سے ایک امتیاز قائم ہو جاتا - لہٰذا جہاں جہاں انگریزی ترجمے میں 'سنسس' (census) کا لفظ استعمال ہوا مترجم نے اس کے لئے 'شمارے' کی اصطلاح وضع کی جس پر خیال ہے قارئین کو اعتراض نہیں ہوگا - بعینہ لفظ کسب و اکتساب بھی وضاحت طلب ہے - ارسطو کسب (یا اکتساب) کہتا ہے تو صرف اس معاشی سرگرمی کو جس کا نتیجہ ہے رزق یا حصول معاش - لہٰذا جہاں کہیں یہ لفظ استعمال ہوا اسے 'حصول رزق' کا مترادف سمجھنا چاہئے، نہ کہ کسب و اکتساب کے اس عمل کا جو کبھی تجارت، کبھی دکانداری اور کبھی کسی دوسرے پیشے کی شکل اختیار کر لیتا ہے - مگر عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے اس اصول 'الکاسب حبیب اللہ' کے خلاف ارسطو یہ سمجھتا ہے کہ کسب و اکتساب کی یہ سب شکلیں معیوب اور قابل اعتراض ہیں - ان سے انسان کا درجہ گر جاتا ہے اور اسے اتنی فراغت میسر نہیں آتی کہ تکمیل ذات کی طرف توجہ کرے، کیونکہ اس کی انتہا عمل پر نہیں فکر پر ہوتی ہے - جیسا کہ قدیم فلسفہ اور مذہب کا بالعموم خیال تھا - بہرحال ارسطو کی نیت یہ تھی کہ انسان حرص و آز سے بچے اور وہ جو ہم کہا کرتے ہیں دنیا طلبی کوئی اچھی چیز نہیں اس کا بندہ نہ ہو جائے - یہ دوسری بات ہے کہ تجارت، محنت مزدوری اور صنعت و حرفت کے باب میں اس نے جو نقطۂ نظر اختیار کیا صحیح نہیں - بہر حال اس کا خیال تھا کہ انسان کو حصول رزق کا انتظام خود کرنا چاہئے - اس کے لئے غلام ہیں، نوکر چاکر ہیں تاکہ اسے فراغت نصیب ہو - فراغت ہے تو وہ امور ریاست میں بھی حصہ لیگا اور غور و فکر کی زندگی بسر کرسکے گا - لیکن

اگر یہ کہا جائے کہ اس قسم کی زندگی نصیب کتنوں کو ہو سکتی ہے ، اس کے مستحق بہت تھوڑے ہوں گے ، باقی سب ان پر قربان کر دئے جائیں گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں مضائقہ ہی کیا ہے - بڑی چیزوں کی قیمت بھی بڑی ہوا کرتی ہے - یہ قیمت بہر حال ادا کرنا ہوگی -

ممکن ہے یہاں پہنچ کر اعتراض کیا جائے کہ زبان کے اس خلفشار سے بچنے کے لئے جس کی پیش بندی مترجم اس طرح کر رہا ہے کیا بہتر نہ ہوتا کہ جن لفظوں کی تشریح اب اس احتیاط سے کی جا رہی ہے ارسطاطالیسی لغت کے پیش نظر ان کا استعمال ہی نہ کیا جاتا - لیکن ایک تو مترجم کے لئے انگریزی متن کی پابندی ضروری تھی - ثانیاً ان لفظوں کی بجائے اور لفظ ہی کہاں ہیں جو ان کی بجائے استعمال ہوتے - پھر الفاظ تو ہمیشہ وہی رہتے ہیں جو کبھی تھے - بدلتی رہتی ہے تو ان کی روح - یوں بھی اپنی اصل تحریر یا تقریر میں ارسطو نے اپنا مطلب شاید کچھ اسی قسم کے الفاظ میں بیان کیا تھا جو اب مترجم استعمال کر رہا ہے - لہٰذا کسب کو اس نے اگر کسب ہی کہا ہے تو ہم مجبور ہیں کہ ترجمے میں بھی یہی لفظ قائم رکھیں - البتہ ہمیں بھولنا نہیں چاہئے تو یہ کہ اس کی دو شکلیں ہیں ، ایک پسندیدہ دوسری ناپسندیدہ - ایک میں اس کی روح ہے حصول معاش ، دوسری میں حصول دولت - بہر حال ان سب تصریحات کے بعد مترجم کو جس امر پر زور دینا ہے وہ یہ کہ رسالۂ سیاسات کے اس ترجمے میں:

شہر عبارت ہے ریاست سے ،
ریاست سے مراد ہے اہل شہر ، کوئی اجتماع ، معاشرہ -
حکومت کے معنی ہیں دستور ،
دستور کے طریق زندگی ،
قانون کا مطلب ہے وہ اصول اور رسم و رواج جن پر کوئی معاشرہ چل رہا ہے اور اس لئے
عدالت وہ مجلس جس میں مقدمات کا فیصلہ امور بالا کی رعایت سے

کیا جاتا ہے - للہذا ارکان عدالت بھی قاضی (judge) نہیں
جیسا کہ قانوناً آج ان کی حیثیت ایک مستقل عہدیدار کی ہے -
اعزازات اور مناصب کا اشارا عہدوں کی طرف ہے اور
عہدیدار یا حکام بھی آجکل کی اصطلاح میں سرکاری ملازم نہیں بلکہ وہ
اشخاص جنکے ہاتھ میں سررشتۂ امور ہے یعنی جن کو حکومت کا
نظم و نسق سونپ دیا گیا ہے -

پھر بہتر ہوگا شہر ، شہری ، شہریت ، شہر گر، شہرداری اور
شہر ساز کی اصطلاحات بھی ہمارے ذہن میں رہیں اپنے
ان کے ارسطاطالیسی مفہوم اور معنوں کے ساتھ -

رہی سیاست کی ارسطاطالیسی روایت یعنی وہ اثرات جو رسالۂ سیاسیات سے مشرق اور مغرب میں مترتب ہوئے سو مختصراً یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جیسے جیسے یونانی فلسفہ نے متمدن دنیا کے کسی حصے یا تاریخ کے کسی دور میں قدم رکھا اور اس کی مشائی (ارسطاطالیسی) یا اشراقی (افلاطونی) تعبیر نے قلوب و اذہان کو اپنی طرف کھینچا ویسے ہی ارسطو کے نظریات سیاست و اجتماع سے لوگوں کی دلچسپی کم یا زیادہ ہوتی چلی گئی - لیکن یاد رکھنا چاہئے اس دلچسپی میں بھی ان کے پیش نظر ایک اصولی بحث تھی بالفاظ دیگر یہ مسئلہ کہ فساد و نوضویت کے مقابلے میں امن و امان اور نظم و ضبط کے تقاضے کیا ہیں - وہ جاننا چاہتے تھے قدما نے اس بارے میں کیا کہا ہے اس لئے کہ قدما کی طرح ان کے یہاں بھی ابھی ریاست اور کلیسا کی تفریق کا مرحلہ نہیں آیا تھا ، نہ ان جمہوری اور عوامی تحریکوں کا جن کا ظہور آگے ، بہت آگے چل کر یورپ میں ہوا - ان کے نزدیک بھی سیاست کا فریضہ تھا 'طریق زندگی' یعنی اس قانون ، اس رسم و رواج ، آداب و شعائر ، خیالات اور معتقدات علی ہذا اخلاق اور مذہب کا حفظ و استحکام جن پر کوئی معاشرہ قائم ہے - وہ سمجھتے تھے یہ فریضہ ادا ہو سکتا ہے تو انہی ہاتھوں سے جو اس کے اہل ہیں کیا باعتبار فہم و دانش اور کیا بلحاظ سیرت اور کردار - لہذا آج کل کی

اصطلاح میں یہ کہا جائیگا کہ ان کا انداز فکر لا جمہوری تھا - عملاً البتہ انہوں نے ارسطو کی ان تجاویز سے جن کا تعلق قانون و دستور یا سیاسی ادارات سے ہے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، نہ بسبب تبدیلیٔ حالات اٹھا سکتے تھے - اس لئے کہ شہری ریاستوں کا زمانہ تو ارسطو کی زندگی ھی میں ختم ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ قدیم یونانی دنیا کا بھی - پھر جب اسکندر کی سلطنت اس کے جانشینوں میں بٹ گئی اور عراق، شام، مصر اور یونان میں بڑی بڑی عظیم ملکی ریاستیں قائم ہوئیں حتیٰ کہ آگے چل کر دولت روما کا ظہور ہوا تو رواقی فلسفہ کے زیر اثر لوگوں کی توجہ 'پولس' (polis شہر) کی بجائے 'کاسموپولس' (cosmopolis شہر عالم) پر مرتکز ہوتی چلی گئی - دوسری جانب مسیحی کلیسا کا نظام جس طرح روز بروز وسعت اور استحکام حاصل کر رہا تھا اس کے ماتحت 'دنیا بطور شہر' کی طرح ایک ایسی ریاست کا تصور پیدا ہوا جو عالمگیر ہو اور منشائے خداوندی کے مطابق - یہ خیال تھا جس کے پیش نظر آگسٹائین ولی (St Augustine) نے اپنی مشہور اور افلاطون اور ارسطو کے بعد مغرب میں سیاست کی سب سے پہلی اور اہم کتاب 'شہر خداوندی' (Civitate Dei) تصنیف کی - یہ دوسری بات ہے کہ 'شہر عالم' یا شہر خداوندی' کی تحریک جن خیالات اور جذبات کے زیر اثر ہو رہی تھی ان کی بطور ایک امر واقعی عملاً تعبیر کا موقعہ آیا تو اسلام اور صرف اسلام کی بدولت - بہر حال ھیلے نیکی - رومی دنیا میں ارسطو کا جیسا بھی مطالعہ ہوتا رہا اس کا سلسلہ ازمنہ مظلمہ میں یک قلم منقطع ہو گیا اور یورپ میں پھر سے اس کی ابتدا ہوئی تو عالم اسلام کی وساطت سے - رسالۂ سیاسیات کا علم بھی اسے شاید کسی عربی متن سے ہوا اور پھر رفتہ رفتہ اس کے لاطینی اور یونانی نسخے مرتب ہوتے چلے گئے - از منہ متوسط میں مشہور مسیحی متکلم طامس ولی نے اس کا رشتہ آگسٹائین ولی کی 'شہر خداوندی' سے جوڑا جس سے بالآخر ایک ایسے نظریۂ سیاست کی تشکیل ہوئی جو رومی کاتھولیکی دنیا میں آج بھی بڑا مقبول ہے- یوں ارسطو کے متعدد نظریات یورپ کے سیاسی مطمح نظر کا جزو بنتے چلے گئے - لہذا اگر اس کی کوئی نہ کوئی تعبیر آج بھی ایک

باقائدہ نظرئے کی شکل میں پیش کی جاتی ہے تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ ارسطو کے ان خیالات سے کہ (۱) سر رشتۂ اقتدار قانون کے ہاتھ میں رهنا چاهئے۔ (۲) حکومت کا فرض ہے اس کے سامنے سر جھکائے۔ (۳) هر بادشاہ لازماً مستبد نہیں، ممکن ہے اسے قانون نے یہ منصب عطا کیا ہو اور (۴) لوگوں میں بالطبع یہ صلاحیت موجود ہے کہ باہم مل کر امور ریاست کے بارے میں صحیح رائے قائم کر سکیں۔ لہذا انہیں حق ہے اپنے حاکموں کا انتخاب اور ان سے باز پرس کریں کون انکار کر سکتا ہے۔ البتہ یہ جو راقم الحروف نے کہا تھا اس کے سیاسی نظریات کا حاصل ہے، 'دستوریت' (constitutionalism) تو اس کے معنی لازماً جمہوریت کے نہیں جیسا کہ آج کل ہم اس کا مطلب سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں بہتر ہوگا لنڈسے کا مقدمہ علی ہذا سیاست و اجتماع میں ارسطو کے بنیادی تصورات قارئین کے پیش نظر رہیں۔

عالم اسلام کو یونانی فلسفہ سے جو شغف رہا ہے محتاج بیان نہیں۔ لہذا منطق، اخلاق اور مابعد الطبعیات کی طرح یہاں بھی ارسطو اور افلاطون کی سیاست کا مطالعہ بڑے ذوق و شوق سے کیا گیا، بالخصوص اس وقت جب قدیم فلسفہ اسلام کے مقابلے میں ایک حریف بن کر نمودار ہوا اور حکمائے اسلام نے کوشش کی—از کندی تا ابن سینا اور ابن رشد—کہ عقل اور ایمان میں بظاہر جو تضاد پایا جاتا ہے اسے دور کرتے ہوئے یہ ثابت کریں کہ مذہب (یعنی اسلام) کی تعبیر اس رنگ میں بھی کی جا سکتی ہے کہ علم اور فکر اس کے مصالح اور مقاصد کا ساتھ دیں اور اس لئے ہمارا دل و دماغ اسے برضا و رغبت قبول کر لے۔ وہ اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوئے، انہوں نے یونانی فلسفہ سے کیا اثر قبول کیا اور کس حد تک، ان کی فلسفیانہ کاوشیں ایک صحیح 'اسلامی فکر' کے نشو و نما میں کہاں تک مساعد یا سد راہ ہوئیں انہیں خود بھی ابداع و اجتہاد سے کوئی بہرہ ملا تھا یا نہیں یہ ایک جداگانہ بحث ہے۔ یہاں راقم الحروف کو صرف یہ کہنا

ہے کہ یونانی سیاسیات کے مطالعے سے عالم اسلام پر بجز چند نظری بحثوں کے اور یہ بحثیں بھی صرف 'حکما' تک محدود تھیں (جنھوں نے گویا یونانی فلسفہ کی روایت قائم اور بر قرار رکھی) اور کوئی اثر مترتب نہیں ہوا نہ عملاً، نہ اصولاً - ہاں منطق اور فلسفہ اور اخلاق و معاشیات کی طرح بعض یونانی اصطلاحیں عربی میں منتقل ہوتی رہیں، مثلاً تدبیر منزل، یا سیاست مدن یا وہ اصطلاحات جن کی طرف راقم‌الحروف فارابی کے حوالے سے اس سے پہلے اشارا کر آیا ہے - اصولاً اس لئے کہ مسلمان اپنے سیاسی تصورات میں کسی کے محتاج نہیں تھے، نہ یونان نہ کسی اور مذہب فلسفہ کے اس لئے کہ اسلام بجائے خود ایک ایسا پیغام اور ایک ایسی تحریک ہے جس نے انسان کا دل و دماغ ہر پہلو سے بدل ڈالا - چنانچہ حکمائے اسلام کو بھی اپنی یونان پسندی کے باوجود اس امر کا احساس تھا کہ ایک سیاست 'سیاست‌النبویہ' بھی ہے - پھر عملاً خلافت کے پیش نظر جو نصب‌العین تھا اور باوجود بنیادی تبدیلیوں کے اس کا نظام جس نہج پر چل رہا تھا اس میں ارسطو کی آئینی اور دستوری تجاویز سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی - گویا انجام کار رسالۂ سیاسیات کے مطالعے کی اہمیت عالم اسلام میں وہی رہی جو علمی نقطۂ نظر سے علم و حکمت کی کسی عالیہ (classic) کی ہو سکتی ہے -

آخرالامر یہ عرض کر دینا غیر مناسب نہ ہوگا کہ رسالۂ سیاسات کے اس ترجمے میں مترجم کی ذمہ‌داری محض ترجمے تک محدود نہیں تھی بلکہ کچھ اس سے بھی بڑھ کر - صفحات گذشتہ میں مترجم نے لطفی بے کے عربی اور بارکر کے انگریزی نسخوں کی طرف اشارا کیا ہے - للہذا ایلس کے نسخے کا مقابلہ جس پر یہ ترجمہ مبنی ہے ان نسخوں سے برابر ہوتا رہا اور گو ایلس کا ترجمہ بھی اپنی جگہ پر خوب ہے لیکن حق یہ ہے کہ لطفی بے بالخصوص بارکر کا نسخہ اگر مترجم کے زیر نظر نہ ہوتا تو کتنی عبارتیں غیر واضح رہ جاتیں اور کتنے الفاظ ہیں جن کا صحیح مفہوم متعین نہ ہوتا - یہ اس لئے کہ اپنی روانی اور سلاست کے باوجود ایلس کا ترجمہ اغلاق اور

ابہام سے خالی نہیں - اغلاق ہے ادائے مطلب اور ابہام الفاظ کے استعمال میں - علاوہ اس کے ایلس نے بعض عبارتیں بھی محذوف کر دیں شاید اس لئے کہ بیکر نے جو یونانی متن طیار کیا ہے اس میں یہ عبارتیں موجود نہیں - لہٰذا مترجم نے ان کا اضافہ بارکر کے حوالے سے کیا - پھر ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ رسالۂ سیاسیات کی ترتیب کیا فی‌الواقعہ وہی ہے جو ایلس نے انگریزی ترجمے میں قائم کی - یہ مسئلہ بھی بارکر کے نسخے ہی کی بدولت حل ہوا اس لئے کہ ایلس (بالفاظ دیگر بیکر) ہی کی ترتیب معتبر ہے اور حتی‌الامکان ارسطو کے اصل نسخے سے قریب‌تر - بہر حال یوں رسالۂ سیاسیات کا ترجمہ جن مراحل سے گذرتا رہا—عبارتوں کا مسلسل رد و بدل اور دوسرے نسخوں سے ان کا مقابلہ—خاصے دقت طلب تھے - پھر ایک بڑا مسئلہ تعلیقات اور تحشیے کا تھا - تعلیقات کا اس لئے کہ ارسطو کے الفاظ اور مصطلحات کے علاوہ اس کا اشارا جن واقعات اور اشخاص یا مقامات کی طرف تھا ان کی تشریح ضروری تھی اور متن کے ذیل ہی میں ہو سکتی تھی —لیکن سوال یہ تھا کس حد تک اور کس طرح رسالۂ سیاسیات فنی اور علمی اصطلاحات سے پاک ہے اور اس لئے بہتر تھا ترجمے میں بھی ان سے اجتناب کیا جائے—تحشیے کا اس لئے کہ جب تک ارسطو کے بعض اشارات ، مضامین اور مباحث کی وضاحت حواشی میں نہ کر دی جاتی ہم ارسطو کے سلسلۂ خیال میں اس کا ساتھ نہ دے سکتے - لیکن اس طرح حواشی میں تو بہت کم ، البتہ حواشی میں جو مطالب بیان کئے گئے ہیں اور پھر اس تمہید میں مترجم کو جب ایک دوسرے رنگ میں ان پر قلم اٹھانا پڑا تو ان میں کہیں نہ کہیں تھوڑا بہت تکرار ضرور ہو گیا ہے لیکن مترجم کو امید ہے قارئین اس کی مجبوریوں کے پیش نظر اس باب میں اسے معذور سمجھیں گے - اس کی کوشش بہر حال یہی تھی کہ تعلیقات ہوں یا حواشی ان میں حتی‌الوسع اختصار قائم رہے - یہی وجہ ہے کہ تمہید میں اسے مکرر بعض اصطلاحات اور مباحث کی طرف اشارا کرنا پڑا تاکہ ارسطو کا نظریۂ سیاست واضح طور پر ہمارے سامنے آ جائے - پھر ایسا کرنے میں اسے جن سرچشموں سے مدد ملی اس کا اعتراف بھی واجب

ہے - اس ترجمے کی تسوید اور تبییض در تبییض کا عمل بھی خاصا طویل تھا جس میں اگر کوئی اور ہاتھ شریک نہ ہوتا تو ناممکن تھا بسہولت اتمام کو پہنچتا - لہذا یہ مرحلہ جن ہاتھوں سے تکمیل کو پہنچا مترجم بلا عذر ان کا سپاس گذار ہے -

**مترجم**

# مقدمہ

ارسطو کا رسالہ 'سیاسیات' اس تصنیف کا دوسرا حصہ ہے جس کے پہلے حصے کا عنوان ہے ' اخلاقیات ' ۔ لٰہذا سیاسیات کے مطالعے میں ہمارا ذہن اخلاقیات کی طرف منتقل ہو جاتا ہے ، بعینہ جیسے اخلاقیات میں ہماری آنکھیں سیاسیات کو ڈھونڈھتی ہیں ۔ یہ اس لئے کہ ارسطو نے مدبر ریاست اور معلم اخلاق کے دائرۂ عمل میں جیسا کہ آجکل ہمارا دستور ہے کوئی تفریق نہیں کی ۔ اخلاقیات میں تو وہ اس کردار کا نقشہ پیش کرتا ہے جس کے بغیر ناممکن ہے خیر کی زندگی بسر کی جا سکے اور جو اس کے نزدیک معاشرے ہی میں ممکن ہے ۔ لٰہذا اخلاقیات کے آخری ابواب میں جب اس امر کی نوبت آئی کہ اپنی تحقیقات کی ترجمانی عمل میں کرے تو اخلاق وعظ و نصیحت کی بجائے جس میں ہمیشہ افراد سے خطاب کیا جاتا ہےاس نے یہ بتانا شروع کر دیا کہ ایک مدبر ریاست کو دوران قانون سازی میں کیا کیا مواقع مل سکتے ہیں ۔ گویا ایک ایسے معاشرے کی تشکیل جس میں ہر کوئی خیر کی زندگی بسر کر سکے قانون ساز کا کام ہے ۔ لٰہذا ارسطو کے نزدیک سیاسیات سے مقصود یہ نہیں کہ افراد اور طبقات ایک دوسرے سے بڑھ کر طاقت حاصل کریں تو کس طرح ۔ وہ اس تمہیدی کام کو اتمام تک پہنچانے کی کوئی ترکیب بھی نہیں کہ فرد کی آزادی میں حتی الوسع کم سے کم مداخلت کے باوجود نظم و جمیعت اور امن و امان قائم رکھا جائے ۔ "ریاست تو اتحاد

ہے کنبوں اور کنبوں در کنبوں کے باہم مل جانے کا'' ایک کامل و مکمل اور کافی بالذات زندگی کے لئے ۔ لہٰذا قانون ساز بھی اپنی جگہ پر ایک صناع ہے، معاشرہ اس کا ہیولیٰ اور مقصد خیر کی زندگی۔

افلاطون کے بھی ابتدائی مکالمات میں ایک یعنی 'پروٹا گورس' میں جب سقراط پروٹا گورس (Protagoras) سے کہتا ہے کہ شمشیر زنی اور سواری اور ایسے ہی بعض دوسرے فنون کے معلم تو بڑی آسانی سے مل جاتے ہیں ، معلمین فضائل کا ملنا کیوں دشوار ہے تو پروٹاگورس اس کا جواب یوں دیتا ہے کہ فضائل کا کوئی خاص معلم نہیں ۔ فضائل کا سکھانا ساری جماعت کا کام ہے ۔ افلاطون اور ارسطو دونوں تعلیم اخلاق کے اس نظریے سے متفق ہیں جو اس جواب میں مضمر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوریہ کی ایک عبارت (۴۹۲ ب) میں افلاطون نے اس خیال کی تردید کی ہے کہ یہ سوفسطائی ہیں جن سے نوجوان غلط اخلاقی اثرات قبول کر رہے ہیں ۔ افلاطون کہتا ہے حقیقی سوفسطائی تو خود لوگ ہیں اور وہی درحقیقت ان کے معلم ۔ اس لئے کہ نجی طور پر آپ انہیں کیسی بھی تعلیم دیجئے وہ ان خیالات کا مقابلہ نہیں کرسکتی جو لوگوں میں رائج ہیں ، نہ ان اخلاقی معیارات کا جو عام طور پر جماعت میں مقبول ہو جائیں ۔ لیکن پھر اسی بنا پر تو ہم مجبور ہو جاتے ہیں کہ لوگوں کے خیالات علیٰ ھذا اس اجتماعی ماحول کو جو آپ سے آپ پیدا ہوجاتا ہے بے روک ٹوک بڑھنے اور پھیلنے نہ دیں جیسا کہ بالعموم ہوتا ہے ، بر عکس اس کے دانا اور سمجھدار قانون ساز اسے اظہار خیر کا ذریعہ بنائیں ۔ مگر پھر جس کے لئے ضروری ہے کہ انہیں اس کے ایک ایک جز کا تفصیلی اور پورا پورا علم حاصل ہو ۔ گویا فضائل کا اگر کوئی معلم ہے ہے تو صرف قانون ساز ۔

لہٰذا اس حکومت کی بحث میں رسالے سے بھی ہمارا ذہن خواہ مخواہ اس امر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ رسالہ 'سیاسیات' بھی شاید کسی خیالی دنیا یا مثالی ریاست کا مرقع ہے جس سے شاعر اور فلسفی تو بڑا اثر قبول کرتے ہیں لیکن جس سے ہمارے سیاسی ادارات پر براہ راست کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ افلاطون کی جمہوریہ تو سر تا سر ناقابل عمل ہے اس لئے کہ افلاطون اپنے زمانے کے سیاسی احوال سے بالکل مایوس ہو چکا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اس مکالمے میں کوئی ایسی تجویز نہیں ملتی جس سے ہم اپنے احوال کو جیسا کہ وہ فی‌الواقعہ ہیں کوئی بہتر شکل دے سکیں ۔لہٰذا پہلا سبق جو اس فلسفی نے ہمیں سکھایا ہے یہ کہ تعمیر و تخریب کی اس دنیا سے کیوں نہ کنارہ کشی اختیار کر لی جائے تا کہ ہماری توجہ تمام تر اعیان کے غیر متغیر عالم پر رہے۔ یہی وجہ ہے اس کی مثالی ریاست کی نوعیت جیسا کہ اس نے خود کہا ہے ایک ایسے نمونے کی ہے جو آسمانوں پر تیار ہوا اور جس کے ماتحت ایک عدالت پسند انسان اپنی زندگی پر حکمرانی کرتا ہے ۔ گویا یہ نمونہ جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے درحقیقت فرد کی زندگی کا ہے تدبیر ریاست کا نہیں جیسا کہ نوامیس میں اسے خود بھی اعتراف ہے ۔ وہ کہتا ہے یہ ریاست دیوتاؤں یا دیوتاؤں کی اولاد کی ریاست ہے انسانوں کی جیسا کہ وہ فی‌الواقعہ نہیں ۔

بر عکس اس کے ارسطو میں نہ تو افلاطون کا سا جوش و ولولہ ہے ، نہ شاعرانہ تخیل حتیٰ کہ فصل دوم میں اس کی تنقیدات کو دیکھئے تو افلاطون کی عینیت پسندی پر اس کی بے صبری کچھ نا مناسب سی معلوم ہوتی ہے۔ بایں ہمہ ارسطو میں یہ

صلاحیت موجود ہے کہ اگر اشیاء بجائے خود ناقص ہیں تو وہ ان میں خیر کے امکانات موجود پائے ۔ اس کے اندر بھی ایک حقیقی سیاست دان کا صبر و تحمل موجود ہے جو اس بات کو سمجھ گیا ہے کہ اگر اس کے ہاتھوں انسان کو کچھ بنتا ہے تو وہ جیسے بھی ہیں ویسے ہی اسے ملیں گے۔ ارسطو کا نصب العین نہ محض عقل کی بنا پر تیار ہوا ، نہ شاعری کے زور پر ۔ اسکی بنا حقائق کی کی ایک گونا گوں اور حد درجہ وسیع دنیا کے باحتیاط اور ہمدردانہ مطالعہ پر ہے ۔ فصل دوم کے چوتھے باب میں اس نے تاریخ کے نقطۂ نظر سے افلاطون کی تنقید جس طرح کی ہے وہ بحیثیت تنقید تو اگرچہ بڑی نا مناسب ہے جس پر تعجب ہوتا ہے لیکن یوں اس کے اپنے رویے کا اندازہ بھی نہایت خوبی سے ہوجاتا ہے۔ وہ کہتا ہے ”ہمیں چاہئے صدیوں کے تجربات سے غفلت نہ برتیں ۔ اگر یہ چیزیں اچھی ہوتیں تو سال ہا سال گزرنے کے باوجود ہم ان سے بے خبر نہ رہتے۔ اس لئے کہ ہم نے تقریباً سب کچھ جان لیا ہے گو بعض اوقات ہم ان سب باتوں کو اپنے سامنے نہیں رکھتے جیسا کہ بعض صورتوں میں لوگ اس علم سے بھی کام نہیں لیتے جو انہیں حاصل ہے“ ۔ دساتیر میں اس نے اپنے زمانے کی ۱۰۸ ریاستوں کے دستور ہائے حکومت کا مطالعہ کیا ہے ۔ یہ مطالعہ کس حد تک مفید ہے اس کا اندازہ ان حوالوں سے کرنا چاہئے جو سیاسی زندگی کے حقیقی تجربات کی طرف اس نے بار بار کئے ہیں اور جن کی بدولت رسالہ سیاسات کی حیثیت بعض صورتوں میں ان ادارات کی ایک تنقیدی تاریخ کی ہوجاتی ہے جو یونانی شہری ریاست میں رائج تھے۔ پھر فصول چہارم ، پنجم اور ششم میں تو ہم اس کی مثالی ریاست سے بھی بہت دور ہٹ جاتے ہیں اس لئے کہ جتنی بھی ناقص ریاستیں ہمیں وہ نہایت

ٹھنڈے دل سے ان کا جائزہ لیتا اور بتلاتا ہے کہ انہیں قائم اور برقرار رکھنے کی بہترین صورت کیا ہوگی، علیٰ ہذا یہ کہ ان کی ناپائیداری کے اسباب کیا ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ارسطو شاید یہ کہنا چاہتا تھا ''میں نے آپ کے سامنے وہ مناسب قسم کا دستور پیش کر دیا ہے جس سے معمولاً ہر کہیں سابقہ پڑتا ہے، لیکن اگر آپ اس پر راضی نہیں ہیں، بلکہ مصر کہ کسی فاسد آئین کے ماتحت زندگی بسر کریں تو آپ یہ بھی جان لیں کہ اسے بہتر سے بہتر شکل بھی دی جا سکتی ہے''۔ لہٰذا 'سیاسیات' میں ریاست کی تعریف گو اس کے حقیقی نصب العین ہی کے ماتحت کی گئی ہے لیکن ریاستوں اور ریاستوں کے ساتھ ساتھ سیاسی ادارات کی بحث اسی حیثیت سے جیسا کہ در حقیقت ان کا وجود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بظاہر دیکھئے تو یہ رسالہ اخلاقیات کا مستزاد ہے حالانکہ جہاں تک سیاسی مسائل کا تعلق ہے ان کو چھیڑا گیا ہے تو سر تا سر سیاسی نقطۂ نظر سے۔

گویا عینیت پسندی کے ساتھ ساتھ تجربات زندگی کے احترام کی یہی روش ہے جس پر رسالہ سیاسیات کی قدر و قیمت اور محکمی کا دارومدار ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ محض اسی وجہ سے اس پر عمل کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ہمارا زمانہ بڑی بڑی قومی ریاستوں کا ہے اور اس لئے ہم مشکل ہی سے سوچ سکتے ہیں کہ ریاست کی تعمیر و ترکیب کیا اس طرح بھی ممکن ہے کہ اس سے خیر کی زندگی کا اظہار ہونے لگے۔ ہم ارسطو کے اس تنقیدی تجزئے کی تو قدر کر سکتے ہیں جس کا تعلق دساتیر حکومت سے ہے لیکن وہ اس سلسلے میں واضعین قانون کو جو مشورہ دیتا ہے اس سے بمشکل ہی اعتنا کیا جا سکتا ہے۔ یوں بھی رسالہ سیاسیات میں عینیت

پسندی کے ساتھ ساتھ ارسطو نے تجربیت کا جو پیوند لگایا ہے اس میں وہ خود بھی کامیاب نہیں ہوسکا۔

لہٰذا دو باتیں ہیں جن پر اگر کسی قدر تفصیل سے نظر ڈالی جائے تو اس رسالہ کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

جب سے ریاست کا مطالعہ منہاج تاریخ کے ماتحت کیا جا رہا ہے ہم اس خیال کے عادی ہوچکے ہیں کہ "ریاستوں کا ظہور اور نشو و نما ہمارے اختیار کی بات نہیں" لہٰذا جب ارسطو اور افلاطون یہ کہتے ہیں کہ یہ فی الحقیقت مقنن ہی کے اختیار کی بات ہے تو ہم اس پر بے صبر ہو جاتے ہیں۔ مگر پھر عصر حاضر کی قومی ریاستوں کے بارے میں ہمارا یہ اصول کیسا بھی صحیح ہو ان نہایت ہی چھوٹی چھوٹی یونانی ریاستوں کے بارے میں صحیح نہیں جن کا شعور ذات کہیں زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ لہٰذا جب ارسطو واضعین قوانین کا ذکر کرتا ہے تو وہ کوئی ہوا در ہوا بات نہیں کہتا۔ یونانی ریاستوں نے اکیڈیمی کے طلباء کو فی الواقعہ دستور سازی کی دعوت دی۔ یونانیوں کے نزدیک دساتیر کی حیثیت محض سیاسی کارپردازی کی نہیں تھی جیسا کہ بالعموم آج کل ہم سمجھتے ہیں۔ وہ اسے ایک طریق زندگی گردانتے تھے۔ پھر اگرچہ دستور کے اندر انتظام اور عملداری کے عام معاملات اور فیصلوں کا صادر کرنا بھی شامل تھا لیکن خیال یہ تھا کہ وہ درحقیقت کسی خاص انسان یا انسانوں کی ایک جماعت یعنی واضعین قانون کا کام ہے۔ یونانی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اہل یونان کے یہاں واضعین قانون کی حیثیت فی الواقعہ وہی تھی جو افلاطون

پروٹاگورس سے بحیثیت ماہر ترین قانون ساز کے ریاست کا قانون ۔ نوامیس میں بھی افلاطون جن افراد سے مکالمے میں مصروف ان میں سے ایک کو اس حیثیت سے بھی پیش کیا گیا ہے ، یعنی اسے جس سے اہل گورڈئن (Gortyna) نے اس نئی بستی کے قوانین واضع کرنے کی درخواست کی جس کی وہ داغ بیل ڈال رہے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات عملی زندگی میں سچ مچ پیش آتے رہتے تھے ۔ اہل یونان کا خیال تھا عملداری تو اگرچہ جمہور ہی کے ہاتھ میں رہنی چاہئے ، لیکن قانون وضع کریں تو ماہرین فن ۔ حالانکہ ہمارا یہ خیال فطرت کے زیادہ قریب ہے کہ قانون سازی تو لوگوں کا مخصوص حق ہے ، عملداری کا معاملہ البتہ ماہرین فن کے ہاتھوں میں رہنا چاہئے ۔

لہٰذا ارسطو کی سیاسیات دراصل واضعین قانون کا دستورالعمل ہے ، یعنی ان ماہرین فن کا جن سے اس وقت مدد لی جاتی تھی جب ریاست کو ان کی ضرورت پیش آئے ۔ ہم نے انہیں چارہ گران ریاست کہا ہے ۔ اس لئے کہ یونانی نظریہ ریاست کی یہ ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ افلاطون اور ارسطو دونوں کے نزدیک مدبر ریاست کچھ ایسا انسان تھا جسے خوب معلوم ہوتا کرنے کا کام کیا ہے اور کیا نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جب لوگ اس سے مدد کے طالب ہوتے تو وہ ان کے لئے مناسب راستہ تجویز کرتا ۔ اسے ان قوتوں پر تو قابو نہیں ہوتا جو معاشرے میں کام کرتی ہیں ۔ لیکن ان کے یہاں مسلم تھا کہ معاشرے کو اس کے مشوروں کی بہر حال ضرورت ہے ۔ جمہوریہ میں افلاطون کہتا ہے ایک اچھا دستور جب ہی ممکن ہے جب حکمرانوں میں حکمرانی کی خواہش باقی نہ رہے۔ اس لئے کہ جہاں لوگ طاقت کے

اور ارسطو نے انہیں دی ہے ۔ چنانچہ جو بھی یونانی ریاست تھی بجز اس کی کسی فاسد شکل کے اور جسے ارسطو نے قانون سے بالا تر ٹھرایا ہے وہاں نہایت کڑے اور سخت دستور پر عملدرآمد ھوتا یہاں تک کہ اگر اس میں کوئی تبدیلی واقع ھوتی تو جب ھی کہ سب مل کر کسی واضع قانون کو ایک نئے دستور کی تیاری پر مامور کرتے ، جیسے زمانہ قدیم میں ایسمنےٹیس (Aesumnetes) کو جس کا ذکر ارسطو نے فصل سوم کے چودھویں باب میں کیا ہے ۔ یا جیسے قرن چہارم میں اکیڈیمی کے تلامذہ کو ۔ مقنن کو گویا معمولی سیاستدان نہ کہئیے ، وہ ریاست کا چارہ گر تھا اور جسے اگر طلب کیا جاتا تو اس لئے کہ دستور حکومت کے دکھ درد کا مداوا کرے ۔ ھیروڈوٹوس (Herodotos) کہتا ہے جب اھل کائرین (Cyrene) نے ڈیلفی کے ھاتف سے درخواست کی کہ ان کے جھگڑے چکا دے تو اس نے ان سے کہا مانٹینیا (Mantenea) جاؤ ۔ لہذا اھل مانٹینیا نے ڈیموناکس (Demonax) کی خدمات انہیں مستعار دےدیں جس نے گویا ''ان کو سیدھا کرنے کے'' فرائض سرانجام دئے اور کائرین کے لئے ایک نیا دستور تیار کیا ۔ ھیروڈوٹوس نے اھل ملےطوس (Miletos) کا ذکر بھی کیا ہے ہے ۔ ان میں دیر سے خانگی مناقشات جاری تھے ؛ حتیٰ کہ انہوں نے پاروس(Paros) سے مدد مانگی اور پاروسیوں نے انہیں دس ماسور بھیجے جنھوں نے ملےطوس کا ایک نیا دستور وضع کیا ۔ اھل اثینیہ نے بھی جب وہ تھیورائی (Thurii) میں ایک مثالی بستی بسا رہے تھے ھپوڈاموس ملےطوسی سے جس کا ذکر ارسطو نے فصل دوم میں قصبہ بندی کے بہترین ماھر کی حیثیت سے کیا ہے شہر کے گلی کوچوں کا خاکہ تیار کرایا اور

لئے لڑتے جھگڑتے ھیں اور نہیں جانتے وہ کیا فن ھے جس سے ریاست کا چپو ھاتھ میں رکھا یا چلایا جاتا ھے حالانکہ یہی دراصل مطلب ھے تدبیر ریاست کا وھاں سیاسیات کا بھی حقیقتاً کوئی وجود نہیں ھوگا۔

یہی وجہ ھے کہ حکومت کے بارےمیں بھی ارسطو نے جو کچھ کہا اکثر اور بیشتر اسی خیال کے مطابق۔ وہ افلاطون کے اس مخصوص نظرئے کا قائل ھے کہ ھر انسان کو خیر ھی کی طلب ھے۔ غلطی نتیجہ ھے جہالت کا کسی برے ارادے کا نہیں ھے۔ لہٰذا وہ طبعاً سمجھتا ھے کہ ریاست نام ھے اس اجتماع کا جو صرف خیر کی زندگی کے لئے قائم ھوتا ھے۔ یہ ریاست ھی کا وجود ھے جس میں خیر کی مشترک جستجو جو ایک نہایت گہری صداقت ھے انسان اور عالم فطرت کے متعلق منصۂ شہود پر آتی اور خود اپنا شعور حاصل کرتی ھے۔ ارسطو کہتا ھے ریاست کا وجود گھر اور گاؤں دونوں سے متقدم ھے۔ یہ دوسری بات ھے کہ باعتبار زمانہ اس کا ظہور بعد میں ھوا ھے۔ اس لئے کہ یہ چیز جس کے لئے انسان غیر شعوری طور پر جد و جہد کرتا ھے اس کی سمجھ میں آتی ھے تو اس وقت جب ریاست بالارادہ اور جان بوجھ کر اپنی تنظیم کا بیڑہ اٹھاتی ھے۔ لہٰذا اگر یہ بات کہ غیر متمدن معاشرہ کیا ھے ریاست ھی کے حوالے سے سمجھ میں آ سکتا ھے تو ریاست کا وجود بھی جب ھی سمجھ میں آئے گا کہ اس کی کامل و مکمل صورت ھمارے سامنے ھو، یعنی جب وہ خیر جس کے حصول کی ھر اجتماع کو جستجو ھے اپنی پوری شان کے ساتھ معراج کمال کو پہنچ جائے۔ یہی وجہ ھے کہ ارسطو اور افلاطون دونوں کے نزدیک مثالی ریاست ھی ریاست کی بحیثیت ریاست طبعی اور قرار واقعی شکل ھے اوراس لئے وہ سیاسی تحقیق کا آغاز بھی

کرتے ھیں تو اسی سے -

ارسطو کے یہی خیالات ھیں جن کی رو سے وہ ریاستیں بھی جو ھنوز ناقص ھیں اور جن کو اس لئے ان کی بگڑی ھوئی شکل سے تعبیر کرنا چاھئے اس کے نزدیک نتیجہ ھیں غلط خیالی اور جہالت، نہ کہ ارادوں میں فساد اور خرابی کا۔ وہ کہتا ھے ان سب کا تعلق عدل و انصاف کی کسی نہ کسی شکل سے ھے۔ اعیانیتوں اور جمہوریتوں کی غلطی یہ ھے کہ ان کے ذھن میں خیر کا جو تصور کام کر رھا ھے صحیح نہیں۔ پھر ار ان کا درجہ کامل و مکمل ریاست سے پست ھے تو اس لئے کہ وہ نہیں سمجھیں ریاست کا مقصد کیا ھے یا اس مقصد کا حصول کن ذرائع سے کرنا چاھئے۔ بایں ھمہ ان کی حیثیت بھی فی‌الواقعہ ریاستوں کی ھے اور اسلئے ان کے اندر بھی خیر کا کوئی نہ کوئی ایسا تصور موجود ھو گا جو باقی سب میں مشترک ھے جیسے کوئی نہ کوئی ایسی آرزو جو اس کے ھر فرد کے دل میں موجزن ھوگی۔

پھر یونانیوں کا یہ اصول کہ ریاست کا جوھر ھے اتحاد مقصد ایک طرح سے آج کل کے اس خیال سے کچھ مختلف نہیں کہ ریاست نام ھے طاقت کا۔ برعکس اس کے افلاطون اور ارسطو دونوں یہ سمجھتے ھیں کہ طاقت دلیل ھے ریاست کی ناکامی کی وہ اس کامیابی کی علامت نہیں۔ اس لئے کہ طاقت نتیجہ ھے اس کشا کش کا جو خیر کے مختلف اور متصادم تصورات سے رونما ھوتی ھے۔ لہٰذا جتنا کسی ریاست میں خیر کا تصور صحیح ھو گا اتنے ھی لوگ باھم متحد رھیں گے۔ گویا ریاست مظہر ھے اس کے اتحاد و اتفاق کا، طاقت انکی اس ناکامی کا کہ وہ باھم متحد نہیں۔ اور اس لئے سیاسی خرابیوں کا مداوا ابھی یہی ھے کہ ھم

خیر کی زندگی سے آگاہ ہوں ۔ جتنی کسی شخص کو یہ آگہی حاصل ہے اتنا ہی اسی کو مدبر ریاست کہلانے کا حق پہنچتا ہے، اس لئے کہ یہی آگہی ہے جس سے لوگوں کو وہ کچھ مل سکتا ہے جس کی انہیں تلاش رہتی ہے ۔

اب اگر ریاست کا مطلب ہے انسانوں کی وہ تنظیم جو اس خیر کے طالب ہیں جسے سب خیر سمجھتے ہیں تو طاقت اور اقتدار بھی انہیں لوگوں کے ہاتھ میں رہنا چاہئے جو اس مقصد میں آگے بڑھ سکیں ۔ چنانچہ یہی اصول ہے جس کا اظہار ارسطو نے سیاسی عدل و انصاف کے بیان میں کیا ہے ۔ اس کا کہنا ہے اوزار انہیں کو ملیں جو ان کا استعمال کر سکتے ہیں ۔ پھر چونکہ ریاست کا مقصد بھی ایک نہیں ۔ اس کے کئی ایک تصور ممکن ہیں ، لہذا حکومت کے لئے بھی الگ الگ قابلیتوں کی ضروت ہوگی ۔ مثالی ریاست میں تو طاقت اور اقتدار اس شخص کے ہاتھ میں ہوگا جس سے بڑھ کر خیر کی اور کسی کو آگہی نہیں ۔ دوسری ریاستوں میں ان انسانوں کے جو فی الواقعہ اس مقصد کے حصول کی صلاحیت رکھتے ہیں جو انہیں حاصل کرنا ہے ۔ سیاسی اختیارات کی سب سے زیادہ عادلانہ تقسیم وہ ہے جس میں سیاسی قابلیتیں حتی الوسع ضائع نہ ہونے پائیں ۔

ان کے اس عقیدے سے کہ یہ فی الحقیقت افراد ریاست کے مشترکہ عقائد اور آرزوئیں ہیں جو دستور ریاست کی شکل میں جلوہ گر ہوتی ہیں بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ ارسطو نے تعلیم کو مستقل اہمیت کیوں دی ہے ۔ تعلیم ہی وہ

سب سے بڑا آله ہے جو مقنن کے نزدیک گویا اس امر کی ضمانت ہے که اسکی پیش نظر ریاست کے آئندہ شہری ان عقاید میں حصه لینگے جو اس کے وجود کا باعث ہوئے ۔ بات یه ہے که اہل یونان کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو به نسبت ہمارے اس امر کا کہیں زیادہ گہرا اور واضح احساس تھا که دستور کی ہستی کا دار و مدار در حقیقت ان لوگوں پر ہے جن کا کام ہے اسکو چلانا ۔

یه ہے مختصراً وہ روش جس کے ماتحت ارسطو مسائل سیاست کی طرف قدم بڑھاتا ہے ۔ لیکن جہاں تک انسانوں اورپھر عملاً ادارات میں ان سے کام لینے کا تعلق ہے ارسطو بعض ایسی مفاہمتوں پر بھی اتر آتا ہے جن کی اس کے خیالات سے پوری پوری مطابقت پیدا نہیں ہوتی ۔

۱ ۔ ارسطو کے نزدیک ریاست میں شرکت کا مطلب ہے کسی ایسے گروہ میں شرکت جو خیر کا طالب ہے ۔ لٰہذا وہ چاہتا ہے اس کی شرکت انہیں افراد تک محدود رہے جو اس طلب میں نہایت اعلیٰ اور صاف و صریح طریق پر حصه لے سکتے ہیں ۔ اس قسم کی ریاست کے شہری بنینگے تو وہی لوگ جنہیں فراغت حاصل ہے اور جو مقاصد حیات میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں ۔ رہا وہ نہایت گہرا تعلق خواہ اس کا شعور کیسا بھی پست ہو جس کا اظہار ریاست سے وفاداری اور حب‌الوطنی میں ہوتا ہے ارسطو کی نگاہوں میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ۔ اس نے شہری کی جو تعریف کی ہے اس کا اطلاق جہاں کہیں کوئی یونانی شہر آباد تھا اس کی آبادی کے ایک قلیل سے حصے پر ہوتا ہے ۔ پھر باوجود اس اعتراف کے که ریاست کی ہستی جب

ھی ممکن جب وہ ان لوگوں سے تعاون کرے جن کے متعلق اسے اتنا بھی گوارا نہیں کہ ریاست کا رکن بنیں، خواہ اس لئے کہ ان میں اتنی سمجھ بوجھ کہاں کہ ریاست کے مقاصد کا شعور پیدا کر سکیں جیسے مثلاً غیر متمدن انسان جن کے متعلق اس کی رائے تھی کہ طبعاً غلام واقع ھوتے ھیں ، خواہ اس لئے کہ شہریت کے لئے جس قسم کی فراغت ضروری ھے اھل حرفہ ھی کی بدولت میسر آتی ھے۔ لیکن پھر محض اس لئے کہ اھل حرفہ کی بدولت جو زندگی دوسروں کے لئے ممکن ھو جاتی ھے وہ خود اس کے اھل نہیں رھتے۔ ”وہ جتنے زیادہ غلام بنتے جائیں گے اتنی ھی ان کی خوبی اور مہارت بڑھے گی“۔ لیکن غلام کی مثال تو خیر کی زندگی کے لئے ایک ذی روح آلے کی ھے۔ لہٰذا اس کی ھستی ریاست کے لئے ھے، ریاست کی ھستی اس کے لئے نہیں۔

۲۔ ارسطو کے ذھن میں جس مثالی ریاست کا تصور کام کر رھا وہ اس کے بیان میں کبھی ایک نصب‌العین کی طرف جھک جاتا ھے، کبھی دوسرے کی طرف۔ ایک نصب‌العین تو امارت کا ھے دوسرا دستوری حکومت، یعنی مخلوط دستور کا۔ اس کا یہ اصول کہ ”اوزار انہیں کو ملیں جو ان کا استعمال کر سکتے ھیں“ تو اسے امارت کی طرف لے جاتا ھے جیسے افلاطون کو، اس لئے کہ جو لوگ خیر سے کاملاً آگاہ ھیں ان کی تعداد کم ھی ھو گی۔ یہی وجہ ھے کہ افلاطون نے جس ریاست کا تصور پیش کیا ھے وہ اس میں سارا اقتدار فلسفی محافظین کی ایک چھوٹی سے اقلیت کو دے دیتا ھے۔ لہٰذا ارسطو بھی اس اصول کے مطابق یہی سمجھتا ھے کہ اگر ریاست

میں ایسا کوئی فرد موجود ہے جو باعتبار فضائل سب سے اونچا ہے تو پھر بادشاہت ہی حکومت کی بہترین شکل ہوگی ۔ گو اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ مطلق العنان حکومت کی حیثیت صحیح معنوں میں سیاسی نہیں ۔ اس لئے کہ حکومت کرنے کا مطلب چرواہوں کی طرح بھیڑ بکریاں ہانکتے رہنا نہیں ہے ۔ حکومت ہے برابر کی حیثیت کے انسانوں پر حکمران ہونا ۔ وہ کہتا ہے جمہوریت پسندوں کا یہ خیال تو صحیح ہے کہ مساوات ریاست کا جزو لازمی ہے ۔لیکن وہ اس کے نزدیک بعض ایسے اجزا کی اہمیت تسلیم نہیں کرتے جو ویسے ہی اہم ہیں جیسے مساوات ۔ لہٰذا اس کی رائے میں ایک دستوری حکومت کی بنیادی خصوصیت ہی یہ ہے کہ حکومت اور محکومی میں سب باری باری سے حصہ لیں ۔ وہ سمجھتا ہے یہی امارت کا بدل بھی ہے ۔ رہا ریاست کا وہ منتہا جس کی رعایت سے سیاسی اختیارات کی تقسیم ہوگی سو اس کا تصور کبھی توبطوراس خیر کے کیا گیا ہے جس کے فہم اور حصول کے لئے " فضیلت " ناگزیر ہے اور جو بجائے خود کافی بھی ہے (امارت کی ته میں یہی اصول کام کرتا ہے)، کبھی خیر کی اس شکل میں جو نسبتاً پیچیدہ ہے اور جس کا حصول فضیلت کے علاوہ دولت اور مساوات دونوں پر مشروط ہے ۔ چنانچہ یہ آخری تصور ہے جس پر ارسطو نے مخلوط دستور کی بنا رکھی ہے اور جس کے پیش نظر جب سیاسی اقتدار کی تقسیم کی جاتی ہے تو کچھ اہمیت " فضیلت" کو دی جاتی ہے، کچھ دولت اور کچھ تعداد کو ۔ مگر پھر " باری باری سے حکومت اور محکومی کا اصول " اس اصول سے کہ " اوزار انہیں کو ملیں جو ان کا استعمال کر سکتے ہیں " پوری مطابقت نہیں کرتا

تا آنکه اس میں کچھ ترمیم نہ کر دی جائے ۔ ارسطو کا یہ خیال تو صحیح ہے کہ سیاسی حکومت کا تقاضا ہے مساوات، گو ان معنوں میں نہیں کہ جملہ افراد ریاست اپنی قابلیتوں میں یکساں ہیں، یا یہ کہ انہیں یکساں اختیارات دئے جائیں' بلکہ ان معنوں میں کہ ہم ان میں کسی کے متعلق یہ رائے قائم نہیں کرسکتے کہ اس کی حیثیت مقنن کے ہاتھ میں اوزار کی ہے ۔ ان میں ہر کسی کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے وہ اپنی زندگی کس طرح بسر کرنا چاہتا ہے ۔ للہذا مقنن اور صنعت گر میں افلاطون نے جو مماثلت پیدا کی ہے قائم نہیں رہتی ۔ اس لئے کہ مقنن کو اپنے ایسے انسانوں ہی سے سابقہ پڑتا ہے اور انسان خود بھی سوچ سکتا ہے کہ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہونا چاہئے ۔ اندریں صورت یہ کہنا غلط ہو گا کہ فرد کی حیثیت مقنن کے ہاتھ میں حصول مقصد کے ایک وسیلے کی ہے ۔ '' باری باری سے حکومت اور محکومی'' کے اصول میں جو خوبی پائی جاتی ہے اس کا فہم ہمیں اس امر سے بھی ہو سکتا ہے کہ بہت ممکن ہے ریاست کے حکمران شہریوں کو اس خیر کا تابع نہ بننے دیں جو سب کے سامنے ہے بلکہ اپنی ذاتی اغراض کے تحت میں لے آئیں ۔ گویا آج کل کی زبان میں دریافت کیجیے تو ہم کہینگے یہ سیاست کے اس ابدی مسئلے کو سیدھے سادے اور اٹکل پچو طریق پر حل کرنے کی ایک کوشش ہے کہ عوام بھی قابو میں رہیں اور حکومت کی کل بھی چلتی رہے ۔ دراصل اس مسئلے کا سرچشمہ فطرت انسانی کا وہ نقص ہے جس سے حاکم اور محکوم کوئی بھی مبرا نہیں ۔ للہذا اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس کا حل جس اصول کے ماتحت کیا جائیگا اسے بہترین دستور کی تشکیل میں انتہائی اہمیت حاصل ہے

تو یہ ماننا بھی لازم آئیگا کہ سیاسیات کا نقطہ آغاز ہے انسان کی ذات ناقص، نہ کہ اس کی مثالی فطرت ۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ ہم کسی ایسی ریاست کی بنا رکھیں جو انسان کی مثالی فطرت کی ترجمانی کرے اور پھر جہاں تک ہو سکے اس میں اور بلحاظ اس کی مثالی فطرت کے اس کی خامیوں میں سطابقت پیدا کرتے رہیں ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ ریاست اور ریاست کے ساتھ ساتھ سیاست کی کل جس طرح چلا کرتی ہے اس سے یہی نہیں ہوتا کہ اس کے اعلیٰ ممکنات کا اظہار ہو بلکہ کمزوریوں کا بھی ۔ بات، یہ ہے کہ ریاست کا وجود ممکن ہوا تو محض اس لئے کہ انسانوں میں ایک سی آرزوئیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن پھر حکومت اور سیاسی اقتدار کے علاوہ حکام کی موجودگی بھی جو اس امر کے مجاز ہیں کہ ریاست کی طرف سے حکومت کریں ضروری ہے اس لئے کہ انسانوں کا اتحاد ایک ناقص سی چیز ہے اور اس کی مدنیت طبع کا اظہار جن گوناگوں طریقوں میں ہوتا ہے ان کا تصادم بھی نا گزیر ۔ لہٰذا ان کا مفاد ٹکراتا ہے اور ان میں جماعتوں کی رقابت اور طبقات کی کشا کش جاری رہتی ہے حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ سب مل کر اس خیر کی جستجو کریں جو ان میں مشترک ہے ۔ افلاطون اور ارسطو کو چونکہ اس قسم کے مقنین سے اکثر سابقہ پڑتا تھا جن کی طرف لوگ بطور ایک جماعت کے رجوع کرتے لہٰذا وہ سمجھے لوگ شاید برضا و رغبت اور بالاتفاق ایسا کر رہے ہیں ۔ دراصل سیاسی مسائل کا تعلق اس امر سے ہے کہ رضائے عامہ کی تعبیر کس رنگ میں کی جائے اور اسکا اظہار ہو تو کیسے ۔ علیٰ ہذا اس سے کہ

رضائے عامہ کے اظہار کے لئے جو سیاسی آلات کار وضع ہوں کسی خاص شخص، یا فریق کے نجی اغراض کا ذریعہ نہ بننے پائیں، نہ ان کے ذاتی مفاد کا۔

لہٰذا ارسطو کا مخلوط دستور اس امر کا اعتراف ہے کہ ریاست میں ہر فریق کا اپنا ایک مفاد ہوتا ہے اور اس لئے ''فضیلت،'' مال و دولت اور تعداد کے دعووں میں ٹھیک ٹھیک تعلق قائم ہوگا تو یوں نہیں کہ جس زندگی کو خیر سے تعبیر کیا جا رہا ہے اس کے اعتبار سے ان کی اہمیت مقابلۃً کیا ہے بلکہ اس بنا پر کہ جو فریق اس کے دعویدار ہیں ان کی طاقت کیا ہے اور جمیعت کیا۔ البتہ مخلوط دستور پر عمل ہوگا تو اسی ریاست میں جہاں متوسط طبقے کو اثر اور رسوخ حاصل ہے کیونکہ یہی طبقہ ہے جو امیروں اور غریبوں کے درمیان مفاہمت پیدا کر سکتا ہے۔ پھر اگر اس قسم کے کسی دستور سے فی‌الواقعہ اس توازن کی نمائندگی ہو سکتی ہے جو ریاست کے مختلف طبقات میں قدرتاً پایا جاتا ہے تو اس کا وجود اور بھی محکم اور پائیدار رہے گا۔ بعینہ جمہوریت کے متعلق بھی ارسطو کا خیال ہے کہ اس کا مطلب بہتوں کی حکومت نہیں ہے، وہ غریبوں کی حکومت ہے، جیسے اعیانیت تھوڑوں کی حکومت نہیں بلکہ دولتمندوں کی حکومت جن میں ہر طبقے کی کوشش یہ تو ہوتی نہیں کہ کسی نصب‌العین کی ترجمانی کرے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے طاقت کا حصول، یا یہ کہ جیسی بھی اس کی حیثیت ہے برقرار رہے۔ دراصل اگر ہم چاہتے ہیں کسی طبقے کو سچ مچ اس حالت میں دیکھیں جو اسے معاشرے میں حاصل ہے اور جس سے نکلنے کی اس کے سامنے کوئی صورت نہیں تو اسے قرن

چہارم کے یونانی شہروں ھی میں دیکھا جا سکتا تھا - چنانچہ یہ وہ حقیقت ہے جس کا ارسطو کو بھی اعتراف تھا - یہی وجہ ہے کہ فصل پنجم میں اس نے اسباب انقلاب کا ذکر جس طرح کیا ہے اسی سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یونانی ریاستوں کو اس نصب العین سے دور کی نسبت بھی نہیں تھی جس سے ارسطو اپنی بحث کی ابتدا کرتا ہے - بعینہ اس نے واقعات کا جو تجزیہ کیا ہے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ریاست کیا تھی حریف جماعتوں کا ایک اکھاڑا - رہے اسباب انقلاب سو ان کا بیان بھی وہ اس حیثیت سے نہیں کرتا کہ یہ وہ تغیرات ہیں جو خیر عامہ کے تصور سے پیدا ہوئے۔ برعکس اس کے یہ تبدیلیاں تھیں طبقات ریاست کی جنگی یا معاشی حیثیت میں - یہی وجہ ہے کہ اعیانیتوں اور جمہوریتوں کے سامنے اس نے جو مقصد پیش کیا وہ خیر کی زندگی نہیں ہے، بلکہ یہ کہ رائج الوقت دساتیر کو استحکام اور پائیداری حاصل ہوگی تو کس طرح -

للہذا فصل چہارم ، فصل پنجم اور ششم کی واقعیت پسندی اور فصل اول ، فصل دوم، ھفتم اور ھشتم کے عینی تصورات میں کوئی ربط پیدا نہیں ہوتا - ارسطو صرف یہ کہنے پر قناعت کرتا ہے کہ مروجہ دساتیر اپنی صحیح شکل کی مسخ شدہ صورتیں ہیں - بایں ہمہ رسالۂ سیاسیات کا مطالعہ کیا جائے تو اس امر کا اعتراف کرنا پڑیگا کہ ارسطو نے ریاست کی ماھیت جس طرح بے نقاب کی ہے اس سے ہم بے حد فائدہ اٹھا سکتے ہیں - ارسطو کی ناکامی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اپنی عینیت پسندی کے ساتھ ساتھ وہ واقعیت پسند بھی ہے، بلکہ یہ کہ اس نے ان دونوں رجحانات کو ایک دوسرے سے دور رکھا - وہ اس امر پر ضرورت سے زیادہ زور دیتا ہے کہ یہ صرف علم ہے جس

کی بدولت ہم کوئی مثالی ریاست قائم کرسکتے ہیں، یاجیسے یہ کہ ریاست کا کوئی مستقل نمونہ بھی ہے جس کی تھوڑی بہت جھلک قائم شدہ ریاستوں میں نظر آجاتی ہے ، یا یہ کہ ہم انہیں اس کی بگڑی ہوئی شکلوں سے تعبیر کریں ۔ حالانکہ اگر سیاسیات کو جیسا کہ ہمیں فی الواقعہ اس سے سابقہ پڑتا ہے کسی نصب العین کی رعایت سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو پھر یہ سمجھنا بھی لازم آئے گا کہ تاریخ میں اس نصب العین کا بتدریج انکشاف کس طرح ہو رہا ہے ۔ یہ نہیں کہ ہم تجربات سے منہ موڑ لیں ، یا یہ سمجھیں کہ اس سلسلے میں مجرد استدلال ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہوگا بات یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس سے جو موجود ہے کسی مثالی چیز کی طرف بڑھیں تو پھر کسی ایسی چیز ہی کی طرف بڑھنا چاہئے جو بہتر ہے اور ماورا بھی، نہ کہ اس بہترین کی طرف جو واحد بھی ہے اور غیر متبدل بھی۔مگر پھر جب ارسطو یہ دیکھتا تھا کہ اس زمانے کے معاشرے میں کچھ اس طرح کے انسان بھی موجود ہیں جو سیاسی شور و فکر کے مطلق اہل نہیں اور اس لئے دوسروں ہی کی نگرانی میں بہتر سے بہتر کام سرانجام دے سکتے ہیں تو اس نے اس سے یہ نتیجہ قائم کیا کہ وہ قدرتی غلام ہیں ۔ اس لئے کہ انسان کی طبعی حالت تو اس کے نزدیک وہی ہے جس میں وہ اپنا بہترین کام آپ سرانجام دے سکے ۔ لیکن ارسطو چونکہ فطرت کو بھی معین اور غیر متبدل قرار دیتا ہے لہذا وہ سمجھا غلامی کی رسم جائز ہے حالانکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان جیسا ہے ہمیشہ ویسا ہی رہے گا ۔ یوں اس نے اس کے کچھ اور بن جانے میں ایک مصنوعی روک قائم کر دی ۔ للہذا اس نے غلامی کی حمایت جس طرح کی ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر فطرت کا تصور بطور ایک مثالی شے کے کیا جائے تو اس سے عملی سیاسیات میں کیسے کیسے

قبیح اور خراب اثرات مترتب ہوں گے۔ ایسے ہی شہریت کے بارے میں اس کی بلند خیالی ان لوگوں کے لئے تو ایک اعلیٰ زندگی کا سامان پیدا کر سکتی ہے جو اس میں پورا اتر سکیں لیکن جو ان میں پورا نہیں اتر سکتے ان کے متعلق یہ رائے قائم کرنا پڑیگی کہ ان کی فطرت ہی مختلف تھی اور اس لئے ناممکن تھا وہ کسی نصب العین کا حصول کر سکتے ۔

اے ۔ ڈی ۔ لنڈسے

# کتابیات

تصنیفات کا پہلا نسخہ بحذف Rhetorica (خطابت) ، Poetica (شاعری)اور Oeconomica (معاشیات فصل دوم) ، ۵ج یں از آلڈس مانی ٹیئس (Aldus Manitius) وینس ۸—۱۴۹۵- طبع مکرر جس کی نگرانی اراسمس (Erasmus) نے کی بعض تصحیحات کے ساتھ از گریناٹیس Grynaeus (بشمول Rhetorica اور Poetica) ، ۱۵۳۱ ، ۱۵۳۹ - نظر ثانی ۱۵۵۰ - متاخر نسخے عمانویل بیکر (Immanuel Bekker) اور برانڈس (Brandis) کے نسخوں کے (یونانی اور لاطینی) بعد شائع ہوئے ۵ج یں - مجلد پنجم میں بونتس (Bonitz) کا اشاریہ شامل ہے ۷۰—۱۸۳۱- دیدو (Didot) کا نسخہ (یونانی اور لا طینی) ، ۵ ج یں - ۷۴—۱۸۴۸ -

انگریزی ترجمے : مرتبہ ٹی-ٹیلر (T. Taylor) معہ مقدمہ از پورفری (Porphyry) ، ۹ ج یں ، ۱۸۱۲ - ترجمۂ آکس فرڈ مرتبہ جے- اے - اسمتھ (J. A. Smith) اور ڈبلیو -ڈ ی راس (W. D.Ross) ۱۱ج یں ۳۱—۱۹۰۸ (ا - منطق ، ب - فلسفہ فطرت ، ج - نفس ، د - تاریخ حیوانات ، ہ اجزائے حیوانات ، و - چھوٹی چھوٹی حیاتی تصنیفات، ز- مسائل ، ح - ما بعدالطبعیات ، ط- اخلاقیات ، ی- سیاسات اور معاشرت ، ک - خطابت اور شاعری) - اتھیکا (Ethica) کا لوئب (Loeb) نسخہ مرتبہ و مترجمہ ایچ - ریک ہیم (H. Rackham) ۱۹۲۶ - Rhetorica از جے-ایچ فریسے (J. H. Fraese) ۱۹۲۶ - از ڈبلیو ایچ فائفی (W. H. Fyfe) ۱۹۲۷ ، Physica از پی-ایچ-وک سٹیڈ (P. H.Wicksteed) اور ایف کارن فورڈ (F. M. Cornford)، ۱۹۲۸- Politica از ایچ-پی- ریک ہیم ۱۹۳۲- Metaphysica ازایچ-ٹریڈے نک (H. Tredennick)، ۱۹۳۳

الگ الگ تصنیفات کے متاثر نسخے :

حیوانات (DeAnima) ٹارسٹرک (Torstrick)، ۱۸۶۲: ٹرنڈلبرگ (Trendelburg) ترتیب دوم ۱۸۷۷- انگریزی ترجمے کے ساتھ از ای والیس) E. Wallace ۱۸۸۲ - بیل (Biehl) ۱۸۳۴ - معہ انگریزی از آر-ڈی-ھکس (R. D. Hicks) -

اخلاقیات(Ethica) : جے-ایس-بروئر(J. Brower) (نکو ماکوسی) ۱۸۳۶ - ڈبلیو - ای - ژیف (W. E. Jelf) ۱۸۵۶ - جے - ای-ٹی-راجرس (J. E. T. Rogers) ۱۸۰۵ - اے - گرانٹ (A. Grant) ۱۸۵۷—۵۸ ۱۸۶۶، ۱۸۷۴، ۱۸۸۵ - ای - مور (E. Moore) ۱۸۷۱، ۱۸۷۱، ترتیب چہارم ۱۸۹۰ - رام‌زوئر (Ramsauer) (نکو ما کوسی) ۱۸۷۰، سوس میل (Suesmiehl)، ۱۸۷۸، ۱۸۸۰ - نظر ثانی از او - اپلٹ (O. Apelt) ۱۹۰۳ - اے گرانٹ (A Grant) ۱۸۸۵ - آئی - بائی واٹر (I. By Water) (نکو ماکوسی) ۱۸۹۰ جے - برنٹ (J. Burnet) - ۱۹۰۰

تاریخ حیوانات(Historia Animalum) شنائیڈر (Schneider) ۱۸۱۳ - اؤبرٹ (Aubert) اور ومر (Wimmer) ۱۸۶۰ - ڈٹ‌میئر (Dittmeyer) ۱۹۰۷ -

مابعدالطبعیات (Metaphysica) شوائیگر (Schweiger) ۱۸۲۸ ڈبلیو کرائسٹ (W. Christ) ۱۸۹۹ -

منطق (Organon) وائیٹس ۱۸۴۴—۶ -

شاعری (Poetica) فالین (Vahlen) ۱۸۷۴—۱۸۶۷ معہ تعلیقات از ای - مور - ۱۸۷۵ - معہ انگریزی ترجمہ از ای - آر - وارٹن (E R. Wahrton) ۱۸۸۳-۱۸۸۵ - ایوبر ویگ (Uberweg) ۱۸۷۵—۱۸۷۰ معہ جرمن ترجمہ از سوسے میل ۱۸۷۴، اشمٹ ۱۸۷۵، کرائسٹ ۱۸۷۸، آئی بائی واٹر ۱۸۹۸ - ٹی - جے - ٹکر (T. J. Tucker) ۱۸۹۸ -

جمہوریۂ اثینیہ (Republica Atheniensium) قرطاس کا متن اور نقل کا الاصل، ایف - جی - کنیون (F. G. Kenyon) ۱۸۹۱- ترتیب سوم ۱۸۹۲ کائبل (Kaibel) اور ولیمووٹیس - موئیلن ڈورف (Williamowitz-Moellendorf) ۱۸۹۱ ترتیب سوم ۱۸۹۸- فان هوروڑدن (Van Horwerden) اور لیئوویں (Leeuwen) کنیون کے متن سے ۱۸۹۱ - بلاس (Blass) ۱۸۹۲، ۱۸۹۵، ۱۸۹۸، ۱۹۰۳ - جے - ای - سینڈیز (J. E. Sandys) ۱۸۹۳ -

سیاسیات (Politica) سوسے میل ۱۸۷۲ معہ جرمن ترجمہ ۱۸۷۸ - ترتیب سوم ۱۸۸۳—سوسے میل اورھکس ۱۸۹۴ وغیرہ - او - امشں (O. Immisch) ۱۹۰۹ -

طبعیات (Physica) سی - پرانٹل(C. Prantl) ۱۸۷۹ -

خطابت (Rhetorica) : اشٹار (Stahr) ۱۸۶۲ - اشپرنگر (Sprenger) (معہ لاطینی متن) ۱۸۶۷ - کوپے (Cope) اور سنیڈس ۱۸۷۷ - روئمر (Roemer) ۱۸۸۵، ۱۸۸۸ -

ایک یا ایک سے زیادہ تصنیفات کا انگریزی ترجمہ : De Anima معہ پاروا نا ٹورالیا (Parva Naturalia) از ڈبلیو - اے - ھیمنڈ W. A. Hammond ۱۹۰۲ - Ethica یعنی اخلاق پر نکو ماکوس کے نام از ای - پارگیٹر (E. Pargiter) ۱۷۴۵، معہ Politics از جے - گیلیس (J. Gillies) ۱۷۹۷، ۱۸۰۳، ۱۸۱۳ - معہ Rhetorica اور Poetica از ٹی-ٹیلر ۱۸۱۸ اورمتاخر نسخے Nicemachean Ethics ۱۸۱۴ زیادہ تر بیکر کے متن سے از ڈی-پی-چیز (D. P. Chase) ۱۸۴۷- نظر ثانی ۱۸۶۱ اور متاخر نسخے معہ تمہیدی مضمون از جی - ایچ - لیوس (J. H. Lewes) (عالیات کیمیلوٹ Camelot Classics) ۱۸۹۰ - ترتیب از جے - ایم - مچل (J. M. Mitchell) (نیو یونیورسل لائبریری New Universal Library) ۱۹۰۶، ۱۹۱۰ معہ مضمون تمہیدی

از پروفیسر جے-ایم-اسمتھ (اویری‌مینز لائبریری (Everyman's Library
۱۹۱۱ از آر - ڈبلیو - براؤن (R. W. Browne) (کلاسیکل‌لائبریری
بان (Bohn) ۱۸۴۸ وغیرہ - از آر - ولیمز (R. Williams) ۱۸۶۹،
۱۸۰۱ - از ڈبلیو-ایم-ھیچ (W. M. Hatch) وغیرہ معہ ترجمہ
Paraphrase جو انڈرونیکس Andronicus متوطن روڈس
Rhodes سے منسوب ہے) مرتبہ ای - ھیچ ۱۸۷۹ - از ایف - ایچ - پیٹرز
(F. H. Peaters) ۱۸۸۱ - جے - ای- سی ویلڈن (J.E.C. Wallden)
۱۸۹۲ - جے گیلیس (لبکس ھنڈرڈ بکس (Lubbock's Hudred Books
۱۸۹۳ Historia Animalum از آر - کریسویل (R. Creswell
(بان کلاسیکل لائبریری) ۱۸۴۸ معہ رسالہ قیافہ شناسی از ٹی - ٹیلر ۱۸۰۹
Metaphysica از ٹی-ٹیلر ۱۸۰۱ از جے ایم مامہون(J.H. Ma'mahon)
(بان کلاسیکل لائبریری) ۱۸۴۸- Organon معہ مقدمہ از پورفری
از او-ایف-اوون (O.F. Owen) (بان کلاسیکل لائبریری) ۱۸۴۸ -
Posterior Analyties ای - پوسٹے (E. Poste) ۱۸۵۱ - ای - ایس-
بورشیئر E.S. Baurchier ۱۹۰۱ - On Fallacies ای پوسٹے ۱۷۶۶
Parva Naturalia (یونانی اور انگریزی) از جی - آر- ٹی راس ۱۹۰۶
معہ De Anima از ڈبلیو-اے - ھیمنڈ ۱۹۰۵ - Youth and Old age
Life and Death, and Respiration ڈبلیو اوگل W. Ogle
۱۸۹۷ - Poetica معہ تعلیقات داسیے (D' Acier) کی فرانسیسی سے
۱۷۰۵- از ایچ - جے-پائی (H. J. Pye) ۱۷۸۸ ، ۱۷۹۲ - از ٹی - ٹوننگ
(T. Twinning) ۱۷۸۹ ، ۱۸۹۲ معہ دیباچہ ، تعلیقات از ایچ ھملٹن
(H. Hamilton) ۱۸۵۱ Treatise on Rhetorica and Poetica
از ٹی - ایچ - ھابز (T. H. Hobbes ) باز کلاسیکل لائبریری) ۱۸۵۰
از وارٹن ۱۸۸۳ (ملاحظہ ھو یونانی) ایس-ایچ - بوچر (S.H. Butcher)
۱۸۹۵ ۱۸۹۸ ، ترتیب سوم ۱۹۰۲ ای - ایس - بورشینڈے ۱۹۰۷ - از
انگرم بائی واٹر ۱۹۰۹ De Partibus Animualm از ڈبلیو - اوگل
۱۸۸۲ De Republica Atheniensium از ای پوسٹے ۱۸۹۱ ایف-جی

کنیون ۱۸۹۱ ٹی جے ٹی - جے ڈائمز (T. J. Dymes ۱۸۹۱
DeVietutiburset Vitiis از ڈبلیو-برج‌مین W.Bridgeman -۱۸۰۴
Politica ریگیئس (Regius) کی فرا نسیسی سے ۱۵۹۸ - از ڈبلیو-ایلس
(W.Ellis) ۱۷۷۶ ۱۷۷۸ ۱۸۸۸، مارلے (Morley's) یونیورسل لائبریری،
۱۸۹۳ (لبکس هنڈرڈ بکس) - از ای - والفورڈ (معه Aeconomics
اور سوانح از ڈاکٹر گیلیس (بان کلاسیکل لائبریری ۱۸۳۸ - جے-ای - سی
ویلڈن ۱۸۸۵ - بی- جوویٹ ۱۸۸۵ معه مقدمه و اشاریه از ایچ ڈبلیو- سی
ڈیوس (H.W.C. Davis) ۱۲۰۳ - فصول اول ، سوم و چهارم (هفتم)
بیکر کے متن سے- از ڈبلیو - ای بولینڈ (W. E. Bolland) معه مقدمه از
اے لینگ (A. Lang) ۱۸۷۶ - Problemata (دوسرے فلاسفه کی
تحریروں کے ساتھ ۱۵۹۷ ، ۱۶۰۷ - ۱۶۸۰ ، ۱۶۸۴ وغیره - Rhetorica
ایک خلاصه از ٹی- هابز ۱۶۵۵ ؟ نیا نسخه ۱۷۶۹ بقلم مترجمین
Art of Thinking (فن تفکر) ۱۶۸۶ ، ۱۶۱۶ از ڈی- ایم کرمن
(D. M. Criman) ۱۸۱۲ - جے - گیلس ۱۸۲۳ - نا معلوم الاسم ۱۸۴۷
بے - آر-سی-جیب (R. C. Jebb) معه مقدمه و اضافی تعلیقات از جے-
ای- سنڈیز ۱۹۰۹ (ملاحظه هو اور اخلاقیات کے ذیل میں)- Secreta
Secretorum (فرضی تصنیف) نامعلوم ۱۷۰۳، ایم گیسٹر (M. Gastor)
کے عبرانی ترجمه سے ۱۹۰۷ ، ۱۹۰۸ لڈگیٹ (Lydgate) اور برگ
(Burgh) کا ترجمه - مرتبه آر-اسٹیل (R. Steele E. E. T. S.)
۱۹۴۴ ، ۱۸۹۸ -

سوانح وغیره : جے-ڈبلیو-بلیکس لے (J. W. Blackesley) ۱۵۳۹-
اے کرشٹن (A. Crichton) (جارڈنز نیچورلسٹس Jardine's
Naturulisit لائبریری ۱۸۴۳ - جے-ایس-بلیکی (J. S. Blackie)
بعنوان Four Phases of Morals, Socretes. Aristotle etc.
۱۸۷۱ - جی - گروٹے (G. Grote) کی ارسطو مرتبه اے بین (A Bain)
اور جی - سی رابرٹسن (G. C. Robertsion) ۱۸۷۲ - ۱۸۸۰ - ای

والیس (E Wallace) کی Outlines of the Philosophy of
Aristototle ۱۸۷۵ ، ۱۸۸۰ - اے گرانٹ Ancient Classics
(for English Readers ۱۸۷۷ - ٹی ڈیوڈسن (T. Davidson)
کی - Aristotle and Ancient Educational Ideals (Great
(Educators ۱۸۹۲ - اے - ای - ٹیلر کی ارسطو ۱۹۱۹ - ڈبلیو - ڈی - راس
ارسطو ۱۹۲۳ -

---

کتابیات کے سلسلے میں مزید معلومات کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ تاریخ
سائنس از سارٹن جس کا ترجمہ مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کیا ۔ مترجم

فصل اول

# پهلا باب

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں ہر شہر (۱) ایک اجتماع ہے اور ہر اجتماع کسی اچھے مقصد کے لئے قائم ہوتا ہے، کیونکہ انسان عمل کرتا ہے تو کسی ایسی ہی بات پر جو اچھی نظر آئے۔ لہٰذا ثابت ہوا ان سب کی بنا اسی اصول پر رکھی گئی(۲) اور اس اجتماع کی تو بالخصوص جو خود بھی سب سے اعلیٰ اور سب پر حاوی ہے ۔(۳) اب کچھ ایسا ہی اجتماع ہے جسے شہر کہتے ہیں،

نسخہ بیکر ۱۲۵۲ الف

---

۱- آج کل کی اصطلاح میں 'ریاست' - لیکن شہر اس لئے کہ ایک تو یونان میں عام طو پر شہری ریاستیں قائم تھیں - ثانیاً یونانی زبان میں پولس Polis کے معنی محض شہر، یعنی آبادی اور بستی کے نہیں - تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ — مترجم -

۲- یعنی اصول خیر پر—ارسطو کے نزدیک ہر عمل کی ایک غایت ہے اوراس کا حصول خیر کا حصول—لہٰذا اچھائی یا خیر ہی اعمال انسانی کا سر چشمہ ہے -

۳- ''سب سے اعلیٰ'' باعتبار غایت اور اس لئے سب پر ''حاوی'' کیونکہ باقی سب اجتماع اس کے اندر شامل ہوں گے، یا پھر اس کا جز ٹھہرینگے- لہٰذا سب سے زیادہ اقتدار بھی اسی اجتماع کو حاصل ہوگا - ملاحظہ ہو اخلاقیات فصل ۸ باب ۹ :
''جو بھی اجتماع ہے سیاسی اجتماع ہی کا ایک جز ہے - لوگ باہم مل کر سفر کرتے ہیں تو اس لئے کہ ضروریات زندگی کے پیش نظر اپنی کوئی غرض پوری کر سکیں - سیاسی اجتماع بھی قائم ہوا تو یونہی اور خود بخود - اس اجتماع کو بقا بھی ہے تو اس لئے کہ اس میں سب کا فائدہ ہے'' -
لہٰذا ارسطو کی عبارت اگر یوں پڑھی جائے ''جو اجتماع سب سے اعلیٰ ہے اور اس لئے سب پر حاوی وہ سب سے بڑھ کر اور زیادہ سے زیادہ حصول خیر کی کوشش کرے گا'' تو اس کا مطلب اور بھی واضح ہو جائے گا—مترجم -

یعنی یہ اجتماع سیاسی اجتماع(۴) ہے اور اس لئے وہ لوگ غلطی پر ہیں جن کا یہ خیال ہے کہ حکومت خواہ سیاسی ہو یا شاہی، عائلی یا آقائی(۵) اس کے اصول یکساں ہوتے ہیں ۔ وہ سمجھتے ہیں ان میں جو فرق ہے تعداد کا ہے، ہیئت ترکیبی کا نہیں ۔ کسی کے زیر اقتدار زیادہ افراد ہوتے ہیں کسی کے کم (۶) ۔ ان کے نزدیک آقائی حکومت کا تعلق بہت تھوڑے افراد سے ہوتا ہے ۔ عائلی کا نسبتاً زیادہ لیکن سیاسی اور شاہی حکومت کا اور زیادہ افراد سے(۷) جیسے ایک بہت بڑے کنبے اور چھوٹے سے شہر میں کوئی فرق ہی نہیں، نہ شاہی اور سیاسی

---

۴۔ یا صحیح لفظوں میں اجتماع مدنی جس کا تعلق ملک و دولت، یا ریاست سے ہے ۔ ملاحظہ ہو اخلاقیات فصل ۱۸ باب ۱۱ :
دوستی بھی ایک اجتماع ہے، خواہ اس کی کوئی شکل ہو۔ لیکن جو اجتماع قرابت اور دوستی سے وجود میں آتا ہے اس کی اپنی ایک خاص شکل ہے (کیونکہ ان کا تعلق ہمارے طبعی احساسات اور فطری ہمدردیوں سے ہے) البتہ دوستی کی وہ شکل جس سے اہل شہر یا افراد قبیلہ یا ایک ساتھ سفر کرنے والے متحد ہوتے ہیں محض اجتماع نہیں، کیونکہ اس قسم کے اجتماع کے لئے کوئی نہ کوئی معاہدہ یا مفاہمت ناگزیر ہے ۔ تشریح اگلے باب میں آئے گی — مترجم

۵۔ اشارہ ہے افلاطون اور اس کے ہم خیالوں کی طرف — مترجم

۶۔ حالانکہ یہ فرق ہیئت ترکیبی کا ہے، مثلاً سیاسی اجتماع مساوی الحیثیت افراد کا اجتماع ہے ۔ تفصیل آگے آئے گی — مترجم

۷۔ آقائی حکومت کا اشارہ اس اقتدار کی طرف ہے جو آقا کو غلام (علیٰ ہذا خاوند کو بیوی اور بال بچوں) پر حاصل ہوتا ہے ۔ عائلی حکومت سے مراد ہے گھر بار کا انتظام (تدبیر منزل) ۔ شاہی حکومت کا مطلب ظاہر ہے ۔ لیکن سیاسی اجتماع ان لوگوں کا اجتماع ہے جو آزاد ہیں اور اس لئے باہم مساوی اور یہی 'رسالۂ سیاسیات' کا اصل موضوع ہے — مترجم

حکومت میں(۸) ، الایہ کہ پہلی صورت میں ایک ہی شخص لگا تار حکومت کرتا اور دوسری میں ریاست کا ہر رکن باری سے اس میں حصہ لیتا اور جیسا کہ قواعد سیاست کا اقتضا ہے کبھی حاکم ہوتا ہے کبھی محکوم(۹) ۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں اور ہر شخص کی سمجھ میں آ جائے گی بشرطیکہ وہ اس بحث میں ہمارے مسلمہ منہاج (۱۰) سے کام لے ۔ ہم کسی مسئلے کی تحقیق کیا کرتے ہیں تو یونہی کہ اس کے سب اجزا ایک دوسرے سے الگ کر لیں ، تا آنکہ معلوم ہو جائے اس کے اولین عناصر کیا تھے ، کیونکہ یہی اس کے دقیق ترین اجزا (۱۱) ہونگے ۔ بعینہ شہر کے ابتدائی اجزا کا پتا چلے گا تو اسی منہاج کی بدولت ۔ یونہی معلوم ہوگا ان میں باہم اختلاف ہے تو کیا ، جیسے یہ کہ

---

۸- ارسطو چاہتا ہے پادشاہت اور صحیح سیاسی نظام ، یعنی نظام مدنی میں فرق کیا جائے ۔

۹- متن میں عام فرد ۔ راقم الحروف نے فرد کی بجائے محکوم کو اس لئے ترجیح دی کہ حاکم و محکوم کی مساوات کا تصور جو ایک صحیح سیاسی نظام کا خلاصہ ہے پیش نظر رہے — مترجم

۱۰- منہاج تحلیلی ، یعنی فصل سے جنس تک پہنچنے کا عمل — ملاحظہ ہو حاشیہ ۱ باب دوم — مترجم ۔

۱۱- ارسطو کے ذہن میں در اصل مفرد اور مرکب کا تصور کام کر رہا ہے ۔ شہر ایک مرکب ہے اور اس مرکب کے متعدد اجزا ۔ تفصیل فصل سوم باب اول میں آئے گی — مترجم ۔

جن باتوں کا ذکر ابھی ہو رہا تھا ان کی تحقیق میں قواعد فن (۱۲) سے مدد مل سکتی ہے تو کہاں تک (۱۳) ۔

---

۱۲- وہ قواعد جن کے ماتحت ہم کسی موضوع کا مطالعہ کرتے ہیں — مترجم

۱۳- یعنی وہ باتیں جن سے آگے چل کر سوال پیدا ہوگا کہ آقا کو غلام ، باپ کو بچوں اور خاوند کو بیوی پر جو اقتدار حاصل ہے اس کی نوعیت کیا ہے - علیٰ ھذا تدبیر منزل کی بحث — مترجم ۔

# دوسرا باب

اب اس خاص علم میں بھی جس کسی کی نظر اس امر پر ھے کہ اس کی داغ بیل کیونکر پڑی اور وہ کیا شاخ تھی جو شروع شروع میں اس سے پھوٹی تو دوسرے مباحث کی طرح یہ مبحث بھی تمام و کمال اس کے سامنے ہوگا (۱) ۔ وہ دیکھے گا جن ھستیوں کی نوع ایک دوسرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی ان کا جوڑ جوڑنا ضروری ھے جیسے نر اور مادہ کا افزائش نسل کے لئے۔گو یہ سب کچھ اپنی پسند سے نہیں ھوتا ، بلکہ اس فطری تحریک کی بدولت جو حیوانات اور نباتات میں یکساں طور پر کام کرتی ھے اور جس کا تقاضا ھے کہ وہ بھی اپنے پیچھے اپنی ایسی ھستیاں چھوڑ جائیں(۲) ۔ بعینہ یہ بھی ایک قدرتی امر ھے کہ بعض حکومت کریں اور بعض اطاعت ، تا کہ یوں ان

---

۱- یعنی جو کوئی منہاج تکوینی سے کام لے گا اس کے - بالفاظ دیگر جو کوئی اس بات پر نظر رکھتا ھے کہ کسی شے کا نشو و نما کیونکر ھوا - ارسطو کے نزدیک یہ منہاج منہاج تحلیلی کے مترادف ھے یا یوں کہئے کہ منہاج تحلیلی کا صرف یہی پہلو سر دست ارسطو کے سامنے ھے - اس لئے کہ منہاج تکوینی (یعنی کسی شے کی تکوین ، تولید ، نشو و نما) کے مطالعے میں بھی جب ھم کسی شے کے بسیط اجزا پر نظر رکھتے ھیں تو اس صورت میں بھی عقل و فکر اور تحلیل و تجزیہ ھی سے کام پڑتا ھے — مترجم -

۲- کیا اس کا یہ مطلب ھے کہ ارسطو نباتات میں بھی جنسیت کا قائل تھا ؟ جدید ترین تحقیقات بہر حال یہ ھیں کہ اس نے نباتات میں نر اور مادہ کا وجود تسلیم نہیں کیا - ملاحظہ ھو سارٹن : مقدمہ تاریخ سائنس ، عصر ارسطاطالیس — مترجم

کی حفاظت اور سلامتی کا ایک ذریعه نکل آئے(۳) ۔ اس لئے که جو ذهن غور و فکر اور دور اندیشی کا اهل هے اسے قدرتاً حکومت هی کا مستحق سمجھا جائے گا ۔ برعکس اس کے جس کی خوبی صرف جسم تک محدود هے غلامی کا ۔ لہٰذا ثابت هوا که آقا اور غلام کا امتیاز دونوں کے لئے مفید هے(۴) ۔ البته عورتوں کا معامله طبعاً غلاموں سے مختلف هے ۔ کیونکه فطرت کی مثال ان صناعوں کی تو هے نہیں جو غریبوں کے لئے ڈیلفوی تلواریں تیار کرتے تھے(۵) ۔ فطرت کے یہاں هر مقصد کے لئے الگ الگ آلات هیں ۔ لہٰذا اس کے هر مقصد کی تعمیل بطریق احسن هو رهی هے اس لئے

١٢٥٢ ب

---

۳- گویا حکومت کی غایت هے حفظ نوع اپنی محدود سے محدود اور ابتدائی شکل سے لے کر انتہائی نشو و نما تک ۔ لیکن اس میں مغالطه یه هے که حکومت اور اطاعت کا وجود چونکه همیشه سے چلا آ رها هے اور چلا جائے گا اس لئے بعض لوگ تو همیشه حاکم (آزاد ، حر) رهیں گے اور بعض همیشه محکوم (غلام ، عبد) — مترجم ۔

۴- غلامی کے جواز میں ارسطو کی دلیل اول ۔ ارسطو کے نظریۂ غلامی و آقائی کو سمجھنے کے لئے اس امتیاز کو پیش نظر رکھنا ضروری هے جس کی ابتدا جسم اور ذهن سے هوتی هے اور جس کو ارسطو اپنے سلسلۂ استدلال میں بار بار پیش کریگا — مترجم ۔

۵- Delphi یونان قدیم کا مشہور ، گو چھوٹا سا شہر جسے ناف زمین تصور کیا جاتا تھا اور جہاں اپالو دیوتا کے مندر میں لوگ استخارے کے لئے جاتے اور غیب کی خبریں معلوم کرنے کی کوشش کرتے ۔

ڈیلفی کے آهنگر جو تلواریں طیار کرتے ان کے کئی استعمال تھے تاکه غریب ان سے اپنی گو ناگوں ضروریات پوری کر سکیں ۔

لہٰذا اس مثال کے پیش نظر ارسطو کہتا هے که عورت سے دو کام لئے جاتے هیں ۔ وه غلام بھی هے اور بیوی بھی (حالانکه فطرت نے هر مقصد کے لئے ایک الگ شے پیدا کی هے) — مترجم

که جب کسی شخص سے ایک ھی کام لیا جاتا ھے تو وہ اس کی تکمیل بہتر سے بہتر شکل میں کر لیتا ھے، بہ نسبت اس کے که بہت سے کام اس کے ذمے کر دئے جائیں۔ لیکن غیر متمدن قوموں میں تو عورتوں اور غلاموں کو ایک ھی سطح پر رکھا جاتا ھے۔ ان میں کوئی بھی حکومت کا اھل نہیں ھوتا (٦)۔ یہی وجه ھے که غیر متمدن معاشروں میں غلام اور لونڈیاں ھی ملتی ھیں(۷) اور یہی وجه ھے شعرا کے اس قول کی که ان پر اھل یونان کا حکومت کرنا ھی انسب ھے(۸)۔ جیسے فطرت نے غلاموں اور غیر متمدن قوموں میں کوئی فرق ھی نہیں کیا (۹)۔ بہر حال ان دونوں یعنی عائلی اور شہری اجتماعات پر غور کیجئے تو اول جس اجتماع کی بنا پڑی عائلی اجتماع تھا۔ لٰہذا ھسیوڈ نے ٹھیک کہا ھے ''پہلے

---

٦- کیونکه ان میں جو بھی خوبیاں ھیں جسمانی ھیں۔ لٰہذا مرد و زن سب غلاموں کی زندگی بسر کرتے ھیں۔ ان میں کسی ایسی جماعت کا نشو و نما نہیں ھوتا جو حکومت کی اھل ھو اور جس کی موجودگی معاشرے میں آقا اور غلام کا امتیاز پیدا کرے — مترجم

۷- اس لئے که غیر متمدن اقوام میں عورت بھی غلامی ھی کی زندگی بسرکرتی ھے۔ وہ رفیقۂ حیات تو ھوتی ھے لیکن اس کی ازدواجی زندگی پر غلامی کا رنگ چھایا رھتا ھے جس کی وجه ظاھر ھے اور وہ یه که غیر متمدن اقوام میں مرد و زن سب غلامی کی زندگی بسر کرتے ھیں — مترجم

۸- شعر یوری پے ڈیس (Euripedes) کا ھے۔ مشہور ٹریجیڈی نویس شاعر سلامس میں پیدا ھوا، ۴۸۰ ق م — مترجم

۹- لٰہذا غلامی ایک فطری امر ھے اور اس لئے یونانیوں کو حق پہنچتا ھے که غلاموں، یعنی غیر متمدن دنیا پر حکومت کریں — مترجم

گھر ، پھر بیوی اور پھر ہل جوتنے کے لئے بیل(۱۰) ،،۔ اس لئے کہ غریب تو گھریلو غلام پر بیل ہی کو ترجیح دے گا ۔ بہر حال فطرت نے جو اجتماع ہماری روز مرہ زندگی کے لئے قائم کیا عائلی اجتماع ہے جس کے اجزائے ترکیبی کا نام کرون دس(۱۱) نے تو ''ایک ہی دسترخوان پر کھانے والے،، لیکن اپی منیڈیس قریطشی(۱۲) نے ''ایک ہی چولھا تاپنے والے،، رکھا ہے ۔ البتہ بہت سے کنبوں کا اجتماع جو شروع شروع میں اس لئے قائم ہوا تھا کہ ایک دوسرے کو مستقل طور پر فائدہ پہنچتا رہے گاؤں کہلاتا ہے اور گاؤں کی ترکیب جیسا کہ ظاہر ہے قدرتی طور پر ایک ہی خاندان کے متعدد افراد سے ہوتی جن کو بعض تو ''ایک ہی دودھ پیئے ہوئے،، کہتے ہیں ، بعض ''بچے اور بچوں کے بچے،، (۱۳) - یہی وجہ ہے کہ ابتدا میں ہر شہر کسی نہ کسی بادشاہ کے زیر حکومت تھا جیسا کہ غیر متمدن قوموں میں آج بھی دستور ہے ، کیونکہ یہ ریاستیں ان افراد پر مشتمل ہیں جو شاہی حکومت کے آگے سر تسلیم خم کر چکے ہیں ۔ یوں بھی ہر خاندان پر بزرگ خاندان ہی کی حکومت ہوا کرتی ہے اور اس کی شاخوں

---

۱۰- Hesiod مشہور یونانی شاعر 'اعمال و ایام' Works & Days کا مصنف جس سے یہ شعر ماخوذ ہے۔ زمانہ قرن ہشتم ق - م کا نصف اول — مترجم

۱۱- Charondas صقلوی مقنن - زمانہ ۶۶۳ ق - م کا نصف اول — مترجم

۱۲- Epemenides جزیرہ قریطش کا وہ مصنف جس سے ارسطو نے استفادہ کیا - خیال ہے ریاست کے معنوں میں لفظ شہر (polis) کا استعمال پہلے پہل اسی نے کیا - زمانہ ۶۰۰ ق - م - قریطش (Crete) بحرۂ روم کا مشہور جزیرہ اور قدیم می‌نوسی تہذیب و تمدن کا مرکز تفصیل آگے آئیگی — مترجم

۱۳- یہ افلاطون کے الفاظ ہیں جو اس نے اپنی مشہور تصنیف 'نوامیس' Laws میں استعمال کئے — مترجم

پر ان کے بزرگوں کی (۱۴) ۔ للہذا جب ہومر یہ کہتا ہے کہ ہر کوئی اپنے بیوی بچوں پر حکومت کرتا تھا تو اس کا کہنا بھی در اصل یہ ہے کہ یہ صورت تھی جس میں اول اول لوگ الگ تھلگ زندگی بسر کرتے تھے ۔ پھر یہ خیال کہ دیوتاؤں کے یہاں بھی شاہی حکومت قائم ہے اس لئے عام ہوا کہ پچھلے زمانے میں تو سب اور آج کل بھی دنیا میں زیادہ تر بادشاہ ہی حکومت کر رہے ہیں ۔ وہ سمجھے کہ انسان چونکہ دیوتاؤں کے مشابہ پیدا کیا گیا اس لئے ان کا طریق زندگی بھی وہی ہوگا جو ہمارا ۔ بہر حال جب بہت سے کنبے باہم مل جاتے اور ایک کامل و مکمل اجتماع کی صورت اختیار کر لیتے ہیں تو ایسے اجتماع کو شہر کہا جاتا ہے ۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں جہاں کہیں شہر کی تشکیل ہوئی حکومت اپنی غایت اور کمال کو پہنچ گئی ۔ کیونکہ اجتماع انسانی کا آغاز اگرچہ اس لئے ہوا تھا کہ لوگ زندہ رہ سکیں لیکن اسے قائم رکھا گیا تو اس لئے کہ خوش بختی کی زندگی بسر کریں (۱۵) ۔ للہذا ثابت ہوا کہ شہر

---

۱۴- یعنی جب ایک خاندان کے افراد بہت سی شاخوں میں منقسم ہو کر الگ الگ بستیوں میں زندگی بسر کرتے ہیں تو ان کے یہاں بھی حکومت کا انداز شاہی رہتا ہے ۔ بات یہ ہے کہ تدبیر منزل کی ذمہ داری چونکہ صاحب خانہ پر ہوتی ہے اس لئے گھر بار کے انتظام کو ایک طرح کی بادشاہت ہی سے تعبیر کرنا پڑے گا — مترجم

۱۵- گویا اجتماع انسانی کی تین مرحلے ہیں ۔ پہلا مرد و زن یا خاوند اور بیوی کا جس سے کنبے کی ابتدا ہوئی ۔ دوسرا کنبے کے انتشار کا جس سے گاؤں کی داغ بیل پڑی ۔ تیسرا وہ جس سے شہر کی تشکیل ہوتی ہے ۔ ان تینوں مراحل میں اور سب سے بڑھ کر آخری مرحلے یا یوں کہئیے کہ شہر کی تکمیل پر افراد کی وہ ضروریات پوری ہو جاتی ہیں جن کا تعلق صرف معاش یا خانہ داری سے نہیں ، بلکہ زندگی کے اعلیٰ مراتب سے ہے ۔ للہذا ان کا حصول شہر ہی کی بدولت ممکن ہے — مترجم

کا نشو و نما ایک فطری امر ھے ، بشرطیکہ یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ اجتماعی زندگی کی ابتدا مرد و زن سے ہوئی(۱۶) اور اس لئے وہ اجتماع بھی جو ابھی ابتدائی حالت میں ھیں اسی غایت کی طرف بڑھ رہے ھیں ، کیونکہ ھر شے کی غایت ھی اس کی فطرت ھے - یا یوں کہئے کہ اپنے منتہائے کمال کو پہنچنا ھر شے کی فطرت میں داخل ھے ، خواہ وہ انسان ھو ، گھر یا گھوڑا (۱۷) - اب غایت یا علت غائی ھی کو چونکہ ھر چیز پر ترجیح حاصل ھے ۱۲۵۳ الف

---

۱۶- یعنی عائلہ سے — مترجم

۱۷- ریاست (شہر) کا وجود ایک طبعی امر ھے ، کیونکہ اس کا نشو و نما طبعی اجتماعات کی بنا پر ھوتا ھے - مگر پھر محض ان اجتماعات کی موجودگی اس کے طبعی ھونے کا ثبوت نہیں - ثبوت یہ ھے کہ ریاست کا اپنی جگہ پر بھی ایک وجود ھے کیونکہ وھی ان سب اجتماعات کا مقصود ھے - للہذ ریاست نام ھے کمال اجتماع یعنی اس کی تکمیل اور حصول غایت کا - یہی وجہ ھے کہ ریاست کا ظہور دفعۃ ھو جائے تو بھی اسے ایک طبعی امر ٹھہرایا جائے گا اس لئے کہ ریاست ھی تکمیل ذات کا ذریعۂ ھے -

ویسے یونانی ریاست کی تاریخ یہ ھے کہ اس کے نشو و نما میں ایک تو جغرافی - معاشی اسباب نے حصہ لیا (یعنی کسی ایسے مقام نے جہاں لوگ بآسانی آ جا سکتے تھے اور جہاں تجارت اور معاش کی سہولتیں موجود تھیں) ، ثانیا جنگی وجوہ نے (جن کے ماتحت ریاست کا تحفظ اور دفاع ضروری ٹھہرا) ، ثالثا سیاسی - اجتماعی عوامل نے (تا کہ عدل و انصاف قائم رہے) - یہ اسباب تھے جن کی بنا پر ارض یونان مین آبادیاں قائم ھوتی چلی گیئں اور شہری ریاستیں وجود میں آئیں — مترجم

اور ایک مکمل بالذات حکومت(۱۸) ھی وہ علت غائی اور سب سے بہتر شے ہے(۱۹) جس سے ھمارا مقصود دلی پورا ھوتا ہے ، للہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ شہر کا نشو و نما ایک فطری امر ہے اور انسان بالطبع ایک حیوان شہری(۲۰) ۔ لیکن جو کوئی اتفاق سے قطع نظر قدرتی طور پر اجتماعی زندگی بسر نہیں کرتا وہ اپنے ہم جنسوں سے برتر ھوگا یا کم تر (۲۱) - یہی وجہ ہے کہ جس

---

۱۸- بمعنی کافی بالذات اور کفایت ذات کا مطلب ہے (ارسطو کے نزدیک) وہ صورت حالات جس میں انسان کسی چیز کی کمی محسوس نہیں کرتا - جس کے ہم سب دل سے آرزو مند ھیں اور جس کا مطلب ہے وہ سب وسائل اور اخلاق محرکات جو بے منت غیر انسان کے تمام و کمال نشو و نما کا سبب بنتے ھیں — مترجم

۱۹- ارسطو کے فلسفیانہ خیالات کے لئے ملاحظہ ھو مقدمہ
ارسطو کا کہنا یہ ہے کہ ریاست(شہر) کا مقصد ہے کفایت ذات اور کفایت ذات سے بہتر کوئی شے نہیں ۔ لہذا ثابت ھوا کہ یہ سب سے بہتر شے ریاست ھی کی بدولت میسر آئے گی - پھر ریاست کا وجود ایک طبعی امر ہے کیونکہ اس کی غرض و غایت ھی یہ ہے کہ ذات انسانی کے تمام کمال نشو و نما کا سبب بنے — مترجم

۲۰- یا سیاسی ، مدنی بالطبع — مترجم

۲۱- ”کون ہے جسے زندگی کی ساری نعمتیں میسر ھوں اور وہ تنہائی کی زندگی بسر کرنا پسند کرے ؟ مل جل کر رہنا انسان کی فطرت میں داخل ہے - انسان کا وجود ھی سیاسی اجتماع کے لئے ہے“ - (اخلاقیات فصل ۳ باب ۹) مگر پھر ارسطو یہ بھی کہتا ہے کہ انسان ازدواج کے لئے پیدا کیا گیا ، کیونکہ عائلے کا وجود ریاست سے متقدم بھی ہے اور نسبتاً ضروری بھی (اخلاقیات باب ۱۲) — مترجم

شخص کی کوئی برادری ہے ، نہ قانون ، نہ گھر بار ہومر نے اس کی مذمت کی ہے ۔ اس قسم کا انسان طبعاً لڑاکا اور پرندوں کی طرح اکیلا ہوگا ۔ پھر نطق کا عطیہ بھی تو اس امر کی دلیل ہے کہ انسان شہد کی مکھیوں اور گلوں میں مل کر رہنے والے چوپایوں کی نسبت زیادہ مدنی الطبع ہے ۔ کیونکہ فطرت کا کوئی فعل جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں عبث نہیں اور یہ صرف انسان ہے جو نطق سے فائدہ اٹھاتا ہے ۔ بے شک آواز جو لذت و الم کی علامت ہے دوسروں کو بھی عطا ہوئی اور آواز ہی کی حد تک وہ لذت و الم کا ادراک کرتے اور اپنے احساسات دوسروں تک پہنچاتے ہیں ۔ لیکن نطق کے ذریعے تو ہم یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ مفید کیا ہے اور مضر کیا ، عدل کیا ہے اور ظلم کیا ۔ بات یہ ہے کہ انسان اور حیوان میں کوئی مابہ الامتیاز ہے تو یہی کہ انسان کو خیر و شر ، ظلم اور عدل کا ادراک حاصل ہے اور یہی وہ باتیں ہیں جن میں شرکت سے کنبے اور شہر کی بنا پڑی ۔ لیکن شہر کا تصور قدرتاً فرد یا کنبے کے تصور سے متقدم ہے ۔ اس لئے کہ کل کا وجود لازماً جزو سے متقدم ہوگا (۲۲) ۔ مثلاً جب ہم پورے انسان سے قطع نظر کر لیتے ہیں تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ابھی ایک ہاتھ یا ایک پاؤں باقی ہے ۔ الایہ کہ اس کے کچھ اور معنی بھی ہوں ، یعنی یہ فرض کر لیا جائے کہ ہاتھ پتھر کا ہے اور اسے ابھی بننا ہے(۲۳) ۔ لیکن

---

۲۲- کیونکہ جز کا تصور جب ہی ممکن ہے کہ کل کا وجود ہو ۔ کل ہی کے حوالے سے جز سمجھ میں آتا اور اپنا وظیفہ ادا کرتا ہے — مترجم

۲۳- لہذا بے جان ہاتھ پتھر کے ہاتھ سے بھی بد تر ہے — مترجم

اس صورت میں ایسا ہاتھ ایک بے جان ہاتھ ہوگا۔ یوں بھی کسی شے کو شے کہا جاتا ہے تو ان صفات اور قوتوں کی بدولت جن سے اس کی استعداد کا پتہ چلتا ہے اور جن کی نفی سے اس کی نفی ہو جاتی ہے۔ بجز اس کے کہ اس کا نام باقی رہ جائے۔ یہ پھر اس امر کی دلیل ہے کہ شہر کا وجود فرد سے متقدم ہے(۲۴) ۔ کیونکہ فرد بحیثیت فرد تو اس قابل ہی نہیں کہ کافی بالذات ہو سکے(۲۵) ، لہٰذا فرد کو شہر سے وہی نسبت ہے جو کل سے جزو کو۔ لیکن جو کوئی اجتماعی زندگی بسر کرنے کے ناقابل ، یا ایسا کافی بالذات ہے کہ شہر سے بے نیاز ہو جائے وہ کبھی اس کا جزو نہیں بن سکے گا جیسے دیوتا یا درندے اس کا جزو نہیں بن سکتے۔ لہٰذا یہ کوئی فطری محرک ہے جس نے ہر کسی کو دوسروں سے ربط و ضبط پیدا کرنے پر مجبور کر رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جس کسی نے اول اول شہری اجتماع کی

---

۲۴- کیونکہ شہر کا وجود ایک طبعی امر ہے اور فرد اپنے نشو و نما کے لئے اس کا محتاج۔ پھر یہی تو وہ کل ہے جس کا فرد ایک جزو ہے۔ اس لحاظ سے بھی شہر کا وجود فرد کے وجود سے متقدم ہوگا اس لئے کہ کل کا وجود جزو سے متقدم ہے — مترجم

۲۵- کفایت ذات کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۸- کفایت ذات شہر ہی کی بدولت ممکن ہے — مترجم

بنا ڈالی بہترین خیر کا موجب ہوا (۲۶) ۔ اس لئے کہ انسان اگر اشرف المخلوقات کے درجے تک پہنچا تو اسی اجتماع کی تکمیل سے ، ورنہ قانون اور عدل کے بغیر تو اسی کا درجہ ارذل المخلوقات سے بھی گر جاتا ۔ دنیا میں کسی چیز کا ازالہ اتنا مشکل نہیں جتنا اسلحہ کے بل پر ظلم و ستم کا اور یہ وہ اسلحہ ہیں جو انسان خود اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے ۔ ہمارا مطلب ہے حزم(۲۷) اور شجاعت سے ، مگر جن کا استعمال بدترین اغراض کے لئے بھی

---

۲۶- لیکن شہری اجتماع (ریاست) کا وجود اگر ایک طبعی امر ہے تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کی بنا کس نے ڈالی - ارسطو کا مطلب شاید یہ ہے کہ ایک امر طبعی کے با وجود اس کا نشو و نما خود بخود نہیں ہوتا - اس میں انسان کے اپنے ارادے اور عمل کا بھی دخل ہے - گویا ایک پہلو سے وہ انسان کے اپنے کرنے کی چیز کی ہے - (جس کا ظاہر ہے ایک طریقہ اور ایک سلیقہ ہوگا) - للہذا ریاست کے دو پہلو ہوئے- ایک طبعی ، یعنی وہ محرک جو اس کے نشو و نما کا باعث ہوتا ہے دوسرا فنی یعنی انسان کا اپنا عمل اور ارادہ جس سے کام لے کر وہ اس کی تعمیر کرتا ہے - ریاست نام ہے ان دونوں پہلوؤں کے صحیح اشتراک اور امتزاج کا - اگر ایسا نہ ہوتا تو سیاسیات کی بحث لاحاصل تھی — مترجم

۲۷- Prudence ارسطاطالیسی لغت میں وہ فہم و دانش جس سے کام لیتے ہوئے انسان اپنے اندر نظم و ضبط پیدا کر لیتا ہے - یعنی وہ دانائی ، دور بینی اور دور اندیشی جس کا تعلق عمل سے ہے - ملاحظہ ہو فرہنگ مصطلحات — مترجم

ہو سکتا ہے(۲۸) ۔ لہٰذا اس سے زیادہ بد طینیت اور جابر ، ہوا و ہوس کا شکار اور شکم کا بندہ کون ہوگا جو ان کا استعمال نا جائز اغراض کے لئے کرے(۲۹) ؟ عدل ایک سیاسی فضیلت(۳۰) ہے اور اس کے قواعد نظم ریاست کی بنا ، علی ہذا غلط و صواب کا معیار ۔

---

۲۸- کیونکہ ریاست کی تعمیر میں انسان کے عمل اور ارادے کو بھی دخل ہے - لہٰذا اس پہلو سے بھی سیاسیات کی بحث اخلاق اور اصولی شکل اختیار کرے گی — مترجم

۲۹- گویا ریاست کا استبداد بدترین استبداد ہے ، حالانکہ اس کا مقصد ہے کفایت ذات اور فرد کا تمام و کمال نشو و نما - بالفاظ دیگر اسے خیر کا سرچشمہ ہونا چاہئے ، نہ کہ شر کا - لہٰذا ریاست کی بحث میں ہم انسان اور اس کی فطرت ، یعنی فضائل اور رذائل کو نظر انداز نہیں کر سکتے - محض طبعی اور خارجی محرکات پر زور دینا غلطی ہے - ملاحظہ ہو مقدمہ — مترجم

۳۰- Virtue ارسطو کے تصور فضائل و رذائل ، علی ہذا ان مصطلحات کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ — مترجم

# تیسرا باب

اس امر کی وضاحت کے بعد کہ شہر کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں اب یہ دیکھنا ہے کہ عائلی حکومت(۱) کیا ہوتی ہے ۔ اس لئے کہ جو بھی شہر ہے عائلوں یا کنبوں ہی سے بنا ہے ، بعینہ کنبے کے بھی کچھ اجزا ہوتے ہیں ۔ کنبہ بنے گا تو اس میں کچھ آقا ہونگے ، کچھ غلام ۔ لیکن جس طرح ہر موضوع کی تحقیق میں ہمارا قاعدہ یہ رہا ہے کہ سب سے پہلے اس کے اولیں اجزا پر نظر رکھیں اور آقا اور غلام ، خاوند اور بیوی ، باپ اور بچے ہی کنبے کے اولین اجزا ہیں ، لٰہذا ہم اس بحث کا آغاز بھی انہیں سے کرینگے اور دیکھیں گے کہ یہ سب اجزا ہیں کیا اور انہیں ہونا کیا چاہئے ۔ ہمارا مطلب ہے اس کے آقائی ، ازدواجی اور عائلی عناصر سے ، کیونکہ یہی ہر کنبے کے الگ الگ جزو ہیں ۔ اب کچھ لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ کنبے کے لئے معاش پیدا کرنا ایک بات ہے ، اس کا انتظام و انصرام دوسری(۲) ۔ کچھ یہ کہ معاش ہی اس

۱۲۵۳ ب

---

۱- تدبیر منزل - یعنی وہ کیا تعلق ہے جو صاحب خانہ کو اہل و عیال اور آقا کو غلام سے ہوتا ہے جیسے بادشاہ کو رعایا اور ریاست کو افراد سے — مترجم

۲- جسے ارسطو نے حکومت سے تعبیر کیا ہے اور جس کی نوعیت ہر اجتماع میں مختلف ہوگی ، کیونکہ ہر اجتماع کی ہیئت ترکیب ایک سی نہیں ہوتی — مترجم

کا سب سے بڑا حصہ ہے - لہٰذا بہتر ہوگا ہم یہ بحث (۳) کسی دوسرے موقع کے لئے اٹھا رکھیں - سر دست ہمیں آقا اور غلام کے متعلق کچھ کہنا ہے ، تاکہ وہ سب باتیں جو اس سلسلے میں لازم و ملزوم تصور کی جاتی ہیں ہماری سمجھ میں آ جائیں ، بلکہ ہو سکے تو ہم اور زیادہ معلومات حاصل کر لیں - یہ اس لئے کہ بعض لوگوں کی رائے میں آقا اگر غلام پر حکومت کرتا ہے تو اپنے برتر علم کی بدولت - وہ سمجھتے ہیں آقا ہو ، یا حاکم(۴) یا بادشاہ اس علم کو نوعیت (۵) جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں ہر حالت میں یکساں ہوگی (۶) - مگر بعض کے نزدیک یہ رائے نا قابل تسلیم ہے - وہ کہتے ہیں آقائی حکومت فطرت کے خلاف ہے اور یہ صرف قانون ہے جس کی بنا پر کوئی آقا بن گیا ،

---

۳- معاش کی بحث — مترجم

۴- متن میں میجسٹریٹ Magistrate جس کے لغوی معنی حاکم یا آقا کے ہیں - مترجم نے کہیں کہیں لفظ میجسٹریٹ بھی استعمال کیا ہے - بہر حال میجسٹریٹ سے مراد ہے وہ فرد ، یا افراد جن کے ہاتھ میں ریاست کا نظم و نسق ہوگا - آج کل کی اصطلاح میں عمال حکومت یا ارکان ہیئت حاکمہ - الفاظ و مصطلحات کی کی مزید تشریح آگے آئیگی — مترجم

۵- جو ایک کو دوسرے کے مقابلے پر حاصل ہے — مترجم

۶- لہٰذا ان میں کوئی فرق نہیں - مگر جسے ارسطو تسلیم نہیں کرتا ، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص آقائی کا اہل ہے وہ حکومت کا بھی جو صحیح نہیں — مترجم

کوئی غلام ۔ حالانکہ بہ اعتبار فطرت ان میں کوئی فرق نہیں ۔
لہذا اس حکومت کا سر چشمہ جبر اور قوت ہے ، نہ کہ عدالت (۷) ۔

۷- یعنی غلام پر آقا کے اقتدار کا - ارسطو سے پہلے بھی کچھ لوگ غلامی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے - خود اس کے معاصرین میں بعض نے غلامی کی مذمت کی ہے ، مثلاً شاعر فلیمیون Phelmeon اور میٹرو ڈورس Metrodoras نے — مترجم

# چوتھا باب

پھر چونکہ ہر کنبے کے لئے معاش کا ہونا ضروری ہے ، لہذا اس کے ذرائع حصول بھی تدبیر منزل ہی کا ایک جزو متصور ہونگے ۔ یہ اس لئے کہ معاش کے بغیر کوئی شخص زندہ رہ سکتا ، نہ اچھی زندگی بسر کر سکتا ہے ۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں جونہی کسی فن کی تکمیل ہوئی اس کے لئے مناسب آلات کا حصول ضروری ہو گیا ، تاکہ جس کسی نے جو کام اپنے ذمے لیا ہے بخوبی سر انجام ہوتا رہے ۔ اندریں صورت تدبیر منزل کے لئے بھی کچھ آلات کی ضرورت ہوگی ۔ اب بعض فنون کے آلات تو ذی روح ہوتے ہیں ، بعض کے غیر ذی روح ۔ مثال کے طور پر ناخدا کو لیجئے ۔ اس کے نزدیک پتوار اگر غیر ذی روح ہے تو ملاح ذی روح ۔ یہی وجہ ہے کہ بعض فنون میں ملازموں کی حیثیت بجی آلے کی ہو جاتی ہے ۔ پھر املاک بھی زندگی کا آلہ ہیں ۔ اس لئے جتنی کسی کے پاس زیادہ چیزیں ہونگی اتنے ہی اس کے پاس آلات بھی ہونگے اور اس میں توکلام ہی نہیں ہے کہ غلام بھی ایک ذی روح آلہ ہے(۱) ۔ البتہ جو کوئی اپنی ضروریات آپ

---

۱- ذی روح آلہ اس لئے کہ ناخدا پتوار سے کام نہیں لے سکتا جب تک پتوار کسی کے ہاتھ میں نہیں ۔ لہذا یہ شخص جس کے ہاتھ میں پتوار ہے ذی روح آلہ ہے ۔ پتوار اس کے مقابلے پر غیر ذی روح آلہ —— مترجم

پوری کر سکتا ہے وہ یقیناً ہر قسم کے آلات سے مستغنی ہوگا۔ اس لئے کہ اگر کوئی آلہ محض حکم پاکر مالک کے ارادے کو بھانپ لے اور خود بخود کام کرنے لگ جائے (جیسے دیدالسی مجسموں کی کہانی میں بیان کیا جاتا ہے، یا جیسے شاعر نے ولکن کی تپائیوں کے بارے میں کہا ہے ”آپ ہی آپ چل کر دیوتاؤں کی مجلس میں آ جاتیں،، (۲) تو نال خود بخود بننے اور بربط آپ سے آپ بجنے لگ جاتا۔ نہ معمار کو مزدوروں کی ضرورت ہوتی، نہ آقا کو غلاموں کی۔ اب یہ معلوم ہے کہ محاورہ عام میں ہم جن اشیاء کو آلات سے تعبیر کرتے ہیں کسی دوسری شے کی کارگذار ہوتی ہیں(۳)۔ برعکس اس کے جو اشیاء ہماری ملکیت ہیں(۴) استعمال ہی کی جاتی ہیں، ان کا کوئی دوسرا مصرف نہیں ہوتا

۱۲۵۴ الف

---

۲- Daedalus دیدالس وہ اساطیری ہستی ہے جس نے اہل یونان کے نزدیک فن تعمیر اور سنگ تراش کی ابتدا کی اور جس کے متعلق عجیب و غریب افسانے مشہور تھے۔ ملاحظہ ہو کوئی سی کلاسیکی قاموس۔ دیدالسی مجسموں کا اشارا ان رنگین چوبی مجسموں کی طرف ہے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ کھسکتے چلے آتے تھے۔ Vulcan (یا Vulcanis) یا ہفائسٹس Hephaestus یونانی اور رومی دیو مالا میں آگ کے دیوتا کا نام — مترجم

۳- کارگذار یعنی کسی دوسری شے کی تیاری کا ذریعہ - ارسطو یہاں اشیا کی پیدائش اور استعمال میں فرق کر رہا ہے - آلہ کارگذار ہے، لہذا جوں ہی وہ چیز جو اس کے ذریعے تیار کی جا رہی ہے تیار ہوئی اس کا استعمال ختم ہو گیا۔ لیکن استعمال کا مطلب ہے محض استعمال ' یعنی کسی شے کو کسی مصرف میں لانا — مترجم

۴- یعنی اشیائے مقبوضہ - اس ساری بحث میں ملک اور قبضے کو ہم معنی سمجھنا چاہئے - مترجم

مثلاً نال سے تو کپڑا ھی طیار کیا جاتا ھے ، لیکن کوٹ یا بستر استمال میں آتے ھیں ۔ پھر چونکہ کسی چیز کا تیار کرنا اور استعمال میں لانا دو مختلف باتیں ھیں ، لہٰذا دونوں صورتوں میں الگ الگ آلات کی ضرورت ھوگی اور یہ سب آلات بھی ایک سے نہیں ھونگے ۔ بعینہ زندگی کا معاملہ ھے کہ اسے بسر ھی کیا جاتا ھے ، کسی دوسری شے کے استعمال میں نہیں لایا جاتا کہ یہ اس کی کارگذار ٹھہرے ۔ لہٰذا غلام کی خدمات بھی استعمال ھی کے لئے ھیں(۵) اور کسی مقصد کے لئے نہیں ۔ پھر چونکہ ھر وہ شے جو ھماری ملکیت میں ھے کسی دوسری شے کا جز ٹھہریگی اور جزو ھمیشہ جزو رھے گا اور کچھ نہیں ھوگا ، اس لئے جو کچھ بھی ھماری ملک میں ھے اس کی حیثیت بھی جزو کی ھوگی (٦) ۔ لہٰذا آقا اپنے غلام کا آقا ھی رھے گا ، اس کا جزو نہیں بنے گا ۔ برعکس اس کے غلام آقا کا غلام ھے اور غلام کے سوا اور کچھ بھی نہیں(۷) ۔ اب آپ سمجھ گئے غلام کیا ھے اور اس کی صلاحیتیں کیا ۔ کیونکہ جس کسی کی ھستی قدرتی طور پر اپنی نہیں ، کسی دوسرے کی ھے اور وہ ھے بھی انسان تو لازماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ فطرت نے اسے غلام ھی پیدا کیا ھے ۔ لہٰذا ھر ایسے انسان کو جو کسی دوسرے ھی ملک میں ھے

---

۵- اس لئے کہ غلام آلہ پیدائش تو ھے نہیں ۔ وہ خادم ھے اور آپ اسے استعمال ھی کرتے ھیں — مترجم

٦- اور اس لئے ضروری ھے کہ کل سے وابستہ رھے — مترجم

۷- یعنی آقا کی تو اپنی ایک مستقل ھستی اور شخصیت (آقائیت کے علاوہ) ھے ، مگر غلام کی غلامی سے الگ نہ ھستی ھے ، نہ زندگی — مترجم

انسان ہوتے ہوئے بھی چیز بست ہی تصور کرنا پڑے گا (۸) ۔ مگر پھر چیز بست کی حیثیت آلہ ہی کی تو ہوتی ہے ۔ وہ استعمال ہی کی جاتی ہے ۔ اسے جسم کا حصہ تو نہیں کہا جائیگا (۹) ۔

---

۸- حتی کہ اسے رہن بھی کیا جا سکتا ہے ــ مترجم

۹- مالک کے جسم کا ۔ کیونکہ چیز بست یا املاک کی حیثیت جسم کی تو ہے نہیں کہ اسے مالک کے وجود سے الگ کرنا ناممکن ٹھہرے ــ مترجم

# پانچواں باب

رهی یه بحث که کچھ لوگ قدرتی طور پر غلام پیدا کئے جاتے هیں ، یا یه که کسی شخص کا غلام هونا یا نه هونا قرین انصاف اور مفید مطلب هے یا نہیں ، یا یه که غلامی کی جو بھی شکل هے فطرت کے خلاف هے آگے آئے گی - لیکن اس کی یه وجه هرگز نہیں که هم اس بحث کا عام اصولوں کی بنا پر کوئی فیصله نہیں کر سکتے، یا یه که حقائق کے پیش نظر اس کا سمجھنا مشکل هے (۱) - بات یه هے که بعض کا حاکم اور بعض کا محکوم هونا ضروری هی نہیں ، فائده مند بھی هے اور یہی وجه هے که بعض حکومت کے لئے پیدا هوتے هیں بعض اطاعت کے لئے - پھر حکومت اور محکومی کی بھی متعدد صورتیں هیں - اگر محکوم اچھے هیں تو حکومت بھی اچھی هوگی جیسے بہائم کے مقابلے میں انسانوں کی (۲) - کیونکه جتنا اچھا مساله کسی کام میں لگایا جائے گا اتنا هی اچھا وه کام بھی هوگا اور یه ماننا پڑتا هے که جہاں کہیں حاکم و محکوم کا وجود هے

---

۱- عام اصولوں کی بنا پر ، یعنی عقلی یا فلسفیانه اعتفار سے جو گویا ایک صورت هے کسی حقیقت تک پہنچنے کی - اس کی دوسری صورت هے اختباری ، یعنی واقعات کے پیش نظر اس کا ادراک - لیکن ارسطو نے غلامی کی بحث میں زیاده تر عقلی اور فلسفیانه منہاج یعنی منطقی زور استدلال هی سے کام لیا هے اور یہی اس کے دلائل کی سب هے بڑی خامی هے — مترجم

۲- یعنی وه حکومت جو بہائم کے مقابلے میں انسانوں پر قائم هوگی مطلب هے بہائم کے مقابلے میں انسانوں کے اندر نظم و ضبط قائم کرنا — مترجم

وہاں کسی نہ کسی کام کی تکمیل ہو رہی ہے (۳) ۔ علی ہذا یہ کہ جس چیز کے متعدد اجزا ہیں ، متصل ، یا منفصل وہ باہم مل کر ایک ہو جائیں تو ان میں وہی رشتہ قائم ہو جائے گا جو حاکم و محکوم میں پایا جاتا ہے ۔ یہ فطرت کا اصول ہے اور ہر کہیں کام کر رہا ہے ۔ ذی روح ہستیوں ہی میں نہیں ، بلکہ ہم یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ بعض غیر ذی روح چیزوں ، مثلاً موسیقی میں بھی ۔ مگر یہ وہ بحث ہے جس میں ہم اپنے موضوع سے بہت دور نکل جائیں گے (۴) ۔ بات یہ ہے کہ ہر زندہ شے روح اور جسم سے مرکب ہے جن میں ایک قدرتاً حکومت کرتی ہے دوسری اطاعت ۔ اندریں صورت اگر ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ فطرت (۵) کیا ہے تو ہمیں اس کی تلاش کسی ایسی چیز میں کرنا پڑے گی جس میں اس کا اظہار اپنی کامل ترین شکل میں ہو رہا ہے ۔ اس میں نہیں جو اس کو مسخ کر دے ۔ بالفاظ دیگر ہم اس کا مشاہدہ ایک ایسے انسان میں کریں

---

۳- کیونکہ حکومت کا ایک وظیفہ ہے اور ہر وظیفے کی کوئی نہ کوئی غرض و غایت ۔ لہذا حاکم و محکوم کسی کام کی تکمیل کر رہے ہیں ، یعنی اس مقصد کی جو ریاست کی تشکیل کا باعث ہوا ۔ مترجم

۴- ارسطو یہاں دو باتوں پر زور دے رہا ہے ۔ ایک تو اس پر کہ جہاں کہیں اجزا نے مل کر مرکب کی صورت اختیار کر لی ہے وہاں حکومت اور محکومی کا رنگ چھا گیا ہے ، گو اس کا انداز ہر صورت میں جداگانہ ہوگا ۔ دوسرے اس پر کہ یہ انداز چونکہ ہر صورت میں جداگانہ ہوگا لہذا حاکم و محکوم اجزا کی نوعیت بھی ایک دوسرے سے مختلف اور جداگانہ ہوگی — مترجم

۵- یعنی اس کی حالت کمال کیا ہے ۔ ملاحظہ ہو باب ۲ ”اپنے منتہائے کمال کو پہنچنا ہر شے کی فطرت میں داخل ہے“ ۔ — مترجم

گے جو روح اور جسم ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہو اور جس میں اس کی تمام و کمال جھلک نظر آ جائے۔ کیونکہ جو لوگ اخلاقاً پست اور رذائل میں مبتلا ہیں ان میں روح کی بجائے جسم حکومت کرتا ہے اور اس کی وجہ ہے ان کی فاسد اور خلاف فطرت زندگی۔ لہذا آقائی اور سیاسی حکومت کے اولین اصولوں کے لئے ہمیں زندوں ہی کا رخ کرنا پڑے گا، کیونکہ روح جسم پر ویسے ہی حکومت کرتی ہے جیسے آقا غلام پر اور پھر ذہن کا بھی یہی حال ہے کہ آقا، بلکہ بادشاہ کی طرح خواہشات پر اپنا حکم چلاتا ہے۔ لہذا یہ ایک طبعی امر ہے کہ جسم روح کا محکوم رہے اور اسی میں اس کا فائدہ بھی ہے۔ بعینہ جذبات کو بھی ذہن اور عقل کے تابع رہنا چاہئے۔ رہی یہ بات کہ جہاں کہیں حکمرانی کی قوت سرے سے مفقود ہے، یا اگر ہے تو ناقص اس میں سب کا نقصان ہے خواہ وہ انسان ہوں یا حیوان۔ یہی وجہ ہے کہ پالتو جانور قدرتاً بہائم سے بہتر ہوتے ہیں اور دونوں کا فائدہ بھی اس میں ہے کہ انسان کے زیر حکومت رہیں تاکہ ان سب کی حفاظت کا ایک ذریعہ نکل آئے(٦)۔ کچھ ایسا ہی معاملہ نر اور مادہ کا ہے(٧)۔ ایک اعلیٰ ہے

---

٦- ایلس (متن زیر ترجمہ) کی عبارت کچھ مغلق سی ہے۔ دوسرے متون سے مقابلہ کیا جائے تو ارسطو کا مطلب واضح ہو جاتا ہے۔ ارسطو کہنا چاہتا ہے کہ جسم کا روح اور خواہشات کا ذہن کے تابع رہنا جس طرح انسان کی اپنی ذات کے لئے مفید ہے ویسے ہی اپنے ابنائے جنس، یعنی دوسروں سے ربط و ضبط، یا بہ الفاظ دیگر حیات اجتماعیہ کے لئے بھی۔ مزید یہ کہ ہم اس اصول کا اطلاق ان روابط پر بھی کر سکتے ہیں جو اس کے اور حیوانوں کے درمیان قائم ہیں۔ حیوانوں کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ ارسطو کے نزدیک ان کی ساری خوبیاں (غلاموں کی طرح) جسم سے مخصوص ہیں — مترجم

٧- ملاحظہ ہو باب دوم، حاشیہ ٥ — مترجم

دوسرا ادنی ۔ ایک حکومت کرتا ہے دوسرا اطاعت اور یہ وہ بات ہے جو بنی نوع انسان پر ہر کہیں صادق آئے گی ۔ لہذا جو لوگ دوسروں کے مقابلے میں ایسے ہی پست ہیں جیسے روح کے مقابلے میں جسم ان سے غلاموں ہی کا سلوک کرنا چاہئے ۔ کیونکہ ان کا مناسب استعمال یہی ہے کہ ہم ان کے جسموں سے کام لیں اس لئے کہ ان میں جو بھی خوبی ہے جسم کی ہے جسے مان لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ فطرت نے انہیں غلام ہی پیدا کیا (۸) اور ان کا فائدہ بھی اسی میں ہے کہ کسی کے غلام بن کر رہیں ۔ لہذا وہ شخص فی الواقعہ غلام ہے جو اس لئے پیدا ہوا کہ چیزبست کی طرح کسی دوسرے کی ملک میں رہے اور ہے بھی ، جو اتنا تو سمجھتا ہے کہ عقل ایسی استعداد کوئی شے ہے لیکن خود اس کے استعمال کا اهل نہیں (۹) ۔ حیوانوں کا معاملہ البتہ کسی قدر مختلف ہے ۔ انہیں عقل سے بہرہ ہی نہیں ملا ۔ وہ صرف اپنی خواهشات کے اشارے پر چلتے ہیں ۔ اس لئے ان دونوں میں کچھ بہت زیادہ فرق نہیں(۱۰) ۔ چنانچہ غلاموں اور سدھائے ہوئے جانوروں سے ہمیں جو فائدہ

---

۸- گویا غلامی ایک حیاتی امر ہے اور اس لئے اصول حیاتیات کے ماتحت نوع انسانی کو دو طبقوں میں منقسم سمجھنا چاہئے - ایک آزاد لہذا حاکم' دوسرا غلام اس لئے محکوم اور مملوک - لیکن یہ سارا استدلال غلط ہے - تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ ــ مترجم

۹- بس اتنا ہی فرق ہے جو ایک غلام اور حیوان میں پایا جاتا ہے ۔ حیوانوں کو تو عقل و دانش سے بہرہ ہی نہیں ملا - غلاموں کو ملا ہے مگر وہ اس کے استعمال سے عاری ہیں ــ مترجم

۱۰- یعنی حیوانوں اور غلاموں میں - یہاں پہنچ کر غلامی کے جواز میں ارسطو کا سلسلہ استدلال ختم ہو جاتا ہےــمترجم

پہنچتا ہے ان کی جسمانی قوت ہی سے پہنچتا ہے جس سے ہم اپنی ضروریات کے مطابق کام لیتے ہیں اور جس کے پیش نظر فطرت کا منشا بھی یہی نظر آتا ہے کہ غلاموں اور آزادوں (۱۱) کے جسم ایک دوسرے سے مختلف رکھے ۔ غلام تنو مند ہوں تاکہ اپنا کام خوش اسلوبی سے سر انجام دے سکیں ، آقا قد و قامت میں سیدھے جس سے غلام تو اپنی ذمہ داریوں میں کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے لیکن جو حیات مدنی کے لئے جس میں کبھی صلح کے فرائض ادا کرنا پڑتے ہیں کبھی جنگ کے مفید ہے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان اصولوں پر ہمیشہ عمل نہیں ہوتا ، کیونکہ بعض صورتوں میں غلاموں کا جسم بھی آزادوں کا سا ہوتا ہے اور روح بھی (۱۲) ۔ لیکن اگر یہ

---

۱۱- آزاد یعنی حر ملاحظہ ہو فرہنگ مصطلحات ــ مترجم

۱۲- یہ سارا استدلال ناقص ہے اور ارسطو کو خود بھی احساس ہے کہ غلامی کو ایک حیاتی (لہذا طبعی) مظہر قرار دیتے ہوئے اس ۔ غلاموں اور آزادوں کے جسم کے بارے میں جو دعویٰ پیش کیا ہے (غلام تنومند ہوں ، آقا قد و قامت میں مستقیم) کچھ بہت زیادہ واضح نہیں - یوں بھی فطرت ہمیشہ اس پر عمل نہیں کرتی - ارسطو شاید یہ کہہ سکتا تھا ، یا کہنا چاہتا ہے کہ غلاموں کے جسم بھی اگرچہ کبھی کبھی آزادوں کے سے ہوتے ہیں لیکن آزادوں کی روح صرف آزادوں ہی کے حصے میں آتی ہے - غلاموں کو اس سے کوئی بہرہ نہیں ملتا - بہر حال غلامی یونانی معاشرے کا جزو لازم بن چکی تھی - پھر ارسطو بھی امارت کا حامی تھا ، طاقت کا پجاری اور نسلی اور قومی تفاخر سے سرشار - لہذا یہ کوئی عجیب بات نہیں اگر اس کی ناروا حمیت اور عصبیت نے اسے سوئے استدلال پر آمادہ کیا اور وہ فطرت کا صحیح مقصود و منتہا سمجھنے سے قاصر رہا - ارسطو سے پہلے بھی متعدد یونانی اس قسم کے خیالات کا اظہار کر چکے تھے - عصر حاضر میں بھی اہل مغرب کے یہاں نسلی اور قومی تفوق کے جو نظریے حیاتی اعتبار سے قائم ہوئے اس طرز خیال کی افسوسناک مثالیں ہیں ــ مترجم

مسلم ہے کہ بعض جسم دوسروں سے اتنے ہی اچھے ہوتے ہیں جتنے دیوتاؤں کے مجسمے انسانوں سے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کا غلام ہونا چاہئے ۔ پھر اگر ہمارا یہ قول جسم کے بارے میں صحیح ہے تو روح کے بارے میں صحیح تر ۔ یہ اور بات ہے کہ روح کے حسن کو دیکھنا ایسا آسان نہیں جیسے بدن کے حسن کو ۔ بہر حال کچھ لوگ چونکہ بالطبع (۱۳) غلام پیدا ہوتے ہیں اور کچھ آزاد اس لئے ظاہر ہے کہ جس کسی کو غلامی سے فائدہ پہنچ سکتا ہے اسے غلام بنا لینا ہی انسب ہے اور عدل و انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے ۔

۱۲۲۵ الف

---

۱۳۔ گویا مشرق و مغرب میں جہاں کہیں غلامی کے جواز اور عورتوں کی محکومی پر استدلال کیا گیا اس میں ارسطو کی منطق کو بھی بہت کافی دخل رہا ہے —مترجم

# چھٹا باب

مگر پھر جن لوگوں کی رائے اس سے مختلف ہے اس کا سمجھنا بھی تو مشکل نہیں ۔ اس کے اندر بھی کچھ نہ کچھ معقولیت پائی جاتی ہے ۔ کیونکہ غلامی کی دو ہی صورتیں ہیں (۱) ۔ ایک تو یہ کہ ہم کسی شخص کو قانوناً غلام بنالیں ۔ ظاہر ہے ایسا قانون ایک طرح کا معاہدہ ہوگا جس کی رو سے ہر وہ چیز جو لڑائی میں ہاتھ آئے فاتحین کی ملکیت تصور ہوگی (۲) ۔ گو بعض قانون دان اس مزعومہ حق پر اعتراض کرتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں یہ بڑی سنگدلی کی بات ہے کہ کسی شخص کو جبراً دوسرے کا محکوم بنا لیا جائے ۔ محض اس لئے کہ وہ اس پر جبر کر سکتا ہے اور طاقت میں بھی زیادہ ہے ۔ لہذا یہ مسئلہ داناؤں میں بھی مختلف فیہ ہے ۔ بعض کی رائے کچھ ہے اور بعض کی کچھ ، مگر ہم سمجھتے ہیں اس بارے میں جو تذبذب یا اختلاف ہے وہ اس لئے کہ جب کبھی بڑی بڑی صلاحیتیں اور خاطر خواہ وسائل (۳) باہم جمع ہو جائیں اور انسان اپنی طاقت سے کام

---

۱- ایک وہ جو گویا غلامی کی حقیقی اور طبعی شکل ہے ۔ اس سے پچھلے صفحات میں بحث ہو چکی ۔ دوسری پر اب گفتگو ہوگی — مترجم

۲- جیسا کہ ارسطو کے زمانے میں عام قاعدہ تھا — مترجم

۳- وسائل یعنی مناسب ساز و سامان اور ساز و سامان کا مطلب ہے ارسطو کی لغت میں ذاتی اوصاف ۔ قابلیتیں اور صلاحتیں ، علی ہذا مادی وسائل تفصیل فصل ہفتم ، باب اول میں ملے گی — مترجم

لے تو اسے اکثر کامیابی ہوتی ہے ، اس لئے کہ فتح اور کامرانی کے لئے جس برتری کی ضرورت ہے اس میں مساعدت حالات کو بھی بڑا دخل ہے اور جس سے بظاہر یہ مترشح ہوتا ہے کہ طاقت کو اس وقت تک غلبہ نہیں ہوتا جب تک بڑی بڑی صلاحیتیں اس کا ساتھ نہ دیں (۴) ۔ بایں ہمہ یہ سوال کہ طاقت کا استعمال قرین عدالت ہے یا نہیں ابھی تک محل نزاع ہے (۵) ۔ کیونکہ بعض لوگ تو عدل و انصاف کو خیر خواہی پر محمول کرتے ہیں ، بعض اس پر کہ حکومت کا حق صرف انہیں کو پہنچتا ہے جو طاقت اور قوت میں برتر ہیں (۶) ۔ لیکن ان مختلف اور متضاد آرا میں ہمیں

---

۴- مسئلہ یہ ہے کہ آیا فتح و کامرانی خیر کی دلیل ہے ، یا یہ کہ خیر کو ہمیشہ فتح و کامرانی حاصل ہوتی ہے - پہلی صورت میں (جیسا کہ عام خیال ہے) فاتحین کو از روئے اخلاق حق پہنچتا ہے کہ مفتوحین کو غلام بنا لیں - لیکن دوسری صورت میں اس قسم کا قدم اٹھانے سے پہلے یہ ثابت کرنا ضروری ہوگا کہ فتح و کامرانی فی الواقعہ خیر کو حاصل ہوئی ـــ مترجم

۵- کیونکہ یہ مسئلہ عدالت کا ہے - سوال یہ ہے کہ عدل و انصاف کا رشتہ خیر سے جوڑنا چاہئے یا طاقت سےـــمترجم

۶- اس دلیل کی بنا پر کہ طاقت اور قوت کی برتری عدل و انصاف کی برتری ہے - لہذا طاقت کا غلبہ عدل و انصاف کا غلبہ ہے لیکن ارسطو کی اپنی رائے اس کے مقابلے میں یہ ہے کہ اصل برتری خیر کی ہے جو اگر کسی میں موجود ہے اور اس کی بنا پر فتحمندی حاصل کرتا ہے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ مفتوحین کو اپنا غلام بنا لے - در اصل ارسطو کی منطق نے خود اسے ایک ایسی مشکل میں الجھا دیا ہے جس کا اس کے پاس کوئی حل نہیں - منطق یہ ہے کہ برتری حاصل ہے تو خیر کو - خیر کیا ہے ؟ عدالت - لہذا خیر کو غلبہ ہو تو غالب کو حق پہنچتا ہے کہ مغلوب کو غلام تصور کرے - مگر وہ بھولتا ہے کہ اس طرح جو دستور قائم ہوگا وہ ٹھیک بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی - نہ ہمیشہ ٹھیک ، نہ ہمیشہ غلط - لہذا عدالت کا مسئلہ ویسے کا ویسا ہی لاینحل رہا ـــ مترجم

پھر کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جس سے قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ آقائی اور حکرانی کا حق صرف ان لوگوں تک محدود رہنا چاہئے جن میں بڑی بڑی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں ۔ بعینہ کچھ لوگ صرف اس حق کا سہارا لیتے ہوئے جس کا تعلق قانون سے ہے (کیونکہ جس بات کو ازروئے قانون درست سمجھا جاتا ہے اسے عدل و انصاف کی رو سے بھی ایک حد تک درست ہی سمجھا جائے گا) اس امر پر زور دیتے ہیں کہ غلامی کی وہ شکل تو قرین عدالت ہے جو نتیجہ ہے جنگ کا ، گو سرا سر قرین عدالت نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے وہ اصول ہی قرین عدالت نہ ہو جس کی بنا پر جنگ کی گئی ۔ یوں بھی اگر کسی شخص کو بے جا طور پر غلام بنا لیا جائے تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس کو سچ مچ غلامی کے قابل سمجھنا چاہئے ۔ اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ شریف خاندانوں کے افراد اگر جنگ میں قید ہو کر بک جائیں تو غلام یا غلاموں کی اولاد بن سکتے ہیں ۔ للہذا اس مشکل کا حل ان کے نزدیک یہ ہے کہ ان کو غلام نہ کہا جائے (۷) ۔ غلام کہا جائے تو صرف غیر متمدن افراد کو ۔ لیکن جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس مسئلے کو پھر سے چھیڑ رہے ہیں جس سے اوپر بحث کر رہے تھے اور وہ یہ کہ فطرت نے غلام

---

۷- ارسطو کے پیش نظر شاید لائی کرگس Lycurgus (مشہور اثینوی خطیب افلاطون کا پیرو ، بڑا نیک نام شہری اور مدبر - سال وفات ۳۲۳ ق-م) کا وہ قانون ہے جو اس نے ۳۳۹ ق-م میں اثینیہ میں نافذ کیا اور جس کی رو سے اہل اثینیہ کو ممانعت کر دی گئی تھی کہ کسی آزاد شہری کو جو کسی دوسرے کی اسیری میں ہے (بوجہ جنگ) غلام سمجھ کر خریدنے کی کوشش نہ کریں — مترجم

پیدا کیا تو کس کو(۸) ۔ کیونکہ اتنا بہر حال ماننا پڑتا ہے کہ بعض لوگ کہیں بھی ہوں ہمیشہ غلام رہیں گے ، لیکن بعض کسی حالت میں بھی غلام نہیں ہوں گے ۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حسب و نسب میں شریف ہیں ان کی اپنے وطن میں بھی عزت ہوتی ہے اور جہاں کہیں جاتے ہیں وہاں بھی عزت ہی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں ۔ برعکس اس کے غیر متمدن قوموں کی صرف ان کے وطن میں عزت ہوتی ہے جیسے گویا شرافت اور حریت ذات کی بھی دو قسمیں ہیں ، ایک عالمگیر دوسری غیر عالمگیر اور جس کے پیش نظر تھیوڈیکٹس کی تمثیل میں ہیلن نے کہا ہے :

"کون ہے جو مجھے غلامی کا طعنہ دے جب کہ
غیر فانی دیوتاؤں تک میرا سلسلہ نسب دونوں طرف
سے پہنچتا ہے (۹)" ۔

---

۸- یعنی اس بحث کو جو پچھلے باب میں ختم ہو چکی اور جس میں ارسطو نے غلامی کو ایک فطری اور طبعی امر ٹھہرایا تھا ۔ اس لئے کہ حاکم و محکوم کی موجودگی ہر کہیں ضروری ہے بہ سبب اس کے کہ کچھ محکوم پیدا ہوتے ہیں کچھ آزاد ۔ لیکن اب ایک اور مسئلہ رونما ہوتا ہے اور وہ یہ کہ غلامی کی ایک شکل تو فطری اور طبعی ہے ۔ دوسری اتفاقی ۔ ایسے ہی اشراف تو وہ ہیں جو احرار کی اولاد ہوں لیکن ہو سکتا ہے ایک شخص حر تو ہے مگر شریف نہیں بعینہ جیسے اشراف کی اولاد کو حالت اسیری میں غلام بنا لیا جائے تو وہ غلام تو ہوگی ، لیکن اسے غلام نہیں کہا جائیگا جیسے ضروری نہیں کہ حر اگر طبعی شرف سے عاری ہے تو ہمیشہ حر ہی کہلائے ۔ لہذا اشراف وہ ہیں جن میں فی الواقعہ شرافت اور نجابت پائی جاتی ہے اور اس لئے ان کا شمار ہمیشہ احرار میں ہوگا — مترجم

۹- Theodectus شاعر کا نام ہے ۔ ارسطو کا شاگرد جس نے اس کی خدمت میں اپنی کتاب "خطابت" پیش کی — مترجم

لیکن جو لوگ اس قسم کے احساسات کا اظہار کرتے ہیں وہ در اصل اس بات پر زور دیتے ہیں کہ آزاد اور غلام ، شریف اور وضیع میں کوئی فرق ہے تو صرف اس کے فضائل اور رذائل کا - کیونکہ وہ سمجھتے ہیں جس طرح انسان سے انسان پیدا ہوتا ہے اور درندے سے درندے ایسے ہی اچھوں کی اولاد بھی اچھی ہوگی جیسا کہ فطرت کا منشا بھی ہے ، گو ایسا ہونا ضروری نہیں کہ یہ منشا ہمیشہ پورا ہوتا رہے (۱۰) - بہر حال اس شبہے میں کچھ نہ کچھ معقولیت ضرور ہے کہ یہ فطرت نہیں جس نے ایک کو غلام اور دوسرے کو آزاد پیدا کیا - مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض صورتوں میں کسی کا غلام اور کسی کا آقا ہونا فریقین کے لئے یکساں طور پر مفید رہتا ہے - یوں بھی فطرت کا تقاضا ہے کہ بعض حکومت کریں اور بعض اطاعت (۱۱) ، یعنی ان پر حکومت کی جائے - مگر پھر فطرت کا انداز حکومت بھی تو وہی ہے جو غلام پر آقا کا - البتہ حکومت کا غلط یا ناقص ہونا دونوں کے لئے مضر ہے کیونکہ جزو ہو یا کل ، جسم ہو یا روح سب کا نفع ایک ہی بات میں ہے (۱۲) - اب غلام کا وجود اگرچہ آقا سے الگ تھلگ

---

۱۰- لہذا ارسطو کے نزدیک ایسا ہونا محض ایک استثنا ہے جس سے قانون فطرت میں جیسا کہ ارسطو نے اس کی تعبیر کی ہے کوئی فرق نہیں آتا - حالانکہ یہ استثنا نہیں ، بلکہ ارسطو کا سوئے فہم - مگر اس قسم کے خیالات ہمیشہ عام رہے اور آج بھی کسی نہ کسی رنگ میں عام ہیں — مترجم

۱۱- یہ فطرت سے بار بار استشہاد ارسطو کے ضعف یقین کی دلیل ہے - وہ حقائق کے مطالعے میں بھی حقائق سے آنکھیں بند کر لیتا اور فطرت کے مزعومہ تصور میں پناہ لیتا ہے — مترجم

۱۲- اور اس لئے آقا اور غلام کا بھی — مترجم

ہوتا ہے (۱۳) بایں ہمہ وہ اس کا جزو ہی تو ہے اگرچہ بظاہر غیر ذی روح جزو۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ آقا اور غلام میں باہم دگر افادے اور دوستی کا رشتہ قائم ہو جائے، یا فطرت خود ان کے درمیان یہ رشتہ قائم کردے۔ برعکس اس کے جن لوگوں کو قانوناً، یا فتح و کامرانی کی بنا پر غلام بنا لیا جاتا ہے ان میں یہ رشتہ قائم نہیں ہو سکتا (۱۴)۔

---

۱۳۔ کیونکہ اس کی حیثیت محض ایک ذی روح آلے، بلکہ چیزبست کی ہے۔ ملاحظہ ہو باب ۴، ح ۹ــ مترجم

۱۴۔ لیکن اس رشتے کا تقاضا ہوگا کہ غلام کو بھی کچھ حقوق حاصل ہوں۔ ورنہ افادے اور دوستی کا رشتہ بے معنی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اخلاقیات فصل ۸، باب ۹ میں ارسطو نے تسلیم کیا ہے کہ غلاموں سے بحیثیت غلام تو دوستی ممکن نہیں، البتہ انسان کی حیثیت سے ممکن ہے۔ کیونکہ جو لوگ کسی قانون کی پابندی، یا کسی معاہدے میں شرکت اختیار کر لیتے ہیں ان میں عدل و انصاف کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ بحیثیت انسان غلاموں سے بھی دوستی کا رشتہ قائم ہو جائے۔ لیکن اگر غلام کسی نظام قانون میں شریک کر لئے گئے تو ان کے کچھ حقوق تسلیم کرنا پڑیں گے۔ (بغیر اس کے شرکت کا تصور بے معنی ہو جائے گا) اندریں صورت ان کی حیثیت محض چیزبست یا ذی روح آلے کی نہیں رہے گی۔

بات اصل میں یہ ہے کہ اثینیہ کی طرح یونان کے بعض دوسرے شہروں میں بھی غلاموں کی حالت نسبتاً کہیں بہتر تھی۔ ہمیں معلوم ہے متمدن دنیا میں غلامی کے جواز کے باوجود کس طرح رفتہ رفتہ وہ قوانین اور اخلاقی ضوابط تیار ہوئے جن سے مقصود یہ تھا کہ غلامی کی شدت کم ہوتی جائے، اس کے کچھ حدود ہوں، بلکہ غلام بھی انسانوں کے سے حقوق حاصل کریں، حتیٰ کہ وہ آزاد ہو جائیں۔ گویا غلامی ایک غیر طبعی نشو نما تھا جس کا آپ ہی آپ خاتمہ ہو گیا ــ مترجم

# ساتواں باب

اوپر کے بیان سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ آقائی اور سیاسی حکومتوں کو یکساں تصور کرنا غلط ہے ۔ یہ سب حکومتیں جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے ایک سی نہیں ہوتیں (۱) ۔ کوئی حکومت تو غلاموں کے لئے سوزوں ہوتی ہے کوئی آزادوں کے لئے ۔ پھر عائلی حکومت ہے ، یعنی گھر بار کا انتظام تو جیسا کہ ہر کہیں دیکھنے میں آتا ہے اسے بادشاہت ہی سے تعبیر کرنا پڑے گا (۲) ۔ بر عکس اس کے سیاسی اجتماع وہ ہے جس میں آزاد اور برابر کے لوگوں پر حکومت کی جاتی ہے ۔ اب آقا کو آقا کہا جاتا ہے تو اس لئے نہیں کہ اسے غلاموں سے کام لینا آتا ہے ، یعنی وہ جانتا ہے کہ ان سے کام لینے کا طریقہ کیا ہے، بلکہ اس لئے کہ وہ سچ مچ آقا ہوتا ہے (۳) ۔ جب ہی تو غلام کا نام غلام ہوا اور

---

۱- جیسا کہ باب اول میں وضاحت کر دی گئی تھی — مترجم

۲- اس لئے نہیں کہ آقا غلاموں پر بادشاہ کی طرح حکومت کرتا ہے ، بلکہ اس لئے کہ خاوند کو بیوی اور باپ کو بچوں پر بادشاہ ہی کا سا اقتدار حاصل ہوتا ہے ۔ لہذا جہاں کہیں گھر یا کنبہ موجود ہے وہاں تدبیر منزل کی یہی صورت ہوگی ۔

ضمناً یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ارسطو کے نزدیک بادشاہت کا ارتقا عائلی حکومت سے ہوا ۔ عائلے کا صحیح ارتقا یہ ہے کہ اس سے گاؤں اور گاؤں سے شہر کا وجود متشکل ہو — مترجم

۳- اپنے جبلی تفوق کی بنا پر جیسا کہ پچھلے ابواب میں بار بار بیان ہو چکا ہے — مترجم

آزاد کا آزاد ۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ھے کہ ایک علم تو وہ ھے جو آقا کے لئے موزوں ھوگا ، دوسرا وہ جو غلام کے لئے اور جس کی نوعیت کچھ ویسی ھی ھوگی جیسی اس علم کی جس کی ایک غلام سراقوسہ (۴) میں تعلیم دیا کرتا تھا ۔ وہ ایک مقررہ رقم کے عوض لوگوں کو بتایا کرتا تھا کہ گھریلو غلاموں کے فرائض کیا ھیں اور اس کے لئے انہیں کیا کچھ سیکھنا چاھئے ، مثلاً طباخی کا فن (۵) اور ایسی ھی متعدد خدمات جن میں سے بعض تو کسی کے ذمے کر دی جاتی ھیں ۔ بعض کسی کے اور جن میں پھر کچھ تو وہ ھیں جن کو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ھے ، کچھ لابدی ۔ جب ھی تو یہ ضرب‌المثل عام ھوئی کہ آقا کو آقا اور غلام کو غلام پر ترجیح حاصل ھے ۔ بہر حال بعض چیزوں کا تعلق غلاموں ھی کے علم سے ھے ۔ آقا کے علم کی شان البتہ یہ ھے کہ غلاموں سے ٹھیک ٹھیک کام لے سکے ، کیونکہ آقائی کا مطلب ھے غلاموں سے کام لینا نہ کہ صرف ان کی ملکیت ۔ مگر پھر اس کے باوجود اس علم میں کوئی وجہ فضیلت نہیں ۔ غلام کو اگر یہ جاننے کی ضرورت ھے کہ کام کیسے کرے تو آقا کو یہ کہ کام کیسے لے ۔ لہذا جو لوگ اس قسم کے دھندوں سے بچنا چاھتے ھیں کسی منتظم کی خدمات حاصل کر لیتے ھیں اور خود امور سیاست یا فلسفہ میں مشغول ھو جاتے ھیں ۔ رھا وہ علم جس کا تعلق اس بات سے ھے کہ کنبے کے لئے غلاموں کے حصول کا ذریعہ کیا ھوگا سو یہ آقا اور غلام دونوں کے علم سے مختلف ھے ۔

---

۴- Syracuse جزیرہ نمائے صقلیہ کا قدیم اور مشہور شہر — مترجم

۵- اور جس میں صقلیہ کو خاص شہرت حاصل تھی — مترجم

کیونکہ اس کی جائز شکل صرف ایک ھے یعنی جنگ یا شکار (٦) ۔ سر دست یہی کچھ ھے جو آقا اور غلام کے باھمی فرق کے متعلق ھم کہیں گے ۔

---

٦- ارسطو یہاں غلاموں کی تجارت (بیع و شرا) کا جواز پیدا کر رھا ھے ۔ یہ ''غلام'' یا تو لڑائیوں میں قیدی بن کر تاجروں کے ھاتھ آتے' یا غلاموں کی ضرورت مجبور کرتی کہ غیر متعدن اقوام پر تاخت و تاراج کرتے ھوئے جو لوگ گرفتار ھو جائیں ان کو غلاموں کے طور پر بیچ جائے — مترجم

# آٹھواں باب

غلامی چونکہ ملکیت ھی کی ایک نوع ھے اس لئے آئیے ۱۲۵۶ الف ہم اپنے تجویز کردہ قاعدے (۱) کے ماتحت اب یہ دیکھیں کہ املاک کی عام ماہیت کیا ھے اور کسب زر (۲) کی کیا۔ لیکن

---

۱- یعنی منہاج تحلیلی کے ماتحت—مترجم

۲- کسب زر' بلکہ محض کسب یا کسب و اکتساب۔ مطلب ھے کمائی، یعنی حصول معاش' یا حصول رزق جس کے پیش نظر ضروری ھے کہ انسان کے ھاتھ میں کچھ زر، یا نقدی (روپیہ پیسہ) موجود ھو۔ گویا زر کا لفظ یہاں ان معنوں میں استعمال نہیں ھوا جن معنوں میں آج کل اصطلاحاً استعمال کیا جاتا ھے، گو یہ ساری بحث اصولی اور معاش ھے۔ زر چونکہ مبادلے کا ایک واسطہ ھے' لہذا اس پر گفتگو ضروری ھوگئی لیکن فنی اعتبار سے نہیں' بلکہ تدبیر منزل کے حوالے سے۔ یہ گفتگو گیارھویں باب میں ختم ھو جاتی ھے جس میں تدبیر منزل کے ساتھ ساتھ ارسطو نے ریاست کو بھی نظر انداز نہیں کیا اور اس لئے کہا جا سکتا ھے ان ابواب میں ارسطو گویا معاشیات کے ابتدائی عناصر سے بحث کر رھا ھے۔ البتہ جہاں تک کسب زر یا عام لفظوں میں کسب دولت، یا حصول املاک، یا محض کسب و اکتساب کا تعلق ھے اور جس سے اول کچھ نقدی، یا روپیہ، یا زر ھاتھ لگتا ھے اور پھر کہیں اس کے ذریعے ہم اپنی ضروریات پوری کرتے ھیں ارسطو نے اس لفظ (زر) کو (۱) ایک تو محض مال و دولت کے لئے استعمال کیا ھے' خواہ اس کی کوئی بھی شکل ہو' اچھی یا بری (۲) یا زیادہ تر حصول دولت کی اس شکل کے لئے جو سر تا سر مذموم اور حرص و ھوا اور خود غرضی پر مبنی ھے (۳)۔ یا پھر لیکن شاذ ھی اس شکل کے لئے جسے فطری اور طبعی کہا جائے گا اور جو اس لئے تدبیر منزل اور تدبیر ریاست دونوں کے لئے ناگزیر ھے — مترجم

بہت ممکن ہے یہاں ابتدا ہی میں یہ سوال اٹھایا جائے کہ حصول زر اور تدبیر منزل کیا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں ، یا یہ کہ اول الذکر کو موخرالذکر کا جزو اور جزو نہیں تو اس کا تابع ٹھہرانا چاہئے(۳) ؟ کیا ان میں باہم وہی رشتہ کام کر رہا ہے جو نال سازی کو فن پارچہ بافی ، یا پیتل سازی کو مجسمہ گری سے ہے ؟ کیونکہ ان سب کا فعل یکساں نہیں ۔ ایک اوزار مہیا کرتا ہے دوسرا سامان اور سامان سے ہمارا مطلب ہے وہ مسالہ جس سے کوئی چیز تیار کی جائے ۔ مثلاً کپڑے کے لئے اون اور مجسموں کے لئے پیتل ۔ بالفاظ دیگر حصول زر اور تدبیر منزل کو ایک سمجھنا غلطی ہے ، کیونکہ ایک کا تعلق وسائل سے ہے دوسرے کا استعمال سے ، لہٰذا کسب و اکتساب کا تعلق تدبیر منزل ہی سے ہوگا (۴) اندریں صورت بحث یہ ہے کہ کسب زر کو تدبیر منزل کا جزو ٹھہرایا جائے یا بجائے خود ایک مستقل فن ؟ اس لئے کہ مال و دولت کے ذرائع حصول پر غور کرنا اگر اس شخص کا کام ہے جو کسب زر کا خواہشمند ہے اور کسب زر کے ایک نہیں متعدد سر چشمے ہیں تو یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ زراعت کا فن حصول زر میں شامل ہے یا نہیں ؟ کیا کسب و اکتساب کی

---

۳۔ یعنی مساعد اور جس کی طرف اس سے پہلے تیسرے باب میں اشارا کر دیا گیا ہے — مترجم

۴۔ کسب و اکتساب سے مطلب ہے وہ معاشی سرگرمی جو بقائے ذات کے لئے ناگزیر ہے اور جس کا تعلق ہے حصول معاش ، یا حصول رزق سے اور بس ۔ البتہ اس اصطلاح کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ اور اوپر حاشیہ — مترجم

ہر شکل کے بارےمیں جس کا تعلق حصول رزق سے ہے ہم یہی رائے قائم کریں(۵) ؟ یہ اس لئے کہ حصول رزق کی کئی صورتیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انسانوں اور حیوانوں کا طریق زندگی ایک سا نہیں ۔ اب خوراک کے بغیر تو کسی کا زندہ رہنا ہی سمجھ میں نہیں آتا ۔ لہٰذا یہ خوراک ہی کا اختلاف ہے جس نے انسانوں اور حیوآنوں کی زندگی میں تو بالخصوص بہت بڑا اختلاف پیدا کر رکھا ہے ۔ بعض حیوان گلوں میں زندگی بسر کرتے ہیں ، بعض الگ تھلگ ، یعنی جیسے جیسے ان کو حصول خوراک میں آسانی ہو ۔ بعض گوشت خور ہیں ، بعض پھلوں پر گذر کرتے ہیں ، بعض جو کچھ بھی مل جائے اس پر (٦) ۔ فطرت نے ان کا طریق زندگی بہر حال اس خوبی سے واضح کر دیا ہے کہ وہ اس سے بآسانی رزق حاصل کر لیتے ہیں ۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان سب کی پسند ایک سی نہیں ۔ کسی کو کچھ مرغوب ہے ، کسی کو کچھ ۔ للہذا جو حیوان گوشت کھاتے ہیں ان کی زندگی ان حیوانوں سے مختلف ہوتی ہے جو پھلوں پر گذر کرتے ہیں ۔ یہی حال انسانوں کا ہے ۔ ان کے طریق زندگی بھی الگ الگ ہیں ۔ مثلاً چرواہوں کا جو سب سے زیادہ بے کاری کی زندگی بسر کرتے ہیں ۔ کیونکہ ان کی گذر اوقات پالتو جانوروں کے گوشت پر ہے جس کے لئے انہیں کوئی خاص محنت تو کرنا پڑتی نہیں ، الایہ کہ گلوں کے ساتھ ساتھ

---

۵- تاکہ معاش جد و جہد کی اس شکل میں جو فطری اور طبعی ہے اور اس میں جو غیر فطری اور غیر طبعی ہے امتیاز کیا جا سکے — مترجم

٦- مطلب یہ ہے کہ گوشت خور جانور الگ الگ زندگی بسر کرتے ہیں ، سبزی خور باھم ملکر — مترجم

اپنی بود و باش تبدیل کرتے رہیں ۔ وہ مجبور ہیں کہ جہاں کہیں وہ جائیں ، وہ بھی جائیں ۔ وہ گویا ایک زندہ اور متحرک کھیت کی کاشت کرتے رہتے ہیں ۔ بعض لوگ شکار پر گذر کرتے ہیں ۔ کوئی کسی جانور کی تاک میں لگا رہتا ہے کوئی کسی کی ۔ بعض اپنے ہم جنسوں ہی کو لوٹ لیتے ہیں (۷) ۔ لیکن جو لوگ جھیلوں ، دلدلوں یا دریاؤں اور سمندر کے قریب رہتے ہیں مچھلیوں سے پیٹ پالتے ہیں ۔ کچھ پرندوں یا وحشی جانوروں کا شکار کر لیتے ہیں ۔ مگر نوع انسانی کا زیادہ حصہ زمین ہی کی پیداوار اور اس کی کاشت کئے ہوئے پھلوں پر زندگی بسر کرتا ہے ۔ لہٰذا جو لوگ فطرت کے اشارے پر چلتے اور حصول رزق کے لئے خود جد و جہد کرتے ہیں ان سب کا طریق زندگی قریباً قریباً ایک سا ہوتا ہے انہیں یہ خیال ہی نہیں آتا کہ اپنی ضروریات مبادلے یا تجارت کے ذریعے بہم پہنچائیں ۔ مثلاً چرواہوں یا کسانوں ، رہزنوں ، ماہی‌گیروں یا شکاریوں کو۔ بعض لوگ متعدد پیشے باہم ملا لیتے اور یوں اس کمی کو پورا کرتے ہوئے جس نے ہمیں ایک دوسرے کا محتاج کر رکھا ہے بڑے امن و چین سے گذر اوقات کرتے اور اپنے معاش کے لئے اپنی ہی ذات پر انحصار رکھتے ہیں ۔ ان میں ایک ہی شخص بیک وقت چرواہا بھی ہوتا ہے ، رہزن یا کسان

۱۲۵۶ ب

---

۷- قزاقی اور رہزنی کی طرف اشارا ہے ۔ عجیب بات ہے کہ ارسطو نے اس کا شمار بھی پیشوں میں کیا ہے۔گویا قزاقی اور رہزنی بھی محنت کی ایک شکل ہے جیسے گلہ بانی یا شکار ۔ بات یہ ہے کہ ارسطو کے زمانے میں بلکہ دولت روما اور آگے چل کر ازمنہ متوسطہ میں بھی قزاقی اور رہزنی کو معیشت کی ایک جائز شکل تصور کیا جاتا تھا — مترجم

اور شکاری بھی - یہی حال دوسروں کا ہے - وہ بھی ویسا ہی طریق زندگی اختیار کر لیتے ہیں جیسے ضرورت کا تقاضا ہو - حاصل کلام یہ کہ فطرت نے ہر جاندار کے لئے خود ہی اس کے رزق کا انتظام کر رکھا ہے - اس وقت بھی جب پیدا ہوتا ہے اور اس وقت تک بھی جب وہ بلوغ حاصل کر لے - بعض کے لئے تو دور ما قبل یعنی زمانہ ولادت تک رحم مادر ہی میں مناسب تغذیے کا التزام رکھا گیا ہے، تاآنکہ وہ پیدا ہوکر اپنی غذا آپ حاصل کرنے لگے - مثلاً کیڑوں مکوڑوں اور پرندوں کے لئے (۸) - البتہ جن حیوانوں کے بچے زندہ پیدا ہوتے ہیں وہ ان کی غذا کچھ وقت کے لئے اپنے اندر ہی موجود رکھتے ہیں ہمارا مطلب ہے دودھ سے - اب ان باتوں سے کوئی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے تو یہی کہ پودے حیوانوں کے لئے پیدا کئے گئے، حیوان انسانوں کے لئے - پالتو جانور اس لئے کہ استعمال یا دوسری ضروریات کے کام آ سکیں - وحوش یا کم از کم ان کا زائد حصہ اس لئے کہ ان سے کوئی نہ کوئی دوسری غرض پوری ہوتی رہے، مثلاً لباس کی یا ویسی ہی کوئی دوسری ضرورت - پھر چونکہ فطرت نے کسی شے کو ناقص یا عبث (۹) پیدا نہیں کیا، اس لئے یہ ماننا بھی لازم آئے گا کہ اس نے جو کچھ پیدا کیا انسان ہی کے لئے کیا - یہی وجہ ہے کہ مال غنیمت کو بھی ایک حد تک کسب کی طبعی شکل ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ شکار بھی جس کے بغیر نا ممکن تھا ہم درندوں پر قابو پا سکتے اسی کا ایک

---

۸- کیڑے مکوڑے اور پرندوں کے انڈے مراد ہیں - ایلس کی یہ عبارت قدرے مغلق ہے — مترجم

۹- اور اس لئے ارسطو کے نزدیک غائیت کی دلیل — مترجم

ذریعہ ہے (۱۰) ۔ لہذا جو لوگ قدرتاً اس لئے بنے ہیں کہ غلامی کی زندگی بسر کریں ۔ لیکن اس پر راضی نہیں ہوے ان کے خلاف جنگ کرنا ایک طبعی امر ہے ، بلکہ سر تا سر جائز بھی (۱۱) اور جس سے کوئی نتیجہ مترتیب ہوتا ہے تو یہ کہ حصول زر کی وہی نوع تدبیر منزل کا جزو ٹھہریگی جو فطرت کے مطابق ہے (۱۲) اور اس لئے ضروری ہے وہ سب اشیا جن کو لازمہ حیات تصور کیا جاتا ہے ہر کسی کے پاس موجود رہیں ، یا اگر موجود نہیں رہ سکتیں تو کم سے کم اتنا تو ہو کہ ان کے حصول میں کوئی دشواری پیش نہ آئے ۔ کیونکہ یہ اشیا جس طرح گھر بار کے لئے مفید ہیں ویسے ہی ریاست کے لئے بھی (۱۳) ۔ حقیقی

---

۱۰۔ مال غنیمت شکار ہی کی ایک شکل ہے اور شکار معیشت کا ایک ذریعہ ۔ لہذا یہ کوئی فطری کسب نہیں اور ارسطو کو اس کا اقرار بھی ہے ۔ ملاحظہ ہو باب ۶ ، علی ھذا ح - ۲۷ یہ محض رواج کی ایک بات تھی، جس پر قانون کو اعتراض ہو سکتا تھا اور ہے ۔ یوں بھی غلامی کی حمایت اور مسلسل جنگ و جدال کے ذریعے مال و دولت کے حصول کو ایک اخلاقی اور معاشی اصول کے طور پر پیش کرنا بڑی نا روا سی بات ہے ــــ مترجم

۱۱۔ غیر متمدن اقوام کے خلاف تاکہ انہیں غلامی کی زندگی پر مجبور کیا جائے ۔ ملاحظہ ہو ح - ۱۰ - ارسطو اس سے پہلے بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار کر آیا ہے ۔ باب ۲ ، ح ۹ ــــ مترجم

۱۲۔ اس لئے کہ حصول زر بجائے خود کوئی مقصد نہیں، بلکہ ایک مقصد کا ذریعہ ۔ تفصیل اگلے باب میں آئے گی جس میں ارسطو نے مسکوکات کی ابتدا اور غرض و غایت کا ذکر بھی کیا ہے ــــ مترجم

۱۳۔ گویا کسب زر کی بحث اگرچہ تدبیر منزل کے سلسلے میں چھیڑی گئی تھی ، لیکن یہاں پہنچ کر ارسطو نے اس کا رخ ریاست کی طرف موڑ دیا ۔ کسب زر یا معیشت کے انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلو ارسطو کے سامنے ہیں ــــ مترجم

مال و دولت بھی انہیں اشیاء پر مشتمل ہے - یہ دوسری بات ہے کہ وہ سب چیزیں جن کو ہم اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ خوش بختی کی زندگی بسر کر سکیں ایک حد رکھتی ہیں اگرچہ سولن(۱۴) کی رائے اس سے مختلف تھی - وہ کہتا ہے :

”انسان کے لئے مال و دولت کی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی“ -

حالانکہ دوسرے فنون کی طرح یہاں بھی ایک حد مقرر کی جا سکتی ہے - اس لئے کہ کوئی بھی فن ہو اس کے آلات نہ تو باعتبار تعداد غیر محدود ہونگے ، نہ باعتبار جسامت - اب تدبیر منزل ہو ، یا تدبیر ریاست مال و دولت کی حیثیت آلات ہی کی ہوگی - لہٰذا ثابت ہوا کہ جن چیزوں کا حصول فطرت کے عین مطابق ہے ان کو تدبیر منزل اور تدبیر ریاست دونوں میں شامل سمجھنا چاہئیے(۱۵) -

---

۱۴- Solon هفت دانایان یونان میں سے ایک - مشہور اثینوی مقنن—۶۳۹ ق-م کے لگ بھگ پیدا ہوا - وفات غالباً ۵۵۹ میں ہوئی ، ۸۰ برس کی عمر میں - سولن شاعر بھی تھا لیکن اوپر کے شعر سے اس کا مقصد شائد کسی معاشی حقیقت کا اظہار نہیں ، بلکہ صرف اس امر کا کہ انسان کی کوئی خواهش ہو عام طور پر غیر محدود ہی رہتی ہے — مترجم

۱۵- کوئی بھی معاشی نظام ہو اس میں فرد اور جماعت دونوں کے مال و دولت پر خود بخود ایک حد قائم ہو جاتی ہے - اجتماعی دولت تو ایک حد سے آگے نہیں بڑھتی - افراد کی اپنی خواهش بھی کچھ ہو ان کا مال و دولت ایک حد پر آ کر رک جائے گا - البتہ ہونا یہ چاہئیے کہ یہ حد کسی صحیح اور طبعی نظام معیشت کے ماتحت قائم ہو ، تاکہ اخلاق اور اصول دونوں کا تقاضا پورا ہوتا رہے — مترجم

# نواں باب

لیکن کسب و اکتساب کی ایک صورت وہ بھی ہے جسے بجا طور پر حصول دولت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جس کے پیش نظر خیال ہوتا ہے کہ مال و دولت پر شاید کوئی حد لگانا ممکن نہیں۔ یوں بھی کسب معاش اور کسب زر میں جو قریبی تعلق ہے اس کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ان سب شاید فرق کرنا نا ممکن ہے، حالانکہ یہ خیال صحیح نہیں، گو اتنا ضرور ہے کہ ان دونوں میں کچھ بہت زیادہ فرق کرنا ممکن نہیں۔ الا یہ کہ ایک کسب فطری ہے دوسرا غیر فطری، یعنی کسی خاص فن یا مہارت کا نتیجہ۔ لہذا بہتر ہوگا ہم اس موضوع پر ذرا تفصیل سے گفتگو کریں۔

۱۲۵۷ الف

املاک کے دو استعمال ہیں (۱) اور دونوں کا انحصار اس شے پر ہے جسے ہم اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔ فرق جو کچھ ہے ان کے طریق استعمال میں ہے۔ ایک صورت میں تو ہمارا تعلق اس سے برابر قائم رہتا ہے، ایک میں قائم نہیں رہتا۔ مثلاً جوتا یا تو پہنا جائے گا، یا ہم اسے کسی دوسری شے سے بدل لیں گے۔ یہ گویا دو استعمال ہوئے جوتے کے۔ کیونکہ جو کوئی نقدی یا کسی ضرورت کے لئے جوتے کا مبادلہ کسی ایسے شخص سے کرتا ہے جسے خود جوتے کی ضرورت ہے وہ اس کا استعمال تو کرتا ہے لیکن اس غرض کے لئے نہیں جس کے ماتحت

---

۱۔ اور اس لئے ان کی قدر بھی دو گونہ ہے۔ ایک باعتبار استعمال اور ایک باعتبار معاوضہ ــ مترجم

جوتا تیار کیا گیا تھا ۔ اس لئے کہ پہلے پہل جب جوتے تیار کئے گئے تو مبادلے کے لئے نہیں کئے گئے تھے ۔ چنانچہ یہی کچھ ہم دوسری اشیاء کے بارے میں بھی کہہ سکتے ہیں ۔ یہ دوسری بات ہے کہ اشیاء کے عام ادل بدل کی ابتدا خود بخود ہو گئی تھی اور وہ اس طرح کہ بعض لوگوں کے پاس ضرورت سے زیادہ چیزیں تھیں ، بعض کے پاس کم ۔ لیکن اس کے باوجود ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جب اشیائے ضرورت کی فروخت نقدی کے عوض ہونے لگتی ہے تو ان کا قدرتی استعمال ختم ہو جاتا ہے ۔ کیونکہ لوگ ان کے ادل بدل پر مجبور ہوئے تو محض اس لئے کہ انہیں بعض اشیاء کی احتیاج تھی ۔ بہر حال سب سے پہلے ، یعنی عائلی اجتماع میں تو اشیاء کے مبادلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ مبادلے کی ابتدا اس وقت ہوئی جب افراد کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ، کیونکہ شروع شروع کی اجتماعی زندگی میں ہر شے مشترک تھی ۔ البتہ جب افراد مجبور ہو گئے کہ ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں تو انہوں نے بعض ایسی اشیاء کے لئے جن کی انہیں ضرورت تھی مبادلے سے کام لیا ۔ چنانچہ اشیاء کے ادل بدل کی یہ رسم غیر متعدد قوموں میں آج بھی رائج ہے ۔ وہ ایک شے کو دوسری شے کے بدلے حاصل تو کر لیتی ہیں لیکن فروخت ہر گز نہیں کرتیں ۔ مثلاً غلے کے لئے شراب یا کسی اور شے کا ۔ تبادلہ اشیاء کی یہ صورت فطرت کے خلاف تو نہیں مگر یہ بھی نہیں کہ ہم اسے کسب زر کی نوع ٹھہرا سکیں ۔ گو بعض ایسی ضروریات کے لئے جن کا اسی طرح پورا ہونا غیر موزوں نہیں وہ نا گریز بھی ہے ۔ پھر جیسا کہ توقع تھی اشیاء کے ادل بدل سے نقدی کا استعمال شروع ہوا ۔ کیونکہ جن مقامات پر لوگ اپنی فاضل اشیاء بھیجتے یا جن سے اپنی ضرورت کی چیزیں منگوانے کا

ارادہ رکھتے اکثر دور دور واقع ہوتے۔ لہذا یہ ایک قدرتی بات تھی کہ نقدی تجارت کا جز بن جائے۔ اس لئے کہ فطرت نے جس شے کو سب سے زیادہ فائدہ مند بنایا ہے ضروری نہیں کہ اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا بھی آسان ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مجبوری کے ماتحت ایک ایسی چیز ایجاد کرنا پڑی جس کو دیا یا لیا جا سکے اور جس کی خود بھی کوئی قدر و قیمت ہو۔ لیکن جس میں ایک اور خوبی یہ بھی ہو کہ حصول ضروریات کے لئے اس کو آسانی سے اٹھایا جا سکے۔ مثلاً لوہا ، چاندی ، یا ایسی ہی کوئی دوسری شے۔ پھر شروع شروع میں اگر اس کی قدر و قیمت کا انحصار اس بات پر تھا کہ اس کا وزن کیا ہے اور جسامت کیا ، تو رفتہ رفتہ اس پر ٹھپہ لگنے لگا تاکہ اسے وزن کرنے کی نوبت نہ آئے اور ٹھپے ہی سے اس کا پتہ چل جائے (۲)۔

---

۲- ' اخلاقیات ' میں ارسطو نے اس مسئلے پر زیادہ تفصیل سے قلم اٹھایا ہے۔ "ضروری ہے کہ ہر شے کا اندازہ کسی ایک چیز سے کیا جائے' لیکن یہ ایک چیز کوئی ایسی اکائی ہونی چاہئے جس کا اطلاق سب اشیا پر ہو سکے۔ اب رسماً یہ اکائی زر (نقدی یا سکہ —مترجم) ہے جس نے ہماری اس ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ گویا اس کا وجود قائم ہے تو قانون ' یا رسم و رواج کی بنا پر' نہ کہ اپنی کسی طبعی خصوصیت کی بدولت۔ لہذا ہمیں اختیار ہے اس کی قدر و قیمت سے انکار کر دیں ' یا اس میں کمی بیشی کرتے رہیں . . . زر کو بھی انہی تبدیلیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کا اشیا کو۔ اس کی قدر بھی یکساں نہیں رہتی' گو اشیا کے مقابلے میں اسے نسبتاً زیادہ پائیداری حاصل ہے۔ اندریں صورت ہر شے کی قیمت کی تعیین سکے میں ہونی چاہئے' کیونکہ ہم اس کے ذریعے اشیا کا مبادلہ کر سکیں گے اور یہ امر انسانوں کو باہم جمع کرنے کا باعث ہوگا ' (فصل ۵ ' باب ۵)۔ مسکوکات کے لئے یونانی اصطلاح Numismatics بھی نوموس Nomos (ہماری زبان میں ناموس یعنی قانون) ہی سے بنی ہے جس کے معنی ہیں رسم و رواج۔ گویا لفظ مسکوکات مرادف ہے مروجات کا — مترجم

لہذا جب نقدی مبادلے کا ذریعہ قرار پائی تو تھوڑے ھی دنوں میں کسب زر کی ایک نئی صورت پیدا ھو گئی ، یعنی وہ جس کا تعلق اشیاء کی خرید و فروخت سے ھے اور جس کا آغاز تو سیدھے سادے طریق پر ھوا تھا ، لیکن جس کا مقصد جب تجربے اور مہارت میں اضافہ ھوتا گیا تو آگے چل کر یہ ٹھہرا کہ جہاں کہیں اور جس طرح بھی ممکن ھو زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کیا جائے - یہی وجہ ھے کہ کسب زر کا فن اب تجارت ھی سے وابستہ ھے اور اس کی غرض و غایت بھی یہ کہ خوب خوب منافع ملتا رھے - کیوں کہ جتنا زیادہ منافع ملے گا اتنا ھی مال و دولت میں اضافہ ھوگا - چنانچہ ھم بھی جس کسی کی دولت کا اندازہ کرتے ھیں بیشتر اس بات سے کہ اس کے پاس نقد روپیہ کتنا ھے - اس لئے کہ تجارت ھو، یا مال و دولت دونوں کا انحصار نقدی پر ھے - لیکن اس کے بر عکس ایک دوسری رائے یہ ھے کہ نقدی کی بجائے خود کوئی حقیقت نہیں - کیوں کہ اس میں قدر و قیمت پیدا ھوئی تو فطری اسباب کی بنا پر نہیں ھوئی ، بلکہ ہماری اپنی رضا مندی سے -گویا جو لوگ اسے استعمال کرتے ھیں اگر وھی اس کے متعلق اپنے احساسات بدل لیں تو نقدی کی کوئی حیثیت نہیں رھے گی ، نہ اس سے ان کی کوئی ضرورت پوری ھو سکے گی (۳) - یوں بھی زر و نقد کی فراوانی کے باوجود خوراک کی احتیاج باقی رھتی ھے - لہذا اگر کوئی شخص اپنی تمام املاک کے

---

۳- بحیثیت سکہ مضروبہ کے - بحیثیت ایک معدنی شے کے اس کی قدر و قیمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا - لہذا ارسطو کے بیان میں کوئی تعاون نہیں -

ابن رشد نے غالباً سیاسیات کا مطالعہ نہیں کیا تھا - وہ غلطی سے ارسطو کی اس رائے کو قطعی ٹھہراتا ھے — مترجم

باوجود بھوکا مر جائے تو اسے کون خوش حال کہے گا ، جیسا کہ میداس کی کہانی میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جس چیز کو ہاتھ لگاتا تھا سونا بن جاتی تھی ۔ کیوں کہ اس کے حرص و طمع کی کوئی انتہا نہیں تھی (۴) ۔ لہذا بعض لوگوں کی بجا طور پر کوشش ہوتی ہے کہ زر نقد کے بدلے کسی دوسری طرح کا مال و دولت یا املاک حاصل کر لیں ۔ کیوں کہ فطرت نے اور بھی طرح طرح کے اموال و املاک پیدا کر رکھے ہیں اور وہی در حقیقت تدبیر منزل کا اصل موضوع ہیں ۔ تجارت سے تو صرف روپیہ کمایا جا سکتا ہے اور وہ بھی مبادلے کے ذریعے ۔ اس لئے کہ تجارت کی جاتی ہے تو زیادہ تر اسی مقصد کے پیش نظر ۔ گویا تجارت کا اصول اول بھی زر ہے اور غرض و غایت بھی زر ۔ لہذا اس سے جو مال و دولت پیدا کیا جاتا ہے اس پر کوئی حد قائم نہیں کی جا سکتی (۵) ۔

---

۴- Midas ۔ گورڈئیس Gordius شاہ فریگیا Phrygia کا بیٹا جس کے مال و دولت کی کوئی انتہا نہیں تھی ۔ پوری کہانی بڑی دلچسپ ہے ۔ ملاحظہ ہو کوئی سی کلاسیکی قاموس ۔

می داس کی مثال پیش نظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ ازمنہ متوسطہ میں اسپین کو بھی اس مال و دولت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا جو اس نے امریکہ سے حاصل کیا تھا ۔ اسپین کو زوال ہوا اور اس مال و دولت کے باوجود ہوا ' جیسے ہندوستان میں دولت مغلیہ کو ۔

ارسطو کہتا ہے نقدی کفالت احتیاجات کا ایک ذریعہ ہے ۔ صرف مال و دولت سے کسی شخص کی احتیاجات پوری نہیں ہو سکتیں' نہ کسی قوم کا زوال رک سکتا ہے — مترجم

۵- کیونکہ اس صورت میں وہ بجائے خود ایک مقصد بن جاتا ہے کسی مقصد کا ذریعہ نہیں رہتا ۔ بالفاظ دیگر اس کا رشتہ تدبیر منزل سے کٹ جاتا ہے — مترجم

لیکن اس طرح تو فن طبابت پر بھی جس کا مقصد ھی یہ ھے کہ صحت کی بحالی میں لگا رھے کوئی حد قائم کرنا نا ممکن ھے اور کچھ ایسا ھی معاملہ دوسرے فنون کا ھوگا ۔ ھم ان کی حد بندی کے لئے بھی کوئی خط نہیں کھینچ سکتے ۔ پھر اھل فن کی کوشش بھی تو یہی ھوتی ھے کہ جہاں تک ھو سکے اسے زیادہ سے زیادہ وسعت دیں ۔ (گو اس غرض کے لئے جو ذرائع اختیار کئے جاتے ھیں محدود ھوتے ھیں ۔ اس لئے کہ کوئی فن نہیں جو بعض حدود سے آگے بڑھ سکے) ۔ لہذا کسب زر کا فن بھی قید حدود سے آزاد ھے ، کیونکہ اس کا بھی کوئی مقصد ھے تو یہی کہ مال و دولت اور املاک میں اضافہ ھوتا رھے ۔ تدبیر منزل کے البتہ کچھ حدود ھیں ۔ نہیں ھیں تو کسب زر کے ۔ کیوں کہ تدبیر منزل سے مقصد دولت کمانا نہیں اور اس لئے یہی مناسب ھے کہ مال و دولت پر کچھ حدود قائم کر دی جائیں (۶) ۔ گو عملاً ایسا نہیں کیا جاتا ۔ اس لئے کہ جو لوگ دولت کماتے ھیں مال و زر میں برابر اضافہ کرتے رھتے ھیں جس کی وجہ یہ ھے کہ کسب معاش اور کسب زر میں بڑا قریب کا تعلق ھے اور ھم دیکھتے ھیں کہ بعض لوگ ایک کی بجائے دوسرا راستہ اختیار کر لیتے ھیں! لہذا دونوں صورتوں میں ان کا مقصد ایک ھوتا ھے ، یعنی حصول زر ۔ تدبیر منزل کے پیش نظر بھی اگرچہ دولت ھی کا اکتساب ھے ، لیکن دولت کی خاطر نہیں ، بلکہ اس نقطہ نظر سے کہ ضروریات زندگی کے حصول کا ایک ذریعہ

---

۶- اس لئے کہ حقیقی دولت صرف اس مال و زر پر مشتمل ھے جس کا تعلق معاش اور خانہ داری کی عام ضروریات سے ھے ۔ لہذا ان ضروریات کے باعث اس پر آپ سے آپ ایک حد قائم ھو جاتی ھے ــ مترجم

ہاتھ آ جائے۔ بر خلاف اس کے کسب زر کا مقصد ہے صرف دولت۔ بایں ہمہ لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ تدبیر منزل کا حقیقی مقصد بھی دولت کمانا ہے اور اس لئے ان کی رائے میں جتنا بھی روپیہ بچ سکے بچا لینا اور جمع کر رکھنا چاہئے۔ لیکن اس طرز خیال کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کی ساری توجہ زندہ رہنے پر ہے۔ اس پر نہیں کہ اچھی طرح زندہ رہیں (۷)۔ وہ جیسے اپنی اس خواہش پر کوئی حد قائم نہیں کر سکتے ایسے ہی ان وسائل پر جو اس کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ پھر جو لوگ اچھی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں ان کا ذہن بھی تو اکثر جسمانی مسرتوں کے حصول سے آگے نہیں بڑھتا جن سے لطف اندوز ہونے کا دار و مدار پھر اس بات پر ہے کہ کسی شخص کے پاس نقد روپیہ کتنا ہے۔ لہذا ان کی ساری تگ و دو بھی یہی ہوتی ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے دولت و ثروت حاصل کریں۔ یہ دوسرا سبب ہے جس سے کسب زر کو تحریک ہوتی ہے۔ کیونکہ جتنی ان مسرتوں سے لطف اندوزی کی خواہش شدید ہوگی اتنی ہی ان کی یہ کوشش کہ مال و زر کے حصول میں زیادہ سے زیادہ وسائل سے کام لیں۔ لہذا جب یہ چیز معمولاً، یعنی کسب زر کے عام طریقوں سے حاصل نہیں ہوتی تو وہ اس کے لئے دوسرے ذرائع استعمال کرتے ہیں (۸)۔ یوں

---

۷- جس کی وجہ ہے مقاصد حیات سے بے خبری۔ لہذا وہ آسودگی اور مرفہ الحالی کا صحیح مطلب بھی نہیں سمجھتے — مترجم

۸- اشارا ہے ان اخلاقی فضائل کی طرف (جیسا کہ آگے چل کر تشریح کر دی گئی ہے) جو کاروباری صلاحیتوں سے مل کر ازدیاد دولت کا باعث ہوتے ہیں — مترجم

ان کی ساری قوتیں ایک ایسی بات پر مرکوز ہو جاتی ہیں جس کے لئے فطرت نے انہیں پیدا ہی نہیں کیا (۹) ۔ مثال کے طور پر شجاعت کو لیجئے ۔ اس سے مقصود صبر و تحمل ہے ، نہ کہ کسب زر ۔ بعینہ سپہ گری یا طبابت کا فن بھی فتح مندی اور حصول صحت کے لئے وجود میں آیا ۔ مگر اس طرح کے لوگ تو ہر چیز کو کسب زر ہی کا تابع سمجھتے ہیں جیسے انسان کا بھی ایک مقصد ہے اور اس لئے اس کا فرض ہے جو کچھ بھی کرے اسی بات پر نظر رکھتے ہوئے کرے ۔

اوپر کے بیان سے یہ اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں کہ کسب زر کا کون سا فن غیر ضروری ہے اور اس کی احتیاج پیش آئی تو کیوں ؟ علی ہذا یہ کہ کون سا ضروری ہے اور اس لئے غیر ضروری سے کہاں تک مختلف ؟ اس لئے کہ تدبیر منزل کی جو شکل فطری ہے اور جس کی غرض و غایت یہ ہے کہ ضروریات زندگی مہیا کی جائیں ایسی نہیں کہ اس کے کوئی حدود نہ ہوں ۔ اس پر کہیں نہ کہیں ایک حد ضرور قائم ہو جاتی ہے (۱۰)

---

۹- کیونکہ وہ اپنی کاروباری صلاحیتوں یا فضائل اخلاق کا غلط استعمال کرتے ہیں ۔ ان کی ساری کوششیں حصول زر پر مرکوز رہتی ہیں اور حصول زر زندگی کا مقصد نہیں - ملاحظہ ہو اوپر حاشیہ ۷ — مترجم

۱۰- معاشی نقطہ نظر سے یہ ساری بحث نہایت اہم ہے - ارسطو نے اس سے جو نتائج اخذ کئے ہیں ان کی صحت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا ، بالخصوص اس لئے کہ ارسطو نے ان کا رشتہ اخلاق اور مقاصد حیات سے جا ملایا ہے - یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ارسطو کا رسالہ حکومت (سیاسیات) در اصل مقدمہ ہے اس کے رسالہ اخلاقیات کا - کیونکہ اخلاقی زندگی جماعت کی زندگی ہے اور جماعت کی زندگی کے لئے سیاسی نظم و ضبط ناگزیر — مترجم

# دسواں باب

اب وہ بات جو پہلے مشتبہ نظر آتی تھی (۱) واضح ہو گئی ۔ ہمیں معلوم کرنا تھا کسب زر کا فریضہ کیا اس شخص کے ذمے ہے جس کے ہاتھ میں گھر بار یا ریاست کا انتظام ہے اور جو اگر تمام و کمال نہیں جب بھی اپنی جگہ پر ضروری ہے ۔ در اصل جس طرح سیاست دان (۲) کا یہ کام نہیں کہ انسان پیدا کرے ، بلکہ یہ کہ جیسے بھی انسان موجود ہیں انہیں موزوں کاموں پر لگا دے ، بعینہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ زمین یا سمندر یا کسی اور چیز کا کام ہے کہ ہماری ضروریات مہیا کرے ۔ صاحب خانہ کا کام تو صرف یہ ہے کہ ان کا ٹھیک ٹھیک بندوبست کرتا رہے ۔ جیسے سوت تیار کرنا جولاہے کا فرض نہیں ۔ وہ صرف اس کو استعمال کرنا جانتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اچھے اور برے ، یا کار آمد اور ناکار آمد سوت کی پہچان کیا ہے ۔

لیکن اس صورت میں تو شاید یہ بھی کہا جائے کہ اگر علاج معالجے کا فن تدبیر منزل میں داخل نہیں تو کسب زر کا فن کیسے اس میں داخل ہو سکتا ہے ۔ حالانکہ گھر کے لئے صحت

---

۱۔ یعنی وہ بحث جو باب ہشتم میں چھیڑی گئی تھی کہ کسب زر اور تدبیر منزل کیا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، یا کسب زر تدبیر منزل ہی کا ایک جزو ہے ، یا بجائے خود ایک مستقل فن ؟ — مترجم

۲۔ مطلب ہے مدیر ریاست ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ — مترجم

کا ہونا بھی ایسا ہی ضروری ہے جیسے خوراک یا ضروریات
زندگی کا۔

پھر ایک لحاظ سے تو صاحب خانہ ہو یا صاحب ریاست
دونوں کا فرض ہے کہ جن لوگوں کی دیکھ بھال اس کے ذمے ہے
ان کی صحت کا خیال رکھے ، مگر ایک لحاظ سے صرف طبیب کا۔
کچھ ایسا ہی معاملہ کسب زر کا ہے۔ ایک معنوں میں یہ
صاحب خانہ کی ذمہ داری ہے ، ایک میں نہیں۔ ہے تو ملازمین
کی۔ کیونکہ یہ جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں فطرت کی
ذمہ داری ہے کہ اپنی اولاد کے لئے خوراک مہیا کرے۔ یہی
وجہ ہے کہ جس شے کو جس شے سے پیدا کیا جاتا ہے اس کے
تغذیے کا انتظام بھی اسی میں رکھ دیا جاتا ہے(۳)۔ پھل اور حیوان
بھی انسان کے لئے مال و دولت کا قدرتی سر چشمہ ہیں۔ اب
کسب زر کی جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں دو صورتیں
ہیں ، لہذا اس کا استعمال بھی دو باتوں کے لئے ہو سکتا ہے یا
تدبیر منزل یا محض تجارت کے لئے۔ ان میں ایک ضروری ہے اور
مستحسن ، دوسری سر تا سر مذموم (۴)۔ کیونکہ اس کی ابتدا
فطری اسباب پر نہیں ہوتی بلکہ لوگوں کی اس خواہش سے کہ
ایک دوسرے کے ذریعے روپیہ کما سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ
ساہوکارے پر ہر معقول آدمی نفرین بھیجتا ہے۔ اس لئے کہ

---

۳- جیسا کہ باب ہشتم میں وضاحت کر دی گئی تھی — مترجم

۴- یعنی جس کا تعلق اشیا کی تجارت سے ہے اور جو بوجوہ مذموم قرار دی گئی۔ (ملاحظہ ہو پچھلا باب)۔ تجارت کی اس شکل کو افلاطون نے اور بھی واضح کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو نوامیس فصل ، ۱۱ — مترجم

ساھوکارے کا مطلب ھے روپے کی مدد سے روپیہ کمانا اور اس طرح مال و دولت میں اضافہ کرتے رھنا ، نہ کہ اس سے وہ کام لینا جس کے لئے اس کی ایجاد ھوئی تھی، یعنی مبادلے کا ۔

اب شاید ھم یہ بھی سمجھ لیں کہ اس لفظ کا استعمال کیوں شروع ھوا جس کے معنی ھیں روپے کی " نسل کشی (۵) "۔ کیونکہ جس طرح بچے اپنی ماں باپ کے مشابہ ھوتے ھیں ویسے ھی سود بھی وہ روپیہ ھے جو روپے سے پیدا کیا جاتا ھے ۔ لہذا کسب زر کی جتنی بھی شکلیں ھیں ان میں ساھوکارہ سب سے زیادہ غیر فطری اور غیر طبعی ھے (٦) ۔

---

۵- یونانی لفظ ' ٹوکوس Tokos کا جس کے دوسرے معنی بچے کے ھیں - سودی روپیہ گویا روپے کا بچہ ھے ' لہذا اس سے مشابہ — مترجم

٦- کسب و اکتساب کے سلسلے میں تجارت اور سود خوری کی یہ مذمت شاید قرن چہارم میں اثینیہ کے معاشی حالات کے پیش نظر کی گئی - اس زمانے میں لوگ بڑے بڑے اندوختے جمع کرتے اور تاجروں کو قرض دیتے تھے- رفتہ رفتہ یہ شہر یونان میں ساھوکارے کا سب سے بڑا مرکز بن گیا اور لوگوں پر مال و زر کی محبت غالب آ گئی — مترجم

# گیارھواں باب[1]

ہمارے سامنے جو موضوع تھا اس پر عام اصولوں کی رو سے تو بہت کافی بحث ہو چکی - آئیے اب اس کے عملی پہلو کا جائزہ لیں - ان میں ایک ، یعنی اول الذکر تو بہت اونچا ذہنی مشغلہ ہے (۲) ، لیکن دوسرا ، یعنی موخرالذکر لابدی - اس لئے کہ یہی وہ بحث ہے جس کے صحیح فہم سے ہمیں اپنے معاملات کے انتظام و انصرام میں مدد ملتی ہے (۳) - مثلاً یوں ہی ہم سمجھ سکیں گے مویشیوں کی فطرت کیا ہے یونہی ہمیں پتہ چلے گا کون سے مویشی کہاں زیادہ مفید ہیں ، اور کس رنگ میں -گھوڑوں، بیلوں اور بھیڑوں یا اس قسم کے دوسرے پالتو جانوروں سے ہمیں کیا نفع پہنچتا ہے - ان کی قدر و قیمت ایک دوسرے کے مقابلے میں کیا ہے - ان میں کون سا جانور سب سے زیادہ کارآمد ہے اور کس جگہ ؟ اس لئے کہ بعض جانور تو کسی ایک جگہ زیادہ بہتر کام کرتے ہیں ، بعض دوسری جگہ - زراعت کا علم بھی نہایت ضروری ہے - بعینہ زرعی ارضیات ، باغبانی نحل، پروری اور مچھلیوں اور پرندوں کی دیکھ بھال کا - کیونکہ ان سب سے کوئی نہ کوئی فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے - یہ سب تدبیر منزل کے اولین اور مناسب ترین اجزا ہیں -

---

۱- اس باب کے انداز بحث کو دیکھتے ہوئے بعض مبصرین کا خیال ہے کہ بہت ممکن ہے اس کے کچھ حصے الحاقی ہوں - پھر یہ ساری بحث عملی ہے اور سیاسیات سے بڑھ کر معاشیات کا جز جس میں ارسطو کی اپنی کوئی تصنیف نہیں — مترجم

۲- یعنی اس بحث کا نظری پہلو جو اب تک ارسطو کے پیش نظر رہا — مترجم

۳- اس بحث کے عملی پہلو سے — مترجم

رہا مبادلے کے ذریعے کسب زر کا معاملہ سو اس میں کامیابی کا بہترین ذریعہ اشیا کی خرید و فروخت ہے اور وہ اس طرح کہ ہم اپنا سامان تجارت یا تو سمندر یا خشکی کے راستے کسی دوسری جگہ بھیج دیں ، یا جہاں کہیں کوئی جنس پیدا ہوتی ہے اس کو وہیں فروخت کر دیں ۔ ان تینوں صورتوں میں کچھ فرق ہے تو یہ کہ کسی میں نفع زیادہ ہے ، کسی میں نقصان کا اندیشہ بہت کم ۔ کسب زر کا دوسرا طریقہ ساہوکارہ اور تیسرا اجرت پر کام کرنا ہے جس کی پھر دو صورتیں ہیں ، یعنی کوئی ادنیٰ سا پیشہ ، یا محنت مزدوری ۔ لیکن کسب زر کا ابھی ایک اور ذریعہ بھی ہے اور پہلے اور دوسرے کے بین بین ، کیونکہ اس کا تعلق کچھ تو فطرت سے ہے ، کچھ مبادلے سے اور موضوع وہ چیزیں جو زمین کے اندر پیدا ہوتی ہیں ۔ یہ چیزیں پھل تو نہیں دیتیں مگر ان کا وجود خالی از فائدہ بھی نہیں ۔ مثلاً چوب فروشی یا کچی دھاتوں کو صاف کرنے کا فن جس کی پھر متعدد قسمیں ہیں کیوں کہ زمین سے اور بھی طرح طرح کی اشیا برآمد کی جاتی ہیں (۴) ۔

---

۴- کان کنی کی طرف اشارا ہے - یہاں کسب زر ' بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حصول معاش ' یا حصول رزق کی بحث ختم ہو جاتی ہے - لہذا اگر کسب زر سے قطع نظر کر لی جائے (آٹھواں باب' ح - ۲) تو ارسطو کے نزدیک حصول معاش کی (۱) احسن ترین شکل گلہ بانی ہے ' یا کاشت کاری ' نحل پروری یا اس قسم کے دوسرے پیشے - (۲) دوسری تجارت جس میں ساہوکارہ یعنی سودی لین دین بھی شامل ہے ' لیکن مذموم - (۳) تیسری شکل ہے کان کنی اور چوب فروشی کی جو دونوں کے بین بین ہے ' کیونکہ اس میں دونوں قسم کے عناصر جمع رہتے ہیں - مطلب یہ ہے کہ اگر دھات یا لکڑی فروخت کی جائے گی تو ضرور ہے کہ اس میں دکانداری کا رنگ پیدا ہو جائے — مترجم

یہ چند عام سی باتیں تھیں جن کو ہم نے سرسری طور پر بیان کر دیا ہے(۵) ۔ ان کی تفصیل میں الجھنا کسی صاحب فن (۶) کے لئے تو شاید بہت زیادہ مفید رہے ، لیکن ہمارے لئے ان کو طول دینا بڑا ناگوار ہوگا ۔ رہی فنون کی بحث سو بہترین فن تو وہ ہے جس میں اتفاق کو کم سے کم دخل ہو(۷) ۔ بد ترین وہ جو بدن کو مسخ کر دے ۔ پھر جتنی کسی فن میں جسمانی طاقت کی ضرورت ہوگی اتنا ہی اسے غلامانہ کہا جائے گا اور جتنا سہارت اور دانائی سے بے تعلق اتنا ہی غیر شریفانہ ۔ لیکن ان سب مباحث پر متعدد حضرات قدم اٹھا چکے ہیں مثلاً کاریس پاروسی اور اپولوڈوروس لم نوسی (۸) ۔ جن کا موضوع کاشتکاری اور باغبانی تھا ، یا ایسے ہی بعض دوسرے مصنفین جنہوں نے کسی دوسرے موضوع سے بحث کی ہے ۔ لہذا جس کسی کے پاس وقت ہے وہ ان سے رجوع کر سکتا ہے ۔ یوں بھی ہمارا فرض ہے کہ اس سلسلے میں جو باتیں شنید میں آئیں ان کو جمع کرتے رہیں ، کیوں کہ یہی باتیں ہیں جن سے فائدہ اٹھا کر بعض لوگ مال و دولت کی فراہمی میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کر لیتے

---

۵- کسب زر کے متعلق اور اس کے عملی پہلو کا لحاظ رکھتے ہوئے۔مترجم

۶- فن کا مطلب ہے کسی چیز کا عملی پہلو - مطلب ہے پیشے' جیسا کہ آگے وضاحت کر دی گئی ہے — مترجم

۷- لہذا اس کا دار و مدار سہارت اور دانائی پر ہوگا - لہذا اس قسم کے فنون میں اتفاق کو بہت کم دخل ہوگا — مترجم

۸- Chares the Parian متن میں Parian کی بجائے Panian جو ظاہر ہے طباعت کی غلطی ہے (پاروس Paros بحیرہ یونان کا ایک جزیرہ) اور Apallodorus the Lemmian (لم نوس Lemnos بحیرہ ایجیئن کا سب سے بڑا جزیرہ) ۔ دونوں ارسطو کے معاصر ہیں — مترجم

ھیں (۹) ۔ لہذا جہاں تک کسب زر کا تعلق ھے ایسی معلومات بڑی حد تک فائدہ مند ثابت ھو سکتی ھیں ۔ مثلاً وہ ترکیب جو طالیس ملے طوسی (۱۰) کو سوجی (اور جو فی الواقعہ بڑی نفع بخش تھی لیکن جس کو حکمت و دانائی پر محمول کیا گیا تو اس لئے کہ اس سے طالیس نے کام لیا تھا) ، حالانکہ اس میں کوئی خاص بات نہیں تھی ۔ اسے جو کوئی بھی اختیار کرتا کامیاب رھتا ۔ بہر حال طالیس کے ذھن میں یہ ترکیب اس وقت آئی جب اس کے افلاس کو دیکھتے ھوئے لوگوں نے اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا اور جس سے دراصل ان کا مطلب یہ ظاھر کرنا تھا کہ فلسفہ ایک بے کار مشغلہ ھے ۔ کہا جاتا ھے طالیس کو نجوم (۱۱) میں بڑی مہارت تھی اور اس نے وقت سے بھی بہت پہلے جاڑوں ھی میں معلوم کر لیا تھا کہ زیتون کی فصل بڑی افراط سے ھوگی ۔ لہذا تھوڑا بہت روپیہ جو اس کے پاس موجود تھا ملے طوس اور کیوس (۱۲) میں تیل کی چکیوں پر لگا دیا ۔

---

۹- ارسطو اور اس کے شاگرد ھر قسم کی معلومات جمع کرتے رھتے تھے — مترجم

۱۰- Thales یونانی فلسفہ کا آدم (اور غالباً فینقی الاصل) ۔ ھفت دانایان یونان میں سے ایک ۔ لیکن ایک فلسفی کے ھاتھوں دوسرے فلسفی کی یہ تنقید بڑی دلچسپ اور سبق آموز ھے — مترجم

۱۱- اختر شناسی نہیں بلکہ جویات ھیں ۔ ان ظواھر کا علم جن کا تعلق فضا اور موسم سے ھے — مترجم

۱۲- Chios بحیرہ یونان (ای جئین Aegean) کے بڑے بڑے جزائر میں سے ایک جو مغربی اشیائے کوچک (ساحل آئی اونیہ Ionia) کے سامنے واقع تھا ۔ Miletos آئی اونیا کے بڑے بڑے شہروں میں سے ایک ۔ طالیس کا مولد ۔

قدیم یونان کے تاریخی اور جغرافی خاکے کے لئے ملاحظہ ھو نقشہ — مترجم

پھر اس کے مقابلے میں چونکہ کسی نے بولی نہیں دی اس لئے یہ سب چکیاں بہت تھوڑے کرایہ پر اسے مل گئیں ۔ اب جو تیل کا موسم آیا اور لوگوں کو ان کی ضرورت پڑی تو اس سے ہر کسی کو منہ مانگی شرائط پر سودا کرنا پڑا ۔ یوں طالیس نے کثرت سے روپیہ کمایا اور ثابت کر دیا کہ فلسفی بھی چاھیں تو باسانی دولت مند بن سکتے ھیں گو ان کا مقصد یہ نہیں ھوتا ۔ یہ ترکیب تھی جس سے طالیس نے لوگوں کو اپنی دانائی کا قائل کر دیا ۔ لیکن جیسا کہ ھم ابھی کہہ آئے ھیں اور جیسا کہ واقعہ بھی ھے کہ جب کوئی شخص کسی چیز کی اجارہ داری حاصل کر لیتا ھے تو وہ اس کے لئے بڑی فائدہ مند رھتی ھے ۔ یہی وجہ ھے کہ بعض شہروں میں جب زر و نقد کی تھڑ ھوتی ھے تو لوگ اپنی سب اجناس پر اجارہ قائم کر لیتے ھیں ۔ چنانچہ صقلیہ میں ایک شخص کا کام ھی یہ تھا کہ اس کے پاس جو بھی رقم امانت کے طور پر رکھی جاتی وہ اس سے آھن فروشوں کا سارا لوھا خرید لیتا ۔ لہٰذا جو تاجر منڈیوں سے آتے وہ دیکھتے کہ اس کے سوا کوئی آھن فروش ھی نہیں ۔ وہ اس کی قیمت میں بہت زیادہ اضافہ تو نہیں کرتا تھا لیکن اس کے باوجود پچاس کے سو ٹالنٹ(۱۳) بنا لیتا ۔ چنانچہ یہ بات جب ڈیونے سیئس (۱۴) تک پہنچی تو اس نے حکم دیا اپنا سارا روپیہ ساتھ لے جائے مگر آئندہ کبھی صقلیہ کا رخ نہ کرے ۔ اس لئے کہ ڈیونے سیئس کے نزدیک کسب زر کی یہ ترکیب مصالح ریاست کے خلاف تھی ۔ بہر کیف اس شخص کا نقطہ نظر بھی وھی تھا جو طالیس کا ۔ اس لئے کہ دونوں کسی نہ کسی ترکیب

---

۱۳- Talent وزن یا کسی نقد رقم کے لئے یونانی اصطلاح ــ مترجم

۱۴- Dionysius صقلیہ کا مستبد حاکم از ۴۰٦ تا ۳٦۷ ق-م ــ مترجم

پھر اس کے مقابلے میں چونکہ کسی نے بولی نہیں دی اس لئے یہ سب چکیاں بہت تھوڑے کرایہ پر اسے مل گئیں ۔ اب جو تیل کا موسم آیا اور لوگوں کو ان کی ضرورت پڑی تو اس سے ہر کسی کو منہ مانگی شرائط پر سودا کرنا پڑا ۔ یوں طالیس نے کثرت سے روپیہ کمایا اور ثابت کر دیا کہ فلسفی بھی چاہیں تو باسآنی دولت مند بن سکتے ہیں گو ان کا مقصد یہ نہیں ہوتا ۔ یہ ترکیب تھی جس سے طالیس نے لوگوں کو اپنی دانائی کا قائل کر دیا ۔ لیکن جیسا کہ ہم ابھی کہہ آئے ہیں اور جیسا کہ واقعہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز کی اجارہ داری حاصل کر لیتا ہے تو وہ اس کے لئے بڑی فائدہ مند رہتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ بعض شہروں میں جب زر و نقد کی تھڑ ہوتی ہے تو لوگ اپنی سب اجناس پر اجارہ قائم کر لیتے ہیں ۔ چنانچہ صقلیہ میں ایک شخص کا کام ہی یہ تھا کہ اس کے پاس جو بھی رقم امانت کے طور پر رکھی جاتی وہ اس سے آہن فروشوں کا سارا لوہا خرید لیتا ۔ لہٰذا جو تاجر منڈیوں سے آتے وہ دیکھتے کہ اس کے سوا کوئی آہن فروش ہی نہیں ۔ وہ اس کی قیمت میں بہت زیادہ اضافہ تو نہیں کرتا تھا لیکن اس کے باوجود پچاس کے سو ٹالنٹ(۱۳) بنا لیتا ۔ چنانچہ یہ بات جب ڈیو نے سیئس (۱۴) تک پہنچی تو اس نے حکم دیا اپنا سارا روپیہ ساتھ لے جائے مگر آئندہ کبھی صقلیہ کا رخ نہ کرے ۔ اس لئے کہ ڈیو نے سیئس کے نزدیک کسب زر کی یہ ترکیب مصالح ریاست کے خلاف تھی ۔ بہرکیف اس شخص کا نقطہ نظر بھی وہی تھا جو طالیس کا ۔ اس لئے کہ دونوں کسی نہ کسی ترکیب

---

۱۳- Talent وزن یا کسی نقد رقم کے لئے یونانی اصطلاح ــ مترجم

۱۴- Dionysius صقلیہ کا مستبد حاکم از ۴۰۶ تا ۳٦۷ ق-م ــ مترجم

سے اپنے لئے ایک اجارہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ۔ مدبر ریاست کے لئے ان باتوں کا سمجھنا بڑا مفید ہے ۔ اس لئے کہ بعض ریاستیں انہیں ذرائع سے روپیہ پیدا کرتی ہیں ۔ رہا صاحب خانہ تو اس کے لئے یہ معلومات اور بھی فائدہ مند ثابت ہوں گی ۔ لہذا جن لوگوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ امور سیاست میں حصہ لیں وہ اپنے آپ کو اسی دائرے میں محدود کر لیتے ہیں (۱۵) ۔

---

۱۵- یعنی مالیات کے دائرے میں — مترجم

# بارھواں باب

حاصل کلام یہ کہ تدبیر منزل کے تین اجزا ھیں ۔ آقا جن کی بحث اوپر آ چکی ھے (۱) ، باپ اور خاوند ۔ اب بیوی بچوں پر تو ویسے ھی حکومت کرنی چاھیے جیسے ازاد افراد پر گو بالکل ویسے نہیں ، کیونکہ بیوی کا درجہ اگرچہ وھی ھے جو ایک آزاد ریاست میں شہری کا ھو سکتا ھے ، لیکن بچوں پر تو کچھ شاھانہ انداز ھی سے حکومت کی جائیگی ۔ اس لئے کہ نر قدرتاً مادہ سے برتر ھوتا ھے الایہ کہ فطرت خود اپنے معمول کی خلاف ورزی کرے (۲) ۔ لیکن اتنا بہر حال طے ھے کہ بڑا چھوٹے اور کامل ناقص سے بہتر ھوگا ۔ پھر جب یہ مسلم ھے کہ آزاد ریاستوں میں حاکم و محکوم اپنی جگہ بدلتے رھتے ھیں ، کیونکہ فطرت کو وھی مساوات پسند ھے جس میں کسی کو کسی پر فوقیت نہ ھو ۔ لیکن اس کے باوجود جب ایک

---

۱- تیسرے باب میں - مگر جس کے بعد کنبے کے دوسرے اجزا ، یعنی بیوی اور بچوں کی بجائے ارسطو نے کسب زر کی بحث چھیڑ دی ، حالانکہ توقع یہ تھی کہ آقا اور غلام، باپ اور بچوں اور بیوی اور خاوند (عائلہ کے اجزائے ثلاثہ) کی بحث وہ ایک سلسلے میں کرے گا ، بلکہ کنبے کے بعد گاؤں اور گاؤں کے بعد شہر کی - لیکن غلامی چونکہ ملکیت کی ایک نوع ھے - لہذا ارسطو نے اس کے ساتھ کسب زر کا سوال اٹھاتے ھوئے حصول معاش پر تدبیر منزل اور تدبیر ریاست دونوں کا لحاظ رکھتے ھوئے نظر ڈالی اور اس طرح کنبے کے باقی دو اجرا کی بحث ملتوی ھو گئی جو اس باب میں پھر سے شروع ھوتی ھے — مترجم

۲- جیسا کہ ارسطو بار بار کہہ چکا ھے — مترجم

حاکم ہو اور دوسرا محکوم تو فطرت چاہتی ہے ان کی ظاہری ہیئت ، طرز خطاب اور اعزازات میں کوئی نہ کوئی امتیاز ضرور پیدا کیا جائے (۳) اور یہ کچھ ویسی ہی بات جو اماسس نے اپنی چلمچی کے بارے میں کہی تھی (۴) ۔ بہر حال عورت اور مرد کے درمیان کوئی نہ کوئی امتیاز ضرور قائم رکھنا چاہئے۔ بچوں پر البتہ بادشاہ ہی کی طرح حکومت کی جائے ، کیونکہ باپ کو بچوں پر جو اقتدار حاصل ہوتا ہے بہ سبب اپنی شفقت اور بزرگی کے ہوتا ہے ۔ اسے بادشاہت ہی کی ایک نوع سمجھنا چاہئے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہومر نے اگر مشتری کو ”دیوتاؤں اور انسانوں کا باپ (۵) ،، کہا تو ٹھیک کہا ۔ وہ فی الواقعہ ان کا بادشاہ تھا ۔ فطرت کا اقتضا بھی یہی ہے کہ بادشاہ کا تعلق اسی نوع سے ہو جس سے رعایا کا ۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض پہلوؤں سے اس کا درجہ برتر ہوگا جیسے ہر چھوٹے سے بڑے اور باپ کا بیٹے سے ۔

---

۳- لیکن امتیازات کی حمایت میں ارسطو اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ اس طرح رفتہ رفتہ حاکم و محکوم کی مفروضہ مساوات ختم ہو جائے گی — مترجم

۴- Amasis شاہ مصر از ۵۷۰ تا ۵۲۶ ق-م (بہ روایت ہروڈوٹوس) عوام میں سے تھا ۔ لیکن خوبیِ قسمت سے حکومت کے مرتبے تک جا پہنچا اور محکوم سے حاکم بن گیا ۔ کہا جاتا ہے اس کے پاس ایک (طلائی) چلمچی تھی جو کسی دیوتا کی تمثال سے بنی تھی اور جس کی اہل مصر نے پرستش کرنا شروع کر دی تھی ۔ اماسس کہا کرتا تھا جس طرح یہ چلمچی چلمچی سے معبود بن گی ' بعینیہ وہ محکومی سے حکومت کے مرتبے تک جا پہنچا ۔ مطلب یہ تھا کہ دونوں اپنی اس خصوصیت کی بنا پر عزت و تکریم کے مستحق ہیں — مترجم

۵- مشتری Jupiter یعنی زیئس Zeus ۔ یونانی دیو مالا کا رئیس اعظم ' خدائے خدایگان — مترجم

# تیرھواں باب

اوپر کی بحث سے جو نتیجہ مترتب ھوا وہ یہ کہ تدبیر منزل میں سب سے زیادہ توجہ گھر کے افراد پر ھونی چاھئے ، اس امر پر نہیں کہ اس کا اثاثہ کیا ھے ، یا مال و دولت کیا (۱) ۔ علیٰ ھذا غلاموں سے بڑھ کر اس کے آزاد افراد پر ۔ لیکن ھو سکتا ھے یہاں یہ سوال اٹھایا جائے کہ غلاموں کے اندر کیا جسمانی خوبیوں کے علاوہ کوئی اور وصف بھی پایا جاتا ھے ، یعنی کوئی ایسا وصف جو اعتدال پسندی ، تحمل اور عدالت یا اس قسم کے دوسرے فضائل سے زیادہ قابل قدر ھو ؟ یا یہ کہ ان کی ساری خوبیاں صرف جسم سے متعلق ھیں (۲) ؟ ۔ یہ سوال بڑا مشکل ھے اور اس کے ھر پہلو میں

---

۱- مال و دولت کی بحث کسب زر کے سلسلے میں ابواب ۸ تا ۱۱ میں کی گئی تھی جس سے ارسطو نے ذیل کے نتائج اخذ کئے : کسب زر تدبیر منزل کا جز نہیں جیسے غلاموں ، بیوی اور بچوں کی نگہداشت ۔ (۲) تدبیر منزل کا تعلق در اصل ان روابط کے نظم و انضباط سے ھے جو آقا اور غلام ، خاوند اور بیوی ، باپ اور بچوں کے درمیان قائم ھوتے ھیں اور (۳) تدبیر منزل سے مقصود ھے ان روابط کو بہتر سے بہتر شکل دینا ۔ گویا تدبیر منزل ایک اخلاقی فریضہ ھے ، نہ کہ معاشی جیسا کہ آج کل کی اصطلاح میں کہا جائے گا — مترجم

۲- ارسطو نے اس سلسلے میں اھل یونان کے چار بنیادی فضائل کی بجائے صرف تین کا ذکر کیا ھے ، یعنی اعتدال ، شجاعت اور عدالت کا - چوتھے یعنی حکمت کی طرف محض وغیرہ کہ کر - شاید اس لئے کہ غلام اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے وہ صرف اتنا جانتے ھیں کہ اس قسم کی کوئی استعداد دوسروں (آقاؤں) میں موجود ھے — مترجم

کسی نہ کسی دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ کیونکہ اگر غلام بھی ان فضائل سے بہرہ ور ہیں تو ان میں اور آزادوں میں فرق ہی کیا رہ جائے گا ۔ اگر کہا جائے نہیں تو یہ ایک مہمل سی بات ہوگی ، کیونکہ وہ بھی انسان ہیں اور عقل و خرد رکھتے ہیں (۳) ۔ تقریباً یہی سوال ایک حد تک عورتوں اور بچوں کے متعلق اٹھایا جا سکتا ہے ۔ کیا ان کے اندر بھی مناسب فضائل پائے جاتے ہیں؟ کیا عورت کو بھی اعتدال، شجاعت اور عدالت کی صفات سے متصف ہونا چاہئے ؟ کیا بچوں میں بھی صفت اعتدال موجود ہوگی ؟ در اصل اس مسئلے کی ایک عام تحقیق ضروری ہے کہ جو لوگ فطری طور پر حکومت یا محکومی کے اهل ہوتے ہیں ان کے فضائل کیا ہیں ، ایک سے یا مختلف ؟ اس لئے کہ اگر دونوں کا حسن ظاہری اور باطنی سے بہرہ ور ہونا ضروری ہے (۴) تو یہ کیسے لازم آتا ہے کہ ان میں ایک تو بلا استثنا حکومت کرے ، دوسرا اطاعت ؟ اس کی یہ وجہ تو ہو نہیں سکتی کہ ایک کے اندر فضائل کا درجہ نسبتاً بلند ہوتا ہے ، دوسرے میں کم ۔ کیونکہ حکومت کی نوعیت اور ہے ، محکومی کی اور ۔ لہذا ان میں جو فرق ہے بیش و کم کا نہیں ۔ بایں همه یہ بات کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو ان فضائل سے بہرہ ور ہو ، دوسرا بے بہرہ ۔ اس لئے کہ اگر حاکموں کے

---

۳۔ لیکن وہ اس سے کام نہ لے سکیں کچھ عجیب سی بات ہے ۔ ارسطو نے اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا ۔ محض ایک تصریح پر قناعت کر لی ۔ مترجم

۴۔ حسن ظاہری اور باطنی ، یونانی لفظ ”کالو کا گھاتھیا“ کا ترجمہ ہے جو اشراف کے لئے استعمال کیا جاتا اور جس کے معنی ہیں ”خوبصورت اور نیک“ — مترجم

لئے ضروری نہیں کہ اعتدال پسندی اور عدل و انصاف کے اوصاف سے متصف ہوں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کی حکومت اچھی ہو جن پر بالفرض حکومت کی گئی تو وہ اچھے محکوم کیسے بن سکیں گے ؟ اس لئے کہ جس کسی میں بے اعتدالی اور بزدلی کے عیب پائے جاتے ہیں وہ کبھی وہ نہیں کرے گا جو اسے کرنا چاہئے۔ لہذا حاکم ہوں یا محکوم دونوں کے لئے بعض فضائل کی موجودگی ناگریز ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوگا ، جیسے ان لوگوں میں جن کو فطرت نے پیدا ہی حکومت یہ اطاعت کے لئے کیا ہے۔ البتہ اس امتیاز کا حقیقی چشمہ روح ہے ، کیونکہ روح ہی میں فطرت نے حکومت یا اطاعت کا مادہ رکھ دیا ہے، قطع نظر اس سے کہ حکومت کے فضائل اور ہیں 'اطاعت کے اور، بعینہ جیسے ذوی العقول کے اور، غیر ذوی العقول کے اور۔ اب اگر اس اصول کو اور آگے بڑھایا جائے تو ہم کہیں گے کہ فطرت میں طرح طرح کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ کچھ حاکم ، کچھ محکوم (٥)۔ لہذا جب ایک آزاد انسان پر حکومت کی جاتی ہے تو ویسے نہیں کی جاتی جیسے غلام پر۔ ایسے ہی جو حکومت نر پر کی جائے گی وہ اس سے مختلف ہوگی جو مادہ پر کی جاتی ہے ، جیسے بڑوں پر بچوں سے۔ حالانکہ جہاں

---

٥- مطلب یہ ہے کہ حکومت بھی طرح طرح کی ہے اور محکومی کے بھی مختلف انداز ہیں۔

مگر یہ سارا استدلال ناقص ہے۔ ارسطو کو صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ حاکم و محکوم کی موجودگی ناگزیر ہے۔ لہذا اس کی منطق کچھ یوں ہے۔ حاکم و محکوم موجود ہیں اس لئے کہ روح میں بھی یہ اجزا (حاکم و محکوم) موجود ہیں۔ روح میں موجود ہیں تو حاکم و محکوم بھی موجود ہوں گے — مترجم

تک قوائے ذهن کا تعلق هے ان سے هر کسی کو بهره ملا هے (٦) گو اپنے اپنے رنگ میں (٧)۔ غلام قوت ارادی سے محروم هوتے هیں، عورتیں کمزور اور بچے ناقص ۔ کچھ ایسا هی معاملہ اخلاقی فضائل کا هے ۔ هم اس امر سے تو انکار نہیں کر سکتے کہ یہ فضائل هر کسی کے حصے میں آتے هیں ، مگر ان کی نوعیت هر کسی میں الگ الگ هوتی هے ، یعنی جیسے جیسے یہ فضائل کسی کے لئے موزوں هو سکتے هیں ویسے ۔ لہذا جس کسی کو حاکم بننا هے اس کے لئے ضروری هے فضائل اخلاق میں کمال پیدا کرے ۔ کیونکہ حاکم کا کام معمار کا هے اور عقل هی حقیقی معمار هے (٨) ۔ دوسروں کو ان فضائل کے صرف اس حصے کی

---

٦- تفصیل آگے آئیگی (فصل ٧ باب ١٣ میں) اب تک ارسطو نے صرف ان اجزا سے بحث کی هے جن کو اس نے عقلی اور اس لئے حاکم اور غیر عقلی ، لہذا محکوم سے تعبیر کیا هے — مترجم

٧- لیکن اگر قوائے ذهنی سے سب کو بهره ملا هے تو سوال یہ هے کہ غلاموں سے اس طرح کا سلوک کرنا جیسے ان میں صرف غیر عقلی قوی کام کر رهے هیں کہاں تک جائز هوگا ؟ ارسطو کا جواب یہ هے کہ غلاموں کے قوائے عقل صرف اس حد تک کام آتے هیں کہ آقا کے حکم اور مرضی کو پاکر اپنے فرائض سر انجام دیتے رهیں ۔ ظاهر هے یہ جواب کچھ تسلی بخش نہیں — مترجم

٨- اور وہ یوں کہ فرض کیجئے ایک شخص بیمار هے اور علاج کے لئے کسی طبیب حاذق سے رجوع کرتا هے ۔ لہذا هم کہہ سکتے هیں کہ اس نے صحت کے حقیقی معمار سے رجوع کیا ' کیونکہ علاج و معالجے کا فطری اور حقیقی تقاضا ایک طبیب حاذق هی پورا کر سکتا هے ۔ یہ فریضہ اس صورت میں بھی ادا هوتا رهے گا جب یہ طبیب حاذق اسے اپنے کسی نائب کے ذمے کردے ، لیکن محدود اور مشروط طریق پر۔ مطلب اس مثال سے یہ هے کہ حاکم کے اندر (١) عقل و خرد کی پوری پوری استعداد موجود هونی چاهئے (٢) ' علی هذا وہ اخلاقی فضائل جو بحیثیت حاکم تمام و کمال اس کے لئے ضروری هیں ۔
یہ مثال نیومین Newman سے ماخوذ هے بحوالہ بارکر Barker سیاسیات ارسطو ، نسخہ آکسفرڈ ترتیب ١٩٤٨ — مترجم

ضرورت ہوگی جو حسب حیثیت ان کے لئے مناسب ہیں ۔ لہذا یہ
کہنا کچھ بے جا نہیں کہ وہ سب عناصر جن کا ذکر ہم اوپر
کر آئے ہیں صفات اخلاق سے متصف تو ہوں گے ، لیکن اس طرح
کہ مرد میں اعتدال پسندی کی جو شان ہے عورت میں نہیں ہوگی ،
نہ شجاعت اور عدالت میں ہم ان کو مساوی تصور کریں گے ، گو
سقراط کی رائے اس سے مختلف تھی (۹) ، کیونکہ مرد اپنی شجاعت کا
اظہار حکومت میں کرتا ہے ، عورت اطاعت میں ۔ کچھ ایسا ہی
فرق ہمیں دوسری باتوں میں بھی کرنا پڑے گا ۔ چنانچہ ان فضائل
پر الگ الگ غور کیا جائے تو یہ حقیقت ہر کسی کی سمجھ میں آ
جائے گی ۔ بر عکس اس کے جو لوگ ان کا مطلب عام الفاظ میں بیان
کرتے ہیں اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں ۔ مثلاً ان کا یہ کہنا کہ
فضیلت عبارت ہے نیک نفسی ، یا نیک کرداری ، یا ایسی ہی کسی
دوسری خوبی سے ۔ لیکن جو کوئی گور گیاس (۱۰) کی طرح ایک ایک
کرکے جملہ فضائل پر نظر رکھتا اور یوں ان کا مفہوم و منشا
سمجھنے کی کوشش کرتا ہے وہ ان سے بہتر ہے جو محض ان کی تعریف پر
اکتفا کرتے ہیں ، اس لئے کہ ہم ہر کسی کے فضائل کا اطلاق اس کی
سیرت ہی پر کر سکتے ہیں ۔ سفوکلیس (۱۱) نے ٹھیک کہا ہے :

"خاموشی عورت کا زیور ہے"

---

۹۔ افلاطون کے مکالمے مینو Meno علی ہذا جمہوریہ Republic فصل
پنجم میں — مترجم

۱۰۔ Gorgius وطن صقلیہ ۔ مشہور خطیب اور سو فسطائی جس کے نام سے
افلاطون نے اپنا ایک مکالمہ موسوم کیا ۔ فضائل کی تفصیل ارسطو کی
اخلاقیات میں ملیگی — مترجم

۱۱۔ Sephocles مشہور ٹریجڈی نویس شاعر ۔ زمانہ قرن پنجم ق۔ م — مترجم

لیکن مرد کا نہیں ۔ بچے ناقص ہوتے ھیں اور اس لئے ہم ان کے فضائل کا اندازہ ان کے بچپن سے نہیں ، بلکہ عمر کے اس حصے کو دیکھتے ہوئے کریں گے جب وہ بلوغ کو پہنچیں گے ، یا اس شخص پر نگاہ رکھتے ہوئے جو ان کی تربیت کر رہا ہے (۱۲) ۔ بعینہ غلاموں کے فضائل کا اندازہ بھی ان کے آقا کی نسبت سے کیا جائے گا ۔ کیونکہ غلاموں کا استعمال جیسا کہ ہم اصولاً طے کر چکے ھیں بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ جیسی کچھ ان میں صلاحیت ہے ویسا ھی کوئی کام ان کے ذمے کر دیا جائے ۔ انہیں گویا بہت زیادہ فضائل کی ضرورت نہیں ہوتی (۱۳) ، الایہ کہ سستی یا خوف کے باعث اپنے کام میں غفلت نہ کریں ۔ لیکن ہو سکتا ہے بعض لوگوں کو ہماری اس رائے سے اختلاف ہو اور وہ کہیں کہ اس صورت میں تو ایک دستکار کو بھی اپنے پیشے کے لئے کسی خاص فضیلت کی ضرورت نہیں ، کیونکہ دستکار بھی اکثر سہل انگار ہوتے اور اپنے کام میں غفلت برتتے ھیں ۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ، غلام اور دستکار میں بڑا فرق ہے ۔ غلام عمر بھر آپ سے وابستہ رہتا ہے دستکار نہیں رہتا ۔ یہ دوسری بات ہے کہ جیسے جیسے وہ غلام سے قریب تر ہوتا جائے گا ویسے ھی اس میں غلامی کے فضائل پیدا ہوتے جائیں گے ، کیوں کہ ایک ادنیٰ درجے کا دستکار غلام ھی تو ہے (۱۴) غلاموں کو تو فطرت نے غلام ھی پیدا کیا ہے ، دستکاروں کو دستکار پیدا نہیں کیا ۔

---

۱۲- باپ یا سر پرست ۔ مترجم

۱۳- کیونکہ انہیں زیادہ تر جسمانی محنت کرنا پڑتی ہے ۔ مترجم

۱۴- مطلب یہ ہے کہ اس کی غلامی صرف اپنے پیشے تک محدود ہے ۔ برعکس اس کے غلام ہر اعتبار سے غلام ہے ۔ مترجم

اس لئے کہ کون کہ سکتا ہے جو کوئی موچیوں کا کام کر رہا ہے فطرت نے اسے موچی ہی پیدا کیا تھا (۱۵) ۔ لہذا ظاہر ہے آقا کو غلاموں کے اندر ویسے ہی فضائل کی پرورش کرنی چاہئے جیسے ان کے لئے موزوں ہوں (۱۶) ۔ یہ نہیں کہ بحیثیت آقا انہیں کسی خاص پیشے کی تعلیم دینا شروع کر دے (۱۷)۔ لہذا وہ لوگ بھی غلطی پر ہیں جو غلاموں کو عقل و دانش سے محرم رکھتے اور سمجھتے ہیں کہ ان کا کام صرف یہ ہے کہ آقا کے اشارے پر چلتے رہیں (۱۸) ۔ حالانکہ غلاموں کے لئے بچوں سے بھی کہیں بڑھ کر تربیت کی ضرورت ہے ۔ ہمارے نزدیک اس مسئلے میں کوئی مشکل ہے

---

۱۵- اس لئے کہ وہ جو پیشہ اختیار کرتے ہیں اپنی مرضی سے کرتے ہیں یہ نہیں کہ فطرت نے انہیں کسی مخصوص کام کے لئے پیدا کیا ہو (جیسے غلاموں کو) - لہذا ان کی غلامی ایک محدود دائرہ عمل سے آگے نہیں بڑھتی ' حتیٰ کہ جب وہ کوئی ادنیٰ دستکاری اختیار کر لیں اس وقت بھی — مترجم

۱۶- یعنی وہ فضائل اخلاق جن کی بدولت غلام اپنے جسمانی فرائض خوبی اور ہوشمندی سے ادا کرتے ہیں — مترجم

۱۷- مطلب یہ ہے کہ بعض امور کا انتظام و انصرام دوسروں کے ذمے بھی کیا جا سکتا ہے (ملاحظہ ہو باب ہفتم) - مثلاً کسی منتظم یا مدارالمہام کے ' لیکن غلاموں کی اخلاقی رہنمائی کا فریضہ صرف آقا ہی سر انجام دے سکتا ہے - لہذا متن میں خاص پیشے کی تعلیم سے مطلب ہے امور خانہ داری یا اس کے کسی خاص حصے کی تعلیم جسے غلام اپنی نگرانی میں سر انجام دیتا ہے — مترجم

۱۸- جیسا کہ افلاطون کی رائے تھی (نوامیس میں) اور جس کی ارسطو کو مخالفت منظور ہے — مترجم

تو یہی(۱۹) ۔ اس لئے کہ آگے چل کر جب ہم حکومت سے بحث کریں گے تو اس میں زن و شوہر اور باپ بچوں کے تعلقات پر نظر رکھنا بھی ضروری ہوگا تاکہ ہم ان کے مخصوص فضائل کا اندازہ واضح طور پر کر سکیں اور دیکھ لیں کہ ان میں باہم کس طرح کے روابط قائم ہیں ۔ نیز یہ کہ اس سلسلے میں درست کیا ہے اور غلط کیا ۔ ایک پر چلنا کیسے ممکن ہے، دوسرے سے کیسے بچ سکتے ہیں ؟ بات یہ ہے کہ کنبہ شہر کا جزو ہے اور افراد زیر بحث کنبے کے اجزا ۔ اب چونکہ اجزا کے فضائل کو کل کے فضائل کے مطابق ہونا چاہئے اس لئے ضروری ہے کہ بیوی بچوں کی تربیت اسی نہج پر ہوتی رہے جس پر قوم کی تربیت ہو رہی ہے ۔ کیونکہ ان کے فضائل کا حسن جیسا کہ ہر شخص تسلیم کرے گا شہر کے حسن فضائل کا باعث ہوگا (۲۰) ۔ بیویاں آزاد آبادی کا نصف حصہ ہیں اور بچے ہی آگے

---

۱۹- لیکن کیسے ؟ اس باب پر سیاسیات کی فصل اول ختم ہو جاتی ہے جس کا موضوع ہے تدبیر اور منزل جس کے شروع میں بھی کہا گیا تھا کہ تدبیر منزل میں سب سے زیادہ توجہ گھر کے افراد پر ہونی چاہئے ۔ لہذا خیال تھا کہ ارسطو خاوند اور بیوی، باپ اور بچوں کے تعلق پر تفصیل سے قلم اٹھائے گا، لیکن اس نے یہ بحث پھر ملتوی کر دی اور گاؤں (عائلہ اور شہر کا درمیانی مرحلہ) تو سرے سے نظر انداز ہو گیا ۔ یوں تدبیر منزل کی بحث ادھوری رہ گئی - مترجم

۲۰- یعنی مصالح ریاست کا اور اس لئے انسان کو ریاست اور ریاست کو انسان سے جو تعلق ہے اس کے پیش نظر اس سارے مسئلے کی صورت کچھ یوں ہے کہ ریاست کا وجود ضروری ہے تاکہ ذات انسانی کا نشو و نما تمام و کمال ہو سکے - لیکن پھر ذات انسانی کا تمام و کمال نشو و نما ہونا چاہیے تاکہ ریاست کا تمام و کمال نشو و نما ہو سکے - پہلی بات ارسطو نے واضح طور پر کہہ دی ہے (باب ۲ ح ۱۵)، دوسری ضمناً (باب ۲ ح ۲۶) — مترجم

چل کر شہری بنیں گے - لیکن ہم اس باب میں جو رائے قائم کر چکے ہیں اس کے پیش نظر سر دست کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں - اس کا موقعہ آگے آئے گا - لہذا بہتر ہوگا ہم اپنی اصل بحث سے رجوع کرتے ہوئے اب ان حضرات کے خیالات اور احساسات کا جائزہ لیں جنہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے کہ حکومت کی کامل و مکمل شکلیں کیا ہوں گی (۲۱) ؟

---

۲۱- اب تک ارسطو کا انداز بحث "معاشی" تھا - آیندہ فصل میں "سیاسی" ہو جائے گا - لیکن یہ تبدیلی جس طرح کی گئی ہے کچھ بہت زیادہ تسلی بخش نہیں - لہذا ارسطو کے بعض ناقدوں کے نزدیک یہ آخری عبارت شاید الحاقی ہے -

یوں بھی ازدواجی زندگی اور باپ بچوں کے تعلقات کے بارے میں ارسطو نے آگے چل کر صرف سرسری اشارے کئے ہیں ، حالانکہ اس کا کہنا یہ تھا کہ ہم ان مسائل پر تفصیل سے قلم اٹھائیں گے — مترجم

فصل دوم

# پہلا باب

اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ جو لوگ خود اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں ان کے لئے بہترین سیاسی اجتماع کیا ہوگا (۱) ۔ لہذا ہمیں چاہئے ہر ایسی ریاست کے بنائے اجتماع پر نظر رکھیں جس کی حکومت کامیابی سے چل رہی ہے ۔ پھر اگر بعض لوگوں نے ریاستوں کا کچھ ایسا نقشہ بھی پیش کیا ہے جن کا نظم و نسق معلوم ہوتا ہے نہایت خوبی سے چلے گا تو ان پر بھی غور کر لیا جائے ۔ ہم دیکھ لیں ان میں خوبی ہے تو کیا ، خامی کیا ۔ البتہ اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہمیں خواہ مخواہ عقل و دانائی کا اظہار مقصود ہے ۔ بات یہ ہے کہ آج تک کوئی ایسی ریاست قائم نہیں ہوئی جو نقص سے خالی ہو ، لہذا یہ تحقیق کچھ ضروری سی ہو گئی ہے ۔ چنانچہ ہم اس کی ابتدا پھر اس مسئلے

---

۱ - اور جس کی ایک صورت تو یہ ہوگی کہ باعتبار احوال و ظروف بہترین اجتماع کیا ہے - دوسری یہ کہ احوال و ظروف کیا ہوں تا کہ بہترین اجتماع قائم ہو سکے ' یعنی مطلقاً بہترین - پہلی صورت فصل ۴ تا ۶ میں پیش نظر ہے - دوسری آخری دو فصلوں ، ۷ اور ۸ میں - فصل زیر نظر میں ایک خیالی اور مثالی اجتماع کے متعلق صرف دوسروں کے خیالات پر رائے زنی کی گئی ہے — مترجم

سے کریں گے جو اس سلسلے میں قدرتاً سب سے پہلے ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ کوئی بھی ریاست ہو اس کے افراد مجبور ہیں کہ ان کے درمیان یا تو ہر شے مشترک ہو ، یا کچھ مشترک اور کچھ غیر مشترک ، یا پھر سرے سے کوئی شے مشترک نہ ہو۔ اب یہ امر کہ کوئی شے مشترک نہ ہو بداھۃ نا ممکن نظر آتا ہے ، کیونکہ اجتماع بھی تو شرکت ہی کی ایک نوع ہے اور اس کی شرط اولین کوئی ایسا مسکن، بالفاظ دیگر شہر'جو سب میں مشترک ہو اور جس کو لازماً ایک ہونا چاہئے، لیکن جس میں ظاہر ہے ہر شخص کا' کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہوگا (۳) ۔ لہذا سوال ہے کہ ایک ایسی حکومت کی تشکیل جس کی بنیادیں استوار ہوں کس اصول پر کی جائے ؟ اس پر کہ ہو سکے تو ہر وہ شے جس میں اشتراک ممکن ہے مشترک ٹھہرے ، یا اس پر کہ کچھ اشیا مشترک رہیں ، کچھ غیر

---

۲ - اور جس کی ایک وجہ ہے معاشرے کی ارتقائی نوعیت ۔ لہذا خود ریاست کا ارتقا پذیر ہونا ضروری ہے تاکہ اس کا وجود نقص سے خالی رہے ۔ بہ الفاظ دیگر اس میں ہمیشہ تغیر و تبدل کی گنجائش باقی رہنی چاہئے - ارسطو غائیت کا قائل ہے اور کہا جاتا ہے اس کے ذہن میں ارتقا کا تھوڑا بہت تصور بھی موجود تھا ' بایں ہمہ یہ حقیقت اس کی نگاہوں سے اوجھل رہی - ریاست کی شکل کے متعلق وہ بہر حال کوئی قطعی رائے پیش نہیں کر سکا — مترجم

۳ - مطلب ہے وحدت مکانی سے (علاقہ - ارض Territory) جس کے بغیر شہر' یا ریاست کا وجود ناممکن ہے اور جس میں (یعنی کسی ایک آبادی کی صورت میں جیسا کہ یونانی ریاستوں کی مثال ہمارے سامنے ہے) ہر شخص کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہوتا ہے جب ہی وہ اس میں بود و باش اختیار کر سکتا ہے — مترجم

مشترک ۔ کیونکہ عین ممکن ہے کسی ریاست کے شہری بیوی بچوں اور مال و دولت تک کو مشترک رکھیں ، جیسا کہ افلاطون نے 'جمہوریہ' میں تجویز کیا ہے اور جیسا کہ سقراط کو اصرار ہے کہ ایسا ہی ہونا چاہئے (۴) ۔ گویا سوال یہ ہے کہ ہم کس اصول کو ترجیح دیں ؟ اس کو جو رواجاً چلا آ رہا ہے اور پہلے سے قائم ہے ، یا ان قوانین کو جو تصنیف مذکور میں بیان ہوئے ؟

---

۴ - اس بحث کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے افلاطون کے مذہب اشتمالیت Commnism کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے ۔ تفصیل جمہوریہ میں ملے گی -

البتہ اس باب میں لفظ ریاست کا استعمال بہت کچھ اس کے جدید سیاسی مفہوم کے قریب آ گیا ہے گو اس سے ارسطو کا اشارا بنائے اجتماع (ضمناً معاشرہ) کی طرف ہے — مترجم

# دوسرا باب

لیکن بیوی بچوں کو مشترک رکھنے کا مسئلہ دشواریوں سے خالی نہیں ۔ یوں بھی اس امر کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ اس قسم کی حکومت قائم کرنے کا خیال پیدا کیا جائے ۔ نہ اس سے وہ نتائج مترتب ہوں گے جن کے پیش نظر ہمیں یہ مشورہ دیا جاتا ہے ۔ ہمیں تو اتنا بھی نہیں بتایا گیا کہ اس تجویز پر عمل کرنے کی صورت کیا ہوگی ، یا یہ کہ اس کے لئے کیا وسائل اختیار کئے جائیں گے (۱) ۔ ہم اس اصول پر تو متفق ہیں جس پر سقراط (۲) نے اپنے خیالات کی بنا رکھی ہے ۔ ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ شہر میں حتی الوسیع زیادہ سے زیادہ وحدت قائم ہونی چاہئے ۔ مگر پھر ظاہر ہے کہ اگر یہ وحدت حد سے زیادہ سمٹ گئی تو شہر شہر نہیں

---

۱ - گویا ارسطو کے اعتراضات دو ہیں - پہلا یہ کہ افلاطون نے اس بات کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا کہ اس کا تجویز کردہ نظام سیاست ہی صحیح نظام سیاست کہلانے کا مستحق ہے - دوسرا یہ کہ اس نظام سیاست کی تشکیل جن وسائل کی بنا پر کی جائے گی ان سے یہ مقصد پورا نہیں ہوگا ، نہ ان پر عمل کرنا ممکن ہے - اس اعتراض کے جزو اول کی وضاحت تو ارسطو نے اس باب میں لیکن جزو ثانی کے تیسرے باب میں کی ہے ـــــ مترجم

جیسا کہ معلوم ہے افلاطون نے مکالمات میں اپنے ہر خیال کا اظہار سقراط کی زبان سے کیا ہے - لہذا ارسطو بھی سقراط کی تنقید میں در اصل افلاطون کے خیالات کی تنقید کر رہا ہے ـــ مترجم

رہے گا ، کیونکہ شہر بھی تو انسانوں ہی کا ایک گروہ ہے ۔ لہذا اگر اس اصول پر زور دیا گیا تو شہر کنبے کی صورت اختیار کر لے گا ، اور کنبہ فرد واحد کی ، کیونکہ ہم اس امر کو تو پہلے ہی تسلیم کر آئے ہیں کہ کنبے کے اندر شہر کی نسبت زیادہ وحدت پائی جاتی ہے اور فرد واحد میں کنبے سے ۔ گویا اگر یہ مقصد پورا ہو سکتا ہے تب بھی اسے پورا نہیں کرنا چاہئے ، کیونکہ اس طرح خود شہر کی ہستی کالعدم ہو جائے گی ۔ شہر سے مراد کوئی ایسا مقام تو ہے نہیں جہاں بہت سے انسان بستے ہوں ، بلکہ ایک ایسی جگہ جہاں طرح طرح کے انسان بستے ہیں اور جو اگر ایک ہو گئے تو ظاہر ہے شہر کا وجود باقی نہیں رہے گا ۔ یہی وجہ ہے کہ شہر اور محالفے میں فرق کرنا ضروری ہے ۔ محالفے کی ساری خوبی تعداد میں ہے ، خواہ اس میں شریک ہونے والوں کا تعلق ایک ہی پیشے سے ہو ۔ اس لئے کہ محالفہ قائم ہوتا ہے تو باہمی تحفظ کے لئے ۔ بعینہ جیسے ترازو میں ذرا سے وزن کا اضافہ کر دیا جائے تو اس کا پلڑا اور جھک جاتا ہے (۲) ۔ کچھ ایسا

---

۲ - مطلب یہ ہے کہ بطور ایک اجتماع شہر متعدد اجتماعات پر مشتمل ہوتا ہے ۔ اس کے ایک نہیں کئی عناصر ہیں اور ہر عنصر کے ذمے الگ الگ فرائض جو ان کو اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق سر انجام دیتے اور اس طرح ایک بلند تر معیار حیات کے اصول میں کامیاب ہو جاتے ہیں ۔

حاصل کلام یہ کہ شہر مختلف اجزا کا مجموعہ ہے اور ہر جز کی موجودگی دوسرے کے لئے ناگزیر ، تاکہ اہل شہر مراتب حیات میں آگے بڑھ سکیں — مترجم

ہی فرق ہمیں شہر اور ان لوگوں میں بھی کرنا پڑے گا جنہوں نے اپنی گنووں میں الگ الگ زندگی بسر کرنا شروع نہیں کی - یعنی جو اہل آرکے ڈیا (۳) کی طرح مل جل کر رہتے ہیں - لہذا ان باتوں کی نوعیت جن میں شہر کا اشتراک قائم ہو سکتا ہے یکساں نہیں اور اس لئے شہر کی سلامتی کا راز یہ ہے کہ اس کے جملہ عناصر طاقت اور اقتدار میں برابر کے شریک رہیں - بالفاظ دیگر جتنا کچھ دوسروں سے حاصل کریں اتنا ہی کچھ ان کو واپس لوٹا دیں (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ اخلاق میں لکھا ہے) (۴) کیونکہ جو لوگ آزاد اور مساوی الحیثیت ہیں ان میں بھی ایک صورت قابل عمل ہے (۵) -

---

۳ - Arcadia پیلو پونے سیس Peloponessus کا وسطی حصہ - پہاڑوں سے محصور اور حسن مناظر میں یونان کا بہترین خطہ - اہل آرکیڈیا شاید قدیم ترین یونانی باشندے ہیں - شکار اور گلہ بانی کے سوا انہوں نے کوئی اور پیشہ اختیار کیا ، نہ مرور زمانہ کے باوجود ان کی سیدھی سادھی زندگی میں کوئی تغیر پیدا ہوا -

مطلب یہ ہے کہ جب تک اجتماع سیاسی اجتماع کی صورت اختیار نہ کر لے (مجرد اجتماع کافی نہیں اس لئے کہ سیاسی روابط اور آئین و قوانین کا شعور ضروری ہے) شہر (ریاست) کا ظہور نہیں ہوگا — مترجم

۴ - فصل پنجم ، باب ۵ — مترجم

۵ - اس لئے کہ جہاں لوگ باہم مساوی اور ہر اعتبار سے ایک ہی سطح پر ہیں وہاں یہ بھی ناممکن ہے کہ سب لوگ ایک ہی وقت میں حکومت کریں - وہاں بھی حاکم و محکوم کا امتیاز ناگزیر ہے ، گو ظاہرا طور پر ہی نہیں - ان میں بھی دو جماعتیں ہوں گی ایک حاکم دوسری محکوم ، خواہ باری باری سے اپنی جگہ بدلتی رہیں - لہذا انہیں چاہئیے جو کچھ دوسروں سے لیں اتنا ہی کچھ ان کو واپس لوٹا دیں - چنانچہ ضرب المثل بھی یہی ہے 'عوض معاوضہ گلہ ندارد ' — مترجم

پھر یہ بھی تو ممکن نہیں کہ سب لوگ ایک ھی وقت میں حکومت کریں - البتہ یہ ھو سکتا ھے کہ سال ، یا سال نہیں تو کسی معیاد مقررہ کے اختتام پر ھر کوئی باری باری سے حکومت میں حصہ لے - مثلاً موچی اور بڑھئی بدل بدل کر ایک دوسرے کا پیشہ اختیار کر لیں اور ھمیشہ ایک ھی کام میں نہ لگے رھیں - لیکن پھر جس طرح یہ بہتر ھے کہ جو شخص جس کام میں لگا ھے اسی کو کرتا چلا جائے ، بعینہ ایک سیاسی اجتماع میں بھی یہی مناسب ھے کہ ھو سکے تو اس کی زمام حکومت جن ھاتھوں میں ھے انہیں میں رھے - لیکن جہاں اس کا امکان نہیں (کیونکہ فطرت نے سب انسانوں کو ایک سا بنایا ھے اور اس لئے تقاضائے انصاف یہی ھے کہ نظم و نسق اچھا ھو یا برا سب اس میں شریک ھوں) (٦) وھاں باری باری ھی سے حکومت کرنا بہتر رھے گا تاکہ جو لوگ آپس میں برابر ھیں ان لوگوں کی اطاعت کریں جو کسی وقت ان کے حاکم تھے اور وہ باری باری سے ان کی ، یعنی اگر ایک وقت میں وہ حاکم ھوں تو دوسرے میں محکوم اور جس سے مختلف وقتوں پر وہ گویا مختلف قسم کے انسان بن جائیں گے (۷) - پھر چونکہ مختلف قسموں کے انسانوں کو

---

٦ - لفظ انسان سے غلط فہمی کا احتمال ھے - ارسطو کا اشارا در اصل شہریوں کی طرف ھے جن میں سب انسان شامل ھیں ، حتیٰ کہ غلام بھی اس لئے کہ وہ کسی شہری یعنی آقا کا جزو ھی تو ھوں گے (ملاحظہ ھو باب چہارم) - بارکر Barker کے نزدیک یہ ساری عبارت غیر یقینی ھے - مبصرین نے بصد کوشش بہر کیف اسے کچھ یونہی پڑھا ھے — مترجم

۷ - لہذا ثابت ھوا کہ شہر میں مختلف اور متعدد اجزا کی موجودگی ناگزیر ھے اور اس لئے جس وحدت سے اس کے اجزا کی نفی ھو جائے اس سے شہر کی نفی ھو جائے گی — مترجم

مختلف قسم کے فرائض ھی سر انجام دینے پڑتے ھیں اس لئے اس صورت میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جائے گا (۸) ۔ لہذا ثابت ھوا کہ شہر ان معنوں میں کبھی ایک نہیں ھو سکتا جن معنوں میں بعض حضرات چاھتے ھیں ایک ھو جائے۔ اس طرح تو جس چیز کو اس کے لئے خیر کامل تصور کیا جاتا ھے وھی اس کی تباھی کا باعث ھوگی ۔ اسے خیر کہنا بھی غلط ھوگا ۔ اس لئے کہ خیر تو وہ ھے جو کسی شے کی بقا کا سبب بنے ۔ پھر ایک اور پہلو سے بھی یہ امر واضح ھو جاتا ھے کہ شہر میں ضرورت سے زیادہ وحدت پیدا کرنا کوئی اچھی بات نہیں (۹) ۔ بات یہ ھے کہ کنبہ فرد کی نسبت زیادہ کافی بالذات ھوتا ھے اور شہر کنبے کی نسبت جس سے افلاطون یہ سمجھا کہ شہر کی ھستی کا دار و مدار گویا اس کفایت ذات پر ھے جو اھل شہر کو حاصل ھوتی ھے (۱۰) ۔ حالانکہ اگر کفایت ذات ایسی ھی

---

۸ - تداول Rotation کا ۔ اس لئے کہ فرائض مختلف ھیں ، صلاحیتیں مختلف ،لہذا تقسیم کار ضروری ھے —— مترجم

۹ - کیونکہ یہ وحدت پیدا کر دی گئی تو ایک تو اس مقصد ھی کی نفی ھو جائے گی جس کی بنا پر ھم ایسا کرنا چاھتے تھے ۔ ثانیاً شہر کیا ھوگا ، یک رنگ افراد کا مجموعہ ، حالانکہ اس کا تقاضا ھے اختلاف اور تنوع ، بایں ھمہ وحدت —— مترجم

۱۰ - اس لئے کہ کفایت ذات کو وحدت پر ترجیح حاصل ھے ۔ مترجم

پسندیدہ چیز ہے تو شہر کی وحدت جتنی بھی کم ہوگی اتنا ہی اچھا ہے (۱۱) ۔

---

۱۱ ۔ ملاحظہ ہو فصل اول ، باب دوم - ارسطو کے نزدیک اولین اجتماع عائلی اجتماع ہے (خاوند اور بیوی ، آقا اور غلام ، باپ اور بچوں پر مشتمل) جس کا ظہور ایک طبعی امر ہے اور جس سے توالد و تناسل اور روز مرہ کی ضروریات (حفظ ذات ، ربط باھمی، حصول خوراک وغیرہ) پوری ہوتی رہتی ہیں ۔ عائلہ سے برتر دیہی (گاؤں کا) اجتماع ہے جس میں ان ضروریات کے علاوہ بعض دوسرے عوامل حصہ لیتے ہیں ، مثلاً روحانی اور اجتماعی عوامل (بقول ارسطو پنچایت ، چوپال، مذہبی مراسم) - تیسرا اور آخری (لہذا ان سب پر حاوی اور سب سے اعلیٰ - باب اول) شہری (ریاست) اجتماع ہے جس کی ابتدا اگرچہ مادی اور جسمانی ضروریات (مثلاً بیرونی حملوں کی روک تھام ، دفاع) سے ہوتی ہے - لیکن جس میں دراصل اخلاقی اور روحانی اسباب کار فرما رہتے ہیں (ان کا کچھ حصہ ہمیں گاؤں میں بھی کام کرتا نظر آتا ہے) - مثلاً اجتماعی نظام عدالت اور اعلیٰ زندگی کی آرزو - لہذا انسان کی تکمیل ذات شہر ہی میں ہوتی ہے اور شہر ہی میں وہ کفایت ذات ایسی نعمت حاصل کر سکتا ہے (باب دوم) ۔ گویا شہر کا ظہور بھی ایک طبعی امر ہے اور اس کی حقیقی غایت کفایت ذات ، نہ کہ وحدت ــ مترجم

# تیسرا باب

لیکن فرض کیجئے هم مان لیتے هیں شہر کی زیادہ سے زیادہ وحدت ایک اچھی بات ہے ، لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ جونہی سب کو یہ کہنے کی اجازت مل گئی یہ میری ہے ، یہ میری نہیں (۱) شہر ایک ہو جائے گا ۔ (حالانکہ سقراط کے نزدیک یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ شہر پورے طور پر ایک ہو گیا) ۔ اس

---

۱ - جیسا کہ 'جمہوریہ' میں افلاطون نے لکھا ہے - افلاطون نے اپنی اشتمالی ریاست کی تشکیل میں جو وسائل اختیار کئے ہیں ارسطو نے یہاں ان کے صرف ایک حصے، یعنی بیوی بچوں کے اشتمال سے بحث کی ہے - ان کے دوسرے حصے، یعنی اشتمالی املاک کی بحث پانچویں باب میں آئے گی ، گو کہیں کہیں دونوں بحثیں ایک ساتھ بھی آ گئی ہیں ، لیکن ضمناً - ''میری ہے'' سطلب یہ ہے کہ ایک ہی شے کو ہر شخص 'میری' کہ رہا ہے جیسا کہ ایک اشتمالی نظام میں (اور جیسا کہ ارسطو نے افلاطون کا مطلب سمجھا ہے) ہر کسی کو حق پہنچتا ہے جس چیز کو چاہے ''میری ہے'' کہ دے - لیکن پھر نظام جماعت چونکہ اشتمالی ہے اور اشیا کی ذاتی ملکیت ختم ہو چکی ہے اس لئے کوئی شے کسی کی ملکیت نہیں ہوگی - لہذا ہر کوئی کہے گا ، بلکہ اسے ہر شے کے متعلق کہنا پڑے گا ''یہ میری نہیں'' - ارسطو کہتا ہے فرض کیجئے املاک کے سلسلے میں اس قسم کی صورت حالات پیدا ہو گئی جب بھی یہ ماننا کہاں لازم آتا ہے کہ شہر میں فی الحقیقت اس قسم کی وحدت پیدا ہو گئی جس کا افلاطون آرزو مند ہے ـ مترجم

لئے کہ لفظ سب کے دو مفہوم ہیں اگر اس کا اشارہ فرد کی طرف ہے تو بیشک وہ مقصد بڑی حد تک پورا ہو جائے گا جس کا سقراط خواہش مند ہے ، کیونکہ اس صورت میں ہر شخص کہہ سکے گا یہ میرا بیٹا ہے ، یہ میری بیوی ہے ، یہ میری ملک ہے اور ایسے ہی ہر وہ شے بھی جو اس کے قبضے میں ہے اس کے متعلق کہ یہ میری ہے ۔ لیکن اگر بیوی بچوں کو مشترک رکھا گیا تو پھر کوئی شخص ایسا نہیں کہہ سکے گا ، الایہ کہ بحیثیت مجموعی ایسا کہا جائے ۔ حاصل کلام یہ کہ لفظ سب کا استعمال مغالطے سے خالی نہیں ، کیوں کہ یہ لفظ دو معنی ہے اور اس کا اطلاق کبھی تو ساری جماعت پر ہوتا ہے ، کبھی الگ الگ ہر فرد پر ۔ لہذا اس طرح جو استدلال کیا جاتا ہے از روئے منطق اکثر غیر قطعی ہوتا ہے (۲) ۔ اندریں صورت تو یہی بہتر ہے کہ ہر کوئی ہر شے کو فرداً فرداً اپنی کہے جو ظاہر ہے ممکن نہیں اس لئے کہ جہاں اس کا اطلاق جماعت پر ہوا ریاست کی ہم آہنگی اور توافق میں فرق آ جائے گا (۳) ۔ علاوہ ازیں اس میں اور کئی بھی مشکلات ہیں ، کیونکہ جو چیز سب میں

---

۲ - کیونکہ سب کا ایک مطلب تو ہے سب کی (کا) مل کر اور ایک سب کی (کا) مگر الگ الگ ، یعنی فرداً فرداً - ارسطو کا کہنا یہ ہے کہ جس کل کے سب اجزا کا مجموعہ کسی دوسری کل کے برابر ہے ان کو آپس میں برابر ہی ٹھہرایا جائے گا خواہ ان کے اجزا بجائے خود برابر نہ ہوں اور ایسے ہی بالعکس — مترجم

۳ - اس لئے کہ بیوی بچوں کے اشتراک سے افراد کے اندر کوئی حقیقی رابطہ اتحاد پیدا نہیں ہوگا اور ہوگا بھی تو سطحی ، بلکہ امکان یہ ہے کہ ان کے باہمی نزاع بڑھتے چلے جائیں گے - تفصیل آگے آتی ہے — مترجم

مشترک ہوتی ہے اس کی سب سے کم پرواہ کی جاتی ہے ۔ لوگ پرواہ کرتے ہیں تو اس چیز کی جو ان کی اپنی ہو ، یہ نسبت اس کے جس میں وہ دوسروں کے شریک ہوں ۔ یعنی اتنی نہیں جتنا ہر شخص کا فرض ہے اپنی چیز کا خیال رکھے ۔ جیسے انسان کا اپنا کام ہو تو وہ اس پر خاص توجہ کرتا ہے لیکن جس کی دیکھ بھال دوسروں کے ذمے ہو ان سے اکثر غفلت اختیار کر لیتا ہے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں نوکر زیادہ ہوں تو گھر میں اتنا اچھا کام نہیں ہوتا جتنا اس حالت میں جب ان کی تعداد کم ہو ۔ لہذا جی چاہے تو ہر شہری ایک ہزار بیٹے رکھ لے جن میں اگر کوئی بھی اس کا بیٹا نہیں ، بلکہ باپ بیٹے کا تعلق سب کے درمیان یکساں ہے تو کوئی بھی ان کا پرسان حال نہیں ہوگا ۔ وہ اچھے ہوں یا برے (۴) انہیں ہر کوئی بلا قید تعداد اپنا بیٹا کہے گا اور دوسروں کا بھی ۔ لیکن پھر اگر سب نے یہی انداز گفتگو اختیار کر لیا تو ان سب کا معاملہ مشتبہ ہو جائے گا ، خواہ یہ تعداد ایک ہزار ہو ، خواہ اتنی جتنی کسی شہر کی ہو سکتی ہے (۵) اور جس کے باوجود یہ بات بہر حال غیر یقینی رہے گی

---

۴ - یعنی وہ ایک ہزار جو دوسروں کے سپرد کر دئے جائیں گے — مترجم

۵ - بارکر نے فرانسیسیوں کی مثال دیتے ہوئے یوں سمجھایا ہے کہ ایک فرانسیسی جب صبح ڈاڑھی صاف کرتے ہوئے آئینے میں اپنا منہ دیکھتا ہے تو فخریہ سمجھتا ہے کہ وہ بھی اپنے مستبد بادشاہ کا چار کڑوڑواں حصہ ہے ، حالانکہ اس کی حیثیت ایک غلام سے زیادہ نہیں ہوتی ، بعینہ افلاطون شہری بھی جب آئینے میں اپنا منہ دیکھتا ہے تو فخریہ سمجھتا ہے کہ وہ بھی ایک ہزار بیٹوں کا باپ ہے ، لیکن نہیں سمجھتا تو یہ کہ وہ بقدر ایک بٹا ہزار ان کا باپ ہے - سیاسیات ' طبع ۱۰۴۸ — مترجم

کہ ان میں کون فی الحقیقت کس کا بیٹا ہے ۔ وہ پیدا کب ہوا اور اس کی پرورش کس نے کی (۶) ؟ فرمائیے آپ کیا بہتر سمجھتے ہیں ؟ یہ کہ ہر شخص کہہ سکے یہ میرا بیٹا ہے خواہ اس کے کنبے کا تعلق دو ہزار سے ہو ، یا دس ہزار سے ، یا ہمارا موجودہ نظام مدنیت جس میں کوئی تو کسی کو اپنا بیٹا کہتا ہے ، کوئی بھائی ، کوئی بھتیجا ، یا کسی خونی اور ازدواجی رشتے کی بدولت اپنا قرابت دار اور اس لئے جس طرح وہ سب سے زیادہ اس کا خیال رکھتا ہے وہ اس کا ، اور دوسرے بھی اسے اپنی برادری یا قبیلے میں شامل سمجھتے ہیں (۷) ۔ ہمیں تو یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ ہر کوئی ذاتی طور پر کسی کا بھتیجا کہلائے ، نہ کہ بصورت دیگر سب کا بیٹا (۸) ۔ یوں بھی کیسے ممکن ہے کہ اس طرح لوگوں میں

---

۶ - اس لئے کہ جمہوریہ میں افلاطون نے یہ اصول طے کیا تھا کہ عارضی شادیوں کو خفیہ رکھا جائے گا ۔ ان کی اولاد وہ عہدیدار سنبھالیں گے جن کا صرف یہی کام ہوگا کوئی عہدہ سنبھالے رہیں - یہ اولاد اگر اچھی ہوئی تو فبہا ورنہ اسے ٹھکانے لگا دیا جائے گا — مترجم

۷ - ارسطو کا کہنا یہ ہے کہ ہمارے مروجہ نظام معاشرت میں تو انسان باعتبار قرابت اپنے آپ کو مختلف نقطہ ہ ' نظر سے دیکھتا اور اپنی متعدد حیثیتیں متعین کرتا ہے جس سے اس کے احساس ذات میں تقویت پیدا ہوتی ہے ۔ افلاطون کی تجویز پر عمل کیا گیا تو یہ احساس کمزور ہوتا چلا جائے گا - ثانیاً اس طرح ہماری زندگی کا وہ تنوع اور گونا گونی بھی ختم ہو جائے گی جو بحالت موجودہ روابط کے تنوع اور گونا گونی سے قائم ہے ۔ لہذا ظاہر ہے افلاطون جس قسم کا یک رنگ انسان پیدا کرنا چاہتا ہے وہ کوئی دلپسند امر نہیں — مترجم

۸ - یعنی کسی کا بیٹا نہ ہو ، کیونکہ افلاطون نے اس بات کا خاص طور سے التزام رکھا ہے کہ ماؤں کو بھی اپنے بیٹوں کا پتہ نہ چل سکے — مترجم

یہ شبہ پیدا نہ ہو کہ ان میں شاید بھائی ، بہن ، یا ماں باپ کا رشتہ قائم ہے ۔ اس لئے کہ باپ بیٹوں میں جو مشابہت پائی جاتی ہے اس کی بنا پر لازماً یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ ان کو دوسروں سے کیا تعلق ہے ۔ چنانچہ جن لوگوں نے اطراف و اکناف عالم کا سفر کیا ہے وہ اس قسم کی باتوں کے متعلق اکثر اشارہ کرتے رہتے ہیں ۔ مثلاً بالائے افریقہ (۹) میں اگرچہ عورتوں کو مشترک رکھا جاتا ہے ، لیکن وہاں بھی دستور ہے کہ عورتیں بچوں کو ان کے باپ کے سپرد کر دیں جس کا فیصلہ باپ بیٹوں کی مشابہت سے کیا جاتا ہے ۔ بعض گھوڑیاں اور گائیں بھی ایسی ہیں جن کے بچے قدرتاً نروں کی شکل پر پیدا ہوتے ہیں اور جسے دیکھ کر باسانی معلوم ہو جاتا ہے انہیں کس نر سے حمل ٹھہرا ۔ چنانچہ فرسالیہ میں ایک ایسی ہی گھوڑی تھی اور اس کا نام تھا عادلہ (۱۰) ۔

---

۹ - یعنی لیبیا Libiya یعني قدیم عثمانی صوبہ 'طرابلس الغرب' جس نے اب پھر لیبیا کے نام سے آزادی حاصل کی ہے ۔ یونانی اس کا اطلاق عام طور پر افریقہ کے سارے بر اعظم پر کرتے تھے — مترجم

عورتوں کی اشتمالیت کا یورپ اور ایشیا کے اور بھی متعدد قبائل میں رواج تھا البتہ ارسطو نے یہاں ہیرودوٹوس کے حوالے سے صرف افریقہ کا ذکر کیا ہے — مترجم

۱۰ - Pharsalia جس میں Pharsalus آباد تھا ۔ وہ مشہور شہر جہاں سیزر نے ۴۸ ق ۔ م میں پام پی کو شکست دی ۔ تھسلی (Thessaly) شمالی یونان کا ایک علاقہ ۔

عادلہ اس لئے کہ اس سے جو بچہ پیدا ہوتا اپنے 'باپ' کے مشابہ ہوتا تھا — مترجم

# چوتھا باب

یوں بھی جو حضرات اس قسم کی مشترک زندگی کا تصور رکھتے ہیں ان برائیوں سے کیسے بچیں گے ؟ یعنی مار پیٹ اور قتل سے، خواہ قتل، قتل عمد ہو یا اتفاق - ایسے ہی لڑائی جھگڑوں اور طعن و تشبیع سے ؟ پھر یہ وہ برائیاں ہیں جن کا ماں باپ یا قریبی رشتے داروں کے خلاف مرتکب ہونا ایک بہت بڑا گناہ ہے ، قطع نظر اس سے کہ جب ان کا ارتکاب ان لوگوں کے خلاف کیا جائے جن کا ہم سے کوئی رشتہ نہیں تو ان کی حیثیت بدل جاتی ہے - لہذا جب لوگوں میں یہ احساس ہی نہ رہا کہ ان میں باہم کیا رشتہ ہے تو ظاہر ہے ان برائیوں کو اور بھی تحریک ہوگی بہ نسبت اس کے کہ وہ آپس کے رشتوں کو پہچانیں (۱) - اس لئے کہ پہلی صورت میں تو

---

۱ - ملاحظہ ہو پچھلا باب ، ح - ۷ - قرابت اور رشتہ داری کی بدولت چونکہ انسان متعدد حیثیتیں اختیار کر لیتا ہے، لہذا ان سب حیثیتوں کا جن کی اصل ہمارے جنسی اور ازدواجی تعلقات ہیں تقاضا ہے کہ ہم ان کے پیش نظر اپنی اخلاقی ذمے داریاں پوری کرتے رہیں - رشتوں سے گویا ہمارے اخلاقی شعور اور اخلاقی کردار میں پختگی پیدا ہوتی ہے - ہم ضبط نفس سے کام لیتے ہیں اور یہ وہ بات ہے جو فرد کی تربیت ذات کے علاوہ اجتماعی زندگی کے استحکام ، یعنی معاشرے اور ریاست کے لئے بھی مفید ہے - بہ الفاظ دیگر نفی 'ارحام' کی جو تجویز افلاطون کے ذہن میں ہے مصالح ریاست اور اس لئے مصالح انسانی کے بھی خلاف ہے — مترجم

قانوناً (۲) ان کی تلافی ممکن ہوگی، بصورت دیگر نا ممکن - لیکن پھر اس سے بھی بڑھ کر مہمل سی بات یہ ہے کہ جو حضرات بچوں کو باہم مشترک رکھنے پر زور دیتے ہیں عشاق کے جذبۂ محبت پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتے - البتہ انہیں روکتے ہیں تو اس بات سے کہ اس کی انتہائی لذتوں سے لطف اندوز نہ ہوں (۳) - رہی یہ بات کہ باپ بیٹے، یا بھائی بھائی کے درمیان بھی ایسا کوئی تعلق قائم ہو جائے سو انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں - حالانکہ اس سے بڑا عیب اور کیا ہو سکتا ہے - لہذا یہ سارا معاملہ ایک بڑی لغو اور بیہودہ شکل اختیار کر لیتا ہے - پھر ان لوگوں پر جو اس تعلق میں باہم سب سے زیادہ قریب ہیں اس طرح کی پابندی عائد کرنا محض اس لئے کہ وہ لطف و مسرت کی انتہائی کیفیتوں سے لذت یاب نہ ہو سکیں اور بھی مضحکہ خیز ہے جب کہ اس امر پر اعتراض نہیں کہ وہ آپس میں باپ بیٹی ہیں ، یا

---

۲ - قانوناً حسب متن - مطلب ہے وہ مذہبی مراسم جو کسی گناہ کے ارتکاب پر بطور کفارہ ادا کی جاتی ہیں - گو بہ لحاظ جرم اس کا تعلق قانون سے بھی ہے — مترجم

۳ - ملاحظہ ہو 'جمہوریہ' فصل سوم - لیکن ارسطو نے یہاں افلاطون کا مطلب کسی قدر غلط سمجھا ہے - افلاطون کے خیالات سب کو معلوم ہیں - 'افلاطونی محبت' محبت کا درجہ زندگی میں دوستی' اور عاشقی افلاطون کے خاص مضامین ہیں - ہمیں یہ بھی معلوم ہے اس باب میں یونانی تہذیب و تمدن نے کیا روش اختیار کی اور وہ کیا نتائج تھے جو اس طرح مترتب ہوئے - البتہ ارسطو کی نظر یہاں صرف جنسی تعشق اور جنسی روابط پر ہے — مترجم

بہن بھائی (۴) ۔ ہمارے نزدیک تو ریاست کا فائدہ اسی میں ہے کہ بیوی بچوں میں اشتراک کا سلسلہ سپاہیوں کی بجائے کسانوں میں قائم کیا جائے۔ کیونکہ اس طرح انہیں ایک دوسرے سے وہ لگاؤ نہیں رہے گا جو دوسری صورت میں ہوتا (۵) ۔ یوں بھی ان کا محکوم رہنا ہی بہتر ہے تاکہ وہ قوانین کی اطاعت کریں اور نئی نئی تبدیلیوں کے

---

۴ ۔ ارسطو کے اعتراضات کو سمجھنے کے لئے یونان قدیم کے رسم و رواج اور اخلاقی اور معاشرتی تصورات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے ۔ مثلاً یہ کہ عفت نفس کیا ہے ۔ ایسے ہی امرد پرستی کی رسم بد کو ۔ ارسطو کا کہنا یہ ہے کہ افلاطون نے ان باتوں پر کما حقہ توجہ نہیں کی ۔ افلاطون کی اشتمالیت چونکہ مادی نہیں ، اخلاقی اور روحانی ہے ۔ لہذا اس کا فرض تھا کہ جنسی روابط کے مسئلے پر زیادہ غور و فکر سے کام لیتا ۔ گویا یہ صرف مذہبی نقطہ نظر نہیں ہے جس کے ماتحت ارسطو افلاطون کی تنقید کر رہا ہے ۔ اس کی نگاہیں فطرت پر ہیں اور وہ اس جنسی بے راہ روی بلکہ وقاحت نفس کو بھی روکنا چاہتا ہے جو اس طرح لازماً پیدا ہو جائے گی ۔ اس لئے کہ جنسی تعلقات سے مفر کی تو بہر حال کوئی صورت نہیں ، نہ بہ الفاظ دیگر رشتہ امومت و ابوت سے ۔۔۔مترجم

۵ ۔ کیونکہ یہ جنسی تعلقات کی فطری شکل نہیں ، باقاعدہ ازدواج سے البتہ رشتہ و پیوند کا جو سلسلہ قائم ہوتا ہے (ارحام) وہ بھی ایک سبب ہے اتحاد باہمی کا ۔ جیسے برادریوں کا اتحاد جن کی ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ دوسروں سے سبقت لے جائیں ، مگر جو افلاطون کو پسند نہیں ۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ٦٦ ۔۔ مترجم

درپے نہ ہوں (٦) ۔ لیکن پھر بحثییت مجموعی دیکھا جائے تو سقراط کے اشتراکی نظام سے وہ نتائج ہرگز مترتب نہیں ہوں گے جو اچھے اچھے قوانین سے مترتب ہو سکتے ہیں اور جن کی سقراط عورتوں اور بچوں کے متعلق اپنے ضوابط کے پیش نظر توقع رکھتا ہے ۔ اس لئے کہ سب سے بڑی اچھائی جو ہمارے نزدیک شہر کو میسر آ سکتی ہے وہ ہے جسے ہم دوستی سے تعبیر کرتے ہیں اور جس سے بڑھ کر اور کسی چیز سے خانہ جنگی کا انسداد نہیں ہو سکتا ۔ پھر جیسا کہ سقراط نے خود بھی تسلیم کیا ہے شہر کا رابطۂ محبت ہی باقی سب رابطوں پر مقدم ہے اور محبت نتیجہ ہے بقول اس کے دوستی کا (٧) ۔ ارسٹو فینیز (٨) نے بھی ' شہوات ' میں یہی بات کہی ہے ۔ وہ کہتا ہے جن لوگوں کو

---

٦ - اس لئے کہ افلاطونی ریاست میں سب شہری چار حصوں میں منقسم ہوں گے اور اس طرح باعتبار مراتب ان کے چار طبقات قائم ہو جائیں گے ۔ افلاطون چاہتا ہے ریاست کے اس نظام ترکیبی میں کوئی رد و بدل نہ ہو، کیونکہ اس نے ان درجات کی تعیین شہریوں کی ذہنی، اخلاقی اور عملی صفات کے اعتبار سے کی ہے جس میں اصولاً مزید ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں رہتی ۔ لہذا جس طرح اس نے شہریوں پر نہایت کڑی پابندیاں عائد کی ہیں ایسے ہی وہ چاہتا ہے ان رجحانات کا بھی سد باب کر دے جن سے خطرہ ہے اس کی مثالی ریاست کا نظام درہم برہم ہو جائے گا —— مترجم

٧ - بقول زینو (موسسس رواقیت) محبت کا دیوتا ہی شہر کی سلامتی کا ضامن ہے —— مترجم

٨ - Aristophenes افلاطون کے مکالمہ Erotics یا Symposium (ضیافت، مائدہ) کا ایک کردار جس میں اس نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے —— مترجم

آپس میں نہایت گہری محبت ہوتی ہے وہ ایک ہی روح سے سانس لینا اور دو کی بجائے ایک ہی بن کر رہنا چاہتے ہیں ۔ لیکن جس میں ظاہر ہے ایک کا وجود فنا ہو جائے گا (۹) ۔ لہذا اگر کسی شہر میں اس طرح کا اشتراک قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا یہی اشتراک اس کے رشتہ مودت کے لئے انتہائی ضعف کا باعث ہو جائے گا ۔ کیونکہ اس صورت میں نہ باپ کسی کو اپنا بیٹا کہے گا ، نہ بیٹا اسے اپنا باپ (۱۰) ۔ اس کی مثال ویسی ہوگی جیسے کسی میٹھی سی چیز کی ذرا سی مقدار اگر بہت زیادہ پانی میں ڈال دی جائے تو وہ اس میں حل ہو کر اپنی ساری مٹھاس کھو دیتی ہے ، کیونکہ اس طرح کے اشتراک میں نہ رشتے باقی رہیں گے ، نہ ان کا نام و نشان ۔ نہ باپ کو لازم آئے گا بیٹے کا خیال رکھے ، نہ بھائی کو بھائی کا ۔ در اصل دو ہی چیزیں ہیں جو انسان کو اولاد کی پرورش اور محبت پر ابھارتی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ اولاد فی الواقعہ اس کی ہو ، دوسری یہ کہ سچ سچ محبت کے لائق ۔ لیکن اس صورت میں تو ان دونوں باتوں کا مطلق پتہ نہیں چلے گا ۔ پھر جہاں تک کاریگروں اور کسانوں کے بچوں کا سپاہیوں کے بچوں سے تبادلے کا تعلق ہے اور ان کے بچوں کا کاریگروں اور کسانوں کے بچوں سے اس کے لئے جو بھی طریق وضع کیا گیا اس کا نتیجہ انتشار اور پریشانی کے سوا اور کچھ نہیں

---

۹ - روح ، سانس اور اس قسم کے دوسرے الفاظ کے متعلق یونانی تصورات کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ — مترجم

۱۰ - کیونکہ وہ اس کے صرف ہزارویں حصے میں بیٹا ہوگا ۔ لہذا ناممکن ہے ان کے درمیان باپ بیٹے کا پورا پورا تعلق قائم ہو سکے — مترجم

ہوگا (۱۱) ۔ اس لئے کہ جو لوگ بچوں کا ذمہ لیں گے انہیں قطعی طور پر معلوم کرنا پڑے گا کہ ان کو لیا تو کس نے اور دئے تو کس نے (۱۲) ۔ لہذا اندیشہ ہے اس طرح وہ سب برائیاں جن کا ہم اس سے پہلے ذکر کر آئے ہیں بہت زیادہ عام ہو جائیں گی، مثلاً مار پیٹ ، حب محرمات (۱۳) اور قتل وغیرہ ، کیونکہ جن بچوں کو ان کے والدین سے لے کر دوسرے شہریوں کے حوالے کیا جائے گا ، مثال کے طور پر سپاہیوں کے بچوں کو ، ان کے درمیان بھائی بھائی ، یا ماں باپ کا رشتہ تو ہمیشہ کے لئے منقطع ہو جائے گا (۱۴) اور یہی حال ان بچوں کا ہوگا جو سپاہیوں سے لے کر دوسرے شہریوں کے سپرد کئے جائیں گے ۔ لہذا ان حالات میں کسی کو یہ ڈر نہیں رہے گا کہ اس کا طرز عمل

---

۱۱ - افلاطون نے شہریوں کی تقسیم چونکہ باستیاز مراتب کی ہے - لہذا تبادلہ اولاد میں یہ مشکل بھی تو پیش آئے گی کہ ادنی طبقے کی اولاد میں جو بچے اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہیں ان کو اعلیٰ اور اعلیٰ طبقے کی اولاد میں جن بچوں کے اندر یہ صلاحیتیں موجود نہیں ان کو ادنی طبقے میں منتقل کر دیا جائے — مترجم

۱۲ - اس لئے کہ ہو سکتا ہے اس بات کا پتہ چل جائے ان کے حقیقی ماں باپ کون ہیں ۔ لہذا یہ کیسے ممکن ہے ہم کسی بچے کو کلیۃ اس کے والدین یا اس طبقے سے جس سے اس کا تعلق ہے الگ کر دیں اور کر بھی دیں تو دوسرے طبقے میں جا کر اپنے حسب و نسب کا خیال تو بہر حال اس کے دل میں باقی رہے گا — مترجم

۱۳ - یعنی جن سے جنسی تعلقات ممنوع ہیں ' انتہاک محرمات — مترجم

۱۴ - یعنی باوجود اس رشتے کی موجودگی کے ۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے کو ماں باپ ' بہن بھائی یا بیٹا بیٹی کہہ کر نہیں پکارینگے — مترجم

قرابت داری کے خلاف تو نہیں (۱۵) ۔ حاصل کلام یہ کہ جہاں تک بیوی بچوں میں اشتراک کا تعلق ہے ہمارا اتنا ہی کچھ کہنا کافی ہوگا ۔

---

۱۵ - یعنی وہ جرائم جن کا ذکر شروع میں آیا تھا زیادہ کثرت سے وقوع پذیر ہوا کرینگے اور بدلے ہوئے بچے اس تھوڑے بہت تعلق سے بھی محروم ہو جائیں گے جو کسی ایک طبقے کے اندر بیوی بچوں کے اشتراک کے باوجود قائم رہتا ۔ لہذا انہیں اندرونی طور پر بھی کوئی چیز اس قسم کے جرائم کے ارتکاب سے باز نہیں رکھے گی — مترجم

# پانچواں باب

آئیے اب یہ دیکھیں کہ جس ریاست کی تشکیل کسی کامل و مکمل طرز حکومت کی بنا پر کی جائے وہاں املاک کے نظم و انضباط کی بہترین صورت کیا ہوگی ۔ اشتراک یا عدم اشتراک ؟ اس لئے کہ یہ بجائے خود ایک الگ تھلگ مسئلہ ہے اور اس سے بالکل مختلف جس کا تعلق بیوی بچوں سے تھا (۱) ۔ سوال یہ ہے کہ املاک کا الگ الگ رہنا جیسا کہ بحالت موجودہ دستور ہے بہتر رہے گا ، یا یہ کہ املاک اور املاک سے انتفاع دونوں باتوں کو مشترک ٹھہرایا جائے ؟ یا پھر ایسا کریں کہ زمین تو الگ الگ رہے لیکن پیداوار اکٹھی ، یعنی سب کے لئے مشترک ، اور اس طرح ایک ذخیرہ کا کام دے، جیسا کہ بعض قوموں میں اب بھی رواج ہے ۔ یا اس کے برعکس یہ کہ زمین تو مشترک ہو اور اس کی کاشت بھی مل کر کی جائے مگر پیداوار کی تقسیم جیسی جیسی افراد کی ضرورت

---

۱- ریاست کے اشتمالی یا غیر اشتمالی نظام سے - الفاظ اور مصطلحات کے لئے دیکھئے مقدمہ علیٰ ھذا فرہنگ ۔

اشتمالیت کی حقیقی روح تو صرف ملکیت زمین کا اشتمال ہے - بیوی بچوں کے بارے میں اس قسم کا معاملہ ایک ضمنی سوال ہے جو اشتمال املاک سے اگرچہ قدرتاً پیدا ہو جاتا ہے لیکن جس کے ماتحت یہ یہ ضروری نہیں کہ اشتمالیت کو لازماً گھر بار (عائلہ) تک وسعت دے کر گھر کی نفی کر دی جائے - ارسطو اس نکتے کو خوب سمجھتا ہے جیسا کہ متن سے ظاہر ہوجاتا ہے ـــ مترجم

ہے ویسے ہوتی رہے ؟ چنانچہ کہا جاتا ہے بعض غیر متمدن قومیں ایسا ہی کرتی ہیں ۔ یا پھر یہ کہ زمین اور اس کا حاصل دونوں مشترک ٹھہریں (۲) ؟ لیکن اس مسئلے کا حل آسان ہے بشرطیکہ شہریوں کا یہ کام نہ ہو کہ کسانوں کے فرائض سر انجام دیں ۔ اس میں دشواریاں پیدا ہوں گی تو جب ہی کہ جن لوگوں کو زمین

---

۲ - لیکن جس کی ایک چوتھی صورت بھی ہے جس کی طرف ارسطو کا ذہن منتقل نہیں ہوا اور ہوا بھی تو اس نے اس کا ذکر نہیں کیا - وہ یہ کہ ملکیت اور اس سے استفادہ دونوں ذاتی رہیں ۔ ارسطو نے جو تین صورتیں پیش کی ہیں ان پر اس نے کوئی رائے زنی نہیں کی - اس نے یہ سمجھتے ہوئے کہ افلاطونی اشتمالیت کی حقیقی شکل وہی ہے جس کا تعلق اس امر سے ہے کہ زمین اور اس کا حاصل دونوں مشترک ٹھہرائی جائیں - صرف اسی پر رائے زنی کی اور بتایا کہ ذاتی ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے بھی اس سے استفادے کا حق عام کردیا جائے تو اس سے کیا کیا فوائد مترتب ہوں گے - لیکن اس باب کا زیادہ ' یعنی باقی ماندہ حصہ صرف افلاطونی نظام اشتمالیت کی تنقید کے لئے وقف ہے جس میں ارسطو نے بڑی حد تک ناانصافی سے کام لیا ہے - وہ نہیں سمجھا افلاطونی اشتمالیت کی حقیقی روح کیا ہے اور اس لئے اس کی آخری اور تیسری شکل کا کما حقه جائزہ لینے سے قاصر رہا ' بجز اس کے کہ ملکیت کی پہلی صورت پر زور دیتے ہوئے افلاطون کے نظام معشیت کو رد کر دے - اوسطو کی ساری توجہ زمین اور اس کی پیداوار پر ہے - شاید اس لئے کہ یہ زمانہ زرعی سرمایہ داری کا تھا - سرمایہ دارانہ معیشت کی دوسری شکلوں کی ابھی داغ بیل ہی پڑی تھی لہذا صنعت و حرفت یا کاروبار میں کسی ایسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا جس کی بنا پر اشتمالیت یا عدم اشتمالیت کی بحث ناگزیر ہو جاتی — مترجم

کا حق ملکیت حاصل ہے ان سب کو مل کر کام کرنا پڑے گا کیونکہ بہت ممکن ہے وہ محنت اور اس کے حاصل (۳) میں ٹھیک

---

۳ - ارسطو کہتا ہے فرض کیجئے زمین کی ملکیت مشترک قرار دی جاتی ہے - اس صورت میں یا تو لوگ خود اس کی کاشت کرینگے ' یا اسے دوسرے (یعنی غلاموں) کے ذمے کر دیں گے - ارسطو کے نزدیک پہلی صورت خالی از اندیشہ نہیں - کیونکہ اس طرح مالکان زمین اور دوسرے لوگوں میں آئے دن کوئی نہ کوئی نزاع پیدا ہوتا رہے گا - دوسری صورت البتہ زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ مالکان زمین خود تو محنت مزدوری سے بچے رہیں گے ' لہذا وہ اس کا مقابلہ (جیسا کہ پہلی صورت میں ہوتا) دوسروں کی تن آسانی اور مال و دولت سے نہیں کریں گے - اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اہل شہر میں میل محبت اور اتحاد و اتفاق کو تحریک ہوگی -

لیکن 'جمہوریہ' میں افلاطون نے پہلی صورت کی طرف اشارا کیا ہے نہ اس میں دوسری کا کہیں ذکر آیا ہے - ارسطو کا یہ خیال کہ زمین کی ملکیت مشترک رہے گی سرے سے غلط ہے - افلاطون کہتا ہے کسان زمین کے مالک ہوں گے جس پر انہیں ذاتی یعنی الگ الگ ملکیت کا حق حاصل ہوگا - زمین کے سلسلے میں اشتمالیت کو روا رکھا جائے گا تو صرف اس حد تک کہ فوج چونکہ اہل شہر کی سیاسی اور دفاعی خدمات سر انجام دیتی ہے ' لہذا پیداوار کا ایک حصہ اس کے لئے مخصوص رہے جس کو سب (فوجی) مل کر استعمال کریں گے - گویا افلاطون کے نظام حکومت میں مشترکہ ملکیت کا تو کہیں وجود نہیں - ہے تو مشترکہ استفادے کا اور وہ بھی صرف اس جماعت کے لئے جسے وہ محافظین کے نام سے موسوم کرتا ہے - کسان بہر حال اپنی اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے - وہ خود ہی اس کی کاشت کریں گے اور فائدہ اٹھائینگے - ان پر پابندی ہوگی تو صرف اتنی کہ پیداوار کا ایک حصہ فوج کے لئے وقف کر دیں - دوسری یہ کہ وہ ایک حد مقررہ سے زیادہ زمین کے مالک نہ بن سکیں - باالفاظ دیگر افلاطون کا عمل بھی اسی اصول پر ہے جو ارسطو کے پیش نظر ہے ' یعنی ملکیت الگ الگ' لیکن استفادہ مشترک -

تعجب ہے ارسطو ایسا فلسفی ' دانا اور زیرک انسان اپنے استاد کی ایسی غلط تنقید کیوں کرتا ہے ـــ مترجم

ٹھیک تناسب قائم نہ رکھ سکیں ۔ اس کے برعکس جو لوگ زیادہ محنت کریں گے لیکن پیداوار میں ان کا حصہ نسبتاً کم ہے یقیناً ان کے شاکی رہینگے جن کا حصہ پیداوار میں زیادہ ہے اور محنت میں کم ۔ لہذا بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو انسانوں میں کوئی اس طرح کا کامل و مکمل اشتراک قائم کرنا جس میں حتی الوسیع ہر چیز شامل ہو تا کہ جو کچھ بھی کسی کے قبضے میں ہے سب کے لئے مشترک ٹھہرے دشوار ہے اور املاک کی صورت میں تو دشوار تر ۔ چنانچہ اس کا ایک بین ثبوت آباد کاروں ہی کی مشترک زندگی سے مل جاتا ہے جن کے درمیان آئے دن کوئی نہ کوئی نزاع پیدا ہو جاتا اور جو ذرا ذرا سی بات پر ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں (۴) ۔ یوں بھی کون نہیں جانتا کہ جہاں کہیں گھر کا کام مشترک طور پر غلاموں کے سپرد کیا گیا ان کی اصلاح کی ضرورت بار بار پیش آتی رہے گی ۔ کچھ ایسی ہی مشکلات ہیں جن کا دولت کے اشتراک میں بھی ہمیں لازماً سامنا کرنا پڑے گا ۔

برعکس اس کے زندگی کا جو ڈھرا اس وقت قائم ہے اور جسے اخلاق حسنہ اور مساویانہ قوانین کے نظام نے چار چاند لگا رکھے ہیں (۵) اس دوسرے نظام (۶) سے کہیں بہتر ہے ، کیونکہ اس میں دونوں خوبیاں جمع ہیں ۔ دونوں سے ہمارا مطلب ہے دولت کا

---

۴ - بعض متون میں آبادکاروں کی بجائے مل کر سفر کرنے والے — مترجم

۵ - یعنی جاتی ملکیت کے باوجود املاک سے مشترک استفادے نے کچھ از روئے رسم و رواج اور کچھ بر بنائے قوانین ، جو صورت اختیار کر رکھی ہے ۔ لہذا مساویانہ قوانین ، نہ کہ قوانین مساوات دولت — مترجم

۶ - افلاطون کے نظام اشتمالیت سے — مترجم

مشترک اور منقسم ہونا (۷) - دونوں اس لئے کہ ایک معنوں میں اگر دولت کا مشترک رہنا بہتر ہے تو دوسرے لحاظ سے ، یعنی بحیثیت مجموعی یہی انسب ہے کہ اسے افراد کی ذاتی ملکیت ٹھہرایا جائے (۸) - یوں ہر شخص کی توجہ اپنے کام پر ہوگی اور اسے یہ موقع بھی نہیں ملے گا کہ دوسروں سے خلاف شکوہ شکایت کرنے لگے - اس طرح صنعت و حرفت کو بھی ترقی ہوگی اس لئے کہ ہر کسی کی کوشش ہوگی کہ اپنی املاک کو ترقی دے - علاوہ ازیں اس طرح یہ بھی تو ہوگا کہ لوگ ایک دوسرے سے حسن سلوک پر آمادہ رہیں جیسا کہ ضرب المثل ہے "دوستوں میں سب چیزیں مشترک ہوا کرتی ہیں" (۹) - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں بعض شہروں میں اس طرح کے رسم و رواج کے تھوڑا بہت آثار اب بھی باقی ہیں - لہذا یہ کوئی ایسی تجویز نہیں جسے نا قابل عمل ٹھہرایا جائے - با لخصوص ان شہروں میں جہاں حکومت کا نظم و نسق فی الواقعہ اچھا ہے - اس طرح بعض چیزیں تو ایک لحاظ سے مشترک ہی رہیں گی اور ہو سکتا ہے بعض دوسری چیزوں میں بھی اشتراک قائم ہو جائے ،

---

۷ - اور جس کا مطلب ہے املاک کی ذاتی اور نجی ملکیت — مترجم

۸ - گویا ارسطو کا اصول ہے 'ملکیت ذاتی استفادہ مشترک' — مترجم

۹ - 'حساب دوستاں در دل' — مترجم

۱۰ - Sparta متن میں Lacedaemon (لاکے ڈیمون) جو اس کا دوسرا نام ہے۔ پیلوپونے سس کا سب سے بڑا شہر اور اثینیه کی طرح یونانی تاریخ میں خاص طور پر مشہور - اسپارٹا کے ارد گرد کوئی شہر پناہ نہیں تھی - اہل اسپارٹا کی شجاعت ، دلیری ، جسمانی قوت اور بدن کی مضبوطی جیسا کہ سب کو معلوم ہے ضرب المثل تھی - تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کوئی کلاسیکی قاموس — مترجم

کیونکہ اس صورت میں گو ہر شخص اپنی ذاتی املاک سے فائدہ اٹھائے گا ، مگر اس کے ساتھ ساتھ دوستوں کی امداد بھی کرتا رہے گا ، حتیٰ کہ بعض چیزوں کو سب میں مشترک سمجھے - جیسے کا اسپارٹا میں جہاں لوگ ایک دوسرے کے غلام اس طرح استعمال کر لیتے ہیں گویا وہ ان کی اپنی ملکیت ہیں ، بعینہ جس طرح حالت سفر میں گھوڑے اور کتے ، یا ضرورت کی کوئی دوسری شے استعمال کر لی جاتی ہے ،، -

لہذا ثابت ہوا ملکیت کا نجی رہنا ہی انسب ہے - البتہ اس کا استعمال مشترک ہونا چاہئے - رہا یہ امر کہ اہل شہر کو اس صورت حالات پر آمادہ کیا جائے تو کیسے ، سو یہ کام قانون ساز کا ہے - کچھ ایسا ہی معاملہ خوش بختی کی زندگی کا ہے - بات یہ ہے کہ ہمارا یہ احساس کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز بھی ہے جسے ہم اپنا کہہ سکیں بڑے بڑے فائدوں کا باعث ہوتا ہے - اس لئے کہ حب ذات کوئی ایسا جذبہ نہیں جس کے کچھ معنی نہ ہوں - یہ احساس طبعی ہے (۱۲) - گو اس کی بجا طور پر مذمت کی جاتی ہے لیکن صرف اس صورت میں جب کوئی شخص اپنی ذات کو ضرورت سے زیادہ عزیز رکھے (۱۳) - جب زر کو بھی برا کہا جاتا ہے تو

---

۱۱ - مطلب یہ ہے کہ سفر کی حالت میں اگر زاد راہ کی ضرورت پڑتی تو اس کو دوسروں کے کھیتوں سے پورا کر لیا جاتا — مترجم

۱۲ - اور جس سے افلاطون نے 'نوامیس' فصل پنجم میں بحث کی ہے—مترجم

۱۳ - یعنی حب ذات کا تعلق اگر عزت نفس سے ہے تو اس میں کوئی عیب نہیں ، بلکہ یہ ایک اخلاقی ضرورت ہے - ثانیاً یہ کہ حب ذات اتنی بری چیز نہیں جتنی اپنی ذات سے غفلت — مترجم

اس بنا پر ، ورنہ دولت اور اپنا آپ کسے عزیز نہیں ؟ دوستوں اور ساتھیوں کی امداد سے کسے مسرت نہیں ہوتی ! کون ہے جو حق مہمانی سے خوش نہیں ہوتا ؟ لیکن یہ باتیں تو جب ہی ممکن ہیں جب ملکیت کا معاملہ ذاتی اور نجی ہو ۔ بر عکس اس کے اگر شہر میں ضرورت سے زیادہ وحدت پیدا کر دی گئی تو ان کا کوئی امکان باقی نہیں رہے گا ۔ اس طرح کے نظام میں تو عفت اور سخاوت ایسے بنیادی فضائل اخلاق کی پابندی بھی نا ممکن ہو جائے گی (۱۴) ۔ ہمارا مطلب ہے جنسی عفت جس کا تقاضا ہے کہ آپ دوسروں کے گھر کی حرمت قائم رکھیں ۔ سخاوت کے لئے بھی تو ذاتی ملکیت نا گریز ہے ، اس لئے کہ اگر ذاتی ملکیت باقی نہیں تو اس امر کا اندازہ کیسے ہوگا کہ کسی شخص کی سخاوت کا کیا رنگ ہے ۔ وہ کسی سے فیاضانہ سلوک کر لے گا تو کیسے اس لئے کہ سخاوت کے معنی ہیں اپنی کوئی چیز کسی دوسرے کو دے ڈالنا ۔

بات اصل میں یہ ہے کہ اپنی ظاہری خوبیوں ، علیٰ ہذا نوع انسانی کے متعلق بڑے بڑے دعووں کی بنا پر تو یہ نظام سیاست بڑا دلکش نظر آتا ہے ، حتیٰ کہ اگر اس کو کسی کے سامنے پیش کیا جائے تو اس کا دل مسرت سے اچھل پڑے گا ۔ وہ سمجھے گا یہ دوستی کا ایک حیرت انگیز رابطہ ہے جو ہر کسی کو رشتہ محبت میں منسلک کر دے گا ۔ با لخصوص اس صورت میں جب ہم ان خرابیوں کی اکثر مذمت کیا کرتے ہیں جو بحالت موجودہ ہمارے نظام معاشرت

---

۱۴ - یہاں پھر ارسطو نے بحث کا رخ بیوی بچوں کی اشتمالیت کی طرف موڑ دیا ہے اور مسرت کا مسئلہ جوں کا توں رہا ۔ گویا نفسیات کی جگہ اخلاقیات نے لے لی ---- مترجم

میں اس لئے پائی جاتی ہیں کہ املاک کا معاملہ غیر مشترک ہے۔ یعنی وہ برائیاں جو طرح طرح کے معاہدوں کی بدولت لوگوں میں آئے دن پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ ایسے ہی دھوکا فریب، جھوٹی شہادتوں، یا اہل زر کی خوشامد اور عدالتوں کے فیصلے (۱۵)، حالانکہ ان کی اصل وجہ انسان کے فطری مصائب ہیں، نہ کہ املاک کا ذاتی اور نجی ہونا۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ عام طور پر مشترک زندگی بسر کرتے اور ہر چیز میں باہم شریک رہتے ہیں وہ ان لوگوں کی نسبت جو اپنی چیزوں کے آپ مالک ہیں کہیں زیادہ لڑتے جھگڑتے اور باہم دست گریباں ہوجاتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جن لوگوں میں املاک مشترک ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے اور اس لئے بمقابلہ ان کے جن کی ملکیتیں ذاتی ہیں ان کے خصومات کی تعداد بھی بظاہر کم نظر آتی ہے (۱۶)۔ پھر ان دشواریوں کے ساتھ ساتھ جو اشتراک ملکیت کے باعث ناگزیر طور پر رونما ہو جائیں گی ہمیں ان فوائد کا ذکر بھی کر دینا چاہئے جن سے اس طرح لوگ محروم رہ جائیں گے۔ اس لئے کہ بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو عملاً اس طریق زندگی کی کامیابی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ سقراط نے جو غلطی کی ہے ایک ایسے اصول کے باعث جو بجائے خود باطل ہے۔ مانا کہ شہر اور کنبے دونوں کو بعض پہلوؤں سے ایک ہونا چاہئے، لیکن تمام و کمال نہیں۔

---

۱۵ - عدل و انصاف کے خلاف — مترجم

۱۶ - گویا ارسطو کے نزدیک ذاتی ملکیت کا خاتمہ کر دیا گیا تو انسان کی استعداد خیر میں فرق آ جائے گا - وہ اپنی فطری اور طبعی' علیٰ ھذا جائز مسرتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا - اس میں اتحاد و اتفاق کی بجا' اختلاف اور انتشار پیدا ہو جائے گا — مترجم

کیونکہ ایک حد ہے جس سے تجاوز کرتے ہوئے شہر ایک ہو گیا تو اس کی ہستی فنا ہو جائے گی (۱۷) ۔

پھر ایک اور مرحلہ ہے جہاں پہنچ کر شہر اگرچہ شہر ہی رہے گا لیکن اس حد تک نہ رہنے کے برابر کہ اس کا ہونا نہ ہونے سے بھی بدتر ہوگا ۔ بعینہ جیسے کچھ لوگ مل کر گا رہے ہوں اور ہم ان کی آواز ایک کر دیں ، یا جیسے پورے کا پورے شعر تقطیع کے ایک رکن میں ٹھونس دیا جائے (۱۸) ۔ اس میں کوئی شک نہیں لوگوں میں وحدت اور اشتراک پیدا کرنا ضروری ہے مگر اس کا ذریعہ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں تعلیم ہے (۱۹) جیسا کہ اسپارٹا میں مقننین نے املاک اور قریطش میں دسترخوانوں کو ایک کر دیا ہے ۔ بایں ہمہ جو کوئی کسی بات کی تعلیم دیتا اور یہ سمجھتا ہے کہ شہر اپنے مرتبہ کمال کو پہنچ گیا ، لوگ اس کو عزت اور وقار کی نظر سے دیکھ رہے ہیں اسے چاہئے یہ غلط خیال اپنے دل سے نکال دے کیونکہ یہ مقصد حاصل ہوگا تو آداب و اخلاق ، فلسفہ اور

---

۱۷ - گویا اس صورت میں حسب املاک کے ساتھ بیوی بچوں کو بھی مشترک ٹھہرایا گیا — مترجم

۱۸ - بجائے ہم آہنگی اور توافق کے ۔ رہا شعر تو ظاہر ہے اس کے متعدد ارکان ہونگے ورنہ تقطیع کے کوئی معنی باقی نہیں رہیں گے — مترجم

۱۹ : ملاحظہ ہو اس فصل کا دوسرا باب ۔ ارسطو کا اشارا در اصل شہر کی طرف ہے ۔ شہر مجموعہ ہے مختلف متنوع اجزا کا ۔ ارسطو کہتا ہے اسپارٹا اور قریطش میں باوجودیکہ املاک نجی اور ذاتی ہیں دسترخوان مشترک ہوگئے ۔ یعنی املاک ذاتی رہے لیکن افادہ مشترک — مترجم

قوانین(۲۰) کی بدولت ۔ لہذا جس حکومت کی اساس اشتراک دولت پر ہے اس کا فرض ہے سالہا سال کے تجربوں سے فائدہ اٹھائے اور سوچے کہ اس قسم کی تجویز کیا فی الواقعہ مفید رہے گی ۔ یوں بھی وہ کون سی بات ہے جو اس سلسلے میں ہمارے سامنے نہیں آئی ، یا جسے قریباً قریباً معلوم نہیں کر لیا گیا ۔ ہاں یہ ممکن ہے بعض باتیں نظر انداز ہو گئی ہوں ، یا بعض اگرچہ معلوم ہیں لیکن ان پر عمل نہیں کیا گیا (۲۱) ۔ بہر حال جہاں اس طرح کی کوئی حکومت معرض وجود میں آئی یہ سب باتیں بخوبی عیاں ہو جائیں گی ۔ اس لئے کہ ایسا کوئی شہر بن گیا تو نا ممکن ہے اسے الگ الگ اور جداگانہ حصوں میں تقسیم نہ کیا جائے ۔ مثلاً عام دسترخوانوں یا محلوں اور قبیلوں ہی کے اعتبار سے ۔ اندریں صورت قوانین کے بل پر کچھ کیا گیا تو یہی کہ

---

۲۰ - قوانین سے مقنن لوگوں کے اندر ذاتی املاک سے عام استفادے کی روح پیدا کرے - اس لئے کہ اگر قوانین مناسب ہیں تو املاک کی ذاتی ملکیت کا نظام ان کی اشتمالیت سے زیادہ بہتر ثابت ہوگا - لہذا اس زیادہ بہتر صورت کا حصول جب ہی ممکن ہے کہ ان سے استفادے کا ہر کسی کو حق حاصل ہو ''جب ہی اس نظام سیاست کو چار چاند لگ سکتے ہیں'' آداب و اخلاق سے مطلب ہے رسم و رواج ، فلسفه سے تربیت ذہن — مترجم

۲۱ - حسب متن - لیکن دوسرے مرتبین اور شارحین کے نزدیک اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی حاصل کردہ معلومات سے چونکہ منطقی طور پر ابھی کوئی نتیجہ اخذ نہیں کر سکے ، لہذا یہ معلومات نظر انداز ہو چکی ہیں - بلکہ ان میں سے بعض پر عمل بھی نہیں کیا گیا — مترجم

سپاھی زراعت میں حصہ نہ لیں ۔ یعنی وھی بات جس کے اھل اسپارٹا اس وقت درپے ھیں (۲۲) ۔

سقراط نے تو اتنا بھی نہیں بتایا (اور یہ بتانا کچھ آسان بھی نہیں تھا) کہ اگر ریاست کی ھر شے مشترک قرار دی گئی تو افراد کے لئے کس طرح کی حکومت موزوں رھے گی (۲۳) ۔ سقراط کے شہریوں میں غالب تعداد تو ایسے ھی لوگوں کی ھوگی جن کا تعلق مختلف پیشوں سے ھے (۲۴) ۔ لیکن وہ اس باب میں کچھ بھی نہیں کہتا ۔ مثلاً یہ کہ کسانوں کی املاک مشترک ھونگی ، یا جداگانہ ، یعنی جیسا انہیں حصہ دیا جائے گا ۔ نیز یہ کہ ان کے درمیان کیا بیوی بچے بھی مشترک ٹھہریں گے (۲۵) ۔ پھر اگر اشتراک سے مطلب ھے ھر

---

۲۲ - اسپارٹا کے امرا (افلاطون کے محافظین ، سپاہ) کو اگرچہ زمین کے حقوق ملکیت حاصل تھے مگر اس کی کاشت غلاموں کے (جن کو ھیلٹ کہا جاتا تھا) سپرد تھی - افلاطون کے نظام سیاست میں فوج کو زمین کی ملکیت کا کوئی حق نہیں دیا گیا - اس کی کاشت بھی اگرچہ کسانوں کے ذمے کی گئی ھے لیکن کسانوں کو ' ھیلٹ ' (غلام) تصور نہیں کیا گیا - لہذا ارسطو کی یہ رائے غلط ھے اور افلاطون سے بے خبری پر مبنی — مترجم

۲۳ - یعنی فوج کا اور پھر کسانوں ، علیٰ ھذا کسانوں اور اھل سپاہ کے باھمی روابط کا — مترجم

۲۴ - کاریگروں کی طرف اشارا ھے ، یعنی افلاطونی ریاست کا چوتھا طبقہ — مترجم

۲۵ - یہاں پھر ارسطو نے افلاطون کا مطلب غلط سمجھا ھے - افلاطون کے الفاظ نہایت واضح ھیں - کسانوں کو ذاتی ملکیت کے حقوق حاصل ھونگے - وہ الگ الگ کنبوں میں رھیں گے — مترجم

چیز میں اشتراک، تو ان میں اور اہل سپاہ میں فرق ہی کیا رہ جائے گا ؟ وہ ان کے محکوم رہ کر کیا فائدہ اٹھائیں گے ؟ یا یہ کہ وہ کیا اصول ہے جس کی بنا پر انہیں ان کی اطاعت کرنا ہوگی ؟ الا یہ کہ ہم اہل قریطش کے دانشمندانہ طرز عمل کی پیروی کریں جہاں غلاموں کو بھی ہر طرح کی آزادی حاصل ہے، بجز اس کے کہ انہیں ورزشوں میں حصہ لینے یا اسلحہ کے استعمال کی اجازت نہیں (۲۶)۔ برعکس اس کے اگر ان میں اس طرح کا کوئی اشتراک قائم کرنا منظور نہیں تاکہ بہ اعتبار ملکیت ان کی حیثیت وہی رہے جو دوسرے شہروں میں ہے تو یہ کیسا اشتراک ہے جو ان میں قائم کیا جائے گا ؟ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ایک شہر کے دو شہر بن جائیں اور دونوں ایک دوسرے کے حریف رہیں۔ اس لئے کہ سقراط نے سپاہیوں کو تو ریاست کا محافظ ٹھہرایا ہے لیکن کسانوں، کاریگروں اور دوسروں کو صرف شہری(۲۷)۔ لہذا وہ سب لڑائی جھگڑے، الزام اور بہتان تراشی اور اس قسم کے دوسرے عیوب ان کے یہاں بھی پیدا ہو جائیں گے جو اس کے نزدیک شہروں کی خرابی کا باعث ہوئے۔ بایں ہمہ سقراط کی رائے

---

۲۶ - اسلحہ کے استعمال کی ممانعت تو سمجھ میں آ سکتی ہے، ورزش کی ممانعت اس لئے کہ یونانی زندگی میں اسے خاص اہمیت حاصل تھی۔ ورزش گاہوں اور المپوی کھیلوں میں ہر کس و ناکس حصہ نہیں لے سکتا تھا — مترجم

۲۷ - لیکن ایک شہر میں دو شہروں کی موجودگی، یعنی شہر در شہر (ریاست در ریاست) کی مخالفت ارسطو نے اس بنا پر نہیں کی کہ ایک کا نظام اشتمالی ہوگا، دوسری کا غیر اشتمالی، بلکہ اس خیال سے کہ افلاطونی نظام سیاست میں اہل سپاہ کی حیثیت کچھ وہی ہو جائیگی جو کسی مقبوضہ شہر میں محافظ فوج کی — مترجم

ہے کہ انہیں کچھ بہت زیادہ قوانین کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ انہوں نے تعلیم حاصل کر لی ہوگی ۔ بازاروں ، گلی کوچوں یا منڈیوں کے لئے البتہ کچھ ضوابط قائم کرنا پڑیں گے ، حالانکہ سقراط کی توجہ صرف سپاھیوں کی تعلیم پر ہے ۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اگر کسان ایک مقررہ رقم بطور خراج (۲۸) ادا کرتے رہیں تو زمین کی ملکیت برقرار رکھ سکتے ہیں ۔ لیکن اس طرح کیا گیا تو وہ ان غلاموں سے بھی زیادہ خود سر ہو جائیں گے جن کو ھیلٹ اور پے نیسٹ(۲۹) کہا جاتا ہے جن سے بعض دوسرے کام بھی لئے جاتے ہیں ۔ سقراط نے کسانوں کے مسئلے پر بھی مطلق توجہ نہیں کی ، نہ اس کی ضرورت سمجھی ، نہ اس امر پر کہ اس ساری بحث میں کون سی باتیں غور طلب ہیں ، نہ اس پر کہ کسانوں کو اس کے نظام سیاست میں کیا جگہ ملے گی ، ان کی تعلیم کیا ہوگی ، قوانین کیسے ۔ پھر یہ کوئی معمولی بات نہیں ، نہ اس کا حل کچھ ایسا آسان ۔ اس لئے کہ اگر سپاھیوں کی زندگی کو مشترک رکھنا منظور ہے تو اس صورت میں جو قانون وضع کئے جائیں گے ان کی بنا کس اصول پر ہوگی ؟ فرض کیجئے کسانوں کے یہاں بیویاں تو مشترک ہیں ، لیکن املاک غیر مشترک اندریں صورت کون ہے جو امور خانہ داری میں اسی انہاک سے کام لے گا جس سے کھیتوں میں لیا جاتا ہے ؟ یہ مسئلہ یوں تو حل ہوگا نہیں

---

۲۸ - بمعنی مالیہ ۔ خراج یعنی خراج زمین (جیسا کہ عربی اصطلاح ہے) — مترجم

۲۹ - Helots جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ہے وہ غلام جو اسپارٹا میں کاشتکاری کرتے تھے ۔ Panestiae اس قسم کے کاشتکار غلام جن سے تھسلی میں زمینوں پر کام لیا جاتا تھا — مترجم

که بیویوں کے ساتھ ساتھ املاک میں بھی اشتراک قائم کر دیا جائے ۔ اس سلسلے میں حیوانوں کی مثال پیش کرنا تو اور بھی مہمل سی بات ہے ، مثلاً اگر ہم نے یہ کہا کہ مردوں کے جنسی تعلقات بھی اسی اصول پر منضبط ہوں گے جو حیوانوں میں کام کر رہا ہے ، حالانکہ حیوانوں میں تو گھر کی زندگی کا کوئی وجود ہی نہیں (۳۰) ۔

پھر اگر حکومت کا نقشہ ہمیشہ اسی ڈھرے پر قائم رہا جو سقراط کے ذہن میں ہے تو یہ امر بھی خطرے سے خالی نہیں ہوگا(۳۱) ۔ وہ چاہتا ہے زمام اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں رہے جو باہم ہم مرتبہ ہیں ۔ حالانکہ یہی وہ بات ہے جو کم مرتبہ لوگوں کو فتنہ و فساد پر اکساتی رہتی ہے ، بالخصوص ان کو جو دلیر اور

---

۳۰ ۔ حالانکہ افلاطون نے کہا ہے تو یہ کہ عورتیں بھی ہر کام میں مردوں کے ساتھ شرکت کی خواہش رکھتی ہیں (یعنی وہ ہر کام میں ان کی شریک رہیں گی) ، جیسے کھیتوں کی دیکھ بھال میں اور جس میں ہم نر و مادہ کا امتیاز نہیں کرتے ۔ ہم یہ نہیں کہتے ایک جنس تو دیکھ بھال کر سکتی ہے ، دوسری نہیں کر سکتی ۔ لیکن ارسطو غالباً یہ کہنا چاہتا ہے کہ عورتوں کے ذمے گھر کے بھی کچھ کام ہوتے ہیں ۔ حیوانات کی زندگی میں البتہ ایسا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا — مترجم

۳۱ ۔ حکومت کی بحث ارسطو نے اس لئے چھیڑی ہے کہ افلاطون کی اشتمالیت کا لازماً یہ تقاضا ہے کہ حکومت کا نقشہ ایک مخصوص شکل اختیار کرے — مترجم

طبعاً جنگجو واقع ہوئے ہیں (۳۲) ۔ مگر سقراط تو مجبور ہے کہ اپنے نظام اشتمالیت کو کچھ ایسی ہی شکل دے ۔ اس لئے کہ سونے کا وہ ذرہ جسے خدا نے روح انسانی سے آمیز کیا ہے ایک سے دوسرے کی جانب پرواز نہیں کرتا ، بلکہ جہاں کہیں ہے ہمیشہ وہیں رہے گا ۔ سقراط کا اپنا قول بھی تو یہی ہے کہ ہم میں بعض کے پاس تو سونا ہے ، بعض کے چاندی جسے گویا اسی روز ہماری سرشت میں داخل کر دیا گیا جب ہماری پیدائش ہوئی (۳۳) ۔ یہ دوسری بات ہے کہ جس کسی کو کسان یا کاریگر بننا ہے اس کے حصے میں پیتل اور لوہا ہی آتے ہیں ۔ پھر جب وہ سپاہیوں کو لطف و مسرت سے محروم رکھتا ہے (۳۴) تو اس کے ساتھ ساتھ اس امر پر بھی اصرار کرتا ہے کہ قانون ساز کا فرض ہے سب شہریوں کو خوش رکھے ۔ حالانکہ ظاہر ہے سارا شہر کیسے خوش رہ سکتا ہے ۔ اس کو خوشی نصیب ہوگی تو اس طرح کہ یا تو سب ، یا زیادہ ، یا کچھ خوش رہیں ۔ اس لئے کہ خوشی اور مسرت کوئی عددی مساوات تو ہے نہیں کہ چند ایک اعداد کو باہم جمع کرتے ہوئے حاصل کر لی جائے ۔ مگر جسے الگ الگ دیکھا جائے تو

---

۳۲ - کم مرتبہ کا اشارا شاید کسانوں کی طرف ہے - دلیر اور جنگ جو کا فوج کی طرف - لیکن اگر افلاطون یہ چاہتا ہے کہ ایک ہی مرتبے کے لوگ بر سر اقتدار رہیں تو اس لئے کہ بعض لوگ قدرتی طور پر حکومت اور فرمانروائی کے اہل ہوتے ہیں — مترجم

۳۳ - اس لئے کہ طبقات کی بجائے ارسطو کی نظر افراد کی صلاحیتوں پر ہے جیسا کہ اہل یونان کا عام طور پر خیال تھا - وہ حاکم و محکوم کی قدرتی تقسیم کے قائل تھے — مترجم

۳۴ - یعنی اس لطف و مسرت سے جو ذاتی املاک کی بدولت قدرتاً ہر شخص کو حاصل ہوگی — مترجم

کسی عدد کے اندر موجود نہ ہو۔ خوش بختی اور مسرت حاصل جمع نہیں۔ بلکہ وہ چیز جس سے ہر کسی کو بہرہ ملنا چاہئے جیسے ہر عدد تام کے اندر کچھ نہ کچھ خواص موجود ہوتے ہیں (۳۵)۔ لہذا اگر سپاہی ہی خوش نہیں تو اور کون خوش ہوگا (۳۶)۔ اس لئے کہ کاریگر تو خوش ہوں گے نہیں، نہ انسانوں کی وہ کثرت جسے ادنیٰ کاموں پر لگایا جائے گا۔ گویا سقراط نے ریاست کا جو نقشہ تیار کیا ہے اس میں یہ سب نقائص موجود ہوں گے، بلکہ کچھ اور بھی جن کی اہمیت اپنی جگہ پر کچھ کم نہیں (۳۷)۔

---

۳۵ - مطلب یہ ہے کہ شہر جب ہی خوش رہے گا کہ سب اور سب نہیں تو زیادہ، یا کم از کم کچھ لوگ خوش رہیں۔ کیونکہ خوشی وہ چیز تو ہے نہیں کہ افراد میں عدم موجودگی کے باوجود معاشرے میں موجود ہو۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ فرداً فرداً سب خوش رہیں۔ یعنی مسرت اور خوش بختی میں سب کو حصہ ہے — مترجم

۳۶ - اس لئے کہ وہ شہر کی حفاظت کے ذمے دار ہیں ان کا خوش رہنا ضروری ہے — مترجم

۳۷ - ارسطو کے جملہ اعتراضات کا ماحصل یہ ہے کہ افلاطون نے جس مثالی ریاست کا نقشہ پیش کیا ہے اس کی تشکیل میں طرح طرح کی مشکلات رونما ہوں گی۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ ہم شاید اس سے بہتر نظام سیاست قائم کر سکتے ہیں، یا یہ کہ ہمیں اس طرح کی کوئی کوشش ضرور کرنی چاہئے۔ 'نوامیس' کے بارے میں بھی ارسطو نے (اگلے باب میں) یہی انداز تنقید اختیار کیا ہے — مترجم

# چھٹا باب

کچھ ایسے ہی خیالات سقراط نے رسالہ نوامیس (۱) میں ظاہر کئے ہیں جسے اس نے بہت آگے چل کر تصنیف کیا۔ لہذا مناسب ہوگا یہاں ان باتوں پر بھی غور کر لیں جو اس رسالے میں حکومت کے متعلق مذکور ہیں (۲) اس لئے کہ سقراط نے اس مسئلے کے بہت کم پہلوؤں سے بحث کی ہے (۳)۔ مثلاً اِس مسئلے سے کہ بیوی بچوں کا اشتراک کس نہج پر عمل میں آئے گا؟ املاک میں اشتراک پیدا کیا جائے گا تو کیسے؟ حکومت چلے گی تو کیونکر؟

وہ شہریوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے(۴)، سپاہیوں اور کسانوں میں۔ لیکن پھر ان کے اندر سے ایک اور یعنی جماعت

---

۱ - Laws ایک طرح سے 'جمہوریہ' کا تتمہ اور افلاطون کی پیرانہ سالی کی تصنیف — مترجم

۲ - یعنی حکومت کی ہیئت ترکیبی یا موجودہ اصطلاح میں دستور حکومت کے بارے میں — مترجم

۳ - جمہوریہ میں جیسا کہ ارسطو پچھلے باب میں لکھ آیا ہے — مترجم

۴ - یعنی سپاہ یا بقول افلاطون محافظین شہر سے — مترجم

عمائد (۵) کا جو حکومت کی باگ ڈور اپنے ھاتھ میں لے گی۔ بایں ھمه وہ اس امر کی وضاحت نہیں کرتا کہ کسان اور دستکار بھی کیا حکومت میں شریک ہوں گے۔ ہوں گے تو کس حد تک ؟ انہیں اسلحه رکھنے کی اجازت ہوگی یا نہیں ؟ به صورت جنگ کیا وہ بھی اس میں دوسروں کے ساتھ شریک ہوں گے ؟ سقراط نے تو یہاں تک کہه دیا ھے کہ عورتوں کو بھی جنگ میں حصه لینا چاھئے۔ وہ چاھتا ھے ان کی تعلیم بھی ویسی ھو جیسی سپاھیوں کی۔ رھی باقی باتیں سو ان کا اس نے ذکر تک نہیں کیا، بجز اس کے کہ اس تصنیف کو غیر ضروری بحثوں سے بھر دیا ھے اور اگر کہیں کیا بھی ھے تو صرف اس امر کا کہ محافظین (۶) کی تعلیم کیسی ھو۔

---

۵ - Senate ملاحظه ھو فرھنگ مصطلحات اور مقدمه — مترجم

در اصل متن میں ان الفاظ کا اضافه کر لینا چاھئے کہ سپاھیوں میں جو لوگ غور و فکر ، حکومت اور اقتدار کی صلاحیت رکھتے ھیں ان کا انتخاب کر لیا جائے گا - ارسطو کا اپنا بھی (جیسا کہ فصل چہارم باب ۱۴ میں وہ خود کہے گا) یہی خیال تھا کہ زمام حکومت کسی ایسے عنصر کے ھاتھ میں رھنی چاھئے جو غور و فکر کا اھل ھے (ملاحظه ھو پہلی فصل کا دوسرا باب) - حکومت کے سزاوار وھی لوگ ھیں جن میں اقتدار اور فرمانروائی کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ غور و فکر کی صلاحیت بھی موجود ھے - بار کر کے متن میں تو یه الفاظ بصراحت موجود ھیں البته متن زیر ترجمه میں صرف عمائد کا لفظ استعمال ھوا — مترجم

۶ - یعنی اھل سپاہ کی — مترجم

' نوامیس ، میں زیادہ تر بحث قوانین ھی کی ہے (۷)۔ حکومت کی ھیئت ترکیبی سے اس میں کچھ زیادہ اعتنا نہیں کیا گیا (۸) یوں بھی سقراط جس حکومت کی تاسیس کا اس لئے آرزو مند ہے کہ اس کے افراد میں دوسری ریاستوں کی نسبت اشیا کا زیادہ سے زیادہ اشتراک قائم ہوگا ھر پھر کر وھی شکل اختیار کر لیتی ہے جو اس نے شروع شروع میں تجویز کی تھی (۹)۔ کیونکہ بیوی بچوں اور دولت کے اشتراک سے قطع نظر کر لیں تو دونوں صورتوں میں اس کی تشکیل ایک ھی طرز پر کی جائے گی۔ دونوں صورتوں میں شہریوں کی تعلیم ایک ھی نہج پر ہوگی۔ دونوں صورتوں میں وہ نوکروں کی طرح کوئی ادنی کام نہیں کریں گے۔ ان کے مشترک دسترخوان بھی ایک سے رھیں گے۔ الایہ کہ بشکل اول عورتوں کے دسترخوان مشترک ھوں گے اور اسلحہ بند شہریوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ نہیں بڑھے گی۔ بشکل دوم (۱۰) ان کی تعداد پانچ ہزار تک پڑھ جائے گی (۱۱)۔

---

۷ - یونانی لفظ نوموس (یعنی قانون) کی جمع۔ مطلب یہ ہے کہ ان قوانین سے جو افلاطون اپنی مجوزہ ریاست میں نافذ کرنا چاھتا ہے ـــ مترجم

۸ - یعنی دستور حکومت سے ــــ مترجم

۹ - جمہوریہ میں ــــ مترجم

۱۰ - بشکل اول یعنی حسب 'جمہوریہ' اور بشکل دوم یعنی حسب 'نوامیس' ــــ مترجم

۱۱ - بلکہ پانچ ہزار چالیس کیونکہ یہ عدد بارہ پر تقسیم ھو جاتا ہے ــــ مترجم

سقراط کے مکالمات سے بلا شبہ بڑی پاکیزہ خیالی، بڑے کمال فن، ایجاد و طباعی اور تحقیق و تفحص کا اظہار ہوتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس نے جو کچھ کہا ہے حرف بحرف صحیح ہے۔ مثال کے طور پر پانچ ہزار کی اس تعداد ہی کو لیجئے جس کی طرف ہم ابھی اشارہ کر آئے ہیں۔ ظاہر ہے اتنی بڑی تعداد کے لئے ہمیں ارض بابل یا کسی ایسی وسیع سر زمین کی ضرورت ہوگی جو اتنی طویل و عریض ہو کہ عورتوں اور خادموں کی ایک کثیر تعداد کے علاوہ پانچ ہزار بے کار شہریوں کی کفیل ہو سکے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں انسان جیسا چاہے مفروضہ قائم کر سکتا ہے اور یہ اس کا حق ہے لیکن اسے چاہئے جو مفروضہ قائم کرے ایسا تو ہو کہ اس پر عمل کیا جا سکے (۱۲)۔ جب ہی تو کہا جاتا ہے قانون ساز کو چاہئے قانون وضع کرتے ہوئے دو باتوں کا خاص طور سے خیال رکھے، ایک املاک، دوسرے باشندوں کا۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں ان کے علاوہ ایک تیسری بات کا خیال رکھ لیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا، یعنی ہمسایہ ریاستوں کا۔ لیکن صرف اس صورت میں جب اس کے نزدیک دوسری ریاستوں سے سیاسی روابط قائم کرنا ضروری

---

۱۲؎ یہاں ارسطو کے ذہن میں یونانی شہر کا تصور کام کر رہا ہے، یعنی کوئی ایسا مقام جسے کسی سلسلہ کوہ یا سمندر کی شاخوں نے گھیر رکھا ہو۔ ائینیہ کا رقبہ ایک ہزار مربع میل تھا جو گویا ایک غیر معمولی سی بات تھی۔ ورنہ کارنتھ کا رقبہ صرف ۳۵۰ مربع میل اور دوسرے شہروں کا اوسط رقبہ ۷۰ سے زیادہ نہیں تھا۔ بایں ہمہ ارسطو نے یہاں افلاطون کی تنقید میں انصاف سے کام نہیں لیا اس لئے کہ اسپارٹا ہی میں (شہریوں کے علاوہ جیسا کہ افلاطون کی تجویز ہے) دس ہزار سپاہی موجود تھے —مترجم

هو (۱۳) اس لئے کہ ریاستوں کے لئے صرف یہی جاننا ضروری نہیں کہ جنگ کا موزوں طریق کیا ہے۔ انہیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اور لوگ کس طرح جنگ کرتے ہیں (۱۴)۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کوئی شخص محض اپنی ذات یا دوسروں کی خاطر اس قسم کی زندگی اختیار نہیں کرے گا (۱۵) مگر پھر یہ بھی تو ضروری ہے کہ دشمن ہم سے خوف زدہ رہیں اور یہ صرف اس صورت میں نہیں جب وہ ہم پر حملہ آور ہوں ، بلکہ اس صورت میں بھی جب وہ ہمارے ملک سے بھاگ رہے ہوں (۱۶)۔

علاوہ ازیں ہمیں یوں بھی تو سوچنا چاہئے کہ ذاتی ملکیتوں کے انتظام میں کوئی دوسری اور زیادہ قطعی شکل کیوں نہ اختیار کی

---

۱۳ - یعنی سفارتی روابط اس لئے کہ بے تعلقی آج کل کی اصطلاح میں انفراد Isolation کی زندگی از روئے سیاست نا ممکن ہے — مترجم

۱۴ - طریق جنگ سے ارسطو کا مطلب یہ بھی ہے کہ صرف ان اسلحہ پر قناعت کرنا ٹھیک نہیں جو ملک کے اندر کامیابی سے استعمال کئے جا سکتے ہیں - ہمیں چاہئے وہ اسلحہ بھی حاصل کریں جن کو دوسروں کے خلاف کامیابی سے استعمال کیا جا سکے — مترجم

۱۵ - یعنی جنگ و جدال کی زندگی جو انسان کا نصب العین نہیں بن سکتی — مترجم

۱۶ - مطلب یہ ہے کہ خارجی روابط اور خارجی حکمت عملی کے ساتھ ساتھ ہمیں جنگی اعتبار سے بھی ہمیشہ مستعد رہنا چاہئے - ارسطو نے اس امر کی طرف بار بار اشارا کیا ہے لیکن تفصیل کے ساتھ کہیں بحث نہیں کی — مترجم

جائے ۔ ہم وہ طریق کیوں اختیار کریں جو سقراط نے کیا ہے (۱۷)۔ وہ خود کہتا ہے ہر شخص کے پاس اتنا ضرور ہونا چاہئے جس سے قناعت کی زندگی بسر کی جا سکے۔ لیکن جس کے پیش نظر کوئی دوسرا یہ بھی تو کہہ سکتا ہے اتنا جس سے اچھی زندگی بسر کی جا سکے، اس لئے کہ یوں ہی یہ مطلب ٹھیک ادا ہوگا (۱۸)۔ کیوں کہ عین ممکن ہے باوجود قناعت کسی شخص کی زندگی عسرت سے گذر رہی ہو۔ لہذا سقراط کی تجویز یہ ہونی چاہئے تھی کہ ہر شخص قناعت اور فراغت کی زندگی بسر کر سکے۔ جب تک یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہوں گی ایک طرف عیش و عشرت کی فراوانی ہوگی، دوسری جانب افلاس اور زبوں حالی کی۔ کیونکہ یہی دو صورتیں ہیں جو اس مسئلے میں پیدا ہو سکتی ہیں ۔ یوں بھی دولت کی بحث میں کسی شخص کے متعلق یہ تو نہیں کہا جائے گا کہ وہ دلیر ہے یا بودا ۔ ہم اسے دور اندیش کہیں گے، یا فیاض، اس لئے کہ دولت کا تعلق انہیں فضائل سے ہے، کسی دوسری فضیلت سے نہیں۔

---

۱۷ - 'جمہوریہ' میں

ریاست کے دفاع اور داخلی شور و شر کے استیصال کے لئے تو ارسطو نے جتنے اور جس طرح کے آلات کی ضرورت ہے ان کی تعین کر دی - نہیں کی تو ان اشیا کی جن کا ہر شخص کے پاس ہونا ضروری ہے - ارسطو کو سوچنا چاہئے تھا کہ اعتدال اور میانہ روی کا تقاضا کیا ہے' علی ہذا فیاضی اور دریا دلی کا - تاکہ ہم اپنے علاوہ دوسروں کا بھی خیال رکھیں جیسے جنگی ضروریات میں اپنے علاوہ ہمسایہ ریاستوں کا بھی — مترجم

۱۸ - اس لئے کہ' قناعت کی زندگی بسر کر سکے' ایک مبہم سا فقرہ ہے - اچھی زندگی سے بھی مطلب صاف نہیں ہوتا — مترجم

پھر یہ بھی ایک مہمل سی بات ہے کہ ملکیت کی تقسیم تو مساویانہ ہو لیکن اس امر کا مطلق لحاظ نہ رکھا جائے کہ شہریوں کی روز افزوں تعداد کے لئے ضروریات زندگی بہم پہنچتی رہیں (۱۹) ۔ سقراط نے اس معاملے کو حالات پر چھوڑ دیا ہے ۔ وہ سمجھتا ہے اس کا تصفیہ از خود ہو جائے گا کیونکہ بعض عورتیں ایسی بھی ہوں گی جن کی کوئی اولاد نہیں ہوگی ۔ گویا اس نے یہ مسئلہ جوں کا توں چھوڑ دیا اور دلیل یہ پیش کی کہ دوسری ریاستوں میں بھی تو یہی کچھ ہو رہا ہے ۔ لیکن سقراط بھولتا ہے کہ جو ریاست اس کے ذہن میں ہے وہاں ایسا نہیں ہوگا ۔ اس کے حالات موجودہ ریاستوں کے حالات سے مختلف ہوں گے ، کیونکہ ان ریاستوں میں افراد کی جو بھی تعداد ہے ، زیادہ ہو یا کم وہاں املاک کی تقسیم اس طرح کر دی گئی ہے کہ اس میں ہر شخص کو کچھ نہ کچھ حصہ ضرور مل جائے ۔ لہذا ان ریاستوں میں کسی کا محتاج ہونا سمجھ میں نہیں آتا ۔ بر عکس اس کے سقراط کی ریاست میں چونکہ املاک کی تقسیم نہیں ہوگی اس لئے آبادی کا فاضل حصہ ، خواہ یہ حصہ زیادہ ہو یا کم سرے سے نادار اور تہی دست رہ جائے گا اور اس لئے بہتر تھا املاک کے تصفیے سے پہلے اس بات کا لحاظ رکھ

---

۱۹ - ارسطو کا یہ اعتراض صحیح نہیں اس لئے کہ افلاطون نے نہایت واضح طور پر شہریوں کی تعداد معین کر دی ہے - اولاد کی تحدید البتہ اس نے نہیں - کی لیکن وہ سمجھتا ہے شہریوں کی تعداد ضرورت سے زیادہ بڑھ گئی جب بھی بعض عوامل کی بدولت اس پر خود بخود ایک حد قائم ہو جائے گی - ' نوامیس ' میں اس کے متعلق تفصیلی بحث موجود ہے — مترجم

لیا جاتا کہ آبادی میں ایک خاص حد سے تجاوز نہ ہونے پائے۔ یہ اس طرح کہ بچوں کی شرح اموات کے ساتھ ساتھ ان عورتوں کی تعداد بھی پیش نظر رہتی جو بانجھ ہوں گی۔ حالانکہ یہی باتیں ہیں جن کو خاطر میں نہ لانا جیسے بعض دوسرے شہروں کا وتیرہ ہے اہل شہر کے لئے افلاس کا موجب ہوتا ہے اور افلاس جڑ ہے بغاوت اور شور و شر کی (۲۰)۔ چنانچہ فیدون کارنتھوی نے جس کا شمار قدیم ترین مصنفین میں ہوتا ہے صاف صاف کہہ دیا ہے کنبوں اور شہریوں کی تعداد ہمیشہ ایک سی رہنی چاہئے خواہ شروع میں ان کے سکنی قطعات کی تعداد غیر مساوی ہی کیوں نہ ہو (۲۱)۔

---

۲۰ - اس طرح کہ اگر آبادی کی تعداد غیر معین ہے تو اس میں اضافے کے ساتھ ساتھ املاک میں بتدریج کمی واقع ہوتی جائے گی ' تاآنکہ آبادی کے ایک حصے کو افلاس اور ناداری کا سامنا کرنا پڑے گا اور اس لئے معاشی فساد سے لازماً سیاسی فساد رونما ہوگا — مترجم

۲۱ - Phidon متوطن Corinth زمانہ غالباً قرن نہم ق - م کا آخر ' ہے' لائی کرگس سے بہر حال متقدم۔

فیدون کی رائے تھی کہ سکنی (یا عائلی) قطعات غیر مساوی ہوں جب بھی ان کی مجموعی تعداد اور شہریوں کی مجموعی تعداد میں مساوات قائم رہنی چاہئے۔ افلاطون نے اس کے برعکس جو تجویز 'نوامیس' میں پیش کی گئی ہے وہ یہ کہ قطعات کسی صورت میں بھی غیر مساوی نہ رہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ ان کی اور شہریوں کی تعداد کو باہم مساوی رکھنے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔

متن زیر ترجمہ کچھ مغلق سا ہے لہذا یہ عبارت ''کنبوں اور شہریوں کی تعداد'' اس طرح پڑھی جائے ''عائلی یا سکنی قطعات اور شہریوں کی تعداد'' تو اس کا مطلب آسانی سے سمجھ میں آ جائے گا — مترجم

لیکن افلاطون کی 'نوامیس' کو دیکھئے تو اس معاملے نے ایک جداگانہ شکل اختیار کر لی ہے، حالانکہ اس کا بہترین حل جیسا کہ ہم آگے چل کر پیش کریں گے کچھ اور ہے (۲۲)۔ افلاطون نے تو اس رسالے میں یہ بھی نہیں بتایا کہ حاکم و محکوم کے درمیان مابہ الامتیاز کیا ہوگا۔ وہ صرف اتنا ہی کہتا ہے کہ جس طرح اون کی ایک قسم سے تانا اور دوسری سے بانا تیار کیا جاتا ہے ایسے ہی بعض کو حکومت کرنی چاہئے، بعض کو اطاعت (۲۳)۔ لیکن پھر جب اس نے خود ہی کہا ہے کہ ہر شخص کی ملکیت میں پانچ گنا اضافہ کر دینا چاہئے تو اتنا ہی اضافہ اس کی زمین میں بھی کیوں نہ کر دیا جائے؟ افلاطون کو یہ بھی سوچنا چاہئے تھا کہ مساکن کی تعیین جس نہج پر کی جا رہی ہے مفید ہوگی یا مضر۔ اس لئے کہ وہ ہر شخص کے لئے دو مکان تجویز کرتا ہے لیکن یہ دونوں مکان چونکہ الگ الگ ہوں گے اس لئے ایک ہی شخص کا دو مکانوں میں رہنا مشکل ہو جائے گا (۲۴)۔ پھر ایک بڑا مسئلہ یہ ہے کہ سقراط

---

۲۲ - فصل ہفتم، ابواب ۱۰ اور ۱۶ میں — مترجم

۲۳ - لیکن جس سے ان کے تعلقات اور امتیازات کی تصریح بہر کیف نہیں ہوتی — مترجم

ح - اور یہ وہ بات ہے جس کی اس نے کوئی وجہ پیش نہیں کی — مترجم

ح - مساکن سے مطلب ہے رہنے کے مکان - نیز وہ مکان جو شہری اپنے معینہ قطعے میں کھیتی باڑی کی دیکھ بھال کے لئے تعمیر کرے گا — مترجم

۲۴ - ارسطو کا اعتراض یہ ہے کہ افلاطون کی تجویز کے مطابق جونہی باپ نے بیٹے کی شادی کی اسے ایک مکان اور مل جائے گا - لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ارسطو نے خود بھی اپنی مثالی ریاست میں (فصل ہفتم، باب ۱۰) ہر شہری کے لئے دو عائلی قطعات تجویز کئے ہیں (یعنی دو گھر) ایک شہر کے قریب دوسرا اس کی حدود پر — مترجم

کے نزدیک نظام حکومت نہ تو جمہوری ہونا چاہئے، نہ اعیانی، بلکہ دونوں کے بین بین جس کو اس نے مدنیت (۲۵) سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اس کی ترکیب اسلحہ بند افراد سے ہوگی (۲۶)۔ اب اگر افلاطون کوئی ایسی ریاست قائم کرنا چاہتا ہے جس میں دوسری ریاستوں کے برعکس ہر چیز میں زیادہ سے زیادہ اشتراک قائم ہے تو بیشک اس کا یہ نام بڑا مناسب ہوگا۔ لیکن اگر کسی ایسی ریاست کا جو اس کی تجویز کردہ ریاست سے باعتبار کمال دوسرے درجے پر ہو تو پھر یہ نام کچھ بہت زیادہ موزوں نہیں۔ اس لئے کہ بہت ممکن ہے بعض لوگ اسپارٹوی طرز حکومت کو ترجیح دیں، یا کسی ایسی حکومت کو جس میں امارت نے بڑی حد تک اپنا معراج کمال حاصل کر لیا ہے۔

---

۲۵ - Polity ملاحظہ ہو فرہنگ مصطلات اور جس کی وضاحت ارسطو نے آگے چل کر اس طرح کر دی ہے (فصل چہارم ، ابواب ۸، ۹، ۱۱، ۱۳) کہ اس سے مطلب ہے وہ دستور جو اعیانیت اور جمہوریت کے بین بین ہوگا اور جس کی بنا متوسط طبقے پر رکھی جائے گی ، لہذا اس میں رائے دہندگی کا حق انہیں لوگوں کو ملے گا جو فوجی خدمات کے اہل ہیں - مگر پھر اس کے بعد ارسطو یہ بھی کہتا ہے کہ عام ریاستوں کے لئے 'مدنیت' سے بہتر کوئی دستور نہیں جس کی ایک مثال ہمیں اسپارٹا سے ملتی ہے - لیکن یہاں اس نے اسپارٹا کے دستور کو اس سے مستثنیٰ ٹھہرایا ہے اور افلاطون پر بھی معترض نظر آتا ہے - یہ اس لئے کہ ارسطو نے 'نوامیس' کی تنقید جس انداز سے کی ہے وہ گو مگو سے خالی نہیں — مترجم

۲۶ - یعنی شہری تصور کیا جائے گا تو صرف انہیں کو - ملاحظہ ہو اوپر کا حاشیہ — مترجم

یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک کامل و مکمل حکومت وہ ہے جو ہر طرز حکومت پر مشتمل ہو (۲۷) لہذا انہیں اسپارٹوی طرز حکومت بڑا پسند ہے، کیونکہ اس میں اعیانیت، ملوکیت اور جمہوریت سب قسم کے عناصر جمع ہو گئے ہیں۔ بادشاہ ملوکیت کی نمائندگی کرتے ہیں، عماید اعیانیت اور 'افور، (۲۸) جن کا انتخاب عوام سے ہوتا ہے جمہوریت کی۔ بایں ہمہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اس کے باوجود 'افوریت، کو استبداد پر محمول کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اسپارٹوی حکومت میں جمہوریت کہیں ہے تو صرف مشترکہ دسترخوانوں یا روز مرہ کی زندگی میں۔ لیکن 'نوامیس، میں تو یہ بھی کہا گیا ہے کہ بہترین حکومت وہ ہے جس میں استبداد اور جمہوریت دونوں کا امتزاج ہو (۲۹)۔ حالانکہ یہ وہ بات ہے جو کسی کو پسند نہیں۔ کیونکہ اس طرح کی

---

۲۷ - غالباً ارسطو کا اشارا اپنے کسی معاصر آرکی ٹاس Achytas (فلسفی اور افلاطون کا معاصر) کی طرف ہے — مترجم

۲۸ - Ephori ملاحظہ ہو فرہنگ مصطلحات - یعنی حکام — مترجم

۲۹ - ارسطو نے یہاں افلاطون سے بڑی نا انصافی کی ہے - 'نوامیس' کا یہ موضوع تو ہے نہیں کہ ایک مثالی دستور پیش کیا جائے (ارسطو کو خود بھی اس کا اقرار ہے)، بلکہ یہ کہ ایک مثالی دستور سے قطع نظر کر لیجئے تو پھر بہترین دستور کیا ہوگا - ثانیاً وہ استبداد اور جمہوریت کے جس امتزاج پر زور دے رہا ہے اس کا تعلق دستوری طرز کی ملوکیت اور خاصی ترمیم شدہ جمہوریت سے ہے، نہ کہ اندھا دھند جمہوریت اور مستبدانہ (غیر دستوری) ملوکیت سے - 'نوامیس' میں بہر حال اس نے صریحاً امارت کی حمایت کی ہے — مترجم

حکومت بد ترین حکومت ہوگی (۳۰) - اس سے تو وہی تجویز کہ ہر طرز حکومت کا امتزاج ہونا چاہئے کہیں زیادہ بہتر ہے (۳۱) - اس لئے کہ جس شے کی ترکیب متعدد اجزا سے ہوتی ہے نسبتاً زیادہ کامل و مکمل ہوگی (۳۲) - مگر افلاطون کی مجوزہ حکومت میں ملوکیت کا تو کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا - اعیانیت اور جمہوریت کے کچھ آثار البتہ ضرور پائے جاتے ہیں - پھر اس کا اپنا رجحان بھی اعیانیت ہی کی طرف ہے (۳۳) جیسا کہ حکام کے تقرر سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے -

---

۳۰ - مطلب یہ ہے کہ اسے دستور حکومت سے تعبیر کرنا ہی غلط ہوگا ـــ مترجم

۳۱ - استبداد ، جمہوریت ، ملوکیت ، اعیانیت ، امارت کا ـــ مترجم

۳۲ لیکن پھر ارسطو نے (فصل چہارم میں) خود ہی اس رائے سے اختلاف کیا ہے - وہ کہتا ہے عام طور پر ریاستوں کے لئے بہترین طرز حکومت وہ ہے جس میں جمہوریت اور اعیانیت دونوں کا امتزاج ہو - علاوہ ازیں یہ کہ بہتر ہوگا مدنیت کی ترکیب جن اجزا سے ہوتی ہے ان کی بجائے زیادہ اجزا کا امتزاج کر لیا جائے (ملاحظہ ہو باب ہشتم) ـــ مترجم

۳۳ - اس سے پہلے ارسطو کا اعتراض یہ تھا کہ ' نوامیس ' میں جو دستور پیش کیا گیا ہے ملوکیت اور جمہوریت کے امتزاج کے باوجود بہترین دستور سے دوسرے درجے پر نہیں ہوگا - اس لئے کہ وہ ایک ایسی ہیئت اجتماعیہ ہوگی جس میں صرف دو اجزا ملیں گے - لہذا یہ دستور (اسپارٹا کے) دستور امارت سے بھی کم تر رہے گا - اب اس کا اعتراض یہ ہے کہ اس دوسرے درجے کے دستور میں افلاطون ملوکیت اور جمہوریت کا امتزاج کیوں نہیں کرتا ـــ مترجم

اس لئے کہ حکام کا انتخاب ، بہر صورت قرعہ اندازی ھی سے ھوگا (۳۴) پھر یہ امر کہ ھر دولت مند آدمی لازماً مجلس کا رکن ھوگا اور حاکموں کے انتخاب ، علیٰ ھذا حکومت کے انتظام و انصرام میں بھی حصہ لے گا ، درآنحالانکہ دوسروں کا ان باتوں میں کوئی دخل نہیں ھوگا ریاست کو اعیانیت ھی کی شکل دینا ھے ۔ بعنیہ جیسے اس کی یہ کوشش کہ زمام اقتدار زیادہ تر اھل ثروت کے ھاتھوں میں رھے ، علیٰ ھذا یہ کہ ان کے عہدے ان کی مالی حیثیت کے مطابق ھوں ۔

مجلس عمائد کے انتخاب میں بھی جو طریق کار مد نظر رکھا گیا ھے جس سے پھر اعیانیت ھی کا پہلو مضبوط ھوتا ھے(۳۵) ۔ اس لئے کہ درجہ اول کے عمائد کا انتخاب تو سب کی رائے سے ھوگا اور وھی درجہ دوم اور درجہ سوم کے عمائد کا انتخاب کریں گے ۔ تیسرے اور چوتھے درجے کے عمائدین کے انتخاب میں البتہ جبری رائے دھندگی کی قید باقی نہیں رھے گی ۔ اس میں حصہ لیں گے تو صرف درجہ اول اور

---

۳۴ - ملاحظہ ھو حاشیہ ۳۳ — مترجم

۳۵ - مطلب یہ ھے کہ افلاطون نے شہریوں کو جن چار طبقوں میں تقسیم کیا ھے وہ سب پہلے دو طبقوں کے نمائندوں کا انتخاب تو کریں گے - لیکن تیسرے طبقے کے نمائندوں کا پہلے تین اور چوتھے طبقے کے نمائندوں کا صرف پہلے دو (طبقے) — مترجم

دوم کے عمائد (۳٦) - اس لئے کہ افلاطون کے نزدیک اس طرح ہر درجے کے عمائد کی تعداد یکساں رہے گی (۳۷) - لیکن وہ غلطی پر ہے کیونکہ اس طریق سے کام لیا گیا تو اکثریت ہمیشہ درجہ اول ہی کے عمائد کی ہوگی اور اس میں بھی ان افراد کی جو دوسروں کی نسبت زیادہ صاحب حیثیت ہیں - عوام میں تو اکثر ان انتخابات میں حصہ

---

۳٦ - ارسطو کا مطلب یوں سمجھ میں آئیگا جب ہم یہ دیکھینگے کہ افلاطون اس مجلس کے ۳٦۰ اراکان کا انتخاب کس طرح کرتا ہے - پہلا مرحلہ ابتدائی انتحاب کا ہے جس کے لئے چاروں طبقات چار دنوں میں یکے بعد دیگرے اپنے نمائندوں کا انتخاب کریں گے - البتہ اس مرحلے پر افلاطون نے منتخب رکن کی کوئی تعداد مقرر نہیں کی - دوسرا مرحلہ قطعی انتخاب کا ہے جس سے پہلے اول تو ابتدائی انتخاب میں کامیاب نمائندوں کی مکمل فہرست شائع کر دی جائیگی اور پھر سب شہری یعنی ان کے چاروں طبقات باہم مل کر اپنے اپنے طبقے کے لئے برابر برابر نمائندوں کا انتخاب کریں گے - تیسرا مرحلہ آخری انتخاب کا ہے جس میں قرعہ اندازی سے کام لیتے ہوئے ہر طبقہ قطعی انتخاب کے منتخب نمائندوں (تعداد میں ۱۸۰) میں سے نصف (۹۰) کا انتخاب کریگا اور یوں بالآخر اس مجلس کے ۳٦۰ رکن منتخب ہو جائیں گے - ارسطو کا یہ کہنا غلط ہے کہ ابتدائی انتخاب میں نمائندوں کی برابر تعداد منتخب کی جائے گی — مترجم

۳۷ - ارسطو کا یہ خیال صحیح نہیں - انتخاب کے مرحلہ اولین کے متعلق تو اس کی یہ رائے درست ہے لیکن اس کے دوسرے یا آخری مرحلے پر ہر کسی کا رائے دینا ضروری ہوگا - البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اگر اہل ثروت پہلے ہی مرحلے میں دوسروں سے بازی لے گئے تو ظاہر ہے آخر میں بھی کامیابی انہیں کی ہوگی — مترجم

ھی نہیں لیں گے (۳۸) اور اس لئے ظاھر ہے افلاطون جس ریاست کی تشکیل کر رہا ہے جمہوریت ہوگی، نہ ملوکیت۔ چنانچہ آگے چل کر جب ہم حکومت کی اس شکل سے بحث کریں گے تو یہ حقیقت اور بھی واضح ہو جائے گی (۳۹)۔

عمائد کے اس طریق انتخاب میں کچھ اور بھی خطرات ھیں۔ اس لئے کہ جو لوگ اس طرح منتخب ہوں گے وھی آگے چل کر دوسروں کا انتخاب کریں گے۔ لہذا اگر کچھ افراد آپس میں مل گئے، خواہ ان کی تعداد زیادہ ہوئی یا کم تو جو بھی انتخاب ہوگا ان کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ چنانچہ یہ اور کچھ اس قسم کی باتیں ھیں جو افلاطون نے اپنی کتاب نوامیس میں حکومت کے متعلق پیش کی ھیں (۴۰)۔

---

۳۸ - لیکن جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے (حاشیہ ۲۸) 'نوامیس' میں افلاطون نے کسی مثالی دستور کی بحث نہیں اٹھائی' بلکہ ایک ایسے دستور کی جو اس سے دوسرے درجے پر ہو — مترجم

۳۹ - لیکن نیومین کہتا ہے (بحوالہ بارکر) کہ ارسطو کی ساری تنقید کا حاصل یہ ہے کہ افلاطون کے مقابلے میں ایک دوسرا نقطہ نظر بھی ممکن ہے جس کو اس نے فصل ہفتم اور ہشتم میں پیش کیا ہے اور جس میں اور افلاطون کے خیالات میں کئی مشابہتیں موجود ھیں۔ لہذا ہم کہہ سکتے ھیں کہ دوران تنقید میں تو ارسطو کا ذہن محض تنقید پر مرتکز رہتا ہے۔ لیکن دوران تعمیر میں وہ بلاتامل اپنے پیشروں کی تجاویز قبول کر لیتا ہے مگر بھول جاتا ہے تو اس بات کو کہ اس کی اپنی تنقید کیا تھی — مترجم

# ساتواں باب

حکومت کی کچھ اور بھی شکلیں ہیں جو بعض افراد نے پیش کیں (۱) ، یا جن پر فلاسفہ اور ارباب سیاست نے قلم اٹھایا۔ مگر ان سب کا نقشہ بالاخر وہی صورت اختیار کر لیتا ہے جو آج تک کسی ریاست کا تھا ، یا موجودہ ریاستوں کا ہے۔ افلاطون کا نظام ریاست البتہ کسی کے ذہن میں نہیں آیا تھا ، کیونکہ ان میں کسی نے اس بدعت کی ابتدا نہیں کی کہ بیوی بچوں کا اشتراک قائم کیا جائے۔ علیٰ ھذا یہ کہ عورتوں کے دسترخوان بھی مشترک رہیں۔ برعکس اس کے ان کی کوشش تھی تو یہ کہ ایسے قوانین وضع کریں جن کا تعلق زندگی کی ناقابل انکار ضروریات سے ہے۔

لہذا بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ پہلی بات جو حکومت کے پیش نظر ہونی چاہئے وہ یہ کہ ہر اس معاملے کو جس کا تعلق ذاتی املاک سے ہے ٹھیک ٹھیک طے کر لیا جائے۔ وہ کہتے ہیں بغاوت اور فتنہ و فساد رونما ہوتا ہے تو انہی باتوں میں غفلت اور

---

۱ - یعنی ان لوگوں نے جو عملی سیاست سے ہمیشہ بے تعلق رہے اور جنہوں نے گویا اس موضوع پر محض شوقیہ اظہار خیال کیا ۔ مترجم

بے اعتنائی سے۔ چنانچہ فالیاس کال سے ڈونی (۲) کی رائے تھی کہ مال و دولت میں ہر شہری کا حصہ یکساں ہونا چاہئے۔ وہ کہتا تھا یہ امر اس وقت تو باسانی طے ہو سکتا ہے جب کوئی آبادی بس رہی ہو، لیکن جب اس کو بسے ہوئے کافی مدت گذر جائے تو پھر ایسا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بایں ہمہ اس کی تجویز تھی کہ ایسا ضرور کر دینا چاہئے اس لئے کہ وہ دولت میں مساوات ہی کو بہتر اور انسب جانتا تھا۔ لہذا اس نے اس سلسلے میں یہ تجویز پیش کی کہ جو لوگ دولت مند ہیں وہ جہیز دیا تو کریں مگر لیں نہیں۔ برعکس اس کے نادار جہیز لیں، مگر دیں نہیں (۳)۔

لیکن نوامیس کو دیکھئے تو اس س افلاطون اس کے خلاف یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ دولت و ثروت میں تھوڑا بہت تفاوت ضرور ہونا چاہئے۔ البتہ اجازت نہیں ہونی چاہئے تو اس امر کی کہ ایک کی املاک میں دوسرے کی کم سے کم املاک کی نسبت پانچ گنا

---

۲ - Phaleas کال سے ڈون Chalcedon موجودہ قاضی کوئی - ساحل اناطولیہ پر قسطنطنیہ کے عین مقابل -

فالیاس کوئی مجہول الحال مصنف ہے جس کا حوالہ صرف ارسطو نے دیا ہے - رہا یہ امر کہ مصنف مذکور فی‌الواقعہ کہاں اور کس زمانے میں گذرا سو اس کا آج تک پتہ نہیں چل سکا - شارحین ارسطو نے اس بارے میں مختلف رائیں قائم کی ہیں مگر یہ سب قیاسات ہیں اور ان میں کوئی بھی قابل قبول نہیں - بارکر البتہ اسے افلاطون کا معاصر ٹھہراتا ہے — مترجم

۳ - لیکن بقول بارکر جہیز سے مطلب ہے وہ جہیز جو بشکل زمین دیا جائے — مترجم

اضافه ہو جائے (۴) ۔ لیکن جو مقنن اس قسم کے اصول وضع کرتے ہیں اکثر بھول جاتے ہیں کہ دولت کا نصاب مقرر کیا جائے تو اس کے ساتھ ساتھ بچوں کی تعداد بھی مقرر کر دینی چاہئے ۔ اس لئے کہ اگر بچوں کی تعداد اور دولت کی مقدار مقررہ میں کوئی نہیں نسبت نہ رہی تو ہم مجبور ہوں گے کہ اپنا پہلا قانون (۵) منسوخ کر دیں اور پھر باوجود تنسیخ اس سے یہ افسوسناک نتیجہ ضرور مترتب ہوگا کہ جو لوگ کبھی آسودہ اور خوش حال تھے افلاس اور تنگ دستی میں مبتلا ہوجائیں گے ۔ یہی وجہ ہے کہ نئی نئی باتیں سوچنے والے اکثر اس قسم کی غلطیوں کا شکار ہو جاتے ہیں ۔ ورنہ اس امر کا تو قدما کو بھی احساس تھا کہ دولت میں مساوات قائم رہے تو معاشرے میں مضبوطی اور استحکام پیدا ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ سولن کی مثال ہمارے سامنے ہے ۔ سولن اور بعض دوسرے مقننین نے بھی تو یہ قانون وضع کیا تھا کہ کسی شخص کو اجازت نہیں ہوگی جتنی چاہے زمین حاصل کرتا چلا جائے (۶) ، الایہ کہ اس پر کوئی بہت بڑی مصیبت

---

۴ - یہاں ایک غلط فہمی کا احتمال ہے ۔ اس لئے کہ افلاطون کا املاک سے مطلب کسی شخص کی جملہ املاک ہیں ۔ فالیاس ان کو صرف زمین تک محدود رکھتا ہے ، یعنی غیر منقولہ جائداد تک ۔ افلاطون نے منقولہ جائیداد کو بھی املاک میں شامل کر لیا ہے — مترجم

۵ - مساوات دولت کا — مترجم

۶ - ارسطو کا فالیاس کا ذکر کرتے ہوئے سولن کو قدما میں شمار کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ فالیاس کا زمانہ سولن سے متاخر ہے ۔ لہذا بہت ممکن ہے بارکر کا یہ خیال صحیح ہو کہ فالیاس افلاطون کا معاصر تھا — مترجم

آجائے۔ اهل لوکرای (۷) کو بهی ممانعت تهی که اپنی املاک فروخت نه کریں ، گویا وهاں بهی اس قسم کے قوانین اسی اصول کے پیش نظر نافذ کئے گئے تهے ۔ ان کا فرض تها اپنی جدی جائداد محفوظ رکهیں۔ کچھ ایسا هی قانون وه بهی تها جس کی خلاف ورزی سے اهل لوئے کس (۸) کی حکومت جمهوریت میں بدل گئی ، کیونکه اس طرح یه پابندی قائم نه ره سکی که حاکم بن سکتا هے تو وهی جس کے پاس دولت کی ایک خاص مقدار موجود هو (۹)۔ لہذا دو هی نتیجے هیں جو دولت کی مساوات سے مترتب هو سکتے هیں ۔ یا تو یه که بسبب افراط هر کوئی عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے ، یا بوجه

---

۷ - Locri یونان کے دو ضلعے اور اس لئے لوکرای دو هیں - مشرقی یعنی وه زرخیز اور آباد علاقه جو تهسلی (Thessaly) سے شروع هو کر مشرقی ساحل پر منتهی هو جاتا هے اور جس کے پهر متعدد حصے هیں - دوسرا مغربی یا وه سنگستانی خطه جو یونان کے مغربی حصے میں واقع هے اور جنوب میں ساحل کارنتھ پر ختم هو جاتا هے — مترجم

۸ - Leucas یا لو-کیڈیا Leucadia (موجوده سانٹا مورا Santa Maura) بحیره یونان کا جزیره جس کے جنوبی سرے پر وه راس واقع هے جس کا ایک نام لوئے کس بهی هے - کہا جاتا هے قدیم زمانے میں یونانی عشاق جب محبت میں ناکام رهتے تو اس سے سمندر میں کود جایا کرتے تهے - چنانچه مشهور هے شاعره سافو نے ایسا هی کیا تها ، لیکن یه محض افسانه هے —مترجم

۹ - مطلب یه هے که زمین کا جتنا حصه کسی شخص کو ملا تها وه سارے کا سارا اس کے پاس نہیں ره سکا صرف کچھ حصه بچ رها - جب بهی یه سمجها گیا که وه حاکم بننے کا اهل هے ، یعنی اسے حکومت کے عهدوں میں کوئی عهده مل سکتا هے - حالانکه قانون یه تها که اس کے پاس زمین کا سارا ٹکڑا موجود هونا چاهئے — مترجم

قلت افلاس اور ناداری کی ۔ لہذا دونوں صورتوں میں مساوات دولت سے کوئی خوبی پیدا نہیں ہوگی اور اس لئے مناسب یہی ہے کہ مقنن اس کی کوئی اوسط مقدار معین کر دے ۔ بعینہ اگر املاک کی تقسیم بھی اس طرح کی گئی کہ ہر شخص ایک خاص حد تک آسودگی کی زندگی بسر کرے تو اس سے بھی کوئی مفید مطلب نتیجہ مترتب نہیں ہوگا۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ اہل شہر کے جذبات و احساسات یکساں ہوں نہ کہ املاک ۔ لیکن یہ جب ہی ہوگا کہ ان کی تربیت قانون کے ہاتھ میں دے دی جائے (۱۰) ۔ مگر پھر ممکن ہے قالیاس اس کے جواب میں یہ کہے کہ یہ بات تو شروع ہی میں کہہ دی گئی تھی۔ اس لئے کہ مساوات دولت کے ساتھ ساتھ اس نے سارے شہر کے لئے ایک ہی قسم کا نظام تعلیم تجویز کیا ہے۔ البتہ اس نے وضاحت نہیں کی تو اس امر کی کہ اس نظام تعلیم کی شکل کیا ہوگی۔ لہذا نظام تعلیم کو ایک سا رکھا گیا جب بھی اس سے کوئی خاص نتیجہ مترتب نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ نظام تعلیم کی یکسانی کے باوجود ممکن ہے اہل شہر میں حصول دولت اور جاہ و منصب یا دونوں کی غیر معمولی ہوس باقی رہے۔ گویا یہ صرف دولت کی عدم مساوات نہیں، بلکہ اعزازات (۱۱) کا امتیاز بھی ہے جو

---

۱۰ - یہاں پھر ارسطو کو افلاطون کی اس تجویز پر کہ دولت میں اشتراک قائم کیا جائے اعتراض ہے - وہ اشتراک دولت کا مخالف ہے اور مساوات دولت کا بھی - اس کے نزدیک اس مسئلے کا بہترین حل یہ ہے کہ افراد کی اخلاقی تربیت اس طرح کی جائے کہ دولت کا صحیح استعمال کر سکیں - پہلے دونوں حل مادی ہیں اس لئے ارسطو کے نزدیک نا قابل قبول — مترجم

۱۱ - یعنی عہدوں کا یا بالفاظ دیگر اس تفریق اور امتیاز کا جو معاشرے میں افراد کے درمیان پیدا کر دیا جاتا ہے — مترجم

بغاوت اور فتنہ و فساد کا سبب بن جاتا ھے، مگر الگ الگ وجوہ کی بنا پر دولت کی عدم مساوات سے تو عوام کے اندر بغاوت اور فتنہ و فساد کو تحریک ہوتی ھے۔ البتہ خواص شور و شر پیدا کرتے ھیں تو اعزازات میں تفریق اور امتیاز کے باعث (۱۲)۔ بقول شاعر

"جب اچھے اور برے ایک سا اعزاز پائیں (۱۳)"

یہ اس لئے کہ لوگ صرف ضروریات زندگی ھی کے لئے جرائم کا ارتکاب نہیں کرتے جن کا فالیاس سمجھتا تھا مساوات املاک سے خود بخود انسداد ھو جائے گا، کیونکہ اس صورت میں نہ تو کوئی سردی کے مارے چوری کرے گا، نہ بھوک سے مجبور ھو کر، بلکہ اس چیز کے لئے بھی جس سے لطف اٹھانے کی انہیں آرزو ھوتی ھے، کیونکہ وہ صرف اس کی تمنا پر قناعت نہیں کرتے۔ برعکس اس کے جب ان کی خواھشات ضروریات زندگی کے حصول سے آگے بڑھ جائیں گی تو وہ ان کے لئے ارتکاب جرم تک سے دریغ نہیں کریں گے، بالخصوص جب ان کا رجحان بھی اسی طرف ھوگا۔ اس صورت میں نا ممکن ھے وہ ان کے ارتکاب سے باز رھیں۔

---

۱۲ - ارسطو کا خیال تھا کہ عہدوں کی تقسیم متناسب مساوات کے اصول پر ھونی چاھئے، تاکہ ھر شخص کا عہدہ اس کی ان خدمات کے مطابق ھو جو اس نے ریاست کی فلاح اور بہبودی کے لئے سر انجام دی ھیں۔ اب اھل علم چونکہ منجملہ اور خدمات کے ریاست کی خدمت میں زیادہ حصہ لیتے ھیں۔ لہذا عہدوں کی تقسیم میں اس خاص چیز کو نظر انداز کرنا غلط ھوگا۔ ریاست کا فرض ھے اس کا اعتراف کرے — مترجم

۱۳ - یہ ھومر کا قول ھے 'ای لیڈ' میں جس کو ارسطو نے ذرا سا بدل دیا ھے۔ اصل میں 'اچھے اور برے' کی جگہ 'بہادر اور بزدل' — مترجم

وہ ہر ایسی مسرت سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کریں گے جو دکھ درد کی آمیزش سے پاک ہو۔ لہذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان تینوں قسم کے مفاسد کا تدارک کیا کیا جائے تو کیسے (۱۴)۔ اب اگر چوری کا ارتکاب بربنائے ضرورت کیا جاتا ہے تو معاش کے مناسب انتظام سے اس کا استیصال ہو جائے گا۔ اس لئے کہ معاش میں تھوڑی بہت کمی رہ بھی گئی تو اسے ہر شخص اپنی محنت سے پورا کرلے گا۔ بصورت دیگر اگر چوری عیش و عشرت کے لئے کی جاتی ہے تو پھر اعتدال اور میانہ روی کی تلقین کرنی چاہئے۔ رہا حصول مسرت کا معاملہ جو تیسری اور آخری بات ہے سو اس کے لئے فلسفہ سے رجوع کرنا چاہئے، کیونکہ فلسفہ ہی اس مسرت کا سرچشمہ ہے جس سے انسان دوسروں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ فلسفہ کے علاوہ جو بھی مسرت ہے اس میں انسان کو دوسروں کا محتاج ہونا پڑتا ہے۔

---

۱۴ - بقول نیومین اگر جرائم کا تعلق (۱) ضروریات کے حصول سے ہے، یا (۲) غیر ضروری اشیا کے لئے تاکہ ان سے محرومی کے باعث جو دکھ پہنچتا ہے دور ہو جائے، (۳) یا اس لئے کہ غیر ضروری اشیا کا حصول سر تا سر مسرت کا باعث ہو، اس میں دکھ کا شائبہ تک نہ رہے تو جرائم کی شق دوم و سوم میں فرق کرنا ذرا نازک سی بات ہوگی - پہلی صورت میں تو مجرم دکھ کا وہ احساس دور کرنا چاہتا ہے جو فاضل اشیا کے نہ ہونے سے اسے پہنچتا ہے اور جرم کا ارتکاب اس کے لئے مسرت کا سبب بنتا ہے - لہذا اس صورت میں لذت و الم (باصطلاح نفسیات) دونوں باہم مدغم رہتے ہیں - لیکن دوسری صورت میں تو مجرم دکھ اور تکلیف کا احساس کئے بغیر خواہشات سے لطف اندوز ہوتا اور اس لئے صرف لذت ہی لذت حاصل کرتا ہے --- مترجم

بہر کیف یہ امر مسلم ہے کہ لوگ جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں تو ضروری نہیں کہ حرص و ہوا سے مجبور ہو کر، یا ضروریات زندگی کی بنا ہی پر کریں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کوئی شخص محض اس خیال سے مستبد بننے کی کوشش کرے کہ اسے سردی سے محفوظ رہنا ہے۔ اسی لئے تو ہم اس شخص کی عزت کیا کرتے ہیں جو کسی مستبد کو قتل کر دے۔ بمقابلہ اس کے جو کسی چور کو مار ڈالے (۱۵)۔ لہذا فالیاس کے تجویز کردہ نظام مدنیت سے صرف چھوٹے چھوٹے جرائم کا انسداد ہو سکے گا، گو اس نے یہ بھی کہا ہے کہ ہمیں کچھ ایسے قواعد بھی نافذ کرنا ہوں گے جن سے ریاست کے داخلی نظام پر پورا پورا عمل ہوتا رہے۔ لیکن وہ بھول گیا کہ ریاست کے لئے اپنی ہمسایہ اور غیر ریاستوں کے مقابلے میں دفاع کا معاملہ بھی ویسا ہی اہم ہے (۱۶) اور اس لئے جو بھی حکومت قائم ہوگی اس میں فوج کے نظم و نسق کا خاص طور سے لحاظ رکھنا پڑے گا، تاکہ ایسا نہ ہو جنگ کی صورت میں ریاست اپنے آپ کو بے بس پائے۔ لیکن فالیاس نے اس مسئلے پر مطلق توجہ نہیں کی۔ بعینہ املاک کا معاملہ بھی ایسا نہیں کہ ہم اسے محض ریاست کی

---

۱۵ - ازمنہ متوسطہ، علیٰ ہذا سولھویں صدی مسیحی میں بھی یہ امر بڑا متنازعہ فیہ رہا (اہل مغرب میں) کہ آیا مستبدین کو قتل کر دینا جائز ہے یا ناجائز۔ ارسطو نے اس مسئلے سے مطلق بحث نہیں کی، لیکن اسے معلوم تھا لوگ اسے جائز سمجھتے، بلکہ اس کا ارتکاب کرنے والوں کی بڑی عزت کرتے ہیں۔ چنانچہ اثینیہ ہی میں ہپارکوس Hipparchos کے قاتلوں کی بڑی قدر و منزلت کی جاتی تھی — مترجم

۱۶ - جیسا داخلی — مترجم

ناگہانی ضروریات کے پیش نظر طے کر دیں ۔ اس میں ان خطرات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے جو باہر سے پیدا ہو سکتے ہیں (۱۷) ۔

اب یہ تو صحیح ہے کہ دولت کا اتنا زیادہ ہونا اچھا نہیں جس سے ہمسایہ ریاستوں ، یا زیادہ طاقت ور قوموں کے اندر لوٹ مار کی ترغیب پیدا ہو ، درآنحالیکہ جو لوگ اس کے مالک ہیں وہ بمقابلہ دوسروں کے اپنے آپ کو کمزور محسوس کریں ۔ لیکن اس کا اتنا کم ہونا بھی ٹھیک نہیں کہ لوگ اپنی برابر کی ریاستوں سے جنگ کرنے کے قابل نہ رہیں ۔ فالیاس نے ان امور پر مطلق توجہ نہیں کی ۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کسی قوم کا مفلس ہونا اتنا اچھا نہیں جتنا دولت مند ہونا اور اس کی مناسب حد غالباً یہی ہوسکتی ہے کہ دولت کی مقدار نہ تو اتنی زیادہ ہو کہ آپ کا کوئی طاقتور پڑوسی آپ سے جنگ کرنا ویسا ہی غیر ضروری سمجھے جیسے ان لوگوں سے جن کی دولت آپ سے کم ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جب آٹو فراڈاٹس (۱۸)

---

۱۷ - امور خارجی یعنی خارجی حکمت عملی اور دفاع کا مسئلہ ارسطو کے نزدیک بڑا اہم ہے ۔ وہ بار بار اس کی طرف اشارا کرتا ہے ، حتیٰ کہ اپنی تصنیف Rhetoric (خطابت) میں بھی اس کے نزدیک خطیب کے لئے ضروری تھا کہ صلح و جنگ کے معاملات سے واقف ہو ، وہ جانتا ہو ریاست کی واقعی اور امکانی طاقت کیا ہے ۔ اس کی حربی تاریخ پر بھی نظر رکھے اور ہمسایہ ریاستوں کے متعلق بھی یہ سب باتیں اس کے علم میں ہوں ۔ لیکن اس کے باوجود اس نے مسئلے سے سیر حاصل بحث کہیں نہیں کی — مترجم

۱۸ - Autophradatus بقول بارکر ایرانی ، لیکن در اصل لیڈیا (ایشیائے کوچک کی باجگذار ریاست جس پر ایران کی سیادت قائم تھی) کا ایک سردار — مترجم

نے اطرنہ (۱۹) کے محاصرے کا ارادہ کیا تو یوبولوس نے اس سے کہا اول اتنا سوچ لیجئے اس کی فتح میں دن کتنے لگیں گے ۔ نیز یہ کہ اتنے دنوں کے بعد اس کا فتح کرنا مفید بھی ہوگا یا نہیں ۔ کیا اس سے یہ بہتر نہ ہوگا کہ مطلوبہ رقم سے کچھ کم لے کر شہر کے محاصرے سے ھاتھ اٹھا لیا جائے ؟ چنانچہ کہا جاتا ھے آٹوفراڈاٹس نے جب اس سارے معاملے پر غور کیا تو آخرالامر اطرنہ کے محاصرے کا ارادہ ترک کر دیا (۲۰)۔ بات یہ ھے کہ دولت کی مساوات سے بغاوت اور سرکشی کے امکانات کم تو ہو جاتے ھیں ، لیکن اس حد تک نہیں جیسے بالعموم سمجھ لیا جاتا ھے۔ اس لئے کہ جن لوگوں میں بڑی بڑی صلاحیتیں پائی جاتی ھیں وہ کب گوارا کریں گے کہ عوام کی سطح پر قائم رھیں۔ وہ ضرور فتنہ و فساد برپا کریں گے ۔ یوں بھی انسان میں بدی کی کوئی انتہا نہیں (۲۱)۔ چنانچہ ھم دیکھتے ھیں شروع شروع میں تو اس کے لئے

---

۱۹ - Atarneus ایشیائے کوچک کے شمال مغربی کنارے پر — مترجم

۲۰ - Eubulus اطرنہ اور ایک زمانے میں اطرنہ کے ساتھ اسوس Assus (شمال مغربی ایشیائے کوچک کا ایک اور شہر) کا بھی حاکم - زمانہ تقریباً ۳۵۰ ق - م ارسطو کو قدرتاً یوبولوس سے بڑا تعلق تھا کیونکہ وہ اسوس میں یوبولوس کے جانشین ہرمیاس Hermias کے یہاں بطور مہمان کچھ عرصہ گذار چکا تھا - مزید یہ کہ ارسطو نے ہرمیاس کی بھتیجی سے شادی کر لی تھی — مترجم

۲۱ - حرص و طمع کی — مترجم

دو ھی ابول کافی تھے (۲۲) مگر اب یہ رسم ھوگئی ھے کہ ھر شخص زیادہ کا مطالبہ کرنے لگا ھے اور چاھتا ھے ان کی تعداد بڑھا دی جائے۔ بلکہ اس کی یہ توقعات بڑھتی ھی چلی جارھی ھیں۔ پھر انسانی خواھشات کی ماھیت بھی کچھ ایسی ھے کہ ان پر کوئی حد قائم نہیں کی جا سکتی، حتیٰ کہ بعض لوگ تو صرف انہیں کی تسکین کے لئے زندہ رھتے ھیں۔ لہذا اس خرابی کا تدارک دولت کی مساوات سے نہیں ھوگا۔ اس کا مطلب تو یہ ھوگا کہ اچھوں کو زیادہ حاصل کرنے سے روک دیا جائے اور برے اس قابل ھی نہ رھیں کہ کچھ حاصل کر سکیں (۲۳)۔ اس کا تدارک ھوگا تو یوں کہ جو لوگ کم حیثیت ھیں ان کا درجہ تو کم ھی رکھا جائے مگر اس طرح کہ بے انصافی نہ ھو۔ حاصل کلام یہ کہ مساوات دولت کی بحث میں فالیاس نے کوئی ٹھیک اصول قائم نہیں کیا۔ اس کے قوانین صرف زمین تک محدود ھیں، حالانکہ غلام، مویشی، زر و نقد اور وہ سب کچھ مال و دولت میں شامل ھے جسے ھم چیزبست کہا کرتے ھیں (۲۴)۔ لہذا یا تو ان سب چیزوں میں مساوات پیدا کی جائے یا کوئی قطعی اصول وضع ھونا چاھئے، یا پھر یہ سب باتیں جوں کی توں چھوڑ دی جائیں۔

---

۲۲ - Obol یعنی وہ یومیہ بھتہ جو پانچویں صدی میں ھر اٹینیوی شہر کو تیوھاروں میں اس لئے ملا کرتا تھا کہ تھیٹر میں جا سکیں - لیکن معلوم ھوتا ھے یہاں ارسطو کا اشارا اس معاوضے کی طرف ھے جو اٹینیہ میں ارکان عدالت یعنی قاضیوں کو دیا جاتا تھا — مترجم

۲۳ - ارسطو یہاں گویا اس امر پر زور دے رھا ھے کہ انسان کے حرص و ھوا کا ازالہ مساوات دولت سے نہیں ھوگا، اخلاقی تعلیم سے ھوگا — مترجم

۲۴ - یعنی جائیداد منقولہ — مترجم

لیکن فالیاس کے پیش نظر جیسا کہ اس کے قوانین سے مترشح ہوتا ہے شاید ایک محدود سی ریاست تھی (۲۵)۔ وہ چاہتا تھا کاریگروں کو ریاست کی ملکیت تصور کیا جائے، تاکہ اس طرح شہریوں کی تعداد میں اضافہ نہ ہونے پائے (۲۶)۔ لیکن اگر ان سب لوگوں کو جن سے ریاست کام لے گی غلام ٹھہرانا مقصود ہے تو اس کے لئے وہی صورت بہتر رہے گی جو بحالت موجودہ اپی ڈامنم (۲۷) میں قائم ہے، یا جیسا کہ ڈیوفان ٹوس اس سے پہلے اثینیہ میں کر چکا تھا (۲۸)۔ بہر حال امور بالا سے بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فالیاس جس قسم کا نظام مدنیت قائم کرنا چاہتا ہے اس کی بنیادیں مضبوط ہوں گی یا کمزور۔

---

۲۵ - بالفاظ دیگر شہریوں کی ایک محدود سی تعداد — مترجم

۲۶ - گویا ارسطو کو یہ تجویز ناپسند ہے کہ کاریگروں کو غلام ٹھہرایا جائے۔ اس کے نزدیک صرف وہی کاریگر غلام ٹھہرائے جا سکتے ہیں جن سے امور عامہ کے لئے کام لیا جاتا ہے۔ لہذا وہ غلام بھی ہوں گے تو لوگوں کے، نہ کہ افراد کے جس کی اس کے نزدیک ایک ہی صورت ہے۔ مگر یہ صورت ہے کیا ' یا اس سلسلے میں اس نے آگے چل کر جو مثالیں دی ہیں ان کو بالکل واضح نہیں کیا — مترجم

۲۷ - Epidamnum بحیرہ ایڈریاٹک کا ایک شہر - موجودہ دیورازو Durazzo — مترجم

۲۸ - اپی ڈامنم میں صورت حالات کیا تھی یا Diophantos نے اثینیہ میں کیا قانون رائج کیا اس کا ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا — مترجم

# آٹھواں باب

ہپوڈاموس (۱) ملے طوسی ، یوروفون (۲) کا بیٹا پہلا شخص ہے جس نے قصبہ بندی کی طرح ڈالی اور پرائس کو کاٹ کر الگ کر دیا (۳) ۔ وہ بڑا شہرت طلب تھا اور اس لئے ہر بات میں تصنع اور تکلف سے کام لیتا ۔ لمبی لمبی زلفیں رکھتا اور بڑے خرچ سے بناؤ سنگار کرتا ۔ پھر جاڑوں ہی میں نہیں گرمیوں میں بھی ایک بھدی سی گرم صدری پہنے رکھتا ۔ اسے اپنی فضیلت اور ہمہ دانی کے اظہار

---

۱ - Hippodamos مورخین کا بیان ہے کہ ۴۸۰ ق - م کے فوراً بعد ملے طوس کی تعمیر جس نقشے پر کی گئی وہ بڑا خوب اور ہندسی خطوط پر مرتب ہوا تھا - معلوم ہوتا ہے قصبہ بندی کا فن ہپوڈا موس نے ملے طوس ہی میں سیکھا اور پھر اثینیہ آ کر اس موضوع میں ایک کتاب تصنیف کی جس کی طرف ارسطو نے اس سطر میں اشارا کر دیا ہے - زمانہ چوتھی صدی قبل مسیح - مترجم

۲ - Europhon

۳ - اثیف سے -

Pireus اثینیہ کی بندرگاہ اور اس کے جنوب میں پانچ میل کے فاصلے پر ایک جزیرہ جس میں دو اور بندر گاہیں بھی موجود تھیں ، لیکن جن میں سب سے زیادہ اہمیت پرائیس ہی کو حاصل تھی - یہیں ہپوڈاموس نے ایک خاص قاعدے کے مطابق سڑکیں تعمیر کیں - رہی قصبہ بندی سو اس سلسلے میں ہپوڈاموس کے سامنے شہروں کا جو نقشہ تھا اس کے مطابق اس نے ہر طبقے کے لئے الگ الگ مساکن تجویز کئے تھے — مترجم

کا بڑا شوق تھا اور یہی وجہ ہے کہ امور سیاست سے عملاً بے خبری کے باوجود ہپوڈاموس ہی نے سب سے پہلے اس تحقیق کا بیڑا اٹھایا کہ بہترین نظام حکومت کیا ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ وہ جس ریاست کی تجویز پیش کرتا ہے دس ہزار نفوس پر مشتمل ہوگی اور تین حصوں ، یعنی کاریگروں ، کسانوں اور سپاہیوں پر منقسم (۴) ۔ زمین کو بھی اس نے تین ہی حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔ ایک حصہ مذہبی معاملات ، دوسرا عام استعمال اور تیسرا افراد کی ضروریات کے لئے ۔ پہلا اس لئے کہ دیوتاؤں کی عبادت کا خرچ پورا ہوتا ہے ۔ دوسرا سپاہیوں کے معاش اور تیسرا اور آخری کسانوں کے لئے جو اس کے نزدیک انہیں کی ملکیت رہنا چاہئے ۔ اس کی رائے تھی قانون بھی تین ہی قسم کے ہوں ۔ زد و کوب کے لئے ، مداخلت بے جا اور قتل عمد کے لئے ۔ البتہ جن مقدمات کے متعلق خیال ہے کہ دوسری عدالتوں نے ان میں انصاف سے کام نہیں لیا وہ ایک عدالت مرافعہ میں پیش ہوا کریں ۔ اس کی تجویز تھی کہ اس عدالت کے اراکان وہ پیرانہ سال اشخاص ہوں جن کا انتخاب صرف اسی غرض کے لئے کیا جائے اور جو سزا کا فیصلہ رائے شماری سے نہ کریں (۵) ،

---

۴ - لیکن ہپوڈاموس کی تحریروں کے جو اجزا دستیاب ہوئے ان کی بنا پر بعض مصنفین کا خیال ہے کہ اس نے شہریوں کی تقسیم جن سہ گانہ طبقات میں کی ہے ان کے نام ہیں (۱) طبقہ حکام یا سرداران شہر جن کے ہاتھ میں اس کا نظم و نسق ہوگا ، (۲) طبقہ محافظین یعنی سپاہی اور (۳) طبقہ صنعت گران — مترجم

۵ - اور جس کا طریق یہ تھا کہ رائے شماری کے برتن میں ایک کنکری گرا دی جاتی — مترجم

بلکہ اس طرح کہ ہر رکن عدالت کو جو ایک ایک تختی دے دی گئی ہے وہ اسے اپنے ساتھ لائے اور جس فریق کا جرم ثابت ہو جائے اس کا نام اس پر لکھ دے۔ ورنہ خالی رکھے، حتیٰ کہ جس شخص پر الزام کا ایک حصہ تو ثابت ہو گیا ہے لیکن دوسرا ثابت نہیں ہوا اس کا ذکر بھی اس پر کر دے۔ بات یہ ہے کہ ہپوڈاموس کو فصل مقدمات کا مروجہ طریق نا پسند تھا۔ وہ سمجھتا تھا قاضی کا کسی ایک فریق کے حق میں قطعی فیصلہ صادر کر دینا دروغ حلفی کا ارتکاب کرنا ہے (۶)، خواہ یہ فیصلہ اس کے موافق ہو یا مخالف۔ اس کی ایک تجویز یہ بھی تھی کہ جس شخص نے کوئی ایسی بات دریافت کی ہے جو شہر کے لئے مفید ہے اسے اس کا صلہ ملنا چاہئے، علیٰ ھذا یہ کہ مقتولین جنگ کے بچوں کی تعلیم بھی ریاست کے خرچ پر ہو۔ لیکن ہپوڈاموس سے پہلے تو اس طرح کا کوئی قانون کسی نے وضع نہیں کیا تھا، البتہ اثینیہ اور بعض دوسرے شہروں میں آج کل ایسا ایک قانون ضرور رائج ہے (۷)۔ ہپوڈاموس کے نزدیک حاکموں کا انتخاب بھی عامۃالناس سے ہونا چاہئے، یعنی ان تین طبقات سے جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ مزید یہ کہ جو لوگ

---

۶ - ان معنوں میں کہ وہ اس حلف کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوتا ہے جو اس نے بحیثیت قاضی اس لئے اٹھایا تھا کہ ہر مقدمے میں انصاف سے کام لے گا، لیکن جس پر بقول ہپوڈاموس اس کا قائم رہنا ناممکن تھا — مترجم

۷ - اس قانون کا کوئی تحریری حوالہ تو موجود نہیں، البتہ پیری کلیس نے اپنے ایک خطبے میں اس کی طرف ضرور اشارا کیا ہے جس سے ارسطو کے اس قول کی تائید ہوجاتی ہے - معلوم ہوتا ہے یہ قانون پانچویں صدی ق-م میں رائج تھا — مترجم

اس طرح منتخب ہوں صرف انہیں امور کی نگرانی کریں جن کا تعلق اہل شہر سے ہے، یا اجنبیوں اور یتیموں کے معاملات سے۔

یہ ہیں ہپوڈاموس کی تجویز کردہ حکومت کے تین بڑے بڑے اور قابل ذکر اجزا جن کے پیش نظر بعض لوگ تو شاید شروع ہی میں کہہ اٹھیں کہ اہل شہر کو تین حصوں میں تقسیم کرنا غلطی ہے۔ اس لئے کہ کاریگر، کسان اور سپاہی کیسے مل کر ایک ہو سکتے ہیں (۸) جب کہ کسانوں کو اجازت نہیں ہوگی کہ اسلحہ رکھیں اور کاریگروں کو نہ اسلحہ، نہ زمین کی۔ لہذا یہ دونوں طبقے سپاہیوں کے محکوم ہو جائیں گے۔ علاوہ اس کے یہ بھی نا ممکن ہے کہ حکومت کے اعلی عہدوں میں ہر کسی کو مساویانہ حصہ مل سکے، کیونکہ محافظین اور سپہ سالاران ریاست کا تقرر تو لازماً سپاہیوں ہی میں سے ہوگا، علیٰ ہذا حکام بالا کا جس سے پھر یہی نتیجہ مترتب ہوتا ہے کہ بجز سپاہیوں کے باقی دو طبقوں کا ریاست میں کوئی دخل نہیں ہوگا۔ لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ ان کے دل میں اس طرح کے نظام مدنیت کے لئے خلوص اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہوں (۹)۔ یوں بھی اگر سپاہیوں کی برتری قائم رکھنا ضروری ہے تو یہ جب ہی ممکن ہے کہ ان کی تعداد باقی دو طبقوں

---

۸ - ان معنوں میں کہ ان کے اندر مساوات اور وحدت کا احساس پیدا ہو اور وہ سمجھیں ہم ایک ہی معاشرہ کے مختلف اجزاء ہیں - تفصیل آگے آتی ہے — مترجم

۹ - اس لئے کہ آج کل کی اصلاح میں ان کا حق رائے دہندگی موثر active نہیں ہوگا بلکہ رسمی passive ہوگا - مطلب یہ ہے کہ وہ صرف نام کے رائے دہندہ ہیں - ریاست کی باگ ڈور فوج ہی کے ہاتھ میں رہتی ہے — مترجم

سے زیادہ ہو۔ جو اگر ہے تو ان کو حقوق شہریت میں حصہ دینے سے فائدہ (۱۰) ؟ انہیں حاکموں کے انتخاب کا حق کیوں دیا جائے؟ مزید یہ کہ اس قسم کی ریاست میں کسانوں کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ کاریگروں کا وجود تو خیر اپنی جگہ پر ناگریز ہے اس لئے کہ ان سے کوئی شہر بے نیاز نہیں ہو سکتا ، لیکن وہ اپنی روزی خود اپنی محنت سے پیدا کر سکتے ہیں (۱۱) ۔ رہے کسان جن کا وجود اگر اس بنا پر ضروری ہے کہ فوج کے لئے ضروریات زندگی بہم پہنچائیں تو پھر انہیں ریاست کا جزو لازم ٹھہرانا پڑے گا۔ لیکن ہپوڈاموس کی تجویز تو یہ ہے کہ ان کے پاس ان کی اپنی زمین ہو اور وہ اس کی کاشت خود اپنے فائدے کے لئے کریں۔ لہذا اگر زمین کے اس حصے کی کاشت جو سپاہیوں میں مشترک ہوگی سپاہی ہی کریں گے تو ان میں اور کسانوں میں فرق ہی کیا رہ جائے گا۔ لٰہذا ہپوڈاموس کو اصرار ہے کہ ان کا باہمی فرق قائم رکھنا چاہئے۔ پھر اگر تجویز یہ ہے کہ جو زمین سپاہیوں میں مشترک ہے اس کی اور کسانوں کی ذاتی اراضیات کی کاشت اور لوگ کریں تو اس طرح

---

۱۰ - ارسطو کا اعتراض یہ ہے کہ اگر اس صورت حالات کے تدارک کے لئے جو باقی دو طبقات کی مخالفت سے پیدا ہوگی فوج کو ان سے بہتر رکھنا مقصود ہے تو اس کی تعداد میں بھی اضافہ کرنا ضروری ہوگا ۔ اندرین صورت ریاست کا وجود دراصل فوج ہی پر مشتمل ہوگا — مترجم

۱۱ - اس طرح کہ ریاست کے لئے چونکہ ان کا وجود ضروری ہے ' لہذا انہیں اپنی جگہ پر شہر کا ایک حصہ ٹھرایا جائے گا - گویا اس جداگانہ طبقے کا وجود تو ضروری ہے - لیکن کسانوں کے ایک الگ تھلگ طبقے کا غیر ضروری — مترجم

ریاست میں ایک چوتھا طبقہ (۱۲) پیدا ہو جائے گا مگر اس کے باوجود انہیں ریاست میں کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ لہٰذا وہ ہمیشہ اس کے خلاف رہیں گے۔ بر عکس اس کے اگر تجویز یہ ہے کہ جو لوگ اپنی زمینوں کی کاشت آپ کر رہے ہیں وہی مشترکہ زمینوں کی کاشت بھی کریں تو اس سے ضروریات زندگی میں کمی واقع ہو جائے گی اور نا ممکن ہوگا دو کنبوں کی گذر اوقات ہو سکے، کیونکہ اس صورت میں زمین کی پیداوار اتنی تو ہوگی نہیں جو کسانوں اور سپاہیوں دونوں کے لئے کافی ہو۔ لہٰذا یہ امر پھر انتشار اور الجھن کا باعث ہوگا۔

فصل مقدمات میں بھی ہمیں ہپوڈاموس کی رائے سے اتفاق نہیں۔ ہپوڈاموس کی تجویز یہ ہے کہ ارکان عدالت ہر مقدمے کا، خواہ اسے ایک ہی دعوے کی شکل میں پیش کیا جائے مختلف دعوؤں میں تجزیہ کر ڈالیں تاکہ عدالت عدالت کی بجائے ثالث کی حیثیت اختیار کر لے۔ حالانکہ ثالثی کی صورت میں جو معاملہ پیش ہوتا ہے باہمی مشورے کے لئے ہوتا ہے، عدالت میں تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مقننین نے اس امر کا بالخصوص التزام رکھا ہے کہ ارکان عدالت کے احساسات خواہ کسی معاملے میں کچھ بھی ہوں وہ

---

۱۲ - اس طرح کہ اگر ان کو سپاہیوں اور کسانوں دونوں سے الگ تھلگ رکھا گیا، یعنی ان کا شمار نہ سپاہ میں ہوا، نہ کسانوں میں — مترجم

ان کا اظہار ایک دوسرے سے نہ کریں (۱۳)۔ یوں بھی اگر ایک رکن عدالت کے نزدیک جرمانے کی رقم زیادہ ہونی چاہئے، دوسرے کے نزدیک کم تو اس سے جو انتشار پیدا ہوگا اسے رفع کرنے کی صورت کیا ہوگی ؟ ایک بیس مینا (۱۴) تجویز کرتا ہے، دوسرا زیادہ یا کم۔ کوئی چار، کوئی پانچ، اس لئے کہ ان میں اختلاف ہوگا تو کچھ ایسا ہی۔ بعض کہیں گے سارا جرمانہ مدعی کو دلوایا جائے، بعض یہ کہ اسے کچھ بھی نہ ملے۔ اندریں صورت کسی دعویٰ کا فیصلہ ہوگا تو کس طرح ؟ پھر اگر قاضی کسی کو سزا دیتا یا بے قصور ٹھہراتا ہے تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ وہ دروغ گوئی کا مرتکب ہوا، بالخصوص جب دعویٰ پیش بھی ٹھیک ٹھیک کیا جائے (۱۵)۔ اس لئے کہ جو کوئی جس فریق کو بری کر دیتا ہے وہ یہ تو نہیں کہتا کہ اسے کوئی ہرجانہ ادا نہیں کرنا چاہئے۔

---

۱۳ - ارسطو کے پیش نظر عوام کی مثالیں ہیں جن میں ارکان (یعنی قاضیوں) کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ جاتی تھی اور جہاں ہر رکن عدالت الگ الگ اپنی رائے کا اظہار کرتا تھا - لہذا یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ انہیں باہم مشورے کی اجازت ہونی چاہئے یا نہیں کیونکہ ارکان عدالت مجبور تھے کہ از روئے قانون کسی دوسروں کے سامنے اپنی رائے کا اظہار نہ کریں - ان کا فیصلہ اپنا فیصلہ ہوتا، کسی مشورے کا نتیجہ نہیں ہوتا تھا — مترجم

۱۴ - Mina ایک یونانی سکہ اور وزن بھی — مترجم

۱۵ - لہذا ہپوڈا موس نے اس امر کو نظر انداز کر دیا کہ اندریں صورت کسی دعویٰ کا فیصلہ کیا جائے گا تو کیسے ؟ ہم ان مختلف فیصلوں کے پیش نظر کوئی مجموعی فیصلہ کریں گے تو کیونکر ؟ — مترجم

کہتا ہے تو یہ کہ سزائے جرمانہ بیس مینا نہیں ہوگی (۱۶)۔ دروغ گوئی کا ارتکاب تو جب ہوتا جب عدالت سزا بیس مینا کی دیتا لیکن اس کی رائے یہ ہوتی کہ مدعا علیہ سے کوئی ہرجانہ وصول نہیں کرنا چاہئے۔

رہے وہ اعزازات جو ہپوڈاموس ہر اس شخص کے لئے تجویز کرتا ہے جس سے ریاست کو مفید مطلب معلومات، حاصل ہوں، سو دیکھنے میں تو یہ تجویز بڑی دلکش نظر آتی ہے لیکن قانون ساز کا اس سے احتراز کرنا ہی واجب ہے کیونکہ اس سے مخبروں کی ہمت افزائی ہوگی اور ممکن ہے رفتہ رفتہ یہی امر شورش اور فتنہ و فساد کا سبب بن جائے۔ یوں بھی اس تجویز سے کچھ ایسے مسائل پیدا ہو جاتے ہیں جن پر غور کر لینا ضروری ہے۔ مثلاً یہ کہ اس صورت میں اگر ملک کے مروجہ قوانین میں کوئی تبدیلی پیدا کر دی گئی تو ایسا کرنا کیا فی‌الواقع فائدے کا باعث ہوگا جو اگر ہے بھی تو کم از کم جو کچھ یہاں کہا جا رہا ہے اس کی بنا پر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ قانون کی تبدیلی مفید ہوگی یا مضر۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خیر عامہ کے پیش نظر ہر کسی کو حق پہنچتا ہے کہ حکومت اور قوانین دونوں کا جیسا چاہے خاکہ تیار کرتا رہے۔ لیکن اب جو یہ مسئلہ زیر بحث آ گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا

---

۱۶ - سزائے جرمانہ (یا ہرجانہ) سے مطلب یہاں وہ رقم ہے جس کے لئے کسی کے خلاف دعویٰ کیا جائے۔ ارسطو کہتا ہے ان معاملات میں اگر عدالت کا فیصلہ یہ ہو کہ مدعا علیہ کچھ بھی ادا نہ کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مطلوبہ رقم تو اس کے ذمے نہیں۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اس کے ذمے کچھ بھی نہیں — مترجم

ہے ہم یہاں اپنے خیالات کا اظہار بھی کر دیں ۔ کیونکہ یہ مسئلہ جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں دقتوں سے خالی نہیں ۔ اتنا بہر حال تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ قوانین کا رد و بدل ایک اچھی بات ہے ۔ چنانچہ علوم کی تاریخ سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے کہ ان کی تبدیلی فائدے ہی کا باعث ہوئی ۔

مثلاً طبیعیات (۱۷) ہی کو لیجئے ۔ یہ علم اپنی قدیم حدود سے قطعی طور پر تجاوز کر چکا ہے اور یہی کچھ ریاضت بدنی اور دوسرے فنون کے بارے میں کہنا پڑے گا ۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ فن حکومت بھی اس سے مستثنیٰ نہیں اور پھر تجربہ بھی یہی کہتا ہے ۔ چنانچہ دیکھ لیجئے ماضی کے قوانین کیسے سادہ اور وحشیانہ تھے ۔ ان کی رو سے تو اہل یونان کو یہاں تک اجازت تھی کہ شہر میں جہاں چاہیں کھلے بندوں اسلحہ ساتھ رکھیں ، بلکہ ایک دوسرے سے بیویاں بھی خرید لیں (۱۸) ۔ اس پر شاید یہ کہا جائے کہ ماضی کے سب قوانین ایسے ہی سادہ تھے ۔ مثال کے طور پر کیوما کا قانون قتل جس کی رو سے آپ جس پر چاہتے قتل کا الزام رکھتے ہوئے

---

۱۷ - بمعنی طب جیسا کہ دوسرے نسخوں میں صریحاً مذکور ہے ۔
طب اس لئے کہ طبیعات کا تعلق امور طبعی کے مطالعہ سے ہے جس کا ایک جزو طب بھی ہے ـــ مترجم

۱۸ - نہ کہ ایک دوسرے کی بیویاں ۔ مطلب یہ ہے کہ زواج کے لئے معروف طریقوں کے برعکس وہاں عورتوں کا بیع و شرا ہوتا اور یوں بیچی یا خریدی ہوئی عورت کسی دوسرے کی بیوی بنتی ـــ مترجم

اپنے ھی چند رشتہ دار بطور گواہ پیش کر دیتے تو سمجھا جاتا تھا کہ اس کا جرم ثابت ھو گیا (۱۹) ۔

اب بحیثیت مجموعی تو ھماری کوشش یہی ھونی چاھئے کہ حق کی پیروی کریں نہ کہ اس چیز کی جو روایتاً چلی آ رھی ھے ۔ اس لئے کہ ابتدائی انسانوں کا علم خواہ وہ زمین سے پیدا ھوئے یا کسی بہت بڑی آفت سے بچ نکلے (۲۰) بڑا ھی محدود تھا ۔ وہ سمجھ بوجھ میں بھی کچھ یوں ھی سے تھے اور یہی قدیم الایام باشندوں کے متعلق سب کا خیال ھے (۲۱) ۔ لہذا یہ ایک بے معنی سی بات ھوگی اگر ھم ان کے رسم و رواج ، یا اصول و ضوابط کا اتباع کرتے چلے جائیں ۔ بعینہ تحریری قوانین کو بھی جوں کا توں برقرار رکھنا غلطی ھے ۔

---

۱۹ ۔ Cuma یا Cyme ایشیائے کوچک کی ایک یونانی نوآبادی ۔ ارسطو نے یہاں جس قانون کی طرف اشارا کیا ھے ایسا بے معنی نہ تھا جیسا کہ اس کا خیال ھے اور اس کی وجہ یہ کہ اھل یونان نے دوسری قوموں سے ھمیشہ تعصب برتا ۔ انہوں نے بہت کم یہ کوشش کی کہ اپنے علاوہ دوسری تہذیبوں کا ھمدردانہ مطالعہ کریں ۔ ارسطو کے دل میں قدما کی بڑی قدر تھی اور اس نے یونانی ریاستوں کے علاوہ غیر متمدن قوموں کے آئین و قوانین بھی جمع کر دئے ، بایں ھمہ وہ اپنی نسلی عصبیت سے ایسا ھی متاثر تھا جیسے اس کا کوئی اور ھم وطن — مترجم

۲۰ ۔ ارسطو کے نزدیک نوع انسانی کی ابتدا ھوئی تو شروع شروع میں اسے اس قسم کے جوی اور طبعی حوادث کا سامنا کرنا پڑا جن سے زمین درھم برھم ھو جاتی — مترجم

۲۱ ۔ یعنی قدیم الایام یا ذھنی اعتبار سے پست انسان جو آج بھی موجود ھیں — مترجم

اس لئے کہ سیاسیات میں بھی دوسرے علوم کی طرح سب باتیں من و عن قلمبند نہیں کی جاتیں ۔ یوں بھی کوئی بات قلمبند کی جاتی ہے تو عام الفاظ ہی میں کی جاتی ہے ۔ لیکن پھر ہر قانون میں چونکہ کوئی نہ کوئی بات ایسی بھی ہوتی ہے جو کہنے میں نہیں آ سکتی (۲۲) اس لئے ظاہر ہے بعض قوانین کا کسی نہ کسی وقت بدل دینا ضروری ہو جاتا ہے (۲۳) ۔ گو ایک دوسرے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ سارا معاملہ بڑا احتیاط طلب ہے (۲۴) ۔ اس لئے کہ قانون کی تبدیلی سے کوئی خاص فائدہ مترتب نہ ہو تو اس سے احتراز ہی مناسب ہے، ورنہ لوگوں کو عادت ہو جائے گی کہ جب چاہیں قانون میں رد و بدل کرتے رہیں جس کا نتیجہ ظاہر ہے اچھا نہیں ہوگا ۔ لہذا بہتر ہے واضعان قانون، علیٰ ھذا حکام کی فروگذاشتیں نظر انداز ہی کر دی جائیں ۔ کیونکہ قانون کا تغیر و تبدل شاید اتنا مفید نہ ہو، جتنا لوگوں کی اس عادت سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ کہ وہ آئے دن

---

۲۲ - اس لئے کہ کوئی قانون اس طرح نہیں لکھا جاسکتا کہ اس کا پہلو احاطہ تحریر میں آ جائے ۔ جزئیات اور تفصیلات بہر حال اس سے باہر رہے گی - بالفاظ دیگر قانون کی حیثیت ہمیشہ کلی رہے گی اور وہ باعتبار موقعہ و محل ان کا جائزہ لیتے رہیں گے — مترجم

۲۳ - مطلب یہ ہے کہ اس کی ظاہری شکل میں بتدریج تبدیلی واقع ہوتی رہے گی تاکہ رفتہ رفتہ وہ بحد امکان ایک قطعی شکل اختیار کر لے — مترجم

۲۴ - ارسطو خود اس بات کا مشاہدہ کر چکا تھا کہ بعض چھوٹی چھوٹی اصطلاحات یا معمولی فروگذاشتوں کے پیش نظر جب قانون میں تبدیلی کی گئی تو لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ریاست کے عام نظم و نسق میں انتشار پیدا کر دیا — مترجم

حکومت کی نافرمانی کرتے رهیں ۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اس معاملے میں علوم کی مثال پیش کرنا ایک طرح کا مغالطه هے ۔ کیونکه آپ هر چیز میں یکساں طور پر رد و بدل نہیں کر سکتے ۔ قانون کی طاقت اور استحکام کا راز هی یه هے که رسم و رواج کی شکل اختیار کر لے اور رسم و رواج قائم هوتا هے تو مدتوں میں جا کر ۔ یہی وجه هے که مروجه قوانین کی نئے نئے قانون میں تبدیلی قانون کی طاقت میں ضعف پیدا کر دیتی هے ۔ لیکن پھر سوال یه هے که قانون کا رد و بدل جائز تسلیم کر لیا گیا تو کیا جو بھی قانون هے اسے بدل دینا چاهئے اور جو بھی حکومت هو اسے ایسا کرنے کا حق حاصل هے ؟ دوسرے یه که رد و بدل کیا جائے تو کسی ایک شخص کی یا بہت سے اشخاص کی مرضی سے ؟ گویا اس معاملے کی ایک نہیں کئی صورتیں هیں ۔ لہٰذا بہتر هوگا هم اس بحث کو کسی دوسرے موقع پر اٹھا رکھیں ۔

# نواں باب

دو باتیں ھیں جو اسپارٹا اور قریطش کی حکومتوں کو دیکھتے ھوئے ھمارے سامنے آجاتی ھیں (۱) لیکن جن سے فی الحقیقت کوئی حکومت مستثنیٰ نہیں ۔ ایک تو یہ کہ وھاں جو قانون نافذ ھیں کیا فی الواقعہ بہترین حالات کے مساعد ھیں ؟ دوسری یہ کہ ان میں کوئی ایسی بات تو نہیں جو ان اصولوں کے خلاف ھو جن پر حکومت کی بنا رکھی گئی یا جس سے ان کے عملدرآمد میں رکاوٹ پیدا ھو جائے اور اس لئے وہ

---

۱ - پچھلے ابواب میں ارسطو کے سامنے وہ دستور حکومت تھے جن کو مختلف الرائے حضرات نے اپنے اپنے نظریات کے مطابق پیش کیا اور جن کی لوگ تعریف کرتے تھے - اب اس کی توجہ ان دساتیر پر ھے جن کا تعلق مختلف ریاستوں سے ھے اور جہاں ان پر عمل بھی ھو رھا تھا لیکن دونوں صورتوں میں اس کا انداز بحث تنقیدی ھے اس لئے کہ وہ ان کی خامیوں کو دیکھتے ھوئے اس ریاست کا خاکہ تیار کرنا چاھتا ھے جو اس کے ذھن میں ھے اور جسے وہ چاھتا ھے ھر قسم کے معائب سے پاک ھو - لہٰذا وہ اسپارٹوی اور دوسری حکومتوں کا جائزہ اب اسی نقطہ نظر سے لے گا جیسے اس سے پہلے فالیاس یا ھپوڈاموس کے پیش کردہ دستور کا لے چکا ھے - مگر یہاں ایک بات قابل غور ھے اور وہ یہ کہ ارسطو کی تنقید دونوں صورتوں میں یک طرفہ ھے - اس سے بحیثیت مجموعی اسپارٹا ، یا کسی دوسری حکومت کا صحیح نقشہ ھمارے سامنے نہیں آتا — مترجم

طرز حکومت قائم نہ ہو سکے جس کا قائم کرنا مقصود تھا (۲)؟ اب یہ تو مسلم ہے کہ ایک ایسی ریاست میں جس کے متعلق یہ کہا جا سکے کہ فی الواقعہ بحسن و خوبی منضبط ہوئی افراد کو غلاموں کی سی محنت اور مشقت سے آزاد رکھنا ہوگا (۳)۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم یہ مقصد کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ اس لئے کہ تھسلی میں پنسٹ اور اسپارٹا میں ہیلٹ آئے دن شور و شر پیدا کرتے اور اس بات کے منتظر رہا کرتے تھے کہ ان کے آقاؤں پر کوئی

---

۲ - گویا ارسطو چاہتا ہے ان حکومتوں پر دو پہلوؤں سے نظر ڈالے۔ عینی یا مثالی، یعنی اس لحاظ سے کہ ایک کامل و مکمل دستور کا تقاضا کیا ہے اور اسپارٹا اور قریطش کی حکومتیں کیا واقعی اسے پورا کر رہی ہیں، ثانیاً عملی پہلو سے۔ ان معنوں میں کہ ہوسکتا ہے نظری اعتبار سے تو کوئی دستور ہر قسم کے نقائص سے پاک ہو لیکن پھر بھی یہ سوال باقی رہ جائے کہ وہ قابل عمل بھی ہے یا نہیں — مترجم

۳ - ارسطو کا یہ خیال تو صحیح ہے کہ انسان کو اتنی آزادی یا فراغت میسر آنی چاہئے کہ زندگی کی بنیادی ضروریات کے علاوہ دوسرے امور کی طرف بھی متوجہ ہوسکے۔ لیکن اس سے غلامی کے جواز پر استدلال کرنا غلط ہے۔ مانا کہ اس طرح ریاست کا ایک طبقہ محنت و مشقت سے آزاد ہو جاتا اور فراغت بھی حاصل کر لیتا ہے لیکن اس اعتراض کا کیا جواب ہے کہ ریاست میں فتنہ و فساد کا دروازہ تو جب بھی کھلا رہے گا۔ اس لئے کہ غلامی بھی تو ایک مسئلہ ہے۔ غلاموں کو غلامی پر قانع رکھا جائے گا تو کس طرح؟ ارسطو کو اس مشکل کا احساس تو ہے لیکن وہ اس کا کوئی حل پیش نہیں کرسکا — مترجم

مصیبت آئے، تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھا کر بغاوت کر دیں (۴)
قریطش میں البتہ کبھی ایسا نہیں ہوا۔ شاید اس لئے کہ ہمسایہ
شہروں سے جنگ و جدال کے باوجود ان کے دشمنوں نے کبھی یہ
کوشش نہیں کی کہ شر انگیز عناصر سے رشتہ اتحاد جوڑیں۔ وہ اگر
ایسا کرتے تو یہ امر خود ان کے لئے بھی نقصان کا باعث ہوتا
کیونکہ ان کے یہاں بھی تو باغی عناصر موجود تھے۔ بہر حال اسپارٹا
اور اس کے ہمسایوں اہل ارگوس، اہل مسینیا اور اہل آرکیڈیا (۵)
کے درمیان ہمیشہ سے دشمنی چلی آ رہی تھی (۶)۔ تھسلی کی مثال
سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے غلاموں نے بغاوت کی تو اس
وقت جب وہ اپنے ہمسایوں آکیوں، پیرابیوں اور مگنییوں (۷) سے
مصروف پیکار تھے۔ لیکن ہمارے نزدیک غلاموں سے کوئی خطرہ نہ
ہو جب بھی ان کو قابو میں رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ ان سے نرمی کا
سلوک کیا جائے تو وہ گستاخ ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کا
اور آقا کا درجہ ایک سا ہے۔ سختی سے پیش آئیے تو سازشوں پر اتر

---

۴ - تھسیلی کا طبقہ غلامان جن کا کام یہ تھا کہ زمین کی کاشت کریں
بسا اوقات وہ اپنے آقاؤں سے بھی زیادہ دولت مند ہوتے تھے —
ہیلٹ - اسپارٹا کے زرعی غلام — مترجم

۵ - Argos, Messenia, Arcadia — مترجم

۶ - لہذا ان کے غلاموں نے بغاوت پر سر اٹھایا - کبھی جنگ و جدال
سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کبھی اسپارٹا کے دشمنوں کی ریشہ دوانیوں کے
باعث — مترجم

۷ - Achaeans, Perraheans (Perrhaebians), Magnesians
ملاحظہ ہو نقشہ — مترجم

آئیں گے اور آپ سے نفرت کرنے لگیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ غلاموں سے کام لیتے ہیں ابھی تک کوئی ایسا طریق وضع نہیں کر سکے جس سے ان کا معاملہ ٹھیک طے ہوتا رہے۔

کچھ ایسا ہی مسئلہ عورتوں کی آزادی کا ہے۔ اس سے بھی حکومت کے مقاصد، علیٰ ھذا شہر کی خوشحالی دونوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے (۸)۔ بات یہ ہے کہ جس طرح مرد و زن کنبے کے دو اجزا ہیں، بعینہ شہر کی تقسیم بھی اگر دو حصوں میں کر دی جائے (۹) تو اس امر کا خیال رکھنا ضروری ہوگا کہ عورتوں اور مردوں کی تعداد مساوی رہے۔ لہذا جس شہر میں عورتوں کی زندگی منضبط نہیں اس کے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ وہاں آبادی کا نصف حصہ قانون کی دسترس سے باہر ہے جیسے اسپارٹا میں اور جس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں کہیں مقنن کو یہ خیال ہوا کہ شہر کے سارے مرد سپاہی بن جائیں وہ اس کی تکمیل کا کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور نکالے گا اور اس طرح عورتوں کی طرف سے لازماً غافل ہو جائے گا۔ للہذا ان پر کوئی قید نہیں رہے گی اور وہ آزادی اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگ جائیں گی۔ اس قسم کی ریاستوں میں مال و دولت کی بڑی قدر ہوتی ہے، بالخصوص اس وقت جب عورتیں مردوں پر حاوی ہو جائیں۔ چنانچہ بہت سی بہادر اور جنگجو قوموں میں ایسا ہی ہوا۔ کیلٹ (۱۰) البتہ اس سے مستثنیٰ ہیں، یا

---

۸ - جیسے اسپارٹا کو - تفصیل آگے آتی ہے — مترجم

۹ - یعنی مرد و زن میں — مترجم

۱۰ - Kelt مغربی یورپ کی وہ جنگجو نسل جو گویا قدیم یونان اور روما کی معاصر تھی — مترجم

وہ جنگجو قومیں جن میں امرد پرستی کا رواج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شروع شروع کے اساطیر میں اگر مریخ کا رشتہ زہرہ سے جوڑا گیا تو یہ کوئی غلط بات نہیں تھی (۱۱)۔ جنگجو قومیں عورتوں یا لڑکوں کی محبت میں بہت بری طرح گرفتار ہو جایا کرتی ہیں۔ اسپارٹا میں بھی یہی کچھ ہوا اور اس لئے وہاں ہر بات میں ان کا عمل دخل بڑھتا چلا گیا اس لئے کہ طاقت خواہ عورتوں کے ہاتھ میں ہو، یا ان لوگوں کے جو عورتوں کے زیر اثر ہیں ایک ہی بات ہے۔ دونوں صورتوں میں اس کا نتیجہ یکساں ہوگا۔ پھر عورتوں کی بہادری اور دلیری سے روز مرہ کی زندگی میں تو کوئی فائدہ پہنچتا نہیں، پہنچتا ہے تو شاید جنگ کی حالت میں (۱۲)۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں اس صورت میں بھی اسپارٹوی عورتوں سے نقصان ہی پہنچا (۱۳)۔ مثلاً ثیبوی حملے کے دوران میں جب ان کا وجود ویسا ہی بیکار ثابت ہوا جیسے دوسرے

---

۱۱ - Mars لیکن اہل یونان اسے Ares ایرس کہتے تھے - جنگ کا دیوتا اور المپوی دیوتاؤں میں سے ایک جوافروڈائٹ (زہرہ Venus دیوی) کی محبت میں گرفتار ہوگیا اور جس کے حسن و جمال کے باعث زہرہ کو بھی اس سے عشق تھا۔ زہرہ (ناھید) حسن و جمال کی دیوی ہے - وہ جسے چاہتی تھی حسن و جمال عطا کر سکتی تھی ــ مترجم

۱۲ - لیکن دوسرے نسخوں (مثلاً بارکر) میں عبارت یوں ہے کہ بہادری اور دلیری سے روز مرہ کی زندگی میں تو کوئی فائدہ پہنچتا نہیں - اس میں عورتوں کا سوال ہے نہ مردوں کا - گویا متن زیر ترجمہ میں عورتوں کا لفظ زائد ہے ــ مترجم

۱۳ - عورتوں کی بہادری اور دلیری سے ــ مترجم

شہروں میں، بلکہ اسپارٹا میں تو انہوں نے دشمنوں سے بھی کہیں بڑھ کر افراتفری پیدا کر دی تھی (۱۴)۔

اسپارٹوی عورتوں کو یہ آزادی کیسے حاصل ہوئی اس کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ ایک تو اس لئے کہ ان کے مرد شروع شروع میں آرگوس، پھر آرکیڈیا اور پھر مسینیا کے خلاف لشکر کشی کے باعث گھروں سے باہر رہتے۔ یہ لڑائیاں ختم ہوئیں تو فوجی تربیت کے زیر اثر جو اگرچہ ایک بہت بڑا وصف ہے انہیں کچھ عادت سی ہو گئی تھی کہ مقنن جو بھی حکم دے بے چوں و چرا اس کی تعمیل کرتے چلے جائیں۔ مگر پھر جیسا کہ معلوم ہے جب لائی گرگس نے کوشش کی کہ عورتیں بھی قانون کی متابعت کریں، تو وہ اس پر رضا مند نہیں ہوئیں۔ لہٰذا اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا (۱۵)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان حالات کی ذمہ داری تمام تر عورتوں پر تھی اور جو بھی قصور تھا انہیں کا تھا۔ لیکن یہاں دیکھنے کی بات یہ نہیں کہ قصوروار کون تھا اور بے قصور کون، بلکہ یہ کہ ٹھیک کیا ہے اور غلط کیا۔ بہر حال جب عورتوں کے اخلاق و آداب جیسا کہ ہم ابھی کہہ آئے ہیں نا مناسب شکل اختیار کر

---

۱۴ - ثیبی Thebe ارض یونان کا ایک شہر اور اثینیہ اور اسپارٹا کا حریف جس نے چوتھی صدی قبل مسیح میں غیر معمولی طاقت حاصل کرلی تھی - اہل ثیبیہ نے اول اثنیہ کو نیچا دکھایا اس ہمسایہ ریاست کے وہ شروع ھی سے دشمن تھے - پھر ۳۷۱ میں اسپارٹا کو شکست دی (ارسطو کا اشارہ اسی حملے کی طرف ہے) ــ مترجم

۱۵ - یعنی انہیں قانون کے تحت لائے ــ مترجم

لیتے ھیں تو ان سے ریاست کے اندر خرابیاں ھی پیدا نہیں ھوتیں وہ اس کے لئے بدنامی کا باعث بھی بن جاتی ھیں۔ اور اس طرح مال و زر کی محبت میں بھی اضافہ ھو جاتا ھے (۱۶)۔ املاک کی غیر مساوی تقسیم بھی بڑی قابل اعتراض بات ھے جس کا نتیجہ یہ ھوتا ھے کہ بعض کے پاس تو بہت زیادہ ھو جاتا ھے بعض کے نہایت کم۔ یہی وجہ ھے کہ اسپارٹا میں زمین کی ملکیت چند افراد میں محدود رھی۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اسپارٹوی قوانین سے زمین کا معاملہ منضبط نہیں ھو سکا۔ اسپارٹوی مقنن کا یہ کہنا تو ٹھیک تھا کہ زمین کا بیع و شرا کوئی اچھی بات نہیں لیکن پھر اس کے ساتھ ساتھ اس نے ھر شخص کو جو یہ اجازت دے رکھی تھی کہ جسے چاھے اپنا وارث ٹھہرائے، یا اس کے نام اپنی دولت ھبہ کر دے اور جس سے ظاھر ھے پھر وھی نتیجہ مرتب ھوا (۱۷)۔ چنانچہ اندازہ کیا گیا ھے کہ اسپارٹا میں زمین کا تقریباً ۲/۵ حصہ عورتوں کی ملکیت ھے کیونکہ وھی اکثر ترکے کی وارث بنتی اور شادی بیاہ میں بھی خوب خوب مال و دولت حاصل کرتی ھیں۔ اس صورت میں تو یہی بہتر تھا کہ انہیں کچھ نہ دیا جاتا، یا دیا جاتا تو ایک خاص تناسب سے (۱۸)۔ پھر چونکہ ھر کسی کو یہ بھی اجازت ھے کہ جس عورت کو چاھے اپنا وارث مقرر کر دے، نیز یہ کہ اگر بلا وصیت

---

۱۶ - اور جس سے پھر آئین و قانون متاثر ھوتے اور فساد رونما ھوتا ھے — مترجم

۱۷ - جو زمین کے بیع و شرا سے ھوتا — مترجم

۱۸ - یعنی جہیز نہ دئے جاتے، یا دیے جاتے تو ایک خاص تناسب کے مطابق — مترجم

مر جائے تو اس کا وارث جسے چاھے اپنی دولت ھبہ کر دے۔ لٰہذا اس ریاست میں اگرچہ استطاعت تو اتنی ھے کہ ڈیڑھ ھزار سوار اور تیس ھزار پیدل سپاھی رکھ سکے، بایں ھمہ وھاں فوج کی تعداد ایک ھزار سے زیادہ نہیں (۱۹)۔

حاصل کلام یہ کہ اسپارٹا میں دولت کا مسئلہ بخوبی منضبط نہیں ھوا - یہی وجہ ھے کہ یہ شہر ایک ھی حملے کی تاب نہیں لا سکا اور مردوں کی کمی کے باعث تباہ و برباد ھوگیا (۲۰)۔ حالانکہ کہا جاتا ھے کہ پچھلے زمانے میں شاھان اسپارٹا اجنبیوں کو بھی حق شہریت عطا کر دیتے تھے ، تاکہ جنگ و جدال کے اس طویل سلسلے میں جسے ان کو اکثر جاری رکھنا پڑتا مردوں کی کمی نہ ھونے پائے۔ علاوہ اس کے یہ بھی سننے میں آیا ھے کہ ایک زمانے میں اسپارٹا کی آبادی دس ھزار سے زیادہ نہیں تھی (۲۱)۔ جو ممکن ھے ٹھیک ھو یا غلط اتنا بہر حال تسلیم کرنا پڑے گا کہ دولت کی مساوات آبادی میں اضافے کا باعث ھوتی ھے۔ رھا وہ قانون جو اس مقصد کے لئے وضع کیا گیا تھا کہ آبادی کی عدم مساوات کا تدارک ھوتا رھے اس سے بھی کوئی خاص نتیجہ مترتب نہیں ھوا۔ اس خیال سے کہ اھل اسپارٹا کی تعداد بڑھے اور کنبے بھی اکثر و بیشتر

---

۱۹ - ڈیڑھ ھزار سوار . . . . سے ارسطو کا اشارا اس زمانے کی طرف ھے جب اھل ثیبی اسپارٹا پر حملہ آور ھوئے - ارسطو کے زمانے میں جو صورت حالات پیدا ھوئی وہ املاک کی غلط تقسیم سے پیدا ھوئی — مترجم

۲۰ - ثیبیوی حملے سے — مترجم

۲۱ - گویا لغوی معنوں میں قحط الرجال (تعداد ذکور میں کمی) کا سامنا کرنا پڑا جسے کوئی ریاست برداشت نہیں کرسکتی — مترجم

بڑے بڑے ہوں جو قانون وضع کیا گیا یہ تھا کہ جس کسی کے تین بچے ہیں رات کے پہرے سے مستثنیٰ ہوگا۔ جس کے چار اس سے کوئی ضریبہ نہیں لیا جائے گا مگر جس میں نظر انداز کر دیا گیا تو اس بات کو کہ زمین کی تقسیم بھی اگر اسی طرح ہوتی رہی تو جوں جوں شہر کی آبادی میں اضافہ ہوگا غریبوں کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی (۲۲)۔

افوری (۲۳) نظام کی ترکیب بھی جس نہج پر کی گئی ہے بڑا غلط ہے۔ اس لئے کہ ریاست کے اہم ترین امور اگرچہ انہیں کے ہاتھ میں ہیں لیکن وہ منتخب کئے جاتے ہیں تو عامۃ الناس سے۔ لہٰذا یہ عہدہ کسی ایسے شخص کو بھی تو مل سکتا ہے جو نادار ہو اور جسے باسانی خریدا جا سکے۔ جیسا کہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے۔ چنانچہ اندروس (۲۴) میں جو کچھ ہوا اس کی ایک تازہ مثال ہے۔ یہاں چونکہ سب حکام رشوت خوار تھے اس لئے انہوں نے شہر کی خرابی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ پھر چونکہ ان کے

---

۲۲ - ضریبہ (بمعنی ٹیکس ملاحظہ ہو فرہنگ مصطلحات) - غریبوں کی تعداد اس طرح بڑھے گی کہ زمین تو محدود ہوگی، لیکن کنبوں میں برابر اضافہ ہو رہا ہے — مترجم

۲۳ - Ephori بمعنی 'نگران' تعداد میں پانچ اور ذمہ داری یہ کہ دستور حکومت کی نگرانی کریں۔ یہاں یہ عرض کر دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ دور حاضر میں بھی بعض مفکرین سیاست، مثلاً جرمن فلسفی فشتے Fichte کا خیال تھا کہ امور ریاست کے لئے ایک نگران مجلس کا قیام ضروری ہے — مترجم

۲۴ - Andros بحیرہ یونان کے مدور جزائر Cyclades میں ایک جزیرہ — مترجم

اختیارات بھی بڑے وسیع تھے بلکہ تقریباً مستبدانہ، اس لئے بادشاہ تک بھی ان کی خوشامد پر مجبور ہو گئے جس سے ریاست کو اور بھی نقصان پہنچا ۔ یہی وجہ ہے کہ انجام کار اندروس کی حکومت امارت کی بجائے جمہوریت سے بدل گئی ۔ البتہ یہ ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسپارٹا کا افوری نظام ریاست کے لئے تقویت اور استحکام کا سر چشمہ ہے، کیونکہ لوگ مطمئن ہیں اور سمجھتے ہیں اس طرح انہیں بڑے سے بڑا عہدہ مل سکتا ہے ۔ یہ صورت حال مقنن کی مرضی سے پیدا ہوئی، یا اتفاقاً، نظم امور میں بہر حال اس سے بڑی مدد ملتی ہے، کیونکہ حکومت کا کوئی جز بر قرار رہ سکتا ہے تو جب ہی کہ ہر فرد ریاست اس کو بر قرار رکھنے کی کوشش کرے (۲۵) ۔ یہی وجہ کہ شاہان اسپارٹا نے اپنی تعظیم و تکریم کی خاطر یہی بہتر سمجھا کہ اس اصول پر عمل ہوتا رہے اور اسپارٹا کے سمجھ دار طبقے نے بھی اپنے آپ کو مجلس عمائد سے وابستہ رکھا ۔ وہ سمجھتا ہے اس کے فضائل اخلاق کا یہی صلہ ہے کہ اس کی رکنیت حاصل ہو جائے۔ جمہور بھی اسی طریق پر چل رہے ہیں تا کہ وہ افوری کے ہاتھ جو

---

۲۵ - اس لئے کہ ارسطو کے نزدیک اجتماع کی اساس ہے رضامندی، یعنی لوگوں کی یہ خواہش کہ اپنے آپ کو کسی مقصد کےلئے اکٹھا رکھیں - لہذا ریاست ہو یا دستور اس کا دارومدار بھی لوگوں کے ارادے یا مرضی پر ہے - (ملاحظہ ہو فصل چہارم، باب نہم اور دوازدھم - فصل پنجم، باب نہم)- لیکن بعض موقعوں پر وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ریاست کے جملہ عناصر کا ارادہ ایک ہونا چاہئے (جیسے اس موقعہ پر) اور بعض پر یہ کہ اکثریت کی مرضی ہی کافی ہے - معلوم ہوتا ہے وہ عام طور پر تو ہر دستور کے لئے اکثریت کی رضامندی کافی سمجھتا تھا - لیکن مخلوط دستور کی صورت میں ہر طبقے کی — مترجم

انہیں کے اندر سے منتخب ہوتے ہیں مضبوط کر سکیں (۲۶) ۔ یوں بھی حکام کا انتخاب عامۃ الناس ہی سے ہونا چاہئے ۔ اس کی موجودہ صورت بڑی مضحکہ خیز ہے (۲۷) ۔ بہر حال اسپارٹا میں امور مہمہ کا فیصلہ افوری کے ہاتھ میں ہے ۔ لیکن ان کے انتخابات میں چونکہ اس امر کا مطلق لحاظ نہیں رکھا جاتا کہ انہیں کس طرح کا انسان ہونا چاہئے ۔ لٰہذا یہ امر کہ وہ جو فیصلہ کریں اپنی رائے سے کریں بڑا نا مناسب ہے ۔ حالانکہ ان امور میں تحریری قانون یا رسم و رواج کی پابندی زیادہ بہتر رہتی (۲۸) ہے ۔ پھر افور کا طریق زندگی بھی آداب ریاست کا ساتھ نہیں دیتا (۲۹) ۔ وہ خود تو ہر معاملے میں بڑی حد تک آزاد ہیں لیکن دوسروں پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کرتے ہیں جو بعض صورتوں میں ایسی نا قابل برداشت ہو جاتی ہیں کہ لوگ مخفی طور پر قانون کی خلاف ورزی کرتے رہتے اور اس طرح خواہشات نفسانی سے لطف اندوز ہونے کا ذریعہ پیدا کر لیتے ہیں ۔ مجلس عمائد

---

۲۶ - مطلب یہ ہے کہ اسپارٹا کے بادشاہوں، اس کے اعلیٰ طبقے اور عوام سب کے اندر یہ ارادہ پایا جاتا ہے کہ دستور حکومت کو برقرار رکھیں (ملاحظہ ہو اوپر کا حاشیہ) جو ریاست کی بقا کے لئے ضروری ہے ۔ بادشاہ اپنی تعظیم و تکریم پر قانع ہیں ، اعلیٰ طبقہ مجلس عمائد کی رکنیت اور جمہور افوریت پر — مترجم

۲۷ - کیسے ؟ اس کی تشریح ارسطو نے نہیں کی — مترجم

۲۸ - ارسطو سمجھتا ہے قانون کا قلم بند ہو جانا ضروری ہے ۔ رسم و رواج سے اس کا مطلب ہے کوئی ایسا قاعدہ جسے قانونی شکل دے دی گئی ہو — مترجم

۲۹ - اس نے کہ ان کا انتخاب عوام سے ہوتا ہے — مترجم

کی ترکیب میں بھی کئی نقص پائے جاتے ھیں (۳۰)۔ اس مجلس کے ارکان اگر جملہ فضائل سے بہرہ ور ھوتے تو بیشک ان کا وجود حکومت کے لئے مفید تھا، گو اس صورت میں بھی غور طلب امر یہ تھا کہ ان کا تا حین حیات منصب قضاۃ پر قائم رھنا یا امور سہمہ کا فیصلہ اپنے ھاتھ میں رکھنا مفید ھوگا یا مضر۔ کیونکہ جسم کی طرح ذھن بھی بوڑھا ھو جایا کرتا ھے۔ پھر جب ان کی تعلیم و تربیت کا یہ حال ھے کہ مقنن کو بھی ان پر اعتماد کرتے ھوئے تامل ھوتا ھے تو ظاھر ھے کہ ان کے اختیارات سے ریاست کے مفاد کو نقصان ھی پہنچے گا۔ بالخصوص اس لئے کہ ان سے رشوت ستانی اور امور ریاست میں جانب داری دونوں قسم کی برائیوں کا ارتکاب ھوا۔ لہذا ضروری تھا کہ انہیں اپنے اعمال و افعال کا جواب دہ ٹھہرایا جاتا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ برعکس اس کے افوری کو ایک طرح سے حکام کے محاسبے کا حق حاصل ھے اور اس لئے ان کا اقتدار بہت زیادہ بڑھ گیا ھے۔ یہ بات بھی بڑی نا مناسب ھے۔ عمائد کے انتخاب میں بھی جو طریق اختیار کیا گیا ھے بچوں کا سا ھے (۳۱) ایسے ھی یہ چیز بھی بڑی غلط ھے کہ جو شخص جس عہدے کے لئے چاھے درخواست دے دے۔

---

۳۰ - جسے لائی کرگس نے قائم کیا اور جس کے ارکان کی تعداد ۲۸ یا ۳۰ تھی - لیکن جس کے لئے ایسے افراد کا انتخاب ہونا چاھئے تھا جو پکی عمر کے ھوں یعنی کوئی ساٹھ برس کے — مترجم

۳۱ - بچوں کا سا اس لئے کہ انتخاب کنندہ جمع ھوکر ایک خاص انداز میں پکار کر کہتے ھم نے فلاں شخص کا انتخاب کر لیا - ارسطو کو یہ طریق 'تصویت' (زبان سے پکار کر انتخاب کرنا) ناپسند ھے — مترجم

حالانکہ اس سے وہی کام لینا چاہئے جس کا وہ اہل ہے ، خواہ اس کی خواہش کچھ بھی ہو (۳۲)۔ معلوم ہوتا ہے اس معاملے میں بھی مقنن کی نیت دوسرے امور کی طرح یہی تھی کہ اہل شہر میں حصول اعزازات کا شوق پیدا ہو اور اس لئے اس نے سوچا مجلس عمائد کو اس قسم کے موقعوں کے لئے کیوں نہ کھلا چھوڑ دیا جائے۔ وہ سمجھتا تھا جن لوگوں کو اعزازات کی حرص نہیں انہیں کبھی خواہش نہیں ہوگی کہ اس میں شرکت کریں ، حالانکہ حرص اور طمع وہ چیز ہے جس کی خاطر لوگ بڑے بڑے سنگین جرائم کے ارتکاب سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

رہا یہ سوال کہ بادشاہ کا عہدہ ریاست کے لئے مفید ہے یا غیر مفید ، سو اس سے ہم کسی دوسرے موقع پر بحث کریں گے۔ یہاں البتہ اتنا کہہ دینا ضروری ہے کہ اس کے انتخاب میں حسن سیرت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ وہ صورت حالات پیدا نہ ہو جو اس وقت اسپارٹا میں ہے (۳۳)۔ یہ دوسری بات ہے کہ مقنن کو خود

---

۳۲ - کسی عہدے کے لئے - خواہ وہ اپنے آپ کو پیش نہ کرے جب بھی اس کا انتخاب ہو جانا چاہئے - لہٰذا اپنے آپ کو خود پیش کرنے کی شرط بے معنی ہے — مترجم

۳۳ - اسپارٹا کا نظام ملوکیت ثنوی تھا کیونکہ وہاں بیک وقت دو بادشاہ حکومت کرتے تھے - علاوہ ازیں بادشاہت کا منصب ایک مخصوص خاندان میں محدود تھا اور دستور یہ تھا کہ اس خاندان کا جو رکن سن و سال میں دوسروں سے بڑا ہو اس منصب پر متمکن ہو جائے۔ ارسطو کو یہ صورت حالات ناپسند تھی - وہ ان لوگوں کا ہم خیال تھا جن کی رائے یہ تھی کہ اس منصب کے لئے کسی قابل اور سمجھدار انسان کا انتخاب ہونا چاہئے - مزید یہ کہ اس عہدے کو بادشاہت کی بجائے صدارت سے بدل دیا جائے — مترجم

بھی اس کی توقع نہیں تھی کہ شہر کا ہر فرد فضائل اخلاق سے متصف ہوگا (۳۴) اور جس کی تائید اس امر سے بھی ہو جاتی ہے کہ وہ ان سے بد گمان ہے اور چاہتا ہے کہ سفارت پر جائیں تو ایسے افراد جو باہم مخالف ہوں، کیونکہ یونہی اس کے نزدیک ریاست کا تحفظ ممکن تھا تاکہ ان کے اور بادشاہوں کے درمیان ہمیشہ کوئی نہ کوئی نزاع قائم رہے (۳۵) ۔ اسپارٹا کے مشترک دسترخوانوں کا انتظام بھی شروع شروع میں کچھ ٹھیک نہیں تھا ۔ ان کا بار مصارف عامہ پر ہونا چاہئے تھا، جیسا کہ قریطش میں دستور ہے ۔ لیکن اسپارٹا میں اس کے برعکس ہر کسی کے لئے ضروری تھا کہ اپنے اپنے حصے کی خوراک آپ خریدے خواہ وہ نادار ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا نتیجہ بھی مقنن کے خلاف توقع رہا ۔ اس کا خیال تھا کہ مشترکہ دسترخوان کی بدولت حکومت کے جمہوری پہلو کو تقویت پہنچے گی لیکن ہوا اس کے الٹ، کیونکہ اس طرح غریبوں نے اس میں حصہ لینا چھوڑ دیا، حالانکہ ان کے آبا و اجداد صاف کہہ چکے تھے کہ جن لوگوں میں ان کا خرچ ادا کرنے کی استطاعت نہیں وہ ان سے محروم نہ رکھے جائیں، کیونکہ یہ امر ریاست کی تباہی کا موجب ہوگا ۔ اسپارٹا کے بحری قوانین بھی بڑے قابل اعتراض ہیں ۔ وہ بھی آئے دن کسی نہ کسی نزاع کا سبب بن جاتے

---

۳۴ - اور اس لئے بادشاہ بھی فضائل اخلاق سے متصف نہیں ہوں گے ــ مترجم

۳۵ - ان سے . . . یعنی بادشاہوں سے بدگمان ہے - متن زیر ترجمہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مقنن چاہتا تھا ارکان سفارت میں باہم اختلاف ہو - حالانکہ وہ چاہتا تھا ان میں اور بادشاہوں میں اختلاف رہے جیسا کہ اسی جملے کے آخر میں مذکور ہے ــ مترجم

هیں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہاں امیر البحر کے عہدے کو کچھ ایسی حیثیت دے دی گئی ہے جس سے وہ بادشاہ کا حریف نظر آتا ہے۔ اس لئے کہ فوج کی سرداری تاحین حیات اسی کے ہاتھ میں رہتی ہے(۳۶)۔

لیکن ابھی ایک اور خرابی ہے جس کے پیش نظر افلاطون نے اپنی تصنیف 'نوامیس' میں بھی اسپارٹوی قوانین کی مذمت کی ہے اور وہ یہ کہ اسپارٹوی حکومت کی تمام تر توجہ جنگ پر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اہل شہر میں فاتحوں کی صفات پیدا کرنا اچھی بات ہے لیکن اسپارٹا میں تو ریاست کی ہستی گویا جنگ و جدال ہی کے لئے وقف تھی۔ لہٰذا جونہی فتوحات کا سلسلہ ختم ہوا اس کا زوال شروع ہو گیا، کیونکہ اہل اسپارٹا بے کار بیٹھنا تو جانتے نہیں تھے۔ نہ یہ کہ جنگ کے علاوہ اور بھی کرنے کے کام ہیں۔ اس کے علاوہ ایک اور غلطی یہ بھی سرزد ہوئی کہ ان کا یہ خیال تو اگرچہ درست تھا کہ انسان جن چیزوں کے لئے آئے دن لڑتا جھگڑتا رہتا ہے ان کو برائی کی نسبت اچھائی سے حاصل کرنا زیادہ بہتر ہے۔ لیکن انہوں نے ترجیح دی تو چیزوں کو، اچھائی کو نہیں دی (۳۷)۔ مالیات عامہ

---

۳۶ - اس لئے کہ بادشاہ تو بری فوج کا سردار تھا، امیر البحر بحری فوج کا - یا اس لئے کہ فوج کا (بری ہو یا بحری) سردار کل تو بادشاہ تھا لیکن امیر البحر کے عہدے کی یہ کیفیت تھی کہ اسے بادشاہ کے سے اختیارات حاصل ہو جاتے — مترجم

۳۷ - اہل سپارٹا کا یہ خیال تو صحیح تھا کہ اچھائیوں (خیرات) کا حصول اچھائی(خیر) ہی سے کرنا چاہئے - مثلاً مال و دولت اچھی چیز (خیر) ہے بشرطیکہ اسے اچھائی (خیر) کے ذریعے حاصل کیا جائے - لیکن ان سے جو غلطی سرزد ہوئی وہ یہ کہ انہوں نے اچھی چیزوں کو اچھائی پرا ترجیح دی -

" طاقت خیر ہے - لیکن اسپارٹا نے جو طاقت اور مضبوطی پیدا کرنے کے لئے جو طریقہ اختیار کیا غلط ہے -

کا انتظام بھی ان کے یہاں بڑا ناقص تھا اس لئے کہ ریاست تو جنگ و جدال میں مصروف رہتی لیکن خزانے میں کچھ بھی نہیں ھوتا ۔ امدادی رقوم بھی کچھ ٹھیک طرح سے فراھم نہیں کی جاتی تھیں (۳۸) ۔ اسپارٹا میں اراضی زیادہ تر شہریوں کی ملکیت ھے اور اس لئے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ کسی نے کیا ادا کیا (۳۹) ۔ للہذا اس پہلو سے بھی جو نتیجہ مترتب ھوا مقنن کی مرضی کے خلاف ھوا ۔ ریاست مفلس ھو گئی اور افراد کو حرص و آز نے آ دبایا ۔ یہ ھیں اسپارٹوی حکومت کی بڑی بڑی خامیاں جن کے متعلق اتنا ھی کچھ کہنا کافی ھوگا ۔

---

۳۸ - یعنی اسپارٹا کو اس حالت میں جنگ کرنا پڑی جب خزانہ خالی تھا ۔ یا بسبب جنگ اس لئے خالی ھو جاتا کہ امدادی (یا اخراجات جنگ کے لئے ضروری رقوم) فراھم نہیں ھونے پاتی تھیں - یہ دراصل اشارہ ھے مال گزاری یعنی زمین کے لگان کی طرف جیسا کہ اراضی کے ذکر سے صاف ظاھر ھو جاتا ھے - مطلب یہ ھے کہ لوگ حکومت کے ضرائب باقاعدہ ادا نہیں کرتے تھے — مترجم

۳۹ - یعنی یہ کہ سلیہ ادا کیا بھی یا نہیں ؟ — مترجم

# دسواں باب

قریطش کی حکومت بڑی حد تک اسپارٹا سے مشابہ ہے اور بعض باتوں میں اگرچہ قریباً قریباً یکساں ، پھر بھی مقابلۃً دیکھا جائے تو باعتبار ہیئت ترکیب اس سے کہیں زیادہ پست جس کی وجہ غالباً یہ ہے اور اسے ہر کوئی تسلیم بھی کرتا ہے کہ اسپارٹا کی حکومت زیادہ تر قریطش کے نمونے پر تیار کی گئی۔ یوں بھی بعض نئی چیزیں پرانی چیزوں سے بہتر ہوا کرتی ہیں (۱)۔ کہا جاتا ہے جب لائی کرگس نے شاہ کاریلس کی سر پرستی چھوڑ دی تو ترک وطن پر ایک مدت تک اپنے رشتہ داروں کے یہاں مقیم رہا ، اس لئے کہ لائیکٹس اہل اسپارٹا ہی کی ایک نو آبادی ہے (۲)۔ لہذا یہاں جو لوگ پہلے پہل

---

۱ - اور اس لئے اسپارٹا کا دستور حکومت قریطش سے بہتر ہے ۔ مترجم

۲ - Lyetus قریطش کا ایک شہر -

لائی کرگس Lycurgus یونوموس Eunomos شاہ اسپارٹا کا بیٹا تھا جس کی بھاوج نے اپنے خاوند پالی ڈکٹیس Palydactes کے انتقال پر لائی کرگس سے اس شرط پر شادی کرلی تھی کہ جب اس کے یہاں بچہ پیدا ہوگا تو اسے مار ڈالا جائے گا ۔ لائی کرگس نے یہ شرط مان لی - مگر جب بچہ پیدا (کیونکہ شادی کے وقت پر وہ حاملہ تھی) ہوا تو لائی کرگس نے تاج شاہی باقاعدہ اس کے سر پر رکھا اور خود اس (یعنی Carilles کاری لیس ) کا ولی بن گیا اور پھر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اسے خود جاہ و منصب کی کوئی ہوس نہیں دنیا کی سیاحت

باقی صفحہ ۱۶۶ پر

آباد ہوئے انہوں نے وہی قوانین اختیار کر لئے جن کا وہاں رواج تھا۔ اور یہی کچھ ان کے پڑوسیوں نے بھی کیا۔ وہ انہیں قوانین پر چلنے لگے جو اول اول می‌نوس (۳) نے وضع کئے تھے۔

بظاہر قدرت نے بھی اس جزیرے کو شاید اسی لئے بنایا تھا کہ یونان کی ملکہ بن جائے۔ اس کے چاروں ط ف جو سمندر موجزن ہے اس میں جہاز رانی ہو سکتی ہے اور سواحل کی نو آبادیاں بھی قریباً قریباً اہل یونان ہی کی ہیں۔ پھر اگر ایک سمت میں اس کا فاصلہ پیلوپونیسس سے زیادہ نہیں تو دوسری جانب یعنی ایشیا کی سمت میں ٹری اویم اور روڈس(۴) سے بھی۔ للہذا یہ جو می‌نوس نے متعدد جزائر

---

بقیہ حاشیہ صفحہ ١٦٦

کے لئے نکل گیا۔ کہا جاتا ہے اس اثنا میں اس نے قریطش، آئی رونیا، مصر، حتیٰ کہ ہندوستان تک کا سفر کیا اور پھر جب اسپارٹا واپس آیا تو اہل شہر نے جو باہم خانہ جنگی میں مبتلا تھے دلی جوش سے اس کا خیر مقدم کیا مشہور ہے کہ اسپارٹا کا دستور حکومت لائی کرگس نے تیار کیا تھا۔ بلکہ اس نے اہل شہر سے قسم لے لی تھی کہ وہ اس میں کوئی ترمیم نہیں کریں گے۔ چنانچہ یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ اپنے عہد پر قائم رہتے ہیں یا نہیں وہ پھر اسپارٹا سے باہر چلا گیا۔ البتہ یہ معلوم نہیں کہ اس کا انتقال کہاں اور کب ہوا۔ لیکن محققین کا خیال ہے کہ لائی کرگس کی شخصیت محض ایک افسانہ ہے اور اس کا شمار دراصل آرکیڈیا کے دیوتاوں میں کرنا چاہئے جسے اہل اسپارٹا نے اختیار کرلیا تھا ـــ مترجم

۳ - Minos قریطش کا بادشاہ اور مقنن جیسا کہ یونانی اساطیر میں مذکور ہے ـــ مترجم

۴ - Triopium ساحل ایشیائے کوچک اور Rhoes ساحل ایشیائے کوچک کا مشہور شہر جزیرہ ـــ مترجم

پر مشتمل جن میں بعض اس کے قبضے میں تھے بعض میں اس کی بسائی ہوئیں نو آبادیاں ایک بحری سلطنت قائم کر لی ، تو اس کی وجہ بھی قریطش کا یہی محل وقوع ہے ۔ آخرالامر وہ صقلیہ پر حملہ آور ہوا اور اس کے یہی حملے تھے جن کے دوران میں کامی کس (٥) کے قریب اس کا انتقال ہو گیا ۔ بہر حال اسپارٹا اور قریطش کے رسم و رواج تقریباً ایکسے ہیں ۔ جس طرح ہیلٹ اہل اسپارٹا کی زمینوں کی کاشت کرتے ہیں ویسے ہی گھریلو غلام (٦) قریطش میں ۔ دونوں ریاستوں میں مشترکہ دسترخوانوں کا التزام ہے ۔ چنانچہ شروع شروع میں تو اہل اسپارٹا بھی ان کو انڈریا ہی کہتے تھے، فی ڈے ٹیا ، نہیں کہتے تھے (٧) ۔ قریطش میں البتہ آج بھی ان کے لئے یہی لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس رسم کی ابتدا دراصل کہاں سے ہوئی (٨) ۔ پھر ایک اور پہلو ہے جس کی رو سے دونوں حکومتوں کا انداز ایک سا ہے ۔ اسپارٹا میں بھی 'افوری' کو وہی اختیارات حاصل ہیں جو قریطش میں 'کوس موی' (٩) کو ۔ فرق ہے

---

٥ - Camicus صقلیہ کے جنوبی ساحل پر — مترجم

٦ - گھریلو اس لئے کہ ان سے لوگ کھیتی باڑی کا کام لیتے جیسے ہمارے یہاں کے مزارع ( مگر وہ غلام نہیں ہوتے ) یا یورپ کے 'سرف' Serf (زرعی غلام) اور جن کو اہل قریطش 'پیری اوکی' Periocie کہتے تھے — مترجم

٧ - Andreia اور Phiditia

٨ - یعنی قریطش میں — مترجم

٩ - Cosmoi کہنا یہ چاہئے تھا کہ قریطش میں 'کوس موی' کو ... جو اسپارٹا میں 'افوری' کو ۔

گویا 'کوس موئی' کو کم و بیش 'افوری' کا مماثل تصور کرنا چاہئے — مترجم

تو اتنا کہ افور کی تعداد پانچ سے زیادہ نہیں اور ' کوس موی ' کی دس ۔ عائد کے معاملے میں بھی اسپارٹا اور قریطش میں کوئی خاص اختلاف نہیں ۔ الا یہ کہ قریطش میں 'سینٹ' کو سینٹ کی بجائے کونسل ' کہتے ' ہیں (۱۰) پھر قریطش میں بھی اسپارٹا کی طرح ملوکیت قائم تھی ، گو بعد میں اس کا خاتمہ کر دیا گیا اور فوج کی سرداری ' کوس موی ' نے اپنے ھاتھ میں لے لی ۔ رھی مجلس عامہ سو اس میں رائے دینے کا حق اگرچہ سب کو حاصل ھے مگر اس کا اختیار اس سے زیادہ نہیں کہ ' کونسل ' کے فیصلوں کی تصدیق کرتی رھے ۔

مشترکہ دسترخوانوں کا انتظام البتہ قریطش میں اسپارٹا کی نسبت زیادہ بہتر ھے ۔ اسپارٹا میں تو ھر کوئی اپنے حصے کی رقم آپ ادا کرتا ھے اور جیسا کہ ھم بیان کر آئے ھیں ایسا نہ کریں تو حقوق شہریت سے ھاتھ دھو بیٹھتا ھے ۔ لیکن قریطش میں یہ ساری ضروریات ریاست کی طرف سے مہیا کی جاتی ھیں اس لئے کہ یہاں گھریلو غلاموں سے جتنا بھی غلہ اور مویشی ، یا لگان وصول کیا جاتا ھے اسے مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ھے ۔ ایک حصہ دیوتاؤں کے لئے مخصوص ھے ، ایک ریاست کی ضروریات اور ایک مشترکہ دسترخوانوں کے لئے ۔ بہ الفاظ دیگر ریاست نے جملہ مرد و زن اور بچوں کی خوراک کا انتظام اپنے ذمے لے رکھا ھے (۱۱) مگر پھر اس کے ساتھ ساتھ مقنن کو جس امر کا بھی خیال

---

۱۰ - Council گویا یہاں پھر ناموں ھی کا اختلاف ھے اختیارات کا نہیں ۔ یعنی اسپارٹا میں گروسیا Gerousia (سینٹ) اور قریطش میں Boule بولے یعنی 'کونسل' (مجلس) ۔

۱۱ - ارسطو کو یہ چیز بہت پسند تھی اور اس نے اپنی مثالی ریاست کا جو نقشہ تیار کیا ھے اس میں اس بات کا خاص طور سے التزام رکھا ھے — مترجم

تھا کہ لوگ کھانے پینے میں کفایت سے کام لیں اور سمجھیں کہ ان کا ایسا کرنا ریاست کے لئے مفید ہوگا۔ مزید یہ کہ آبادی میں اضافہ نہ ہونے پائے۔ لہٰذا اس نے مردوں کو ترغیب دلائی کہ عورتوں کی بجائے زیادہ تر لڑکوں سے رشتہ محبت استوار کریں (۱۲)۔ رہا یہ امر کہ قانوناً ایسا کرنا اچھا تھا یا برا اس کے متعلق ہماری جو رائے ہے آگے چل کر ظاہر کریں گے۔ یہاں صرف اتنا کہنا مقصود ہے کہ اسپارٹا کی نسبت قریطش میں مشترکہ دسترخوانوں کا انتظام کہیں زیادہ بہتر ہے۔

البتہ ' کوس موی ' کا نظام ' افوری ' کے مقابلے میں زیادہ خراب اور ابتر ہے۔ ان میں وہ سب نقائص ملیں گے جو حکام میں پائے جاتے ہیں، بلکہ ان کے علاوہ کچھ اور بھی۔ قریطش میں بھی اسپارٹا کی طرح یہ بات غیر یقینی تھی کہ انتخاب کس کا ہوگا بجز اس کے کہ اسپارٹا میں اگر مقابلۃً کوئی خوبی ہے تو یہ کہ وہاں ہر کوئی اس عہدے کا اہل تصور کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جہاں تک اعزازات کا تعلق ہے ان کے حصول کا راستہ پوری قوم کے لئے کھلا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسپارٹا کا ہر فرد ریاست کی بقا کا خواہاں ہے لیکن قریطش میں ' کوس موی ' کا انتخاب جمہور سے نہیں ہوتا بلکہ چند مخصوص کنبوں سے اور پھر ' کوس موئی ' سے مجلس عمائد کا۔ گویا جو کچھ ہم نے اسپارٹا کی مجلس عمائد کے بارے میں کہا ہے وہی کچھ قریطش کی مجلس شوریٰ کے متعلق سمجھنا چاہئے (۱۳)۔

---

۱۲ - کہا جاتا ہے اس رسم بد کی ابتدا قریطش ہی سے ہوئی جسے رفتہ رفتہ اہل یونان نے قانوناً اور رسماً اختیار کرلیا — مترجم

۱۳ - اور اس لئے انہیں عوام کی تائید حاصل نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ' کوس موئی ' میں وہی نقص پائے جاتے ہیں جو اسپارٹا کی مجلس عمائد میں — مترجم

اس مجلس پر بھی کسی کی نگرانی نہیں اور اس کے ارکان بھی مدۃالعمر اپنے عہدوں پر متمکن رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ اعزاز ہے جس کا انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا۔ بعینہ یہ امر بھی خطرے سے خالی نہیں کہ وہ جو کچھ کریں اپنی صواب دید سے کریں نہ کہ کسی تحریری قانون کے مطابق۔ (رہی یہ بات کہ قریطش میں آج تک کوئی بغاوت نہیں ہوئی اور اس کے باوجود عامۃ الناس کا حکومت میں کوئی عمل دخل نہیں اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ قریطش کی حکومت فی الواقعہ اچھی ہے۔ وہاں 'کوس موئی' کے لئے رشوت ستانی کا کوئی موقعہ ہی نہیں)۔ ان کا رہنا سہنا ایک جزیرے میں ہے، لہٰذا ان لوگوں سے بہت دور جو انہیں اس قسم کی بد عنوانیوں پر آمادہ کریں۔ بیشک رشوت ستانی ایک بہت بڑا نقص ہے مگر اس کے ازالے کی جو تدبیر کی گئی ہے بڑی لغو، دور اندیشی سے خالی اور سر تا سر مستبدانہ کیونکہ اس طرح حکام ہوں یا جمہور سب باہم مل کر سازش کرتے رہتے اور 'کوس موئی' سے ان کا عہدہ چھین لیتے ہیں (۱۳)۔ یہ دوسری بات ہے کہ 'کوس موئی' کو اپنے عہدے کی میعاد ختم کرنے سے پہلے ہی استعفا داخل کرنے کا اختیار ہے

۱۳ - زیادہ واضح الفاظ میں ارسطو کا مطلب یہ ہے کہ یا تو 'کوس موئی' کے اپنے رفقائے کار (حکام) یا عام افراد میں سے ذی اثر لوگ باہم مل کر ایک مخالفت قائم کر لیتے ہیں اور اس طرح 'کوس موئی' کو ان کے عہدے سے برطرف کر دیتے ہیں - ازمنہ متوسطہ کی تاریخ سے بھی اس قسم کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں - جب امرا حصول طاقت کی خاطر باہم متحد ہو جاتے اور ایک دوسرے سے لڑتے رہتے آج ایک کے حلیف ہوتے کل دوسرے کے - لہٰذا اس جملے میں مستبدانہ کا مطلب ہے من مانی کاروائی کرنا — مترجم

لیکن یہ جو کچھ ہوتا ہے کسی قانون اور قاعدے کے ماتحت نہیں ہوتا جیسا کہ ضروری تھا ، بلکہ اسے لوگوں کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے جو ایک نہایت ہی غلط اصول ہے اور جس پر کبھی عمل نہیں کرنا چاہئے ۔ پھر اس سے بھی گئی گذری بات یہ ہے کہ قریطش کا ذی اقتدار طبقہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی خلفشار پیدا کئے رکھتا ہے تاکہ عدل و انصاف کا راستہ روک دے (۱۵) ۔ امور بالا سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ قریطش میں کس قسم کی حکومت قائم ہے ، حکومت نہیں بلکہ ایک طرح کی غیر قانونی طاقت (۱۶) ۔ اس لئے کہ قریطش میں اکابر ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ اپنے رفقا حتیٰ کہ عوام سے بھی جتنے طرف دار مل سکیں انہیں ساتھ لے کر بغاوت پھیلا دیں اور حکومت پر قابض ہو جائیں ۔ در اصل کسی ریاست کا بزور خاتمہ ، یا اس کی رفتہ رفتہ تبدیلی اور اس طرح کی دوسری شکل میں منتقل ہو جانا ایک ہی بات ہے (۱۷) ۔ دونوں

---

۱۵ - غیر قانونی طاقت ــ ( بارکر میں امارت) - ارسطو نے یہاں جو لفظ استعمال کیا ہے بقول بارکر اس کے معنی ہیں امارتی طرز حکومت یا امرا کی وہ جماعت جو مطلق العنان ہو اور جیسے چاہے بغیر کسی نظم و آئین کی پابندی کے حکومت کرے - جیسے مثلاً ایک مستبد اور مطلق العنان فرمان روا ( پادشاہ یا امیر) کرتا ہے - لہٰذا اس قسم کی امارت کا مطلب ہے کئی خاندانوں کی حکومت یعنی استبداد در استبداد ــــ مترجم

۱۶ - اس طرح کہ ’کوس موئی‘ کوئی کام نہ کریں - نظام عدالت معطل رہے - یہ خلفشار ہے جس کی طرف ارسطو اشارا کر رہا ہے ــ مترجم

۱۷ - اس لئے کہ اس صورت حالات کا مطلب ہوگا ریاست اور قوم ( یعنی اس اجتماع کا جسے ہم سیاسی یا مدنی کہتے ہیں) دونوں کا خاتمہ ــــ مترجم

صورتوں میں اندیشہ ہے کہ اگر کچھ لوگ اس پر حملہ آور ہونا چاہتے اور اس کی طاقت بھی رکھتے ہیں تو وہ اس پر حملہ کر دینگے۔ لیکن پھر جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں یہ صرف قریطش کا محل وقوع ہے جس نے اسے غیروں کے حملے سے محفوظ کر رکھا ہے۔ ان کے گھریلو غلاموں نے بھی اگر آج تک بغاوت نہیں کی تو اسی وجہ سے۔ حالانکہ ہیلٹ ایسے موقعوں پر آئے دن شور و شر پیدا کرتے رہتے ہیں۔ بات اصل میں یہ ہے کہ قریطش کے کوئی خارجی معاملات ہی نہیں (۱۸)۔ اس پر کسی بیرونی فوج نے چڑھائی کی تو حال ہی میں جس کی تاخت و تاراج سے جلد ہی پتہ چل گیا کہ قریطشی قوانین کس قدر ناقص اور بودے ہیں (۱۹)۔ یہ باتیں ہیں جو ہمیں قریطش کی حکومت کے بارے میں کہنا تھیں۔

---

۱۸ - یعنی اگر ہوتے - مثلاً ان کی کچھ نو آبادیاں یا مقبوضات ہوتے، یا دوسری ریاستوں کی طرح قریطش کا وجود بالکل الگ تھلگ نہ ہوتا تو ان کے مخالف عناصر قریطشی غلاموں کو ضرور بغاوت پر آمادہ کر دیتے اور وہ خود بھی شور و شر پیدا کرتے رہتے — مترجم

۱۹ - ارسطو کا اشارا کس حملے کی طرف ہے اس کا پتہ نہیں چل سکتا — مترجم

# گیارھواں باب

قرطاجنہ کی حکومت (۱) بڑی خوبی سے قائم ہوئی اور کئی ایک باتوں میں دوسروں سے بہتر نظر آتی ہے (۲)۔ گو بعض پہلوؤں سے اسپارٹوی حکومت سے بڑی حد تک مشابہ۔ بلکہ یہ تینوں یعنی اسپارٹوی، قریطشی اور قرطاجنی حکومتیں کئی ایک باتوں میں تو ایک سی ہیں اور کئی ایک باتوں میں بے حد مختلف (۳)۔ قرطاجنہ کو دیکھ

---

۱ - ارسطو یہاں قرطاجنہ کا ذکر رہا ہے حالانکہ قرطاجنہ ایک غیر یونانی ریاست تھی لیکن ارسطو چاھتا تھا ان ریاستوں پر بھی نظر ڈالے جہاں حکومت کا نظم و نسق نہایت خوبی سے چل رہا تھا - یوں بھی وہ قرطاجنہ کے دستور کا معترف تھا اور فصل چہارم میں پھر اس کا ذکر کرے گا۔ اس کا خیال تھا کہ عملاً اور واقعۃً انسان کو جس قسم کے ظروف و احوال کا سابقہ پڑتا ہے ان میں قرطاجنہ کی طرح کا دستور حکومت ھی بہترین ٹھہرایا جاسکتا ہے - اس دستور میں دولت، صلاحیت، تعداد، تینوں عناصر کی رعایت ملحوظ رکھی گئی تھی اور ان تینوں عناصر سے علی الترتیب امارت، اعیانیت اور جمہوریت کا امتزاج ہو جاتا۔ ویسے ارسطو کی نسلی عصمت شاید اسے کسی غیر یونانی ریاست کے ذکر سے باز رکھتی، بالخصوص اس لئے بھی کہ جس زمانے میں اس نے سیاسیات پر قلم اٹھایا قرطاجنہ کی بحری طاقت صقلیہ پر غالب آ رہی تھی اور اس لئے یونانی نو آبادیوں کا اقتدار خطرے میں تھا — مترجم

۲ - یعنی اس کا اپنا ایک جداگانہ انداز ہے — مترجم

۳ - بڑی مختلف - آپس میں نہیں بلکہ دوسری حکومتوں یعنی ان کے دستور اور نظم و آئین سے — مترجم

کر پته چلتا ہے کہ ایک اعلیٰ درجے کا دستور کس خوبی سے تیار کیا جا سکتا ہے۔ لٰہذا باوجود اس امر کے کہ عامة الناس بھی حکومت میں شریک ہیں اس کی ہیئت میں سر مو فرق نہیں آیا۔ نہ وہاں کبھی شور و شر پیدا ہوا ، نہ حکومت نے مستبدانہ رنگ اختیار کیا۔ قرطاجنہ اور اسپارٹا میں ایک امر مشترک ہے تو یہ کہ ان دونوں حکومتوں نے ان لوگوں کے دسترخوان کو یک جا کر رکھے ہیں جن میں باہم رشتۂ دوستی قائم ہے (۴)۔ قرطاجنہ میں بھی ایک جماعت حکام موجود ہے ، تعداد میں ۱۰۴ اور 'افوری' سے مشابہ۔ مگر اس کا طریق انتخاب زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اسپارٹا میں تو ہر شہری کو اس عہدے کا اہل تصور کیا جاتا ہے ، قرطاجنہ میں صرف ان افراد کو جو فی الواقعہ اس قابل ہیں۔ بادشاہت اور مجلس عمائد کے معاملے میں بھی قرطاجنہ کو اسپارٹا سے کچھ نہ کچھ مماثلت ضرور ہے۔ بایں ہمہ قرطاجنہ میں بادشاہت کا تقرر زیادہ بہتر طریق پر ہوتا ہے اس لئے کہ وہاں یہ عہدہ کسی ایک خاندان تک محدود نہیں ، نہ اس کے انتخاب میں ہر کوئی حصہ لیتا ہے ، نہ سن و سال کا خیال رکھا جاتا ہے۔ بر عکس اس کے امیدواروں میں صرف اس شخص کو ترجیح دی جاتی ہے جو قابلیت میں سب سے آگے ہو خواہ

---

۴۔ مطلب یہ ہے کہ ساری آبادی کے لئے تو ایک دسترخوان کا انتظام ناممکن تھا ، کیونکہ قرطاجنہ کی آبادی بہت زیادہ تھی۔ لٰہذا وہاں متعدد مطبخ قائم ہوئے (جیسا کہ بارکر کے نسخہ میں بصراحت مذکور ہے) اور اس لئے اس جملے میں رشتہ دوستی کا مطلب ہے سیاسی اور مدنی رشتہ جس کے ماتحت متعدد سیاسی جمعیتیں الگ الگ مطبخ قائم کرلیتیں۔ البتہ ان جمعیتوں کے متعلق ہمیں کوئی معلومات حاصل نہیں — مترجم

سن و سال میں کم - اس کے اختیارات بھی نہایت وسیع ھیں اور اس لئے اگر یہ عہدہ کسی معمولی آدمی کو مل جاتا تو ریاست کو سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا ، جیسا کہ اسپارٹا میں اکثر ھوتا رھا - رھیں وہ باتیں جن میں اگر حد سے تجاوز کیا جائے تو قابل ملامت بن جاتی ھیں سو یہ ان سب حکومتوں میں مشترک ھیں جن کا ذکر ھم اوپر کر آئے ھیں (۵) -

قرطاجنہ کا مخلوط طرز حکومت جسے گویا امارت اور جمہوریت کا امتزاج کہنا چاھئے جن اصولوں پر قائم ھے ان میں بعض تو جمہوریت کی طرف مائل ھیں بعض اعیانیت کی طرف (٦) - مثلاً بادشاہ اور اکابر

---

۵ - ارسطو یہ کہنا چاھتا ھے کہ قرطاجنہ کی حکومت میں ھمیں جو باتیں قابل اعتراض نظر آتی ھیں وہ کچھ اس سے مخصوص نہیں - یہ عام نقائص ھیں اور دوسری حکومتوں میں بھی پائے جاتے ھیں - لہذا ان کو نظر انداز کر دینا ھی بہتر ھے — مترجم

٦ - بارکر میں بجائے امارت اور جمہوریت کے امارت یا مدنیت - لہذا یہ عبارت تشریح طلب ھے :—

ارسطو کے یہاں 'سیاسیہ' ( Polity لفظی معنی شہریت - ملاحظہ ھو مقدمہ ، علیٰ ھذا فرھنگ مصطلحات) کی اصطلاح دو معنوں میں استعمال ھوئی - بمعنی دستور اور بمعنی مخلوط دستور جسے اگر امارت کا مرادف ٹھہرایا جائے تو سوال پیدا ھوگا کیسے ؟ اس کا جواب یہ ھے کہ ارسطو کے نزدیک ایک اچھی اعیانیت میں صلاحیت کا بہر حال لحاظ رکھا جائے گا اور صلاحیت ھی امارت کی جان ھے - لہذا ھم ان معنوں میں دونوں کو باھم مرادف ٹھہرا سکتے ھیں - اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض اعیانیتیں ایسی ضرور ھیں جن میں اصول صلاصیت کا لحاظ نہیں رکھا جاتا صرف دولت اور تعداد پیش نظر رھتی ھے (ان میں گویا اعانیت اور جمہوریت کا امتزاج ھوگا ) لہذا اس قسم کی اعیانیت کو امارت سے تعبیر نہیں کریں گے — مترجم

کسی مسئلے میں متفق ہوں تو یہ ان کی مرضی ہے کہ اسے مجلس (۷) میں پیش کریں یا نہ کریں ۔ اختلاف رائے میں البتہ انہیں چار و ناچار عوام سے رجوع کرنا پڑتا ہے ، لیکن عوام یہ نہیں دیکھتے کہ اکابر کی رائے اس معاملے میں کیا تھی ۔ انہیں اختیار ہے کہ جیسا مناسب سمجھیں فیصلہ کر دیں ۔ یوں بھی قرطاجنہ میں ہر کوئی جس تجویز کی چاہے مخالفت کر سکتا ہے(۸) لیکن یہ وہ بات ہے جس کی اور کہیں اجازت نہیں (۹) ۔ پھر ان پانچ کو بھی جو ایک دوسرے کا انتخاب کرتے ہیں بڑے وسیع اختیارات حاصل ہیں ، بلکہ سو کا انتخاب بھی انہیں کے ہاتھ میں ہے اور پھر یہی سو ہیں جن کا شمار چوٹی کے حاکموں میں ہوتا ہے (۱۰) ۔ ان کے عہدے کی میعاد بھی دوسرے حکام کی نسبت زیادہ ہے ، کیونکہ اس کی ابتدا عہدہ سنبھالنے سے پہلے ہی ہو جاتی ہے اور وہ اس پر اس وقت بھی قائم رہتے ہیں جب اس سے سبکدوش ہو جاتے ہیں(۱۱) ۔ گویا اس پہلو سے دیکھا جائے تو قرطاجنی ریاست کا رجحان اعیانیت کی طرف ہے ۔ مگر پھر حکام کا انتخاب چونکہ قرعہ اندازی سے ہوتا ہے (۱۲) ، انتخاب سے نہیں

---

۷ - بادشاہوں سے مطلب ہے قرطاجنی سفیٹ Suffet جن کی تعداد اسپارٹوی بادشاہوں یا رومی قنصلوں Consuls کی طرح ہمیشہ دو ہوتی تھی ــ مترجم

۸ - اور یہ گویا اس دستور کا جمہوری عنصر ہے ــ مترجم

۹ - یعنی اسپارٹا یا قریطش میں ــ مترجم

۱۰ - متن میں سو لیکن مطلب ہے ۱۰۴ ــ مترجم

۱۱ - اور یہ گویا اس کا امارتی عنصر ہے ــ مترجم

۱۲ - لیکن اگر قرعہ اندازی سے ہوتا اور معاوضہ بھی ملتا تو دستور کا رجحان جمہوریت کی طرف ہو جاتا ــ مترجم

ہوتا اور انہیں کوئی معاوضہ بھی نہیں دیا جاتا ۔ للہذا کہا جا سکتا ہے ان سے بڑھ کر امارت کا حامی اور کون ہوگا ۔

ایسے ہی اس امر سے کہ مقدمات کا فیصلہ حکام ہی کی ایک جماعت کے ہاتھ میں رہے ، یہ نہیں کہ اسپارٹا کی طرح بعض کا فیصلہ تو ایک عدالت میں ہو اور بعض کا دوسری میں امارت ہی کو استحکام پہنچتا ہے (۱۳) ۔ رہی یہ بات کہ بحالت موجودہ قرطاجنہ کی حکومت امارت سے اعیانیت میں کیوں بدل رہی ہے یہ اس لئے کہ اب وہاں یہ رائے زور پکڑ رہی ہے کہ حکام کا انتخاب صرف اعلیٰ خاندانوں (۱۴) سے نہیں ہونا چاہئے، ضروری ہے کہ وہ صاحب دولت و ثروت بھی ہوں ۔ اس لئے کہ اگر ان کی مالی حالت اچھی نہیں تو وہ اپنے عہدوں کا وقار قائم نہیں رکھ سکیں گے ۔ ایسے ہی اگر ان کے پاس وقت نہیں ہوا تو کیسے ممکن ہے کہ امور ریاست میں بھی حصہ لیتے رہیں ۔ اب اگر حکام کا انتخاب اہل ثروت سے کیا جاتا

---

۱۳ - اسپارٹا کے برعکس جہاں مختلف قسم کے مقدمات مختلف مجالس کے ذمے کر دیئے جاتے تھے - لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کیسے ؟ ارسطو نے اس امر کی مطلق تشریح نہیں کی کہ قرطاجنی طریق کو اسپارٹوی طریق پر کیا ترجیح حاصل ہے - علیٰ ہذا یہ کہ اس سے امارت کا پہلو کیسے مضبوط ہوتا ہے - ہم کیسے مان لیں کہ اسپارٹوی طرز عمل سے (اس بارے میں) جمہوریت یا امارت کی تائید ہوتی تھی - امارت کی تائید تو جب ہوتی جب کسی خاص نزاع کا فیصلہ معدودے چند اشخاص کے ہاتھوں میں ہوتا اور جمہوریت کی اس صورت میں جب قاضیوں کی تعداد بھی زیادہ ہوتی اور وہ ہر قسم کے مقدمات سننے کا مجاز ہوتے — مترجم

۱۴ - گویا ' اشراف ' (امارت پسندوں) سے — مترجم

ہے تو ریاست اعیانیت کی طرف مائل ہو جاتی ہے ، قابل انسانوں سے تو امارت کی جانب ۔ لہٰذا قرطاجنہ کے نظام سیاست نے اس سلسلے میں ایک تیسرا قدم اٹھایا ہے اور وہ یہ کہ عہدیداروں ، بالخصوص اعلیٰ عہدیداروں ، بادشاہوں اور سپہ سالاروں کے انتخاب میں دونوں باتوں کا لحاظ رکھا جائے (۱۵) ۔ گو جس نے اول اول قرطاجنہ کا دستور وضع کیا تھا وہ اس امر کی پیش بندی نہیں کر سکا کہ حکومت کا درجہ امارت سے گرنے نہ پائے (۱۶) ۔ یہ بہت بڑی غلطی تھی ۔ اسے چاہئے تھا سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھتا کہ شہریوں کا وہ طبقہ جو قابلیت میں سب سے آگے ہے کوئی ایسا کام نہ کرے جو اس کے شایان شان نہ ہو ، تاکہ انہیں اتنا وقت مل جائے کہ لوگوں کی خدمت کر سکیں ۔ صرف اس صورت میں نہیں جب وہ کسی عہدے پر فائز ہوں ، بلکہ اس صورت میں بھی جب ان کے پاس کوئی عہدہ نہ ہو ۔ اس لئے کہ جونہی جب ان لوگوں کو جن کے پاس اتنا وقت ہے کہ ریاست کی بآسانی خدمت کر سکیں آپ نے اہل دولت اور ثروت میں تلاش کرنا شروع کر دیا حکام اعلیٰ ، بادشاہ اور سرداران لشکر سب ضمیر فروشی پر اتر آئیں گے (۱۷) ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر کہیں دولت کی پوجا ہونے لگے گی ۔ فضائل اخلاق سے کوئی

---

۱۵ - یعنی صلاحیت کا اور دولت کا بھی — مترجم

۱۶ - اس لئے کہ ریاست اپنے امارتی اصول پر کار بند نہیں رہ سکی — مترجم

۱۷ - مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ عہدے بادشاہت اور سپہ سالاری ان افراد کے ہاتھ میں آ جائے گی جو مال و دولت کے زور پر یہ منصب خرید لیں گے ۔ لہٰذا ان سے ضمیر فروشی کیا بعید ہے ۔ مترجم

اعتنا نہیں کرے گا ۔ سارا شہر مال و زر کی محبت میں مبتلا ہوجائے گا ۔ اس لئے کہ عامۃ الناس بھی اسی چیز کو قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے ہیں جسے اہل اقتدار عزیز رکھتے ہیں ۔ لہذا جس ریاست میں دولت کو فضائل اخلاق پر ترجیح حاصل ہے وہاں امارت کو فروغ نہیں ہو سکتا ۔ اس لئے کہ جو لوگ دولت کے بل پر عزت اور اقتدار حاصل کریں گے ضرور اس چیز سے فائدہ اٹھائیں گے جس کے لئے انہوں نے مال و زر صرف کیا تھا ۔ پھر جب ایک نادار مگر ویسے دیانت پسند انسان بھی اس قسم کے لالچ سے بمشکل بچ سکتا ہے تو ایک بد دیانت انسان ایسا کیوں نہیں کرے گا کہ اپنی خرچ کی ہوئی رقم واپس لے ۔ لہذا حکام کا تقرر اس طریقے سے کرنا چاہئے جو امارت کا سہارا بن سکے اور اس لئے یہی بہتر ہے کہ قابل انسان موجود ہو تو قانون ساز ان کے افلاس اور تنگ دستی کو خاطر میں نہ لائیں ۔ برعکس اس کے یہ التزام رکھیں کہ اگر ان کے پاس کوئی عہدہ ہے تو وہ اس کے لئے کافی وقت نکال سکیں ۔

ایسے ہی یہ کہاں مناسب ہے کہ ایک ہی شخص متعدد عہدوں کے فرائض سر انجام دے جیسا کہ قرطاجنہ میں آج کل ہو رہا ہے (۱۸) ، کیونکہ ایک شخص بخوبی کر سکتا ہے تو ایک ہی کام اور اس لئے مقنن کا فرض تھا اس بات کا لحاظ رکھتا کہ ایک ہی شخص موسیقی اور کفش دوزی کا پیشہ اختیار نہ کر لے ۔ پھر اگر ریاست چھوٹی نہیں تو تدبر اور جمہوریت دونوں کا تقاضا ہے کہ

---

۱۸ - ملاحظہ ہو فصل اول ، باب دوم جہاں ارسطو نے ڈیلفوی تلواروں کی مثال دے کر یہ کہا ہے کہ ایک شخص ایک ہی کام بہتر طریق پر سر انجام دے سکتا ہے — مترجم

زیادہ سے زیادہ اشخاص حکومت میں حصہ لیں (۱۹) ۔ پھر جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ آئے ہیں معمولا وہی کام بخوبی اور بہ عجلت سر انجام پاتا ہے جسے ایک شخص کے ذمے کیا جائے۔ چنانچہ بری اور بحری فوج ہی کو دیکھ لیجئے اس میں ہر کوئی باری باری سے حکم دیتا اور اطاعت کرتا ہے (۲۰) ۔ لیکن قرطاجنہ کی حکومت چونکہ اعیانیت کی طرف مائل ہے اس لئے وہاں ان خرابیوں کی تلافی اس طرح کی جاتی ہے کہ عامۃ الناس میں سے کسی نہ کسی طبقے کو وقتاً فوقتاً دوسرے شہروں پر حکومت کرنے کا موقعہ دے دیا جائے تاکہ اسے حصول دولت میں آسانی ہو (۲۱) ۔ لیکن دستور حکومت میں اس نقص کے ازالے ، یا اس میں استحکام پیدا کرنے کی یہ صورت محض اتفاق پر مبنی ہے ۔ لہذا مقنن کو چاہئے تھا حکومت کی تشکیل اس طرح کرتا

---

۱۹ - ملاحظہ ہو اس فصل کا دوسرا باب جہاں کفش دوز کی مثال دے کر ارسطو نے یہ کہا ہے کہ سیاست میں بھی اسی اصول پر عمل کرنا چاہئیے - ” ایک کام ایک آدمی “ — مترجم

۲۰ - ارسطو کہنا تو غالباً یہ چاہتا ہے کہ فوج کا نظم و نسق بہت سے ہاتھوں میں ہوتا ہے اور اس لئے ہر شخص کی ذمہ داریوں اور اختیارات کا دائرہ محدود رہتا ہے - لیکن وہ حاکم و محکوم کی تفریق کا قائل ہے لہذا اسے فوجی نظم و نسق کی طرف اشارا کرنا پڑا جس میں ” باری باری سے . . . “ یعنی جس میں ایک ہی شخص بحیثیت ماتحت اپنے سردار کا حکم مانتا اور بحیثیت سپہ سالار اپنے ماتحتوں کو حکم بھی دیتا ہے — ملکی نظم و نسق کی مثال شاید اس لئے نہیں دی گئی کہ ایک محدود شہری ریاست کا نظام عمل داری نہایت سادہ اور محدود تھا — مترجم

۲۱ - شہروں سے مطلب ہے وہ شہر جو قرطاجنہ کے زیر سیادت تھے — مترجم

که شور و شر کا کوئی امکان باقی نہ رہتا (۲۲) ۔ اس لئے کہ اگر کوئی بہت بڑی مصیبت آ جائے اور لوگ بغاوت پر آمادہ ہوں تو اس کے تدارک کا یہ طریق تو ہے نہیں کہ انہیں قوانین کی مدد سے اطاعت پر مجبور کیا جائے (۲۳) ۔ بہر حال اسپارٹا ، قریطش اور قرطاجنہ کی حکومتوں کے یہی چند پہلو ہیں جن کو بجا طور پر نظر استحسان سے دیکھنا پڑتا ہے ۔

---

۲۲ - گویا اس قسم کے نقائص کا ازالہ من مانی کاروائیوں کی بجائے قانون و آئین سے کرنا چاہئے ــــ مترجم

۲۳ - یعنی جبراً ۔ ورنہ اگر قانون و آئین میں کوئی خامی نہ ہوتی تو قانون کے نام پر جبر و تشدد کی نوبت کیوں آتی ۔

# بارھواں باب (۱)

ہم نے بعض ایسے حضرات میں سے جو نے حکومت پر قلم اٹھا چکے ھیں ، قطع نظر اس سے کہ انہیں امور سیاست کا کوئی تجربہ کئے بغیر نہیں تھا ، اس لئے کہ انہوں نے ھمیشہ الگ تھلگ زندگی بسر کی(۲) دو کی تحریروں کا تو اس سے پہلے ذکر کیا تھا اور ان میں کوئی خاص بات تھی تو اسے بھی بیان کر آئے ھیں ۔ لیکن بعض مقننین ایسے بھی تھے جو یا تو اپنے شہر کی ملازمت میں رھے ، یا کسی دوسری ریاست

---

۱ - ارسطو نے اس باب میں متعدد قانون سازوں کا ذکر کیا ھے ، حالانکہ وہ اس فصل میں صرف ان دساتیر کا جائزہ لینا چاھتا تھا جو بعض مقننین نے نظری طور پر پیش کئے یا جن پر مختلف ریاستوں میں عمل ھورھا تھا اور لوگ ان کی خوبیوں کے بھی قائل تھے - لیکن معلوم ھوتا ھے ارسطو کا ذھن بار بار اثینیہ کے دستور حکومت کی طرف منتقل ھوتا رھا جس کا اس نے بسلسلہ سولن تھوڑا بہت ذکر بھی کیا تھا اور جسے دیکھتے ھوئے بعض محققین (مثلاً نیوسین بحوالہ بارکر) کا خیال ھے کہ یہ سارا باب ارسطو کی بجائے اس کے کسی شاگرد نے لکھا ھے ، کیونکہ اس میں سولن کا ذکر بڑا مختصر اور ھر اعتبار سے ناسکمل ھے - البتہ یہ کہا جا سکتا ھے کہ اس باب کا خاکہ شاید ارسطو کا تیار کردہ ھے ـــ مترجم

۲ - یعنی یہ وہ جماعت ھے جس نے دستور حکومت سے محض نظری حیثیت سے بحث کی -

کے (۳) ۔ پھر ان میں سے بھی اگر کسی نے صرف ایک ضابطہ قانون تیار کیا تو کسی نے پورا دستور حکومت ۔ جیسے مثلاً لائی کرگس اور سولن نے ۔ انہوں نے گویا دونوں خدمات سر انجام دیں ۔ اسپارٹا کا ذکر ہم اس سے پہلے کر آئے ہیں (۴) ۔ رہا سولن سو بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت بڑا مقنن تھا جس نے اعیانیت کا استیصال کرتے ہوئے لوگوں کو اس غلامی سے چھڑایا جو ان کے سر پر منڈلا رہی تھی اور ملک کو پھر اس کے قدیم جمہوری طرز حکومت پر لوٹا دیا (۵) مگر اس خوبی سے کہ حکومت کے ہر جز کی اس کے کل سے پوری پوری مطابقت ہوتی رہے (۶) ۔ اس نے آریوپاگس کی مجلس میں تو

---

۳ - یہ گویا دوسری جماعت ہے مقنین کی جماعت ان خاص معنوں میں کہ انہیں عملاً قانون سازی کا تجربہ تھا ، گو یہ جماعت پھر دو طبقوں پر منقسم ہو جاتی ہے — مترجم

۴ - یعنی اس کے دستور حکومت کا اور اس لئے ضمناً لائی کرگس کا بھی — مترجم

۵ - ارسطو کا اشارا طبقہ امرا کی ان کوششوں کی طرف ہے جو پیلوپونیسس کی جنگ میں ناکامی کے بعد انہوں نے جمہوریت کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے کے لئے کیں -

۴۱۱ ق - م میں پنج صد کی بجائے مجلس چہار صد قائم کی گئی ، لہٰذا مجلس (عامہ) کی تعداد صرف پانچ ہزار رہ گئی - شروع شروع میں تو سب اختیارات چار صد ہی کے ہاتھ میں تھے اور مجلس عامہ جس محدود جمہوریت کی نمایندگی کر رہی تھی عملاً معطل رہی - لیکن اس کے بعد جب اثینیہ کو پیلوپونیسس کی جنگ میں پھر شکست کا منہ دیکھنا پڑا تو چار صد کی طاقت ٹوٹ گئی اور جمہوریت نے زیادہ کامیابی سے سر اٹھایا - یہ آغاز تھا آئینی تبدیلیوں کا — مترجم

۶ - مطلب یہ ہے کہ دستور حکومت میں بڑی مناسب تبدیلیاں کیں - تفصیل بعد کے جملے میں آتی ہے — مترجم

اعیانیت کو برقرار رکھا گیا لیکن حکام کے انتخاب میں امارت اور عدالتوں میں جمہوریت کو (۷) ۔

بایں ہمہ سولن نے حکومت کی مروجہ شکل میں کوئی تبدیلی نہیں کی ۔ نہ تو سینیٹ ، نہ حکام کے طریق انتخاب میں ۔ اس نے کیا تو یہ کہ عدالت عالیہ کو جمہور کے سپرد کر دیا جس سے ظاہر ہے شہریوں کی قدر و منزلت بہت زیادہ بڑھ گئی ۔ گو سولن کا یہ فعل بعض لوگوں کو پسند نہیں آیا ۔ ان کی رائے ہے کہ اس سے توازن قوت درہم برہم ہو گیا (۸) ، حالانکہ سولن اسے برقرار رکھنا چاہتا تھا ۔ کیونکہ جب ہر قسم کے معاملات کا فیصلہ جمہور کے ہاتھ میں آ گیا اور ان کا انتخاب بھی قرعہ اندازی سے ہونے لگا (۹) تو ایک ایسی آبادی کی خوشامد جسے یہ اختیارات حاصل تھے (۱۰) اور جس

---

۷ - یعنی یہ تبدیلیاں ہیں جو سولن نے کیں اور جن کو اس کا کارنامہ تصور کیا جاتا ہے - Areopagus اثینیہ کی قدیم عدالت جس کا یہ نام اس لئے ہوا کہ اس کا انعقاد آرس Ares کی پہاڑی پر ہوتا تھا Acropolis کے قریب ۔

۸ - اس طرح کہ سولن کے اس فعل سے عوام عدالتوں پر حاوی ہو گئے ــ مترجم

۹ - اور جس سے گویا ہر کس و ناکس کو موقعہ مل گیا کہ عدالتوں کا رکن بن سکے ــ مترجم

۱۰ - قضائے مقدمات کا اختیار - جس سے بالآخر عوام کا اقتدار ارسطا طالیسی حد متناسب سے آگے بڑھ گیا ــ مترجم

کا رجحان بھی استبداد کی طرف تھا ناگزیر ہو گئی ۔ یوں رفتہ رفتہ حکومت جمہوریت میں بدل گئی جیسے کہ اس وقت ہے(۱۱) ۔

لیکن آگے چل کر افی‌اپلٹیس اور پیری کلیس دونوں نے آریوپاگس کے اختیارات بڑی حد تک کم کر دئے (۱۲) ۔ پیوی قلیس نے تو اس سلسلے میں یہ تدبیر سوچی کہ جو اشخاص عدالتوں کے رکن منتخب ہوں انہیں کچھ معاوضہ بھی ملا کرے ۔ یوں ہر شخص کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ لوگوں میں ہر دلعزیزی حاصل کرے جس سے ان کے اقتدار میں اور اضافہ ہو گیا تاآنکہ موجودہ صورت حالات رونما ہوئی (۱۳)۔ لیکن ظاہر ہے سولن کا منشا نہیں تھا ۔ یہ در اصل ایک اتفاقی امر تھا اور اس کی وجہ تھی وہ بحری فتح جو لوگوں نے اہل میدیا (۱۴) پر حاصل کی اور جس سے ان کے

---

۱۱ - مطلب یہ ہے کہ وہ عوام کی ویسے ہی خوشامد کرنے لگے جیسے کسی مستبد حاکم کی ۔ ارسطو کے نزدیک انتہائی جمہوریت اور استبداد میں کوئی فرق نہیں ، الا یہ کہ استبداد کی صورت میں جملہ اختیارات ایک شخص کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور وہ ہر امر میں مطلق العنان بن کر جو چاہتا ہے کرتا ہے - جمہوریت میں یہی مطلق‌العنانی ایک جماعت کے ہاتھ میں آجاتی ہے - اسے گویا اجتماعی استبداد کہئے تا آنکہ ہر چیز عوام (کالانعام) کی مرضی کے تابع ہو جاتی ہے — مترجم

۱۲ - Ephialtes اثینیوی مدبر ، پیری کلیس کا دوست اور مددگار پیری کلیس Pericles کی شخصیت محتاج تعارف نہیں — مترجم

۱۳ - انتہائی جمہوریت یا عوام کے نامناسب اقتدار کی — مترجم

۱۴ - میدیا سے مطلب ہے ایران اور بحری فتح کے معرکے سے سلامس Salamis کا معرکہ جس میں یونانی عساکر نے ھخامنشی شہنشاہ کے لشکر کو شکست دی اور جس سے یونان پر ایرانی سیادت کا خطرہ ٹل گیا ۔ زمانہ ۴۸۰ ق - م — مترجم

حوصلے یہاں تک بڑھ گئے کہ انہوں نے ہر عامی رہنما کا ساتھ دینا شروع کر دیا - سمجھدار شہری البتہ ان کے خلاف رہے - سولن کا مقصد اصل میں یہ تھا کہ لوگ اپنے حاکموں کا آپ انتخاب کریں (۱۵) اور ان سے باز پرس بھی کر سکیں (۱٦) ورنہ وہ ان کے غلام ٹھہرتے اور انجام کار حکومت کے دشمن بن جاتے (۱۷) بایں ہمہ سولن کا حکم تھا کہ انتخاب کیا جائے تو ایسے افراد کا جو مالی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے صاحب حیثیت ہوں ، یعنی یا تو ان لوگوں سے جن کی آمدنی پانچ سو میڈ (۱۸) ہے ، یا ان سے جو زیوگ‌تائی

---

۱۵ - تاکہ لوگ جس حد تک اختیار اور اقتدار کے مستحق ہیں اس حد تک انہیں اختیار دے دیا جائے - سولن کے اپنے الفاظ یہ ہیں : "میں نے سب کو بحد مناسب اختیار و اقتدار دے رکھا ہے تاکہ کوئی کسی سے نا انصافی نہ کرے" — مترجم

۱٦ - اور جس کا ارسطو خود بھی طرف دار تھا — مترجم

۱۷ - اس لئے کہ کوئی سیاسی اجتماع ( یا ریاست ) اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک اسے شہریوں کے مختلف عناصر کی رضامندی حاصل نہ ہو - یہاں ارسطو اس امر پر زور دے رہا ہے کہ ارادہ (مرضی اور رضامندی) دستور ریاست کی اساس ہے — مترجم

۱۸ - Medimns پیداوار کو ناپنے کا ایک پیمانہ جیسے ہمارے یہاں من اور سیر وغیرہ -

ارسطو نے اہل شہر کے جن طبقات کی طرف اشارا کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے وہ طبقہ جو Peutecosiomedimin (پانصد میڈ آمدنی والے) کہلاتا تھا - دوسرا Zaugitae جیسا کہ متن میں مذکور ہے) ، تیسرا Heppeis اور چوتھا یعنی سب سے نیچے کا طبقہ Thetes جس کی آمدنی ۲۰۰ میڈ سے بھی کم تھی اور جس کو اس لئے کسی عہدے کا اہل تصور نہیں کیا جاتا تھا — مترجم"

کہلاتے تھے یا پھر تیسرے درجے کے طبقے سے جن کو سیار کہا جاتا تھا ۔

البتہ چوتھے درجے کے لوگوں یعنی اہل حرفہ کو انتخاب کا اہل نہیں سمجھا گیا(۱۹) ۔ زلوکس نے مغربی لوکرائی کا قانون تیار کیا کرون دس کٹانوی نے اپنے ، علیٰ‌ھذا ایطالیہ اور صقلیہ کے ان شہروں کا جو اہل کالکس کے قبضے میں تھے (۲۰) ۔ پھر یہ جو بعض لوگوں نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ پہلا قابل ذکر مقنن در اصل انوماکریٹس تھا ، لوکرائی کا باشندہ جس نے اس زمانے میں جب وہ قریطش میں مقیم تھا اور کہانت کا فن سیکھا کرتا تھا کچھ قوانین وضع کئے اور جس میں کہا جاتا ہے طالیس بھی اس کا شریک کار رہا نیز ، یہ کہ لائی کرگس اور زلوکس دونوں اس کے شاگرد(۲۲) تھے اور کرون دس زلوکس کا تو یہ صحیح نہیں اور سنین و تواریخ سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی ۔ پھر ایک مقنن فلولاؤس بھی

---

۱۹ - ملاحظہ ہو حاشیہ ناسبق — مترجم

۲۰ - Zeleucus زمانہ متحقق نہیں مغربی لوکرائی کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ باب ماسبق میں Charondas اور Catana کٹانا (یا قطانہ) صقیلہ کا ایک شہر ، کوہ اٹنا Etna کے دامن میں ۔ Calics یا Chalcis بحیرہ یونان کے سب سے بڑے جزیرے (موجودہ Negropont ) کا سب سے بڑا شہر جس کے باشندوں نے متعدد نوآبادیاں قائم کیں — مترجم

۲۱ - Onomacritus متوطن اثینیہ زمانہ ۴۸۵ — ۵۲۰ مگر جسے اثینیہ سے خارج‌البلد کر دیا گیا — مترجم

۲۲ - یعنی طالیس کے — مترجم

تھا ، باخوسی خاندان کا فرد جس نے ثیبی کے قوانین تیار کئے (۲۳) ۔ فلولاؤس کو ڈیوکلیس سے جس کا شمار المپوی کھیلوں کے فاتحین میں ہوتا ہے بڑی عقیدت تھی ، حتیٰ کہ جب ڈیوکلیس نے اپنی ماں الٹ ھوی (۲۴) کی ناجائز محبت سے بد دل ہو کر وطن کو خیر باد کہی اور ثیبی میں سکونت پذیر ہو گیا تو فلالاؤس نے بھی اس کا ساتھ دیا ، تاآنکہ ثیبی ھی میں دونوں کا انتقال ہو گیا ۔ یہاں ان کے مقبرے آج بھی دکھلائے جاتے ہیں ۔ یہ اس طرح بنے ہیں کہ ایک سے دوسرا صاف نظر آتا ہے ۔ ان میں ایک کا رخ کارنتھ کی طرف ہے، دوسرے کا نہیں جس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ڈیوکلیس کو چونکہ اپنی ماں کے جذبات سے شدید نفرت تھی ، لہٰذا اس نے اپنا مقبرہ اس طرح تعمیر کرایا کہ اس سے کارنتھ پر نظر نہ پڑے ۔ برعکس اس کے فلولاؤس نے اس طرح کہ کارنتھ اس کے مقبرے کے سامنے ہو ۔ قصہ مختصر یہ اسباب تھے جن کی بنا پر دونوں نے ثیبی میں سکونت اختیار کی (۲۵) ۔

---

۲۳ - Philolaos یا خوسی Baachical خاندان کا انتساب باخوس Bacchus یا Dionysius (ڈیونی سیئس) دیوتا سے کیا جاتا تھا جو حسن و شباب اور نسائیت کا دیوتا ہے اور جس سے یونانی مذہب ، فلسفہ شعر اور فن بے حد متاثر ہوا - تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کوئی سی کلاسیکی قاموس یا تاریخ فلسفہ — مترجم

۲۴ - Diocles اور Alithoe لیکن بارکر میں Halcyone - کارنتھ Corinth وہ خاکنائے ہے جس سے موریا (یونان کا جنوبی جزیرہ نما) شمالی یونان سے مل گیا ہے — مترجم

۲۵ - اور فلولاوس کو موقعہ ملا کہ ثیبی کے لئے قانون وضع کرے — مترجم

منجملہ ان قوانین کے جو فلالاؤس نے اہل ثیبی کے لئے وضع کئے وہ قوانین بھی ہیں جن کا تعلق موالید سے ہے اور جن کو اس بنا پر قوانین موالید سے موسوم کیا جاتا ہے - یہ قوانین اس لئے بنے تھے کہ کنبوں کی تعداد جوں کی توں قائم رہے (۲۶) - کرون‌دس نے البتہ کوئی نیا قانون وضع نہیں کیا ، الا یہ کہ دروغ حلفی کو مستوجب سزا ٹھہرایا - وہ پہلا شخص ہے جس نے اس امر پر خاص توجہ کی (۲۷) اور علاوہ اس کے جو قانون بھی تیار کئے اس خوبی اور عمدگی سے کہ ہمارے موجودہ قانون ساز بھی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے - املاک کی مساویانہ تقسیم کا قانون فالیاس (۲۸) کا وضع کردہ ہے اور عورتوں اور بچوں اور دولت میں اشتراک افلاطون کا - علیٰ ہذا عورتوں کے لئے مشترک دسترخوانوں کا اور وہ بھی جس کا تعلق شراب خوری سے ہے اور جس سے مقصد یہ تھا کہ رقص و سرور کی محفلوں میں لوگ متانت سے کام لیں - یہ نہیں کہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھیں - ایسے ہی یہ قانون بھی کہ فوجی ورزشوں میں لوگ دونوں ہاتھ استعمال کریں - اس لئے کہ دونوں ہاتھوں کا یکساں طور پر مفید ہونا ضروری ہے (۲۹) -

---

۲۶ - فلولاوس کا مقصد یہ تھا کہ دولت کی تقسیم میں عائلہ سے اس کا تناسب قائم رہے مگر جسے فالیاس نے نظر انداز کر دیا تھا اور اس لئے ارسطو نے اس پر اعتراض کیا (ملاحظہ ہو اس فصل کا ساتواں باب) ارسطو کہتا ہے املاک کی مقدار اس طرح متعین کرنی چاہئے کہ اس کے ساتھ ساتھ ہر کنبے میں بچوں کی تعداد بھی معین ہو جائے — مترجم

۲۷ - یعنی دروغ حلفی کی مذمت کی اور اسے جرم ٹھہرایا — مترجم

۲۸ - زیر ترجمہ متن میں فلولاوس جو صریحاً غلطی ہے — مترجم

۲۹ - بعض محققین کے نزدیک اس جملے کا آخری حصہ ”اس لئے کہ دونوں...“ الحاقی ہے اور اس لئے اصل بحث سے بے تعلق (جیسا کہ نیومین کا خیال تھا) — مترجم

رہے ڈراکون کے قوانین سو ان کی اشاعت اس وقت ہوئی جب حکومت کا قیام پورے طور پر عمل میں آ چکا تھا (۳۰) ۔ ان قوانین میں کوئی بات قابل ذکر نہیں بجز اس کے کہ ان میں تعزیرات کا حصہ بڑا سخت ہے ۔ پٹاکس نے بھی کچھ قوانین وضع کئے ، لیکن کوئی دستور حکومت تیار نہیں کیا ۔ اس کا ایک قانون یہ تھا کہ جو کوئی بد مستی میں کسی پر ھاتھ اٹھائے اسے بہ نسبت اس کے جو ہوش و حواس میں ایسا کرے دو چند سزا دی جائے ۔ وہ کہتا تھا سکر کی حالت میں چونکہ لوگ بہت زیادہ بد عنوانیاں کرتے ہیں ، بمقابلہ اس کے کہ ہوش و حواس سے میں ہوں ۔ لہذا دیکھنے کی بات یہ نہیں کہ نشے کی صورت میں ان کا عذر کیا تھا دیکھنا یہ چاہئے کہ مفاد عامہ کا تقاضا کیا ہے ۔ انڈروڈاموس ریگی‌نس(۳۲) بھی ایک مقنن تھا جس نے تھریس میں‌اھل کال کس (۳۳) کے لئے قانون بنائے ۔ یہاں قتل اور عورتوں کے حق وراثت کے متعلق اس کے وضع کئے

---

۳۰ - Dracon هفت دانایان یونان میں سے ایک - اثینیه کے اولین ضابطه قانون کا مرتب جس میں معمولی سے معمولی جرم کی سزا بھی موت تجویز کی گئی تھی اور جس کے پیش نظر کہا جاتا تھا کہ یہ مجموعه قانون روشنائی کی بجائے خون سے قلمبند ھوا - زمانه ۶۲۱ ق-م — مترجم

۳۱ - Pittacus هفت دانایان یونان میں سے ایک - متوطن لس بوس Lesbos -شاعر ’فلسفی‘ مدبر اور سپاھی- زمانه چھٹی‌صدی ق-م—مترجم

۳۲ - Androdamus Regenus ریگی نس ، یعنی متوطن Rhegium موجوده ساحل جنوبی ایطالیه کی ایک یونانی بستی — مترجم

۳۳ - یعنی تھریس Thrace ارض یونان کا مشرقی حصه - کال کسی نوآبادیوں کے لئے ملاحظه ھو اسی باب کا حاشیه ۲۰ — مترجم

ہوئے بعض قوانین پر اب بھی عمل ہو رہا ہے گو ان میں کوئی ایسی بات نہیں جو نئی ہو اور صرف اس سے مخصوص - بس یہی کچھ ہے جو ہمیں مختلف حکومتوں کے بارے میں کہنا تھا ، خواہ بحالت موجودہ وہ کہیں قائم ہیں ، خواہ وہ جن کی مختلف حضرات نے تجویز پیش کی ہے (۳۴) -

---

۳۴ - سلسلہ بحث کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگلی فصل میں ارسطو اپنا دستور حکومت پیش کر دیتا - لیکن بجائے اس کے اس نے شہریت کا مسئلہ چھیڑ دیا اور اس لئے تیسری فصل تمام و کمال اسی بحث پر مشتمل ہے — مترجم

فصل سوم

# پہلا باب

اس امر کی تحقیق میں کہ حکومت کیا ہے اور اس کی مختلف شکلیں کیا ، ہمارے سامنے پہلا سوال یہ ہونا چاہئے کہ شہر کیا ہے (۱) ۔ اس لئے کہ یہ مسئلہ بڑا مختلف فیہ ہے ۔ بعض لوگ تو ہر بات کو شہر سے منسوب کرتے ہیں ۔ وہ کہا کرتے ہیں شہر نے یہ کیا وہ کیا ۔ لیکن بعض کہتے ہیں شہر نے ایسا نہیں کیا ۔ امارت یا استبداد نے ایسا کیا (۲) ۔ پھر مدبر ریاست ہو یا مقنن دونوں کا تعلق شہر ہی سے ہے ۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں شہر ہی کے لئے (۳) ۔ اب حکومت کیا ہے یہی کہ جو لوگ کسی

---

۱ - یعنی ریاست — مترجم ۔

۲ - مطلب یہ ہے کہ حکومت نے ، جیسی بھی اس کی شکل ہو اماراتی یا استبدادی - اس لئے کہ عملاً جو کچھ ہوتا ہے ریاست ہی کے ایک جز یعنی اس کے ارباب حل و عقد اور ان کے طرف داروں کی طرف سے - باقی عناصر کو تو ہم اس میں شریک نہیں کر سکتے ، الا یہ کہ اخلاقی ذمہ داری کی بنا پر ان سے باز پرس کریں — مترجم

۳ - اور اس لئے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ شہر (ریاست) کیا ہے ، تاکہ ہم اہل شہر کے خیالات اور اعمال و افعال کی غرض و غایت سمجھ سکیں — مترجم ۔

شہر میں بستے ھیں ان سب کو ایک مخصوص نظام میں منسلک کر دیا جائے (۴) ۔ یوں بھی شہر ایک اجتماعی ھیئت ھے اور اس کی ترکیب بھی کل کی طرح متعدد اجزا سے ھوتی ھے (۵) ۔ للهذا ھمیں اپنی تحقیق کا آغاز اس سوال سے کرنا پڑے گا کہ شہری

---

۴ - 'حکومت'، سے مطلب ھے دستور حکومت، یا اصول اجتماع (polity) یعنی وہ اساس جس پر کوئی سیاسی اجتماع قائم ھوتا ھے۔ رھا مخصوص نظام سو وہ اس لئے کہ سیاسی اعتبار سے منظم زندگی کا آغاز ھو سکے اور ریاست کا اقتدار اور اختیار لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے — مترجم

۵ - ' اجتماعی ھئیت ' جو گویا ھر ایک مرکب ھے (شہریوں کا) - 'مرکب' اور 'کل' ارسطو کی مخصوص اصلاحیں ھیں - مرکب عبارت ھے 'جنس' سے — 'کل' سے اس کی نوع — مرکب کی دو قسمیں ھیں : محض انبار یا اس طرح کا کوئی مجموعہ (با صطلاح جدید میکانیاتی) یا حاصل میزان کی طرح کا مجموعہ (یعنی با صطلاح جدید نامی) - کل کا تعلق اس دوسری قسم کے مرکبات سے ھے جس کی نامی وحدت نتیجہ ھے ان کی مخصوص صورت کا - ان کی ایک غایت ھوتی ھے (یا علت غائی) جس سے ان کے اندر ایک خاص مقصد پیدا ھو جاتا ھے - ریاست بھی ایسا ھی کل ھے -

لیکن پھر کل کے پیش نظر ارسطو کے ذھن میں یہ خیال بھی کام کر رھا ھے کہ اس کے حاکم اور محکوم عنصر یا عناصر کے درمیان امتیاز قائم کیا جائے (ملاحظہ ھو فصل اول باب پنجم) - للهذا اخلاقیات (فصل نہم باب ھشتم) میں ارسطو کہتا ھے " شہر (ریاست) ھو یا کوئی اور کل ھم کہ سکتے ھیں وہ عبارت ھے اس کے سب سے زیادہ با اختیار و با اقتدار عنصر سے " — مترجم

کون ہوتا ہے ؟ اس کی ٹھیک تعریف کیا ہوگی (۶) ؟ اس لئے کہ یہ شہریوں ہی ایک مخصوص تعداد ہے جس سے شہر کی تشکیل ہوتی ہے ۔ اندریں صورت اس امر کا تصفیہ ضروری ہے کہ شہر کہا جائے تو کسے اور نہیں تو کسے ؟ یہ مسئلہ بڑا متنازعہ فیہ ہے اس لئے کہ شہریت کا اطلاق ہر کسی پر تو ہو نہیں سکتا ۔ مثال کے طور پر جمہوری حکومت میں جسے شہری کہا جاتا ہے امارت اسے شہری نہیں کہے گی ۔ یہاں ان لوگوں سے بحث نہیں جو عام دستور سے ہٹ کر کسی نہ کسی طرح شہریت کا درجہ حاصل کرلیتے ہیں (۷) مثلاً اعزازی طور پر ۔ یہاں بحث ان لوگوں سے ہے جنہیں قدرتی طور پر اس امر کا حق پہنچتا ہے کہ شہری کہلائیں ۔

اب یہ محض سکونت نہیں جس کی بنا پر شہریت کا دعوایٰ کیا جاسکے ۔ اس لحاظ سے تو غلام اور اجنبی بھی شہری ہونے کا حق

---

۶ ۔ کیونکہ شہری اس کل کا ایک جزو ہیں جسے ہم نے ریاست سے تعبیر کیا ہے ۔ للہذا ریاست کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے سب سے پہلے یہ سمجھ لیا جائے شہری کیا ہیں ۔

پچھلی فصل میں جب ارسطو نے ریاست سے بحث کی تو اس کی نظر اس بات پر تھی کہ ریاست کی ابتدا کس طرح ہوتی ہے ، کس طرح اس کے ایک حصے کے بعد دوسرے کا نشو و نما ہوتا ہے ، (مثلاً زواج سے عائلہ وجود میں آتا ہے ، عائلہ سے گاؤں ، گاؤں سے شہر) ، یعنی ریاست اور اجتماع انسانی کی مختلف شکلوں کا ۔ لیکن اب ارسطو کے پیش نظر اجتماعات کی بجائے افراد ہیں اور ان میں سب سے پہلے شہری — مترجم

۷ ۔ آج کل کی اصطلاح میں متبلد (Naturalised) شہری — مترجم

رکھتے ھیں ۔ شہریت کے لئے تو یہ بھی کافی نہیں کہ آپ قانون سے فائدہ اٹھا سکیں ، یعنی کسی کے خلاف چارہ جوئی کریں یا کوئی آپ کے خلاف ایسا کرے(۸) ۔ اس لئے کہ یہ رعایت تو ان افراد کو بھی دی جاتی ھے جن کا تعلق دوسری قوموں سے ھوتا ھے اور جن کے درمیان(۹) اس طرح کی کوئی مفاھمت ھوجاتی ھے ، گو اجنبی اس رعایت سے پورا پورا فائدہ اٹھاسکتے ھیں تو جب ھی کہ انہیں کسی کی سرپرستی حاصل ھو تا کہ بوقت ضرورت وہ اس سے مدد لے سکیں مگر جس کا صاف مطلب یہ ھے کہ شہر کی زندگی میں ان کا حصہ بڑا محدود ھوگا(۱۰) ۔ کچھ ایسا ھی معاملہ ان لڑکوں کا ھے جن کے نام ابھی شہریوں کی فہرست میں درج ھوں گے ، علی ھذا ان بوڑھوں کا جو اس قابل نہیں رھے کہ فوجی خدمات ادا کرسکیں ۔ ایک لحاظ سے تو ھم ان کا شمار شہریوں ھی میں کریں گے لیکن پورے طور پر نہیں (۱۱) کیونکہ لڑکے ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچے اور بوڑھوں سے کوئی خدمت نہیں لی جا سکتی ۔ یوں بھی ان میں کوئی فرق نہیں ھوگا ۔ بہرحال ھم جو بات کہ رھے ھیں بڑی صاف اور سادہ ھے اور وہ یہ کہ پورا پورا شہری تو وھی ھے

---

۸ - قانون سے فائدہ اٹھا سکیں ، یعنی انہیں شہری (یا مدنی) حقوق حاصل ھوں — مترجم

۹ - از روئے معاھدہ — مترجم

۱۰ - اور اس لئے عدالت سے رجوع کرنے کا حق کوئی ایسی بات نہیں جس کی بنا پر شہریت کا دعوی کیا جا سکے ۔
کسی کی سر پرستی سے مطلب ھے کوئی قانونی سر پرست — مترجم

۱۱ - یعنی انہیں کامل طور پر شہری تصور کرنا غلط ھوگا اس لئے کہ شہری وہ ھے جو امور ریاست میں حصہ لے سکے — مترجم

جس میں کوئی ایسی خامی نہ ہو جس کے ہوتے ہوئے ہم اسے شہری تصور نہ کرسکیں۔ رہے وہ لوگ جن کو ملک بدر کردیا جاتا ہے، یا جن کی عزت پر بٹہ لگ جاتا ہے(۱۲) ان پر جو اعتراضات وارد ہونگے ان کا جواب بھی یہی ہے (۱۳)۔ یہ اس لئے کہ عادلہ اور حاکمہ میں حصہ لینے کا حق ہی شہریت کی سب سے بڑی خصوصیت ہے (۱۴)۔

اب عہدوں کو لیجئے تو ان میں بعض کی ضرورت خاص خاص موقعوں پر پیش آتی ہے اور اس لئے ناممکن ہے وہ ایک کے بعد دوسری مرتبہ پھر حاصل کئے جا سکیں، کئے جاسکتے ہیں تو ایک مدت معینہ کے بعد۔ لیکن بعض کسی خاص وقت سے مخصوص نہیں جیسے عدالت، یا مجلس عامہ کی رکنیت (۱۵) لیکن کہا

---

۱۲ - جن سے حق رائے دہندگی چھین لیا جاتا ہے — مترجم

۱۳ - وہی اعتراضات جو حق شہریت کے خلاف اس سے پہلے کئے گئے ہیں اور جن کا جواب اس سے پہلے دیا جا چکا ہے - جواب یہ ہے کہ وہ پورے پورے شہری نہیں ہیں — مترجم

۱۴ - اس لئے کہ عدل گستری اور انتظام و عملداری ہی ریاست کے نمایاں پہلو ہیں — مترجم

لیکن متن زیر ترجمہ کچھ مغلق سا ہے اس لئے کہ آگے چل کر حاکمہ کہ معنی ہونگے مجلس عامہ، یعنی شوری میں حصہ لینے کا حق جس کی رکنیت کو اگر عہدہ کہا جائے تو اس کی میعاد معین ہوگی (جیسا کہ جمہوریتوں میں قاعدہ ہے)۔

۱۵ - جیسا کہ یونان کی شہری ریاستوں میں اس کی حیثیت تھی - لٰہذا اس سلسلے میں ارسطو جن خیالات کا اظہار کر رہا ہے وہ جب ہی سمجھ میں آ سکتے ہیں کہ یونانی سیاست کا تاریخی پس منظر ہمارے سامنے ہو۔

(باقی صفحہ ۱۹۷ پر)

جاسکتا ہے ہم ان کا شمار عہدوں میں تو نہیں کرسکتے نہ محض ان کی بنا پر کسی شہری کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہ حکومت میں شریک ہے ۔ حالانکہ یہ ایک مہمل سی بات ہے کہ جو لوگ ریاست کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں ان کا اس میں کوئی عہدہ نہ ہو۔ لہٰذا ہمیں چاہئے اسے کوئی وقعت نہ دیں کیونکہ یہ محض لفظوں کا نزاع ہے اور وہ بھی پیدا ہوا تو اس لئے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی اصطلاح نہیں جس کا اطلاق عدالت اور مجلس عامہ دونوں کے ارکان پر ہوسکے ۔ فرض کیجئے ہم ان عہدوں کو غیر معین کہتے ہیں تا کہ ان میں اور دوسرے عہدوں میں امتیاز ہوسکے(۱۶) ۔ اندریں صورت ہم کہیں گے اصولاً شہری وہ ہے جسے اس امر کا حق پہنچتا ہے کہ اس قسم کے عہدوں میں حصہ لے سکے(۱۷) ۔ اس لئے کہ کچھ ایسا ہی شہری ہوگا جس پر شہریت کی تعریف ٹھیک ٹھیک منطبق ہوسکے گی ۔ البتہ یہاں خیال رہنا چاہئے تو اس امر کا کہ جو اشیا کسی ایک یا دوسرے مرحلے پر باعتبار نوع ایک دوسرے مختلف ہوجاتی ہیں ان کے اجزائے ترکیبی اور بعد میں آنے والی اشیا کے

---

(بقیہ حاشیہ ۱۹۶ کا)

ارسطو کے الفاظ میں عدالت یا مجلس عامہ میں شرکت کا ' عہدہ ' اگر اسے عہدہ کہا جائے مسلسل عہدہ ہے جو ایک مرتبہ حاصل ہو تو پھر ہمیشہ حاصل رہے گا ۔ باقی عہدے غیر سلسل ، ہیں ۔ اس لئے کہ ان کی ایک میعاد ہوتی ہے ۔

عبارت بالا میں ' نہ محض ان کی بنا پر . . . حکومت میں شریک ہے ' کے الفاظ کچھ واضح نہیں —— مترجم

۱۶ ۔ گویا جن کی میعاد غیر معین ہے —— مترجم

۱۷ ۔ غیر معین عہدوں میں —— مترجم

اجزائے ترکیبی میں کوئی چیز مشترک نہیں ہوگی۔ اگر ہوگی تو بہت کم(۱۸)

پھر جب یہ معلوم ہے کہ سب حکومتیں ایک سی نہیں ہوتیں (۱۹) ۔ کوئی ناقص ہوتی ہے ، کوئی تاحد امکان کامل ، تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جن حکومتوں میں عیوب اور مفاسد کی بھر مار ہے وہ ان حکومتوں کے مقابلے میں پست ہوں گی جن میں اس طرح کی کوئی خرابی نہیں ۔ رہا یہ امر کہ مفاسد سے ہمارا مطلب کیا ہے سو اس کی توضیح آگے چل کر کردی جائے گی ۔ سردست ہمارا کہنا یہ ہے کہ جیسا جیسا فرق حکومتوں میں ہوگا ویسا ہی شہریوں میں

---

۱۸ - لیکن بارکر میں متن کی عبارت یوں ہے (اور ظاہر ہے بمقابلہ ایلس بالکل واضح) : شہریت کا تعلق اشیا کی ایک خاص صنف سے ہے (۱) ہر شے کی اپنی ایک اساس ہے (۲) اور ہر اساس کی اپنی ایک الگ نوع اور الگ خصوصیات - کوئی خصوصیت سب سے پہلے نمایاں ہوتی ہے ، کوئی بعد میں ' جہاں تک ان کا سلسلہ چلا جائے - لہٰذا جن اشیا کا تعلق اس خاص صنف سے ہے ان کا لحاظ رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو ان میں با ہم کوئی امر مشترک نہیں رہےگا، یا اگر رہےگا بھی تو بہت کم- اور پھر حاشیے میں بارکرنے اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ سطور بالا سے پہلا نتیجہ تو یہ مترتب ہوتا ہے کہ شہریت کی اساس ہے دستور(۲) دساتیر کی کئی قسمیں ہیں اور ہر قسم کی جداگانہ خصوصیات- (۳) لہٰذا با عتبار خصوصیات شہریت کی بھی متعدد اقسام ہیں اور ان میں کوئی چیز بھی مشترک نہیں - ہے تو بہت کم - مثلاً خالص جمہوریت اور خالص امارت کے شہریوں میں کوئی امر مشترک نہیں ہوگا حالانکہ دونوں کو اپنی اپنی جگہ پر شہری ٹھہرانا پڑے گا - البتہ انسانوں کی حیثیت سے ان میں تھوڑا بہت اشتراک ضرور پایا جائے گا — مترجم

۱۹ - حکومتیں یعنی دستور — مترجم

(۲۰) - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں جمہوری حکومتوں میں تو ہر شہری کو وہ سب اختیارات حاصل ہوتے ہیں جو باعتبار اس منصب کے ہونا چاہئے، لیکن غیر جمہوری حکومتوں میں ایسا نہیں ہوتا، گو ہو بھی سکتا ہے (۲۱) - چنانچہ بعض ریاستوں میں جمہور کو بھی کچھ اختیارات حاصل ہیں - حالانکہ وہاں کوئی مجلس عامہ نہیں ہوتی (۲۲) بلکہ گنے ہوئے چند منتخب افراد (۲۳) -

---

۲۰ - گویا دستور کی خوبی یا عیب اور نقص کی ذمہ داری شہریوں پر عائد ہوتی ہے - شہریوں کی خوبی یا اچھائی اور برائی کی دستور پر — مترجم

۲۱ - یعنی ارسطو نے شہری کی جو تعریف کی ہے وہ صرف جمہوریت ہی کے شہریوں پر صادق آتی ہے - یہ دوسری بات ہے کہ کسی غیر جمہوری حکومت میں بھی شہری کو وہ حقوق حاصل ہوں (عادلہ اور حاکمہ میں حصہ لینے کا حق) جو ایک جمہوریت میں لازماً اسے ہوتے ہیں — مترجم

۲۲ - کہ ان کا باقاعدہ اجلاس ہو جیسا کہ جمہوری حکومتوں میں ہوتا ہے — مترجم

۲۳ - اور اس لئے ان کو کبھی کبھی اور خاص موقعوں پر جمع ہونے کی دعوت دی جاتی ہے - ارسطو کا زور یہاں منتخب افراد پر نہیں جتنا ان کے اجتماع پر - یعنی افراد کی اس مجلس پر جس کا انعقاد کبھی کبھی اور کسی خاص موقعہ پر طلب کر لیا جاتا ہے، کیونکہ ارسطو کے نزدیک اصل سوال وقت کا ہے جس کے ماتحت جمہوریتوں میں مجلس عامہ کی رکنیت (یا یہ عہدہ) غیر معین ہو جاتی ہے- ان مجالس کا انعقاد بھی باقاعدہ اور اپنے وقت پر ہوتا رہتا ہے - بر عکس اس کے جن مجالس میں منتخب افراد کبھی کبھی اور کسی خاص موقعہ پر حسب طلب شریک ہوتے ہیں ان کی رکنیت (یا عہدہ) معین ہوگی - حالانکہ عادلہ اور حاکمہ میں پورا پورا عمل دخل جب ہی ہو سکتا ہے جب ان کی رکنیت غیر معین ہو اور جب ہی کوئی شہری صحیح معنوں میں شہری کہلا سکتا ہے — مترجم

بعینہ مختلف مقدمات کی سماعت بھی مختلف اشخاص کے ذمے کر دی جاتی ہے جیسے اسپارٹا میں کہ وہاں معاہدوں کے متعلق جتنے بھی نزاع ہیں افوری کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں (۲۴) اور قتل کے مجلس عمائد میں ۔ بعض مقدموں کی سماعت ایک حاکم کرتا ہے بعض کی دوسرا ۔ قرطاجنہ میں بھی یہی دستور ہے کہ بعض حکام ہر قسم کے مقدمات کی سماعت کرلیتے ہیں (۲۵) لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس سے پہلے شہری کی جو تعریف کر آئے ہیں اس میں کسی قدر ترمیم کی ضرورت ہے(۲۶)، کیونکہ بعض حکومتوں میں رکن عدالت اور رکن مجلس عامہ کا عہدہ غیر معین نہیں ہوتا۔ وہاں ان کے لئے خاص خاص اشخاص کا تقرر عمل میں آتا ہے(۲۷) ۔ لہٰذا یا تو سب یا پھر معدودے چند شہریوں کو عدالت اور مجلس عامہ کا رکن تصور کیا جاتا ہے، خواہ جملہ مقدمات اور جملہ امور ریاست کے لئے، خواہ کسی خاص معاملے کے پیش نظر(۲۸) ۔ ہم سمجھتے ہیں اب یہ بات واضح ہوگئی، کہ شہری کیا ہوتا ہے ۔ شہری وہی ہے جسے کسی شہر میں عادلہ اور حاکمہ میں حصے لینے کا حق حاصل ہو ۔ وہی اس کا شہری ہوگا اور شہر کیا ہے ؟ ایسے ہی اشخاص کی وہ جماعت جو زندگی کے ہر معاملے میں کافی بالذات ہے ۔

---

۲۴ - جماعت کے نہیں ، بلکہ الگ الگ افراد کے سامنے جس سے گویا شہریوں کا یہ حق سلب ہوگیا کہ عادلہ میں حصہ لیں (جیسا کہ مجلس عامہ کی عدم موجودگی میں حاکمہ میں ان کا کوئی دخل نہیں ہوگا) — مترجم

۲۵ - ملاحظہ ہو فصل دوم باب یازدہم — مترجم

۲۶ - گو شہری کی تعریف بہر حال وہی رہے کی جو اوپر بیان ہو چکی ہے — مترجم

۲۷ - اور اس لئے ان عہدوں کی مدت 'معین' ہو جاتی ہے — مترجم

۲۸ - اور یوں وہ اختیارات جن کا سر رشتہ در اصل شہریوں کے ہاتھ میں ہونا چاہئے تھا چند لوگوں کے ہاتھ میں آ جاتا ہے اور اس طرح جمہوریت کی نفی ہو جاتی ہے — مترجم

# دوسرا باب

عرف عام میں تو شہری اسی کو کہا جاتا ہے جو ماں باپ دونوں کی طرف سے شہری ہو - صرف باپ ، یا صرف ماں کی طرف سے نہیں - لیکن بعض لوگ اس معاملے میں کچھ اور آگے بڑھ جاتے ہیں - انہیں جستجو رہتی ہے کہ جس کسی کو شہری کہا جاتا ہے اس کے آباد واجداد کون تھے ، شہری یا غیر شہری ؟ مثلاً اس کا دادا کون تھا پڑدادا کون ؟ لہٰذا اس مقبول عام مگر بے سوچی سمجھی تعریف پر بجا اعتراض کیا جاتا ہے کہ کنبے کا مورث اعلیٰ بھی کیا شہری ہوسکتا ہے - چنانچہ گور گیاس متوطن لیون ٹیم نے کچھ اسی شک و شبہے اور کچھ ہنسی دل لگی میں کہا تھا جس طرح گچ کسی گچ ساز ہی کے ہاتھوں بن سکتا ہے ایسے ہی شہری شہری ساز کے ، جیسے لاریسی کسی لاریسی ساز کے ہاتھوں (۱)

---

۱ - Gorgias متوطن Leontium (یا Lentini) صقلیہ کی ایک یونانی نو آبادی - ۴۸۰ ق - م میں پیدا ہوا اور ۴۲۷ میں بسلسلۂ سفارت سرافوسہ سے اثینیہ آیا - افلاطون کا ایک مقالہ اس کے نام پر ہے - خطیب اور سوفسطائی - گورگیاس کے پیش نظر دراصل لفظ Demiourgoi ہے بمعنی صانع جو بعض ریاستوں میں حکام کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا اور وہ اس سے کام لے کر شہر کی صحیح تعریف کر رہا ہے ، کیونکہ یہ ریاست ہی کا کام ہے کہ کسی شخص کو شہری قرار دے - شہریت کو اس سے کیا بحث کہ کوئی کس کی اولاد ہے - ارسطو کی اپنی رائے بھی یہی ہے کہ شہریت ایک منصب ہے " ایک وظیفہ ' Function ' جسے افراد ادا کرتے ہیں - یہ چیز ورثے میں نہیں ملتی - لہٰذا اسے شہریوں کے نسب نامے سے کوئی دلچسپی نہیں - وہ کہتا ہے ہر شے کی خصوصیت اس کے وظیفے سے متعین ہوتی ہے — مترجم

جو بظاہر بڑی سادہ سی بات ہے اس لئے کہ اگر شہری کی تعریف فی‌الواقعہ یہی ہے تو ہم اس کا اطلاق ان لوگوں پر تو نہیں کر سکتے جنھوں نے اول اول کسی ریاست کی بنا رکھی ، یا اس میں آباد ہوئے ، اس لئے کہ وہ ماں باپ کی طرف سے تو شہری ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے (۲) ۔ ایسے ہی جن لوگوں نے کسی انقلاب کے زیر اثر آزادی حاصل کی ہے (۳) ان کے حقوق شہریت کی تعین اور بھی مشکل ہو جائے گی، جیسے اثینیہ میں ہوا کہ مستبدین کے اخراج پر کلس تھے نیس(۴) نے متعدد اجنبیوں اور شہری غلاموں کا اندراج قبائل میں کر لیا تھا(۵) ۔ ان کے متعلق فیصلہ طلب بات یہ نہیں تھی کہ وہ شہری ہیں یا نہیں ، بلکہ یہ کہ قانوناً انہیں شہری ٹھرایا جاسکتا ہے یا نہیں ۔ لہٰذا بعض لوگ اس شبہے میں اور آگے بڑھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو غیر قانونی طور پر شہری

---

۲ - لیکن دوسرے نسخوں سے مقابلہ کیجئے (مثلاً پارکر سے) تو ارسطو کا مطلب واضح ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ اگر انہیں عادلہ اور حاکمہ میں عمل دخل کا حق حاصل ہے تو وہ لوگ شہری ہی تھے - شہری ہونے کے لئے نسباً یعنی ماں باپ کی طرف سے شہری ہونا ضروری نہیں — مترجم

۳ - یعنی آزادوں (احرار) میں شمار ہونے لگیں — مترجم

۴ - Clisthenes ۵۱۰ ق - م میں - کہا جاتا ہے اجلا کی ابتدا بھی کلس تھے نیس نے کی — مترجم

۵ - اور اس طرح چار سے قبائل کی تعداد دس ہو گئی - یہ واقعہ ۵۱۰ ق - م کا ہے - غلاموں سے مطلب ہے وہ غیر یونانی جو اثینیہ میں رہتے اور غلاموں کے طبقے میں شامل تھے — مترجم

بنا لیا جائے تو کیا اسے فی الواقعہ شہری تسلیم کر لینا چاہئے ؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ ایک غیر شہری اور ایسے شخص میں جسے قانوناً شہری بنا لیا گیا ہے کوئی فرق نہیں ۔ وہ ایک ہی سطح پر ہیں(۷) ؟ مگر پھر کتنے اشخاص ہیں جو ناروا طور پر حاکم بن جاتے ہیں ، حالانکہ انہیں اس کا کوئی حق نہیں پہنچتا ۔ بایں ہمہ انہیں حاکم ہی کہا جاتا ہے ، گو ناانصافی ہی سے سہی ۔ لہٰذا ہم شہری کہہ سکتے ہیں تو صرف اس کو جسے کوئی عہدہ حاصل ہے، کیونکہ یونہی ہم نے اس کی تعریف کی تھی ۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ ہر وہ شخص جسے غیر قانونی طور پر شہری بنالیا گیا ہے(۸) شہری ہی کہلائے گا ۔ رہی یہ بات کہ ایسا کرنا جائز تھا یا نا جائز یہ ایک دوسری بحث ہے ۔

---

۶ - اس لئے کہ شہریوں کی فہرست میں اس قسم کے اضافے سے قدرتاً یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ شہری در حقیقت کون ہے ؟ عدل و انصاف اس بارے میں کیا کہتا ہے ؟ — مترجم

۷ - دوسرے الفاظ میں یہ کہ جو شخص از روئے عدل و انصاف شہری نہیں اسے شہری ٹھہرانا کیسے ممکن ہے ؟ اس لئے کہ جو چیز عدل و انصاف کے خلاف ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں — مترجم

۸ - مثلاً دستور میں تبدیلی کے باعث (جیسے اوپر مثال دی گئی ہے) — مترجم

# تیسرا باب

پھر یہ امر بھی بڑا مشکوک ہے کہ ہم کس فعل کو شہر کا فعل کہیں اور کسے نہیں (۱) ۔ مثلاً اس وقت جب کوئی امارت یا استبدادیت جمہوریت سے بدل جائے اور بعض لوگ اپنے معاہدات پورا کرنے سے انکار کر دیں (۲) جیسے مال و زر کی وصولی صرف مستبدین

---

۱ - ارسطو نے یہ سوال اس لئے اٹھایا ہے کہ ریاست کی ماہیت اور تشخص کا مسئلہ طے ہو جائے - کیا ریاست اور حکومت یعنی وہ حکومت جو کسی وقت بر سر اقتدار ہوگی اور وہ دستور و آئین جس پر اس وقت عمل ہوگا ایک ہی چیز ہیں یا ہمیں ان میں فرق کرنا چاہئے ؟ ایک ہیں تو حکومت (بر سر اقتدار) کا ہر فعل ریاست کا فعل متصور ہوگا - ہم کہیں گے کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے از روئے دستور ریاست کی طرف سے کیا جا رہا ہے ۔ لہٰذا اس میں (حکومت اور اس نئے دستور میں) تبدیلی اور نئی حکومت کے قیام کے باوجود وہ تمام کاروائیاں بدستور جاری رہیں گی جو کسی وقت جاری تھیں - لیکن اگر دونوں کی ماہیت اور وجوو الگ الگ تھے تو نئی حکومت کے قیام پر بالخصوص جب اس میں جبر و قہر کا دخل ہو سابقہ حکومت کی سب کاروائیاں کالعدم ہو جائیں گی اور اس لئے ان کا اجرا و نفاذ بھی قانوناً ختم ہو جائے گا ۔ کیونکہ اس نے جو کچھ کیا تھا اپنی طرف سے کیا تھا - ریاست پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی — مترجم

۲ - لوگوں کا اشارا ارباب حکومت کی طرف ہے - جنانچہ روس مین ایسا ہی ہوا - ۱۹۱۷ء میں اشتعالی حکومت نے اس عذر کی بنا پر پچھلے تمام معاہدات پورا کرنے سے انکار کر دیا تھا - ملاحظہ ہو حاشیہ ۳ — مترجم

کا حق تھا ریاست کا نہیں تھا (۳) ، ایسے ھی بعض دوسرے امور کا (۴) لیکن جس کا مطلب یہ ھوگا کہ ان میں باھم جو میثاق قائم تھا تشدد کے لئے تھا فلاح عامہ کے لئے نہیں تھا (۵) ۔ مگر پھر اس کے جواب میں یہ بھی تو کہا جاسکتا ھے کہ بصورت جمہوریت جو لوگ ریاست کا نظم و نسق اپنے ھاتھ میں لینگے ان کے افعال ریاست ھی کے افعال متصور ھوں گے ۔ یہی کچھ اعیانیت اور استبدادیت کی صورت میں کہا جائے گا (٦) ۔ لہذا یہ مسئلہ غور طلب ھے ۔ ھمیں دیکھنا چاھئے کہ ریاست کی شکل جوں کی توں برقرار رھتی ھے تو کب ،

---

۳ - کیونکہ وہ سمجھتے ھیں یہ ریاست کے معاھدات نہیں تھے بلکہ ناجائز طور پر مستبدین نے کئے تھے اور اس لئے کسی ریاست کو حق نہیں پہنچتا ان کی تکمیل کا مطالبہ کرے — مترجم

۴ - یعنی اس قسم کی دوسری ذمہ داریاں بھی پورا کرنے سے انکار کر دیتے ھیں — مترجم

۵ - میثاق سے مطلب ھے میثاق حکومت یعنی دستور اور جس کی بنا گویا محض جبر و شدو پر تھی - لہذا اس کے ماتحت جو کچھ کیا گیا اس کی ذمہ داری چونکہ ریاست پر عائد نہیں ھوتی ھے اس لئے لوگوں پر بھی عائد نہیں ھوتی — مترجم

٦ - مطلب یہ ھے کہ اگر کوئی جمہویت بجبر قائم ھے تو اس کے اعمال و افعال کے متعلق کیا کہا جائے ؟ کیا یہ کہ ان کی ذمہ داری ریاست پر عائد نہیں ھوتی ، بلکہ ان لوگوں پر جن کے ھاتھ میں اس کا نظم و نسق ھے اور جنھوں نے اپنا نظام حکومت بجبر لوگوں پر مسلط کر رکھا ھے ؟ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ وہ جو کچھ کر رھے ھیں ریاست کی طرف سے کر رھے ھیں تو پھر استبداد کی صورت میں بھی حکومت کے ھر فعل کو ریاست ھی کا فعل تصور کرنا پڑے گا — مترجم

نہیں رہتی تو کب (۷)۔ بظاہر دیکھا جائے تو ہمیں اس بحث کا آغاز مقام اور آبادی سے کرنا پڑیگا کیونکہ ہوسکتا ہے ان میں کچھ تفریق پیدا ہوجائے۔ آبادی کا ایک حصہ کہیں رہنے لگے دوسرا کہیں، مگر یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو حل نہ ہوسکے۔ اس لئے کہ شہر کو شہر کہا جاتا ہے تو متعدد وجوہ کی بنا پر، للہذا اس کے کئی حل ممکن ہیں (۸) اور اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کچھ لوگ ایک ہی مقام پر آباد ہوں تو کب اور کن حالات میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک ہی شہر میں بس رہے ہیں (۹)، نیز یہ کہ ایسا شہر ہمیشہ ایک ہی شہر رہے گا (۱۰) اس لئے کہ شہر

---

۷ - یعنی ریاست کا تسلسل جاری رہتا ہے یا اس کی بجائے کوئی دوسری ریاست قائم ہوجاتی ہے - ریاستیں دو تھیں یا ایک۔ ان کا تشخص قائم رہا یا ختم ہوگیا — مترجم

۸ - مقام—علاقہ، خطہ، سرزمین- 'الارض' Territory کا مسئلہ دراصل ریاست کے طبعی وجود کا مسئلہ ہے اور یہ گویا ریاست (یا بزبان ارسطو شہر) کا ایک پہلو ہے - ارسطو کے نزدیک اگر شہر سے مطلب 'شہر' (بستی، آبادی، مقام، جیسا کہ یونانی زبان میں اس لفظ کے ایک معنی یہ بھی ہیں) تو اس کی ہیئت اور وجود ہمیشہ بدلتا رہتا ہے - برعکس اس کے اگر شہر عبارت ہے ریاست سے تو اس کا وجود اور تشخص باوجود تبدیلیوں کے قائم رہے گا — مترجم

۹ - یعنی جب کسی ریاست کے سارے باشندے ایک ہی شہر میں آباد ہوں — مترجم

۱۰ - یہ جملہ غالباً زائد ہے - مطلب بہرحال یہ ہے کہ اسے ایک ہی ریاست تصور کیا جائے گا — مترجم

اس طرح تو بنتا نہیں کہ اسے فصیلوں نے گھیر رکھا ہو (۱۱)۔ ہمارے لئے یہ تصور کرنا کیا مشکل ہے کہ پیلوپونیسس کو فصیلوں نے گھیر رکھا ہے جیسے بابل ، یا اس طرح کے کسی دوسرے شہر کو جو درحقیقت ایک شہر نہیں تھا بلکہ کئی قوموں پر مشتمل (۱۲)۔ چنانچہ کہا جاتا ہے بابل فتح ہوا تو اہل شہر کو تین دن تک اس کا پتہ ہی نہیں چلا ۔ (۱۳) لیکن ہم اس مسئلے کا فیصلہ کسی دوسرے موقعے پر کریں گے ۔ سردست دیکھنے کی بات یہ ہے کہ شہر کی وسعت کیا ہونی چاہئے ۔ اس میں ایک ہی قسم کے لوگ آباد ہوں یا طرح طرح کے ؟ سیاستدان(۱۴) کے لئے ان باتوں کا

---

۱۱ - کیونکہ ریاست کے لئے اگرچہ شہر کا وجود ضروری ہے لیکن شہر ریاست کا مرادف نہیں - ارسطو کا خیال اب ریاست کے طبعی پہلو کی طرف منتقل ہوگیا ہے — مترجم

۱۲ ۔ یعنی ان افراد پر جو نسلا ایک نہیں تھے اور ظاہر ہے کہ بابل کی آبادی بڑی مخلوط اور طرح طرح کے عناصر پر مشتمل تھی -

لیکن بارکرسین قوموں کی بجائے نسلیں Ethnos (ایک ہی جنس کے لوگ خواہ ان کی تعداد زیادہ ہو اور اہل یونان کی طرح ان کی ریاستیں بھی متعدد ہوں) - یوں بھی بارکرسین ان الفاظ کا اشارا بابل کی طرف نہیں ، بلکہ ہر ایسے شہر کی طرف جو اتنا ہی بڑا ہو جتنا بابل — مترجم

۱۳ - کروش اعظم Cyrus کے ہاتھوں ہخانشی عرف عام میں کیانی سلطنت کا بانی - ۵۳۸ق - م — مترجم -

۱۴ - یہاں پالی‌ٹیشین کا صحیح مترادف ہے شہریار ، بلکہ شہر گر (مدبرریاست) ملاحظہ ہو فرہنگ مصطلحات — مترجم

جاننا ضروری ہے (۱۵) - ایسے ہی یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے کہ اگر کسی شہر میں ایک ہی نسل کے لوگ آباد ہیں تو کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کے یہاں سلسلہ موت و حیات کے باوجود اس کے وجود میں کوئی فرق نہیں آئے گا ؟ بعینہ جیسے دریا ہمیشہ دریا اور چشمہ چشمہ ہی رہے گا ، حالانکہ اس کا پانی برابر بہتا رہتا ہے - یا پھر ہم یہ کہیں گے کہ بصورت انقلاب لوگ تو وہی رہیں گے ، شہر البتہ بدل جائے گا کیونکہ اگر شہر ایک اجتماع ہے تو یہ اجتماع شہریوں ہی کا ہوسکتا ہے - لہٰذا جب طرز حکومت بدل گیا اور احوال وہ نہ رہے جو کبھی تھے تو لازماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ شہر بھی بدل گیا - بالکل ایسے جیسے المیہ کا سنگیت اگرچہ طربیہ کے سنگیت سے مختلف ہوتا ہے مگر اداکار شاید مختلف نہیں ہوتے (۱٦) - لہٰذا ہر ایسے اجتماع یا مرکب کو جس کے اجزائے ترکیبی کی نوعیت دوسرے اجتماعات سے مختلف ہے ایک دوسرا اجتماع اور دوسرا مرکب ہی ٹھہرایا جائے گا - چنانچہ موسیقی کی مثال ہمارے سامنے ہے اس میں ایک ہی ہاتھ طرح طرح کے آہنگ پیدا کرتا

---

۱۵ - گویا ارسطو کے نزدیک مدبر ریاست کے سامنے عملاً سوال یہ ہوگا کہ شہر (یعنی ریاست کی جیسا کہ یونانی ذہن میں اس کا تصور تھا وسعت کیا ہونی چاہئے ، اس لئے کہ ایک مثالی ریاست کی تشکیل سے پہلے اس امر کا فیصلہ بھی ضروری ہے مگر وہ اس باب میں کوئی قطعی رائے قائم نہیں کرتا تاکہ ریاست کے تشخص اور وجود کا مسئلہ طے ہوجاتا - معلوم ہوتا ہے ارسطو کا خیال یہ تھا کہ ایک بہت بڑی ریاست کے لئے شاید ایک ہی ریاست کی حیثیت سے اپنا تشخص برقرار رکھنا مشکل ہوگا — مترجم

۱٦ - یعنی جب سنگیت بدل بدل کر کبھی الم اور کبھی طرب کا رنگ اختیار کر لیتا ہے حالانکہ دونوں صورتوں میں گانے والے ایک ہی ہوتے ہیں — مترجم

ہے کبھی ڈوروی ، کبھی فریگوی (۱۷) اور جو اگر ٹھیک ہے تو ہم جس شہر کو ایک ہی شہر تصور کرتے چلے آتے ہیں وہ اس کی حکومت کے باعث ، خواہ اس کا نام وہی رہے جو تھا ، یا کچھ اور ہو جائے اس میں وہی لوگ بستے ہوں یا دوسرے (۱۸) ۔ رہا یہ سوال کہ اگر دستور حکومت بدل جائے تو کیا وہ عبارت تھا جس اجتماع سے وہ بھی ختم ہو جانا چاہئے سو یہ ایک دوسری بحث ہے (۱۹) ۔

---

۱۷- Dorian اور Phrregian ڈوروی یونانیوں کی وہ شاخ جو (یونان کے ایک چھوٹے سے سنڈستانی علاقے) ڈورس Doris میں آباد تھی ۔فریگیا ایشیائے کوچک کا ایک حصہ جسے یونانی آبادکاروں نے اپنا وطن بنایا — مترجم

۱۸- اور یہ گویا آخری و قطعی معیار ہے کسی ریاست کے وجود یا تشخیص کے تسلسل کا ۔ مترجم

۱۹- اور اس لئے یہ مسئلہ لاینحل ہی رہا کہ تبدیلی حکومت پر پچھلے معاہدات کی تنسیخ جائز ہے یا ناجائز ۔ لیکن ۳۰۲ ق - م اور پھر اس کے بعد جب اثینیہ میں جمہوریت قائم ہو گئی تو اس کے باوجود وہ سب معاہدات پورے کر دئے گئے جو تیس مستبدین Thirty Tyrants نے کئے تھے -

بات یہ ہے کہ اگر ریاست کے وجود اور تشخص کا دارومدار دستور حکومت پر ہے تو جہاں ایک دستور حکومت کی جگہ دوسرے دستور حکومت نے لی اور ایک نئی ریاست قائم ہو گئی اس لئے ضروری نہیں وہ اپنی پیشرو حکومت کے معاہدات پورا کرے - گویا ایک تو یہ صورت ہے اس مسئلے کے حل کی - دوسری یہ کہ اگر ریاست ما سبق کے معاہدات کا تعلق فلاح عامہ سے ہے تو ان کو پورا کر دینا چاہئے خواہ وہ ریاست کیسی تھی ، امارت یا استبدادیت یا کوئی جمہوریت - معاہدات کا ایفا کرنا بہرحال ضروری ہے اس لئے کہ ریاست کا مقصود ہے خیر عامہ - شاید یہی وجہ ہے جس کی بنا پر ارسطو کہتا ہے ریاست کے وجود اور تشخص کی بحث معاہدات عامہ کی بحث سے الگ رکھنی چاہئے — مترجم

# چوتھا باب

اوپر کی باتوں سے آپ ہی آپ یہ سوال پیدا ہوجاتا ہے کہ ایک اچھے شہری کے فضائل اخلاق بھی کیا وہی ہوں گے جو ایک اچھے انسان کے، یا اس سے مختلف (۱) ؟ لیکن اس امر کی تحقیق جب ہی ممکن ہے کہ ایک اچھے شہری کے فضائل کا خاکہ ہمارے سامنے آ جائے۔ اس لئے کہ جس طرح

---

۱ - یہ گویا فضائل کی بحث ہے - ان کی وحدت یا تعدد کی - نیومین نے اس کی تشریح جن الفاظ میں کی ہے (ملاحظہ ہو بارکر) اس کا ملخص یہ ہے کہ سقراط وحدت فضائل کا قائل تھا - اس کا خیال تھا کہ صفت اخلاق بہر حال ایک ہے خواہ اس کا تعلق کسی شخص یا کسی موقعہ محل سے ہو - ارسطو اس کے بر عکس تعدد فضائل پر زور دیتا ہے - اس کی رائے میں ہماری صفت اخلاق کا انحصار اس پر ہے کہ ہم کیا ہیں اور کیا وظیفہ ادا کر رہے ہیں - مثلاً کسی شہری کے فضائل اخلاق کا فیصلہ کسی شہر کے دستور ہی کو دیکھتے ہوئے کیا جائے گا - لہٰذا ایک اچھے شہری اور اچھے انسان کے فضائل اخلاق کو ایک سمجھنا گویا دساتیر حکومت کے اختلاف کو نظر انداز کر دینا ہے - گویا ارسطو کے نزدیک یہ صرف دستور حکومت ہے جس کی بنا پر کسی ریاست کے وجود اور تشخص کا فیصلہ کیا جائے گا - دستور حکومت ہی وہ معیار ہے جس کے پیش نظر ہم دیکھیں گے کہ ایک اچھے انسان کے فضائل اخلاق کو ایک اچھے شہری کے فضائل اخلاق سے کیا نسبت ہے - اس بحث کے دوسرے پہلوؤں کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ — مترجم

ملاح ایک جماعت ھیں (۲) ویسے ھی شہری بھی - یہ دوسری بات ھے کہ ھر ملاح کا کام الگ الگ ھوتا ھے (ان میں کوئی تو کھویا ھے ، کوئی ناخدا ، کوئی محافظ اور ایسے ھی کوئی کچھ کرتا ھے ، کوئی کچھ - لہٰذا ایک اچھے ملاح کی ٹھیک تعریف تو وھی ھوگی جس کا تعلق اس کی مخصوص صلاحیتوں سے ھے لیکن جس کے باوجود بعض باتیں ایسی بھی ھونگی جن کا اطلاق پوری جماعت ملاحین پر ھوسکے گا - مثلاً جہاز کی حفاظت جو سب کا فرض ھے اور جس پر ان سب کی سرگرمیاں مرتکز رھیں گی - کچھ ایسا ھی معاملہ شہریوں کا ھے جو ضرور ھے چند ایک باتوں میں مختلف ھوں مگر جن میں ایک ذمہ داری قطعاً مشترک ھوگی ، یعنی اپنی حیثیت مجتمعہ کا تحفظ - اس لئے کہ یہ شہری ھی تو ھیں جن کے اجتماع سے ریاست کی ھستی معرض وجود میں آتی ھے - لہٰذا شہریوں کے فضائل گنوائیں جائیں گے تو ریاست کے حوالے سے - مگر پھر جب حکومت کی ایک نہیں متعدد قسمیں ھیں تو ظاھر ھے کہ جن باتوں کو ایک اجتماع اچھا کہے گا دوسرا اچھا نہیں کہے گا - بالفاظ دیگر ایسا کوئی شہری نہیں جو باعتبار فضائل اپنی ذات میں کامل ھو - برعکس اس کے جس کسی نے اپنے فضائل اخلاق کی تکمیل کرلی اس کو سب اچھا کہیں گے - لہٰذا ثابت ھوا کہ ایک اچھے شہری میں وہ خوبی نہیں ملے گی جو ایک اچھے انسان میں پائی جاتی ھے اور جس میں کسی کو شبہ ھے تو ان ریاستوں کو دیکھ لے جن کے متعلق خیال ھے بہتر سے بہتر طریق پر متشکل

---

۲ - یعنی انسانی اجتماع کی ایک شکل — مترجم

ہوئیں تا کہ ہمارے بیان کی صداقت ظاہر ہو جائے (۳) ۔ کیونکہ اگر یہ ممکن نہیں کہ کسی شہر میں صرف اچھے شہری موجود ہوں (اگرچہ ان کا فرض ہے کہ جیسے جیسے کام کی صلاحیت رکھتے ہیں اسے بطریق احسن سر انجام دیں ۔ بایں ہمہ ان سب کی صلاحیتیں ایک سی کیسے ہو سکتی ہیں ؟) تو یہ بھی ممکن نہیں کہ ایک اچھے شہری اور اچھے انسان کے فضائل ایک سے ہوں اس لئے کہ اچھے شہری کے فضائل کا تو ہر شہری کے اندر موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ یہی وہ چیز ہے جس سے شہر میں شان کمال پیدا ہوتی ہے لیکن یہ امر کہ ہر انسان میں اچھے انسانوں کے فضائل پائے جائیں نا ممکن ہے ۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک اعلیٰ درجے کی ریاست میں ہر شہری فضائل اخلاق سے متصف ہو (۴) ۔ پھر چونکہ شہر کی ترکیب غیر مشابہ اجزا سے ہوتی ہے جیسے حیوانوں کی جسم و جان اور روح کی عقل اور شہوات سے ، کنبے کی خاوند اور بیوی اور ملکیت کی آقا اور غلام سے اور شہر ان سب کا مرکب ہے ، علیٰ ہذا کئی

الف

---

۳ - گویا ارسطو اب اس مسئلے کا فیصلہ دستور و آئین کے حوالے سے کر رہا ہے - اوپر یہ بیان ہو چکا ہے کہ دساتیر حکومت مختلف ہیں اس لئے شہریوں کے فضائل اخلاق بھی مختلف ہوں گے اور یہ نا ممکن ہے ہم ان کی صفت و خوبی کو ایک اچھے انسان کی صفت اور خوبی کا مماثل ٹھرائیں - اب ارسطو اس امر پر زور دے گا کہ قطع نظر دستور سے ایک اچھے شہری اور اچھے انسان کے فضائل اخلاق ایک سے نہیں ہو سکتے — مترجم

۴ - اس لئے کہ اس کا دستور حکومت بہترین ہوگا اور اس لئے قدرتاً ہر شہری بہترین شہری ہوگا ، علیٰ ہذا بہترین انسان — مترجم

ایک اور بغایت مختلف عناصر کا - لہذا اس سے قدرتاً یہ نتیجہ مترتب ہوتا ہے کہ ہر شہری کے فضائل یکساں نہیں ہونگے(۵) جیسے گانے والوں کو گانے میں ہدایت دینے والا وہ نہیں کرتا جو ناچنے والوں کو نچاتے ہیں - حاصل کلام یہ کہ ہر شہری کے فضائل یکساں نہیں ہو نگے - مگر پھر سوال یہ ہے کہ ایک اچھے شہری اور اچھے انسان کے فضائل کیا باہم جمع نہیں ہو سکتے ؟ ہم کہا کرتے ہیں فلاں شخص بڑا اچھا حاکم(۶) ہے ، دور اندیش(۷)

---

۵ - اس سے پہلے ارسطو نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ایک بہترین ریاست کے ہر شہری میں وہ سب خوبیاں موجود ہونگی جو ایک اچھے شہری کے لئے لازم و ملزوم ہیں - اب ارسطو یہ کہنا چاہتا ہے کہ ایسی ریاست کے سب شہری گوان صفات سے متصف تو ہوں گے جو ایک اچھے شہری کا مابہ الامتیاز ہیں لیکن اپنے اپنے رنگ میں جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ ایگ شہری کی حیثیت سے تو اچھائی کی متعدد قسمیں ہو سکتی ہیں لیکن ایک اچھے انسان کی اچھائی ہمیشہ ایک ہی رہتی ہے - اس کی متعدد صورتیں ممکن نہیں — مترجم

۶ - مطلقاً دیکھا جائے تو حاکم اپنی جگہ ایک جنس ہے اور سیاست دان (یا مدبر ریاست) اس کی نوع ' مطلب ہے وہ مخصوص حاکم جوکسی آزاد ریاست میں حکومت کی ذمہ داریاں سر انجام دیتا ہے (یہ بارکر تصریح ہے جس کا اضافہ اس نے متن اور تعلیقات دونوں میں کیا ہے — مترجم

۷ - دور اندیش (انگریزی میں Prudent) سے اس لفظ کے پورے پورے معنی ادا نہیں ہوتے جو یونانی میں استعمال ہؤا - یونانی لغت کی رو سے دور اندیش کے معنی ہیں حکمت اخلاق جو اخلاقی نشو ونما کا منتہائے نظر ہے اور جس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب ابتدا ہی سے ایک خاص قسم کے اجتماعی ماحول اور تعلیم حاصل ہو - ایسا انسان ہی اچھا انسان ہوگا (یہ تصریح بارکر کی ہے) — مترجم

اچھا انسان بھی - لیکن دور اندیشی تو وہ صفت ہے جو ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جسے امور ریاست میں حصہ لینا ہے ، بلکہ بعض لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جس کسی کو آگے چل کر حاکم بننا ہے اس کی تعلیم شروع ہی سے مختلف ہونی چاہئے ، جیسے شہزادوں کی - انہیں عام طور پر سواری اور فنون جنگ ہی سکھائے جاتے ہیں ، چنانچہ یوری پیڈیس نے بھی کہا ہے :

نمائشی فنون نہیں
مجھے وہ کچھ سکھائیے جس کی ریاست کو ضرورت ہے -

اور جس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو حاکم بننا ہے ان کی تعلیم بھی مخصوص ہوگی - لیکن فرض کیجیئے ہم تسلیم کئے لیتے ہیں کہ ایک اچھے انسان اور اچھے حاکم کے فضائل کا ایک سا ہونا ممکن ہے اور شہری وہ ہے جو حاکموں کی اطاعت کرے - اندریں صورت یہ کیسے ممکن ہے ان سب کے فضائل ایک سے ہوں (۸) - البتہ یہ ہو سکتا ہے کسی شہری میں دونوں باتیں جمع ہو جائیں - اسی لئے تو جیسن (۹) نے کہا تھا اگر میری پادشاھت چھین لی گئی تو سارے غم کے جان ھلکان کرلونگا وہ جانتا ہی نہیں تھا ایک عام شہری کی زندگی کیا ہوتی ہے - لیکن جس طرح حکومت کرنا ایک بہت بڑا وصف ہے ایسے ہی اطاعت کرنا بھی اور اس لئے ایک اعلیٰ درجے کا شہری وہی

---

۸ - یعنی اچھے انسان کے — مترجم

۹ - Jason مستبد فیرائے Pharae ۳۷۵ق—م میں مارا گیا - فیرئے تھسلی کا ایک شہر —مترجم

ہوگا جس میں یہ دونوں وصف موجود ہیں ۔ للہذا ایک اچھے انسان کی فضیلت اگر صرف یہی ہے کہ حکومت کر سکے اور اچھے شہری کی یہ کہ حکومت اور اطاعت دونوں کا اہل ہو تو ظاہر ہے ان کی خوبیاں یکساں نہیں ہوں گی (۱۰)۔ اس لحاظ سے تو یہی مناسب ہے کہ حاکم و محکوم دونوں اپنے اپنے فرائض اور ذمے داریاں پوری کرنا سیکھیں ۔ رہے شہری سو ان کو دونوں کا اہل ہونا چاہئے تا کہ وہ دونوں قسم کے فرائض کماحقہ ادا کرسکیں اور یہ وہ بات ہے جو بآسانی ہر شخص کی سمجھ میں آجائے گی (۱۱) ۔ عائلی حکومت

---

۱۰ - اچھا انسان چونکہ حکمت اخلاق (ملاحظہ ہو حاشیہ ۷) سے مالا مال ہوتا ہے اس لئے وہ اپنی شہوات قابو میں رکھتا اور اخلاقاً جو مشکلات پیش آتی ہیں ان کا فیصلہ خوب سوچ سمجھ کر اپنی رائے اور اختیار سے کرتا ہے اور یہی حکمرانی کا خاص وصف ہے — مترجم

۱۱ - فصل اول میں ارسطو اس امر کی طرف اشارا کر چکا ہے کہ ایک علم وہ ہے جس کا تعلق حکومت سے ہے ، دوسرا اطاعت سے متعلق - عبارت زیر نظر میں اس کا اشارا اسی جانب ہے کہ حکومت کے لئے گو ایک ہی نوع کا علم کافی ہے لیکن شہریت کے لئے دونوں - چنانچہ نیومین نے اس پر جس خوبی سے تبصرہ کیا ہے اس کا ملخص یہ ہے کہ ارسطو کی رائے ایک طرف تو یہ ہے کہ حاکم اور محکوم الگ الگ علم حاصل کریں - ایک حکومت ، دوسرا اطاعت کا - دوسری جانب یہ کہ شہریوں کو چاہئے حکومت اور اطاعت دونوں کا - پھر یہ دونوں رائیں ایک حد تک ٹھیک بھی ہیں - پہلی اس لئے کہ حاکم چونکہ خود بھی شہری ہیں ، للہذا شہریوں کو غیر آزاد محکوموں کے کام نہیں سیکھنا چاہئے - دوسری اس لئے تا کہ اسے معلوم ہو جائے آزادوں پر حکومت کی جاتی ہے تو کیسے مگر حقیقت دونوں کے بین بین ہے - (بحوالہ بارکر) — مترجم

میں البتہ آقا کو یہ جاننے کا موقعہ ھی نہیں ملتا کہ جو فرائض ضروری ھیں کس طرح سرانجام دئے جاتے ھیں ۔ وہ صرف دوسروں کی محنت سے فائدہ اٹھاتا ھے ۔ اس لئے کہ گھر کا کام کاج خدمت گذاری میں داخل ھے یعنی ان کاموں میں جو غلاموں کے ذمے کردیے جاتے ھیں ۔

پھر غلاموں کے بھی متعدد اقسام ھیں کیونکہ ان کے کام طرح طرح کے ھوتے ھیں ۔ ان میں ایک تو دستکار ھیں جو اپنے ھاتھوں جیسا کہ ان کے نام سے ظاھر ھے کام کر کے روزی کماتے ھیں اور کاریگروں کو بھی انہیں میں شامل سمجھنا چاھئے (۱۳) ۔ یہی وجہ کہ بعض ریاستیں انہیں حکومت میں کوئی حصہ نہیں دیتیں ، حتیٰ کہ جمہوریتیں قائم ھوئیں (۱۴) ۔ لہذا یہ کسی باعزت انسان کے شایان شان نہیں ، نہ کسی شہری یا ایسے شخص کے جو امور ریاست میں حصہ لیتا ھے کہ اس قسم کے غلامانہ پیشے سیکھنے کی

۱۲ - یعنی گھر بار کے فرائض — مترجم

۱۳ - دست‌کار اور کاریگر میں جو فرق ھے اس کو آج کل کی اصطلاح میں یوں سمجھئے کہ دستکار تو وہ ھے جو میکانیکی آلات سے کام نہیں لیتا مثلاً نجاز ، آھن گر وغیرہ یا جسے فنی کام کرنے والے - مثلاً خطاط اور چوب‌کار وغیرہ - کاریگر ان کے برعکس مشینوں اور میکانیکی آلات سے کام لیتے ھیں — مترجم

۱۴ - اپنی انتہائی شکل میں - جب کہیں انہیں حکومت میں حصہ ملا — مترجم

کوشش کرے ، گو ذاتی اغراض کے لئے کبھی کبھی ایسا کرنا بھی پڑتا ھے ورنہ آقا اور غلام کا امتیاز اٹھ جائے گا ۔ لیکن حکومت کی ایک نوع وہ بھی ھے جس میں انسان اپنے ھم مرتبہ اور آزاد انسانوں پر حکومت کرتا ھے اور جسے ھم مدنیت کہیں گے (۱۵) ۔ اس طرح کی حکومت میں پہلے تو لوگ اطاعت کے ذریعے حکومت کرنا سیکھتے ھیں جیسے ایک اچھے شہسوار یا اچھے سپہ سالار کے لئے ضروری ھے دیر تک کسی کے زیر فرمان رہ کر اپنے فرائض سیکھے اور جیسا کہ فوج میں ہر عہدے کے لئے کرنا پڑتا ھے ۔ چنانچہ جس کسی نے یہ کہا ھے 'جو کسی کے زیر فرمان نہیں رھا وہ کیا جانے فرمان دھی کیا چیز ھے' خوب کہا ھے ۔ مگر پھر ان دونوں (۱۶) کے فضائل ایک سے تو نہیں ھوسکتے ۔ برعکس اس کے ایک اچھے شہری کے لئے ضروری ھے اس کی ذات میں دونوں قسم کے فضائل جمع ھوں ۔ وہ جانتا ھو آزاد انسان کیسے حکومت کرتے ھیں ، نیز یہ کہ ان پر حکومت کی جاتی ھے تو کیسے جیسا

---

۱۵ - ارسطو کا سیاسی اجتماع ۔ ملاحظہ ھو فصل اول ، باب اول جو آزاد اور ھم رتبہ شہریوں پر مشتمل ھوگا اور جس کی زمام حکومت صحیح معنوں میں مدبر ریاست کے ھاتھ میں رھیگی ۔ اس اجتماع کے لئے آگے چل کر مدنیت کی اصطلاح استعمال کی گئی ھے ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ھو مقدمہ ـــ مترجم

۱۶ - حاکم و محکوم کے ـــ مترجم

کہ ایک اچھے انسان کا فرض ہے (۱۷) ۔ لیکن پھر اگر اس شخص کی فضیلت عدالت اور میانہ روی جس کا کام حکم دینا ہے اس شخص کی عدالت پسندی اور میانہ روی سے مختلف ہے جس کا کام اطاعت کرنا ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ہر اچھے شہری کے فضائل ایک سے نہیں ہوسکتے(۱۸) ۔ مثلاً عدالت ہی کو لیجئے کہ دونوں صورتوں میں اس کی شکل مختلف ہوگی(۱۹) ۔ جیسے مرد کی شجاعت اور اعتدال پسندی عورت کی شجاعت اور اعتدال پسندی سے مختلف ہوتی ہے ۔ اس لئے کہ مرد کی شجاعت کا انداز بھی اگر وہی ہے (۱) جو عورت کی شجاعت کا اور جس سے اس کے حسن و خوبی میں اضافہ ہوتا ہے تو وہ شجاعت نہیں ہوگی بزدلی ہوگی ۔ ہم ایسی عورت کو یا تونی بھی کہا کرتے ہیں جو بات جیت میں اتنی آگے بڑھ جاتی

---

۱۷ - گویا اب یہ مسئلہ کہ ایک اچھا انسان اور اچھا شہری کیا باہم مماثل ہیں پھر ارسطو کے سامنے ہے — مترجم

۱۸ - اس سے پہلے ارسطو کا خیال یہ تھا کہ ایک اچھے انسان کی اچھائی کا صرف ایک ہی پہلو ہے یعنی محض اچھا ہونا - اب معلوم ہوا اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ جیسا بھی موقعہ ہو حکومت یا اطاعت کا دونوں صورتوں میں اچھائی سے کام لے — مترجم

۱۹ - اہل یونان کے نزدیک ایک اچھے انسان اور اچھے شہری کی خوبی یہ تھی کہ اس میں عدالت ، شجاعت ، حکمت اور عفت (اعتدال پسندی، میانہ‌روی جو نتیجہ سے ضبط نفس کا) کے اوصاف جمع ہوں - ارسطو نے یہاں دو کا انتخاب کیا ہے تاکہ اپنا نقطہ نظر واضح کر سکے — مترجم

ہے جتنا کوئی صاحب حیثیت انسان (۲۰) ۔

مرد و زن کی خانگی ذمہ داریاں بھی مختلف ہیں ۔ مرد کا کام ہے روزی کمانا ، عورت کا اس کی دیکھ بھال کرنا ۔ رہے امور سیاست ان کا علم اور انتظام و انصرام سویہ ایک ایسی فضیلت(۲۱) ہے جس کو صرف حاکموں سے مختص سمجھنا چاہئے ۔ ان کے علاوہ جتنے بھی فضائل ہیں حاکم و محکوم دونوں کے لئے ضروری ہیں(۲۲)۔ محکوموں کو ان کی کوئی ضرورت نہیں ۔ ان کا کام ہے اچھے خیالات کی پرورش کرنا ۔ وہ گویا نے ساز ہیں حاکم نے نواز (۲۳)۔ ہماری رائے میں اب اس بحث کو زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں کہ ایک اچھے انسان کے فضائل کیا ہیں اور اچھے شہری کے کیا ،

---

۲۰ - بارکر میں صاحب حیثیت کی بجائے اچھا انسان اور باتونی کی بجائے شرم و حیا - لہٰذا آگے پڑھنے کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی عورت میں اتنی ہی شرم و حیا ہے جتنی کسی اچھے انسان میں تو ظاہر ہے اسے کوئی شخص پسند نہیں کریگا - بالفاظ دیگر عورت کی شرم و حیا مرد کی شرم و حیا سے زیادہ ہونی چاہئے ـــ مترجم

۲۱ - مطلب ہے دور اندیشی Prudence جس کے لئے ملاحظہ ہو حاشیہ ـــ مترجم

۲۲ - یعنی عدالت شجاعت ، عفت ـــ مترجم

۲۳ - یہ مثال تو خوب ہے لیکن محکوموں کو 'نے ساز' کہنا کیسے ٹھیک ہے - انہیں تو 'نے' سے تشبیہ دی جاسکتی تھی - ارسطو کے ذہن میں شاید یہ ہے کہ وہ باتیں جن سے اہل حکومت کی دور اندیشی یا اخلاق حکمت کا پتہ چلتا ہے محکوموں ہی کی بدولت پیدا ہوتی ہیں ـــ مترجم

یکساں یا مختلف ۔ ان میں یکسانی ہے تو کہاں تک ، اختلاف ہے تو کس حد تک ۔ (۲۴)

۲۴ - مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ ایک اچھے انسان اور اچھے شہری کے فضائل کیا ایک سے ہیں یا مختلف - ارسطو نے اس کے جواب میں اول تو یہ کہا کہ ان کے فضائل کا ایک ہونا ناممکن ہے کیونکہ ریاست کی ایک نہیں مختلف قسمیں ہیں اور ہر ریاست کا تقاضا ہے شہری اپنے اندر وہ خوبیاں پیدا کریں جن کی اس کو ضرورت ہے - لیکن پھر اس کے بعد ارسطو یہ کہتا ہے کہ ایک مثالی ریاست میں بھی اگرچہ ضروری نہیں اچھے شہریوں کے فضائل اخلاق وہی ہوں جو اچھے انسانوں کے گو بعض صورتوں میں ایسا بھی ہو سکتا ہے ان میں یکسانی پیدا ہوجائے ، کیونکہ ایک اچھا انسان حکومت اور اطاعت دونوں حالتوں میں اپنی اچھائی کا اظہار کر سکتا ہے وہ حکومت اور اطاعت دونوں کا اہل ہوگا - رہی یہ بات کہ ارسطو کے نزدیک ایک اچھے انسان کی فضیلت ایک ہی ہوگی دو نہیں ہونگی اس کا جواب یہ ہے کہ ارسطو کی رائے میں ایک ہی فضیلت (مثلاً عدالت) کے مختلف خصائص ممکن ہیں - لہٰذا ارسطو نے جو کچھ کہا ہے اس میں کوئی معارضہ نہیں — مترجم

# پانچواں باب

لیکن ابھی ایک اور بات ہے جس کا شہریوں کی بحث میں طے کرنا باقی ہے اور وہ یہ کہ صحیح معنوں میں شہری کیا اسی کو کہا جائے گا جسے حکومت میں کچھ عمل دخل حاصل ہے ، یا یہ کہ کاری گروں کا شمار بھی شہریوں میں کرنا چاہئے(۱) ؟ ۔ اس لئے کہ اگر وہ لوگ بھی شہری ہیں جن کا حکومت میں کوئی دخل نہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سب شہریوں کے فضائل ایک سے ہوں کیونکہ کاریگر بھی تو شہری ہیں لیکن اگر نہیں ہیں تو انہیں کہاں جگہ دی جائے گی ؟ انہیں مسافر کہیں ، اجنبی ٹھرائیں ، یا اگر شہری ہی تسلیم کر لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے ؟ اس سے کوئی دشواری تو پیدا نہیں ہوگی ؟ وہ آزاد ہوں گے ، نہ غلام ۔ در اصل بات یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کا شمار جن کا وجود شہر کے لئے ضروری

---

۱ - اگر شہری کی تعریف یہ ہے کہ عادلہ اور شوری میں حصہ لے سکے تو ایک کاری گر بھی اس کا اہل ہوسکتا ہے ۔ لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکومت سے ارسطو کا مطلب کیا ہے ؟ محدود الفاظ میں حکومت کا مطلب ہے حاکمہ یعنی نفاذ امور جس کے کاری گر اہل نہیں ہوسکتے کیونکہ یہ حاکم کی شان ہے کہ امر و نہی کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے ، نہ کے محکوم کی — مترجم

۲ - یعنی ایسے اجنبی یا غیر ملکی جو کسی ریاست میں آباد ہوں — آجکل کی اصطلاح میں 'غیر' Alien — مترجم

ہے (۳) شہریوں میں نہیں کر سکتے ۔ بعینہ جیسے لڑکوں کو ان معنوں میں شہری نہیں کہا جاتا جن معنوں میں بالغ افراد کو اس لئے کہ پورے پورے شہری تو وہی ہیں ، دوسرے بعض مخصوص شرائط کے ماتحت (۴) ۔ چنانچہ پچھلے زمانے میں بعض قوموں کے یہاں کاری گروں کی حیثیت یا تو اجنبیوں کی ہوتی یا غلاموں کی جیسا کہ اب بھی کہیں کہیں دیکھنے میں (۵) آتا ہے ۔ یوں بھی ایک ایسی ریاست میں جو بہترین اصولوں پر منضبط ہوگی کون گوارا کریگا کہ کاری گروں کو شہریت کا حق دیا جائے ۔ ورنہ جن فضائل کا ذکر اوپر آچکا ہے ان کو ہر شہری اور ہر آزاد انسان سے منسوب کرنا ناممکن ہوجائے گا ۔ یہ فضائل منسوب کئے جاتے ہیں تو ایسے ہی افراد سے جو کوئی غلامانہ خدمت سرانجام نہیں دیتے ۔ اب وہ شخص تو غلام ہے جس سے ہم اپنی ذات کے لئے کام لیتے ہیں ۔ لیکن جو کوئی اس لئے کام کرتا ہے کہ روپیہ کمائے وہ

---

۳ - لیکن جو اس کا جزو و لازم نہیں ۔
ارسطو نے یہاں ان لوگوں میں جو کسی ریاست کا جزو لازم ہیں اور ان میں جو اس کی ہستی کے لئے ناگزیر تفریق کی ہے - اول الذکر تو شہری ہیں اور ریاست کی سرگرمیوں میں عملاً حصہ لیتے ہیں دوسرے اس کا کارکن عنصر ہیں تاکہ ریاست اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکے — مترجم

۴ - جیسا کہ اس فصل کے شروع (پہلے باب) ہی میں صراحت کردی گئی ہے — مترجم

۵ - یعنی بعض ریاستوں میں - اوپر قوموں کا اشارا بھی ریاستوں کی طرف ہے — مترجم

کاری‌گر ہے یا نوکر (٦) للہذا یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ ان کی حیثیت (٧) کیا ہوگی ۔ یوں بھی ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کی مثالیں عام ہیں ۔ (٨) پھر جب اجتماعات (٩) کی شکل بھی ایک نہیں، متعدد ہیں تو شہری بھی طرح طرح کے ہونگے، بالخصوص وہ جو دوسروں کے محکوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی ریاست میں تو کاریگروں اور اجرت پر کام کرنے والوں (١٠) کو شہری تسلیم کرنا ضروری ہو جاتا ہے، دوسری میں نہیں ۔ مثلاً امارت میں تو اعزازات کا دارومدار محض فضائل اخلاق اور مجد و شرف پر ہے اور اس لئے جو کوئی کاری‌گر یا نوکر چاکر کی زندگی بسر کرتا ہے ۔ اس کے لئے کیسے ممکن ہے، فضائل اخلاق کا اکتساب کر سکے ۔ پھر اعیانیت میں بھی تو ملازموں کو شہری تسلیم نہیں کیا جاتا اس لئے کہ وہاں عہدوں کی تقسیم دولت و ثروت کی بنا پر ہوتی ہے ۔ کاری‌گروں کو البتہ تسلم کر لیا جاتا ہے، کیونکہ بعض شہری بڑے امیر کبیر ہوتے ہیں ۔

---

٦ - مطلب یہ ہے کہ غلام افراد کا کام کرتے ہیں - کاری‌گر اور نوکر چاکر (مزدور) قوم کا ـــ مترجم

٧ - باعتبار شہریت ـــ مترجم

٨ - یوں کہ دساتیر حکومت ایک نہیں طرح طرح کے ہیں اور ان میں بھی تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے جس سے شہریت کی بھی ایک نہیں طرح طرح کی شکلیں پیدا ہو گئی ہیں ـــ مترجم

٩ - یعنی شہری اجتماعات یا نظام ہائے مدنیت جو ریاست کی اساس ہیں - مطلب ہے ریاستوں یا بقول بارکر دساتیر حکومت سے جن کی ایک نہیں متعدد قسمیں ہیں ـــ مترجم

١٠ - مزدوروں کو اور آگے چل کر متن میں جہاں کہیں نوکر چاکر ملازم کا لفظ آیا ہے اس کا یہی مطلب ہے ـــ مترجم

ایسے ھی ثیبی میں (۱۱) قانون تھا کہ حکومت میں حصہ ملے گا تو صرف اس شخص کو جو کم از کم دس سال سے کوئی کاروبار نہ کر رھا ہو۔ پھر کتنی ریاستیں ھیں جہاں اجنبیوں کو بھی شہری تسلیم کر لیا جاتا ھے اور کتنی جمہوریتیں ھیں جہاں آزاد عورتوں کے لڑکے شہری ھی سمجھے جاتے ھیں۔ حتیٰ کہ اگر بعض ریاستوں میں ناجائز اولاد کی صورت میں ایسا کیا جاتا ھے تو جائز طور سے پیدا شدہ شہریوں کی کمی کے باعث۔ چنانچہ اس طرح کے قانون صرف اس حالت میں وضع کئے جاتے ھیں جب باشندوں کی تعداد کم ہو جاتی ھے۔ لیکن جہاں ان میں اضافہ ھوا سب سے پہلے غلاموں اور کنیزوں کی اولاد کو اس حق سے محروم کردیا جاتا ھے پھر آزاد عورتوں کے بال بچوں کو (۱۲)۔ لٰهذا بالآخر شہری تسلیم کئے جاتے ھیں تو صرف وہ جو ماں باپ دونوں کی طرف سے آزاد شہریوں کی اولاد ھوں۔

اوپر کے بیان سے بخوبی ظاہر ھو جاتا ھے کہ شہریوں کی ایک نہیں متعدد قسمیں ھیں۔ نیز یہ کہ پورا پورا شہری وھی ھے جو ریاست کے ھر اعزاز میں شریک ھو۔ یہی وجہ ھے کہ ھومر میں اکے لیس شکایت کرتا ھے کہ اگامم‌نن اس سے ایک بے حیثیت

---

۱۱ - جہاں حکومت قائم تھی — مترجم

۱۲ - جن کے شوھر غیروں (عربی میں اجانب) میں سے ھو۔ ملاحظہ ھو حاشیہ ۲ — مترجم

اجنبی کا سلوک کر رہا ہے (۱۳) ۔ اس لئے کہ اجنبی یا مسافر کو اعزازات ریاست میں کوئی حصہ نہیں ملتا (۱۴) ۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں آزاد شہریت کا حق کچھ مبہم سا رکھا جاتا ہے اس میں شہریوں ھی کا مفاد پیش نظر ہوتا ہے (۱۵) ۔ ہمارا خیال ہے سطور بالا سے اس امر کی وضاحت ہوگئی ہوگی کہ ایک اچھے انسان اور اچھے شہری کے فضائل کیا یکساں ھیں یا مختلف ؟ بعض ریاستوں میں تو یہ فضائل بیشک یکساں رھیں گے ، بعض میں مختلف ہونگے ۔ مزید یہ ہے کہ ان کا اطلاق بھی سب شہریوں پر نہیں ہوتا ۔ ہوتا ہے تو صرف ان پر جو تنہا یا دوسروں سے مل کر امور سیاست سرانجام دیتے ، یا ان کو سرانجام دینے کی اہلیت رکھتے ھیں ۔

---

۱۳ ۔ Achilles 'ای لیڈ' کا ھیرو اور Agamemnon 'ای لیڈ' کا کردار جسے ھیلن Helen کی بازیابی کے لئے یونانی عساکر کا سردار مقرر کیا گیا تھا اور جو بالاخر ٹرائے Troy پر حملہ آور ہوا ۔ جب اس لڑائی نے طول کھینچا تو دسویں برس اکےلیس اور اگامم‌نن میں طرح طرح کی کشیدگیاں پیدا ہونے لگیں ۔ ارسطو کا اشارا اسی نزاع کی طرف ہے ۔

اجنبی سے مراد آج کل کی اصطلاح میں غیروں Aliens سے ہے اور عزت کا مطلب ہے عزت اور عہدہ دونوں ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ھیں کہ یونانی اور لاطینی زبانوں کے زیر اثر انگریزوں میں بھی عہدوں کے ساتھ عزت مآبی اور عزت مآبی کے ساتھ عہدہ لازم و ملزوم رہتے ھیں — مترجم

۱۴ ۔ یعنی اس ریاست میں جہاں وہ بطور 'غیر' مقیم ہے — مترجم

۱۵ ۔ سطور زیر نظر میں ارسطو نے گویا اس باب کے مطالب کا لب لباب بیان کردیا ہے اور سطور بالا میں باب چہارم کا ۔ بارکر کے نزدیک ہوسکتا ہے باب پنجم کا یہ حصہ الحاقی ہو — مترجم

# چھٹا باب

اوپر کی باتیں طے ہو گئیں(۱) ۔ آئیے اب یہ دیکھیں حکومت قائم کی جائے تو کیا ایک ہی طرز کی یا یہ کہ اس کی ایک سے زیادہ شکلیں بھی ممکن ہیں ؟ ممکن ہیں تو کتنی اور کس کس طرح کی ؟ نیز ان میں اختلاف ہوگا تو کس حد تک (۲) ؟ اب طرز حکومت (۳) سے تو ہمارا مطلب ہے شہر اور اس کے عہدوں کا نظم و ضبط ، بالخصوص ان عہدوں کا جن کا تعلق اقتدار اعلیٰ سے ہے (۴) اور جو ظاہر ہے ہمیشہ منتظمین (۵) ہی کے ہاتھ میں رہے گا۔

---

۱ - یعنی اب جو یہ امر متحقق ہو گیا کہ شہری کون ہے اور اس کی تعریف کیا — مترجم

۲ - کیونکہ اس سے پہلے (پچھلے پانچ ابواب میں) ارسطو یہ طے کر آیا ہے کہ ریاست کیا ہوتی ہے اور شہریت کیا ۔ لہٰذا اب قدرتاً دستور (حکومت) کا مسئلہ زیر بحث آنا چاہئیے ۔ اس لئے کہ ریاست کے عہدوں اور مناصب کی تقسیم شہریوں ہی میں ہوگی اور جیسے دستور کا فیصلہ ہوگا — مترجم

۳ - مطلب ہے دستور حکومت یا زیادہ وسیع لفظوں میں وہ اصول اجتماع یا نظام مدنیت جس کی بنا پر کوئی دستور حکومت تیار کیا جاتا ہے — مترجم

۴ - دستور حکومت کی مزید (اور زیادہ مبسوط) تعریف کے لئے ملاحظہ ہو فصل چہارم باب اول — مترجم

۵ - یعنی ارباب حل و عقد یا اس بر سراقتدار جماعت کے (انگریزی میں Civic body جو بربنائے تشکیل ریاست اس کے مخصوص اصول اجتماع

(باقی صفحہ ۲۲۷ پر)

مگر پھر انتظام اور عملداری هی تو وہ طرز حکومت ہے جو کسی ریاست میں قائم کیا جاتا ہے ۔ مثلاً جمہوریتوں میں تو یہ اقتدار جمہور کے ہاتھوں میں ہوتا ہے ، اعیانیتوں میں اس کے برعکس معدودے چند افراد بر سر اقتدار آجاتے ہیں اور اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں یہ دونوں طرز حکومت ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۔ کچھ ایسا هی اختلاف دوسری ریاستوں میں ملے گا ۔ لٰہذا آئیے سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ شہر قائم ہوتا ہے تو کس لئے ۔ علیٰ ھذا یہ کہ حکمرانی کی کیا کیا شکلیں ہیں جن کو انسان اپنی حیات اجتماعیہ میں قبول کر لیتا ہے ۔

تدبر منزل اور آقا کے اختیارات کا ذکر کرتے ہوئے ہم اپنے اس رسالے (۶) میں جس کا تعلق اس موضوع سے تھا کہ آئے ہیں کہ انسان کی تخلیق طبعاً معاشرے ہی کے لئے ہوئی اور اس لئے اگر ہم ایک دوسرے کے محتاج نہ بھی ہوں جب بھی ہمارا جی چاہے گا مل جل کر زندگی بسر کریں ۔ پھر ہمارا مفاد بھی اسی میں ہے ، کم از کم اس حد تک کہ اس طرح ہر کوئی خوش بختی کی

---

(بقیہ حاشیہ ۲۲۶ کا).

Polity کی وجہ سے حکومت پر چھا جائے گی ۔ ارسطو کے نزدیک دستور سے مطلب ہے ارباب اقتدار کا نظم و ضبط کیونکہ جیسے جیسے ارباب اقتدار ہونگے ویسا ہی دستور بھی ہوگا ۔ لٰہذا دستور کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ طے کرنا ہے کہ ارباب اقتدار کیسے ہوں — مترجم

۶ ۔ یعنی اسی تصنیف کی فصل اول میں ۔ لفظ 'رسالہ' کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ — مترجم

زندگی بسر کر سکتا ہے (۷) اور خوش بختی ہی بحثیت مجموعی وہ مقصد عظیم ہے جو سب کیا ہر فرد کے سامنے ہے (۸) - گویا یہ محض ذاتی پسند کا معاملہ نہیں (۹) انسان اس لئے بھی جماعت سے وابستگی پیدا کرتا ہے کہ زندگی بسر کر سکے جس میں معلوم ہوتا ہے کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہے (۱۰) - لہٰذا اسے حفظ ذات کے لئے بھی کوئی نہ کوئی سیاسی اجتماع قائم کرنا پڑتا ہے ورنہ اس کی زندگی اجیرن ہو جاتی (۱۱) معلوم ہوتا ہے زندگی کوئی بڑی ہی پیاری اور مرغوب شے ہے ورنہ انسان اس کے لئے طرح طرح کے دکھ درد، مصائب اور آلام کیوں برداشت کرتا (۱۲) اب اگر حکومت کی

---

۷ - یعنی اچھی زندگی جس کی اغایت ہے حصول خیر - ارسطو کے نزدیک بحیثیت ایک اجتماع ریاست کے مقصد دو ہیں - ایک تو اس فطری تقاضے کو پورا کرنا کہ ہم انسان ایک دوسرے سے میل جول پر مائل ہوں - دوسرے ہمارے اس مشترکہ مفاد کی تکمیل جس کی حیثیت محض معاشی نہیں، بلکہ اچھی زندگی کا حصول اور اس لئے ایسے نظامات (مثلاً نظام عدالت) کا قیام ہے جو انسان کے لئے خیر کا موجب ہوتے ہیں - چنانچہ یہ دوسرا مقصد، یعنی حصول خیر ہی ریاست کا سب سے بڑا فریضہ ہے — مترجم

۸ - علیٰ ھذا معاشرے کے — مترجم

۹ - انسان کا جماعت میں زندگی بسر کرنا — مترجم

۱۰ - زندہ رہنے میں — مترجم

۱۱ - یہ سب بدنظمی اور فوضویت کے — مترجم

۱۲ - اس سے پہلے ارسطو نے زندگی میں دو امتیاز قائم کئے تھے - ایک زندگی اجتماعی ہے، ایک خیر کی - اب ارسطو کی نظر محض زندگی پر ہے - خواہ وہ اجتماعی ہو یا انفرادی، خیر یا شر کی - ارسطو کے نزدیک ریاست کا تعلق زندگی کے ان تینوں پہلوؤں سے ہے - وہ حیات اجتماعیہ کا سرچشمہ ہے، حصول خیر میں مساعد اور محض زندگی برقرار رکھنے کا ایک ذریعہ — مترجم

شکلیں مختلف ہیں تو کیا مضائقہ ہے ۔ ان کا بیان کچھ مشکل نہیں ۔ ہم ان کا ذکر اپنے عام (۱۳) مکالمات میں کر آئے ہیں ۔ ہم نے دیکھا تھا آقا کا اقتدار اگرچہ آقا اور غلام دونوں کے لئے مفید ہے لیکن اس کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ آقا کو فائدہ پہنچے ۔ غلام کو جو فائدہ پہنچتا ہے ضمناً پہنچتا ہے ۔ اس لئے کہ اگر غلام کا وجود باقی نہ رہے تو آقا کا اقتدار بھی باقی نہیں رہے گا ۔ رہا بیوی بچوں اور کنبے پر اقتدار کا معاملہ جسے ہم نے عائلی حکومت سے تعبیر کیا ہے سواس کی غایت یا تو ان سب کا فائدہ ہے ، جو اس کے تابع ہیں یا کوئی ایسی بات جس میں سب شریک ہوں ۔ بایں ہمہ اس کا حقیقی مقصود محکوموں ہی کا فائدہ ہے جیسا کہ فنون مثلاً طبیعات (۱۴) ہی سے ظاہر ہو جاتا ہے ، کیونکہ ارباب فن کو ان سے جو فائدہ پہنچتا ہے اتفاقاً پہنچتا ہے ۔ مثال کے طور پر اگر ورزش سکھانے والا خود بھی ورزش میں شریک ہو جائے تو اس میں کوئی امر مانع نہیں ہوگا ۔ چنانچہ ہم ناخدا کا شمار بھی ملاحوں ہی میں کیا کرتے ہیں ، حالانکہ ورزش سکھانے والا ہو ، یا ناخدا دونوں کے پیش نظر انہیں کا مفاد ہوگا جو ان کے زیر فرمان ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ناخدا کو بحثیت ملاح یا ورزش سکھانے والے کو ورزش میں حصہ لینے سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو ارادۃً نہیں پہنچتا ، نہ ان کے اقتدار کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ ایسا ہو ۔ للہذا مدنیتوں میں بھی جو اس

---

۱۳ - متن میں خارجی بالفاظ دیگر 'خارج ازدرس' یعنی ان مکالمات کے برعکس جو درس کے لئے مخصوص تھے اور ارسطو کی درس گاہ لای کیم Lycum کے لئے مرتب کئے جاتے تھے ۔ للہذا 'داخلی' — مترجم

۱۴ - یعنی طب — مترجم

لئے قائم کی جاتی ھیں کہ شہریوں کی مساوات برقرار رہے (۱۵) باری باری سے حکومت کرنا ھی اچھا سمجھا جاتا ھے ۔ ایام گذشتہ میں بھی تو ہر کسی کا یہی خیال تھا کہ اس کے رفقائے شہر باری باری سے لوگوں (۱۶) کی خدمت سرانجام دیں جس سے خود ان کی ذات کے لئے بھی اچھائی کا پہلو نکلے گا ، اس لئے کہ جیسے جیسے انہوں نے اپنے فرائض منصبی ادا کئے ویسے ھی ان سے دوسروں کے لئے اچھائی کا سامان پیدا ھوتا گیا ۔ مگر اب تو یہ حالت ھے کہ جہاں زمام اقتدار کسی کے ھاتھ میں آئی وہ اسے چھوڑنے کا نام ھی نہیں لیتا ، تا کہ امور ریاست کے انتظام انصرام (۱۷) علیٰ ھذا حصول منصب سے اسے جو فائدہ پہنچ رھا ھے ھمیشہ جاری رہے ۔ گویا عہدہ اور منصب کیا ھے ہر دکھ درد کا حکمی علاج اور اس لئے جسے دیکھئے اس کے پیچھے پڑا ھے (۱۸) ۔

لہٰذا منشائے عدالت کے عین مطابق اور حق بجانب اگر کوئی حکومت ھے تو وھی جس کا مقصد خیر عامہ ھے ۔ برعکس اس کے جن کی تاسیس اس لئے ھوئی کہ حاکموں کو فائدہ پہنچے وہ

---

۱۵ - مدنیتیں - تشریح آگے آئیگی - وہ اجتماع جو آزاد انسانوں (احرار) پر مشتمل ھے اور جس میں سب شہری باھم مل کر حکومت کرتے ھیں — مترجم

۱۶ - ریاست یا معاشرے اور اس طرح بالواسطہ افراد کی — مترجم

۱۷ - امور عامہ کا اشارا دراصل املاک عامہ کی طرف ھے ۔ لہٰذا وہ مالی فائدہ جو ان کا انتظام و انصرام اپنے ھاتھ میں رکھنے سے پہنچتا ھے — مترجم

۱۸ - کیونکہ وہ سمجھتا ھے اس کے دکھ درد کا مداوا ھے تو عہدہ اور منصب - لہٰذا اس کی مثال بیماروں کی ھے — مترجم

غلط اصولوں پر مبنی هیں اور اس چیز سے بہت دور کہ دستور حکومت کیا هونا چاهیے ۔ ان کی مثال وهی هے جو غلاموں پر مستبدانہ اقتدار کی ، حالانکہ شہر اجتماع هے آزاد انسانوں کا (۱۹)

---

۱۹ - ارسطو کے نزدیک دستور حکومت کی دو هی نوعیں هیں - ایک صالح دوسری فاسد ، کیونکہ حکومت سے مقصود صرف محکوم کا فائدہ هے اور کچھ نہیں - چنانچہ یہی اصول عدالت هے اور یہی ریاست کی غرض و غایت جیسا کہ ارسطو اوپر بیان کر آیا هے - ریاست کا وجود کسی ایک شخص یا فریق کیلئے مخصوص نہیں - اسکا وجود هے تو سب اهل ریاست کے فائدہ کے لئے - لہذا جو بھی دستور هے یا تو صالح هے جس سے هر فرد ریاست کو فائدہ پہنچتا هے ، یا فاسد جو اس کے برعکس کسی کے لئے فائدے کا موجب هوگا کسی کے لئے نقصان کا ، لہذا بحیثیت مجموعی پوری ریاست کے لئے باعث فساد — مترجم

# ساتواں باب

اب جو یہ تفصیلات طے ہوگئیں تو آئیے یہ دیکھیں حکومتیں ہیں کتنی، ان کی نوعیت کیا ہوتی ہے اور بالخصوص یہ کہ ان کی خوبیاں کیا ہیں؟ اس لئے کہ خوبیوں کا فیصلہ ہوگیا تو ان کی خامیاں خود بخود ہمارے سامنے آجائیں گی۔

یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہر طرز حکومت یا یوں کہئیے کہ طریق عملداری کا اس لئے کہ دونوں کا مفہوم ایک ہے(۱) قدرتاً یہ تقاضا ہوگا کہ ریاست تمام و کمال اسی کے زیر اقتدار ہو۔ اب اقتدار یا تو ایک شخص کے ہاتھ میں ہوگا، یا معدودے چند، یا زیادہ افراد کے جس کا استعمال وہ اگر اس لئے کرتے ہیں کہ خیر عامہ کو فروغ ہو تو کہا جائے گا کہ ریاست کا نظم و نسق اچھا ہے، اگر معدودے چند، یا زیادہ افراد کی خاطر تاکہ زمام اقتدار ان کے ہاتھ میں رہے تو برا(۲)۔ اس لئے کہ یا تو ہم ان سب لوگوں کو جو کسی اجتماع کی تشکیل میں حصہ لیتے ہیں(۳) شہری تسلیم کرنے سے انکار کردیں گے، یا پھر ضروری ہے انہیں حکومت میں حصہ

---

۱ - ملاحظہ ہو حاشیہ ۵، باب ماسبق — مترجم

۲ - اچھی سے مطلب ہے دستور حکومت کا اچھا اور بری سے اس کا برا ہونا، کیونکہ دستور دو قسم کے ہوتے ہیں صالح اور فاسد - ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۸، باب ماسبق — مترجم

۳ - یعنی ریاست یا باصطلاح ارسطو اجتماع مدنی کی — مترجم

دیا جائے(۴) ۔ اب جس ریاست میں کوئی فرد واحد خیر عامه کے لئے حکومت کرتا ہے اسے تو عام طور پر بادشاهت هی سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ ایک سے زیادہ ، لیکن معدودے چند افراد حکومت کریں تو امارت سے یا تو اس لئے که حکومت کی باگ ڈور قابل ترین شهریوں کے هاتھ میں هوگی ، یا اس لئے که شهر اور اس کے باشندوں کی بہتری هی اسی میں ہے(۵) ۔ رهی وه ریاست جس کو هم مدنیت کہتے هیں(۶) سو یه اس وقت قائم هوتی ہے جب سارے شهری یه خیال خیر عامه مل کر حکومت کریں ۔ چنانچه یہی اس قسم کی سب حکومتوں کا مشترکه نام ہے(۷) ۔ پھر عقل بھی ان امتیازات کو تسلیم کرتی ہے(۸) ، کیونکه یه بات تو کچھ ایسی مشکل نہیں که فرد واحد ، یا معدودے چند افراد کے اندر نمایاں قابلیتیں موجود هوں ۔ لیکن

---

۴ - باعتبار غایت ریاست کا دستور فاسد هوگا یا صالح - باعتبار اقتدار ریاست یا تو بادشاهت هوگی یا امارت ، یا مدنیت جس کی تشریح آگے آئے گی بشرطیکه دستور حکومت صالح هو - فاسد هوگا تو باعتبار ارباب اقتدار ریاست کی تین شکلیں هیں استبدادیت ، اعیانیت ، جمهوریت اور اس لئے آگے چل کر ارباب اقتدار کی یہی تین جماعتیں (مستبدین ، اعیان اور جمهور) تین طبقات کی شکل اختیار کرلینگی — مترجم

۵ - مطلب یه ہے که امارت هی ریاست کی بہترین شکل ہے اور اس لئے اهل ریاست کا بہترین مفاد امارت هی سے وابسته ہے — مترجم

۶ - اس اصطلاح اور ارسطو کی لغت میں اس کے مخصوص استعمال کے لئے ملاحظه هو مقدمه - مختصر تعریف اسی جملے میں موجود ہے — مترجم

۷ - یعنی مدنیت — مترجم

۸ - باعتبار غایت اور باعتبار ارباب اقتدار - ملاحظه هو حاشیه ۴ — مترجم

یہ بات کہ سواد اعظم بھی ہر قسم کے فضائل سے متصف ہو سرے سے محال ہے ۔ البتہ ایک صفت ہے جو سارے اجتماع میں موجود ہوگی ، یعنی دلیری(۹) کیونکہ اس کا انحصار تعداد پر ہے اور تعداد ہی کے سہارے اسے برقرار بھی رکھا جاسکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی ریاستوں میں(۱۰) سررشتۂ اقتدار انہیں لوگوں کے ہاتھ میں رہتا ہے جن کا پیشہ ہے سپاہ گری ۔

اب ذرا حکومت کی خرابیوں پر بھی نظر ڈال لیجئے ۔ بادشاہت بگڑ گئی تو استبدادیت کی شکل اختیار کرلیگی ۔ امارت اعیانیت اور مدنیت جمہوریت کی ۔ استبداد وہ طرز بادشاہت ہے جس میں حکومت کے پیش نظر صرف فرد واحد کا مفاد ہوتا ہے اعیانیت میں اہل دولت اور ثروت کا (۱۲) ۔ جمہوریت میں غریبوں کا ۔ مفاد عامہ کا ان میں کسی کو خیال نہیں ہوتا ۔

---

۹ - مطلب ظاہر ہے صفت جنگ جوئی اور عوام میں یہ صفت عام ہے — مترجم

۱۰ - جن کو مدنیت سے تعبیر کیا جاتا ہے — مترجم

۱۱ - گویا ایسی ریاستوں میں فوج ہی حکومت پر چھا جاتی ہے — مترجم

۱۲ - ملاحظہ ہو حاشیہ ۴ - ارسطو نے باعتبار اقتدار ریاست کی باگ ڈور فرد واحد ، معدودے چند افراد ، یا جمہور کے ہاتھ میں دی تھی - لیکن اب یہی ارباب اقتدار تین مختلف طبقات کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور اس لئے ہم کہیں گے استبداد مستبدین کی حکومت ہے ، اعیانیت اہل دولت اور جمہوریت عامۃ الناس کی جیسے ہم یہ کہتے کہ اعیانیت دولت کی حکومت ہے ، یعنی دولت مند طبقے کی اور اس لئے اعیانیت کو دراصل Plutocracy سے تعبیر کرنا چاہئے نہ کہ چند دولت مند افراد کی حکومت سے — مترجم

# آٹھواں باب

لیکن ابھی ان ریاستوں کی حقیقی نوعیت پر زیادہ تفصیل سے نظر ڈالنے کی ضرورت ہے(۱) اور یہ کوئی آسان کام نہیں ۔ اس لئے کہ ان کی بنا جن اصول و قواعد پر ہے ان کی تحقیق اگر فلسفیانہ نقطہ نظر سے کی گئی تو صرف اتنا ہی کافی نہیں ہوگا کہ ان کی ظاہری شکل اور ہیئت کو دیکھتے ہوئے چند سطحی خیالات قائم کر لئے جائیں(۲) ۔ ہمیں ان کے سب پہلوؤں کو سامنے رکھنا پڑے گا تا کہ ان کی غرض و غایت تمام و کمال واضح ہو سکے ۔ اب استبداد تو جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں پادشاہت کی وہ شکل ہے جس میں فرد واحد کو پوری قوم بلکہ ہر شخص پر مطلقاً اور جابرانہ اقتدار حاصل ہوتا ہے ۔ اعیانیت میں یہ اقتدار دولتمندوں کے ہاتھ میں آجاتا ہے ۔ جمہوریت میں اس کے برعکس ان لوگوں کے جن میں سرے سے کوئی خوبی نہیں ہوتی اور ہوتی ہے تو بہت کم(۳) ۔ لیکن ان امتیازات میں جو ہم نے قائم کئے ہیں پہلی مشکل یہ ہے

---

۱ - تاکہ ان کے یہاں جو دستور حکومت نافذ ہیں ان کی حقیقی نوعیت متعین ہوجائے ۔ یاد رکھنا چاہئیے ارسطو کے نزدیک دستور کا سب سے بڑا کام ارباب اقتدار کا مسئلہ طے کرنا ہے اور اس لئے اب جو بحث کی جارہی ہے اسی نقطہ نظر سے کی جارہی ہے — مترجم

۲ - مطلب ہے عملی پہلو کے پیش نظر — مترجم

۳ - یعنی وجاہت ذات اور زر و دولت ، اس لئے کہ جمہور کم حیثیت او، نادار ہوتے ہیں — مترجم

که اگر باشندوں(۴) کی وہ اکثریت جس کے ھاتھ میں(۵) جیسا کہ جمہوریت کا تقاضا ھے ریاست کا اقتدار ھے دولت مندوں کی ھے تو اس صورت حالات اور جو کچھ ھم اوپر کہ آئے ھیں اس میں تطابق کیسے پیدا ھوگا ؟ ایسے ھی اگر غریب امیروں کی نسبت اقلیت میں ھوں مگر قابلیت میں زیادہ اور اقتدار اعلیٰ حاصل کرلیں تو جب بھی اسی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ یہ حکومت کی وہ شکل ھے جسے اعیانیت سے تعبیر کیا جاتا ھے(۶) ۔ گویا ان مشکلات کا خیال کیجئے تو کچھ ایسا معلوم ھوتا ھے جیسے ھم نے ریاستوں کی جو تعریف کی تھی غلط تھی ۔ اس لئے کہ کون تسلیم کرے گا کہ اگر غریب تعداد میں زیادہ ھوں ، اور امیر کم جب بھی ریاست کی تعریف ان لفظوں میں کرنی چاھئے کہ اعیانیت وہ طرز حکومت ھے جس میں اقتدار اعلی کا رشتہ دولت مندوں کے ھاتھ میں رھتا ھے ، کیونکہ ان کی تعداد کم ھوتی ھے اور جمہوریت وہ جس میں غریبوں کے ھاتھ ۔ اس لئے کہ ان کی تعداد زیادہ ھوتی ھے لیکن جسے تسلیم کر لیا گیا تو ایک اور مشکل رونما ھوجائیگی اور وہ یہ کہ

---

۴ - یعنی شہریوں کی — مترجم

۵ - اس لئے کہ جمہوریت سے مراد اگر جمہور یعنی اکثریت کی حکومت ھے تو اس ایسا بھی ھوسکتا ھے کہ کسی ریاست میں جمہور ' یا اکثریت دولتمندوں کی ھو — مترجم

۶ - اس لئے کہ دولت مند طبقہ برسر اقتدار ھوا تو حکومت اعیانیت کی شکل اختیار کر لے گی حالانکہ اعیانیت کی تعریف یہ ھے کہ قلت حکومت کرے کیونکہ عام طور پر اھل دولت قلیل ھی ھوا کرتے ھیں — مترجم

ملاحظہ ھو حاشیہ ماسبق ـ مترجم

اس صورت میں ہم ان ریاستوں کے لئے کیا نام تجویز کریں گے جن کا ابھی ذکر کیا جارہا تھا ۔ یعنی وہ جہاں دولت مندوں کی اکثریت ہے ، علیٰ ہذا وہ جہاں غریب اقلیت میں ہیں ، لہٰذا اقتدار اعلیٰ ان کے ہاتھ میں رہے گا ، یا ان کے(۷) اور جن کے علاوہ ریاست کی اور کوئی شکل نہیں ۔ لہٰذا عقل تو یہی کہتی ہے کہ اقتدار اعلیٰ بہتوں کے ہاتھ میں رہے ، یا تھوڑوں کے یہ ایک اتفاقی امر ہے ۔ جو امر متحقق ہے وہ یہ کہ تھوڑوں کے ہاتھ میں رہے گا تو حکومت دولت مندوں کی ہوگی ، بہتوں کے تو غریبوں کی ۔ یوں بھی دنیا میں جہاں کہیں دیکھئے غریب زیادہ ہیں ، امیر کم ۔ لہٰذا اس امتیاز کی حقیقی علت وہ نہیں جسے ہم نے اوپر بیان کیا تھا (کہ جو لوگ بر سر اقتدار ہیں ان کی تعداد کیا ہے) اور جس کی بنا پر ان دونوں قسم کی حکومتوں میں فرق کیا جاتا ہے ۔ اس لئے کہ اعیانیت اور جمہوریت میں اختلاف ہے تو بر سر اقتدار طبقے کی ناداری یا اس کی دولت مندی کا ، تعداد کا نہیں(۹) ۔ دولت مند بر سر اقتدار ہوں گے تو حکومت کی شکل اعیانی ہوجاتی ہے ، غریب اقتدار حاصل کر لیں تو جمہوری ، لیکن جیسا کہ ہم ابھی کہہ آئے ہیں ایک(۱۰) کی تعداد ہمیشہ کم رہے گی ، دوسرے کی

---

۷ - یعنی امیروں یا غریبوں کے - غریبوں کے ہاتھ میں ہے تو اسے جمہوریت کہنا چاہئے مگر ہوگی یہ اعیانیت اور امیروں کے تو کہا جائے گا اعیانیت لیکن ہوگی یہ جمہوریت ، کیونکہ جمہوریت میں عنان حکومت کثرت کے ہاتھ میں رہتی ہے اعیانیت میں قلت کے — مترجم

۸ - اعیانیت اور جمہوریت میں — مترجم

۹ - کیونکہ یہ درحقیقت طبقات کا اختلاف ہے یا یوں کہئے کہ اس طرح طبقات کا وجود خود بخود معرض ظہور میں آجاتا ہے — مترجم

۱۰ - دولت مندوں کی — مترجم

زیادہ ۔ البتہ آزاد دونوں ہوں گے(۱۱) ۔ لیکن پھر دولت اور آزادی ہی وہ مسئلہ ہے جس کی بنا پر دونوں میں آئے دن یہ نزاع پیدا ہوتا رہے گا کہ امور ریاست میں غلبہ اور تفوق حاصل رہے تو کس کو (۱۲) ۔

---

۱۱ - یعنی 'حر' — مترجم

۱۲ - 'اخلاقیات' اور 'خطابت' میں بھی ارسطو نے دستور ہائے حکومت کی تقسیم مختلف اصناف میں کی ہے جن کا مطالعہ خالی از فائدہ نہ ہوگا — مترجم

# نواں باب

لٰہذا آئیے سب سے پہلے اس امر کی تعیین کر لی جائے کہ اعیانیت اور جمہوریت کی مناسب حدود کیا ہیں ۔ علیٰ ھذا یہ کہ ان میں کون سی باتیں قرین عدل و انصاف ہیں ۔ اس لئے کہ عدل و انصاف وہ چیز ہے جس کا انسان بالطبع خواہش مند ہے (۱) ۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک خاص حد تک وہ اس میں آگے نہیں بڑھتا ۔ پھر اس امر پر بھی کہ عدل مطلقاً کیا ہے سب کا اتفاق نہیں ۔ مثلاً کبھی تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے عدل عبارت ہے مساوات سے اور یہ بات ہے بھی ٹھیک ، گو سب کے لئے نہیں ، بلکہ صرف ان کے لئے جو باہم مساوی ہیں (۲) ۔ کبھی یہ کہ عدم مساوات ہی عدل ہے ، لیکن اس صورت میں جب لوگ باہم مساوی نہ ہوں (۳) اور یہ ذرا

---

۱ - لیکن جمہوریت اور اعیانیت میں عدالت کا انداز اس لئے مختلف ہوجاتا ہے کہ ان کی بنیاد طبقاتی امتیاز پر رکھی جاتی ہے اور اس امتیاز کا تقاضا یہ ہے کہ ہر طبقہ اپنی ذات کو دوسروں پر مقدم رکھے ۔ لٰہذا جمہوریتوں اور اعیانیتوں کا عمل تفریقی عدالت پر ہے کیونکہ یہ حکومتیں لوگوں میں تفریق پیدا کرتے ہوئے عہدوں اور مناصب کی تقسیم صرف اپنے طبقے کے لئے مخصوص کرلیتی ہیں ۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۵ — مترجم

۲ - اس لئے کہ جمہوریتوں کا زور مساوات پر ہے اور ارسطو کو اس سے اتفاق ہے کہ مساوات ہی تقاضائے عدل ہے لیکن صرف اس صورت میں جب سب مساوی ہوں — مترجم

۳ - اعیانیتوں کی طرف اشارا ہے جن کا عمل عدم مساوات پر ہے اور اس لئے ان میں عدم مساوات ہی تقاضائے عدل ہے — مترجم

سی بات ہے جسے اکثر نظر انداز کر دیا جاتا ہے ۔ لہٰذا اس طرح جو حکم لگایا جانا ہے غلط ہوتا ہے اس لئے کہ لوگ حکم لگاتے ہیں تو اپنی ذات کے لئے ، لیکن اپنی ذات کے لئے حکم لگایا جائے تو غلط ہی لگایا جاتا ہے کیونکہ عدل کا تعلق بھی اشخاص ہی سے ہے اور اس لئے اشخاص کے درمیان بھی وہی امتیازات قائم کرنا چاہئے جو اشیا کے جیسا کہ ہم اخلاقیات میں بیان کر آئے ہیں (۴) ۔

اب جہاں تک اشیا میں مساوات کا تعلق ہے اس پر تو ہر کوئی متفق ہے ۔ متفق نہیں تو اشخاص میں مساوات پر (۵) جس کی زیادہ‌تر وجہ پھر وہی ہے جس کی طرف ہم نے ابھی اشارا کیا تھا اور وہ یہ کہ جو لوگ اپنی ذات کے لئے حکم لگاتے ہیں ہمیشہ غلطیوں کے مرتکب ہوجاتے ہیں ۔ ان میں ہر فریق یہی سمجھتا ہے کہ جس کسی

---

۴ - فصل پنجم باب سوم ــ مترجم

۵ - ارسطو مطلق عدالت کی بجائے تفریقی عدالت کا قائل ہے اور اس کی بنیاد متناسب مساوات پر رکھتا ہے - مختصراً اس نظریے کو یوں سمجھئے کہ زید اور بکر دونوں نے اپنی اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے ریاست کے سود و بہبود میں حصہ لیا ہے - لہٰذا جیسی جیسی ان کی خدمات ہیں ویسے ہی انہیں ریاست کے اعزازات اور مناصب میں حصہ ملنا چاہئے - اگر ان کی خدمات اور صلاحیتیں مساوی ہیں تو یہ حصہ بھی مساوی ہوگا - اگر غیر مساوی ہیں تو غیر مساوی ۔ لیکن دونوں صورتوں میں عمل چونکہ متناسب مساوات کے اصول پر ہوگا اس لئے جو تناسب زید کی ذاتی صلاحیتوں اور اس کے حاصل شدہ اعزازات میں ہے وہی بکر کی صلاحیتوں اور اعزازات میں ہوگا ــ مترجم

نے ایک بات میں عدل و انصاف کا تقاضا پورا کر دیا اس نے گویا ہر بات میں اس کا لحاظ رکھا ۔ مثلاً اگر کچھ لوگ دولت میں غیر مساوی ھیں تو یہ سمجھ لیا جاتا ھے کہ وہ ھر بات میں غیر مساوی ھیں ۔ یا فرض کیجے انہیں آزادی میں مساوات حاصل ھے (٦) تو یہ سمجھا جائے گا انہیں ھر بات میں مساوی تصور کرنا چاھئے ۔ رھا یہ امر کہ مطلقاً عدل کا تقاضا کیا ھے اسے سب نظر انداز کر دیتے ھیں ۔ اس لئے کہ ایک سیاسی اجتماع سے مقصود اگر صرف املاک کا تحفظ اور ازدیاد ھے تو جتنی کسی کے پاس دولت ھوگی اتنا ھی اس کا شہر میں عمل دخل بھی زیادہ ھوگا ۔ اور یہ وہ بات ھے جسے مان لیا جائے تو جو لوگ اعیانیت کی حمایت کرتے ھیں ان کا استدلال حق بجانب ٹھریگا ۔ اس لئے کہ جس کسی نے صرف ایک مینا ادا کیا ھے اس کا حصہ سو کے برابر کیسے ھوگا ، جبکہ باقی رقم دوسرے نے لگائی ھے خواہ اس کا تعلق اصل سے ھو ، خواہ اس سے جو اس نے اس طرح کمایا (۷) ۔

یوں بھی کوئی سیاسی اجتماع ھو اس کی بنیاد محض اس لئے تو رکھی نہیں جاتی کہ اس میں حصہ لینے والے اپنی زندگی برقرار رکھ سکیں ، بلکہ اس لئے کہ اچھی زندگی بسر کریں ، ورنہ بصورت دیگر

---

٦ - یعنی اگر سب کے سب آزاد شہری ھیں (حر) ، غلام نہیں — مترجم

۷ - یہ عبارت قدرے مغلق ھے - در اصل حامیان جمہوریت اور اعیانیت کا باھمی نزاع ارسطو اس طرح واضح کر رھا ھے کہ اگر کسی شخص نے سو پاونڈ کی رقم میں صرف ایک پاونڈ لگایا ھے تو وہ اس شخص کے ساتھ برابر کا شریک کیسے ھوسکتا ھے جس نے باقی ننانوے پاونڈ لگائے ھیں - لہٰذا یہ کیسے ممکن ھے کہ جمہور اھل دولت کے ساتھ اعزازات ریاست میں برابر کے شریک رھیں — مترجم

یہ بھی تو ممکن تھا کہ ریاست صرف غلاموں یا حیوانوں پر مشتمل ہوتی ۔ حالانکہ ایسا ہونا ناممکن ہے ، کیونکہ غلام ہوں ، یا حیوان دونوں کے لئے ناممکن ہے اس کی خوش بختی میں حصہ لے سکیں (۸) ، یا اپنی پسند کی زندگی بسر کریں ۔ نہ ان کے اجتماع کو اس اتحاد سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کو ضرر سے محفوظ رکھا جائے ، یا یہ کہ تجارتی روابط قائم ہوں ۔ اس صورت میں تو ٹائرینی(۹) اور قرطاجنی، حتیٰ کہ وہ سب قومیں جن کے درمیان تجارتی معاہدے قائم ہیں ایک ہی شہر کے شہری تصور کئے جائیں گے ۔ اس لئے کہ ان کے یہاں اس قسم کے قواعد و ضوابط (۱۰) موجود ہیں جن کی رو سے انہوں نے اپنی اشیائے درآمد و برآمد کا سلسلہ منضبط کر رکھا ہے ۔ علیٰ ھذا وہ معاہدے جن کا تعلق باھمی تحفظ سے ہے ۔ نیز ایسے مواثیق جن کے ماتحت انہیں ایک دوسرے کا دفاع لازم آتا ہے ۔ بایں ھمہ نہ ان سب

---

۸ - یعنی وہ سعادت جس کا سرچشمہ ریاست ہے ۔ انگریزی زبان میں جس یونانی لفظ کا ترجمہ Happiness کیا جاتا ہے وہ اس کا ٹھیک ٹھیک مترادف نہیں ، نہ اردو میں لطف و مسرت سے اس کا صحیح مفہوم ادا ہوتا ہے ۔ اس کا مترادف ہے سعادت جسے بطور اصطلاح اردو میں بھی اختیار کر لینا چاھئے — مترجم

۹ - Tyrrhenians یا Etruscans پہلا نام یونانی ہے ۔ دوسرا لاطینی ۔ Tyrrhenia یا Etruria وسطی ایطالیہ کا وہ خطہ جس کے باشندے خود اپنے آپ کو رسینا Rasena کہتے تھے — مترجم

۱۰ - یعنی معاھدے — مترجم

کے حاکم مشترک ہیں (۱۱) ، نہ ان میں کسی کو یہ فکر کہ دوسروں کی اخلاقی حالت کیسی ہے ، جیسی ہونی چاہیئے کیا ویسی (۱۲) ؟ یا یہ کہ جن لوگوں نے اس طرح کی مفاہمت قائم کر رکھی ہے وہ ظلم تو نہیں کرتے (۱۳) ۔ ان میں کوئی برائی تو نہیں بجز اس کے کہ حلفاً ایک دوسرے کو ضرر پہنچانے سے باز رہیں ۔ اب اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ ریاست میں صرف اچھے قوانین نافذ رہیں تو اس کی توجہ لازماً اس بات پر ہوگی کہ اس کا وجود جن افراد پر مشتمل ہے ان کے فضائل کیا ہیں اور رذائل کیا ۔ للہذا جب کبھی کسی شہر کی بنیاد ڈالی جائے اور ہم چاہتے ہوں وہ صرف نام کا شہر نہ ہو ، ہم اسے حقیقی معنوں میں شہر کہ سکیں تو ضروری ہے کہ اس کے سب شہری فضائل اخلاق سے بہرہ ور ہوں ۔ ورنہ ایسا شہر شہر نہیں ہوگا بلکہ محض ایک معاہدہ اور وہ بھی صرف دفاع

---

۱۱ - اس لئے کہ ان کے معاملات کا انتظام و انصرام ان کے اپنے ہاتھ میں ہوتا ہے جیسا کہ ہر آزاد اور خود مختار حکومت کا قاعدہ ہے ۔ یہ نہیں کہ معاہدات کے باعث ان ریاستوں نے ایک ریاست کی شکل اختیار کرلی ہو — مترجم

۱۲ - کیونکہ ارسطو کے نزدیک ریاست کی غرض و غایت یہ بھی ہے کہ اہل ریاست کے لئے حسن سیرت اور خوبی کردار کا ذریعہ بنے ۔ اس کا وجود ہے تو خیر کی زندگی کے لئے ۔ للہذا اس کے قوانین ایسے ہونا چاہئیں جن سے لوگوں میں صفات خیر کی پرورش ہو — مترجم

۱۳ - جو عدل کی ضد ہے اور اس لئے خیر اور نیکوکاری کے خلاف ۔ دراصل ارسطو کی نظر یہاں محض عدالت پر نہیں ، بلکہ عدالت کے ساتھ ساتھ خیر اور پاک بازی پر بھی — مترجم

ذات کے لئے (۱۴) یعنی اس قسم کے دوسرے معاهدوں سے جن میں طرح طرح کے لوگ شامل هو جایا کرتے هیں صرف مقامی اعتبار سے مختلف (۱۵) ۔ اس لئے که جب قانون میں یه صلاحیت نہیں که شہریوں کے اندر صفات عدالت اور خیر کی پرورش کر سکے (۱۶) تو بقول لائی کوفرون (۱۷) اس کی حیثیت محض ایک مفاهمت ، یا میثاق کی رہ جائے گی اور مقصد یه که هم ایک دوسرے سے عدل و انصاف کا سلوک کر سکیں (۱۸) ۔ بہر حال هم جو کچھ کہہ رہے هیں واضع طور پر کہہ رہے هیں (۱۹) ۔ اس لئے که فرض کیجئے چند

---

۱۴ - جیسا که بالعموم قاعده تھا اور جس سے وقتاً فوقتاً مختلف محالفوں کی بنا پڑی — مترجم

۱۵ - کیونکه ان سب کا تعلق ایک هی مقام سے هوگا - ورنه یه معاهدات دراصل ان لوگوں میں هوا کرتے هیں جن کا قیام منتشر مقامات پر هو - یعنی عام معنوں میں مختلف شہریوں میں — مترجم

۱۶ - اس لئے که ارسطو اور (اهل یونان کے نزدیک بالعموم) قانون کی غایت تھی اخلاق عالیه کی تربیت ۔ ملاحظه هو مقدمه — مترجم

۱۷ - Lycophron ایک غیر معروف سوفسطائی - اس نام کا ایک شاعر بھی گذرا هے مگر اس کا زمانه ارسطو سے متاخر هے — مترجم

۱۸ - یعنی قانون ایک دوسرے کے خلاف ان کے حقوق کا ضامن ٹھہرے — مترجم

۱۹ - اور جس کا ذکر ایک طرح سے پانچویں باب میں آچکا هے - بات یه هے که ارسطو کے نزدیک ریاست کی تشکیل کا حقیقی سبب نه تو محض وحدت مقام هے ، نه سلسله ازدواج و مناکحت ، نه دفاع یا تجارت ، یا باهمی رسم و راه کے معاهدایت ، بلکه ایسی زندگی کا نشوونما جس کی بنا خیر پر هو - خیر هی اس کی ابتدا هے اور خیر هی انتہا - پھر خیر کی زندگی ریاست هی کے وجود سے وابسته هے — مترجم

ایک مقامات باہم جمع ہو جائیں ، مثلاً مگارا اور کارنتھ کے اردگرد ایک دیوار کھینچ دی جاتی ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ ایک شہر بن گئے ؟ ایسا تو جب بھی نہیں ہوتا جب ان کے باشندے ایک دوسرے سے شادی بیاہ کا رشتہ جوڑتے ، حالانکہ شادی بیاہ کا اس میں بڑا دخل ہے کہ کوئی مقام رفتہ رفتہ شہر کی صورت اختیار کرلے (۲۰) ۔ یوں بھی کیسے فرض کیا جا سکتا ہے کہ کچھ لوگ رہتے تو ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہوں ، لیکن اتنے قریب کہ ان میں باہم راہ و رسم بھی ہو اور ایسے قوانین (۲۱) بھی کہ وہ ایک دوسرے کو گزند نہ پہنچائیں ۔ مثلاً یوں کہ ان میں کوئی تو بڑھئی ہے ، کوئی شکاری کوئی موچی اور پھر یہ کہ ان کی تعداد بھی دس ہزار ہے ، لیکن اس کے باوجود ان میں کوئی چیز مشترک نہیں ۔ ہے تو صرف یہ کہ امور تجارت میں لین دین کی شرح کیا ہوگی ، یا باہمی دفاع کے لئے کوئی معاہدہ ، لیکن ابھی تک وہ ایک شہر نہیں بنے محض اس لئے کہ ان کا ربط و ضبط شہریت کے مرحلے پر نہیں پہنچا ، کیونکہ اس طرح کے بکھرے ہوئے لوگ اگر کسی ایک مقام پر جمع بھی ہو جائیں اور اس کے باوجود اپنے اپنے گھروں میں الگ تھلگ زندگی بسر کرتے رہیں جیسے اس سے پہلے کسی دوسری جگہ کر رہے تھے تو اس قسم کے معاہدات کے ہوتے ہوئے بھی کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور اس امر کا خیال بھی رکھیں گے کہ کسی کو کسی سے گزند نہ پہنچے کوئی صحیح الفکر انسان انہیں کہہ سکے گا کہ وہ ایک شہر بن

---

۲۰ - جیسا کہ فصل اول میں بیان ہو چکا ہے - ملاحظہ ہو باب دوم — مترجم

۲۱ - یعنی معاہدات — مترجم

گئے ھیں - اس لئے کہ باھم ملکر بھی وہ اسی رسم و رواج پر چل رہے ھیں جس پر اس وقت چل رہے تھے جب ابھی ان کا رھنا سہنا ایک دوسرے سے الگ تھا (۲۲) -

لہٰذا ثابت ھوا شہر سے مقصود صرف اشتراک مقام نہیں ، نہ اسے باھمی تحفظ یا کاروبار میں لین دین کے لئے قائم کیا جاتا ھے - یہ سب باتیں تو شہر کی تشکیل کے ساتھ خود بخود وجود میں آ جاتی ھیں - گو ان کا وجود اس صورت میں بھی ممکن ھے جب ابھی شہر کا قیام عمل میں نہ آیا ھو ، کیونکہ شہر عبارت ھے ان لوگوں کے اجتماع سے جو اپنے گھر بار اور بال بچوں سمیت اس لئے مل جل کر رھتے ھیں کہ حتی الوسع خوش بختی اور آزادی کی زندگی بسر کریں (۲۳) مگر اس کا تو جب ھی امکان ھے کہ ان کا رھنا سہنا ایک ھی جگہ میں ھو اور وہ باھم رشتہ ازدواج بھی قائم کرلیں (۲۴) - چنانچہ ھم دیکھتے ھیں جو بھی شہر ھے اس میں ایک دوسرے سے ربط و ضبط ، انجمنوں اور قربانیوں (۲۵) اور

---

۲۲ - اس لئے کہ بنائے شہر (اجتماع مدنی ، ریاست) ھے حصول خیر کے لئے مشترک اجتماعی زندگی — مترجم

۲۳ - ملاحظہ ھو فصل اول باب دوم - (خوش بختی ، یعنی سعادت) - خیر کی زندگی سے مطلب ھے آسودگی اور کفایت ذات کی زندگی — مترجم

۲۴ - گویا ریاست کے عوامل میں اگرچہ یکجائی (اشتراک مقامی) اور قرابت بھی شامل ھے لیکن اس کا حقیقی محرک ھماری یہ خواھش ھے کہ حصول خیر کے لئے ایک دوسرے کے شریک ھو جائیں اور اس طرح اجتماعی طور پر خیر کی زندگی کے لئے ایک ھئیت مدنی قائم کریں - لہٰذا شہر (ریاست) بنیگا تو ایسے ھی اجتماع سے — مترجم

۲۵ - یعنی مذھبی مراسم جن میں سب سے بڑا حصہ دیوتاوں کے حضور قربانیوں کا ھوتا ھے — مترجم

گھروں سے باھر تفریحات کا سلسلہ برابر جاری رھتا ھے تاکہ اھل شہر میں جذبات دوستی اور مودت کو تحریک ھو۔ اس لئے کہ دوستی ھی میں فی‌الحقیقت اجتماع اور اتحاد کا راز مضمر ھے اور یہی مقصد ھے جس کے پیش نظر شہر کی تشکیل ھوتی ھے تاکہ انہیں خوش بختی نصیب ھو اور جس میں ان سب باتوں سے انہیں مدد ملتی ھے ۔ اس لئے کہ شہر کنبوں اور گاؤوں ھی کا تو اجتماع ھے جو اس لئے قائم ھوتا ھے کہ ھر طرح سے آزادی کی زندگی بسر کی جا سکے (۲٦) ، یا جیسا کہ ھم کہہ آئے ھیں اس لئے کہ آسودگی اور خوش بختی میسر آئے۔ گویا اس کی بنا صرف مل جل کر رھنے کے لئے نہیں رکھی جاتی ، بلکہ اس طرح رھنے کے لئے جیسے فی‌الواقعہ رھنا چاھئے ۔ یہی وجہ ھے کہ جو لوگ جس حد تک اس مقصد کی تکمیل میں حصہ لیتے ھیں اتنا ھی حق رکھتے ھیں کہ شہر کے اقتدار میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں ، بہ نسبت ان کے جو حسب و نسب یا حریت ذات (۲۷) میں اگرچہ ان کے ھم مرتبہ ھیں ، لیکن فضائل مدنیت میں فروتر ، یا ان کے جو دولت و ثروت میں تو ان سے کہیں آگے ھوں مگر قابلیت میں پیچھے (۲۸) ۔ ھماری

---

۲٦ - ملاحظہ ھو فصل اول باب دوم ۔ کمل و مکمل کا اشارا پھر اس طرف ھے کہ شہر کا سیاسی اور معاشی ھر اعتبار سے کافی بالذات ھونا ضروری ھے — مترجم

۲۷ - یعنی بحیثیت آزاد شہریوں (احرار) کے — مترجم

۲۸ اس لئے کہ ارسطو کے نزدیک تفریقی عدالت کا حقیقی معیار اچھے کام (اعمال خیر) ھیں ۔ اچھے کاموں ھی سے اس مقصد کی تکمیل ھوسکتی ھے جو ریاست کے سامنے ھے ۔ اب ریاست کی غرض و غایت

باقی صفحہ ۲۴۸ پر

رائے میں ان باتوں کے پیش نظر اتنا تو بہر حال تسلیم کرنا پڑے گا کہ حکومت کے بارے میں جو نزاع قائم ہے اس میں ہر فریق کے دلائل میں کچھ نہ کچھ معقولیت ضرور پائی جاتی ہے (۲۹) ۔

---

بقیہ حاشیہ ۲۴۷

خیر کی زندگی ہے اور اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ جمہوری یا اعیانی معیار عدالت کے مقابلے میں اعمال خیر کا معیار ہی منشائے ریاست کے عین مطابق ہوگا ۔ اندریں صورت دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جو لوگ اعزازات ریاست میں حصہ لے رہے ہیں کیا واقعی اس کا حقیقی مدعا پورا کر رہے ہیں ۔ اگر کر رہے ہیں تو بہ نسبت دوسرں کے وہ اقتدار و اختیار کے زیادہ مستحق ہیں ، خواہ یہ دوسرے بھی ویسے ہی آزاد شہری ہوں جیسے اور ، خواہ باعتبار دولت و ثروت ان سے آگے ، یا یوں کہئے کہ اس لحاظ سے اہل اقتدار ان سے پیچھے — مترجم

۲۹ - حامیان جمہوریت و حامیان اعیانیت ہیں — مترجم

# دسواں باب

لیکن ہوسکتا ہے ابھی اس باب میں کچھ شبہ رہ گیا ہو کہ اقتدار اعلیٰ کس کے ہاتھ میں رہنا چاہئے(۱) ۔ کثرت ، یا اہل دولت اور ثروت کے ہاتھ میں ؟ یا یہ کہ اسے چند قابل یا قابل ترین اشخاص کو سونپ دیا جائے ؟ یا پھر ہم اسے کسی مستبد کے سپرد کر دیں ؟ لیکن ان صورتوں میں کوئی بھی اختیار کی جائے دشواری سے خالی نہیں ہوگی ۔ مثلاً اگر اقتدار اعلیٰ غریبوں کو سونپ دیا گیا اس لئے کہ غریب اکثریت میں ہیں تو جو کچھ امیروں کے پاس ہے وہ اسے آپس میں بانٹ لیں گے اور اس میں کوئی نا انصافی بھی نہیں ہوگی ، کیونکہ یہ اقتدار اعلیٰ کا فیصلہ تھا ، لہٰذا اسے ٹھیک

---

۱ - اب تک بحث یہ تھی کہ تفریقی عدالت کی رو سے کون لوگ ہیں جن کو نسبتاً اس امر کا زیادہ حق پہنچتا ہے کہ ریاست کے اعزازات اور مناصب میں حصہ لیں - اب سوال یہ ہے کہ اس گروہ کے اندر کون سا گروہ ہے جو دوسروں کی نسبت اس ذمہ داری کا زیادہ اہل ہے کہ اقتدار اعلیٰ کی زمام اس کے ہاتھ میں دے دی جائے - دونوں صورتوں میں ہمارا عمل اگرچہ تفریقی عدالت ہی کے اصول پر ہوگا لیکن پہلی صورت میں حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ زیادہ کسے ملنا چاہئے اور کس بنا پر ، دوسری صورت میں یہ کہ سب سے زیادہ کا مستحق کون ہے اور کیوں - اس لئے کہ یہ معاملہ اعزازات و مناصب کی تقسیم پر ختم نہیں ہو جاتا - ان میں ایک حصہ اختیار و اقتدار کا ہے اور یہ جس کو سونپا جائے گا وہی سب سے زیادہ کا مستحق بھی ہوگا — مترجم

ھی ماننا پڑے گا (۲) ۔ لیکن اگر یہ ظلم اور نا انصافی نہیں تو پھر ظلم اور نا انصافی کیا ھوگی ۔ یوں بھی اگر کثرت نے وہ سب چیزیں چھین لیں جو قلت کے پاس ھیں تو شہر کی ھستی مٹ جائے گی (۳) ۔ لیکن پھر فضیلت کا تو یہ کام نہیں کہ صاحب فضیلت کی نفی کرے ، نہ حق و صواب سے ریاست کا وجود ختم ھونا چاھئے ۔ للہذا اس طرح کا کوئی قانون جائز نہیں ھوگا جو اگر ھے تو پھر کسی مستبد کا بھی کوئی فعل غلط نہیں ھو سکتا ۔ ھم اسے بھی ٹھیک ماننے پر مجبور ھوں گے کیونکہ مستبد اپنی مطلق العنانی سے ھر کسی کو اطاعت پر مجبور کر دے گا ، بعینہ جیسے عوام دولت مندوں پر دست درازی کریں گے (۵) ۔ پھر کیا اقتدار اعلیٰ دولت مندوں یعنی قلت کے سپرد کر دیا جائے ؟ لیکن اگر قلت نے بھی ویسے ھی لوٹ مار شروع کردی اور کثرت کا مال چھیننے لگی تو اس کا یہ فعل بھی ویسا ھی نادرست ھوگا جیسے دوسروں کا (٦) ۔ حالانکہ

---

۲ - جمہوری نقطہ نظر سے — مترجم

۳ - کیوں ؟ ارسطو نے اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی ۔ الایہ کہ ارسطو مساوات دولت کے خلاف تھا ۔ اس کا خیال تھا کہ اس قسم کی مساوات ناممکن ھے اور پھر یہ کہ اس میں کوئی خوبی کی بات بھی نہیں — مترجم

۴ - جیسے جمہور کا ، کیونکہ ان سب شکلوں میں اصل اقتدار قانون کا ھوگا اور قانون کا سررشتہ اس جماعت یا اس شخص کے ھاتھ میں جو برسراقتدار ھے — مترجم

۵ - یعنی ان کا مال و دولت چھین لیں گے ۔ ان کی جائیدادیں ضبط ھوجائینگی — مترجم

٦ - جمہور کا — مترجم

اس قسم کے سب افعال سر تا سر ناجائز اور عدل و انصاف سے دور ہیں ۔ اچھا تو پھر کیا کیا جائے؟ یہ کہ جو لوگ دوسروں سے بہتر ہیں بر سر اقتدار آ جائیں؟ لیکن ایسا ہوا تو باقی سب کو بے عزتی (۷) کی زندگی بسر کرنا پڑے گی ۔ شہر کے مناصب میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا ۔ حالانکہ شہر کے کوئی اعزازات ہیں تو یہی اس کے مناصب ۔ لہٰذا اگر اقتدار و اختیار اس حد تک محدود ہو گیا کہ اس میں ایک ہی قسم کے افراد کے سوا اور کسی کا حصہ نہ ہؤا تو باقی سب لوگ عزت اور وجاہت سے محروم رہ جائیں گے (۸) ۔ لہٰذا آئیے یہ اقتدار کسی ایسے شخص کے ذمے کر دیں جس سے بڑھ کر اور کوئی اس کا اہل نہیں ۔ مگر اس صورت میں یہ اقتدار اور بھی سمٹ جائے گا اور جو لوگ عزت و وجاہت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے ان کی تعداد پہلے کی نسبت کہیں زیادہ بڑھ جائے گی ۔ اندریں صورت شاید یہ کہا جائے کہ اقتدار و اختیار کی زمام قانون کی بجائے انسان کے ہاتھ میں دینا سرے سے غلط ہے اس لئے کہ انسان کی روح حرص و ہوا کا سر چشمہ ہے ۔ لیکن پھر قانون کا رخ بھی اگر امارت یا جمہوریت کی طرف ہوا تو ہم نے جو شکوک اوپر ظاہر کئے تھے ان کا ازالہ کیسے ہوگا؟ کیونکہ یہ صورت حالات بھی تو ان مشکلات سے خالی نہیں ہوگی جن کا ذکر ہم ابھی کر رہے تھے ۔

---

۷ - اہل یونان کے نزدیک عزت اور منصب دونوں لازم و ملزوم تھے — مترجم ۔

۸ - لہٰذا ان کی حیثیت شہریوں کی نہیں رہے گی — مترجم

# گیارھواں باب

بعض تفصیلات(۱) پر ہم آگے چل کر نظر ڈالیں گے ۔ سردست مناسب معلوم ہوتا ہے ہم اس امر کے حق میں کچھ کہیں(۲) کہ اقتدار اعلی کثرت کے ہاتھوں میں رہنا چاہئے بہ نسبت ان کے جو بہتر تو ہیں مگر تعداد میں کم ۔ ساتھ ہی ساتھ ہمیں ان شبہات کی طرف بھی اشارا کردینا چاہئے جو اس سلسلے میں (شاید بجا طور پر) پیدا ہوسکتے ہیں ۔ فرض کیجئے کثرت میں کوئی فرد اس اقتدار کا اہل نہیں ۔ مگر کیا اس صورت میں بھی جب دوسرے اس کے شریک ہوجائیں ؟ کیونکہ بہت ممکن ہے اس صورت میں کثرت اس کی زیادہ اہل ثابت ہو ، فرداً فرداً نہ سہی جماعت کی حیثیت سے ۔ بعینہ جیسے وہ دعوت جس کا اہتمام لوگوں کی طرف سے کیا جاتا ہے اس دعوت کے مقابلے میں زیادہ پرتکلف ہوجاتی ہے جس کا بار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ کثرت کی صورت میں جب ہر کسی کو جتنا کچھ بہرہ فضائل اخلاق اور حکمت و دانائی سے ملا ہے دوسروں کے ساتھ شامل ہوجائے گا تو ان کی مثال ویسی ہوگی جیسے انسانوں کا کوئی انبوہ فرد واحد کی شکل اختیار کرلے ۔ اس کے ایک نہیں کئی ہاتھ ہوں گے ، پاوں اور عقلیں بھی کئی اور اس لئے بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو کچھ ایسی

---

۱ ۔ اقتدار اعلی کے بارے میں متبادل تجاویز پر کہ اس کا کن ہاتھوں میں رہنا مناسب ہے — مترجم

۲ ۔ جیسا کہ ارسطاطالیسی طریق استدلال کا تقاضا ہے ۔ کچھ اس کا مطلب ثابت کریں — مترجم

ہی مثال اس انبوہ کے اخلاق و آداب اور عقل و فہم کی ہوگی۔ جیسے موسیقی ہو یا شاعری اس کے حسن و خوبی کا فیصلہ لوگوں ہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ کچھ تو اس کے ایک حصے کو سمجھتے ہیں، کچھ دوسرے کو لیکن بحیثیت مجموعی سب پورے طور پر (۳)۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں جس کسی کو کوئی نمایاں

---

۳ - گویا ارسطو نے یہاں سیاسیات ہی نہیں جمالیات میں بھی جمہوری دلیل ہی کی حمایت کی ہے - جمہور ہی سیاست اور جمال دونوں کے بہترین ناقد ہیں - چنانچہ اثینیہ میں جمہور کا یہی ایک فرض نہیں تھا کہ مسائل سیاست کا فیصلہ کریں - وہ تعمیری منصوبوں پر بھی اظہار رائے کرتے اور تھیٹروں میں جو انعامات دیے جاتے انہیں کی رائے کے مطابق دیے جاتے - افلاطون نے بھی اس دلیل سے کام لیا ہے مگر جمہور کی مخالفت میں - اسے نہ جمہوریت پسند ہے نہ فن اور تمثیل میں جمہور کا نقطہ نظر - مثلاً موسیقی سے بحث کرتے ہوئے وہ 'نوامیس' میں لکھتا ہے ہمارے سامعین جو کبھی خاموشی سے گانا سنا کرتے تھے اب یہ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ فن کے حس و قبح کا فیصلہ گویا انہیں کے ہاتھ میں ہے - چنانچہ ایسا ہی ہو رہا ہے- اب اچھائی معیار فن نہیں - سامعین ہی اس کا معیار ہیں - فن میں تو خیر یہ جمہوریت پسندی ایسی نقصان دہ نہیں لیکن فن کو پرکھتے پرکھتے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہوگئے ہیں کہ انہیں ہر چیز کا علم ہے - للہذا ان کے اندر قانون کے خلاف ایک نفرت سی پیدا ہوگئی ہے اور اس لئے آزادی (سیاسی جمہوریت) کا حال بھی ابتر ہو رہا ہے -

ارسطو کی تصنیف 'دستور اثینیہ' سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ منجملہ دوسرے فرائض کے تعمیری منصوبوں اور تعمیری خاکوں

باقی صفحہ ۲۵۴ پر

وصف ملا ہے وہ بہتوں سے مختلف ہوتا ہے جیسے ایک خوش شکل انسان ان لوگوں سے مختلف ہوگا جو خوش شکل نہیں ، یا جیسے بعض خوبصورت تصویریں قدرتی اشیا سے مختلف ہوتی ہیں کیونکہ ان میں وہ سب حسین و جمیل اجزا جو قدرت میں منتشر نظر آتے ہیں باہم جمع ہوکر ایک ہوجاتے ہیں ، خواہ ان کے الگ الگ اجزا مثلاً آنکھ ، یا کوئی اور عضو پوری تصویر سے زیادہ خوبصورت ہو (۴)

لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر ایک طرف عوام اور مجالس عامہ

---

بقیہ حاشیہ ۲۵۳

کا فیصلہ بھی مجالس عمائد ہی کے ذمے کر دیا گیا تھا ، حالانکہ شروع شروع میں یہ فیصلہ مجالس شوری کیا کرتی تھیں ۔ مگر پھر اس بنا پر کہ شوری میں رعایت اور طرف داری سے کام لیا جاتا ہے یہ فریضہ بھی مجلس عامہ کے ذمے کر دیا گیا ۔

جمہوری دلیل کی حمایت میں ارسطو نے آگے چل کر اسی باب میں مزید بحث کی ہے جو اس کی تعریف شہریت کے عین مطابق ہے (ملاحظہ ہو اسی فصل کا پہلا باب) ، علیٰ ھذا عام یونانی نقطہ نظر کے بھی اہل یونان کا خیال تھا کہ جن امور کا تعلق غور و فکر سے ہے ان کا فیصلہ ارباب اقتدار ہی بحیثیت ایک جماعت زیادہ بہتر طور پر کرسکتے ہیں — مترجم

۴ - دلیل یہ ہے اور اس کی بنا فرد واحد کی مجموعی قابلیت اور کثرت کی مجموعی قابلیت پر ہے کہ دونوں صورتوں میں (بصورت جزو اور بصورت کل) اس حسن و خوبی کی تہ میں کوئی نہ کوئی وحدت کام کر رہی ہے ۔ لیکن اس وحدت کا اظہار مجموعی طور پر جس طرح ہوگا وہ مجموعی حیثیت (بطور کل) ہی سے بہترین ہوسکتا ہے خواہ اس کے کسی خاص جزو کو کسی پہلو سے بہترین ٹھہرانا ناممکن ہو — مترجم

اور دوسری جانب خاص خاص انسانوں کے درمیان بھی یہی امتیاز روا رکھا گیا تو اسے شاید کوئی گوارا نہ کرے - پھر بعض مخصوص انسانوں کی صورت میں تو اس امتیاز کا کوئی جواز ھی نہیں ، کیونکہ ہوسکتا ہے اس صورت میں بہائم کے بارے میں بھی یہی رائے قائم کرلی جائے - یوں بھی انسانوں اور حیوانوں میں فرق ھی کیا ہے(۵) - بایں همه یه جو کچھ کہا جارہا ہے اس کا اطلاق بعض ریاستوں پر تو ضرور ہوجاتا ہے - لہٰذا ہم نے اس سلسلے میں جس شک و شبہے کا اظہار کیا تھا(۶) ، یا اس طرح جو مسائل پیدا ہوجاتے ہیں ان کے تصفیے کی کوئی صورت ہے تو یہی کہ جو اجتماع آزاد انسانوں پر مشتمل ہے اس میں سب نہیں تو بعض باتوں میں سارا اقتدار انہیں کے ہاتھوں میں رہنا چاہئے(۷) - مگر پھر چونکہ وہ

---

۵ - اسلئے که اگر هم مل کر بھی انسانوں کی طرح نہیں سوچ سکتے تو پھر امور سیاست میں بھی انسانوں سے اچھی سوچ سمجھ کی توقع رکھنا عبث ہے - بقول اقبال :-

گریز از طرز جمہوری غلامے پختہ کارے شو
که از مغز دوصد خر فکر انسانے نمی اید

یعنی اس حالت میں جب انسان مل کر انسانوں کی طرح نہ سوچیں -

۶ - اس شک و شبے کا که اقتدار اعلیٰ کس کے ہاتھ میں رہے — مترجم

۷ - یعنی جمہور (کثرت) کے - دراصل ارسطو کے سامنے یہاں دو سوال تھے ایک یہ کہ اقتدار اعلیٰ کا مستحق کون ہے ؟ جواب یہ ہے کہ کثرت یعنی آزاد شہریوں کی وہ کثرت جو فرداً فرداً اگرچہ فضائل اخلاق سے بہرہ ور ہے ، نہ مال و دولت سے لیکن جسے آزادی یا شہریت یا بربنائے حریت یہ حق پہنچتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ کی زمام اپنے ہاتھ میں لے - دوسرا یہ کہ اس اقتدار و اختیار کا دائرہ کہاں تک وسیع ہونا چاہئے ؟ وہ کیا امور ہیں جن کا انتظام و انصرام ان کے ذمے ہوگا ؟ — مترجم

دولت مند ہونگے ، نہ ہمیشہ اصول اخلاق پر کاربند رہیں گے اس لئے یہ امر کہ ریاست کے اعلیٰ ترین مناصب انہیں کے ذمے کردئیے جائیں خالی از اندیشہ نہیں ۔ ان سے ناانصافی بھی سرزد ہوگی اور وہ جاہل بھی ہوں گے ۔ ناانصافی انہیں ظلم و جور پر آمادہ کریگی اور جہالت غلط روی پر ۔ لیکن پھر یہ صورت حالات بھی کہ انہیں حکومت میں کوئی حصہ نہ دیا جائے ویسی ہی اندیشہ ناک ہے اس لئے کہ جب غریب اور نادار یہ دیکھتے ہیں کہ انہیں اپنے وطن میں بھی کوئی اعزاز حاصل نہیں(۸) تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ریاست کے بہت سے دشمن پیدا ہوجائیں ۔ لہٰذا بہتر ہوگا انہیں مجالس عامہ میں رائے دہندگی اور فصل خصومات کا حق دے دیا جائے(۹) ۔ یہی وجہ ہے کہ سقراط (۱۰) اور بعض دوسرے واضعان قانون کی رائے تھی کہ حکام ریاست کا انتخاب انہیں کے اختیار میں ہونا چاہئے ، علیٰ ھذا یہ کہ عہدوں سے سبک دوشی پر ان سے بازپرس کا بھی ۔ انہوں نے مخالفت کی تو صرف اس امر کی کہ وہ خود حاکم بن جائیں(۱۱) ، اس لئے کہ بحیثیت مجموعی عوام کے اندر معاملات کی اچھی خاصی سمجھ ہوتی ہے لہٰذا جونہی

---

۸ - اور اکثریت انہیں کی ہے — مترجم

۹ - گویا شہریوں کا حق انتخاب شوریٰ سے متعلق ہے اور حق باز پرس قانونی معاملات سے ۔ ملاحظہ ہو بحث شہریت میں شہری کی تعریف باب اول فصل دوم — مترجم

۱۰ - لیکن بارکر میں سقراط کی بجائے سولن ۔ اس لئے کہ یہ اصلاح سولن سے منسوب ہے سقراط نے صرف اس کی تائید کی ہے (جمہوریہ افلاطون میں) ۔

۱۱ - فرداً فرداً — مترجم

انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ مل کر کام کیا جو ان سے بہتر ہیں تو ان کا وجود سچ مچ شہر کے لئے مفید ثابت ہوگا (۱۲)۔ بعینہ جیسے بعض چیزیں الگ الگ تو کھانے کے قابل نہیں ہوتیں مگر جب دوسری اشیا میں ملا لی جاتی ہیں تو کئی ایک چیزوں سے بھی زیادہ لذیذ ہوجاتی ہیں -

لیکن ایک دشواری ہے جو اس طرز حکومت میں پیش آتی ہے اور وہ یہ کہ فرض کیجئے ایک شخص فی‌الواقعہ اس امر کا اہل ہے کہ بیماروں کو اچھا کر سکے ، لٰہذا اس امر کا اندازہ بھی کہ ہمیں کس طبیب سے رجوع کرنا چاہئے وہی کرسکتا ہے - بالفاظ دیگر وہ خود بھی طبیب ہوگا(۱۳)۔ کچھ ایسی ہی مثال دوسرے فنون کی ہے - پھر اگر طبیب اپنے فن کی جواب دہی کریگا تو کسی طبیب ہی کے سامنے (۱۴) اور ایسے ہی وہ لوگ بھی جن کا تعلق دوسرے فنون سے ہے - اب جو لوگ طبابت پیشہ (۱۵) ہیں ان کی

---

۱۲ - مگر یہ خالص اور مطلق جمہوریت نہیں جس کا یوں بھی ارسطو شدت سے مخالف تھا - لٰہذا کثرت کی تائید سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ارسطو جمہوریت کی تائید کررہا ہے — مترجم

۱۳ - یا بغیر ایچ پیچ کے ارسطو کا کہنا یہ ہے کہ اس امر کا فیصلہ کہ علاج معالجہ ٹھیک ہوا ، یا غلط انہیں لوگوں کا کام ہے جو علاج معالجہ کرتے ہیں ، یعنی اطبا کا دوسروں کا نہیں -

طب کی مثال اس لئے دی گئی ہے اور اس رسالے میں بار بار دی جائے گی اور دی گئی ہے - کہ اسے سیاست سے قریبی مماثلت ہے - سیاست دان بھی اطبا کی طرح شہر کا چارہ ساز ہے — مترجم

۱۴ - یعنی بحیثیت طبیب اپنے طرز عمل کی — مترجم

۱۵ - متن میں طبعیات جیسا کہ ارسطو کے نزدیک اس کا مفہوم تھا اور جس میں گویا طب کا علم بھی شامل تھا — مترجم

تین قسمیں ہیں ایک وہ جو دوائیں طیار کرتے ہیں ، دوسرے دوا تجویز کرنے والے اور جن کو باہم وہی نسبت ہے جو ماہرین تعمیر کو معماروں سے - تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو علم طب میں تو پوری پوری دسترس رکھتے ہیں ، مگر طبابت نہیں کرتے - کچھ ایسے ہی امتیازات ہم ان لوگوں میں بھی قائم کریں گے جن کا تعلق دوسرے فنون سے ہے - یوں بھی ہم اس شخص کی رائے کو جو کسی فن کے اصول و قواعد کو خوب سمجھتا ہے اس شخص کی رائے سے کچھ کم وقعت نہیں دیتے جس نے اسے اختیار کر رکھا ہے(۱۶) - لہذا انتخابات میں بھی یہی طریق بہتر رہے گا، کیونکہ یہ ماہرین علم ہی کا کام ہے کہ کسی علم کے لئے مناسب اشخاص کا انتخاب کریں ، جیسے مثلاً ہندسہ کے لئے ماہرین ہندسہ اور جہازرانی کے لئے جہازرانوں کا - برعکس اس کے جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ کسی فن سے پورے طور پر واقف نہیں وہ اسے ان لوگوں کی نسبت جو خود صاحب فن ہیں کیسے بہتر سمجھ سکتے

---

۱۶ - ارسطو یہاں ایک ایسی بات کی طرف اشارا کر رہا ہے جس کے پیش نظر لوگوں کو حق پہنچتا تھا کہ بہ حیثیت مجموعی، علیٰ ہذا اپنی عام معلومات کی بنا پر حکام سے ان کے طرز عمل کی باز پرس کرسکیں - لیکن پھر اس بات کو ختم کئے بغیر اس نے دفعۃً حق انتخاب کی بحث چھیڑ دی اور اس میں بھی سارا زور اس امر پر صرف کر دیا کہ انتخاب کا حق انہی لوگوں کو پہنچتا ہے جو فی الواقعہ اس کے حسن و قبح سے واقف ، یعنی اس میں ماہرانہ رائے رکھتے ہیں - آگے چل کر البتہ وہ اپنی اس رائے پر لوٹ آیا ہے کہ انتخاب کا معاملہ ہو، یا حکام سے باز پرس دونوں باتیں ایسی ہیں جن میں عوام کو بہ سبب عام معلومات کے حصہ لینے کا حق پہنچتا ہے ـــــ مترجم

ہیں ؟ لیکن اگر اس اصول کو ٹھیک تسلیم کرلیا گیا تو پھر حاکموں کا انتخاب یا ان کی باز پرس دونوں میں سے کوئی چیز بھی کثرت کے ہاتھوں میں نہیں ہونی چاہئے ۔

لہٰذا ہو سکتا ہے ہم جو باتیں پیش کر رہے تھے ٹھیک نہ ہوں اس لئے کہ اپنے پہلے استدلال کو قائم رکھتے ہوئے ہم یہ بھی تو کہ سکتے ہیں کہ عوام کو سرے سے حیوان کہنا غلط ہے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ فرداً فرداً انہیں ان امور سے اتنی واقفیت نہ ہو جتنی ان کو جو ان پر خاص توجہ دیتے ہیں ۔ لیکن باہم مل جل کر وہ ان کو زیادہ نہیں تو کچھ کم بھی نہیں سمجھیں گے (۱۷) ۔ یوں بھی بعض فنون میں صاحب فن کی رائے آخری نہیں ہوتی ۔ اس لئے کہ بعض کام اس طرح کے بھی ہوتے ہیں جن کو لوگ کرتے تو نہیں لیکن سمجھتے ضرور ہیں جیسے معمار کا کام ۔ کیونکہ مکان پر حکم لگانا صرف اسی شخص کا کام

---

۱۷ ۔ یہ باہم مل کر کی شرط پہلے بھی مذکور ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بہ حیثیت مجموعی چونکہ عوام اجتماعی معاملات کی اچھی خاصی سمجھ رکھتے ہیں اور اس لئے ہمیں چاہئے ہم ان کی حس اجتماع پر اعتماد کریں ۔ صرف اس صورت میں نہیں جب ان کے سامنے کوئی کام نہ ہو ، بلکہ اسی صورت میں بھی جب وہ فی الواقعہ کسی کام پر آمادہ ہوں ، یعنی جمود و سکون ہی کی حالت میں نہیں ، اس حالت میں بھی جب وہ اپنے قوائے عمل حرکت میں لائیں ۔ ارسطو کا خیال تھا کہ امور سیاست میں بحث و مباحثے کے ذریعے چونکہ مختلف رائیں لوگوں کے سامنے آتی رہتی ہیں ۔ لہٰذا وہ ایک ایسا جدلی عمل ہے جس کی بدولت ان میں معاملہ فہمی کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے ۔ بہ الفاظ دیگر یوں کہئے کہ بحث و مباحثہ جمہوریت کی اساس ہے — مترجم

نہیں جس نے اسے تعمیر کیا ہے ۔ یہ کام گھر کے مالک کا بھی ہے جس کو اس میں رہنا ہے اور جو اس بارے میں زیادہ بہتر حکم لگا سکتا ہے ۔ ایسے ہی کشتی ران کشتی ساز کے بارے میں حالانکہ وہ اس کا صانع ہوتا ہے اور میزبان باورچی کے متعلق ۔ للہذا اس طرح ہماری وہ مشکل تو حل ہو جائے گی جس کے پیش نظر ہم یہ سب کچھ کہ رہے تھے (۱۸) ، لیکن یہاں پھر ایک نئی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ یہ کہ اگر ریاست کا اقتدار ان لوگوں کو سونپ دیا گیا جن کی سیرت اور کردار ناپختہ ہے تو یہ کوئی معقول بات نہیں ہوگی (۱۹) ۔ بالخصوص جب یہ سب کچھ ان لوگوں کے مقابلے میں کیا گیا جو باعتبار سیرت و کردار ان سے بہت اونچے ہیں ۔ اب انتخاب اور باز پرس کے اختیارات (۲۰) ہی وہ اہم ترین معاملات ہیں جن کی باگ ڈور جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں بعض ریاستوں میں عوام کے ہاتھ میں رہتی ہے ۔ للہذا ان ریاستوں کا سارا اختیار و اقتدار مجلس عامہ کے قبضے میں ہوتا ہے جس میں ہر شخص اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتا اور پھر سب مل کر باہمی مشورے سے معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں ۔ فصل خصومات کا اختیار بھی انہیں کو حاصل رہتا ہے ۔ وہاں یہ دیکھا ہی نہیں جاتا کہ لوگوں کی مالی حالت کیسی ہے ، یا ان کا سن و سال کیا ہے (۲۱) ۔ دیکھا جاتا ہے تو یہ کہ خازن ، یا سپہ سالار ، یا وہ لوگ جن کو بڑے بڑے عہدوں

---

۱۸ - یعنی جس کا تعلق شہریوں کے حقوق سے ہے — مترجم

۱۹ - یعنی عوام یا کثرت کے — مترجم

۲۰ - حکام کی باز پرس جب وہ اپنے عہدوں سے سبکدوش ہوجائیں — مترجم

۲۱ - اس لئے کہ وہی مجلس کے رکن منتخب ہوتے ہیں ۔ بہ الفاظ دیگر ارکان مجلس کی مالی حالت یا سن و سال کا — مترجم

کا اہل تصور کیا جاتا ہے لیاقت اور قابلیت کے ساتھ دولت مند بھی ہیں یا نہیں ۔ لہٰذا یوں ہماری یہ مشکل بھی حل ہو جاتی ہے (۲۲) اور اس لئے ہمیں اس طریق کار کو حق بجانب ہی ٹھہرانا پڑے گا ، کیونکہ اس صورت میں زمام اقتدار اس شخص کے ہاتھ میں تو ہوگی نہیں جو مجلس عامہ یا مجلس شوری کا رکن ہے (۲۳) بلکہ مجلس یا شوری یا بجائے خود لوگوں کے ہاتھ میں جن کا ہر کوئی خود بھی ایک جز ہوتا ہے ، یعنی عمید ، یا مشیر، یا قاضی کی حیثیت سے (۲۴) اور جس کو دیکھتے ہوئے یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ کی زمام کثرت ہی کے ہاتھ میں رہے ۔ اس لئے کہ جمہور ہوں، یا مجلس شوریٰ، یا قاضی(۲۵) سب انہیں میں سے ہوں گے

---

۲۲ - کہ ریاست کا اقتدار ان لوگوں (عوام) کے ہاتھ میں نہ رہے جن کی سیرت و کردار ناپختہ ہے — مترجم

۲۳ - یہاں حقوق کی بحث میں ارسطو نے مجلس کے ساتھ شوریٰ کا ذکر بھی کر دیا ہے ۔ بات اصل میں یہ ہے کہ ایتھنیہ میں مجلس شوریٰ پانچ سو ارکان پر مشتمل تھی اور اس کا کام یہ تھا کہ مجلس عامہ کو جو امور سرانجام دینا ہیں اس کے سامنے پیش کرتی رہے ۔ گویا مجلس شوریٰ کی حیثیت مجلس عامہ سے مختلف تھی۔ لیکن اس کا انتخاب چونکہ قرعہ اندازی سے ہوتا تھا اور تیس برس سے اوپر اوپر ہر طبقے سے اس کے لئے ارکان کا منتخب ہوجانا ضروری تھا اس لئے ارسطو نے مجلس شوریٰ کا معاملہ بھی لوگوں کے حقوق کی بحث میں شامل کر لیا — مترجم

۲۴ - فرداً فرداً نہیں ، بلکہ بہ حیثیت مجموعی مجلس عائد ، مجلس شوریٰ اور مجلس عامہ کے جن کے وہ رکن ہوں گے ـ مترجم

۲۵ - یعنی ارکان مجلس عامہ جو فصل خصومات میں قضاۃ کے فرائض سرانجام دیتے — مترجم

اور ان سب کا مال و دولت مجموعی طور پر ہر شخص ، بلکہ ان چند اشخاص کی مجموعی ملکیت سے بھی زیادہ ہوگا جو ریاست کے اعلیٰ عہدوں پر متمکن ہیں اور اس لئے یہی ایک صورت ہے ان سب باتوں کے تصفیے کی ۔

اندریں صورت ہم نے جو سوال شروع ہی میں اٹھایا تھا (۲٦) اس کا جواب یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ ایسے قوانین کے ہاتھ میں رہنا چاہئے جو کسی صحیح اصول کی بنا پر وضع کئے جائیں ۔ لہٰذا حاکم ایک ہو ، یا متعدد اس کے اختیارات اس حد سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے کہ اگر کسی معاملے میں قانون خاموش ہے تو وہ خود ہی اس کا فیصلہ کردیں ۔ کیونکہ قانون جو کچھ کہتا ہے عام لفظوں میں کہتا ہے اور اس لئے نا ممکن ہے ہر بات کا احاطہ کر سکے (۲۷) ۔ رہا یہ امر کہ وہ کیا اساس ہے جس پر بہتر سے

---

۲٦ - کہ اقتدار اعلیٰ کثرت کے ہاتھ میں رہے - یا اہل دولت و ثروت کے —— مترجم

۲۷ - ارسطو کا یہ نظریہ کہ اقتدار اعلیٰ قانون کے ہاتھ میں رہنا چاہئے اور اس لئے حکام کا فرض ہے قانون کے پابند رہیں جب ہی سمجھ میں آسکتا ہے کہ ہمیں اثینوی قانون کی حقیقی ماہیت، علیٰ ہذا اثینوی حکام کے منصب کا ٹھیک ٹھیک علم ہو - اثینیہ کا قانون ان قواعد پر مشتمل تھا جو قدیم الایام سے مروج تھے اور جن میں شاذ ہی کوئی تبدیلی ہوتی - مجلس عامہ کا بھی یہ کام نہیں تھا کہ کوئی نیا قاعدہ ، یا قانون وضع کرے - گویا یہ قانون ساز مجلس نہیں تھی ، بلکہ ایک مجلس بحث جس کا کام یہ تھا کہ امور مملکت پر غور کرے - قانون میں تغیر و تبدل کا اسے کوئی اختیار نہ تھا اور گو اس قسم کی

باقی صفحہ ۲٦۳ پر

بہتر قوانین وضع ہو سکتے ہیں سو یہ ایک جداگانہ مسئلہ ہے جس کی وضاحت ابھی باقی ہے ۔ لیکن اتنا بہر حال تسلیم کرنا پڑے گا کہ جیسی کوئی ریاست ہو گی ویسے ہی اس کے قوانین بھی، اعلیٰ یا ادنیٰ، منصفانہ یا غیر منصفانہ، اس لئے کہ جو بھی قانون وضع ہوگا منشائے حکومت کے مطابق ہوگا ۔ لہذا یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ حکومت اچھی ہے تو قانون بھی اچھے ہوں، بری ہے تو برے ۔

---

بقیہ حاشیہ ۲۶۲

تجاویز پیش تو اسی مجلس میں کی جاتیں لیکن قاعدہ یہ تھا کہ قانونی اعتبار سے اگر دستور و آئین میں کوئی تبدیلی مد نظر ہے تو اسے کسی مامور یا قضاۃ کے سپرد کر دیا جائے ۔ الہذا نہ مجلس کو قانون سازی کا حق پہنچتا تھا، نہ اثینوی نظام ریاست میں کوئی قانون ساز مجلس موجود تھی' حتیٰ کہ اگر ارکان مجلس ایسا کوئی فیصلہ بھی کرتے جس کی حیثیت قانونی ہوتی، یا جس سے کسی دوسرے قانون کی نفی ہوسکتی تو اسے غصب اور تغلب سے تعبیر کیا جاتا ۔ یہ گویا آئین و قانون کی پائمالی تھی، نہ کہ قانونی سازی ۔ یہی وجہ ہے کہ اثینیوی حکام قانون کی متابعت پر مجبور تھے ۔ وہ جب کبھی اس کے خلاف قدم اٹھاتے شہری ان پر قانون شکنی کا الزام قائم کر دیتے تھے ۔ یوں حکومت میں خرابیوں کے انسداد کی اگرچہ ایک بڑی کامیاب صورت پیدا ہوگئی تھی لیکن اس کی خلاف ورزی کا الزام ایک ایسا حربہ تھا جس کا وار کبھی خالی نہیں جاتا تھا — مترجم

# بارھواں باب[1]

پھر کوئی بھی فن، یا کوئی بھی علم ھو اس کے سامنے کوئی اچھا ھی مقصد ھوگا اور اس علم کے تو بالخصوص (۲) جو سب سے اعلیٰ اور برتر ھے ، یعنی وہ جس کے پیش نظر اجتماع مدنی کی تشکیل ھے (۳) ۔ تاکہ ھم اس خیر سے بہرہ‌ور ھو سکیں جسے عدالت سے تعبیر کیا جاتا ھے ۔ اس لئے کہ یہ یہی خیر ھے جس میں سب کی بھلائی اور سود و بہبود کا راز مضمر ھے ۔ لیکن عدالت کے بارے میں عام رائے یہ ھے کہ اس کے معنی ھیں مساوات ، خواہ کسی رنگ

---

۱ - پچھلے تین ابواب ۹ - ۱۰ اور ۱۱ میں ارسطو کی نظر گویا تفریقی عدالت کے مسئلے پر تھی - وہ چاھتا تھا اس امر کی تعیین ھوجائے کہ جو لوگ ریاست کی خدمات سرانجام دے رھے ھیں ، للہذا اس کا وجود برقرار رکھتے ھیں ان میں بالخصوص کون ھیں جنہیں اس کے مناصب اور اعزازات میں حصہ لینے کا دوسروں سے زیادہ حق پہنچتا ھے - پچھلے باب میں ارسطو کا استدلال یہ تھا کہ کثرت ھی اسی کی حق دار ھے لیکن اس باب میں یہ طرز استدلال کسی قدر بدل گیا ھے اور اب اس کا کہنا یہ ھے کہ اس کے ساتھ ساتھ ھر گروہ اور ھر فرد کی خدمات کا اعتراف بھی لازم آتا ھے - للہذا تقسیم اعزازات میں اس کا لحاظ رکھنا چاھئے — مترجم

۲ - یعنی سیاسیات کے — مترجم

۳ - جیسا کہ ارسطو نے فصل اول کے باب اول میں اس بحث کا آغاز کیا تھا — مترجم

میں (۴) اور یہ وہ رائے ہے جسے اخلاقیات کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو فلاسفہ بھی اس پر متفق ہوں گے، کیونکہ اس بحث میں ایک تو ہماری نگاہیں اس بات پر ہوتی ہیں کہ عدل و انصاف ہے کیا ، دوسرے اس پر کہ کس کے حق میں ۔ لہٰذا ہم سمجھتے ہیں جو لوگ باہم مساوی ہیں ان سے مساوات ہی کا برتاؤ کرنا چاہئے ۔ مگر یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ مساوی ہیں تو کن باتوں میں ، نہیں تو کن میں ، جس کا فیصلہ آسان نہیں (۵) لہٰذا سیاست‌دان مجبور ہے کہ اس سارے مسئلے پر فلسفیانہ رنگ میں غور کرے (۶) ۔ گو بعض لوگ تو یہی کہیں گے کہ ریاست کے

---

۴ - یہاں ارسطو نے پھر اسی استدلال کا اعادہ کیا ہے جس کے ماتحت اس نے تیسری فصل کے باب نہم میں عدل و انصاف سے بحث کرتے ہوئے مساوات کا سوال اٹھایا تھا اور اخلاقیات کا حوالہ دیا تھا - لیکن جس کا اب پھر حوالہ دیا جائے گا ۔ 'اخلاقیات' میں اس موضوع پر جداگانہ بحث موجود ہے —— مترجم

۵ - یعنی مساوات اشیا کے مقابلے میں جو ایک آسان سی بات ہے انسانوں کے درمیان مساوات کا ۔ کیا ہم ان میں تساوی قائم کریں گے ؟ نہیں کریں گے تو کس بنا پر ؟ — مترجم

۶ - اس لئے کہ ایک تو اس بحث میں عام انسانوں کی رائے ہوگی یعنی رائج الوقت رائے ، دوسری وہ جو حقیقت پر مبنی ہے اور جسے غور و فکر ہی سے متعین کیا جاسکتا ہے - اس سے عام رائے کی نفی یا استخفاف تو مقصود نہیں ہوتا لیکن یہ کوشش ضرور ہوتی ہے کہ اس کی اصلاح و ترمیم ہوجائے تاکہ اس کے معنی و مطلب کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہ رہے - ہم سمجھ لیں اسی کے متضمنات کیا ہیں ۔ ارسطو کی نظر میں رائے عامہ کی بڑی وقعت ہے - اخلاقیات میں تو اس

باقی صفحہ ۲۶۶ پر

کام جیسی جیسی شہریوں کی لیاقت اور قابلیت ہے ویسے ہی ان کے ذمے کر دینا چاہئے بشرطیکہ ان مخصوص خوبیوں (۷) کے علاوہ ان میں اور دوسرے لوگوں میں کوئی خاص فرق نہ ہو ، یعنی باقی سب پہلووں میں وہ باہم مساوی ہوں، کیونکہ عدل و انصاف کا تقاضا ہی یہ ہے کہ جیسا کچھ اختلاف لوگوں میں باعتبار ان کی خوبیوں کے پایا جاتا ہے ویسی ہی چیزیں ان سے منسوب بھی کر دی جائیں(۸) ۔ لیکن جسے صحیح تسلیم کر لیا گیا تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ رنگ یا قد یا اس طرح کی کسی دوسری خوبی کی بنا پر بھی کیا لوگ امور عامہ کے انتظام و انصرام میں اضافۂ حقوق کا مطالبہ کر سکتے ہیں ؟ حالانکہ یہ اتنی بڑی نامعقول بات ہے کہ اس پر مزید گفتگو کی ضرورت نہیں ۔ علوم و فنون سے بھی ہماری اس رائے کی

---

بقیہ حاشیہ ۲٦٥

نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اخلاقی معاملات میں کسی ایسی رائے ہی کو حق و صداقت سے تعبیر کیا جائے گا جسے ہر کوئی صحیح سمجھتا ہے یعنی جس کی حیثیت عالم گیر ہو ۔ بایں ہمہ اس کا خیال تھا کہ اس رائے کا تجزیہ از روئے غور و فکر ضروری ہے تاکہ اس کی ترمیم و اصلاح کے ساتھ ساتھ ہم اس کی اساس بھی کسی اعلیٰ اصول پر رکھ سکیں — مترجم

۷ - نظم امور اور اس لئے معاملات ریاست کے انتظام و انصرام کی جس کی بنا پر انہیں کوئی عہدہ ملے گا — مترجم

۸ - حقوق ، عہدے ، مال و دولت یعنی وہ مادی اور اخلاقی فوائد جو باعتبار لیاقت و قابلیت کسی شہری کو مل سکتے ہیں — مترجم

تائید ہوتی ہے (۹) مثلاً اگر کچھ مغنی باہم مل کر نے نوازی کر رہے ہیں تو یہ کہاں ضروری ہے کہ بہترین نے اس شخص کو دی جائے جو باعتبار حسب و نسب سب سے بہتر ہے، کیونکہ حسب و نسب کا بہتر ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ اسے نے نوازی میں بھی دوسروں پر ترجیح حاصل ہے ۔ لہٰذا آپ بہترین ساز اسی شخص کو دیں گے جو اپنے فن میں کامل ہے اور اس لئے باقی سب پر فائق ۔

لیکن اگر یہ بات اب بھی واضع نہیں ہوئی تو ہم اس کی تشریح میں ایک اور مثال پیش کریں گے اور وہ یہ کہ فرض کیجئے ایک شخص بہترین نے نواز ہے لیکن حسب و نسب کا اچھا نہیں اور حسن جسمانی سے بھی اسے کوئی بہرہ نہیں ملا ۔ اب اپنی جگہ پر دیکھا جائے تو یہ دونوں خوبیاں اس سے کہیں بہتر (۱۰) ہیں کہ کسی کو موسیقی میں دسترس حاصل ہو ۔ بایں ہمہ بہترین نے اسی کو دی جائے گی اس لئے کہ حسن جمال ہو ، یا دولت و ثروت اس کا باعث فوقیت ہونا اگرچہ ایک مسلمہ امر ہے لیکن یہاں اس کی رعایت کیسے رکھی جا سکتی ہے (۱۱) ، ورنہ اس طرز استدلال کے ماتحت تو یہ ماننا بھی لازم آئے گا کہ ایک خوبی کے مقابلے میں دوسری خوبیوں کا

---

۹ - کہ جیسا کچھ تفاوت افراد کی صلاحیتوں میں ہے ویسا ہی مناصب اور اعزازات کی تقسیم میں ہونا چاہئے — مترجم

۱۰ - اہل یونان بھی دنیائے قدیم کی طرح حسب و نسب میں برتری کے قائل تھے اور جیسا کہ معلوم ہے حسن جسمانی کا شمار ان کے یہاں فضائل میں ہوتا تھا — مترجم

۱۱ - کیونکہ یہاں فضائل کا سوال نہیں ، بلکہ ایک مخصوص فن کے اعتبار سے ایک مخصوص وظیفہ سرانجام دینے کا — مترجم

لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے (۱۲) - للہذا اگر بدن کی طاقت کا مقابلہ دولت اور ثروت ، یا حریت (۱۳) سے ہونے لگا تو یہ بدنی طاقت خواہ کسی میں بھی ہو مقابلے کے لئے کافی ہوگی (۱۴) اور اس لئے جو شخص قد و قامت میں بڑا ہے ، گو باعتبار فضائل چھوٹا وہ بہ سبب قد و قامت اس شخص کی جگہ لے سکتا ہے جو اسے بر بنائے فضائل دی گئی تھی - مگر پھر اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کوئی بھی چیز ہو ہم اس کا مقابلہ دوسری چیزوں سے کر سکتے ہیں - مثلاً یونہی کہ جتنا کسی کا قد و قامت ہے اتنی ہی اسے فضائل اخلاق پر ترجیح دی جائے یعنی ہم سمجھیں ایسی اور بھی کوئی خوبی ہے جو ان کے برابر ہو سکتی ہے، حالانکہ یہ ممکن نہیں (۱۵) - للہذا اگر

---

۱۲ - مثلاً حسب و نسب مال دولت کے ساتھ جسمانی طاقت کا — مترجم

۱۳ - غلامی کے مقابلے میں اس لئے کہ از منۂ قدیمہ میں نوع انسانی احرار اور عبید (ازادوں اور غلاموں) میں منقسم تھی - ارسطو کا کہنا یہ ہے کہ اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا گیا تو غلام اپنی بدنی طاقت کی بنا پر مناصب ریاست کے حق دار ٹھہریں گے ، حالانکہ غلام اطاعت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں ، نہ کہ حکومت کے لئے — مترجم

۱۴ - اور اس لئے وہ حکومت میں حصہ لینے کا مستحق ہوگا - ملاحظہ ہو حاشیہ ماسبق — مترجم

۱۵ - برکر نے ارسطو کے اس طرز استدلال کی تشریح اس طرح کی ہے کہ فرض کیجیے کامل و مکمل قد و قامت کا ۵/۸ خیر کامل کے ۵/۸ کے برابر ہے تو اس کے پیش نظر یہ ماننا بھی لازم آئے گا کہ ۱/۲ قد و قامت ۱/۲ خیر کامل کے مساوی ہے - لیکن قد و قامت اور

باقی صفحہ ۲٦۹ پر

جیسی جیسی کسی میں برتری ہے صرف اس کے زور پر مناصب ریاست کا مطالبہ کیا گیا تو عقل انسانی اسے کبھی گوارا نہیں کریگی - فرض کیجے ایک شخص تیز رفتار ہے ، دوسرا سست پا - لیکن محض تیزی یا سست رفتاری کے باعث یہ کیسے طے کیا جا سکتا ہے کہ ان میں کون بہتر ہے - دوڑ میں البتہ ایک ضرور انعام پائے گا - لیکن ریاست کے عہدوں میں ترجیح دی جائے گی تو انہیں صفات کو جو اس کے لئے موزوں ہیں (۱۶) - للہذا ان کے لئے مقابلہ

---

بقیہ حاشیہ ۲۶۸

خیر کو اس طرح باہم قابل احصا ٹھہرانے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ان دونوں خوبیوں کا تصور ایسی دو مقداروں کے طور پر کرتے ہیں جن میں باعتبار صفات کوئی فرق نہیں اور اس لئے ہمارے نزدیک ایک کا کوئی حصہ دوسرے کے کسی حصے کے برابر ہوسکتا ہے جو بداھۃ غلط ہے اور سرے سے محال اس لئے ناقابل تسلیم بھی ـــ مترجم

۱۶ - آگے چل کر فصل چہارم باب ہفتم میں کہا گیا ہے کہ حریت نسب ، مال و دولت اور تہذیب و شائستگی (ثقافت) وہ عنصر ہیں جن پر کسی شہر کی زندگی موقوف ہے (ملاحظہ ہو اس سلسلے میں اسی فصل کا باب دھم ، جس میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر اہل دولت و ثروت باقی نہ رہے تو شہر کی ہستی مٹ جائے گی) - تہذیب و شائستگی کا سلسلہ ارسطو خیر سے جوڑتا ہے جیسا کہ ابتداھی (پہلے باب) میں مذکور ہے کہ ہر اجتماع کے سامنے کوئی اچھا مقصد ہوتا ہے- بہرحال یونانی زبان میں تہذیب و شائستگی کے لئے جو لفظ استعمال ہوتا ہے اس کے معنی تربیت ذات کے ہیں اور اس لئے بہ نسبت انگریزی لفظ کلچر ہمارے اپنے الفاظ تہذیب ذات یا شائستگی سے قریب تر ـــ مترجم

ہوگا تو انہیں لوگوں میں جو خاندان کے اچھے ، آزاد اور صاحب دولت و ثروت ہیں اور یوں بھی ان کے مستحق (۱۷) ۔ اس لئے کہ اگر کسی شہر کا محض غلاموں پر مشتمل ہونا ممکن نہیں ہو سکتا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے صرف غریبوں پر مشتمل ہو جس میں اگر ان کی موجودگی ضروری ہے (۱۸) تو ان اشخاص کی بھی جو عادل اور شجاع ہیں کیونکہ عدالت اور شجاعت کے بغیر ریاست کا وجود محال ہے ۔ اول الذکر کا اس کی ہستی ، موخر الذکر کا سعادت اور خوش بختی کے لئے —

---

۱۷ - اعزازات ریاست - اس کے عہدوں اور مناصب کے — مترجم

۱۸ - لائق اور قابل انسانوں کی جو امور ریاست کے اہل ہیں — مترجم

# تیرھواں باب

لہذا معلوم ہؤا ریاست کا وجود قائم رہ سکتا ہے تو اس طرح کہ جن امور سے ہم اوپر بحث کر رہے تھے ان سب کی نہیں تو چند ایک کی تحقیق کر لی جائے۔ ہمیں ماننا پڑے گا کہ فضائل اخلاق اور تعلیم دونوں کا وجود جیسا کہ ہم اس سے پہلے کہہ آئے ہیں (۱) شہر کی مسرت اور خوش بختی کا سر چشمہ ہیں - پھر چونکہ ایک لحاظ سے مساوات کا یہ مطلب نہیں کہ جو لوگ ایک پہلو سے باہم مساوی ہیں ان کو ہر پہلو سے مساوی ٹھہرایا جائے، یا یہ کہ اگر ایک پہلو سے غیر مساوی ہیں تو ان میں کسی پہلو سے مساوات قائم نہیں ہو سکتی لہذا ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جس حکومت کی بنا اس قسم کے کسی اصول پر رکھی گئی وہ سرے سے فاسد اور ناروا ہے۔

مگر پھر اس سے پہلے ہم یہ بھی تو کہہ آئے ہیں (۲) کہ جہاں تک ریاست کے عہدوں اور مناصب کا تعلق ہے ان کے حصول میں جملہ افراد شہر کو ایک دوسرے کا حریف ٹھہرانا پڑے گا۔ دولت مندوں کو اس لئے کہ جائیداد غیر منقولہ میں سب سے زیادہ

---

۱ - باب نہم میں — مترجم

۲ - باب نہم کی ابتدا میں جہاں یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ جمہوریت اور اعیانیت دونوں کے حامی ایک حد تک حق بجانب ہیں اور اس لئے ان کی باتیں قرین عدل و انصاف ہیں۔ ان میں عدالت کا تھوڑا بہت تصور موجود ہے — مترجم

حصہ انہیں کا ہوگا ۔ یوں بھی زمین کی ملکیت کا حق آخر آخر جماعت ہی کو پہنچتا ہے (۳) اور ہم ان کی وفاداری پر بھی نسبتاً زیادہ اعتماد کر سکتے ہیں(۴) ۔ بعینہ آزاد اور اشراف بھی اپنا حق جتائیں گے اور کم و بیش مساوات ہی کی بنا پر ، کیونکہ جو لوگ حسب و نسب کے اچھے ہیں انہیں فی‌الواقعہ حق پہنچتا ہے کہ مجہول‌الحال لوگوں کی نسبت زیادہ قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جائیں ۔ یوں بھی حسب و نسب کی خوبی کا ہر کہیں احترام کیا جاتا ہے ۔ ایسے ہی یہ خیال بھی غلط نہیں کہ اچھے انسانوں کی اولاد اچھی ہی ہوگی۔ اس لئے کہ عالی نسبی ہی وہ چیز ہے جو سارے خاندان کے لئے اچھائی کا سر چشمہ ثابت ہوتی ہے (۴) ۔ لیکن پھر یہی وجوہ ہیں جن کی بنا پر فضائل اخلاق کو بھی حق پہنچتا ہے کہ اپنا دعویٰ پیش کریں ۔ مثلاً عدالت کو جو ایک اخلاقی فضیلت ہے اور معاشرے کے لئے اس درجہ ناگزیر کہ اس کے مقابلے میں باقی سب دعوے ہیچ ہیں (۵) ۔

---

۳ - یہ ایک طرح سے جملہ معترضہ ہے کیونکہ جماعت کا اشارا لوگوں کی طرف ہے ۔ گویا عوام کو یہ بات ناگوار گذرے گی کہ زمین زیادہ تر اہل دولت کے قبضے میں رہے ۔ معاملات ریاست میں وفاداری ۔ یعنی وفاداری بمعنی انگریزی لفظ Loyalty ـــ مترجم

۴ - یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ عالی نسبی افراد کی اچھائی ، تہذیب اور شرافت پر دلالت کرتی ہے ـــ مترجم

۵ - بارکر کہتا ہے اس نہایت ہی مختصر سے جملے میں عدالت کے دو تصور ارسطو کے پیش نظر ہیں ۔ ایک تو عدالت فی نفسہ یعنی صفت عدالت جیسا کہ ایک عادل اور منصف مزاج انسانی کی سیرت و

(باقی صفحہ ۲۷۳ پر) ۔

آئیے اب یہ دیکھا جائے قلت کے مقابلے پر کثرت اپنے حق میں کیا کہتی ہے - ممکن ہے اس کا کہنا یہ ہو کہ بحیثیت مجموعی وہ دوسروں کی نسبت طاقت میں برتر ہوگی ، مال و دولت اور فضائل اخلاق میں بھی - لیکن فرض کیجیے یہ سب ایک ہی شہر میں آباد ہیں ، یعنی اچھے اور دولت مند اشراف اور عوام سب جیسا کہ ہر اجتماع (۷) میں بالعموم ہوتا ہے تو اس صورت میں بھی کیا یہ نزاع باقی رہے گا کہ حکومت کرے تو کون ، کیونکہ ہم جن اجتماعات کا ذکر کر آئے ہیں ان میں تو کبھی یہ نزاع پیدا نہیں ہوا کہ اقتدار اعلیٰ کہاں اور کس کے ہاتھ میں رہنا چاہئے (۸) - اس لئے کہ جیسا کچھ اس اعتبار سے ان میں اختلاف

---

بقیہ حاشیہ ۲۷۲

کردار سے اس کا اظہار ہوتا ہے اور جس میں اس کی سب شکلیں جمع ہیں - عدالت ہی میں سب نیکیاں اور بھلائیں ملی جلی رہتی ہیں - دوسرے عدالت کا یہ تصور کہ وہ منجملہ ان عوامل کے ہے جن پر ہمارے اجتماعی روابط کا دارو مدار ہے ، مثلاً دولت اور حسب و نسب پر ، بلکہ ان سےبھی کہیں بڑھ کر - لہذا اس کا وجود ہیئیت مدنی کے لئے ناگزیر ہے - محض اس کے قیام ہی کے لئے نہیں بلکہ خیر کی اس زندگی کے لئے بھی جس کے ہم سب آرزومند ہیں اور جس کے ماتحت یہاں ارسطو نے اس پر زور دیا ہے - مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو اخلاقیات ، فصل پنجم ، باب دوم جس میں عدالت کی تقسیم عام عدالت اور مخصوص عدالت میں کی گئی ہے — مترجم

۶ - یعنی کثرت جیسا کہ متن میں مذکور ہے — مترجم

۷ - اجتماع مدنی ، شہر (یا ریاست) میں — مترجم

۸ - کیا اچھوں یعنی اہل خیر مہذب اور شائستہ عناصر کے ہاتھ میں جیسا کہ ارسطو کے الفاظ سے صاف مترشح ہوتا ہے — مترجم

ہوگا ویسا ہی ان لوگوں میں جو صاحب اقتدار ہیں ۔ ایک ریاست میں اگر یہ اقتدار اہل دولت و ثروت کے ہاتھ میں ہے تو دوسری میں لائق اور قابل عناصر کے پاس (۹) اور ایسے ہی ہر ریاست میں جیسا کچھ اس کا دستور ہے ۔ لیکن ہمیں غور کرنا ہے تو اس بات پر کہ اگر یہ سب عناصر ایک ہی شہر میں بیک وقت جمع ہو جائیں تو ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہئے (۱۰) ۔ کیا ارباب فضائل کو اس لئے ترجیح دی جائے کہ وہ س کے اہل ہیں اور فی‌الواقعہ شہر کا نظم و نسق قائم رکھ سکیں گے (۱۱)، یا یہ کہ ان کی تعداد کم از کم اتنی تو ہو کہ ریاست کی تشکیل ممکن ہو جائے (۱۲) ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اعزازات حکومت کے سلسلے میں کسی فریق کے دعوے کو لیجے اس میں کوئی نہ کوئی بات مشکوک نظر

---

۹ - یعنی اگر ایک کا طرز حکومت اعیانی ہے تو دوسرے کا امارتی — مترجم

۱۰ - سب عناصر بیک وقت جمع ہوجائیں - ارسطو کا مطلب دراصل یہ ہے کہ سب عناصر اپنا دعویٰ پیش کریں - ویسے کوئی بھی شہر ہو وہ ان سب عناصر پر مشتمل تو ضرور ہوگا جیسا کہ اس سے پہلے مذکور ہوچکا ہے — مترجم

۱۱ - کیونکہ ان کی تعداد لازماً کم ہوگی - لہٰذا ایک ایسی قلت جو اگرچہ حکومت کی اہل ہے کثرت کے مقابلے میں اپنی طاقت اور حکومت کیسے برقرار رکھ سکے گی — مترجم

۱۲ - ملاحظہ ہو حاشیہ ماسبق - مطلب یہ ہے کہ اہل فضائل کی تعداد قلت کی بجائے کثرت میں بدل جائے اور اس لئے ایک اعلیٰ ریاست کی تشکیل ہوسکے — مترجم

آئے گی (۱۳)۔ فرض کیجئے ہم اس کی بنا حسب و نسب یا دولت پر رکھتے ہیں لیکن دولت اور حسب و نسب میں تو کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان کا یہ دعویٰ حق بجانب ٹھہرے اس لئے کہ اگر یہ دعویٰ تسلیم کر لیا گیا تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس کسی کے پاس دوسروں کی نسبت زیادہ مال و دولت ہے وہ ان سب پر حکومت کرنے کا حق رکھتا ہے۔ ایسے ہی جو شخص حسب و نسب میں سب سے اونچا ہے ان لوگوں پر جو حسب و نسب کی بنا پر حکومت کرنے کا حق مانگتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی نزاع فضائل اخلاق کے پیش نظر امارتوں میں پیدا ہو جائے گا اس لئے کہ جو شخص لیاقت اور قابلیت میں ہر کسی سے برتر ہے وہی اس کا حق دار ہے کہ زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے (۱۴)۔ لیکن

---

۱۳ - مطلب یہ ہے کہ اگر اچھوں کی حمایت محض ان کی صفات عالیہ کے پیش نظر کی جاتی ہے، حالانکہ ان کی تعداد لازماً کم ہوگی تو کیا ان میں سب سے اچھے کی حمایت—خواہ وہ ایک ہی شخص ہو—اسی اصول کی بنا پر نہیں کی جاسکتی (جیسا کہ آگے چل کر مذکور ہے)؟ علیٰ ھذا سب سے زیادہ دولت مند اور کثرت میں سب سے زیادہ طاقتور کی؟ — مترجم

۱۴ - لیکن یہاں ارسطو نے اچھائی کا رشتہ مال و دولت سے نہیں جوڑا - مال و دولت کا تعلق حسب و نسب سے ہے اور حسب و نسب اور مال و دولت اعیانیت کی اساس ہیں - اچھائی سے مطلب ہے محض اچھائی یعنی خیر اور اس لئے اہل خیر کی حکومت (امارت جس کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ اور جس میں ہمارے سامنے اس لفظ کا وہ مفہوم نہیں جو عام طور پر اردو میں مروج ہے بلکہ اہلیت امر) بشرطیکہ امر کو خیر ٹھہرایا جائے یا جیسے یونانی زبان میں ارسٹوئی کے معنی بہترین کے ہیں اور اس لئے بہترین انسانوں کی حکومت کو ہم 'ارسٹوکریسی' سے تعبیر کریں گے — مترجم

پھر کثرت بھی اقتدار اعلیٰ کا مطالبہ کرتی ہے تو اس بنا پر کہ بمقابلہ قلت وہ طاقت میں زیادہ ہے ۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یا کچھ اشخاص یہ محسوس کریں کہ وہ طاقت میں سب سے بڑھ کر ہیں تو کیا یہ حق انہیں ملنا چاہئے ؟

لہٰذا ظاہر ہے کہ اقتدار اعلیٰ کا مطالبہ جس اصول کی بنا پر بھی کیا جائے صحیح نظر نہیں آتا ، مثلاً اگر یہ دعویٰ فضائل اخلاق یا دولت اور ثروت کی بنا پر کیا جا رہا ہے اور لوگ اس پر اعتراض کریں تو وہ اس میں حق بجانب ہوں گے کیونکہ بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوتا ہے اور یہ کوئی ناممکن بات نہیں کہ کثرت کا درجہ باعتبار مال و دولت قلت سے برتر ہو ، فرداً فرداً نہ سہی مجموعی حیثیت سے ۔

رہا وہ شک و شبہ جس کا بعض لوگوں نے اظہار کیا ہے ، بلکہ جسے اکثر بطور اعتراض پیش کیا جاتا ہے (۱۵) اس کا جواب بھی یونہی ممکن ہے ۔ لوگ کہتے ہیں آئیے ہم فرض کر لیں مقنن کا ارادہ بہترین قوانین وضع کرنے کا ہے ۔ سوال یہ ہے اندریں صورت اسے کیا کرنا چاہئے ۔ یہ کہ قوانین کا رشتہ سب شہریوں سے جوڑ دے یا صرف کثرت سے (۱۶) ؟ کیونکہ مساوات ہی وہ معیار ہے جس کی بنا پر ہم کسی چیز کی صحت اور عدم صحت کا فیصلہ کر سکتے ہیں ۔ لہٰذا جو چیز سب کے لئے صحیح ہے سب

---

۱۵ - شک و شبہ کی بات یہ ہے کہ فرض کیجئے بہ حیثیت مجموعی کثرت فی الواقعہ قلت سے بہتر ہو — مترجم

۱۶ - مطلب یہ ہے کہ اس کے پیش نظر کس کا مفاد ہو ؟ اچھے شہریوں ہر شہری یا کثرت کا — مترجم

کے لئے فائدہ مند بھی ہوگی یعنی مشترکہ طور پر ہر شہری کے لئے (۱۷)۔

اب شہری کے متعلق عام رائے تو یہی ہے کہ وہ اگر حکومت کرتا ہے تو اس پر حکومت کی بھی جاتی ہے (۱۸)۔ یہ دوسری بات ہے کہ مختلف ریاستوں میں اس کی حیثیت مختلف ہوگی۔ مثلاً بہترین ریاست وہ ہے جس میں ہر کسی کو اجازت ہوگی کہ انفرادی ہو، یا اجتماعی زندگی میں جس اعتبار سے جیسی چاہے فضیلت کی پرورش کر سکے (۱۹)۔ لیکن فرض کیجئے ایسا ایک شخص یا معدودے چند اشخاص فضائل اخلاق میں تو بہت آگے ہیں مگر تعداد میں اتنے کم کہ ایک اجتماع مدنی کی تشکیل ناممکن ہو جاتی ہے۔ دوسری جانب کثرت ہے، لیکن کیا بہ لحاظ فضائل اور کیا بہ لحاظ قابلیت اتنی پست کہ مقابلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، نہ اس ایک، نہ معدودے چند اشخاص سے تو کیا انہیں شہر کا جز تصور کرنا

---

۱۷ - یعنی اگر کوئی قانون اصولاً صحیح ہے تو اس سے سب مستفید ہوں گے۔ لہٰذا وضع قانون میں پیش نظر ہونا چاہئے تو یہ اصول کہ کسی خاص عنصر کی بجائے اچھوں اور کثرت سب کا فائدہ ملحوظ خاطر رہے ـــ مترجم

۱۸ - اور جس کا ارسطو نے بار بار اعادہ کیا ہے۔ کبھی شہری کی تعریف میں (فصل سوم کی ابتدا ملاحظہ ہو)، کبھی حکومت کی تشریح میں کہ وہ عبارت ہے باری باری سے حکومت اور اطاعت سے ـــ مترجم

۱۹ - یا دوسرے لفظوں میں بہترین دستور حکومت وہ ہے جس سے خیر کو تحریک ہو تا کہ لوگ اس کے مطابق زندگی بسر کریں ـــ مترجم

چاھئے ؟ یہ تو بڑی ناانصافی ہوگی کہ ایسے بلند پایہ افراد ان لوگوں کی سطح پر رھیں جو فضائل اخلاق اور سیاسی سوجھ بوجھ ھر اعتبار سے اتنے فرومایہ ھیں کہ وہ ان کے مقابلے میں دیوتا نظر آئیں ۔ اندریں صورت ھمیں چاھئے نظام جو قانون وضع کریں ان لوگوں کے لئے جو بر بنائے حیثیت (۲۰) اور طاقت باھمدگر مساوی ھیں ۔ البتہ اس دوسری قسم کے انسانوں کے لئے کوئی قانون نہیں ھوگا (۲۱) ، کیونکہ وہ اپنی ذات سے آپ قانون ھیں ۔ لٰہذا یہ بڑی ھی نامعقول بات ھوگی اگرھم نے تعزیرات قانون کا اطلاق ان لوگوں پر بھی کیا (۲۲) اور جس پر شاید اس طرح کے انسان وھی کچھ کہیں جو بقول انٹس تھینیز (۲۳) اس وقت جب خرگوشوں نے حکومت میں مساویانہ حق کا مطالبہ کیا شیروں نے کہا تھا (۲۴) ۔ یہی وجہ ھے کہ جمہوریتوں کے یہاں اجلا کا قاعدہ نافذ ھے ، کیونکہ ان حکومتوں کا سب سے بڑا مقصد ھی یہ ھوتا ھے کہ مساوات قائم رھے ۔ لٰہذا وہ ھر ایسے شخص کو جسے طاقت ، یا دولت ، یا

---

۲۰ - حیثیت سے مطلب ھے خاندانی حیثیت حسب و نسب — مترجم

۲۱ - یعنی وہ لوگ جو فضائل اخلاق سے مالا مال ھیں اور جن کے مقابلے کا ذکر اوپر ھو رھا تھا — مترجم

۲۲ - جیسے انہیں بھی قانون کی رھنمائی کی ضرورت ھے — مترجم

۲۳ - Antisthenes غالباً کلبی (Cynic) فلسفہ کے بانی کی طرف اشارا ھے جو افلاطون کی طرح سقراط کا شاگرد تھا مگر افلاطون کے فلسفیانہ خیالات کا مخالف — مترجم

۲۴ - کہ بہت بہتر ، مگر آپ کے دانت کہاں ھیں اور پنجے کہاں — مترجم

دوستی (۲۵) یا کسی دوسری خوبی میں نمایاں حیثیت حاصل ہے
اور اس لئے اندیشہ ہو وہ شاید حکومت پر چھا جائے گا مجبور کر
دیتی ہیں کہ ایک خاص مدت کے لئے شہر چھوڑ دے، جیسا کہ
افسانوں میں مذکور ہے آرگو والوں (۲۶) نے ہرقلیس (۲۷) سے
کہا تھا۔ انہوں نے اس کی غیر معمولی طاقت اور قوت کو دیکھ
کر اسے اپنی کشتی آرگو میں لے جانے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا
جو لوگ استبداد سے متنفر ہیں اور اس لئے انہیں وہ نصیحت پسند
نہیں جو پیری‌آنڈر نے تھراسائی‌بولوس (۲۸) کو دی تھی یہ نہ

---

۲۵ - یعنی اثر و رسوخ جو بربنائے روابط حاصل ہوجاتا ہے اور جس کی بنا
بہرحال دوستانہ تعلقات پر ہوگی — مترجم

۲۶ - Argo کشتی کا نام ہے جسے آرگس نے Argus تیار کیا تھا لہٰذا اس
کا یہ نام یہ کشتی جس میں پچاس چپو تھے اس لئے تیار کی گئی تھی
کہ جیسن Jason وہ طلائی اون لاسکے جو کولچس Colchis میں شاہ
بلوط کے ایک درخت پر لٹک رہی تھی - پورا افسانہ یونانی اساطیر
کی کسی کتاب میں مل جائے گا - یہاں یاد رکھنے کی بات یہ
ہے کہ جن بہادروں نے اس کشتی میں سفر کیا تھا ان
کو آرگوناٹ (آرگو کے بحر پیما) کہتے ہیں، اس کشتی کی رعایت
سے — مترجم

۲۷ - Hercules مشہور افسانوی بطل ہے جس نے رستم کی طرح کئی ہفت
خوان طے کئے اور جس سے بڑھ کر طاقت اور قوت میں کسی کو بہرہ
نہیں ملا تھا — مترجم

۲۸ - Periander کارنتھ کا حاکم مستبد - زمانہ ۶۲۵ ق-م - بعض لوگ اس
کا شمار ہفت دانان یونان میں کرتے ہیں — مترجم
Tharasybolos کا زمانہ ۶۰۰ ق-م ہے - پیری آنڈر کی طرح یہ شخص

باقی صفحہ ۲۸۰ پر

سمجھیں کہ اس کی حمایت میں کچھ کہنا ناممکن ہے ۔ کہا جاتا ہے پیری آنڈر نے قاصد سے اس سلسلے میں تو کچھ نہیں کہا جس کے متعلق وہ اس سے مشورہ کرنے آیا تھا ، البتہ جو بالیاں دوسروں سے اونچی تھیں انہیں اڑا دیا ۔ ہاں قاصد نے جب یہ بات تھر اسائی بولوس سے بیان کی تو وہ سمجھ گیا کہ پیری آنڈر کا مطلب کیا ہے کہ اکابر شہر کو شہر بدر کر دیا جائے ۔ لیکن یہ بات کچھ استبداد ہی کے لئے مفید نہیں (۲۹) اور اس لئے صرف مستبد ہی اس پر عمل نہیں کرتے ۔ اعیانیتوں اور جمہوریتوں میں بھی کچھ ایسا ہی دستور ہے ۔ کیونکہ اجلا سے بہر صورت یکساں نتیجہ مترتب ہوتا ہے ، یعنی ایسے افراد کی جلاوطنی جو دوسروں سے بہت زیادہ بلند اور بر تر ہوں ۔ لہٰذا جو کچھ ایک ریاست میں کیا جاتا ہے وہی کچھ دوسری ریاستوں میں وہ لوگ کرتے ہیں جو بر سر اقتدار ہوتے ہیں جیسا کہ اہل اثینیہ نے ساموسیون، لس بوسیون اور کیوسیون (۳۰) سے اس وقت کیا جب انہیں سارے یونان پر

---

بقیہ حاشیہ ۲۷۹

بھی ملے طوس کا حاکم مستبد تھا ۔ لیکن ہردو دطوس کا کہنا یہ ہے کہ تھراسائی بولوس نے پیری آنڈر کی نصیحت پر عمل نہیں کیا بلکہ پیری آنڈر نے تھروسائی بولوس کی نصیحت پر ۔ ممکن ہے ارسطو سہواً ایسا کہہ گیا ہو — مترجم

۲۹ ۔ جیسا کہ استبداد کے مخالفین سمجھتے ہیں — مترجم

۳۰ ۔ Samos, Lesbos, Chios ان تینوں جزیروں کی شہری ریاستیں اتحاد اثینیہ Athenian League میں شامل ہوگئی تھیں ۔ (۴۷۹ میں ، ایرانی سیادت کے خاتمے پر) — مترجم

سیادت حاصل ہوئی (۳۱) تو باوجود ان معاہدوں کے جو کبھی ان کے درمیان قائم تھے انہیں اطاعت پر مجبور کر دیا ۔ ایران کا بادشاہ بھی تو میدیا اور بابل کی جب کبھی انہیں قوت اور اقتدار حاصل ہو جائے سرکوبی کرتا رہتا ہے (۳۲) ۔ بہر حال یہ ایک ایسا اصول ہے جس کا سب حکومتیں خواہ ان کی نوعیت کچھ بھی ہو لحاظ رکھتی ہیں ۔ وہ بھی جن کا نظم و نسق اچھا ہے اور وہ بھی جن کا نظم و نسق اچھا نہیں (۳۳) ۔ ایک اپنے ذاتی مفاد کے لئے ، دوسری مفاد عامہ کی خاطر ۔

دوسرے علوم و فنون سے بھی ہمارے اسی خیال کی تائید

---

۳۱ - ۴۷۹ م میں جب اثینیہ کے زیر سرکردگی متعدد یونانی ریاستیں ایک دوسرے کی حلیف ٹھہریں- اس لئے کہ یہ اثینیہ تھا جس کی بدولت انہوں نے ایران کی سیادت سے آزادی حاصل کی تھی - لیکن یہ آزادی چند روزہ ثابت ہوئی اور تھوڑے ہی دنوں میں اثینیہ کی محکومی سے بدل گئی جس نے تیس چالیس برس کے اندر اندر ان کی آزادی کا خاتمہ کر ڈالا — مترجم

۳۲ - میدیا یا الجبال (شمال مغربی ایشیا کا وہ حصہ جس کے شمال میں دریائے ارس اور جنوب میں کردستان کے پہاڑ واقع ہیں اور جس کے باشندے ہخامنشی (شاہنامے کی کیانی) سلطنت کے خلاف اکثر سر اٹھایا کرتے تھے- اس لئے کہ یہ ہخامنشی سلطنت کا بانی کروش (کیخسرو، کیکاوس ؟) یا خورس تھا جس نے میدیا (ماہ ، مدا) کے خلاف بغاوت کی اور اپنے آبائی وطن ایران کو اس کی محکومی سے نجات دلائی- بابل کا ذکر ارسطو نے اسلئے کیا ہے کہ آخری بابلی سلطنت کا خاتمہ بھی جسے بخت نصر نے استحکام بخشا تھا کروش ہی کے ہاتھوں ہؤا - چنانچہ بابل کے محاصرے اور اس کی تسخیر کا ذکر اس سے پہلے ہی آچکا ہے — مترجم

۳۳ - ازروئے اصول (یعنی ازروئے دستور حکومت) نہ کہ عملاً — مترجم

ہوتی ہے ۔ ایسا کون مصور ہے جو کسی جانور کی تصویر اس طرح کھینچے کہ اس کا ایک پاؤں غیر معمولی طور پر بڑا ہو، خواہ تصویر نہایت خوبی سے کھینچی گئی ہو۔ نہ جہاز ساز مقدم جہاز، یا اس کا کوئی حصہ اس طرح تیار کرے گا کہ اس کی جسامت حد متناسب سے آگے بڑھ جائے۔ نہ موسیقی کا کوئی استاد کسی ایسے گانے والے کو جو دوسروں کی نسبت زیادہ اونچے سروں میں گاتا ہے ان کے ساتھ گانے کی اجازت دے گا۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ اگر آزاد ریاستیں (۳۴) مفاد عامہ کے پیش نظر اس اصول پر عمل کر سکتی ہیں تو بادشاہ اس سے کام لے کر اپنی طاقت اور قوت بر قرار نہ رکھیں (۳۵) ۔ باالفاظ دیگر جب کبھی شہریوں کی طاقت اور اثر و رسوخ میں نمایاں فرق پیدا ہو جائے تو اجلا کی ته میں جو بھی اصول کا کام کریگا اسے باعتبار سیاست جائز ہی تسلیم کرنا پڑے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مقنن کو چاہئے ریاست کی تشکیل شروع ہی سے اس نہج پر کرے کہ اس قسم کے مداووں کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ اسے چاہئے اس طرح کا کوئی نقص پیدا ہو جائے تو اس کے تدارک کا ایسا ہی کوئی ذریعہ سوچ رکھے۔ بات یہ ہے اس اصول کا استعمال کسی اچھی غرض کے لئے تو کبھی ہوا نہیں اس لئے کہ کتنی ریاستیں ہیں جن کو لوگوں کے سود و بہبود کا خیال ہی نہیں تھا ۔ تھا تو یہ کہ اس اصول

---

۳۴ - جہاں بادشاہتیں قائم نہیں ، یا جہاں اقتدار اعلیٰ لوگوں کے ہاتھ میں ہے — مترجم

۳۵ - بشرطیکہ بادشاہ کے پیش نظر مفاد عامہ کی حفاظت ہے — مترجم

کو ایک دوسرے کے خلاف بغاوت اور سرکشی کا ذریعہ بنائیں (۳۶)

لہٰذا ثابت ہوا کہ ایک فاسد حکومت میں تو یہ اصول ایک حد تک قرین انصاف اور افراد کے لئے مفید بھی ہے، گو یہ ظاہر ہے اسے سر تا سر قرین انصاف ٹھہرانا شاید صحیح نہ ہو اس لئے کہ جس ریاست کی حکومت بخوبی منضبط ہو چکی ہے(۳۷) وہاں اس اصول پر عمل کرنا غلط ہوگا، کیونکہ اگر ایسی کوئی ریاست موجود ہے تو اس میں دولت اور طاقت یا حسب و نسب کا مسئلہ تو ہوگا نہیں - ہوگا تو یہ کہ اس طرح کے امتیازات کا تعلق چونکہ فضائل اخلاق سے ہے لہٰذا اس صورت میں ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہئے ؟ بات یہ ہے کہ ایسے عالی‌مرتبہ انسانوں کو شہر بدر کر دینا تو کچھ اچھا معلوم نہیں ہوتا، نہ یہ کہ انہیں محکوم رکھا جائے۔ ایسا کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم گویا مشتری (۳۸) کے ساتھ شریک اقتدار ہیں، بلکہ اس پر حکومت کے خواہش مند - اندریں صورت ہمارے سامنے کوئی راستہ ہے تو یہ اور یہی تقاضائے فطرت کہ جس کسی کو فضائل اخلاق میں غیر معمولی تفوق حاصل ہے چپ چاپ اس کی اطاعت قبول کر لیں - جیسے یہ بھی کہ اس اس پائے کے انسان جہاں کہیں بھی موجود ہیں وہاں انہیں بادشاہ

---

۳۶ - یعنی وہ اس کا استعمال اس لئے کرتے تھے کہ فریق مخالف کو نقصان پہنچا سکیں - لہٰذا ان لوگوں کو جو اقتدار و اختیار میں ان کے حریف ہیں شہر بدر کر دیں — مترجم

۳۷ - مطلب یہ ہے کہ اس کے دستور میں کوئی خامی نہیں — مترجم

۳۸ - Jupitor یا Zeus خدائے خدایگان - جسے انسانوں کا باپ اور آقا کہا گیا ہے - ملاحظہ ہو فصل اول — مترجم

تسلیم کر لیا جائے (۳۹) -

۳۹ - بارکر کہتا ہے یہاں نیومین نے کرامویل Cromwell کی حمایت میں مشہور انگریز شاعر ملٹن کا جو قول نقل کیا ہے نہایت ہی مناسب ہے - ملٹن کہتا ہے ہم سب آپ کی بے مثل قابلیت اور فضیلت کے پیش نظر حکومت کا سررشتہ آپ کے ہاتھ میں دے رہے ہیں . . . بجز ان کے جن کی تعداد کچھ زیادہ نہیں اور جو ابھی تک نہیں سمجھے کہ دنیا میں . . . عقل سے بہتر کوئی شے نہیں . . . نہ یہ کہ اقتدار اعلیٰ کی زمام اسی شخص کے ہاتھ میں رہنی چاہئے جو دانائی اور اچھائی میں سب پر فائق ہے — مترجم

# چودھواں باب

اب جو بات یہاں تک آپہنچی ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے ہم اپنے موضوع سے ذرا ہٹتے ہوئے اس امر پر بھی غور کرلیں کہ بادشاہت ہے کیا (۱) ۔ اس لئے کہ بادشاہت کا شمار ہم نے اس نوع میں کیا ہے جس میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ حکومت کی تاسیس اچھے اصولوں ہی پر کی جائے گی ۔ لہٰذا دیکھنا چاہئے کہ ایک ایسے شہر یا ملک کے لئے جس کا مقصود باشندوں کی سعادت اور خوش بختی ہے بادشاہت مفید رہے گی یا کوئی دوسرا طرز

---

۱ ۔ اب تک بحث یہ تھی کہ سیاسی اقتدار کی تقسیم کس طرح ہونی چاہئے ۔ بالفاظ دیگر یہ بحث تھی تفریقی عدالت کی ۔ ایک طرف حسب و نسب ، دولت اور فضائل کا مسئلہ تھا ، کیونکہ یہ وہ چیزیں ہیں جو صفاتی اعتبار سے ریاست کے سود و بہبود میں حصہ لیتی ہیں ۔ دوسری جانب کثرت تھی ، قلت اور فرد واحد ۔ یہاں مسئلہ گویا تعداد کا تھا یعنی صفت کے مقابلے میں مقدار کا جس کے پیش نظر ارسطو نے کبھی ایک کی تائید کی ، کبھی دوسری کی ۔ لیکن بالآخر اپنا فیصلہ فرد واحد کے حق میں دیا ۔ چنانچہ اب اس فصل میں صرف بادشاہت ہی سے بحث کی جائے گی اول بربنائے مصلحت اور پھر بربنائے عدالت لیکن آگے چل کر دونوں کے پیش نظر ۔ بات یہ ہے کہ ارسطو نے چونکہ ریاستوں کی تقسیم میں بادشاہت کا شمار بھی صالح ریاستوں میں کیا ہے لہٰذا بادشاہت کی بحث ضروری ٹھری ، کیونکہ یہ بھی صالح دستور حکومت کی ایک شکل ہے — مترجم

حکومت ؟ لیکن پھر اس سے پہلے یہ دیکھ لینا بھی ضروری ہوگا کہ بادشاہت کی ایک ہی قسم ہے یا متعدد ؟ یہ امر کہ اس کی متعدد قسمیں ہیں اور جیسی کہیں بادشاہت ہے ویسی ہی شکل حکومت نے بھی اختیار کرلی ہے بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے ۔ مثلاً اسپارٹا میں جہاں بادشاہ کا اقتدار زیادہ تر قانون کے ہاتھوں میں ہے(۲) کیونکہ اسپارٹا کے بادشاہ مطلق العنان نہیں ۔ جنگ کی صورت میں البتہ وہ ملک سے باہر نکلیں تو فوج کی سرداری انہیں کے ہاتھ میں رہتی ہے ۔ مذہبی معاملات بھی انہیں کے سپرد ہیں ۔ گویا وہاں بادشاہ کا منصب بڑی حد تک سپہ سالار کا منصب ہے جس کے اعمال و افعال کی نہ تو باز پرس کی جاسکتی ہے ، نہ عمر بھر اسے اس عہدے سے الگ کیا جاسکتا ہے ۔ لہٰذا وہاں بادشاہتوں کو موت و حیات کا اختیار حاصل ہے تو صرف بحالت سپہ سالاری اور یہی ان کے یہاں قانون بھی تھا تاکہ دوران لشکر کشی میں وہ اس فوجی قانون سے فائدہ اٹھاسکیں(۳) ۔ ہومر سے بھی کچھ ایسی ہی بات کا پتہ چلتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ شوریٰ میں اگامنن کو برا بھلا کہا جاتا تو وہ خاموش رہتا ۔ البتہ میدان جنگ میں اپنے اختیارات کے بل پر یونانیوں سے کہتا :

”میں نے جس کسی کو لڑائی سے جی چراتے دیکھا
وہ کتوں اور چیلوں کا شکار ہو گا
اس لئے کہ موت کا اختیار میرے ہاتھ میں ہے (۴)

---

۳ - یعنی آجکل کی اصطلاح میں یہ کہنا چاہئے وہاں دستوری بادشاہت قائم تھی — مترجم

۳ - عہد ابطال Heroic age میں — مترجم

حاشیہ ۴ صفحہ ۲۸۷ پر

یہ گویا بادشاہت کی وہ شکل ہے جس میں بادشاہ کو تاحین حیات سپہ سالاری کا منصب حاصل رہتا ہے اور جو کبھی تو انتخابی ہوتا ہے ، کبھی موروثی - لیکن بادشاہت کی ایک شکل وہ بھی ہے ، جو غیر متمدن اقوام میں رائج ہے اور جس میں اسے قریباً قریباً وہ سب اختیارات حاصل ہوتے ہیں جو ایک حاکم مستبد کے ہوسکتے ہیں ، گو اس کے باوجود وہ ایکحد تک ملک کے قوانین اور رسم و رواج کی پابندی بھی کرتا ہے - اس لئے کہ غیر متمدن اقوام یونانیوں کی نسبت غلامی کی طرف زیادہ مائل ہیں جیسے اہل ایشیا اہل یورپ کے مقابلے میں (۵) اور اس لئے وہ ہر مطلق العنان حکومت کے سامنے بے چون و چرا سر تسلیم خم کر دیتے ہیں - لہٰذا ان حکومتوں نے استبداد کا رنگ اختیار کرر کھا ہے لیکن پھر ان کا قیام چونکہ قانون اور رسم رواج ہی کے مطابق عمل میں آتا ہے اس لئے وہاں یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ ان کا اقتدار ختم بھی ہوسکتا ہے(٦) - ان کے محافظ بھی ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے اس

---

۴ - یہ اشعار ای لیڈ سے لئے گئے ہیں - جیساکہ معلوم ہے اگاممنان ٹرائے کی لڑائی میں یونانیوں کا سپہ سالار تھا — مترجم

۵ - مگر جس کی ارسطو کے پاس کوئی سند نہیں بجز اس کے کہ اس کا دل جذبات تعصب سے معمور ہے - ارسطو کے ان خیالات کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ — مترجم

٦ - غیر متمدن حکومتوں کی طرف اشارا ہے لیکن قانون اور رواج کے پیش نظر ان کے استحکام کی توجیہ اگر محض اس بنا پر کی جائے کہ غیر متمدن اقوام (بشمول اہل ایشیا) غلامی کی طرف مائل ہیں تو اس سے کسی کا اطمینان نہیں ہوگا اور اس لئے مجبوراً کہنا پڑے گا کہ ارسطو ان کی حقیقی نوعیت کے فہم سے قاصر رہا - ملاحظہ ہو مقدمہ — مترجم

دوسری قسم کی شاہی حکومتوں (۷) کے جہاں استبداد کا دور دورہ نہیں ہوتا ۔ ان کے محافظین کی بھرتی تو اہل شہر سے کی جاتی ہے لیکن مستبدین کے محافظوں کی اجنبیوں سے اس لئے کہ ایک(۸) تو ان پر جنہوں نے برضا و رغبت اس کی اطاعت قبول کرلی ہے قانون کے مطابق حکومت کرتا ہے دوسرا (۹) جیسے اس کا جی چاہے ان پر جو خود اپنی مرضی سے اس کا اقتدار قبول نہیں کرتے ۔ لہٰذا ایک کی حفاظت اگر شہری کرتے ہیں تو دوسرے کی گویا ان سے حفاظت کی جاتی ہے ۔

بادشاہت کی ان دو قسموں کے علاوہ ایک تیسری قسم بھی ہے جسے قدیم یونانی آمریت (۱۰) سے تعبیر کرتے تھے اور جسے فی‌الحقیقت ایک طرح کی انتخابی استبدادیت کہنا چاہئے ۔ مگر اس میں اور غیر متمدن اقوام کے طرز استبداد میں کوئی فرق نہیں ہوگا ۔ ہوگا تو یہ کہ انتخابی استبدادیت کی حیثیت قانون کے خلاف نہیں

---

۷ - اہل مغرب کہتے ہیں ارسطو کی نگاہیں چونکہ شہری ریاستوں پر تھیں اس لئے وہ بڑی بڑی قوموں کے مسائل نہیں سمجھا (جیسا کہ مغرب میں قوم کا تصور ہے ، ملاحظہ ہو مقدمہ از لنڈ سے) بعینہ ارسطو نے ایشیا کی ان عظیم الشان سلطنتوں مثلاً ایرانی سلطنت کی عظمت اور وقعت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی جن کی بدولت نوع انسانی کی بڑی بڑی عظیم آبادیوں میں سیاسی وحدت کا احساس پیدا ہوا اور جس سے اہل یونان ہمیشہ محروم رہے ۔ ملاحظہ ہو مقدمہ ــ مترجم

۸ - غیر مستبد بادشاہ ـــ مترجم

۹ - مستبد بادشاہ ـــ مترجم

۱۰ - یونانی زبان میں Anymnetes جس کے لفظی معنی حکمران کے ہیں ۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۲ ـــ مترجم

ہوتی۔ رسم رواج کے خلاف ضرور(۱۱) ہوتی ہے ثانیاً یہ کہ بعض اشخاص کو تو یہ اقتدار عمر بھر کے لئے حاصل رہتا ہے، بعض کو صرف ایک مقررہ میعاد تک اور وہ بھی کسی مخصوص مقصد کے لئے (۱۲)۔ جیسے مٹے لین کے باشندوں نے ان جلاوطنوں کے مقابلے میں جو انٹی منے ڈیس اور ال کیئس کی سرکردگی میں ان پر چڑھ آئے تھے پٹاکس کا انتخاب کرلیا تھا جس کا پتہ ہمیں ال کیئس ھی کی ایک نظم سے چلتا ہے۔ اس نے اہل مٹے لین کی اس امر پر ملامت کی ہے کہ انہوں نے بیک آواز پٹاکس ایسے مستبد کو اپنا حاکم چن لیا اور اس کا مرتبہ آسمانوں سے بھی بڑھا دیا، لیکن آخرالامر وھی ان لوگوں کی تباھی کا باعث ھوا(۱۳)۔ اس قسم کی حکومتیں جب کبھی اور جہاں کہیں قائم ھوئیں مطلق العنان رھیں، کیونکہ ان کا طور طریق مستبدانہ ھوتا ہے۔ لیکن ہم ان کا شمار بھی بادشاھتوں ھی

---

۱۱ - بمقابلہ غیر متمدن اقوام کے جہاں بقول ارسطو استبداد کو رسم و رواج کے عین مطابق تصور کیا جاتا ہے — مترجم

۱۲ - بعض یونانی حاکم بھی آمر بن گئے تھے لیکن ارسطو کا اشارا یہاں ان حکام کی طرف ہے جو گویا صحیح معنوں میں آمر تھے، یعنی جس طرح آگے چل کر رومی آمرین کی مثال ہمارے سامنے آئیگی - اس سلسلے میں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ رومی آمر کا تقرر قنصل کے ہاتھ میں ہوتا تھا جو اول مجلس عمائد کی طرف سے اس کی باقاعدہ اجازت حاصل کرتا اور پھر جسے چاھتا آمر مقرر کر دیتا ثانیاً آمریت کی میعاد بھی چھ مہینوں سے زیادہ نہیں ھوتی اور اس کا تقرر کسی خاص فریضے کے پیش نظر عمل میں آتا مثلاً کسی خارجی معاملے یا جنگی ضرورت یا اندرونی بغاوت اور سرکشی کے استیصال کے لئے — مترجم

حاشیہ ۱۳ صفحہ ۲۹۰ پر

میں کریں گے کیونکہ وہ قائم ہوتی ہیں تو ازروئے انتخاب اور وہ بھی آزاد انسانوں میں (۱۴) ۔

بادشاہت کی ایک چوتھی قسم بھی ہے جس کی مثالیں ہمیں عہد ابطال سے ملتی ہیں جب آزاد انسانوں کا ایک گروہ اپنے ملک کے قوانین اور رسم رواج کے مطابق کسی بادشاہ کی اطاعت اختیار کرلیتا تھا ۔ یہ اس لئے کہ جس کسی نے اول اول نوع انسانی پر کوئی احسان کیا خواہ بہ لحاظ فنون ، خواہ بہ لحاظ اسلحہ(۱۵) یا جس نے کچھ انسانوں کو اس طرح ایک دوسرے کا شریک بنایا کہ ایک اجتماع مدنی کی تاسیس ہوجائے ، یا انہیں کوئی مسکن بہم

---

۱۳ - Mitylene لس‌بوس کا سب سے بڑا شہر اور اس زبردست بحری طاقت کا مرکز جس کو بالاخر اثینیوی مخالفت میں شامل ہونا پڑا ۔ Alcaeus اور Antimenedes بھائی تھے- ان کا زمانہ فروغ ۶۵ ق م ہے - جب عوامی فریق نے زور پکڑا تو دونوں جلاوطن کر دیے گئے جس میں ان کے پرانے رفیق پٹاکس Pittacus نے ان سے بے وفائی کی - پٹاکس کا شمار ہفت دانان یونان میں ہوتا ہے - الکیئس کی طرح وہ بھی شاعر تھا ۔ علاوہ اس کے ازیں فلسفی، سپاہی اور مدبر بھی- پٹاکس اگرچہ ایک حاکم مستبد تھا لیکن دس سال کے بعد یعنی ۵۷۹ میں وہ خود ہی حکومت سے دست بردار ہوگیا — مترجم

۱۴ - یعنی احرار میں — مترجم

۱۵ - مطلب یہ ہے کہ جنگی لحاظ سے کوئی خدمت سر انجام دی — مترجم

پہنچایا (۱۶) لوگ بطیب خاطر اس کے مطیع ہوگئے ۔ چنانچہ موروثی بادشاہت کا آغاز اسی طرح ہوا ۔ ایسے بادشاہ جنگوں میں تو بالخصوص فوج کے سردار ہوتے اور پھر مذہبی رسوم بھی وہی ادا کرتے تھے (۱۷) بجز ان رسموں کے جو کاھن ھی ادا کرسکتے ھیں ۔ عدل و انصاف کا سررشتہ بھی انہیں کے ھاتھ میں رہتا ۔ ان کا دستور تھا کہ جب کبھی داد انصاف دیتے لوگوں سے حلف اٹھواتے یا اگر حلف نہیں اٹھواتے تو عصائے شاھی پر ان سے قسم لے لیتے ۔

ایام گذشتہ میں تو یوں بھی ہر چیز بادشاہ کے اختیار میں تھی خواہ اس کا تعلق معاشرے سے ہوتا ، خواہ عائلی ، یا خارجی معاملات سے (۱۸) مگر پھر رفتہ رفتہ وہ اپنے بعض اختیارات سے دس بردار ہوتے گئے اور یہ اختیارات کچھ اور لوگوں نے اپنے ھاتھ میں لے لئے ۔ یوں بعض ریاستوں میں بادشاہ کا اقتدار صرف اس حد تک محدود رہ گیا کہ قربانیاں ادا کریں یا اگر کوئی فی‌الحقیقت بادشاہ تھا تو صرف اس حد تک کہ کسی دوسری

---

۱۶ - اس لئے کہ عہد قدیم میں اکثر قومیں بہادرانہ زندگی بسر کرتیں تھیں انہوں نے کسی سرزمین میں مستقل بود وباش اختیار کی تو مدتوں کے بعد اور وہ بھی اس وقت جب ان میں سیاسی شعور پیدا ہوا ، یعنی بقول ارسطو ایک اجتماع مدنی کی داغ بیل پڑی — مترجم

۱۷ - قربانیوں کی طرف اشارا ھے — مترجم

۱۸ - یہاں عائلی کا اشارا غالباً گاؤں کی طرف ھے جیسا کہ بارکر میں ھے کہ دیہاتی ، شہری اور خارجی سب معاملات بادشاہ کے اختیار میں تھے — مترجم

قوم کے خلاف لشکر کشی کی نوبت آئے تو سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دے ۔

مختصراً یہ کہ بادشاہت کی چار قسمیں ہیں ۔ پہلی جو عہد ابطال میں رائج تھی ، یعنی آزاد انسانوں پر بادشاہ کی وہ حکومت جس میں ان کے بعض حقوق کی قطعی طور پر تخصیص کر دی جاتی تھی اس لئے کہ وہی ان کا سپہ سالار ہوتا تھا ، وہی قاضی اور وہی دینی پیشوا ۔ دوسری قسم غیر متمدن بادشاہت کی ہے جسے گویا موروثی اور مطلق العنان حکومت سے تعبیر کرنا چاہئے ، گو اس کا نظم و انضباط بھی قانون ہی کے ماتحت عمل میں آتا ہے (۱۹) ۔ تیسری آمریت اور ایک طرح سے انتخابی استبدادیت ۔ چوتھی اسپارٹوی جس کی تعریف مختصراً یہ ہوگی کہ وہ فی الحقیقت موروثی سپہ سالاری کی ایک شکل ہے ۔ پھر ان میں اختلاف بھی ہے تو انہیں چند باتوں میں ۔ لیکن بادشاہت کی ایک پانچویں قسم بھی ہے جس میں فرد واحد سیاہ و سپید کا مالک ہوجاتا ہے اور وہ اسی طرح جیسے کوئی ریاست ، یا کوئی شہر اس بات پر متصرف ہوجائے جو دراصل لوگوں کا حق ہے ، کیونکہ جس طرح بزرگ خاندان گھر کا آقا ہوتا

---

۱۹ - اور اس لئے بادشاہت کی اس قسم کو بھی دستوری ٹھہرانا چاہئے جیسا کہ بارکر نے اسے دستوری ہی کہا ہے ۔ دراصل ارسطو نے صرف نسلی تعصب کی بنا پر متمدن اور غیر متمدن بادشاہت میں فرق کیا ہے ورنہ ایشیائی بادشاہتوں — مصر ، بابل ایران اور ہند و چین وغیرہ — کو کون غیر متمدن کہے گا — مترجم

ہے (۲۰) ایسے ہی بادشاہ اپنے شہر یا ریاست کا (۲۱) ۔

---

۲۰ - اور اس لئے سیاہ و سفید کا مالک — مترجم

۲۱ - ارسطو کے ذہن میں یہاں بادشاہ کا وہ تصور ہے جو اہل یونان کے سامنے تھا (چنانچہ آئندہ باب میں اس نے ایسے ہی بادشاہ سے بحث کی ہے) اور جس کا اقتدار کلی یا تو قوم کے اقتدار کل کے مشابہ ہوگا جو اس کی رو سے اپنے آپ پر آپ حکومت کرتی ہے ، یا کسی بزرگ خاندان ، یا تاریخ قدیم کے بطریق Patriarch کے جو سارے خاندان کا آقا اور حاکم ہوتا ہے ، یعنی ایک طرح سے شیخ قبیلہ مگر شیخ قبیلہ کے اختیارات بڑے محدود تھے — مترجم

# پندرھواں باب

لیکن ہمارا خیال ہے بادشاہت کی یہ سب قسمیں آخر آخر دو شکلیں اختیار کر لیتی ہیں ۔ لہٰذا ہم چاہتے ہیں ان کا مطالعہ زیادہ گہری نظر سے کریں ۔ ایک تو وہ جس کا سب سے آخر میں ذکر کیا گیا ہے (۱)، دوسری اسپارٹوی کیونکہ باقی سب قسمیں ان دونوں کے بین بین ہیں اور یہ گویا ان کی ایک، یا دوسری انتہا پر ۔ اس لئے کہ ان سب کے اختیارات ایک مطلق العنان حکومت سے تو اگرچہ کم ہوں گے لیکن اسپارٹوی حکومت سے بہر حال زیادہ ۔ لہٰذا یہ سارا مسئلہ دو باتوں پر ختم ہو جاتا ہے ۔ اس پر کہ سپہ سالاری کا منصب تاحین حیات ایک فرد واحد کے سپرد کر دیا گیا تو یہ امر کیا شہر کے لئے سود مند ہوگا ؟ یا بہتر ہوگا اسے چند سر بر آوردہ خاندانوں میں محدود کر دیا جائے، یا پھر یہ کہ جو کوئی بھی فی الحقیقت اس کا اہل ہے اس کے ؟ دوسری یہ کہ اگر ریاست کا سیاہ و سفید ایک ہی شخص کے ہاتھ میں آ گیا تو یہ صورت حالات مفید رہے گی یا مضر ؟ اب اگر اسپارٹا کے منصب سپہ سالاری کا مطالعہ زیادہ غائر نگاہوں سے کیا جائے اور اس کی تفصیلات بھی ہمارے پیش نظر ہوں تو پھر لازماً بحث یہ ہوگی کہ ریاست کے لئے کس طرح کے قوانین وضع کئے جائیں ۔ یہ نہیں

---

۱ ۔ کلی بادشاہ ـــ مترجم

کہ اس کے دستور، یا ماہیت، یا افادے کا مسئلہ چھیڑ دیں(۲) - لہٰذا ہم اس بحث کو نظر انداز کرتے ہوئے اسپارٹوی حکومت کے اس حصے پر نظر ڈالیں گے جس کا تعلق بنائے ریاست یعنی اصول اجتماع سے ہے - یوں بھی یہ مسئلہ ہماری خاص توجہ کا مستحق ہے لہٰذا ہمیں چاہئے ان سب باتوں کا جو اس ضمن میں پیدا ہوں بہ غور جائزہ لیں -

چنانچہ پہلی بات جو اس سلسلے میں فیصلہ طلب ہے یہ کہ بہتری کس میں ہے ؟ بہترین شخص کے زیر حکومت رہنا یا بہترین قوانین کے(۳) ؟ اب جو لوگ بادشاہت کو ترجیح دیتے ہیں ان کا

---

۲ - اس لئے کہ دستور حکومت کیسا بھی ہو اس کے ماتحت عین ممکن ہے سپہ سالاری کا منصب تادمِ حیات اسی کے سپرد کر دیا جائے - لہٰذا یہ دستور کی بحث نہیں ہوگی ، آئین و قوانین یا عملداری کی بحث ہوگی — مترجم

۳ - یہ مسئلہ جس سے افلاطون نے جمہوریہ ، سیاست دان Politicus اور نوامیس میں بحث کی ہے ارسطو کے بھی پیش نظر ہے - افلا طون کا فیصلہ یہ تھا کہ حکومت کا حق اس فرد (یا افراد) کو پہنچتا ہے جسے فلسفیانہ سوجھ بوجھ حاصل ہے اور جس کی امور حکومت کے لئے خاص طور سے تربیت کی گئی ہو ، نہ کہ قوانین کے ایک غیر متبدل اور اس لئے جامد اور ساکن مجموعے کو - ارسطو کا فیصلہ زیادہ تر قانون کے حق میں ہے اور اس لئے مقابلۃً زیادہ متوازن - بایں ہمہ وہ بھی سمجھتا ہے کہ خاص خاص حالات میں فرد کی رائے پر اعتماد کرنا چاہئے - در اصل افلاطون کا مسئلہ فرد واحد کا نہیں - وہ سمجھتا ہے کہ ایک ہی وقت میں کئی فلسفی بادشاہ سررشتہ حکومت اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں - ارسطو کے پیش نظر اس کے برعکس ایک اور صرف ایک فرد ہے جس کی وجہ ممکن ہے مقدونیہ میں اس کا قیام اور اسکندر کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں اس رسالے کی تصنیف ہو جو کہا جاتا ہے اس نے بادشاہت کے عنوان سے لکھا تھا — مترجم

خیال یہ ہے کہ قانون تو صرف عام اصول و قواعد وضع کر سکتا ہے۔ مخصوص حالات سے اس کے لئے عہدہ برا ہونا ممکن نہیں(۴)۔ لہٰذا یہ بڑی غلط بات ہوگی اگر ہر علم میں ہم تحریری قانون کی پابندی کرتے چلے جائیں۔ مصر میں بھی تو طبیب کو اجازت تھی کہ اگر چاہے تو قانون کے تجویز کردہ علاج کو چوتھے روز بدل دے (۴)۔ اس سے پہلے ایسا کیا جاتا تو بیشک وہ اپنی سلامتی کا آپ ذمہ دار ہوتا(۵)۔ گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو حکومت صرف تحریری قوانین پر مبنی ہے وہ بہترین حکومت نہیں ہو سکتی (۶) اس لئے کہ جس کسی کو حکومت کرنی ہے اسے چند ایک عام استدلال بھی قائم کرنا پڑیں گے اور ان میں وہی لوگ کامیاب ہوں جن پر شہوات کا غلبہ نہیں، وہ نہیں جو طبعاً ان پر مائل ہیں۔ لیکن یہ وہ صفت ہے جس سے قانون تو متصف ہوسکتا ہے، روح

---

۴ - یعنی جزئیات، یا بعض دوسرے قیاسی امور سے - بالفاظ دیگر قانون کا لفظاً پابند رہنا غلطی ہے - ہمیں اس کی روح پر نظر رکھنی چاہئے لیکن یہ مسئلہ کہ قانون کی روح کیا ہے اور الفاظ کیا کہتے ہیں، لہٰذا ہمیں پابندی کرنا چاہئے تو کس کی دقت سے خالی نہیں — مترجم

۵ - تحریری قانون کی پابندی سے مطلب الفاظ قانون کی پابندی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ماسبق - لہٰذا مصر کا یہ قانون کہ چوتھے روز بیشک علاج بدلا جاسکتا ہے جس کی از روئے طب یعنی ''قانوناً'' اجازت تھی — مترجم

۶ - کیونکہ اس سے پہلے شبہ ہوسکتا تھا وہ شاید اصول طب کی خلاف ورزی کررہا ہے — مترجم

انسانی میں اس کے برعکس کوئی اور ہی صفت ملے گی (۷)۔ مگر پھر ممکن ہے اس کے جواب میں یہ کہا جائے کہ جزئیات کا بہتر سے بہتر فیصلہ تو انسان ہی کے ہاتھ میں رہیگا۔ لہٰذا بادشاہ کو بادشاہ ہی نہیں مقنن بھی ہونا چاہئے اور اس لئے اس کے وضع کردہ قوانین کی اشاعت بھی ضروری ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ ناطق ہوں تو صرف اس حد تک جس حد تک درست ہیں۔ یعنی اگر کسی پہلو سے درست نہیں تو ناطق بھی نہ ہوں (۸)۔ رہیں وہ باتیں جو پورے طور پر یا صحیح معنوں میں قانون کی گرفت میں نہیں آسکتیں ان کا فیصلہ قابل شہریوں کے ہاتھ میں رہنا چاہئے (۹)

---

۷ - اس لئے کہ اس میں انسان کی سمجھ اور عقل کا کوئی دخل نہیں ہوگا - آپ ایک کل کی طرح لفظوں کا اتباع کرتے چلے جائیں گے - دستور اور قانون کی روح ، غایت اور مقصد سے بے خبر رہیں گے - ذاتی اقدامات یا کارفرمائی کی جس کے بغیر دنیا کا کوئی کام نہیں چل سکتا مطلق گنجائش نہیں رہیگی — مترجم

۷ - صفت 'انفعالیت' یعنی جوش ، اثر پذیری ، شدت جذبات ، خواهشات — مترجم

۸ - اسلئے کہ ہوسکتا ہے بہ سبب عمومیت قانون اپنے راستے سے کسی قدر ہٹ جائے یا کسی بات کی تہ تک نہ پہنچ سکے اور اس طرح کسی خاص موقعہ پر اپنا مقصد پورا کرنے سے قاصر رہے - لہٰذا بہترین شخص کو اجازت ہونی چاہئے کہ اپنی صواب دید سے کام لیتا رہے اور اس بات کا لحاظ رکھے کہ تقاضائے عدل و انصاف فی الحقیقت کیا ہے — مترجم

۹ - یعنی وہ اپنے ذاتی فہم کی بنا پر اس کا فیصلہ کرے یا صحیح معنوں میں خود اس کے متعلق کوئی قدم اٹھائے - قدم اٹھانا ، یا پہل کرنا اس لفظ کے اصل معنی ہیں جو یونانی زبان میں حکومت کے لئے استعمال ہوتا ہے - ملاحظہ ہو مقدمہ — مترجم

جیسا کہ آج کل دستور ہے کہ لوگ مجالس عامہ میں خود ہی قاضی اور مشیر بن جاتے اور خاص خاص معاملات کا فیصلہ کرتے ہیں(۱۰)۔ یہ اس لئے کہ فرد واحد کی ذات خواہ اپنی جگہ پر کتنی بھی اونچی ہو پوری جماعت سے جس میں سب لوگ شامل ہوتے ہیں اونچی نہیں ہوسکتی۔ یوں بھی شہر نام ہے اسی طرح کی شمولیت کا (۱۱)۔ لہٰذا جس چیز میں سب لوگ شامل ہوں گے وہ اس سے بہتر ہوگی جس میں صرف ایک ہی شخص کا ھاتھ کام کر رہا ہے(۱۲)۔ اندریں صورت تسلیم کرنا پڑے گا کہ کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جن میں کثرت کا فیصلہ فرد واحد کے فیصلے سے بہتر ہوتا ہے۔ یوں بھی بسبب تعداد انہیں خرابی. کا بہت کم موقعہ ملے گا جیسے پانی کی مثال ہے کہ اس کی مقدار جتنی زیادہ ہوگی اس میں فساد کا احتمال اتنا ہی کم ہے۔ پھر اگر فرد واحد پر غیظ و غضب یا شہوات کا غلبہ ہوا تو وہ جو حکم لگائے گا غلط لگائے گا۔ رہا یہ اندیشہ کہ لوگ من حیث الجماعت بھی تو شاید غیظ و غضب کا شکار ہوجائیں سو یہ بات کچھ مشکل ہی نظر آتی ہے۔ یوں بھی آزاد انسان ہر معاملے میں قانون ہی کی متابعت کرتے ہیں ، سوائے ان باتوں کے جن میں قانون نے خاموشی اختیار کر رکھی ہو۔ لیکن ہوسکتا ہے یہاں

---

۱۰ - یا دوسرے لفظوں میں بحیثیت شہری مجموعی طور پر ریاست کے مشورہ طلب معاملات میں حصہ لیتے اور مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں — مترجم

۱۱ - جس سے گویا اجتماع مدنی کی تشکیل ہوتی ہے — مترجم

۱۲ - یہاں پھر ارسطو نے اپنی اس دلیل کا اعادہ کیا ہے جو اس نے باب یازدہم میں پیش کی تھی — مترجم

یہ کہا جائے کہ ان تجاویز پر کامیابی سے عمل کیسے ہوسکتا ہے(۱۳) ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس ریاست میں اچھے انسانوں کی کثرت ہوگی وہ کس چیز کو ترجیح دیں گے ؟ صرف ایک دیانتدار حاکم ، یا ایک سے زیادہ اچھے انسانوں کو ؟ ظاہر ہے کہ ان کا فیصلہ اچھے انسانوں ہی کے حق میں ہوگا مگر اس کے خلاف شاید یہ کہا جائے کہ ان کے درمیان بھی تو اختلافات پیدا ہوسکتے ہیں ۔ فرد واحد کی صورت میں البتہ ایسا کوئی امکان نہیں ۔ یہ درست ہے لیکن ان سب کی روحیں بھی تو فضائل اخلاق سے ویسے ہی معمور ہوں گی جیسے فرد واحد کی ۔

لہٰذا اگر کثرت کی حکومت کو اور کثرت بھی ایسی جو اچھے انسانوں پر مشتمل ہے امارت کہا جاتا ہے اور فرد واحد کی حکومت کو بادشاہت (۱۴) تو اس صورت میں بھی لوگ اول الذکر ہی کو ترجیح دیں گے ، بہ نسبت اس دوسری شکل کے خواہ اس طرح ریاست طاقت حاصل کر لے یا کمزور ہوجائے (۱۵) ، بشرطیکہ اس قسم کے اچھے انسانوں کی کثرت فی الواقعہ موجود ہو (۱۶) ۔

---

۱۳ - قانون کے متعلق - کہاں اس کی پابندی کی جائے ، کہاں ذاتی سمجھ بوجھ سے کام لیا جائے — مترجم

۱۴ - اس سے پہلے ارسطو کی نظر صرف تعداد پر تھی - اب تعداد کے ساتھ اس کی نگاہیں خوبیوں پر بھی ہیں - گویا پہلا استدلال اگر جمہوریت کے حق میں تھا تو دوسرا امارت کے — مترجم

۱۵ - معلوم ہوتا ہے اس فقرے . . . طاقت حاصل کر لے ، یا کمزور ہوجائے کا تعلق بادشاہت سے ہے ، یعنی خواہ بادشاہ کے پاس محافظ دستہ ہو ، خواہ نہ ہو — مترجم

۱۶ - تاکہ امارت قائم ہو جائے - اس لئے کہ حکومت کے سلسلے میں تعداد کا عنصر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا — مترجم

شاید یہی وجہ ہے کہ شروع شروع میں اکثر حکومتوں کا آغاز بادشاہت ہی سے ہوا ، کیونکہ یہ ذرا مشکل سی بات تھی کہ اس طرح کے انسان بکثرت مل سکتے جن کو فضائل اخلاق میں نمایاں امتیاز حاصل ہو اور اس لئے بھی کہ اس زمانے میں لوگ چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں منقسم تھے (۱۷) ۔ پھر بادشاہ اس لئے بھی بادشاہ بن گئے کہ انہوں نے اپنے ابنائے جنس پر بڑے بڑے احسان کئے تھے اور یہ وہ بات ہے جو اچھے انسانوں ہی سے سرزد ہوسکتی ہے ۔ پھر جب رفتہ رفتہ ایک ہی وقت میں بہت سے ایسے اشخاص پیدا ہوگئے جو فضائل اخلاق سے بہرہ ور تھے تو ان سے ایک دوسرے کی برتری برداشت نہ ہوسکی ۔ لہٰذا ان کے اس مطالبے سے کہ مساوات قائم ہو آزاد ریاستیں وجود میں آئیں (۱۸) ۔ لیکن آگے چل کر جب ان کے اندر بھی زوال و انحطاط رونما ہوا (۱۹) تو انہوں نے لوگوں کو اپنی ملکیت ٹھہرا لیا (۲۰) ۔ یوں شاید اعیانیتوں کا ظہور ہوا کیونکہ اب وقعت دی جاتی تھی تو صرف مال و دولت

---

۱۷ - یونانی ریاستیں شہری ریاستیں تھیں - لہٰذا ارسطو کا مطلب یا تو یہ ہے کہ ریاستوں کی آبادی کم تھی (جیسا کہ بارکرمیں ہے ) ، یا یہ کہ یہ شہری ریاستوں کے آغاز کا زمانہ تھا اور اس لئے ان کی گروہ بندی اور بھی محدود تھی — مترجم

۱۸ - اور دساتیر حکومت مرتب ہوئے ورنہ بادشاہ خود اپنی ذات سے ایک دستور تھے — مترجم

۱۹ - یعنی حکمران طبقے نے مال و دولت حاصل کر لی اور سارا اثر و رسوخ ان کے ہاتھ میں آگیا — مترجم

۲۰ - غلام بنالیا - ویسے نہیں تو کم از کم سیاسی اعتبار سے - ملاحظہ ہو حاشیہ ۲۱ — مترجم

کو - لہٰذا اعزازات حکومت صرف اهل زر کا حق ٹھہرے - پھر جب ان کے یہاں بھی تغیر رونما ھوا تو اس نے اعیانیت کو استبدادیت سے بدل ڈالا استبدادیت کو جمہوریت سے اس لئے کہ ایک تو مستبدین کی طاقت بہ سبب ان کے حرص و آز کے بتدریج کم ہو رہی تھی، دوسری جانب لوگ روز بروز قوت حاصل کرتے گئے - لہٰذا انجام کار انہوں نے جمہوری طرز حکومت کی بنا ڈالی - پھر جب ان تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ شہریوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا تو آسانی شاید اسی میں نظر آئی کہ لوگ کسی دوسرے طرز حکومت کی بجائے جمہوریتوں کے ماتحت زندگی بسر کریں (۲۱) -

لیکن فرض کیجے کسی شخص کو بادشاہت ھی پسند ھے۔ اندریں صورت ھم اس کی اولاد سے کیا سلوک کریں گے (۲۲) ؟ کیا یہ کہ

---

۲۱ - تا کہ کوئی دستور حکومت قائم ھوجائے - دراصل ارسطو کے پیش نظر یہاں دستور حکومت کی تاریخ ھے اس کے مختلف مراحل کی جو باعتبار آبادی اسے طے کرنا پڑے ، یا بہ اعتبار اجتماعی تبدیلیوں اور نشوونما کے - لیکن ارسطو کا یہ بیان نہ تو ان خیالات کے مطابق ھے جو اس نے آگے چل کر فصل چہارم میں ظاھر کئے ھیں ' نہ افلاطونی ریاست کی اس تنقید کے جس کا تعلق فصل پنجم سے ھے - مختصراً یہ کہ ارسطو نے مختلف امور کے پیش نظر مختلف خیالات کا اظہار کیا ھے - مزید یہ کہ موجودہ بیان کی ابتدا اس نے لفظ 'شاید' سے کی ھے تاکہ پہلے ھی سے اس کی پیش بندی ھو جائے' اختلاف خیال کی — مترجم

۲۲ - کیونکہ وہ لازماً حکومت کے طالب ھوں گے - مترجم

۲۳ - لیکن ارسطو بار بار یہ خیال ظاھر کر چکا ھے کہ اچھوں کی اولاد اچھی ھوگی جس کا ظاھر ھے ھر حال میں اچھا ھونا ضروری نہیں — مترجم

وہ بھی اس کے بعد حکومت کرنے لگے ؟ لیکن اگر اولاد ویسی ہوئی جیسی بالعموم لوگوں کے یہاں ہوتی ہے تو ایسا کرنا بے حد خطرناک ہو گا (۲۳)۔ اس کے جواب میں شاید کہا جائے کہ اس صورت میں بادشاہ بھی اگرچہ اسے یہ اختیار حاصل ہے کبھی گوارا نہیں کرے گا کہ وہ اس کی جانشین ہو۔ مگر جیسے شاید مشکل ھی سے باور کیا جائے، کیونکہ اس چیز کے لئے جس قسم کی اخلاقی فضیلت کی ضرورت ہے انسانوں میں تو بہت کم ملتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ زمام اقتدار اگر سرتا سر بادشاہ کے ھاتھ میں دے دی گئی تو اس کے اختیارات کہاں تک وسیع ھونا چاھئے (۲۴)۔ اس حد تک کہ جو لوگ قانون کی خلاف ورزی کریں وہ ان کو اطاعت پر مجبور کر سکے ؟ اس لئے کہ بغیر اس کے بادشاہ اپنی حکومت کیسے برقرار رکھ سکتا ہے (۲۵)۔ لیکن اگر اسے قانون ھی کے مطابق حکومت کرنی ہے، یہ نہیں کہ حسب خواھش جیسے جی چاھے اس کے خلاف قدم اٹھائے تو اور بھی ضروری ہے کہ ھم اس طاقت کی حفاظت کریں جو قانون کی محافظ ہے۔ حاصل کلام یہ کہ اس مسئلے کا حل کچھ مشکل نہیں (۲۶)۔ بادشاہ کے پاس مناسب طاقت ھونی چاھئے اور مناسب طاقت کا مطلب یہ ہے کہ فرداً فرداً بلکہ جماعت کے زائد حصے سے تو خواہ اس کا پلہ بھاری ھو لیکن سب یعنی ان کی مجموعی طاقت

---

۲۴ - مطلب ہے فوجی طاقت سے — مترجم

۲۵ - گویا بادشاہ کے ھاتھ میں بہت کافی طاقت کا ھونا ضروری ہے — مترجم

۲۶ - یعنی ایسے بادشاہ کی صورت میں جو قانون کے مطابق حکومت کرتا ہے — مترجم

سے بھاری نہ رہے - یہی وجہ ہے کہ قدما جب کسی شخص کا انتخاب بطور آمر یا مستبد کر لیتے تھے تو اس کے ساتھ ساتھ ایک محافظ دستہ بھی متعین کردیتے - جیسا کہ ڈیونے سیئس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب اس نے اپنی ذات کے لئے محافظوں کا مطالبہ کیا تو اہل سراقوسہ میں سے کسی نے (۲۷) مشورہ دیا کہ ڈیونے سیئس کو اس کی اجازت دے دینی چاہئے (۲۸) -

---

۲۷ - مجلس شوریٰ میں سے کسی نے — مترجم

۲۸ - ڈیونے سیئس مستبد سراقوسہ کا ذکر اس سے پہلے بھی آچکا ہے - یہاں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یونانی زبان میں مستبد کے معنی ہیں وہ شخص جو اپنے زور بازو سے سیاست کے سیاہ و سفید کا مالک بن جائے اور جب تک بس چلے قانون اور رواج کوبالائے طاق رکھتے ہوئے حکومت کرے - لہذا مستبد خود ہی بننا پڑتا تھا - مستبد بنایا نہیں جاتا تھا — مترجم

# سولھواں باب

الف — اب ہماری توجہ اس مطلق العنان بادشاہ پر ہے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا تھا اور جو حسب مرضی جب چاہتا ہے من مانی کاروائیاں کرتا ہے (۱) ۔ یہ اس لئے کہ جس بادشاہ کے لئے قانون کی پابندی ناگزیر ہے وہ جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں آپ سے آپ تو کوئی طرز حکومت ایجاد نہیں کرے گا ، کیونکہ جیسی بھی ریاست ہو امارت یا جمہوریت ہم اس میں جسے چاہیں عمر بھر کے لئے سپہ سالار مقرر کر سکتے ہیں (۲) ۔ یوں بھی کتنی ریاستیں ہیں جن کا سارا نظم و نسق فرد واحد کے سپرد ہے مثلاً ڈائی راکیم اور پھر بڑی حد تک اوپس مین (۳) ۔ یوں بھی مطلق العنان بادشاہت ، یا

---

۱ - پچھلے باب میں ارسطو کا فیصلہ فرد واحد (بادشاہ) کی بجائے قانون کے حق میں تھا اور اس نے تائید کی تو قانون کی حاکمیت کی ۔ لیکن اسی باب میں یہ بحث چھیڑتے ہوئے کہ بعض امور میں جہاں قانون کی بجائے انسان کی حاکمیت کا اعتراف ضروری ہوجاتا ہے کیا بہتر ہے فرد واحد یا متعدد افراد کی حاکمیت تسلیم کرلی جائے ؟ بہر حال اس نے ترجیح افراد کی حاکمیت کو دی ہے ۔ مگر پھر قانون کی حاکمیت سے قطع نظر (جو اس کے نزدیک مسلم ہے) وہ پھر فرد واحد کی حاکمیت پر آگیا ہے اور دیکھنا چاہتا ہے کہ بعض صورتوں میں جب ایک اور صرف ایک شخص دوسروں سے کہیں زیادہ برتر اور بلند ہو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ قانون کی بجائے اس کی حاکمیت تسلیم کرلی جائے ۔— مترجم

۲ - جیسا کہ عام طور پر بادشاہ کا مطلب سمجھا جاتا تھا — مترجم

۳ - Dyrrachium اور Opus یہ دونوں حکومتیں اعیانی تھیں — مترجم

دوسرے لفظوں میں وہ حکومت جس کا سیاہ و سپید صرف ایک شخص یعنی بادشاہ کے ھاتھ میں رھتا ہے(۴) سو کثرت تو اسے غیر فطری ھی ٹھہرائے گی ۔ اس لئے کہ ریاست کا وجود اگر ان افراد پر مشتمل ہے جو باھم مساوی ھیں تو یہ کیسے ھو سکتا ہے ان میں سے ایک اور صرف ایک اپنے ساتھی شہریوں پر حکومت کرے، اس لئے کہ فطرت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو قدرت نے باھم مساوی بنایا ہے ان کا مرتبہ و مقام اور حقوق بھی مساوی رھیں ۔ یہ اس لئے کہ جس طرح مختلف الجسم انسانوں کے لئے ایک ھی قسم کی خوراک یا ایک ھی قسم کا لباس مضر ثابت ھوگا بعینہ اعزازت ریاست کے معاملے میں بھی اگر ان لوگوں کے درمیان جو باعتبار خوبی یکساں ھیں تفاوت روا رکھا گیا تو اس کے نتائج اچھے نہیں ھوں گے ۔ گویا انسان کو اگر حکومت کرنے کا حق دیا گیا ہے تو اس کا یہ بھی فرض ہے کہ دوسروں کی اطاعت کرے ، البتہ یہ سب کچھ باری باری سے ھونا چاھئے(۵) ۔ اس لئے کہ یہی کچھ قانون ہے اور قانون ھی کا دوسرا نام ضبط و نظم (۶) ۔ یوں بھی حکومت کا حق قانون ھی کو پہنچتا ہے ، اس کی بجائے کہ شہریوں

---

۴ - ملاحظہ ھو حاشیہ ۲۱ ، باب چہارم - کلی بادشاہ کی طرف اشارا ہے — مترجم

۵ - تاکہ ریاست کے اعزازات اور مناصب لوگوں میں گردش کرتے رھیں اور وہ حکومت اور اطاعت دونوں کے اھل ثابت ھوں جیسا کہ ایک صحیح نظام سیاست کا تقاضا ہے اور جیسا کہ ارسطو بار بار لکھ چکا ہے — مترجم

۶ - اور جس کا ایک پہلو ہے عہدوں کا نظم و ضبط تا کہ لوگ نوبت بہ نوبت حکومت اور اطاعت کر سکیں — مترجم

میں کوئی اس کا سر رشتہ اپنے ہاتھ میں لے (۷) ۔ پھر اگر مصلحت اسی میں ہے کہ اس اصول کے پیش نظر اقتدار اعلیٰ معدودے چند اشخاص کو سونپ دیا جائے تو اس طرح کہ وہ اپنے آپ کو قانون کا محافظ اور خادم تصور کریں (۸) ۔ کیونکہ یہ اقتدار کسی نہ کسی کے ہاتھ میں تو بہر حال رہے گا ۔ البتہ جہاں کہیں سب برابر ہیں وہاں اس اقتدار کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کسی ایک شخص کے ہاتھ میں آ جانا بڑی ناانصافی ہوگی (۹) ۔ پھر اگر

---

۷ - یہاں پھر ارسطو کا فیصلہ افراد کے حق میں ہے ، حالانکہ اس بحث کا آغاز فرد کی حاکمیت سے کیا گیا تھا — مترجم

۸ - اثینیہ میں 'ہفت ارکان' پر ایک مجلس قائم تھی جس کا کام یہ دیکھنا تھا کہ کسی ایسی تشریع یا قاعدے کی منظوری نہ ہونے پائے جو ریاست یا دستور حکومت کے خلاف ہے ۔ ان ارکان کو محافظین قانون کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا اور وہ مجلس شوری، علیٰ ہذا مجلس عامہ میں صدر کے پہلو بہ پہلو بیٹھتے تھے ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے ارسطو نے یہ الفاظ عام معنوں میں (یعنی ان ارکان سے قطع نظر) استعمال کئے ہیں تاکہ حکام قانون کا احترام اور حفاظت کریں — مترجم

۹ - ارسطو نے یہاں اپنا مطلب صاف طور پر بیان نہیں کیا ۔ قانون کی بجائے انسان (یا فرد واحد اور اس لئے بادشاہ) کی حاکمیت کی تائید کے باوجود وہ صاف صاف اسے تسلیم نہیں کرتا ۔ یہی وجہ ہے کہ فرد کی حاکمیت کے بجائے اب پھر قانون کی حاکمیت پر زور دیا جا رہا ہے ۔ فرد کی حاکمیت کی تائید کی جائے گی اور وہ بھی بعض صورتوں میں تو اگلے باب میں ۔ ممکن ہے اب تک ارسطو صرف دوسروں کے نظریات بیان کر رہا ہو ۔ اپنے اصلی نظریات اور خیالات کا اظہار

باقی صفحہ ۳۰۷ پر

کوئی بات قانوناً طے نہیں ہو سکتی تو اسے ایک شخص کی ذاتی رائے کیسے طے کر سکتی ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قانون بہترین اصول و قواعد کا فیصلہ کر دے تو پھر خاص خاص حالات میں ہم اس کا اطلاق حاکم کی صوابدید پر (۱۰) چھوڑ سکتے ہیں ۔ قانون نے خود بھی تو یہ اجازت دے رکھی ہے کہ اگر کوئی بات تجربے سے غلط ثابت ہو جائے تو اس میں تبدیلی کر دی جائے (۱۱) ۔ پھر

---

بقیہ حاشیہ ۳۰۶

اب کرے گا جن میں پھر اسے دوسروں ھی سے اتفاق ہے - چنانچہ اس باب کے آخر میں بھی جہاں اس نے ساری بحث کا لب لباب پیش کیا ہے اس کا کہنا یہی ہے کہ کچھ اس قسم کے اعتراضات ھیں جو بادشاھت کے خلاف کئے جاسکتے ھیں ' یعنی لوگ کیا کرتے ھیں — مترجم

۱۰ - یہاں ارسطو کے اصل الفاظ (جو متن زیر ترجمہ میں تو نہیں البتہ بارکر میں موجود ھیں) یہ ھیں ''جہاں تک وہ عدل و انصاف سے کام لے سکتے ھیں'' - نیومین کہتا ہے یہ وہ الفاظ ھیں جو اثینیہ میں ارکان جیوری Juror قسم اٹھاتے ہوئے استعمال کرتے تھے ''جہاں تک قانون ہماری مدد کرتا ہے ہم قانون کے مطابق جہاں اور جہاں مدد نہیں کرتا عدل و انصاف سے کام لیں گے تاکہ عدل و انصاف اور قسط (؟) Equity کا تقاضا حتی الوسع پورا ہو سکے — مترجم

۱۱ - یہاں پھر اثینیہ کا طرز عمل ارسطو کے سامنے ہے - پیری کلیس کا حکم تھا کہ ہر سال رائج الوقت قوانین کی مناسب ترمیم ہوتی رہے - چنانچہ اس سلسلے میں دو خاص جماعتیں قائم کی جاتیں اور مجلس عامہ بھی ان کے ساتھ شریک کار رہتی - پھر اس ساری کاروائی کو ویسی ھی قانونی حیثیت دے دی جاتی جیسی قوانین کی تشریح یا تبدیلی کے لئے

باقی صفحہ ۳۰۸ پر

جس کسی نے اقتدار اعلیٰ کا سر رشتہ ذہن سے جوڑا اس نے گویا یہ سر رشتہ خدا اور قوانین سے جوڑا - بر عکس اس کے جس کسی نے انسانوں سے وابستہ کیا اس نے اسے ایک وحشی درندے کے سپرد کر دیا - اس لئے کہ یہ شہوات ہی تو ہیں جن کی وجہ سے انسان درندوں کے سے خصائل اختیار کر لیتا ہے - چنانچہ ہم دیکھتے ہیں جو لوگ بر سر اقتدار ہوتے ہیں اکثر حرص و آز کا شکار ہو جاتے ہیں ، خواہ ان کا شمار بہترین انسانوں میں ہو (۱۳) - للہذا ٹھیک کہا گیا ہے کہ قانون عبارت ہے اس

---

بقیہ حاشیہ ص ۳۰۷

ضروری ہوتی ہے - ان میں چھ عہدیداروں کا منصب تو یہ تھا کہ ہر سال قوانین کی نظر ثانی کریں اور ان کی خامیوں کے بارے میں اپنی رائے دیں بلکہ ضرورت سمجھیں تو نئے قوانین کا مسودہ بھی طیار کریں - اس کے بعد مجلس عامہ ان کی روئیداد کے پیش نظر قوانین کا جائزہ لیتی اور اگر بعض نئے قانون تجویز کئے جاتے تو مجالس عدالت کا ایک رکن مجوزہ قوانین کی حمایت میں اپنے دلائل پیش کرتا - یوں حاکمہ ، شوریٰ اور عادلہ یعنی ریاست کے تینوں اعضا قوانین کی نظر ثانی اور اصلاح و ترمیم میں حصہ لیتے - حاکمہ اپنے چھ عہدیداروں ، شوریٰ مجلس عامہ اور عادلہ (یا قضائیہ) اپنے ایک رکن کے ذریعے — مترجم

۱۲ - فکر سے — مترجم

۱۳ - ارسطو نے اس سلسلے میں دو اصطلاحیں استعمال کی ہیں ایک شہوات یعنی مادی اشیا کے حصول کی خواہش - دوسری شدت جذبات جس کا تعلق اگرچہ ضروری نہیں جسم یا اشیا سے ہو لیکن جس سے اس کے باوجود ہم اپنی ذات کو الگ نہیں رکھ سکتے - للہذا وہ بھی ایک بہیمانہ صفت ہے ، مثلاً حصول عزت کا جذبہ - لیکن یہ دونوں اصطلاحیں ایک طرح سے افلاطون ہی کی وضع کردہ ہیں - ملاحظہ ہو 'جمہوریہ' — مترجم

عقل سے جس میں شہوات کا دخل نہ ہو(۱۴) ۔ البتہ اس سلسلے میں فنون کی مثالیں پیش کرنا ایک طرح کی مغالطہ انگیزی ہے (۱۵) ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جو مریض علاج معالجے کے لئے صرف کتب طب سے رجوع کرتا ہے غلطی کرتا ہے ۔ اس کا فرض ہے ان لوگوں سے مشورہ لے جو فن طبیعات (۱٦) میں مہارت رکھتے ہیں اس لئے کہ وہ ایسی کوئی بات نہیں کریں گے جو خلاف عقل ہو ، نہ بسبب دوستی کے، نہ رعایت اور جانبداری سے کام لیں گے(۱۷) ۔ انہیں تو علاج معالجے ہی سے اپنا معاش پیدا کرنا ہے ۔ لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں امور ریاست کی باگ ڈور ہے وہ بہت سی باتیں ایسی بھی کر گذرتے ہیں جن کی تہ میں یا تو دوستی کا جذبہ کام کرتا ہے ، یا دشمنی کا ۔ لہٰذا ہم اس سلسلے میں جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کی تائید یوں بھی ہو جاتی ہے کہ اگر کسی مریض کو شبہ ہے کہ اس کے دشمنوں نے معالج کو اس بات پر آمادہ کر لیا ہے کہ اپنے پیشے کے خلاف کوئی مجرمانہ کاروائی کرے (۱۸) تو اسے اختیار ہے کتب طب کی مدد سے اپنا علاج کر لے ۔ پھر جب طبیب بیمار ہو جاتے ہیں تو اپنے علاج کے لئے اطبا ہی کو بلوایا کرتے ہیں ۔ جیسے کسرت سکھانے والے کسرت کرتے ہیں تو اپنے ہی

---

۱۴ - ملاحظہ ہو مقدمہ — مترجم

۱۵ - جیسا کہ ۱۵ ویں اور ۱۱ ویں باب میں صراحت کردی گئی ہے — مترجم

۱٦ - یعنی طب میں — مترجم

۱۷ - یعنی وہ ہمیشہ قانون کی پابندی کریں گے ، قوانین طب کی - قانون ہی غیر جانبدار حاکم ہے — مترجم

۱۸ - مطلب یہ ہے کہ اس کی جان لینے کی کوشش کرے — مترجم

هم پیشہ کسرت کرانے والوں کے ساتھ ، کیونکہ جہاں تک ان کی اپنی ذات کا تعلق ہے وہ اس بارے میں کوئی ٹھیک رائے قائم نہیں کر سکتے ۔ اس لئے کہ اپنی ذات کا ہر کوئی پاس کرتا ہے ۔ لٰہذا ان باتوں سے (۱۹) کوئی نتیجہ مرتب ہوتا ہے تو یہ کہ جن لوگوں کو عدل و انصاف کی طلب ہے انہیں گویا وسط کی طلب ہے اور قانون ہی در حقیقت وسط ہے ۔ یوں بھی اخلاقی قانون کا درجہ تحریری قانون سے برتر ہوتا ہے کیونکہ اس کی نظر بڑی بڑی باتوں پر رہا کرتی ہے (۲۰) ۔ لٰہذا بہتر ہوگا اس حاکم اعلیٰ پر اعتماد کیا جائے بہ نسبت ایک کے ، خواہ اس کا درجہ اس سے کم ہی کیوں نہ ہو(۲۱) ۔ پھر چونکہ فرد واحد کے لئے ممکن ہی نہیں کہ ہر چیز پر نظر رکھے اس لئے ضروری ہے حاکم اعلیٰ متعدد افراد سے ماتحتوں کا کام لے جس سے مفر کی کوئی صورت نہیں تو پھر کیوں نہ شروع ہی میں اس کا التزام رکھ لیا جائے

---

۱۹ - 'وسط' کا اشارا ہے 'خیرالامور اوسطہا' کی طرف جو خاص ارسطاطالیسی اصطلاح ہے (Golden mean) اور اسکا مطلب ہے غیر جانبداری کیونکہ وسط بیچ کا نقطہ ہے - نہ اس طرف مائل ، نہ اس طرف - رہا لفظ وسط سو اس کو مترجم نے اس لئے ترجیح دی کہ یہی mean کا صحیح مترادف ہے - ثانیاً اس لئے کہ 'اوسط' کو جیسا کہ 'خیرالامور اوسطہا' میں اس کا استعمال ہوا اردو میں average کا مترادف ٹھہرایا جاتا ہے جس سے غلط فہمی کا احتمال تھا ـــ مترجم

۲۰ - لٰہذا اخلاقی قانون کو اس لئے بھی ترجیح حاصل ہے کہ اس پر عمل کرنا قرین مصلحت ہی نہیں قرین عافیت بھی ہے ـــ مترجم

۲۱ - یہ عبارت کچھ مغلق سی ہے - بارکر اور لطفی بے میں تو یہ جملہ موجود ہی نہیں ـــ مترجم

کہ فرد واحد کو حاکم ہی مقرر نہ کریں (۲۲) ۔ ایسے ہی اگر ان باتوں کے پیش نظر (۲۳) جو ہم عرض کر رہے تھے ایک اچھا انسان محض اپنی خوبیوں کے باعث حکومت کرنے کا مستحق ٹھہرتا ہے تو دو اچھے انسان یقیناً ایک سے بہتر رہیں گے ، جیسا کہ ہومر نے کہا ہے 'دو کا ساتھ رہنا چاہئے، (۲۴) ۔ چنانچہ یہی اگامسم نن کی آرزو تھی کہ اے کاش میرے ایسے دس مشیر ہوتے (۲۵) ، ۔ موجودہ حالات میں بھی تو بعض حکام کو اختیار ہے کہ جس بات کا فیصلہ قانون نہ کر سکے اسے اپنی مرضی سے طے کر دیں ۔ کیونکہ یہ کوئی ایسی ہی بات ہوگی جس کا قانون کی گرفت میں آنا ممکن نہیں تھا ۔ اس لئے کہ جو باتیں اس کی گرفت میں آ جاتی ہیں ان میں تو کسی کو شک و شبہے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی (۲۶) ۔ بایں ہمہ یہ بحث یہیں ختم نہیں ہو جاتی ۔ یہاں غور طلب امر یہ بھی ہے کہ ہم ان دونوں صورتوں میں کیسے ترجیح دیں گے ؟ بہترین انسان یا

---

۲۲ - جیسا کہ پچھلے باب میں ارسطو ثابت کر آیا ہے — مترجم

۲۳ - قانون یا انسان کی حاکمیت کے متعلق — مترجم

۲۴ - کیونکہ ان میں ایک دوسرے سے پہلے دیکھ لیتا ہے — مترجم

۲۵ - جیسا نسٹور (Nestor) ۔ ایک ہومری کردار جس کے متعلق کہا جاتا ہے باوجود کبر سنی کے اس نے تین پشتوں پر حکومت کی ۔ فنون طب میں ماہر تھا ۔ ٹرائے کی لڑائی میں یونانیوں کا ساتھ دیا اور پھر بخیر و خوبی پائی‌لاس (Pylos) واپس چلا گیا جہاں وہ حکومت کرتا تھا ۔ فصاحت و بلاغت اور عقل و دانش میں بہرۂ تام رکھتا تھا ۔ ہراقلیس اسی کو قتل نہیں کر سکا — مترجم

۲۶ - اور اس لئے ان میں قانون ہی کی حاکمیت تسلیم کی جائے گی — مترجم

بہترین قانون کو ؟ بہ الفاظ دیگر حکومت کرے تو کون ؟ اس لئے کہ جس بات کا فیصلہ انسان خود اپنے غور و فکر سے کر سکتا ہے اسے بھی قانون کے ماتحت لے آنا غلطی ہے (۲۷) ۔

اندریں صورت تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اگر کوئی بات تحریری قانون کی گرفت میں نہیں آتی تو اس کا فیصلہ کسی نہ کسی شخص پر چھوڑ دینا چاہئے ۔ البتہ ہم اپنی طرف سے اتنا ضرور کہیں گے کہ بہتر ہوگا ایسا شخص ایک نہ ہو، بلکہ متعدد ۔ اس لئے کہ قانون کا فیصلہ عدل و انصاف ہی کا فیصلہ ہے لیکن ہمیں کلام ہے تو اس میں کہ جو انسان دو آنکھوں سے دیکھتا، دو کانوں سے سنتا، یا دو ہاتھوں اور دو پاؤں سے کام لیتا ہے ان سے بہتر رہے گا جو بہت ہیں اور اس لئے بہتوں سے کام لیتے ہیں (۲۸) ۔ در آنحالیکہ مطلق العنان بادشاہ بھی بہت سی آنکھوں، بہت سے کانوں، بہت سے ہاتھوں اور بہت سے پاؤں اپنے ساتھ لگا لیتے ہیں اور یوں اپنے اختیارات کا کچھ حصہ ان لوگوں کو تفویض کر دیتے ہیں جو ان کی حکومت کے دوست ہیں ۔ اس لئے کہ ان کا دوست ان کی حکومت کا دوست ہے ۔ لیکن دوست ہمیشہ دوستوں کے مشابہ اور برابر ہوتے ہیں (۲۹) ۔ لہٰذا اگر بادشاہ انہیں فی‌الواقعہ حکومت

---

۲۷ - لہٰذا ان امور میں انسان کی حاکمیت کا اقرار کرنا پڑے گا — مترجم

۲۸ - یعنی بہت سی آنکھوں، بہت سے کانوں، بہت سے ہاتھوں اور بہت سے پانووں سے — مترجم

۲۹ - اخلاقیات میں بھی ارسطو نے یہی خیال ظاہر کیا ہے - دوستی کا تعلق مساوات سے ہے - دونوں ایک دوسرے سے ایک جیسا لیتے، ایک جیسے دیتے اور ایک سی توقعات رکھتے ہیں — مترجم

کا اهل سمجھتا ہے تو گویا یہ بھی سمجھتا ہے کہ جو لوگ اس کے
برابر ھیں انہیں بھی حکومت میں حصہ ملنا چاہئے۔ یہ ھیں بڑے بڑے
اعتراضات جو بادشاهت کے خلاف کئے جا سکتے ھیں۔

# سترھواں باب

لیکن ھو سکتا ھے بعض لوگوں کے متعلق تو ھماری یہ باتیں صحیح تسلیم کر لی جائیں ، بعض کے غلط ۔ اس لئے کہ بعض لوگ پیدا ھی اس لئے کئے جاتے ھیں کہ کسی آقا کے ماتحت رھیں ، جیسے بعض کسی بادشاہ کے ۔ لیکن بعض اس لئے کہ آزاد ریاستوں کے (۱) شہری بن سکیں ۔ پھر یہ سب باتیں اپنی اپنی جگہ پر مفید بھی ھیں اور عدل و انصاف کے مطابق بھی (۲) ۔ البتہ فطرت قبول نہیں کرتی تو استبداد کو ، نہ حکومت کی فاسد شکلوں کو اس لئے کہ وہ سب اس کے منافی ھیں ۔ للہذا ثابت ھوا کہ جو لوگ باھم مساوی ھیں ان پر ایک ھی شخص کا حکومت کرنا مفید ھے، نہ حق بجانب ۔ حتیٰ کہ اس حالت میں بھی جب ان کے یہاں کوئی قانون نہ ھو اور بالآخر اسی کی مرضی قانون بن جائے (۳) ۔ خواہ اس حالت میں جب قوانین موجود ھوں ۔ بعینہ یہ بھی مناسب نہیں کہ اگر کوئی شخص اچھا ھے تو اچھوں اور برا ھے تو بروں پر حکومت کرنے لگے ۔ نہ ایسا جو باعتبار صفات دوسروں سے برتر ھو ، الایہ کہ اس برتری کا تعلق کسی ایسے وصف سے ھے جس کی طرف ھم اس سے پہلے اشارا تو کر آئے ھیں لیکن جس کی وضاحت

---

۱ - یعنی جہاں دستوری حکومتیں قائم ھیں — مترجم

۲ - جیسا کہ فصل اول کے ابتدائی ابواب میں بیان ھو چکا ھے — مترجم

۳ - گویا اس کی مرضی کے علاوہ وھاں کوئی قانون ھے ، نہ دستور — مترجم

آگے چل کر کی جائے گی (۴) ۔ اس لئے کہ یہاں غور طلب امر یہ ھے کہ بادشاھت کے لئے کس طرح کے لوگ موزوں رھیں گے ۔ امارت اور جمہوریت کے لئے کیسے (۵) ؟ اول بادشاھت کو لیجئے اس کے لئے تو وھی لوگ موزوں ھیں جو بالطبع اس امر کے عادی ھیں کہ اپنے معاملات کا انتظام و انصرام کسی ایسے خاندان کے ھاتھ میں دے دیں جسے فضائل اخلاق میں نمایاں امتیاز حاصل ھے (۶) ۔ امارت کے لئے وہ جن میں قدرتی طور پر یہ صلاحیت پائی جاتی ھے کہ ایسے آزاد انسانوں کی حکومت برداشت کر سکیں جو اپنے فضائل عالیہ کی بدولت اس امر کے سزاوار ھیں کہ دوسروں پر حکومت کریں (۷) ۔ آزاد ریاستوں (۸) کے لئے وہ جنگجو قومیں (۹) جن میں یہ

---

۴ - لیکن اس کے بعد جو عبارت شروع ھوتی ھے ''کہ یہاں غور طلب امر یہ ھے . . .'' یا تو جملہ معترضہ کی حیثیت سے ، یا یہ کوئی الحاقی جملہ ھے - ممکن ھے یہ عبارت ارسطو ھی کی ھو لیکن تاریخی اعتبار سے مختلف حکومتوں کے ظہور کی جو ترتیب ارسطو نے اس سے پہلے قائم کی تھی یہاں اس سے تطابق پیدا نہیں ھوتا ــ مترجم

۵ - جمہوریت کا اشارا یہاں دراصل مدنیت کی طرف ھے جس میں فی الواقعہ دستور و آئین کی بہت زیادہ ضرورت ھوگی ، باقی حکومتوں کی نسبت — مترجم

۶ - جیسا کہ فصل اول کے ابتدائی ابواب میں مذکور ھے ــ مترجم

۷ - غیروں نہیں اپنوں پر ملاحظہ ھو حاشیہ ۴ - دراصل ارسطو یہاں مختلف معاشروں کی سیاسی صلاحیتوں سے بحث کر رھا ھے — مترجم

۸ - یا دوسرے لفظوں میں مدنیتوں کے لئے — مترجم

۹ - عام معنوں میں نہیں ، بلکہ ان معنوں میں کہ جن ریاستوں کے ارباب حل و عقد جنگ کرنے کی صلاحیت رکھتے ھیں اور جن کے یہاں ایسے لوگ موجود ھوں جو سپاھیانہ زندگی اختیار کرسکتے ھیں — مترجم

صلاحیت پائی جاتی ہے کہ جیسی کسی کی قابلیت ہے ایک غریب سے غریب شہری بھی از روئے قانون ایک مشترک نظام سیاست کا حصہ دار بن سکے - وہ حکومت بھی کرے اور حکومت کے ساتھ ساتھ اطاعت بھی (۱۰) - لیکن جب ایک پورے کا پورا خاندان ، یا خاندان کا

---

۱۰ - بعض نسخوں مثلاً بارکر میں یہ جملہ یہیں ختم نہیں ہوجاتا ، بلکہ ان الفاظ پر ''اور جہاں باعتبار قابلیت اعزازات ریاست کی تقسیم اہل دولت و ثروت میں کر دی جاتی ہے''- لیکن فرض کیجئے وہاں اس طرح کے لوگ موجود نہ ہوتے اس صورت میں ایک اور مشکل رونما ہو جاتی ہے اور وہ یہ کہ ارسطو نے مختلف حکومتوں کے قیام کی توجیہ جس رنگ میں کی ہے اس سے اس کا مطلب صاف صاف واضح نہیں ہوتا اس لئے کہ دولت کے ساتھ قابلیت کی شرط غیر واضح سی ہے - بات یہ ہے کہ اعزازات حکومت اگر صرف دولتمندوں کو ملیں گے جس کے لئے قابلیت کی شرط ضروری ہے تو کیا یہ شرط دولتمندوں ہی کے لئے ہوگی ؟ اندریں صورت عام شہری ان سے محروم رد جائیں گے ، حالانکہ تجویز یہ تھی کہ اعزازات کی تقسیم به اعتبار صلاحیت سب شہریوں میں ہوتی رہے - ممکن ہے یہاں دولت مندوں سے مطلب ہو ایسے دولت مند جو اپنے لئے آپ سامان جنگ سہیا کریں گے ، کیونکہ مدنیت کی بحث میں ارسطو طے کرچکا ہے کہ ارباب حل و عقد صرف وہ ہوں گے جن میں جنگ کی صلاحیت سوجود ہے - گویا یہ اس طرح کے لوگ ہوں گے جن میں باعتبار قابلیت اعزازات حکومت کی گردش ہوتی رہے گی - چنانچہ باب ہفتم میں وہ مدنیت یا دستوری حکومت کی بحث میں کہہ آیا ہے کہ مدنیتوں میں انہیں لوگوں کو دستوری حقوق حاصل ہوتے ہیں جن میں سپاہ گری کا وصف

باقی صفحه ۳۱۷ پر

ایک فرد فضائل اخلاق میں اتنا اونچا ہو کہ جماعت کا کوئی فرد اس کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکے تو کیا یہ خاندان شاہانہ اقتدار کا مستحق ٹھہرے گا ؟ کیا ہم اس ایک فرد کو سب کا آقا اور اور بادشاہ تسلیم کر لیں گے (۱۱) ؟ کیونکہ یہ امر جیسا کہ ہم اس سے پہلے بھی عرض کر آئے ہیں اس اصول کے عین مطابق ہوگا جس کی بنا پر موسسین ریاست خواہ وہ امارت ، یا اعیانیت ہو یا جمہوریت اپنا استحقاق قائم کرتے ہیں (اس لئے کہ جہاں تک اقتدار اعلیٰ کا تعلق ہے اس امر پر سب متفق ہیں کہ اسے ان ہاتھوں میں رہنا چاہئے جو فی‌الواقعہ اس کے سزاوار ہیں ، گو اس بارے میں ان کی اپنی اپنی جداگانہ رائے ہے) اور اس اعتبار سے بھی سر تا سر درست جس کی طرف ہم نے پہلے اشارا کیا تھا (۱۲) ۔ یہ اس لئے کہ اگر کسی شخص میں فی‌الواقعہ کوئی نمایاں وصف موجود ہے تو یہ کہاں مناسب ہے کہ ہم اسے مار ڈالیں یا ملک بدر کر دیں ، یا یہ کہ اسے اقتدار و اختیار میں حصہ نہ دیں، یا صرف اس وقت جب اس کی باری آئے(۱۳) ، کیونکہ فطرت کبھی گوارا نہیں کرے گی، کہ

---

بقیہ حاشیہ ۳۱۶

پایا جاتا ہے اور پھر مختلف ریاستوں کے نشوونما سے بحث کرتے ہوئے بھی اس نے مدنیت کی تاسیس کو جنگی تبدیلیوں ہی کا نتیجہ ٹھہرایا ہے ۔ وہ کہتا ہے مدنیت کا وجود اس پیادہ فوج سے وابستہ ہے جو سامان جنگ سے بخوبی مسلح ہے — مترجم

۱۱ - چاہئے کا مطلب ہے، ایسا کرنا کیا واقعی مقتضائے عدالت کے مطابق ہوگا — مترجم

۱۳ - کیونکہ اس صورت میں وہ دوسرے شہریوں کا ہم مرتبہ ٹھہرے گا — مترجم

اعلیٰ ادنیٰ کی جگہ لے (۱۴) ۔ حالانکہ اس طرح کا کوئی انسان اگر دوسروں کا محکوم ہوا تو اس کا یہی مطلب ہوگا ۔ للہذا ہمیں چاہئے چار و ناچار اس کی اطاعت قبول کر لیں ۔ حتیٰ کہ وہ جب تک زندہ ہے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھے(۱۵) ۔ بہر حال یہی باتیں ہیں جو مختلف ریاستوں میں بادشاہت قائم کرنے کے حق میں کہی جا سکتی ہیں ۔ علیٰ ہذا اس بارے میں کہ ان میں اس کا وجود مفید ہوگا یا مضر ۔ مفید ہوگا تو کہاں تک ، مضر ہے تو کس حد تک (۱۷) ۔

---

۱۴ - اس لئے کہ اعلیٰ کو ادنیٰ سے وہی نسبت ہے جو کل کو جز سے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے جز کل کی جگہ لے ــــ مترجم

۱۵ - گویا زیادہ سے زیادہ یہی کچھ ہے جو ارسطو مطلق العنان بادشاہت کی حمایت میں کہہ سکتا تھا ۔ بایں ہمہ اس قسم کی بادشاہت کی حیثیت محض ایک منطقی امکان کی رہ جاتی ہے ۔ وہ کوئی عملی حقیقت نہیں ــ مترجم

# اٹھارھواں باب

ہم نے کہا تھا باقاعدہ حکومتوں کی تین قسمیں ہیں جن میں بہترین تو وہی ہے جس کا سر رشتہ بہترین انسانوں کے ہاتھ میں ہے (اور جو ظاہر ہے کوئی ایسی ہی حکومت ہوگی جہاں کوئی ایسا فرد یا ایسا خاندان ، یا ایسے متعدد افراد جو باعتبار فضائل سب سے برتر ہیں اور حکومت ہو یا محکومی دونوں حالتوں میں وہ راستہ اختیار کرتے ہیں جس سے زندگی میں زیادہ سے زیادہ سعادت اور خوش بختی پیدا ہوسکے ۔ چنانچہ ہم پہلے بھی ثابت کر آئے ہیں (۱) کہ اگر کوئی حکومت درجۂ کمال حاصل کر چکی ہے تو اس میں اچھے انسانوں اور اچھے شہریوں کے فضائل یکساں ہوں گے ۔ اندریں صورت تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جونہی ہماری توجہ ان صفات پر ہوئی جن کا تعلق حسن سیرت اور حسن کردار سے ہے ہر کسی کو کہنا پڑے گا کہ ریاست کے لئے بہترین طرز حکومت یا تو ایک مضبوط و مستحکم امارت ہے ، یا بادشاہت (۲) ۔ پھر جب یہ مسلم ہے کہ تعلیم اور اخلاق ہی وہ کل ہے جس میں ایک اچھے انسان کی پرورش ہوتی ہے تو یہ بھی کہ یہی وہ صفات

---

۱ ۔ اسی فصل کے باب چہارم میں ۔

خوش بختی کے لئے ملاحظہ ہو مقدمہ ۔ خیر اور سعادت کی زندگی ظاہر ہے ہر شخص کے لئے خوش گوار ثابت ہوگی — مترجم

۲ ۔ بشرطیکہ اس طرح ایک اچھے انسان اور اچھے شہری کی اچھائی میں تطابق پیدا ہوجائے — مترجم

ہیں جن کی بدولت ایک اچھا شہری (۳) اور اچھا بادشاہ پیدا ہوگا (۴) ۔

مگر پھر ان تفصیلات کے بعد یہ دیکھنا ضروری ہے کہ حکومت کی بہترین شکل کیا ہوگی ۔ اس کی ابتدا ہوتی ہے تو کیسے اور اسے قائم رکھا جاتا ہے تو کیوں کر؟ اس مسئلے کی تحقیق ہر پہلو سے ضروری ہے (۵) ۔

---

۳ - اچھا انسان — مترجم

۴ - بادشاہ یا جیسا کہ بارکر میں ہے سیاست دان ، یعنی مدبر ایک ایسی (شہر گر ، ملاحظہ ہو مقدمہ) جو اپنے ہم مرتبہ اور مساوی الحیثیت لوگوں پر حکومت کرتا ہے (ملاحظہ ہو اسی فصل کا باب چہارم) - ارسطو کا اشارا ایک مثالی امارت کے بعد اس ریاست کی طرف ہے جس میں باعتبار خیر سب ہم مرتبہ اور مساوی ہیں — مترجم

۵ - یہی الفاظ آگے چل کر ارسطو نے فصل ہفتم کی ابتدا میں استعمال کئے ہیں (بارکر نے تو قوسین میں وہ الفاظ بھی دے دیے ہیں جن پر فصل ہفتم کے اولین جملے کا خاتمہ ہو جاتا ہے : ''مگر جس کے لئے اول یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ زندگی کا وہ کیا انداز ہے جس کی ہر کسی کو طلب ہے'' اور اس لئے ارسطو کے بعض مرتبین کا خیال ہے کہ فصل ہفتم کی ترتیب کو بدل کر اسے فصل سوم پر ختم کر دینا چاہئے - لیکن ہوسکتا ہے باب زیر نظر کا کچھ یا سب کا سب حصہ الحاقی ہو ، کیونکہ فصل ہفتم اور ششم میں ارسطو نے بہترین حکومت سے بحث کرتے ہوئے بادشاہت کا کہیں ذکر ہی نہیں کیا - امارت کے متعلق بھی کچھ کہا تو بہت کم - البتہ فصل ہفتم میں دساتیر حکومت کی تقسیم جن اصناف میں کی گئی ہے اس میں بادشاہت اور امارت کا ذکر موجود ہے — مترجم

فصــل چہــارم

# پہلا باب

کوئی بھی علم ہو یا کوئی بھی فن اگر اس کی نگاہیں اجزا(۱) کی بجائے جنس (۲) پر ہیں اور وہ بہمہ وجوہ اس کا احاطہ بھی کرچکا ہے تو اس امر کا فیصلہ بھی اسی کے ہاتھ میں ہے کہ وہ کیا باتیں ہیں جو اس مخصوص جنس کے لئے موزوں رہیں گی (۳)۔ جیسے یہ کہ جیسا بھی کوئی بدن ہے اس کے لئے مناسب ترین ورزش کیا ہوگی اور اس لئے باقی سب ورزشوں سے بہتر، کیونکہ جو بدن اپنی ساخت میں کامل اور دوسروں سے برتر ہے اسے ورزش بھی بہترین ہی چاہئے۔ مگر پھر ایک ورزش وہ بھی ہے جو بالعموم ہر کسی کے لئے مفید رہتی ہے۔ اب ان سب باتوں کا فیصلہ اگرچہ فنون ورزش ہی کے ہاتھ میں ہے۔

---

۱۔ یعنی کسی فن کا علم اور فن ایک عملی چیز ہے لہٰذا یہ تمہید ــ مترجم

۲۔ یہ اصطلاح منطق ـــ مترجم

۳۔ یعنی اس کا مطالعہ کن باتوں کا مقتضی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی علم جزواً جزواً کسی موضوع کا مطالعہ نہیں کرتا، برعکس اس کے بحیثیت کل اس پر نظر رکھتا ہے، لہٰذا اس کے سب اجزا اس کے سامنے ہیں تو پھر یہ دیکھنا بھی اسی کا کام ہے کہ موضوع زیر بحث کے مختلف پہلوؤں کا احصا کن منہاجات کے ماتحت کرنا چاہئے ـــ مترجم

لیکن ضروری نہیں ان پر ہر کسی کو پوری پوری دسترس بھی حاصل ہو۔ ہاں جس کسی کو استاد بننا اور نوجوانوں کی تربیت کرنا ہے اسے ان پر تمام و کمال عبور ہونا چاہئے (۴)۔ کچھ ایسی ہی مثال علاج و معالجے کی ہے، جہاز سازی اور پارچہ دوزی (۵) کی، بلکہ جتنے بھی فنون ہیں سب کی (۶)۔ لہٰذا اس امر کا فیصلہ بھی کہ بہترین حکومت کیا ہوگی اور اس لئے بمقابلہ اور سب حکومتوں کے ہمارے منشا کے عین مطابق (۷) فن سیاست (۸) ہی کے ہاتھ میں ہے، الا یہ کہ کوئی خارجی عنصر

---

۴ - ارسطو یہ کہنا چاہتا ہے کہ تربیت جسمانی کا تعلق تین باتوں سے ہے - (۱) جیسا کوئی جسم ہے اس کی تربیت کس اصول پر کی جائے (۲)، بہترین قسم کی جسمانی تربیت کیا ہے (جس کا تعلق لازماً بہترین جسم سے ہوگا) اور (۳) عام طور پر تربیت جسمانی کس اصول پر ہونی چاہئے - ملاحظہ ہو حاشیہ (۶) — مترجم

۵ - یعنی خیاطی (درزی کا کام) — مترجم

۶ - فنون ورزش کی مثال پیش نظر رہے تو سیاسیات کا وظیفہ ہے یہ دیکھنا کہ (۱) جیسی کوئی جماعت برسراقتدار ہے اس کے لئے کیسا دستور مناسب رہے گا، (۲) بہترین ارباب اقتدار کے لئے بہترین دستور کیا ہوسکتا ہے، (۳) عام طور پر جیسی کچھ جماعتیں برسراقتدار ہوا کرتی ہیں ان کے (یعنی مدنیتوں کے) لئے کیسا دستور ہونا چاہئے - نیز یہ کہ (۴) ادنیٰ قسم کی حیات مدنی کے لئے (خواہ یہ اعیانیت ہو، یا گری ہوئی جمہوریت، یا استبدادیت) کیسا دستور یا دساتیر موزوں رہیں گے — مترجم

۷ - مطلب ہے 'عینی' — مترجم

۸ - متن میں "ہر فن کا . . ." جس سے غلط فہمی کا اندیشہ تھا — مترجم

اس میں حارج ھوجائے (۹) ۔ گویا اس صورت میں دیکھنے کی بات یه ھوگی که جس طرح کا بھی کوئی اجتماع ھے اس کے لئے مناسب ترین حکومت کیا ھو سکتی ھے ۔ اس لئے که بعض لوگوں کے اندر یه صلاحیت ھی نہیں ھوتی که اس کی بہترین شکل سے لطف اندوز ھوسکیں (۱۰) ۔ لہذا مقنن ھو یا مدبر ریاست اس کے لئے صرف یه جاننا ھی کافی نہیں که کامل و مکمل طرز حکومت کیا ھے ۔ اس کے لئے یه جاننا بھی ضروری ھے که جیسے کہیں حالات ھیں ان کے مطابق حکومت کی مناسب ترین شکل کیا ھوگی۔ مگر پھر اس کی ایک تیسری شکل بھی ھے اور ھم اس کا تصور بھی کرسکتے ھیں (۱۱) ۔ لیکن جسے اس کے سامنے پیش کیا جائے تو اس میں اتنی استعداد ھونی چاھئے که وہ اس کی ابتدا کو سمجھتا ھو اور اس کے ساتھ ساتھ یه بھی که اسے دیر تک برقرار

---

۹ ۔ مثلاً وسائل کی کمی یا کوئی اور خارجی عنصر — مترجم

۱۰ ۔ اس لئے که ان کے یہاں اعلیٰ ترین حیات مدنی کا نشوونما ممکن ھی نہیں — مترجم

۱۱ ۔ یعنی حیات مدنی کے ایک ، عینی ' یا مقابلۃً بہترین تصور کی طرح ھم اس کا ایک اسفل اور ادنیٰ قسم کا تصور بھی کرسکتے ھیں ۔ یوں بھی سیاسیات کے پیش نظر اس طرح کا کوئی مفروضه ضرور رھنا چاھئے جس کی مثال ویسی ھے جیسی بدنی ورزش کے سلسلے میں ان لوگوں کی جو یه تو ضرور چاھتے ھیں که اپنے جسم کی تھوڑی بہت تربیت کرلیں مگر جن کی یه آرزو نہیں ھوتی که اس میں کمال پیدا کریں اور اس طرح دوسروں سے سبقت لے جائیں — مترجم

رکھا جاسکتا ہے تو کیسے (۱۲) ۔ مثلاً ایک ریاست ہے جس میں حکومت کی بہترین شکل تو موجود نہیں ، یا جہاں بعض ایسی باتوں کی کمی ہے جو اپنی جگہ پر ضروری تھیں ، یا جسے وہ آسانیاں حاصل نہیں جو ہونی چاہئے تھیں (۱۳) ، لہذا اس کا درجہ پست رہا اور اس لئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ نظر بر حالات اس کے لئے کس قسم کی حکومت موزوں رہے گی (۱۴) ۔ دراصل جو حضرات اس موضوع پر قلم اٹھا چکے ہیں انہوں نے ریاست کے عملی پہلووں سے بہت کم التفات کیا ہے(۱۵) ، خواہ اس کے دوسرے پہلووں کی وضاحت بڑی خوبی سے کر دی ہو۔ حالانکہ ہماری نگاہیں صرف اس

---

۱۲ - یعنی زیادہ سے زیادہ عرصے تک اس کی ہستی برقرار رکھی جاسکتی ہے تو کس طرح ــ مترجم

۱۳ - جیسا کہ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے ــ مترجم

۱۴ - حکومت کی ان چار شکلوں عینی اور وقتی (باعتبار حالات) ، فرضی اور واقعی) کی ترتیب جن کا مطالعہ سیاسیات میں ضروری ہے اس ترتیب سے مختلف ہے جو فن ورزش کے سلسلے میں ارسطو نے پیش کی ہے - سیاسیات کے وظائف میں تو پہلا وظیفہ فن ورزش کے وظیفہ دوم کے مقابل میں آتا ہے - دوسرا پہلے ، تیسرا چوتھے اور چوتھا تیسرے کے ــ مترجم

۱۵ - یعنی عملی پہلووں سے - ارسطو کا اشارا یہاں ریاست کے ان پہلووں کی طرف ہے جو عملاً اس سے استفادہ کرنے میں ہمارے سامنے آتے ہیں اور جن سے فصل زیر نظر ، علیٰ ہذا فصول چہارم و پنجم میں بحث کی جائے گی - لہذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ جیسا بھی کوئی دستور حکومت ہے اسے قائم رکھا جائےگا تو کیونکر؟ نیز یہ کہ اس میں اصلاح و ترمیم کی جائے گی تو کیسے ؟ ــ مترجم

پر نہیں ہونی چاہئے کہ بہترین کیا ہے ۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے ، کہ قابل عمل کیا ہے اور اتنا سادہ اور آسان ہر کسی کے حصول میں آسکے (۱۶) ۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں بعض حضرات نے یا تو اس امر سے بحث کی ہے کہ بہترین دستور حکومت کیا ہے ، یا پھر کسی ایک حکومت کے پیش نظر جیسا کہ عام طور پر ہمیں ان سے سابقہ پڑتا ہے اس حکومت کی مذمت کرنا شروع کردیتے ہیں جس کے ماتحت وہ خود زندگی بسر کر رہے ہیں ، یا کسی دوسری مثلاً اسپارٹوی حکومت کی تعریف کرنے لگ جاتے ہیں ۔ حالانکہ قانون ساز کا فرض ہے جو دستور وضع کرے ان لوگوں کے حالات اور انداز طبیعت کا لحاظ رکھتے ہوئے کرے جن کو اسے اختیار کرنا ہے تاکہ وہ بلاتامل اسے قبول کرلیں اور دوسروں (۱۷) کو بھی اس پر آمادہ کرسکیں ۔ یہ اس لئے کہ حکومت قائم ہو جائے تو پھر اس کی خامیوں کو دور کرنا مشکل ہو جاتا ہے ، بہ نسبت اس کے کہ کوئی نیا طرز حکومت وضع کیا جائے ۔ بعینہ جیسے کسی بھولی ہوئی بات کو یاد کرنا دشوار ہے بمقابلہ اس کے کہ ہم کوئی نئی بات سیکھیں ۔ لہٰذا جس کسی کی آرزو حقیقی معنوں میں قانون ساز بننے کی ہے اس میں ان صفات کے علاوہ جن کا ذکر ہم اس سے پہلے کر آئے ہیں یہ صلاحیت بھی ہونی چاہئے کہ اگر کوئی حکومت پہلے

---

۱۶ - یعنی مطلقاً بہترین نہیں ، بلکہ اضافی طور پر بہ اعتبار حالات بہترین تاکہ اس پر آسانی سے عمل ہوسکے اور یوں بھی ہر ریاست کے لئے موزوں رہے — مترجم

۱۷ - جن پر ریاست مشتمل ہے یعنی موجودہ اصطلاح میں 'قوم' — مترجم

سے قائم ہے اور اس میں کچھ خامیاں پائی جاتی ہیں تو ان کی اصلاح کرسکے (۱۸) ۔ اب ظاہر ہے یہ اس شخص کا کام تو ہو نہیں سکتا جسے اتنا بھی معلوم نہیں کہ حکومت کی مختلف شکلیں کیا ہوتی ہیں جیسے بعض لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جمہوریت اور اعیانیت کی صرف ایک ہی نوع ہے ۔ حالانکہ ان کا یہ خیال صحیح نہیں اور اس لئے ضروری ہے وہ خوب سمجھتا ہو ان میں باہم فرق ہے تو کیا ، ان کی وسعت ہے تو کیا اور ابتدا ہوئی تو کیسے (۱۹) ۔ اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہئیے بہترین قوانین کیا ہوتے ہیں اور وہ مناسب رہیں گے تو کس قسم کی حکومت کے لئے ۔ اس لئے کہ قانون بنایا جاتا یا بنانا چاہئیے تو جس ریاست میں اس کا نفاذ منظور ہے اس کے حسب مرضی ۔ یہ نہیں کہ ریاست کی تشکیل قانون کی مرضی کے تابع ہو ۔ کیونکہ حکومت کے معنی ہیں وہ نظم و ضبط جس کا تعلق بالخصوص حکام (۲۰) سے ہے تاکہ وہ جو کچھ کریں

---

۱۸ - بارکر کے نزدیک یہاں ارسطو کے ذہن میں ایک یونانی ضرب المثل ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ ''اگر قسمت کا لکھا یہی کچھ ہے تو کیوں نہ اس سے زیادہ فائدہ اٹھایا جائے'' بالفاظ دیگر دستور حکومت کی اصلاح اور یہ اعتبار حالات اسے بہتر سے بہتر بنانا یہ بھی قانون ساز ہی کا کام ہے — مترجم

۱۹ - مثلاً یوں کہ جمہوریت کی مختلف شکلیں اس طرح قائم ہوں گی کہ ایک میں جمہوری خصائص کی کثرت ہو دوسری میں قلت ۔ یا یوں کہ کسی ریاست کا انداز سر تا سر جمہوری ہو — مترجم

۲۰ - ریاست کے عہدے داروں اور اس لئے اس کے نظم و نسق سے — مترجم

کسی اصول اور قاعدے کا لحاظ رکھتے ہوئے کریں ۔ مگر پھر اس کے معنی یہ بھی تو ہیں کہ اقتدار اعلیٰ کس کے ہاتھ میں رہنا چاہئے، جیسے یہ کہ وہ کیا مقصد ہے جس کا حصول آخر آخر لوگوں (۲۱) کے سامنے ہے (۲۲) ۔ برعکس اس کے قوانین کا معاملہ تو اس امر سے بالکل مختلف ہے جس کے ماتحت کوئی دستور مرتب کیا جاتا ہے اور جس سے اس کی شکل متعین ہوتی ہے (۲۳) ۔ قوانین کا منصب ہے حکام کے طرز عمل اور ادائیگی فرض میں ان کی رہنمائی ، علیٰ ھذا مجرموں کی تعزیر ۔ لہٰذا مقنن کی نظر جس طرح حکومت کی مختلف قسموں پر ہونی چاہئے ویسے ہی اس کی مختنف شکلوں (۲۴) پر ۔ یہ اس لئے کہ اعیانیتیں ہوں یا جمہوریتیں ان میں ایک ہی قسم کے قوانین نافذ نہیں ہوسکتے ۔ اس لئے کہ ان کی ایک نہیں متعدد اقسام ہیں ۔ گویا دستور اور چیز ہے اور قانون اور ۔

---

۲۱ - یعنی جن لوگوں نے کسی سیاسی اجتماع کی بنیاد ڈالی - ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۷ — مترجم

۲۲ - فصل سوم باب ششم میں بھی ارسطو نے دستور حکومت کی تعریف کچھ ایسے ہی الفاظ میں کی ہے ، گو یہاں عبارت کسی قدر مختلف ہے — مترجم

۲۳ - یعنی اس مقصد کی بدولت جو ہمارے پیش نظر ہے دستور حکومت کے قالب یا اس کی ظاہری ہیئت اور قانون میں بڑی مشابہت پیدا ہوجاتی ہے — مترجم

۲۴ - یعنی ہر دستور مثلاً جمہوری دستور جیسی کچھ مختلف شکلیں بھی اختیار کرسکتا ہے ان پر - ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۹ — مترجم

# دوسرا باب

اس سے پہلے جب ہم نے حکومت کی مختلف شکلوں سے بحث کی ہے (۱) تو ہم نے کہا تھا حکومت کی تین قسمیں ہیں، بادشاہت، امارت اور آزاد ریاستیں (۲)۔ مزید یہ کہ جب ان میں فساد پیدا ہوتا ہے تو بادشاہت استبداد، امارت اعیانیت اور آزاد ریاستیں جمہوریت کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔ امارت اور بادشاہت کا بیان ہم اس سے پہلے کر آئے ہیں۔ یوں بھی بہترین طرز حکومت کی تحقیق یا ان دونوں قسموں کی حکومتوں

---

۱ - فصل دوم اور بالخصوص فصل سوم کی طرف اشارا ہے - گویا فصل چہارم میں اب یہی بحث ایک دوسری شکل اختیار کرتی ہے جس کا سلسلہ فصل پنجم اور ششم میں بھی جاری رہے گا - حالانکہ توقع یہ تھی کہ سیاسیات کے ان چہارگانہ وظائف کی تعیین کے بعد جن کا ذکر ارسطو نے پچھلے باب میں کیا ہے وہ یکے بعد دیگرے ان کی بحث چھیڑ دے گا - لیکن یہاں اس نے پھر مختلف قسم کے دساتیر، علی ہذا ان کے اقسام کی بحث شروع کر دی ہے (جیسا کہ فصل سوم باب ہفتم میں وہ اس سے پہلے کرچکا ہے) اور اس لئے اب جو کچھ کہا جائیگا دساتیر حکومت کے ان مختلف اصناف کے پیش نظر ہی کہا جائیگا - گویا فصل چہارم میں دساتیر کی دوسری بحث شروع ہوتی ہے جیسے پچھلی فصول میں پہلی — مترجم

۲ - یعنی مدنیتیں — مترجم

کا بالاستیعاب مطالعہ دراصل ایک ھی بات ھے (۳) ۔ اس لئے کہ ان دونوں کی تاسیس فضائل ھی کی بنا پر کی جاتی ھے ۔ رھا یہ امر کہ بادشاھت اور امارت میں کیا فرق ھے اور یہ کب ھوتا ھے کہ کسی ریاست میں شاھانہ اقتدار قائم ھوجائے سو اس کی وضاحت اس سے پہلے ھوچکی ھے (۴) ۔ لہٰذا اب دیکھنا ھے تو یہ کہ آزاد ریاست کیا ھوتی ھے اور حکومت کی دوسری قسمیں کیا ؟ مثلاً یہ کہ اعیانیت کیا ھے ، جمہوریت اور استبدادیت کیا جو گویا حکومت کی ان تین شکلوں میں جن کو ھم نے فاسد ٹھرایا تھا سب سے ابتر ھے ، جیسے باقی دو کا بھی کوئی نہ کوئی درجہ ھوگا ۔ اس لئے کہ اگر کسی پاک اور مقدس شے

---

۳ - ممکن ھے یہاں ارسطو کے ذھن میں فصل سوم کی وہ عبارت ھو (آخر فصل میں) جس میں اس نے کہا تھا (گو واضع طور پر نہیں) کہ ایک عینی دستور کا انداز یا تو امارتی ھوگا ، یا شاھی ۔ مگر پھر ارسطو نے مختلف موقعوں پر مختلف باتیں کہی ھیں اور اس لئے ان سب کی تطبیق مشکل ھو جاتی ھے ۔ مثلاً اس کا یہ کہنا کہ امارت یا بادشاھت تو وہ حکومتیں ھیں جو فی الواقعہ وجود میں آچکی ھیں (اور اس لئے ھمیں معلوم ھے ان کا دستور کیا ھے) ۔ برعکس اس کے عینی دستور حکومت وہ ھے جو ابھی وجود میں نہیں آیا ، کیونکہ اس کی عینیت کا تقاضا ھی یہ ھے کہ واقعۃ موجود نہ ھو (جیسا کہ فصول ھفتم و ھشتم میں ارسطو ثابت کرے گا) — مترجم

۴ - امارت اور بادشاھت کے باھمی فرق کے لئے ملاحظہ ھو فصل سوم ، ساتواں اور سترھواں باب قیام ۔ بادشاھت کے لئے کون سی جگہ موزوں ھے اور اسے کب قائم ھونا چاھئے ۔ ملاحظہ ھو فصل سوم ۱۷واں باب — مترجم

میں بگاڑ پیدا ہوجائے۔ تو وہ لازماً بدترین صورت اختیار کر لیتی ہے۔ لہٰذا باعتبار حالات یا تو بادشاہ برائے نام بادشاہ رہیگا۔ یا اپنی حدود سے آگے بڑھتے ہوئے جملہ اختیارات سلب کر لے گا جس کا نتیجہ ہے استبداد اور تغلب اور جس سے بڑھ کر ظلم اور تعدی کی اور کوئی صورت ذہن میں نہیں آسکتی۔ لیکن جسے حکومت سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اس لئے کہ استبدادیت آزاد ریاست کی ضد ہے۔ استبداد کے بعد فساد کی دوسری شکل اعیانیت ہے لیکن اس میں اور امارت میں بڑا فرق ہے۔ رہی جمہوریت سو اسے فساد کی کم سے کم شکل ٹھہرائیے۔ چنانچہ ہمارے پیشرو (۵) مصنفین میں سے ایک اس پر قلم بھی اٹھا چکا ہے مگر اس کے تاثرات اس بارے میں وہ نہیں جو راقم‌الحروف کے ہیں کیونکہ وہ سمجھتا ہے بہترین حکومت یا تو اعیانیت کی کوئی اعلیٰ قسم ہے یا اس سے ملتا جلتا طرز حکومت۔ جمہوریت کو اس نے بدترین ، یا بدترین حکومتوں میں بہترین ٹھہرایا ہے۔

لیکن ہماری رائے اس کے برعکس یہ ہے کہ یہ سب ریاستیں (۶) افراط و تفریط کا شکار ہوچکی ہیں۔ لہٰذا اس کا یہ کہنا غلط ہے کہ اعیانیت کی ایک شکل دوسری سے بہتر ہوسکتی ہے۔ اسے کہنا چاہئے تھا تو یہ کہ اعیانیت کا وجود سر تا سر

---

۵ - افلاطون — مترجم

۶ - استبدادیت ، اعیانیت ، جمہوریت — مترجم

فاسد نہیں (۷) - بہر حال سردست ہمیں دیکھنا ہے تو یہ کہ آزاد ریاستوں کی مختلف شکلیں کیا ہوسکتی ہیں ، ان کی تعداد کیا ہوتی ہے- جیسے معلوم ہے کہ جمہوریتوں اور اعیانیتوں کی متعدد قسمیں کیا ہیں - نیز یہ کہ سب سے زیادہ جامع (۸) اور قابل قبول طرز حکومت کیا ہوگا - یعنی کیا ایسا کوئی طرز حکومت موجود ہے جو امارت سے مشابہ اور بحسن خوبی چل رہا ہے ؟ شہروں کے لئے کیسا طرز حکومت موزوں رہے گا ؟ خاص خاص لوگوں کے لئے کس طرز حکومت کو ترجیح دینی چاہئے ؟ اس لئے کہ اگر کوئی دستور جمہوریت کی نسبت اعیانیت کے لئے زیادہ مفید ہے تو دوسرا جمہوریت کے لئے ، بمقابلہ اعیانیت کے مفید تر - پھر ایک اور غور طلب بات یہ ہے کہ جس کسی کا ارادہ مختلف قسم کی حکومتوں کے پیش نظر کوئی حکومت قائم کرنے کا ہے ، مثلاً جمہوریت ، یا اعیانیت کی کوئی نوع اس کا طریق کار کیا ہونا چاہئے - یہ بحثیں ہیں جن کی تکمیل پر ہم ان اسباب کی وضاحت کریں گے جو حکومت میں فساد یا استحکام کا باعث ہوتے ہیں - ان اسباب کی جو سب ریاستوں میں مشترک ہوتے ہیں ، جیسے ان کی جو سب میں مشترک نہیں ہوتے ، یعنی جیسی کوئی ریاست ہے ویسے - مزید یہ کہ ان سب

---

۷ - ارسطو اور افلاطون کے خیالات میں حقیقتاً کوئی فرق نہیں - فرق ہے تو اسما و مصطلحات کا - لیکن اسما و مصطلحات کے لحاظ سے دیکھا جائے تو جب بھی بقول نیومین افلاطون نے اعیانیت کی اچھی شکل کی بجائے امارت کی اچھی شکل کے الفاظ استعمال کئے ہیں — مترجم

۸ - 'جامع' یعنی جس پر لوگ جمع ہو جائیں — مترجم

کا سرچشمہ کیا ہے (۹)۔

۹ - باب دوم میں ارسطو نے جن باتوں کا ذکر کیا تھا اور جن کی تحقیق اس کے نزدیک ضروری ہے ان میں سیاسیات کے پھر وھی چار وظائف اس کے پیش نظر ھیں جن کی طرف وہ اس فصل کی ابتدا میں اشارا کر آیا ہے، گو ان کی ترتیب اب کسی قدر بدل گئی ہے۔ مزید یہ کہ سیاسیات کا اولین وظیفہ یعنی ایک عینی دستور کی تحقیق اس نے سرے سے نظر انداز کردیا، کیونکہ وہ سمجھتا ہے اس کی بحث اس سے پہلے آ چکی ہے۔ لہذا اب اس پر گفتگو لا حاصل ہوگی۔ برعکس اس کے بعض ایسے مسائل جن کا ذکر اثنائے بحث میں ضمناً آ گیا تھا مستقل مسائل کی حیثیت اختیار کرلیتے ھیں (مثلاً رائج الوقت دساتیر کی مختلف شکلیں اور وہ صورت حالات جس کے ماتحت انھیں قائم رکھا، یا ختم کیا جاسکتا ہے)۔ حاصل کلام یہ کہ سیاسیات کا پہلا وظیفہ تو اب خارج از بحث ہے۔ البتہ اس کا دوسرا وظیفہ باعتبار بحث تیسرے درجے پر آجاتا ہے، تیسرا چوتھے اور پانچویں، چوتھا دوسرے پر۔ رھی وہ بات جو اس سے پہلے اتفاقاً زیر بحث آگئی تھی وہ اس ترتیب میں سب سے مقدم یعنی پہلے درجے پر آ گئی ہے۔ لیکن آگے چل کر ارسطو نے پھر اس ترتیب کو بدل دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ارسطو مسئلہ زیر بحث کا ایک نقشہ تو ضرور طیار کرلیتا ہے لیکن ھمیشہ اس پر کاربند نہیں رھتا — مترجم

# تیسرا باب

رها یه امر که حکومت کی شکلیں مختلف کیوں ہوتی ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ ریاست کا وجود بھی تو مختلف افراد پر مشتمل ہوتا ہے (۱) ۔ مثلاً پہلی بات تو یہی ہے کہ جو بھی شہر ہوگا کنبوں سے بنے گا جس میں کچھ تو امیر ہوں گے ، کچھ غریب ، کچھ دونوں کے بین بین ۔ پھر امیر ہوں یا غریب بعض

---

۱ ۔ چاہئیے تو یہ تھا کہ اس باب میں ارسطو اس ترتیب کو قائم رکھتا جو اس نے پچھلے باب میں قائم کی تھی اور جس کی ابتدا اس سوال سے ہوتی ہے کہ کوئی بھی دستور ہو اس کی مختلف شکلیں کیا ہونگی ؟ بالخصوص جمہوریت اور اعیانیت کی ۔ لیکن اس کی بجائے ارسطو نے اب یہ سوال اٹھایا ہے کہ دستور ایک ہی کیوں نہیں ہوتا ، ایک سے زیادہ کیوں ہوتے ہیں ؟ ظاہر ہے کہ یہ اپنی جگہ پر ایک بالکل الگ اور جداگانہ سوال ہے جس کے پیش نظر ارسطو نے اول تو اجزائے شہر کی بحث چھیڑ دی ہے اور پھر اس کا جواب یوں دیا کہ تعدد دساتیر کی وجہ ہے اجزائے شہر کا تعدد ۔ لہٰذا جیسا کوئی جز شہر پر غلبہ حاصل کرلیتا ہے ویسا ہی اس کا دستور بن جاتا ہے اور اس لئے دستور بھی ایک نہیں ہے ، متعدد ہیں ۔ لیکن اس طرح باب زیر نظر میں باب ماسبق کی نسبت جس طرح بحث کا رخ بدل گیا ہے اس کے ماتحت محققین کا خیال ہے کہ باب سوم اگرچہ ارسطو ہی کے کسی مسودے پر مبنی ہے ، لیکن ہے الحاقی جس کا بعد کے کسی مرتب نے اپنی طرف سے اضافہ کر دیا — مترجم

اسلحہ بند ہوں گے بعض غیر اسلحہ بند ۔ ایسے عوام (۲) میں بھی کوئی تو کسان ہوگا، کوئی بازار کا رخ کرے گا (۳)، کوئی صنعت و حرفت کا ۔ اشراف میں بھی باعتبار دولت و ثروت اور وجاہت ذات بہت کافی تفاوت ملے گا، مثلاً اسپ پروری ہے کہ اس کا اہتمام وہی لوگ کریں گے جن کے پاس مال و زر کی افراط ہے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں ایام گذشتہ میں جہاں کہیں گھوڑوں کی کثرت تھی وہاں اعیانیتیں قائم ہو گئیں اور انہوں نے ہمسایہ شہروں پر فوج کشی کی تو گھوڑوں ہی کے ذریعے (۴) جیسے اہل آریٹریا (۵)، اہل کال کس (۶) اور اہل مگنیسیا نے جو اشیائے کوچک میں دریائے میانڈر (۷) کے کنارے آباد تھے یا جیسے ایشیا کی

---

۲ - یعنی عامۃ الناس - یونانی میں ڈیموس Demos اور اس لئے Democracy 'ڈیماکریسی' یا جمہوری حکومت دراصل عوام کی حکومت ہے - ملاحظہ ہو مقدمہ — مترجم

۳ - یعنی تجارت کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں — مترجم

۴ - بالفاظ دیگر سواروں یا جیسا کہ عام زبان میں کہا جائے گا رسالہ فوج کے ذریعے — مترجم

۵ - Eretria وہ اثینوی نوآبادی جو Eueboea یوبوڈیہ (موجودہ نگروپانٹ Negropont) میں قائم ہوئی اور اسی جزیرے کی ایک دوسری نو آبادی کال کس کی حریف - یہ نوآبادیاں ایران کے ہاتھوں تباہ ہوگئیں ' ۴۹۰ ق - م میں اور ان کے باشندے غلام بنائے گئے — مترجم

۶ - Chalcis ملاحظہ ہو حاشیہ ماسبق — مترجم

۷ - Meander (بل کھاتا ہؤا) موجودہ ترکی میں مندریس - ایک چھوٹا

باقی صفحہ ۳۳۵ پر

بعض دوسری قوموں نے۔ لیکن مال و زر کے علاوہ ایک اور بھی تفاوت ہے جس کا دارومدار حسب و نسب اور اوصاف ذات پر ہے۔ رہے وہ امتیازات جن سے شہر میں بعض دوسرے عناصر پیدا ہو جاتے ہیں ان کا ذکر ہم امارت کی بحث میں کر آئے ہیں، کیونکہ امارت ہی کی بحث میں ہم نے بتایا تھا کہ وہ کیا عناصر ہیں جن پر ناممکن ہے شہر کا وجود مشتمل نہ ہو اور جو بعض اوقات تو سب کے سب حکومت میں حصہ لیتے ہیں، بعض اوقات معدودے چند بعض اوقات معدودے چند سے زیادہ (۸)۔

---

بقیہ حاشیہ ۳۳۴

سا دریا جو بل کھاتا ہوا بحیرہ یونان میں جا گرتا ہے اور جس کے پاس مگنیسیا Magnesia کی نو آبادی قائم تھی - لیکن جس میں اور اسی نام کے دوسرے شہر میں جو شمال کی جانب Lydia واقع تھا فرق کرنا چاہئے ــــ مترجم

۸ - یہاں اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ اجزائے شہر سے ارسطو کا اشارا کبھی تو اس تعداد کی طرف ہوتا ہے جو کسی جماعت میں شامل ہو اور کبھی اس خصوصیت کی طرف جو کسی جماعت میں پائی جائے - مگر ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ یہ کوئی صفت ہی ہوگی جس کی بنا پر افراد کسی جماعت میں منسلک ہوں گے - پھر جیسی بھی کوئی جماعت ہے اس کے ارکان کی کچھ تعداد بھی ہوگی - گویا ہم کہہ سکتے ہیں دولت مند شہر کا ایک جز ہیں جیسے یہ کہ دولت شہر کا ایک جز ہے۔ لہذا امارت کی بحث میں یہاں وہی امور پیش نظر ہیں جن کا ذکر فصل سوم باب دوازدہم میں آچکا ہے - البتہ اس باب میں عدالت پسندی اور جنگی قابلیت کا شمار بھی اجزائے شہر میں کر لیا گیا ہے ــــ مترجم

لہٰذا ظاہر ہے حکومت کی شکل بھی ایک نہیں ہوگی، متعدد ہوں گی اور ہر شکل اپنی جگہ پر دوسری سے مختلف (۹)، کیونکہ ان کی ترکیب میں جو عناصر حصہ لیتے ہیں ان کی حیثیت یکساں نہیں ہوتی (۱۰) اور ایسا ہونا ممکن بھی نہیں اس لئے کہ حکومت سے مراد ہے ریاست کے حاکمانہ عہدوں کا وہ مخصوص نظم و نسق جو ظاہر ہے جماعت ہی کے ہاتھ میں رہیں گے، خواہ اس کا کوئی فریق زبر دستی ان پر قابض ہو جائے اور پھر دولت، یا افلاس، یا ایسے ہی کسی مساویانہ اصول کی بنا پر جو سب میں مشترک ہے ان کی تقسیم کر دے (۱۱)۔ گویا یہ ایک طبعی امر ہے کہ جیسا جیسا کسی اجتماع کا درجہ ہے (۱۲) ویسی ہی شکل حکومت بھی اختیار کرتی چلی جائے گی۔ اس لئے کہ بہت ممکن ہے ایک اجتماع دوسرے سے بہتر ہو، یا اس لئے کہ اس کے مخصوص حالات کا تقاضا ہی یونہی تھا۔ اب عام طور پر تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ حکومت کی شکلیں دو ہیں، جیسے یہ کہ

---

۹ - اور اس لئے ہر دستور حکومت دوسرے سے مختلف ہوگا — مترجم

۱۰ - کیونکہ ازروئے دستور جتنے بھی عناصر حکومت میں شریک ہوں گے ان کے اختیارات کم و بیش ہوں گے، ایک سے نہیں ہونگے — مترجم

۱۱ - یعنی یا تو اس مساوات کی بنا پر جو صرف اہل دولت، یا صرف عامۃ الناس میں پائی جاتی ہے یا اس پر کہ دونوں کو باہم مساوی ٹھہرایا جائے اور یہی مساوات بنائے حکومت ٹھہرے — مترجم

۱۲ - یعنی عناصر شہر میں جس کسی کا حکومت پر غلبہ ہے اس کے اعتبار سے — مترجم

ہواوں کے رخ بھی دو ہی ہوا کرتے ہیں ، شمالی اور جنوبی اور اس لئے باقی سب دونوں میں سے کسی ایک کی طرف مائل ۔ لہٰذا سیاسیات کی رو سے بھی حکومت یا تو کثرت کے ہاتھ میں ہوگی ، یا قلت کے یعنی اس کا طرز جمہوری ہوگا یا اعیانی ، کیونکہ امارت کو اکثر اعیانیت ہی کی ایک نوع تصور کیا جاتا ہے اس لئے کہ امارت میں بھی تو سر رشتہ حکومت قلت ہی کے ہاتھ میں رہتا ہے ۔ لیکن اس طرح تو یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ آزاد ریاست کو بھی جمہوریت ہی سے تعبیر کرنا چاہئے اس لئے کہ ہواوں کی رعایت سے بھی تو مغرب کو شمال اور مشرق کو جنوب ہی کا ایک حصہ ٹھہرایا جا سکتا ہے(۱۳) ۔ پھر کچھ ایسی ہی مثال موسیقی کی ہے ۔ اس کے بھی صرف دو ہی الحان ہیں ، ڈوروی اور فریگوی (۱۵) ۔ باقی سب ان کے اجزا اور اس لئے ان کے یہی دو نام

---

۱۳ - بقول نیومین تعدد دساتیر کا سبب ہے اشراف کے مخصوص امتیازات (مثلاً دولت ، حسب و نسب اور ذاتی صفات) ۔ علیٰ ہذا کسی جزو شہر کے اختلافات ، مثلاً جمہور کے مختلف پیشے (زراعت ، تجارت ، دستکاری) — مترجم

۱۴ - اس لئے کہ یونان میں مشرقی ہواوں کا رخ دراصل جنوب مشرق کی طرف تھا اور مغربی ہواوں کا شمال مغرب کی طرف ۔ لہٰذا ہومر نے ایک کو مشرقی اور دوسری کو مغربی کہا — مترجم

۱۵ - Doric اور Phrygian ڈورس یونان کا ایک چھوٹا سا منگستانی علاقہ ہے جس کے بسنے والے ڈورین Dorian کہلائے اور جو یونانی (یا ہیلینی Hellenes یعنی اہل یونان کا اصل نام) نسل کی وہ مشہور

باقی صفحہ ۳۳۸ پر

رکھے جاتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ عام طور پر حکومتوں میں بھی امتیاز کیا جاتا ہے تو انہیں دو اصولوں کی بنا پر۔ لیکن ان کی زیادہ بہتر اور زیادہ صحیح تقسیم وہ ہے جو ہم اس سے پہلے کر آئے ہیں(۱۶) ۔ ہم نے کہا تھا حکومت کی دو نوعیں ہیں۔ ایک وہ جن کی تاسیس صحیح اصولوں پر ہوئی اور جن کی ایک یا دو قسمیں ہوسکتی ہیں ۔ دوسری وہ جس میں فساد کی ہر ممکن شکل موجود ہوگی (۱۷) ۔

---

بقیہ حاشیہ ۳۳۷

شاخ ہیں جس نے یونان تاریخ کے اولین ادوار اور تہذیب و تمدن میں بڑا نام پیدا کیا - یونانی مہاجرت یا آبادکاری کی صورت یہ تھی کہ اول ان کی اس شاخ نے تھریس Thrace سے ہوتے ہوئے شمالی مغربی ایشیائے کوچک کے اس حصے میں اپنی نوآبادیاں قائم کیں جسے فری گیا Phrygia کہتے ہیں پھر ایک اور شاخ بحیرہ یونان کے جزائر اور ایشیائے کوچک کے ملحقہ سواحل پر آبادی ہوگئی - یہ آئی اونوی Ionian آباد کار تھے اور انہیں کی وجہ سے ان سواحل اور جزائر کا نام بھی آئی اونیہ Ionia قرار پایا۔ آخر میں ڈووی شاخ ارض یونان پر چھا گئی چنانچہ یہ جو ہم یونان کو گریس Greece یا Helas کی بجائے یونان کہتے ہیں تو اس لئے کہ آئی اونوی ساحل ایشیا پر آباد تھے - آئی اونیہ اور یونان کی لفظی مشابہت ظاہر ہے — مترجم

۱۶ - باب دوم میں - بایں ہمہ فصل سوم باب ہفتم میں صالح دساتیر کی جو تعداد بیان کی گئی ہے ، یعنی تین یہاں اسے دو میں محدود کر دیا گیا ہے اور پھر ان کی مثال موسیقی کے ان دو ٹکڑوں سے دی گئی جن کا تعلق ڈوری اور فریگوی نغموں سے ہے — مترجم

۱۷ - اور جو ہمیشہ صالح حکومتوں میں پیدا ہوتا ہے — مترجم

لہٰذا ہم چاہیں تو بہترین طرز حکومت کو(۱۸) موسیقی کے اس ٹکڑے سے تشبیہ دے سکتے ہیں جس میں سب سے زیادہ ہم آہنگی پائی جائے۔ اعیانیت اور استبدادیت کو اونچے اور تیز لیکن جمہوریت کو ہلکے اور مدھم سروں سے (۱۹)۔

۱۸ اور ظاہر ہے یہ حکومت امارت ہوگی — مترجم

۱۹ - اونچے اور تیز سر ڈوروی موسیقی اور ہلکے اور مدھم سرفریگوی موسیقی سے انحراف کا نتیجہ ہیں — مترجم

# چوتھا باب

البتہ ہمیں چاہئے' جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں نہ کریں جن میں عام طور پر کی جاتی ہے ۔ کہا جاتا ہے جمہوریت وہ طرز حکومت ہے جس میں اقتدار اعلیٰ کا سر رشتہ جمہور کے ہاتھ میں رہتا ہے، حالانکہ اعیانیتوں میں بھی یہ اقتدار کثرت ہی کے پاس ہوتا ہے (۱) اور اس لئے اعیانیت کی تعریف بھی اس طرح نہیں کرنی چاہئے کہ اس قسم کی حکومتوں میں زمام اقتدار معدودے چند اشخاص کے ہاتھوں میں آ جاتی ہے ۔ فرض کیجئے کوئی اجتماع صرف ۱۳۰۰ افراد پر مشتمل ہے جن میں‌ایک ہزار تو دولتمند ہیں ، باقی تین سو نادار اور اس لئے اہل دولت انہیں حکومت میں شریک نہیں کرتے ، گو اور کسی بات میں وہ ان سے کم نہیں تو ظاہر ہے اس طرح کی حکومت کو جمہوریت نہیں کہا جائے گا جیسے نادار اگر باوجود قلت امیروں پر غلبہ حاصل کر لیں ، خواہ امیر تعداد میں ان سے زیادہ ہوں تو کوئی نہیں کہے گا کہ ایسی حکومت کو اعیانیت سے تعبیر کرنا چاہئے (۲) ، نہ اس صورت میں

---

۱ - جمہور کا اشارا دراصل کثرت کی طرف ہے - اب اعیانیت میں بھی سررشتہ اقتدار چونکہ کثرت (یعنی اہل دولت کی کثرت) کے ہاتھ میں رہتا ہے ۔ لہٰذا جمہوریت کی عام تعریف غلط ٹھہری - یہاں قابل امر یہ ہے کہ ارسطو کی منطق پسندی الفاظ یا طرز بیان میں یعنی جہاں کہیں بھی کوئی خامی نظر آتی ہے ہاتھ سے جانے نہیں دیتی — مترجم

۲ - اس لئے کہ غریب برسراقتدار نہیں ہوں گے — مترجم

۳ - کیونکہ اصل مسئلہ تعداد کا نہیں دولت اور افلاس کے فرق یعنی صفاتی امتیاز کا ہے — مترجم

جب دوسروں یعنی اہل دولت کا نظم و نسق میں کوئی دخل نہ ہو۔ لہذا ہمیں کہنا چاہئے زمام اقتدار اگر آزاد انسانوں کے ہاتھ میں ہے تو جمہوریت قائم ہوگی اہل دولت کے ہاتھ میں تو اعیانیت (۴) ۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک صورت میں جتنے بھی اختیارات ہیں بہتوں کے ہاتھ میں ہوں گے ، دوسری میں تھوڑوں کے۔ اس لئے کہ امیر ہمیشہ کم ہوتے ہیں غریب زیادہ ۔ لیکن فرض کیجئے ہم اس تقسیم کی بنا قد و قامت پر رکھتے جیسا کہ سننے میں آتا ہے اثوبیا (۶) میں دستور ہے ، یا حسن صورت پر جب بھی اعیانیت ہی قائم ہوتی کیونکہ ایسے اشخاص جو بلند قامت یا صاحب جمال ہیں ہر کہیں کم ہی ہوں گے ، زیادہ نہیں ہو سکتے (۷) ۔

بایں ہمہ ان ریاستوں کے بارے میں ہم نے جو کچھ کہا تھا اس سے ان کی ٹھیک ٹھیک حیثیت واضح نہیں ہوتی ، کیونکہ جمہوریت اور اعیانیت کی متعدد نوعیں ہیں۔ لہذا ہمیں اس سلسلے میں ابھی اور بھی کچھ کہنا ہے ۔ ہم یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ آزاد انسانوں کی ایک محدود تعداد اگر غلاموں پر اقتدار حاصل کر

---

۴ - آزاد انسانوں سے ارسطو کا اشارا ہمیشہ جمہور یعنی عامة الناس یا غریبوں کی طرف ہوتا ہے - یہی عام معنوں میں کثرت کی حکومت ہے - جمہوریت اور اعیانیت کی بحث اگرچہ فصل سوم میں بھی آچکی ہے (باب ہشتم) لیکن اب ان کے مابہ‌الامتیاز کی تشریح زیادہ واضح الفاظ میں کی جارہی ہے — مترجم

۶ - Ethiopia ارض حبشہ کا دوسرا نام - اس وقت بھی حبشہ کا سرکاری نام اثوبیہ ہی ہے — مترجم

۷ - لیکن از روئے دلیل اعیانیت ہونے کے باوجود یہ درحقیقت اعیانیت نہیں ہوگی ، کیونکہ اعیانیت کی روح ہے دولت مندوں کا اقتدار — مترجم

لے ، اگرچہ غلام تعداد میں ان سے زیادہ ہوں تو جمہوریت قائم ہو جائے گی جیسے آئی‌اونیہ کے شہر اپولونیہ (۸) اور تھیرا (۹) میں ہوا جہاں اعزازات ریاست پر صرف ان معدودے چند خاندانوں کا قبضہ تھا جنہوں نے اول اول یہ نو آبادیاں قائم کیں - ایسے ہی اہل دولت کی کثرت تعداد کا بھی یہ مطلب نہیں کہ جمہوریت قائم ہو گئی جیسے کولوفون (۱۰) میں ہو چکا ہے اس لئے کہ لیڈوی جنگ (۱۱) سے پہلے وہاں دولت مندوں ہی کی کثرت تھی اور زیادہ تر املاک پر قبضہ بھی انہیں کا تھا - جمہوریت در اصل وہ ریاست ہے جہاں سر رشتہ اقتدار آزاد مگر نادار انسانوں کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ اس لئے کہ وہاں اکثریت بھی انہیں کی ہوگی - بر عکس اس کے اعیانیتوں میں یہ اقتدار و اختیار دولت مند اور شریف خاندانوں کے ہاتھ میں آ جاتا ہے ، گو ان کی تعداد کم ہوتی ہے -

پھر جب یہ معلوم ہے کہ حکومت کی ایک نہیں مختلف شکلیں

---

۸ - Apollonia اس نام کے اور بھی کئی شہر آباد تھے - آئی‌اونیہ Ionia ایشیائے کوچک کا مغربی ضلع جہاں یونانیوں نے متعدد نوآبادیاں قائم کیں - علیٰ ھذا سواحلی جزائر ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۵ باب ماسبق — مترجم

۹ - Thera قریطش کے قریب ایک چھوٹا سا جزیرہ — مترجم

۱۰ - Colophon ایشیائے کوچک (آئی‌اونیہ) کی ایک یونانی نوآبادی — مترجم

۱۱ - Lydia ایشیائے کوچک کا وہ حصہ جو آئی اونیہ سے ہٹ کر شمال مغرب میں واقع اور بحیرہ یونان تک چلا جاتا تھا - لیڈیا ایک بڑی طاقتور ریاست تھی جس سے اہل یونان بے حد متاثر ہوئے اور جسے بالآخر کردش اعظم ھخامنشی تاجدار نے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا - دارالحکومت سارڈس Sardis — مترجم

ہیں اور ہر شکل کا کوئی نہ کوئی خاص سبب تو یاد رکھنا چاہئے
کہ اسکی کوئی ایک شکل بھی کئی شکلیں اختیار کر سکتی ہے جن کے
ظاہر ہے کچھ نہ کچھ وجوہ ہوں گے ۔ لیکن اس بحث میں ہمیں پھر
وہی اصول قائم کرنا پڑیں گے جو اس سے پہلے قائم کئے تھے ۔ ہم
تسلیم کر چکے ہیں کہ شہر کے ایک نہیں متعدد اجزا ہوتے
ہیں (۱۲) ۔ پھر جس طرح حیوانات کی مختلف انواع کے احصا میں
ہماری نگاہیں اول ان کے مشترک اجزا پر ہوتی ہیں ، مثلاً اجزائے
حس یا ان اجزا پر جو حصول خوراک اور اس کو برقرار رکھنے
کے لئے (۱۳) ضروری ہیں جیسے منہ اور پیٹ یا جن کی بدولت وہ
ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل و حرکت کرتے ہیں ۔ اب
جتنے بھی حیوان ہیں ان کے اتنے ہی اجزا ہوتے ہیں ، گو ایک
دوسرے سے مختلف، خواہ باعتبار معدہ ، یا باعتبار شکم(۱۳) یا اعضائے
حس جن میں اعضائے نقل و حرکت کا اضافہ بھی کر لینا چاہئے تو
ان کو باہم ملا کر جتنے بھی مجموعوں میں تقسیم کیا جائے گا
اتنی ہی ان کی نوعیں بھی ہوں گی اس لئے کہ ایک ہی قسم کے
حیوانوں میں منہ یا کانوں کے لحاظ سے تو بہت زیادہ فرق نہیں
ہوگا ۔ لہٰذا جونہی ان حیوانات کو جن کے اعضا باہم مشابہ ہیں
جمع کر لیا ان کی ایک نوع بن جائے گی ۔ بہ الفاظ دیگر جتنی بھی

---

۱۲ - کیونکہ شہر ایک کل ہے - ملاحظہ ہو فصل اول اور فصل سوم -
محققین کا خیال ہے کہ اجزائے شہر کی تشریح میں
عبارت ما بعد کا اضافہ شاید آگے چل کر ہوا تاکہ اجزائے شہر
کا بیان ایک دوسرے نقطہ نظر سے بھی ہوجائے ۔ ممکن ہے یہ اضافہ
کسی مرتب نے کیا ہو — مترجم

۱۳ - یعنی ہضم — مترجم

تعداد اعضائے ضروری کے اعتبار سے مختلف مجموعوں کی ہے اتنی ہی حیوانوں کی نوعیں بھی ہیں ۔

کچھ ایسا ہی معاملہ ریاستوں کا ہے (۱۴) اس لئے کہ شہر جیسا کہ ہم بار بار کہہ آئے ہیں متعدد اجزا سے ترکیب پاتا ہے جن میں ایک جز تو وہ ہے جو اس کے لئے ضروریات زندگی بہم پہنچاتا ہے ، یعنی کسان ۔ اس کا دوسرا جز کاری‌گر ہیں جو کوئی نہ کوئی دستکاری اختیار کر لیتے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ دست‌کاری کے بغیر کوئی بستی بس نہیں سکتی ۔ اب دست‌کار جو چیزیں تیار کرتے ہیں ان میں کچھ تو ایسی ہوتی ہیں جو لازمۂ حیات ہیں ، کچھ ایسی جن سے تعیشات زندگی کی اور مسرتوں میں داخل ہیں ۔ شہر کا تیسرا جز وہ لوگ ہیں جو لین دین کا کام کرتے ہیں ، یعنی بائع اور مشتری ، سوداگر اور خوردہ فروش ۔ چوتھا اجرت پیشہ مزدور اور کارکن (۱۵) ۔ پانچواں اسلحہ بند جن کی موجودگی ویسی ہی ضروری ہے جیسے کسی دوسری چیز کی کیونکہ اگر یہ نہ ہوتے تو جو کوئی شہر پر حملہ کرتا اسے اپنا غلام بنا لیتا ۔ یوں بھی جو شہر اپنی حفاظت نہیں کر سکتا اسے شہر کہلانے کا حق نہیں پہنچتا ۔ شہر ہمیشہ کافی بالذات ہوتا ہے ۔ کافی بالذات نہیں تو غلام ہوگا (۱۶) ۔ لٰہذا جب سقراط

---

۱۴ - یعنی صرف جمہوریتوں اور اعیانیتوں کی نہیں ، بلکہ ریاست کی سب قسموں ، علیٰ‌ہذا ہر قسم مثلاً جمہوریت یا اعیانیت کی الگ الگ نوعوں کا —— مترجم

۱۵ - مطلب ہے غلام کاشت کار جو کھیتی باڑی کریں گے —— مترجم

۱۶ - جیسا کہ فصل اول میں ارسطو بیان کر آیا ہے —— مترجم

'جمہوریہ' میں یہ کہتا ہے کہ شہر کے اجزائے لاینفک صرف چار ہیں تو اگرچہ اس کا یہ قول بڑی دانائی پر مبنی ہے لیکن ٹھیک نہیں ۔ سقراط کے نزدیک شہر کے اجزا ہیں جلاہے، کسان، موچی، اور معمار جن میں اس نے آہن گروں کا اضافہ بھی کر لیا ہے جیسے مذکورہ بالا پیشہ وروں کا وجود اپنی جگہ پر ناکافی تھا ۔ نیز تاجروں اور خوردہ فروشوں کا جنہیں گویا فہرست اول کا ضمیمہ تصور کرنا چاہئے ۔ لیکن جس کا مطلب یہ ہوگا کہ شہر کی تاسیس محض ضرورت کی بنا پر ہوتی ہے ۔ سعادت اور خوش بختی کو اس میں کوئی دخل نہیں (۱۷)، یا جیسے یہ کہ کفش ساز ہو یا کاشتکار دونوں کا وجود یکساں طور پر مفید ہے ۔ فوج کو تو اس نے شہر کا جز ہی نہیں ٹھہرایا، الا یہ کہ اس کی وسعت میں اضافہ ہو جائے اور ہمسایہ طاقتوں سے اتصال حدود کی بنا پر جنگ سے مفر کی کوئی صورت نہ رہے ۔ حالانکہ شہر کے یہ چار اجزا جن لوگوں پر مشتمل ہیں یا جیسا ان کا ایک دوسرے سے تعلق ہے اس کے لئے بھی تو کسی ایسے شخص کی ضرورت ہوگی جو ان میں عدل و انصاف قائم رکھے اور لوگوں کے جھگڑے چکا سکے ۔ پھر اگر یہ طے ہے کہ انسان کے لئے جسم کی نسبت ذہن کا وجود زیادہ قابل قدر ہے تو ظاہر ہے ہر کوئی یہی کہے گا کہ شہر کی توجہ زیادہ‌تر ان باتوں پر ہونی چاہئے جو فی‌الواقعہ اس کے لئے فائدے کا موجب ہیں (۱۸) ۔

---

۱۷ - حالانکہ شہر کا مقصد ہے حصول خیر - ملاحظہ ہو فصل اول — مترجم

۱۸ - فائدے سے مطلب ہے اس کا نصب العین—حصول—خیر اور جس کا تعلق گویا ذہن سے ہے — مترجم

ان پر نہیں جو عام طور سے پیش آتی رہتی ہیں (۱۹) ۔ یعنی جنگ اور عدالت ایسے امور پر جن میں ہمیں شوریٰ کا اضافہ بھی کر لینا چاهئے ، کیونکہ اس کی موجودگی سیاسی سوجھ بوجھ کے لئے ضروری ہے (یہاں یہ بحث لاحاصل ہے کہ ان تینوں کا سررشتہ (۲۰) مختلف اشخاص کے هاتھ میں رہنا مناسب هوگا یا ایک هی شخص کے هاتھ میں اس لئے کہ بعض اوقات ایسا بھی هوتا ہے کہ وہ سپاهی بھی هو اور کسان بھی) ۔ للہذا اگر قاضی (۲۱) اور عمید (۲۲) شہر کا جز هیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سپاهی بھی اس کا ویسا هی ضروری جز۔ اس کا ساتواں جز هیں(۲۳) وہ لوگ جو خود اپنے خرچ سے ریاست کی بعض ایسی خدمات سرانجام دیتے هیں جن کے لئے اسے بہت سا روپیہ صرف کرنا پڑتا ۔ هم ان کو اهل دولت کہا کرتے هیں ۔ آٹھواں ریاست کے مختلف عہدوں پر کام کرنے والے جن کے بغیر اس کا وجود محال ہے اور جس کے پیش نطر یہ ماننا لازم آتا ہے کہ شہر میں کچھ لوگ ایسے بھی هونا چاهئے جن میں یہ قابلیت هو کہ مناصب حکومت پر متمکن هو کر اپنے فرائض سرانجام دے سکیں ، خواہ عمر بھر کے لئے ، خواہ نوبت بہ نوبت ۔ رہ

۱۹ - یعنی افراد ریاست کے درمیان کوئی نزاع یا ان کے باهمی خصومات کا تصفیہ وغیرہ وغیرہ اور جن کا ازالہ ایسا هی ضروری ہے جیسے جسمانی ضروریات کا پورا کرنا — مترجم

۲۰ - جنگ ، عدالت اور شوریٰ کا — مترجم

۲۱ - جو امور عدالت سرانجام دیتے هیں — مترجم

۲۲ - جن کا تعلق شوریٰ سے ہے — مترجم

۲۳ - لیکن شہر کے چھٹے جز کا ارسطو نے ذکر هی نہیں کیا — مترجم

گیا عمید اور قاضی کا منصب سو اس کے متعلق ہم اس سے پہلے بہت کچھ کہہ آئے ہیں (۲۴) ۔ یہ سب باتیں شہر کے لئے ناگزیر ہیں اور ان سے مقصود ہے سعادت اور خوش بختی عدل اور انصاف ۔ للہذا ان کا سررشتہ ایسے ہی افراد کے ہاتھ میں رہنا چاہئے جو فی‌الواقعہ اس کے اہل ہیں گو بعض لوگوں کے نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ طرح طرح کے کام ایک ہی شخص کے ذمے کر دئے جائیں ، مثلاً سپاہی اور کاشتکار ، یا کاری‌گر کا ۔ جیسے یہ کہ عمائد ہی قاضیوں کے فرائض سرانجام دیا کریں ۔

پھر جہاں تک ہر شخص کی اپنی ذات کا تعلق ہے وہ تو یہی سمجھتا ہے کہ اس کے اندر ہر طرح کی سیاسی قابلیت پائی جاتی ہے اور اس لئے ریاست کا جو بھی منصب ہے وہ اس سے عہدہ برا ہو سکتا ہے ۔ لیکن ایک ہی شخص چونکہ بیک وقت امیر اور غریب نہیں ہو سکتا للہذا ضروری ہے شہر کی تقسیم بھی دو بڑے بڑے اجزا یعنی امیروں اور غریبوں میں ہو جائے ۔ پھر چونکہ ان میں ایک کی تعداد بالعموم کم ہوگی ، دوسرے کی زیادہ اس لئے قدرتی امر ہے کہ شہر کے یہی دو اجزا ایک دوسرے کی ضد ٹھہریں ۔ للہذا ایک ریاست میں ایک کا غلبہ ہے تو دوسری میں دوسری کا اور جسے اس لئے جمہوریت کہا جائے گا یا اعیانیت (۲۵) ۔

---

۲۴ - پچھلی فصول میں — مترجم

۲۵ - گویا اب ارسطو نے اس بحث کا آغاز کیا ہے جس کی ابتدا اس نے باب دوم کے آخر میں کی تھی ۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو باب سوم کی حیثیت ایک جملہ معترضہ کی ہوجاتی ہے — مترجم

رھا یہ امر کہ جمہوریت اور اعیانیت کے علاوہ کیا ریاست کی اور بھی قسمیں ھیں ۔ علیٰ ھذا یہ کہ ان کا ظہور ھوتا ھے تو کن اسباب کی بنا پر سو ان کا ذکر ھم اس سے پہلے کر آئے ھیں ۔ جمہوریت اور اعیانیت کی مختلف شکلوں کا بیان البتہ ھم اب کریں گے (۲۶) ۔ یہ دوسری بات ھے کہ ھم اس سلسلے میں جو کچھ کہنا چاھتے ھیں اس کا اندازہ ان باتوں سے بھی کیا جا سکتا ھے جو اس سے پہلے کر آئے ھیں ۔ ھمارا کہنا یہ ھے کہ جس طرح عامۃالناس میں ایک نہیں مختلف قسم کے انسان ملتے ھیں ویسے ھی شرفا کے یہاں بھی ۔ اول‌الذکر میں کچھ تو کسان ھوں گے ، کچھ کاری‌گر ، کچھ لین دین کرنے والے (۲۷) ، یعنی خریدار اور فروشندہ ، کچھ بحرپیما جن میں بعض تو جنگ و جدال میں حصہ لیتے ھیں (۲۸) ، بعض تجارت میں ، بعض مال و اسباب یا مسافروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ھیں ، بعض ماھی گیری کرتے ھیں جن کے پھر متعدد گروہ ھیں جیسے ٹارنٹم اور بازنطم (۲۹) کے ماھی‌گیروں اثینیہ کے جہازرانوں ، ای‌گنہ اور کیوس(۳۰) کے تاجروں اور ٹنےڈوس(۳۱) میں باربرداری کے لئے کرایے

---

۲۶ - کیونکہ ایک صورت میں مدار امتیاز دولت ھے دوسری میں افلاس اور افلاس چونکہ عام ھے - اس لئے کثرت — مترجم

۲۷ - تاجر — مترجم

۲۸ - یعنی جنگی کشتیاں چلانے والے — مترجم

۲۹ - Tarentum جنوبی ایطالیہ کے ضلع کےلبریا Calabria میں مغربی ساحل کا ایک مشہور شہر ۔ Byzantium یعنی قسطنطنیہ ۔ یہ دونوں شہر گویا ماھی گیروں کے اڈے تھے جیسے اثینیہ جنگی ملاحوں کا — مترجم

۳۰ - Aeigna خلیج سارون Saron کا ایک سنگستانی جزیرہ — مترجم

۳۱ - Tenedos بحیرہ یونان کا ایک چھوٹا سا جزیرہ — مترجم

پر کشتیاں دینے والوں کے ۔ پھر وہ لوگ بھی عامةالناس میں شامل ھیں جو محنت مشقت سے اپنی روزی کماتے ھیں ، کیونکہ ان کے ذرائع بڑے محدود ھوتے ھیں اور بغیر محنت مزدوری کے وہ زندگی بسر نہیں کر سکتے ۔ ایسے ھی وہ بھی جو ماں یا باپ کی طرف سے آزاد پیدا نہیں ھوتے جیسے وہ جو عام طور پر ھوا کرتے ھیں(۳۱) ۔ رھے اشراف سو ان میں کچھ تو مال و دولت پر فخر کرتے ھیں ، کچھ عالی نسبی پر ، مثلاً بعض کو اپنی قابلیت پر ناز ھوتا ھے ، بعض کو تعلیم و تربیت (۳۲) یا ایسی ھی کسی دوسری صفت پر جو ان سے منسوب کی جا سکے ۔

اب خالص جمہوریت کو لیجئے تو اس کا سر چشمہ بھی وہ اصول مساوات ھے جس پر پورا پورا عمل کیا جاتا ھے ۔ قانون کا تقاضا بھی یہی ھے کہ اس قسم کی ریاست میں ایسا ھی کیاجائے تاکہ غریب بھی اسی حد تک محکوم رھیں جس حد تک امیر ۔ نیز یہ کہ اقتدار اعلیٰ ان کے ھاتھ میں رھے ، نہ ان کے ، بلکہ دونوں یکساں طور پر اس میں شریک ھوں ، کیونکہ حریت اور مساوات ھی اگر بعض لوگوں کی رائے میں جمہوریت کا طرہ امتیاز ھیں تو یہ بھی ضروری ھے کہ حکومت کا جو بھی شعبہ ھے ہر شخص کے لئے کھلا رھے (۳۳) ۔ لیکن اس صورت میں بھی اکثریت

---

۳۲۔ یعنی اوپر کی اصناف کے علاوہ اور جتنی قسم کے افراد جمہور میں شامل کئے جاسکتے ھیں ــ مترجم

۳۳ - یا جیسے آجکل کی اصطلاح میں کہا جائے کہ ان کے آئینی حقوق برابر ھوں ــ مترجم

چونکہ جمہور ہی کی ہوگی اور انہیں کی رائے قانون (۳۴) ، لہٰذا اس قسم کی ریاست کو جمہوریت ہی کہا جائے گا جیسے گویا اس کی ایک نوع ٹھہرانا چاہئے (۳۵) ۔ اس کی دوسری نوع وہ ہے جس میں حکام کا انتخاب اگرچہ مالی حیثیت کی بنا پر کیا جاتا ہے (۳۶) ، لیکن اس کی شرط چونکہ بہت کم رکھی جاتی ہے لہٰذا جو کوئی اس شرط کو پورا کر سکے وہ اس کا اہل تصور کیا جاتا ہے ۔ نہیں کئے جاتے تو وہ جو اس شرط کو پورا نہ کر سکیں ۔ بعینہ جمہوریت کی ایک نوع وہ بھی ہے جس میں ہر شخص بشرطیکہ اس کے حسب و نسب میں کوئی فی نہ ہو حکومت میں حصہ لے سکتا ہے مگر جس میں زمام اقتدار قانون ہی کے ہاتھ میں رہتی ہے (۳۸) ۔ ایک وہ جس میں ہر کسی کو بلا امتیاز یہ حق پہنچتا ہے (۳۹) ۔ ایک وہ جو باقی سب باتوں میں تو ان کے مشابہ ہوتی ہے ۔ لیکن جس میں زمام اقتدار جمہور کے ہاتھ میں آ جاتی ہے ، قانون کا اس پر کوئی تصرف نہیں رہتا (۴۰) ۔ مگر یہ صورت حالات اس وقت رونما ہوتی ہے جب ہر بات کا فیصلہ کثرت رائے

---

۳۴ - گویا اقتدار اعلیٰ انہیں کے ہاتھ میں رہیگا — مترجم

۳۵ - یعنی ایسے دستور کو بھی جمہوری ہی کہا جائے گا — مترجم

۳۶ - مطلب ہے مالی حیثیت کی بنا پر — مترجم

۳۷ - مگر ایسے لوگ بہت تھوڑے ہوں گے اور اس لئے زمام اقتدار عامۃ الناس ہی کے ہاتھ میں رہے گی — مترجم

۳۸ - یا بہ اصطلاح موجودہ اس کی نوعیت آئینی رہتی ہے — مترجم

۳۹ - کہ حکومت میں حصہ لے — مترجم

۴۰ - آخر الذکر نوع کے برعکس — مترجم

سے کیا جائے، نہ کہ قانون کے پیش نظر (۴۱) اور جب عوامی رہنما لوگوں پر چھا جائیں (۴۲) ۔ جب تک کسی جمہوریت پر اس

---

۴۱ - در اصل ارسطو کے ذہن میں یہاں وہ امتیاز ہے جو اثینیہ کی آئینی تاریخ کے پیش نظر قوانین (نوامیس) اور احکام Decrees میں کیا جاتا تھا - خیال یہ تھا کہ قوانین کو احکام پر ترجیح حاصل ہے - لہٰذا ازروئے احکام ان کی تنسیخ ممکن نہیں - ایسی حکومت گویا قانون کی حکومت ہے - برعکس اس کے جس حکومت میں احکام کا درجہ قوانین سے فائق تصور کیا جاتا ہے اس میں حکومت قانون کے تصرف سے نکل جائے گی — مترجم

۴۲ - یاد رکھنا چاہئے اثینیہ میں عوامی رہنماوں کا ظہور ۴۲۹ ق-م میں پیری کلیس کی موت کے بعد ہوا جس میں بعض اجتماعی عوامل مثلاً صنعت و حرفت اور تجارت کے فروغ نے خاص طور سے حصہ لیا، کیونکہ اب شہری طبقے کی اہمیت بڑھ رہی تھی (بمقابلہ اہل دیہات کے) - چنانچہ عوامی رہنماوں کا تعلق بھی اسی طبقے سے تھا - پیری کلیس وغیرہ دیہاتی خاندانوں کے افراد تھے، گو خاندانی حیثیت سے بہت اونچے لیکن ان کی پرورش دیہات ہی میں ہوئی تھی - سیاسی اعتبار سے عوامی رہنماوں اور ان سے ماقبل سیاسی رہنماوں کے درمیان جو فرق تھا وہ یہ کہ اثینیہ کے سیاسی رہنما جو کچھ کرتے اپنی سرکاری حیثیت کی بنا پر کرتے - انہیں چونکہ قانوناً سرریاست تسلیم کر لیا گیا تھا لہٰذا انہوں نے اپنا یہ قانونی حق قائم رکھا اور فوج کی سرداری اختیار کرلی - عوامی رہناؤں کو اس کے برعکس کوئی منصب تو حاصل تھا نہیں - ان کے پاس کچھ تھا تو یہ کہ مجلس کے کسی رکن کو اپنی ذاتی اثر کی بنا پر کسی خاص بات پر آمادہ کرلیا - لہٰذا مجلس با اثر لوگوں کا اکھاڑہ بن گئی - وہ اس کا رخ جس طرف چاہتے موڑ دیتے اور اس کے باوجود ہر

باقی صفحہ ۳۵۲ پر

کے اپنے بنائے ہوئے قوانین کا تصرف قائم رہتا ہے عوامی رہنماؤں کو فروغ نہیں ہوتا ۔ لہٰذا ریاست کا نظم و نسق بھی قابل افراد ہی کے ہاتھوں میں رہتا ہے ۔ برعکس اس کے اگر سر رشتہ اقتدار قانون کے ہاتھ سے نکل جائے تو پھر ظاہر ہے عوامی رہنما سر اٹھائیں گے اور ہر طرف انہیں کا دور دورہ ہوگا جس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح کی ریاستوں میں جمہور بھی شاہانہ جاہ و جلال سے حکومت کرنے لگ جاتے اور باہم مل کر ایک جماعت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں (۴۳) ۔ اس لئے زمام اقتدار انہیں کے ہاتھ میں رہتی ہے فرداً فرداً نہ سہی مجموعی حیثیت سے (۴۴) ۔

مگر پھر کثرت کی حکومت تو ہومر کو بھی ناپسند

---

بقیہ حاشیہ ۳۵۱

ذمہ داری سے آزاد ہوتے ، کیونکہ یہ ان کا کام نہیں تھا کہ انہوں نے مجلس کو جس بات پر آمادہ کیا ہے اسے پورا بھی کریں - یہ ذمہ داری مجلس کی تھی - گویا یہ عوامی رہنماؤں کی سیاسی غیر ذمہ داری تھی ، نہ کہ خوشامد اور تملق ، یا باوجود قانون انہیں کسی خاص فیصلے پر آمادہ کرلینا جسے دیکھتے ہوئے بجا طور پر ان کی مذمت کی جاتی تھی — مترجم

۴۳ - یعنی ان سب کی حیثیت فرد واحد کی ہوجاتی ہے — مترجم

۴۴ - اس سلسلے میں ملاحظہ ہو حاشیہ ماسبق لہٰذا یہاں پھر کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ زمانے کا جمہوریت پسند انسان جب آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتا ہے تو اسے فخر ہوتا ہے کہ وہ بھی کسی مستبد کا چار کروڑواں حصہ ہے حالانکہ وہ ہوتا ہے دراصل از سر تا پا غلام — مترجم

تھی (۴۵) گو یہ معلوم نہیں ہو سکا کن معنوں میں ۔ ان معنوں میں جن میں اب تک ہم اس کا ذکر کر رہے تھے یا ان میں کہ اشخاص کی کثرت فرداً فرداً حکومت کرے ۔ لیکن امر واقعی بہر حال یہی ہے کہ جب کبھی اقتدار کی باگ ڈور ، جمہور کے ھاتھ میں آئی تو ان کی یہی خواھش رھی کہ ھر لحاظ سے مطلق العنان ہو جائیں ، حتیٰ کہ قانون کی پابندی بھی ضروری نہ رہے ۔ للہذا اس صورت حالات میں خوشامد پیشہ افراد کو موقعہ ملتا ہے کہ عزت اور شہرت حاصل کر لیں (۴۶) اور نتیجہ یہ کہ اس قسم کے جمہور اور مستبد بادشاھوں میں کوئی فرق نہیں رھتا ۔ دونوں کا طریق کار ایک سا ھوتا ہے ۔ دونوں چاھتے ھیں جو لوگ ان سے بہتر ھیں ان پر مستبدانہ غلبہ قائم رکھیں ۔ للہذا جو ایک کے احکام ھیں (۴۷) دوسرے کے فرامین (۴۸) ۔ جیسے ایک صورت میں جن کو عوامی رھنما کہا جاتا ہے بشکل دیگر مصاحب اور خوشامدی ھوں گے ۔ مگر پھر ان میں سب سے بڑی مشابہت یہ ہے کہ جس طرح عوامی رھنما لوگوں کے ھاتھ مظبوط کرتے ھیں مصاحب اور خوشامدی مستبدین کے ۔ اس لئے کہ اقتدار اعلیٰ کا دارومدار لوگوں کی رائے پر رہ جاتا ہے تو انہیں کی امداد و اعانت سے ۔ قوانین کو اس میں مطلق دخل نہیں ھوتا ۔ وہ سب معاملات لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے ھیں لیکن ان کی رائے چونکہ سر تا سر

---

۴۵ - ھومر کا قول تھا "بہت سے آقاؤں کا ھونا کوئی اچھی بات نہیں" — مترجم

۴۶ - برسر اقتدار طبقے سے مل کر — مترجم

۴۷ - بادشاھوں کے — مترجم

۴۸ - جمہور کے — مترجم

انہیں کے ہاتھ میں ہوتی ہے ، لٰہذا وہ اپنے اثر اور رسوخ کی بدولت سارا اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں ۔ لٰہذا جمہور جو کچھ کرتے ہیں انہیں کی مرضی اور اشارے کے مطابق ۔ مگر پھر اس صورت حالات کی ذمہ‌داری ان لوگوں پر بھی تو عائد ہوتی ہے جن کو حکام سے باز پرس کا حق پہنچتا ہے اور جس کی وجہ ہے ان کا یہ اصرار کہ حکام کے طرز عمل کا فیصلہ لوگوں ہی کے ہاتھ میں رہنا چاہئیے (۴۹) ۔ لٰہذا جب کبھی ان کے خلاف کوئی شکایت کی جاتی ہے تو وہ نہایت خوشی سے اسے سنتے ہیں ، کیونکہ ان کی خواہش در اصل یہ ہوتی ہے کہ حکام کی طاقت ختم کر دیں (۵۰) ۔

اب اس قسم کی جمہوریت کی تو ظاہر ہے ہر کوئی مذمت کرے گا ۔ لٰہذا ناممکن ہے ہم اسے آزاد ریاست سے تعبیر کر سکیں ۔ اس لئے کہ اگر حکومت قانون کی پابند نہیں تو آزاد ریاست کا وجود بھی محال ہے ۔ اصول کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم جو

---

۴۹ - اور اس لئے وہ برائے نام حاکم رہ جاتے ہیں — مترجم

۵۰ - ارسطو یہ کہنا چاہتا ہے کہ اس صورت حالات میں خوشامد پسند اور تملق پیشہ افراد کے باعث دستور آئین کی بجائے جو کچھ بھی کیا جاتا ہے لوگوں کے فیصلوں (یا احکام Decrees کی بنا پر کیا جاتا ہے - لٰہذا قانون معطل ہوجاتا ہے) - ان کا سارا زور اس بات پر ہوتا ہے کہ جو بھی مطالبہ ہو اس کے فیصلے کا حق جمہور کو پہنچے - وہ کہا کرتے ہیں لوگوں کو فیصلہ کرنے دیجئیے - لٰہذا لوگ من مانی کاروائیاں کرتے ہیں اور دستور و آئین کی موجودگی برائے نام رہ جاتی ہے — مترجم

فیصلہ کریں قانون کے مطابق کریں (۵۱) ۔ رہا خاص خاص معاملات کا تصفیہ سو اس کو حکام پر چھوڑا جا سکتا ہے ، یا ریاست پر (۵۲) ۔ لہٰذا جمہوریت کا مقصد اگر سچ مچ آزاد ریاست کا قیام ہے تو ایسا کوئی نظام جمہوری نہیں ہوگا جس میں اقتدار و اختیار کا دارومدار لوگوں کی رائے پر ہو (۵۳) ۔ یہ اس لئے کہ وہ جس قسم کے حکم لگاتے ہیں عمومیت سے خالی ہوتے ہیں (۵۴) ۔ بہر حال یہ ہیں جمہوریت کی چند ایک نوعیں ۔

---

۵۱ - ورنہ دستور حکومت کی موجودگی بے معنی ہوجائے گی — مترجم

۵۲ - یعنی لوگوں پر — مترجم

۵۳ - ملاحظہ ہو حاشیہ ۵۰ - مطلب یہ ہے کہ ایسا نظام بھی فی الحقیقت جمہوری نہیں جس میں قانون (یا دستور و آئین) کی بجائے حکومت کا دارومدار لوگوں کے احکام Decrees پر ہوتا ہے — مترجم

۵۴ - حالانکہ دستور بنتا ہے تو ان اصولوں کی بنا پر جن کا دائرہ عمل محدود نہ ہو ، بلکہ ہمہ گیر - بقول ارسطو یہ خوبی صرف قانون میں پائی جاتی ہے — مترجم

# پانچواں باب

رهی اعیانیت سو اس کی مختلف قسموں میں ایک تو وہ ہے جس میں عہدوں کی تقسیم مال و دولت کی ایک خاص مقدار کی بنا پر کی جاتی ہے لہذا غریبوں کا ان میں کوئی حصہ نہیں ہوتا ۔ حالانکہ باعتبار تعداد وہ ان سے زیادہ ہوتے ہیں ۔ گویا امور ریاست کا انتظام و انصرام انہیں لوگوں کے ہاتھ میں رہتا ہے جن کے پاس اتنا مال و زر ہے کہ ان کا شمار اس درجے میں ہوسکے ۔ دوسری وہ جس میں حکام کی مالی حیثیت کچھ زیادہ وقیع نہیں ہوتی لیکن جتنی بھی اسامیاں ہیں انہیں لوگوں سے پرکی جاتی ہیں ۔ حالانکہ اگر یہ اسامیاں جمہور سے پرکی جائیں تو ریاست کا رحجان امارت کی طرف ہو جائے گا ۔ اگر کسی خاص طبقے سے تو اعیانیت کی جانب (۲) ۔ اعیانیت کی ایک تیسری قسم وہ بھی ہے جس میں اقتدار و اختیار کو اشراف کا ورثہ ٹھہرایا جاتا ہے ۔ چوتھی وہ جس میں اقتدار اعلیٰ اگرچہ اشراف ہی کے ہاتھوں میں رہتا ہے ، لیکن قانون کی گرفت سے آزاد ۔ لہذا اس اعیانیت کی مثال وہی

---

۱ - اس لئے کہ ازروئے آئین و دستور حقوق صرف انہیں کے تسلیم کئے جاتے ہیں ۔ لہذا زمام اقتدار و اختیار انہیں کے ہاتھ میں رہے گی — مترجم

۲ - پر کرنے کا مطلب ہے ازروئے انتخاب پر کرنا ۔ لفظ جمہور کا استعمال متن زیر ترجمہ میں بڑا غلط ہے ۔ ارسطو کا اشارا دراصل اہل فضائل کی طرف ہے اور جمہور سے مطلب ہے جمہور اہل فضائل — مترجم

ہوگی جو بادشاہت میں استبداد کی ، یا جیسے اس جمہوریت کی جس کا ذکر ہم نے سب سے آخر میں کیا تھا ۔ ایسی اعیانیت کو دراصل حاکم خاندان (۳) سے تعبیر کرنا چاہئے ۔ یہ ہیں اعیانیت اور جمہوریت کی مختلف شکلیں ۔

لیکن ابھی اس سلسلے میں ایک اور بات قابل ذکر ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض اوقات اگرچہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آزاد ریاست میں زمام اقتدار تو قانون ہی کے ہاتھوں میں رہے بایں ہمہ وہاں جمہوریت قائم نہ ہو ، گو جہاں تک لوگوں کے طور طریق اور رسم و رواج کا تعلق ہے اس کا انداز جمہوری نظر آئے ۔ جیسے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ باعتبار قوانین اگرچہ ریاست کا طرز حکومت جمہوری ہے لیکن خود ریاست کا رحجان اعیانیت کی طرف اور یہ وہ بات ہے جو حکومت میں تغیر و تبدل کے باعث اکثر رونما ہو جاتی ہے کیونکہ لوگ آسانی سے نہیں بدلتے ۔ انہیں اپنا قدیم رسم و رواج بڑا محبوب ہوتا ہے (۴) ۔ لہٰذا وہاں

---

۳ - شاہی خاندان کا عام مفہوم تو یہ ہے کہ سررشتہ اقتدار کسی خاندان کے ہاتھ میں رہے اور باپ کے بعد بیٹا حکومت کرے - خواہ یہ حکومت مطلق العنان ہو یا غیر مطلق العنان ، یعنی دستوری یا کسی آئین و قانون کی پابند - لیکن ارسطو کے نزدیک شاہی خاندان کا مطلب ہے ایک یا متعدد خاندان جو حکومت کو اپنا ورثہ ٹھہرائیں اور مطلق العنانی سے حکومت کریں — مترجم

۴ - اور اس لئے جہاں تک قوانین کا تعلق ہے ریاست کی ھئیت جمہوری ہی رہتی ہے — مترجم

ایک تبدیلی کے بعد دوسری تبدیلی رونما ہوتی ہے تو بہ تدریج
اور اس لئے قوانین تو جوں کے توں رہتے ہیں لیکن سررشتہ اقتدار ان
لوگوں کے ہاتھ آ جاتا ہے جنہوں نے فی الحقیقت اس میں کوئی
انقلاب پیدا کر دیا ہو۔

# چھٹا باب

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس سے یہ امر تو بخوبی سمجھ میں آجاتا ہے کہ جمہوریتوں اور اعیانیتوں کی جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں ایک نہیں، متعدد قسمیں کیوں ہیں۔ بات یہ ہے کہ یا تو وہ سب عناصر جن کا شمار ہم نے جمہور میں کیا ہے حکومت میں حصہ لیں گے، یا یہ کہ ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا اگر کسان اور عامۃ الناس برسر اقتدار آگئے تو حکومت ہمیشہ قانون ہی کے زیر تصرف رہے گی اس لئے کہ وہ مجبور ہیں محنت مشقت سے اپنا معاش پیدا کریں۔ انہیں اتنی فرصت کہاں کہ امور ریاست میں حصہ لیں۔ وہ حسب ضروریات مناسب قوانین نافذ کریں گے اور مجالس عامہ کا انعقاد بھی جب ہی کریں گے کہ اس کی کوئی خاص ضرورت ہو۔ پھر جیسے جیسے لوگ وہ شرائط پوری کرتے جائیں گے جن کا از روئے قانون مالی حیثیت سے پورا کرنا ضروری ہے انہیں حق ہوگا کہ امور عامہ کے نظم و نسق میں حصہ لیں اور اس لئے جیسی کسی شخص میں صلاحیت ہوگی ویسا ہی اس کو حکومت میں حصہ بھی مل جائے گا، کیونکہ اگر اسے یہ حصہ نہیں ملا تو حکومت اعیانیت کا رنگ اختیار کر لے گی۔ مگر پھر چونکہ یہ بھی ممکن نہیں کہ ہر کوئی ہر معاملے میں شریک ہو سکے اس لئے کہ ایسا کیا گیا تو لوگوں کے لئے معاش پیدا کرنا مشکل ہوجائے گا، لہٰذا اس طرح کی حکومت بھی جمہوریت ہی کی ایک نوع ٹھریگی۔

اس کی دوسری نوع کا مخصوص پہلو وہ طریق کار ہے جس کے ماتحت حکام کا انتخاب عمل میں آتا ہے اور جس کا ہر کسی کو اہل تصور کیا جاتا ہے بشرطیکہ اس کے حسب و نسب میں کوئی خرابی نہ ہو (۲) اور اس کے پاس اتنا وقت بھی کہ معاملات ریاست میں حصہ لے سکے ۔ اس قسم کی جمہوریت میں بھی اقتدار اعلیٰ قانون ہی کے زیر تصرف رہتا ہے کیونکہ جو لوگ مجالس عامہ کے رکن منتخب ہوتے ہیں انہیں کوئی معاوضہ نہیں ملتا (۳) ۔ جمہوریت کی تیسری نوع وہ ہے جس میں ہر آزاد انسان حکومت میں شریک ہوتا ہے لیکن اگر اس سے انکار کرتا ہے تو صرف اس صورت میں جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں (۴) ۔ لٰہذا ان ریاستوں میں بھی اقتدار و اختیار کی باگ ڈور قانون ہی کے ہاتھ میں رہے گی ۔ جمہوریت کی چوتھی اور آخری قسم وہ ہے جو امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ از خود پیدا ہوئی اور جس کا ظہور اس وقت ہوا جب شہروں نے وسعت اختیار کی اور محاصل ریاست میں اضافہ ہونے لگا ۔ اس حالت میں چونکہ آبادی کی تعداد بڑھ گئی تھی اس لئے بجز اس کے چارہ کار نہ تھا کہ امور عامہ کا انتظام و انصرام زیادہ لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا جائے ۔ یوں بھی ان حالات میں نادار سے نادار انسان بھی امور ریاست میں حصہ لیتے ہیں کیونکہ ان کی خدمات بلامعاوضہ نہیں ہوتیں ۔ لٰہذا ان کے پاس

---

۱ - جمہور اور اشراف کے متعلق باب ماسبق میں — مترجم

۲ - بالفاظ دیگر اس کا شمار احرار میں ہو — مترجم

۳ - اور اس لئے امور ریاست میں شرکت کرسکیں ان کے پاس وقت نہیں ہوتا — مترجم

۴ - یعنی وسائل معاش کی کمی — مترجم

دوسروں کی نسبت وقت بھی زیادہ ہوتا ہے اور وہ اپنے معاملات میں بھی اس طرح منہمک نہیں رہتے جس طرح امیروں کے راستے میں ان کے معاملات کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیدا کرتے رہے ہیں۔ اس لئے انہیں مجالس عامه یا عدالتوں میں شرکت کا بہت کم موقعه ملتا ہے۔ یوں اقتدار اعلیٰ رفته رفته غریبوں کے ھاتھ میں آ گیا، تاآنکه اس پر قانون کی گرفت بھی باقی نہیں رہی۔ یه ھیں جمہوریت کی مختلف قسمیں اور وہ اسباب جن کی بنا پر ان کا ظہور ہوتا ہے۔

رہی اعیانیت سو اس کی پہلی نوع وہ ہے جس میں ریاست کا وجود زیادہ تر متوسط الحال لوگوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ کچھ بہت زیادہ مال دار تو نہیں ہوتے، لیکن انہیں اتنی فراغت ضرور ہوتی ہے که امور سیاست میں حصه لے سکیں۔ یه دوسری بات ہے که اکثریت چونکه اس قسم کے افراد ھی کی ہوتی ہے اس لئے سررشته اقتدار قانون ھی کے ھاتھ میں رہتا ہے۔ لوگ اس پر قابض نہیں ہوتے جس کی ایک وجه تو بادشاہانه طرز حکومت سے ان کی نفرت ہے دوسری مال و دولت کی کمی۔ لہٰذا وہ مجبور ہیں که ایک دوسرے کی بجائے قانون کے آگے سرجھکائیں کیونکه به سبب کثرت تعداد ریاست تو ان کی کفیل ہو نہیں سکتی اور وہ اپنے معاملات سے غفلت بھی نہیں برت سکے۔ برعکس اس کے اگر کسی ریاست میں باعتبار تعداد تو اھل دولت کم ہیں لیکن بڑی بڑی املاک انہیں کے زیر تصرف تو اس صورت میں اعیانیت کی دوسری شکل قائم ہوجائے گی۔ اس لئے که اب جو لوگ برسراقتدار آئیں گے وہ سمجھیں گے یه انہیں کا حق ہے

کہ ہمیشہ دوسروں پر مسلط رہیں ۔ لہذا وہ اس قسم کے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیں گے جن میں اتنی قابلیت ہے کہ امور ریاست کے انتظام و انصرام میں ان کا ہاتھ بٹا سکیں ۔ پھر چونکہ ان میں اتنی طاقت نہیں ہوگی کہ قانون کو بالائے طاق رکھتے ہوئے من مانی حکومت کریں ، لہذا وہ حسب مرضی جیسا چاہیں قانون بنالیں گے (٥) ۔ برعکس اس کے اگر ان معدودے چند افراد کو جو بڑی بڑی جائیدادوں کے مالک ہیں اور زیادہ طاقت حاصل ہوگئی تو اعیانیت کی تیسری نوع متشکل ہوجائے گی ۔ اس لئے کہ اب یہی لوگ جملہ مناصب ریاست پر متصرف ہوں گے اور اس طرح کا قانون بنالیں گے کہ باپ کے بعد بیٹا ہی اس کا وارث ہو ۔ لیکن پھر جب اپنی روز افزوں دولت اور اثر و اقتدار کے باعث ان کے ظلم و تعدی میں اضافہ ہوتا جائے گا تو انجام کار ایک شاہی خاندان برسر حکومت آجائے گا اور یوں زمام اقتدار پھر سر تا سر افراد ہی کے ہاتھ میں رہے گی ، نہ کہ قانون کے ۔ یہ اعیانیت کی چوتھی نوع ہے اور جمہوریت کی اس شکل کے مماثل جس کا ذکر ہم نے سب سے آخر میں کیا تھا ۔

---

٥ - تاکہ اپنا اقتدار قائم رکھیں — مترجم

# ساتواں باب (۱)

جمہوریت اور اعیانیت کے علاوہ ریاست کی دو قسمیں اور ہیں (۲) اور یہی اس وقت ہمارے پیش نظر ۔ ان میں ایک کا شمار تو انہیں چار میں ہوتا ہے جن کو ہم نے بادشاہت ، اعیانیت ، جمہوریت اور امارت سے تعبیر کیا تھا ۔ مگر ایک اور یعنی حکومت کی پانچویں قسم بھی ہے(۳) گو اس کا نام وہی ہے جو سب میں مشترک

---

۱ - اس باب کے مطالعے میں پھر چند باتوں کا لحاظ رکھ لینا چاہئے - خیال یہ تھا کہ جمہوریت اور اعیانیت کی مختلف شکلوں پر نظر ڈالنے کے بعد ارسطو اس بحث کے دوسرے حصے سے اعتنا کریگا جو اس نے باب دوم کے آخر میں اٹھائی تھی (اور وہ یہ کہ ایک جامع اور عام طور پر قابل قبول دستور حکومت کیا ہوسکتا ہے) - لیکن حسب عادت اس نے یہ بحث پھر ملتوی کر دی ، حتیٰ کہ اس پر قلم اٹھایا تو باب یازدھم میں ۔ مزید یہ کہ فصل سوم میں ارسطو نے دستور سے بحث کرتے ہوئے اس کی چھ شکلیں متعین کی ہیں - تین صالح اور تین فاسد (بادشاہت ، امارت اور مدنیت بمقابلہ استبداد ، اعیانیت اور جمہوریت) - لیکن اب ان کی تعداد صرف چار رہ گئی ہے لیکن کہا جاسکتا ہے ارسطو نے ان میں مدنیت کا اضافہ کرتے ہوئے جس کے بعد استبداد کی نوعیت بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے چوتھی تعداد پوری کر دی ہے — مترجم

۲ - اور اس لئے دستور حکومت کی ابھی دو اور قسمیں بحث طلب ہیں — مترجم

۳ - آزاد ریاست ، یا مدنیت — مترجم

ہے ، یعنی ریاست (۴) لیکن اس کا وجود چونکہ شاذ ہے ، لہذا وہ لوگ بھی جنھوں نے حکومت کی مختلف شکلیں بیان کی ہیں اسے اکثر نظر انداز کردیتے ہیں اور سمجھتے ہیں ان کی تعداد چار سے زیادہ نہیں جیسا کہ افلاطون نے جمہوریہ میں کہا ہے (۵)۔

امارت کا اطلاق در اصل حکومت کی اسی شکل پر ہوتا ہے جس سے ہم نے اپنے رسالہ اول میں بحث کی تھی (۶) کیونکہ جس ریاست کی حکومت بہترین انسانوں کے ہاتھ میں ہے ، یعنی ان اصولوں پر جو فضائل اخلاق کی جان ہیں ، مفروضات پر نہیں ، مفروضات تو اچھے انسان بھی قائم کر لیتے ہیں ، اسے بجا طور

---

۴ - مطلب ہے آزاد ریاست - لہذا لفظ ریاست وہ قدر مشترک ہے جو سب میں پائی جاتی ہے — مترجم

۵ - اور جن کا ذکر اوپر آچکا ہے — مترجم

۶ - یعنی فصل سوم کی مختلف عبارتوں میں جسے ارسطو نے دساتیر کی کتاب (یا فصل) اول یا پہلے رسالے سے تعبیر کیا ہے - فصول چہارم ، پنجم و ششم اس کا دوسرا رسالہ ہیں کتاب (یا فصل) — مترجم

۶ - مطلب یہ ہے کہ امارت جب قائم ہوگی جب اس میں حصے لینے والے محض اضافی طور پر اچھے نہ ہوں ، بلکہ مطلقاً اچھے - یعنی جب اس کا سر رشتہ بہتر انسانوں کی بجائے بہترین انسانوں کے ہاتھ میں آ جائے (کیونکہ بعض مفروضات تو اچھے ، یعنی بہتر انسان بھی قائم کرلیتے ہیں) - ثانیاً ان کی اچھائی کا معیار بھی کوئی مستقل اور غیر متبدل معیار ہونا چاہئے ، یعنی ہم جو اچھائی ان کی طرف منسوب کریں اضافی طور پر اچھائی نہ ہو ، بلکہ مطلقاً اچھائی — مترجم

پر حق پہنچتا ہے امارت سے تعبیر کی جائے (۷)۔

پھر چونکہ بعض صورتوں میں یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص بیک وقت اچھا شہری بھی ہو اور اچھا انسان بھی تو یہ کسی ایسی ہی ریاست میں ہوگا (۷)۔ دوسری ریاستوں میں ہم اسے ان کے اعتبار ہی سے اچھا کہینگے (۸)۔ لیکن اس کے باوجود بعض ریاستوں کو امارت کا نام دیا جاسکتا ہے، مثلاً ان کو جو آزاد ہیں (۹)، اعیانیتیں نہیں ہیں۔ جہاں دولت مند ہی نہیں اہل فضائل بھی عمل داری (۱۰) میں حصہ لیتے ہیں۔ ایسی ریاستوں کو بھی امارتوں ہی سے موسوم کرنا پڑے گا (۱۱)۔ اس لئے کہ ان میں حکومت کی توجہ اگرچہ صرف فضائل پر نہیں ہوتی لیکن وہاں ایسے انسان بھی ملتے ہیں جن میں بڑی بڑی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں اور جن کی اچھائی کا ہر کسی

---

۷ - جیسا کہ فصل سوم باب ۱۸ میں ارسطو بیان کر آیا ہے — مترجم

۸ - یعنی ان کی اچھائی اضافی ہوگی کیونکہ وہ اسی خد تک اچھے ہوسکیں گے جس حد تک کسی مخصوص ماحول میں ان کا اچھا ہونا ممکن ہے - یہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ ارسطو کے نزدیک ریاست کے فرائض میں یہی ایک بات داخل نہیں کہ ہر قسم کے فضائل کی پرورش ہوتی رہے - اس کی تشکیل ہی اس مقصد کے لئے ہوتی ہے کہ فضائل انسانی کی تمام کمال پرورش کرے — مترجم

۹ - مدنیتیں — مترجم

۱۰ - بالفاظ دیگر یہ کہ برسراقتدار جماعت میں شریک ہوں اور اس لئے ان کے آئینی حقوق تسلیم کئے جائیں — مترجم

۱۱ - ضمناً کیونکہ ناممکن ہے وہ امارت کے حقیقی معیار پر پوری اتریں — مترجم

کو اعتراف بھی کرنا پڑتا ہے ۔ لہٰذا جو ریاست دولت ، فضیلت اور جمہوریت کا خیال رکھتی ہے ، جیسے قرطاجنہ کی حکومت اسے امارت ہی کی ایک نوع ٹھہرایا جائے گا ۔ لیکن اگر صرف آخری دو باتوں کا جیسے اسپارٹا میں جہاں ریاست کا وجود انہیں دو عناصر پر مشتمل ہے تو جمہوریت فاضلہ (۱۲) ۔ حاصل کلام یہ کہ اول الذکر سے قطع نظر کرلیجئے تو امارت کی جو گویا بہترین طرز حکومت ہے یہی دو قسمیں ہیں ، یا پھر ایک تیسری جس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب کسی آزاد ریاست میں اقتدار و اختیار کا رحجان قلت کی طرف ہوجائے (۱۳) ۔

---

۱۲ - کیونکہ اس میں جمہوریت اور امارت دونوں کا امتزاج ہوگا — مترجم

۱۳ - اس ساری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ امارت کی چار شکلیں ہیں (۱) بہترین جس کی نظر مطلقاً فضائل پر ہے اور جس کا ذکر پہلے آچکا ہے (۲) - قرطاجنی امارت جس میں فضائل کے ساتھ ساتھ دو اور باتوں کا خیال بھی رکھا جاتا ہے (جمہور اور دولت کا) - (۳) اسپارٹوی امارت جس میں تعداد کے ساتھ ساتھ فضائل پر بھی نظر رہتی ہے اور (۴) وہ مخلوط دساتیر جو مدنیتوں کی اساس ہیں اور جو اسپارٹوی حکومت کی طرح جمہور کا اتنا خیال نہیں رکھتیں جتنا فضائل کا اور اس لئے اعیانیت کی طرف مائل ہیں — مترجم

# آٹھواں باب

اب ہمیں اس طرز حکومت سے بحث کرنا ہے جس سے بالخصوص ایک آزاد ریاست کی تشکیل ہوتی ہے ، علیٰ ھذا استبدادیت سے - رہی یہ بات کہ ہم اس مخصوص ریاست کا ذکر یہاں کیوں کررہے ہیں (۱) سو اس کی وجہ یہ ہے کہ آزاد ریاستیں ہوں یا امارتیں جن کا بیان اس سے پہلے آچکا ہے سب اس معیار سے گرچکی ہیں جو ایک کامل و مکمل حکومت کا ہونا چاہئے (۲) - یہ دوسری بات ہے کہ بظاہر ان میں فساد کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا - لہٰذا ان کا شمار بھی ان ریاستوں میں کرنا چاہئے جو ریاست کی اچھی شکلوں سے انحراف کے باعث پیدا ہو جاتی ہیں جیسا کہ ہم نے شروع میں وضاحت کر دی تھی (۳) - بعینہ استبدادیت کا ذکر بھی ضروری تھا جو حکومت کی آخری شکل ہے (۴) اور باقی سب کی

---

۱ - فاسد دساتیر کی بحث میں — مترجم

۲ - لہٰذا یہاں مدنیت کی بحث کی جا سکتی ہے ' کیونکہ ارسطو کے پیش نظر یہاں مدنیت کی وہ نوع ہے جس میں فساد پیدا ہو چکا ہے — مترجم

۳ - مطلب یہ ہے کہ وہ خود ہی اس فساد کا سرچشمہ ہیں جو ان میں پیدا ہوجاتا ہے - ویسے ارسطو کا اشارا فصل سوم کے ۷ ویں باب کی طرف ہے گو وہاں اعیانیت کو امارت کی فاسد شکل ٹھہرایا گیا تھا ، لیکن یہاں مدنیت کی — مترجم

۴ - یعنی فاسد ترین — مترجم

نسبت بہت کم کسی سے مشابہ (٥) ۔ لیکن ہمارا ارادہ چونکہ ان حکومتوں کی عام حیثیت سے بحث کرنے کا ہے ، علیٰ ہذا استبداد سے ۔ لہٰذا ہم اس طرز حکومت پر اس وقت نظر ڈالیں گے جب اس کا اصل موقعہ آئے گا ۔

سردست ہمیں بحث ہے تو آزاد ریاست سے ۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں اس کی حقیقی نوعیت کیا ہے ۔ اعیانیت اور جمہوریت کا بیان تو اس سے پہلے آچکا ہے ، لہٰذا بہتر ہوگا ہم اس کی ٹھیک ٹھیک حیثیت متعین کرلیں ۔ دراصل ایک آزاد ریاست کی حیثیت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ ہم اسے جمہوریت اور اعیانیت کا امتزاج ٹھہرائیں ، کیونکہ جو ریاستیں جمہوریت کی طرف مائل ہونگی ان کو عام طور پر آزاد ریاستوں ہی سے تعبیر کیا جائے گا ۔ اعیانیت کی طرف ہے تو امارتوں سے ، کیونکہ اہل دولت بالعموم دونوں صفات سے متصف ہوتے ہیں ۔ ان میں خاندانی وجاہت بھی ہوتی ہے اور تعلیم و تربیت بھی (٦) ۔ علاوہ اس کے انہیں وہ سب چیزیں پہلے ہی سے حاصل ہوتی ہیں جن کے لئے دوسرے (٧) اکثر جرائم کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں ۔ لہٰذا عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے کہ دولت مندوں میں قابلیت بھی ہوتی ہے ، عزت اور شرافت بھی ۔

پھر چونکہ امارت کی روح ہی یہ ہے کہ زمام حکومت

---

٥ ۔ کیونکہ اس کا فی الحقیقت کوئی دستور ہی نہیں ہوتا — مترجم

٦ ۔ لہٰذا فضائل اخلاق جو امارت کی اساس ہیں — مترجم

٧ ۔ یعنی غریب — مترجم

زیادہ تر بہترین شہریوں کے ہاتھ میں رہے ، للہذا کہا جاتا ہے اعیانیت کی تشکیل بھی تو ایسے ہی افراد سے ہوتی ہے جن میں لیاقت ، و جاہت ، شرافت سب ہی کچھ پایا جاتا ہے (۸) ۔ اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ زمام حکومت تو اچھے ہاتھوں میں ہو لیکن قوانین برے ہوں ، اچھے نہ ہوں ، یا بصورت دیگر حکوست تو برے ہاتھوں میں ہو لیکن قوانین اچھے ہوں ۔ مگر پھر قوانین کی اچھائی سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ حکومت بھی اچھی ہے ۔ حکومت تو جب ہی اچھی ہوگی کہ قوانین پر عمل درآمد ہوتا رہے ۔ اس لئے کہ ایک اچھے دستور ریاست کی اچھائی کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ حکومت جو قوانین نافذ کرے ان کی اطاعت کی جائے ۔ دوسرا یہ کہ وہ ان لوگوں کے حسب حال ہوں جو ان کی اطاعت کر رہے ہیں ۔ اس لئے کہ وہ تو اس حالت میں بھی ان کی اطاعت کریں گے جب وہ ان کے حسب حال نہیں ہوں گے ۔ اب قانون کی پابندی کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ اس حد تک (۹) اچھے ہوں جس حد تک

---

۸ - یہاں دو باتیں قابل لحاظ ہیں - ایک تو یہ کہ امارت چونکہ بہترین حکومت ہے ، للہذا اس کا سررشتہ تمام تر قوانین کے ہاتھ میں رہے گا (اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایسے قوانین بہترین قوانین ہوں گے - بالفاظ دیگر ہم لفظ امارت کو بآسانی قانون سے بدل سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ امارت کی حکومت قانون کی حکومت ہے ، یا یہ کہ قانون کی حکومت امارت کی حکومت -

ثانیاً قابلیت سے مطلب ہے سیاسی قابلیت اور عزت یا شرف سے عالی نسبی ، خاندانی وجاہت ، تہذیب ذات ، شائستگی ، صفات عالیہ ، وغیرہ وغیرہ — مترجم

۹ - جن کی پابندی مقصود ہے — مترجم

کوئی ریاست اچھی ہے (۱۰) یا یہ کہ مطلقاً اچھے (۱۱) - پھر امارت کا رحجان بھی تو اسی جانب ہے کہ اعزازات ریاست میں صرف اہل فضائل ہی کا حصہ رہے ، کیونکہ فضیلت ہی اس کا نصب العین ہے جیسے اعیانیت کا دولت اور جمہوریت کا حریت (۱۲) - پھر ان سب ریاستوں میں آخر آخر اسی بات پر عمل کیا جاتا ہے جو کثرت رائے سے طے پائے (۱۳) - کیونکہ جہاں کہیں بھی غلبہ ہوگا اس

---

۱۰ - یعنی جہاں تک کسی ریاست کے لئے ممکن ہے کہ بہتر سے بہتر قوانین نافذ کرسکے - گویا اوپر جس پابندی کی طرف اشارا کیا گیا ہے اس کا مطلب ہے قانون کی پابندی 'من حیث قانون' (یعنی جیسے بھی وضع ہو' اچھا یا برا) یا قانون کی پابندی بباعث خوبی (اس لئے کہ وہ بڑی خوبی سے وضع ہوا تھا) — مترجم

۱۱ - جیسا کہ امارت کا تقاضا ہے کیونکہ امارت کا مطلب ہے بہترین قوانین کی حکومت — مترجم

۱۲ - حسب و نسب کی آزادی — مترجم

۱۳ - گویا کثرت رائے پر عمل کرنے کا اصول امارت سے مخصوص نہیں - یہ اصول ہر دستور میں موجود ہے -

بظاہر معلوم ہوتا ہے ارسطو یہاں اپنے اصول موضوع ، یعنی آزاد ریاست کی بحث سے ہٹ کر امارت کی بحث میں الجھ گیا ہے - لیکن حقیقت یہ ہے کہ ارسطو کی توجہ بدستور آزاد ریاست پر ہے ، کیونکہ اسے جس امر کی تحقیق مقصود ہے وہ یہ کہ ایک آزاد ریاست یا مخلوط قسم کے دستور (مدنیت) کو امارت سے کیوں تعبیر کیا جاتا ہے - جواب یہ ہے کہ اس کی ایک وجہ تو علی نسبی ہے ، دوسری قانون

باقی صفحہ ۳۷۱ پر

بات کو جسے کسی اجتماع کی کثرت اچھا سمجھتی ہے ۔ چنانچہ بعض ریاستوں کو دیکھئے تو امیروں اور غریبوں ، یعنی دولت اور حریت کا جوڑ جوڑنے میں لگی رہتی ہیں (۱۴) اس لئے کہ دولتمندوں کے متعلق عام رائے یہ ہے کہ وہ قابل اور معزز افراد کی جگہ لے سکتے ہیں (۱۵) ۔ یوں بھی تین ہی خصوصیتیں ہیں جن کو ریاست میں برابر کا درجہ حاصل ہے ، یعنی حریت ، دولت اور فضیلت کو۔ رہی اس کی چوتھی خصوصیت (۱۶) سو یہ قدرتی نتیجہ ہے پہلی دو کا اس لئے خاندان بنتا ہے تو فضیلت اور دولت کے بل پر (۱۷) ۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ امیروں اور غریبوں کا امتزاج ہے جس سے ایک آزاد ریاست کی تشکیل ہوتی ہے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان سب خصوصیتوں کا رجحان حکومت کی دوسری شکلوں کی نسبت امارت ہی کی طرف رہتا ہے (۱۸) ۔ لیکن حقیقی امارت وہ ہے جس کا تعلق اول الذکر سے ہو (۱۹) ۔

---

بقیہ حاشیہ ۳۷۰

کا احترام - لیکن ارسطو ان وجوہ کو ناکافی سمجھتا ہے ، کیونکہ اس کے نزدیک امارت کی اساس صرف فضائل پر ہے اور کسی چیز پر نہیں - ملاحظہ ہو حاشیہ ۱۹ — مترجم

۱۴ - یعنی مدنیتیں — مترجم

۱۵ - یعنی ان میں قابلیت ، عزت اور وجاہت سب خصائص پائے جاتے ہیں، گو ضروری نہیں کہ پائے جائیں — مترجم

۱۶ - خصوصیت سے مطلب ہے عالی نسبی ، خاندانی وجاہت — مترجم

۱۷ - کیونکہ اس طرح انسان کو دولت اور فضائل اخلاق دونوں ورثے میں ملتے ہیں — مترجم

۱۸ - یعنی جب تینوں کا باہم امتزاج ہوجائے — مترجم

۱۹ - مطلب یہ ہے کہ جس کی اساس محض فضائل پر ہے — مترجم

رهی یہ بات کہ بعض ریاستیں ایسی بھی ہیں جن کو بادشاہت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے ، نہ جمہوریت یا اعیانیت سے سو ان کا بیان اس سے پہلے آچکا ہے ۔ ہمیں معلوم ہے یہ ریاستیں ہیں کیا اورِ ان میں باہم اختلاف ہے تو کیا (۲۰) ۔ علیٰ ھذا یہ بھی کہ امارتیں کیا ہوتی ہیں اور یہ کیسے ہوتا ہے کہ ان کے اندر سے آزاد ریاستوں کا ظہور ہوتا رہے جیسے یہ کہ ان میں باہم کچھ بہت زیادہ اختلاف بھی نہیں ہوتا (۲۱) ۔

---

۲۰ - تعدد دساتیر کی طرف اشارا ہے ان کی مختلف حیثیتوں شکل اور ہیئت کے باہمی فرق کی طرف ۔ مترجم

۲۱ - حسب متن - گو معلوم ہوتا ہے (ملاحظہ ہو بارکر) یہ عبارت دراصل یوں ہونی چاہئے ''ہمیں معلوم ہے امارتیں کیا ہیں اور آزاد ریاستیں کیا جیسے یہ کہ ان میں باہم کچھ بہت زیادہ فرق نہیں'' ۔ مترجم

# نواں باب

مگر سوال یہ ہے کہ جمہوریت اور اعیانیت کے پہلو بہ پہلو ایک ایسی حکومت کی تشکیل کیسے ہو جاتی ہے جسے آزاد (۱) ہی کہا جا سکتا ہے اور جس کے پیش نظر ہم یہ معلوم کرنے پر مجبور ہیں کہ اس کی تاسیس کی جائے گی تو کیسے ؟ گویا مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ ان دونوں حکومتوں (۲) کے مناسب حدود کیا ہیں ، کیونکہ اس امر کی تحقیق ضروری ہے کہ ان میں باہم اختلاف ہے تو کن باتوں میں ۔ یہ اس لئے کہ ایک ایسی ریاست کی تشکیل جو ان دونوں کے متعدد اجزا پر مشتمل ہو اور جن کے متعلق یہ بھی کہا جا سکے کہ ان کو لیا گیا تو کہاں سے (۳) ممکن ہے تو صرف اس صورت میں (۴) ۔

اب دو ریاستوں کو باہم ملانے اور ان کا جوڑ جوڑنے کی کوشش کی جائے تو اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ ان سب قواعد و ضوابط کو جو دونوں کے یہاں قانوناً

---

۱ - یعنی مدنیت - وہ دستور جو اب ارسطو کے پیش نظر ہے —— مترجم

۲ - جمہوریتوں اور اعیانیتوں کے — مترجم

۳ - اور جن کا باہم جوڑ جوڑا جا سکے - بارکر کہتا ہے یہاں جو یونانی لفظ استعمال ہوا اس کے معنی سکے کے ہیں کیونکہ سکہ ہی متعاہدین میں معاہدے کی علامت اور ذریعے کا کام دیتا ہے ، یعنی ان کا جوڑ جوڑتا ہے —— مترجم

۴ - کہ ہمیں ان سب باتوں کا علم ہو — مترجم

نافذ ھیں اختیار کر لیا جائے (۵) ، مثلاً وہ قواعد و ضوابط (۶) جن کا تعلق عدلیہ سے ہے ۔ اعیانیتوں کے یہاں تو قاعدہ ہے کہ جو دولتمند عدالتوں کے رکن ھیں لیکن ان میں حاضر نہیں ھوتے انہیں جرمانے کی سزا دی جائے ۔ غریبوں کو البتہ کوئی معاوضہ نہیں ملتا ۔ برعکس اس کے جمہوریتوں میں انہیں معاوضہ تو ملتا ہے لیکن دولتمندوں کو جرمانے کی سزا نہیں دی جاتی ۔ یہ باتیں چونکہ دونوں میں مشترک ھیں اس لئے جو آزاد ریاست دونوں پر مشتمل ہے (۷) اسے ان کو اختیار کر لینا چاہئے (۸) ۔ چنانچہ یہ ایک صورت ھوئی ان کے امتزاج کی ۔ اس کی دوسری صورت یہ ھوگی کہ ان کے طریق کار میں کوئی بیچ کا راستہ نکالا جائے ۔ مثلاً یہ کہ جمہوریتوں کے یہاں ہر شہری کو مجلس عامہ میں رائے دینے کا حق ہوتا ہے قطع نظر اس سے کہ اس کی مالی حیثیت کیا ہے جس پر قید لگائی بھی جاتی ہے تو بہت معمولی ۔ اعیانیت میں اس کے برعکس یہ حق صرف انہیں کو پہنچتا ہے جن کی مالی حیثیت بڑی وقیع ہے ۔ پھر یہ دونوں باتیں اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ھیں لیکن یہ بھی تو

---

۵ - مطلب یہ ہے کہ جمہوریت اور اعیانیت دونوں کے قوانین لئے جائیں — مترجم

۶ - عدالتوں میں حاضری کے متعلق - بات یہ ہے کہ یونان قدیم میں شہری ھی قاضیوں کے فرائض سرانجام دیتے تھے - یہ نہیں تھا کہ آج کل کی طرح مخصوص افراد باقاعدہ اور مستقلاً اپنی قانونی لیاقت کے زور پر عدالتوں میں کام کریں — مترجم

۷ - اعیانیت اور جمہوریت پر — مترجم

۸ - جو گویا مدنیتوں کا طرہ امتیاز ہے — مترجم

۸ - اعیانیت میں — مترجم

هو سکتا ہے کہ آزاد ریاستوں میں مالی حیثیت کی یہ قید ایک پہلو سے کچھ بڑھا اور دوسرے سے گھٹا دی جائے۔ اس کی تیسری صورت یوں پیدا ہوگی کہ دونوں ریاستوں کے بعض خاص خاص قوانین اختیار کر لئے جائیں۔ مثلاً جمہوریت میں حکام کا انتخاب قرعہ اندازی سے ہوتا ہے۔ امارت میں اظہار رائے سے۔ گویا ایک میں (۸) اگر اس انحصار مالی حیثیت پر ہے تو دوسری (۹) میں اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لٰہذا کیوں نہ امارت آزاد ریاست کا دستور اختیار کر لے اور آزاد ریاست امارت کا۔ یا دونوں اعیانیت کی تقلید کریں تا کہ حکام کا انتخاب رائے شہاری سے ہو۔ جمہوریت کی اس میں کہ مالی حیثیت کی قید اڑا دی جائے۔ یوں ان دونوں حکومتوں کے طور طریق ایک حد تک باہم جمع کئے جا سکتے ہیں۔ البتہ جمہوریت اور اعیانیت کے امتزاج کی سب سے زیادہ خوش آیند صورت یہ ہوگی کہ ہم کسی ریاست کو بیک وقت جمہوریت بھی کہہ سکیں اور اعیانیت بھی اور جس کا کوئی امکان ہے تو جب ہی کہ یہ دونوں حکومتیں اپنی اپنی جگہ پر قائم رہیں اور ان کا امتزاج بھی بہترین طریق پر عمل میں آئے۔ بعینہ جیسے وسط قائم ہوتا ہے تو دو انتہاوں کے درمیان کیونکہ اس طرح ہر چیز کے دونوں پہلو ہمارے سامنے ہوتے ہیں۔ مثلاً اسپارٹا کی حکومت میں جسے کچھ لوگ تو جمہوریت سے تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ وہ دیکھتے ہیں اسپارٹوی حکومت کی روش بعض باتوں میں بالکل جمہوری ہے مثلاً بچوں کی پرورش میں کہ امیر ہوں یا غریب دونوں کی اولاد کو ایک سی تربیت دی جاتی ہے۔ اس

---

۹ - جمہوریت میں — مترجم

کا نظام تعلیم بھی ایسا ہے کہ غریبوں کے بال بچے بھی اس میں حصہ لے سکتے ہیں - نوجوانوں اور مردوں کے لئے بھی ایک سے قوانین ہیں ، نہ امیروں میں کوئی فرق کیا جاتا ہے ، نہ غریبوں میں - مشترکہ دسترخوانوں میں بھی سب کے لئے ایک سا کھانا طیار ہوتا ہے - امیر بھی ویسا ہی لباس پہنتے ہیں جیسا غریب سے غریب آدمی خرید سکے - رہے چوٹی کے دو ادارے سو ایک کے لئے تو انتخاب کا قاعدہ جاری ہے (۱۰) ، دوسرے کا ہر کسی کو اہل تصور کیا جاتا ہے (۱۱) - ہمارا مطلب ہے مجلس عمائد اور افوریت سے - لیکن پھر لوگ اسے اعیانیت سے بھی تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ بعض امور میں اس کا طرز عمل اعیانیت ہی کے اصولوں پر ہے ، مثلاً حکام کے بارے میں جن کا تقرر ہمیشہ انتخاب کے ذریعے ہوتا ہے ، قرعہ اندازی سے نہیں ہوتا یا جیسے سنگین سے سنگین جرائم میں قضا کا حق صرف معدودے چند افراد کو پہنچتا ہے (۱۲) جیسے بعض دوسری باتوں میں - یوں بھی جس ریاست کی بنا دو ریاستوں کے بہترین خصائص پر رکھی جائے گی ، دونوں سے مشابہ ہوگی اور نہیں بھی (۱۳) - اس کا اپنا وجود ہی اس کی بقا اور حفاظت کا سر چشمہ ہوگا ، یہ نہیں کہ اس کے لئے کسی خارجی سہارے کی ضرورت پیش آئے - پھر جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کا اپنا وجود تو اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس سے

---

۱۰ - لہٰذا اس میں ذی حثیت لوگ ہی حصہ لے سکتے ہیں — مترجم

۱۱ - یعنی عوام کو جو گویا جمہوریت کی شان ہے — مترجم

۱۲ - یعنی ان جرائم کے فیصلے کے لئے جن کی سزا موت ہوسکتی ہے ، یا جلاوطنی — مترجم

۱۳ - نہ جمہوریت ، نہ اعیانیت — مترجم

ہمارا اشارا ہمسایوں کی طرف ہے (۱۴) کیونکہ یہ صورت تو ایک فاسد حکومت کے لئے بھی پیدا ہو سکتی ہے (۱۵)، یا اس طرف کہ اس ریاست کا کوئی فرد کبھی اس بات پر راضی نہ ہو کہ اس کے دستور میں ذرا سی تبدیلی بھی کی جائے۔ ہمارے نزدیک یہی ایک صورت ہے جس کے ماتحت ایک آزاد ریاست یا امارت کا قیام عمل میں آسکتا ہے۔

---

۱۴ - متن زیر ترجمہ میں عبارت کا انداز یہی ہے۔ لیکن بارکر کا ترجمہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے جس نے ہمسایوں کی بجائے اکثریت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یوں بھی ظاہر ہے ہمسایوں کا اشارا ہمسایہ ریاستوں کی طرف نہیں ہوسکتا کیونکہ عین ممکن ہے ایک فاسد حکومت کو بھی اکثریت کی تائید حاصل ہوجائے — مترجم

# دسواں باب

رھی استبدادیت (۱) سو اس کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ، الایہ کہ وہ ہمارے پیش نظر خاکے کا ایک جزو ہے ، کیونکہ ہم نے اس کا شمار بھی مختلف قسم کی حکومتوں میں کیا ہے (۲) ۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے شروع ھی میں (۳) یہ بحث اٹھائی تھی کہ بادشاہت کیا ہے ۔ چنانچہ ہم اس امر کی بالخصوص تحقیق کر چکے ھیں کہ بادشاہت کہا جا سکتا ہے تو کسے ۔ اس کا وجود ریاست کے لئے مفید ہے یا مضر ، اسے ھونا چاھئے تو کیا ۔ نیز یہ کہ وہ قائم ھوتی ہے تو کس طرح ۔ استبدادیت کی تقسیم ہم نے دو حصوں میں کی تھی (۴) ، کیونکہ اس میں اور بادشاہت میں تھوڑی بہت مماثلت ضرور ہے ۔ اس لئے کہ بعض متمدن اقوام اگرچہ مطلق‌العنان بادشاہ منتخب کر لیتی ھیں (۵)

---

۱ - ملاحظہ ھو باب ھشتم جہاں ارسطو نے کہا تھا استبداد کا ذکر ہم آزاد ریاست کے ساتھ کریں گے — مترجم

۲ - ملاحظہ ھو فصل سوم ابواب ۱۴ تا ۱۷ — مترجم

۳ - یعنی جب یہ موضوع چھیڑ دیا گیا ، ابتدائے کتاب میں جیسا کہ متن میں مذکور ہے — مترجم

۴ - مطلب یہ ہے کہ استبداد کی دو شکلیں ھیں ۔ ملاحظہ ھو فصل سوم باب ۱۴ — مترجم

۵ - یہ گویا استبداد کی ایک شکل ہے غیر متمدن اقوام سے مخصوص اور جس سے یونان کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے تو محض نسلی تعصب کے باعث — مترجم

جیسے زمانہ قدیم میں اہل یونان کے یہاں اس قسم کے حکمران موجود تھے جن کو آسر کہا جاتا تھا (۶) ، لیکن یہ دونوں صورتیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں (۷) ۔ اس لئے کہ شاہانہ اقتدار یا تو قانون کے زیر تصرف ہوتا ہے اور بادشاہ ان لوگوں پر حکومت کرتے ہیں جو بطیب خاطر ان کی اطاعت اختیار کر لیتے ہیں یا پھر جب ان کا جی چاہے وہ مستبدانہ ان پر چھا جاتے ہیں (۸) ۔ مگر پھر استبداد کی ایک تیسری شکل بھی ہے اور استبداد کہا جائے گا تو فی‌الحقیقت اسی کو ۔ اسے بادشاہت کی ضد کہئے ، یعنی کسی ایسے شخص کی حکومت جو اپنے ہم مرتبہ ، یا زیادہ بہتر انسانوں پر مسلط ہو جائے اور اس کے طرز عمل کی باز پرس بھی نہ کی جا سکے ، جس کے پیش نظر صرف اپنی ذات کا مفاد ہوگا ، اس سے مطلق غرض نہیں ہوگی کہ محکوموں کا مفاد کیا ہے (۹) ۔ اس طرح کی حکومت جبر و اکراہ ہی سے قائم ہوتی ہے ۔ آزاد انسان تو بطیب خاطر اسے قبول نہیں کریں گے ۔ یہ ہیں استبداد کی مختلف شکلیں ان کے اصول اور اسباب و علل ۔

---

۶ - یعنی قانونی کے مقابلے پر غیر قانونی — مترجم

۷ - یہ گویا استبداد کی دوسری شکل ہے — مترجم

۸ - گویا بادشاہت کی یہ شکلیں نیم قانونی ہوتی ہیں ، نیم مستبدانہ — مترجم

۹ - کلی بادشاہت کی طرف اشارا ہے ۔ ملاحظہ ہو فصل سوم باب ۱۴ علیٰ ہذا ۱۶ — مترجم

# گیارھواں باب

آئیے اب یہ دیکھا جائے کہ عام طور پر ہمیں جس طرح کے لوگ ملتے ہیں ان کے لئے حکومت کی بہترین شکل کیا ہوگی اور بہترین طرز زندگی کیا (۱)۔ لیکن ایسا کرنے میں ہم اس اعلیٰ ترین فضیلت کی بحث نہیں چھیڑیں گے جو عوام کی رسائی سے باہر ہے (۲)، نہ اس تعلیم کا جو میسر آسکتی ہے تو یونہی کہ انسان کو ہر قسم کی فطری صلاحیتیں اور خوش بختیاں حاصل ہوں (۳)، نہ ان خیالی منصوبوں کی جو ہر شخص جب جی چاہئے قائم کرسکتا ہے (۴)۔ ہمیں بحث ہے تو اس طریق زندگی سے جو

---

۱ - گویا اب ارسطو کے پیش نظر اس بحث کا دوسرا جزو ہے جس کی ابتدا اس نے باب دوم میں کی تھی - یعنی کسی ایسے دستور کی تحقیق جو سب سے زیادہ قابل قبول ہو اور اس لئے ایک عینی دستور کے بعد سب سے زیادہ مرجح - لیکن یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ ارسطو کے نزدیک دستور حکومت عبارت ہے طریق زندگی سے - یہ نہیں کہ اس کا تعلق محض عہدوں کے نظم و ضبط سے ہو - دستور گویا زندگی کا وہ خاکہ ہے جس سے مقصد ہے اس میں کوئی مخصوص صفت پیدا کرنا ۔ مترجم

۲ - عینی دستور کی جو گویا عینی زندگی کا آئینہ دار ہے ۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ماسبق — مترجم

۳ - یعنی ذہنی استعداد اور ملکات کے ساتھ ساتھ مادی وسائل بھی — مترجم

۴ - اور اس لئے ان کی حقیقت بجز خیال آرائی کے اور کچھ نہیں — مترجم

بحیثیت مجموعی بنی نوع انسان بسر کرتے ھیں اور اس لئے اس طرز حکومت سے جو زیادہ تر شہروں میں قائم ہے کیونکہ ہم جن امارتوں کا ذکر کر رہے تھے وہ یا تو اس درجہ کامل و مکمل ھیں کہ دوسری کوئی ریاست شاید ھی ان کے درجے تک پہنچ سکے (۵) یا جس ریاست (۶) کی تحقیق اب ھمیں منظور ہے بڑی حد تک اس سے مشابہ۔ لہٰذا ہم دونوں کا شمار ایک ھی زمرے میں کریں گے۔

لیکن اس سلسلے میں ھم جو رائے بھی قائم کریں اس کا فیصلہ کسی ایسے اصول کی بنا پر کرنا چاھئے جو ان سب میں مشترک ھو (۷)۔ مثلاً اگر وہ باتیں جو ھم اپنے رسالۂ اخلاقیات میں بیان کر آئے ھیں صحیح مان لی جائیں تو پھر یہ بھی ماننا لازم آئے گا کہ خوش بختی اور سعادت کی زندگی کا مطلب ہے فضائل کی مسلسل پرورش (۸)۔ علیٰ ھذا یہ کہ فضیلت کا دارومدار

---

۵ - امارتی نظام حکومت کی - جس کا قائم ھونا دشوار بھی ہے اور شاذ بھی — مترجم

۶ - آزاد ریاستوں (یعنی مدنیتوں ، ) کی — مترجم

۷ - یعنی جس کی حیثیت بنیادی ہے — مترجم

۸ - لیکن بارکر میں یہ عبارت اس طرح ہے (اور زیادہ صحیح معلوم ھوتی ہے) کہ سعادت اور خوش بختی عبارت ہے اس زندگی سے جسے انسان ھر قسم کے علائق سے آزاد رہ کر بسر کرتا ہے اور علائق سے آزادی کا مطلب ہے اس سارے ساز و سامان کا میسر ھونا جس کی اسے ضرورت ہے، یعنی صحت، دولت ، مادی وسائل — مترجم

وسط پر ہے (۹) ۔ لہذا وسط ھی کی زندگی انتہائی خوش بختی اور سعادت کی زندگی ہے ۔ نیز یہ کہ وسط کا حصول ھر کسی کے لئے ممکن ہے (۱۰) ۔ در اصل ریاست کے اندر بھی فضائل اور رذائل کے حدود قائم کرنا ھوں تو ویسے ھی قائم کرنا چاھئے جیسے فرد کی ذات میں (۱۱) اس لئے کہ جیسا کچھ طرز حکومت کا ھوگا ویسا ھی شہر کی زندگی کا (۱۲) ۔ اب کوئی بھی شہر ھو اس میں تین قسم کے لوگ ملیں گے (۱۳) بہت زیادہ امیر ، بہت زیادہ

---

۹ - انسانوں کی اکثریت کے لئے — مترجم

۱۰ - ارسطو کا نظریہ یہ ہے کہ خیر اور بالعموم ھر فضیلت کا دارو مدار اس وسط پر ہے جو انسان افراط و تفریط سے بچ کر قائم کرتا ہے - کیونکہ انسان یا تو ایک انتہا (مثبت) پر ھوتا ہے یا دوسری (منفی) پر - مثلاً خطرے کے موقع پر یا تو انسان ناروا دلیری سے کام لیتا ہے (جو گویا حماقت ہے) یا بزدلی سے - لہذا شجاعت اگر فضائل میں داخل ہے تو اس لئے کہ اس کی حیثیت دونوں کے درمیان وسط کی ہے — مترجم

۱۱ - یعنی دونوں صورتوں میں ان کا فیصلہ ایک ھی معیار کے پیش نظر کیا جاتا ہے ۔ مترجم

۱۲ - ملاحظہ ھو حاشیہ ۱ — مترجم

۱۳ - یہاں پھر ارسطو کے ذھن میں وھی خیال کام کر رہا ہے جس کا اظہار اس نے چھٹے باب میں کیا تھا اور وہ یہ کہ مختلف ریاستوں کی سیاسی ھیئت کے بعد ان کی اجتماعی ھیئت پر نظر ڈالی جائے - یعنی اس اصول اجتماع پر جو ان کی تشکیل کا سبب بنتا ہے - ارسطو نے کہا تھا آزاد ریاست امتزاج ہے جمہوریت اور اعیانیت کا - لیکن آزاد ریاست کو اس لئے بھی

باقی صفحہ ۳۸۳ پر

غریب اور نہ زیادہ امیر ، نہ زیادہ غریب ، یعنی دونوں کے بین بین (۱۴) - پھر اگر یہ مسلم ہے کہ وسط ہی کو خیرالامور کہنا چاہئے تو ظاہر ہے کہ دولت کے معاملے میں بھی وسط ہی بہتر ہے ، کیونکہ اس قسم کی ریاست (۱۵) میں عقل کا دور دورہ ہوگا - اب جو لوگ زیادہ خوش حال ، زیادہ زور آور زیادہ شریف اور زیادہ دولتمند (۱۶) یا اس کے برعکس زیادہ غریب زیادہ کمزور یا زیادہ رذیل ہوں گے وہ عقل سے کام نہیں لینگے اس لئے کہ ایک صورت میں اگر ان پر ہوا و ہوس اور فسق و فجور کا غلبہ ہوگا تو بصورت دیگر اوباشی اور ذالت کا - یہی وجہ ہے کہ دونوں صورتوں میں جو مجرمانہ افعال سرزد ہوتے ہیں اسی افراط و تفریط کے باعث (۱۷) - وہ ریاست کے

---

بقیہ حاشیہ ۳۸۲

دوسری ریاستوں پر ترجیح حاصل ہے کہ اجتماعی اعتبار سے اس میں متوسط طبقہ برسراقتدار آجاتا ہے - لٰہذا مختلف طبقات ملکر ایک طبقے (متوسط) کی حیثیت اختیار کرلیتے ہیں - یہ گویا ایک اور پہلو ہوا آزاد ریاست کا گو ضروری نہیں جہاں کہیں اور جب کبھی جمہوریت اور اعیانیت کا امتزاج عمل میں آئے وہاں دستور و آئین پر متوسط طبقے کا غلبہ ہو جائے — مترجم

۱۴ - لٰہذا ان کا وسط — مترجم

۱۵ - مطلب ہے اجتماع سے — مترجم

۱۶ - زیادہ شریف اور زیادہ دولت مند دراصل ایک طبقہ ہیں جیسا کہ اسی جملے میں ان کے مقابل تین اور طبقے گنوائے گئے ہیں - دولت اور شرافت کا چولی دامن کا ساتھ ہے گو ہمیشہ نہیں — مترجم

۱۷ - دولت اور شرافت ، افلاس اور پستی جو گویا سبب ہیں ارتکاب جرائم کا — مترجم

عہدے بھی کماحقہ سرانجام نہیں دے سکتے (۱۸) اور یہ وہ بات ہے جو ریاست کے لئے بڑی مہلک ثابت ہوتی ہے۔ یوں بھی اس قسم کے لوگ جو طاقت اور دولت ، علیٰ ھذا دوستی (۱۹) یا ایسی ہی کسی بات میں دوسروں سے اونچے ہیں کسی کی اطاعت نہیں کریں گے۔ ان کا یہ انداز لڑکپن ہی میں قائم ہوجاتا ہے اس لئے کہ ان کی پرورش بڑے نازونعمت سے کی جاتی ہے۔ وہ اپنے استادوں کا بھی مشکل ہی سے کہنا مانتے ہیں۔ رہے غریب سو انہیں چونکہ وہ کچھ میسر نہیں آتا جس سے امیر لطف اندوز ہوتے ہیں لہٰذا وہ اور زیادہ رذالت اور کمینہ پن اختیار کرلیتے ہیں۔ گویا اگر ایک (۲۰) یہ نہیں جانتے کہ حکم دینا کیا ہوتا ہے بجز اس کے کہ غلاموں کی طرح حکم مانتے چلے جائیں تو دوسرے یہ کہ حکم ماننا کیا ہوتا ہے۔ وہ جانتے ہیں تو صرف خود سری سے حکم دینا (۲۱)۔

لہٰذا جس شہر کی ترکیب اس قسم کے انسانوں سے ہوگی اس میں یا تو آقا ہوں گے یا غلام۔ احرار بہرحال نہیں ہوں گے۔ گویا ایک طرف نفرت و حقارت کا زور ہوگا ، دوسری جانب رشک اور حسد کا۔ بالفاظ دیگر وہاں دوستی ہوگی ، نہ محبت۔ لہٰذا اس طرح کا کوئی اجتماع اجتماع مدنی نہیں ہوگا ، کیونکہ اجتماع کی بنیاد محبت اور دوستی پر ہے (۲۲)۔ دشمنوں کے ساتھ

---

۱۸ - بہ سبب لالچ حرص و طمع — مترجم

۱۹ - مطلب ہے تعلقات — مترجم

۲۰ - غریب — مترجم

۲۱ - امیر — مترجم

۲۲ - ملاحظہ ہو فصل اول حاشیہ — مترجم

تو هم راستہ چلنا بھی گوارا نہیں کرتے ۔ یوں بھی دیکھا جائے تو شہر کی ہستی بجائے خود اس کی مقتضی ہے کہ اس کا وجود جہاں تک ہوسکے برابر کے انسانوں پر مشتمل رہے مگر جس کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ اس کے باشندے متوسط طبقے کے لوگ ہوں، جو اگر ہیں تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر کسی شہر کی ترکیب اس قسم کے عناصر سے ہو جو فی الواقعہ اس کے لئے موزوں ہیں تو گویا اس کی تشکیل صحیح نہج پر ہوئی ۔ اس میں لوگ خود بھی محفوظ ہوں گے اور دوسروں کے لئے بھی حفظ و صیانت کا ذریعہ بنیں گے ، کیونکہ نہ تو انہیں غریبوں کی طرح ان چیزوں کا لالچ ہوگا جو دوسروں کے پاس ہیں ، نہ دوسروں کو ان کی چیزوں کا جیسے غریبوں کو یہ لالچ ہوا کرتا ہے کہ امیروں کا مال و دولت چھین لیں ۔ لہٰذا وہ کسی کے خلاف سازش نہیں کریں گے ، نہ ان کے خلاف کوئی سازش ہوگی اور اس لئے ان کی زندگی بڑے امن و امان سے بسر ہوتی رہیگی ۔ یہی وجہ ہے کہ فوکی لڈلیس کی یہ رائے سراسر دانائی اور حکمت پر مبنی تھی کہ متوسط درجے کی ریاست ہی خوش بختی اور سعادت کا سرچشمہ ہے (۲۳) اور اس لئے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ وہ متشکل ہو گی تو ان لوگوں کی بدولت جو متوسط الحال

---

۲۳ ۔ Phocylides متوطن ملے طوس ۔ شاعر اور سولن کا ہم عصر ۔ قدیم یونانی اخلاقیئین میں سے ہے ۔ فوکی لڈلیس کے جس قول کی طرف اشارا کیا گیا ہے وہ اس شعر پر مبنی ہے :

''بہت سی باتیں متوسط الحال انسانوں ہی کے لئے اچھی ہوتی ہیں ۔ میری آرزو ہے ریاست بھی متوسط طبقے ہی پر مشتمل ہو'' — مترجم

ہیں ۔ لٰہذا ایسی ہی ریاستیں بہترین کہلائینگی جہاں ان کو اکثریت اور عزت و وجاہت حاصل ہے ، باقی دو طبقوں کے مقابلے میں نہ سہی ایک دوسرے کے خلاف (۲۴) تاکہ اگر کبھی ان کا توازن قائم نہ رہے تو ایک پلڑا بھاری ہو ، نہ دوسرا ہلکا ۔

گویا سب سے بڑی خوش بختی جو کسی شہر کو میسر آسکتی ہے وہ یہ کہ اس کے رہنے والے آسودہ حال ہوں ۔ نیز یہ کہ وہاں دولت کی کمی ہو ، نہ زیادتی ۔ اس لئے کہ اگر بعض کے پاس بہت کچھ ہو اور بعض کے کچھ بھی نہیں تو حکومت یا تو اراذل (۲۵) کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے ، یا اعیانیت کی شکل اختیار کرلیتی ہے جس میں افراط و تفریط سے پھر استبداد ہی کو ہوا ملتی ہے کیونکہ جمہوریت ہو یا اعیانیت جب کبھی ان میں خود سری پیدا ہوتی ہے اس کا نتیجہ استبداد کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا ۔ نہیں ہوتا تو اس صورت میں جب کوئی اجتماع قریباً قریباً مساوی الحیثیت انسانوں پر مبنی ہو ۔ چنانچہ آگے چل کر جب ان تغیرات کی بحث آئے گی جو مختلف ریاستوں میں رونما ہوا کرتے ہیں تو ہم بتائیں گے اس کی دوسری وجہ کیا ہے (۲٦) ۔ حاصل کلام یہ کہ بہترین ریاست وہی ہے جو اوسط درجے پر مشتمل ہو ۔ ایسی ہی ریاست میں

---

۲۴ - یعنی امیر اور غریب دونوں طبقات کے مجموعی حیثیت سے نہیں تو ان کو الگ الگ کرتے ہوئے ہر ایک کے ــ مترجم

۲۵ - عامۃ الناس جیساکہ ارسطو کے نزدیک عام طور پر ان کی حالت ہوا کرتی ہے ــ مترجم

۲٦ - استبداد سے بچے رہنے کی ــ مترجم

بہت کم احتمال ہے کہ بغاوت اور ریشہ دوانیوں سے لوگوں میں خلل پیدا ہوتا رہے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں بڑی بڑی حکومتوں (۲۷) میں اس طرح کی دشواریاں شاذ ہی رونما ہوتی ہیں کیونکہ وہاں ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے جن کا تعلق متوسط درجے سے ہو ۔ برعکس اس کے چھوٹی چھوٹی حکومتیں به آسانی افراط و تفریط کا شکار ہوجاتی ہیں ۔ لہذا وہاں مشکل ہی سے کوئی ایسا عنصر باقی رہ جاتا ہے جس سے اس طرح کی صورت حالات میں اعتدال کا راستہ نکل سکے کیونکہ وہاں نصف آبادی امیروں کی ہوگی نصف غریبوں کی ۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوریتوں کو اعیانیتوں کی نسبت زیادہ استحکام حاصل ہوتا ہے اور ان کی ہستی بھی دیر تک برقرار رہتی ہے ۔ لیکن اگر ان کے یہاں بھی متوسط طبقے کی اکثریت قائم نہ رہے تو زمام اقتدار غریبوں کے ہاتھ میں چلی جائے گی اور آئے دن کسی نہ کسی خرابی کا سامنا کرنا پڑے گا تاآنکہ اس کا خاتمہ ہوجائے ۔

ہماری ان باتوں کی تائید اس امر سے بھی ہوجاتی ہے کہ بہترین مقننوں کا ظہور ہمیشہ متوسط طبقے میں ہوا ۔ مثلاً سولن کا جیسا کہ خود اس کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے اور لائی کرگس کا ۔ وہ بھی بادشاہ نہیں تھا (۲۸) ۔ ایسے ہی کرون دس اور بعض دوسرے مقننین ہیں ۔ پھر یہ جو بہت سی آزاد ریاستیں جمہوریتوں اور اعیانیتوں میں بدل گئیں ہیں تو اوپر کی باتوں سے اس کی وجہ بھی

---

۲۷ - یعنی ایسی ریاستوں میں جن کا رقبہ زیادہ وسیع ہے اور اس لئے وہاں متوسط طبقے کی اکثریت ہے — مترجم

۲۸ - جیسا کہ غلطی سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا تعلق شاہی خاندان سے تھا — مترجم

بخوبی سمجھ میں آجاتی ہے ۔ اس لئے کہ جب کبھی متوسط طبقے کی تعداد میں کمی واقع ہوتی ہے دوسرے جو تعداد میں ان سے زیادہ ہوتے ہیں برسراقتدار آجاتے ہیں ، خواہ امیر ہوں یا غریب اور پھر چونکہ امور عامہ کا نظم و نسق بھی انہیں کے ہاتھ میں رہیگا ، للہذا حکومت یا تو جمہوریت میں بدل جائے گی ، یا اعیانیت میں ۔ پھر جب امیر اور غریب ایک دوسرے سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں اور ایک دوسرے سے الجھتے ہیں تو انجام کار کسی کو غلبہ ہو ، امیروں یا غریبوں کو ، اس کا نتیجہ یہ تو ہوگا نہیں کہ ایک آزاد ریاست قائم ہوجائے ۔ ہوگا تو یہ کہ فریق غالب جیسا بھی اس کا کوئی اصول ہے اسی کی رعایت سے جمہوریت قائم کر دے یا اعیانیت (۲۹) ۔

یہی وجہ ہے کہ جن ریاستوں نے یونان میں فتوحات حاصل کیں (۳۰) انہوں نے بھی لحاظ رکھا تو صرف اس بات کا کہ ان کے یہاں کون سا طرز حکومت رائج ہے ۔ للہذا انہوں نے یا تو جمہوریتیں قائم کردیں ، یا اعیانیتیں (۳۱) ۔ یہ نہیں دیکھا کہ دوسری ریاستوں کا فائدہ کس بات میں ہے ۔ دیکھا تو یہ کہ ان کا مفاد کس چیز کا مقتضی ہے (۳۲) یہ اسباب ہیں جن کی بنا پر آج تک وہ

---

۲۹ - مطلب یہ ہے کہ آئینی حقوق چونکہ فریق غالب کے ہاتھ میں ہوں گے للہذا جیسا بھی دستور حکومت بنیگا انہیں کے حسب منشا بنے گا — مترجم

۳۰ - ائینیہ اور اسپارٹا کی طرف اشارا ہے ۔ للہذا اس سلسلے میں (کہ بہترین یا بالفاظ دیگر متوسط درجے کی ریاستیں قائم نہیں ہوئیں تو کیوں) ان کا طرز عمل بھی لائق سرزنش ہے ۔

۳۱ - مفتوحہ ریاستوں میں — مترجم

۳۲ - متن میں ”انہیں کون سی بات اپنی جیسی نظر آتی ہے“ — مترجم

حکومت قائم نہ ہوسکی جس میں زمام اقتدار متوسط طبقے کے ہاتھ میں آجاتی لیکن جو اگر کبھی آئی بھی تو شاذ و نادر اسلئے کہ ان معدودے چند فاتحین میں جو آج تک گزرے ہیں ایک اور صرف ایک تھا جس نے بالاخر یہی بہتر سمجھا کہ ترجیح دینی چاہئے تو کس اجتماع کو(۳۳) ۔ مگر اب تو حالت یہ ہے کہ جس شہر کو دیکھئے اس کے باشندے مساوات سے قطع نظر کرچکے ہیں۔ ان کی خواہش ہوتی ہے تو بالعموم یہ کہ کسی نہ کسی طرح حکومت پر متصرف ہوجائیں یا پھر چپ چاپ دوسروں کی اطاعت کر لیں (۳۴) ۔

---

۳۳ - متوسط طبقے کو — مترجم

۳۴ - یہ ایک شخص کون تھا ؟ کیا تھرامینیس Theramenes جیسا کہ نیومین کا خیال ہے ؟ اس کا شمار اثینیہ کے اعتدال پسند سیاسئین میں ہوتا تھا اور اسی نے اہل اثینیہ کو اعتدال پسندی کی تلقین کرتے ہوئے ایک ایسا دستور اختیار کرنے پر زور دیا تھا جو صرف پانچ ہزار شہریوں پر مشتمل ہو یعنی جس میں زمام اقتدار ایسے پانچ ہزار شہریوں کے ہاتھ میں رہے جو اسلحہ مہیا کر سکیں - یہ ۴۱۱ ق-م کا واقعہ ہے جب تیس سالہ جنگ میں ناکامی کے بعد اثینیہ کے سیاسی حالات بگڑ چکے تھے اور جب تھرامینیس اور ارسٹوکرائیس Aristocrates کی کوششوں سے 'چہارصد' کو زوال ہوا - لیکن اگلے ہی برس (۴۱۰ میں) اہل اثینیہ نے پنج ہزار کو جو چہارصد کے بعد برسراقتدار آئے تھے حکومت سے محروم کر دیا - تھرامینیس کو شکست ہوئی اور اسے موت کی سزا ملی - اس میں کوئی شک نہیں کہ یونانی مورخ تھیوکی ڈیڈیس Theucydides نے تھرامینیس کے نافذ کردہ دستور کی تعریف کی ہے جس میں جمہوریت اور اعیانیت دونوں کو باہم ملا دیا گیا

باقی صفحہ ۳۹۰ پر

اب جو یہ بات واضح ہو گئی کہ بہترین ریاست کیا ہوتی ہے اور کیوں تو کیا مشکل ہے کہ ریاستوں کی بحث میں ہم جس طرح یہ دیکھ آئے ہیں کہ جمہوریتوں اور

---

بقیہ حاشیہ ۳۸۹

تھا لیکن نہ تھرامینیس کو کبھی یونانی سیاسیات میں عروج حاصل ہوا نہ یہ کہنا ٹھیک ہوگا کہ تھرامینیس ہی ''ایک اور صرف ایک . . . '' - کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جہاں تک یونانی ریاستوں میں متوسط درجے کی حکومتیں (مدنیتیں) قائم کرنے کا تعلق ہے اس میں اور لوگ بھی تھرامینیس سے تعاون پر آمادہ تھے - حالانکہ یہ صحیح نہیں -

پھر کیا ارسطو کا اشارا انٹی پیٹر Antipeter کی طرف ہے - اسکندر اعظم کا نائب السلطنت جیسے فی‌الواقعہ ارض یونان پر سیادت حاصل تھی - بارکر کہتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ انٹی پیٹر نے اثینیہ میں ایک ایسا دستور نافذ کیا جس کی زمام اقتدار صرف نو ہزار شہریوں کے ہاتھ میں تھی - لیکن یہ ۳۲۱ کا واقعہ ہے اور ارسطو ۳۲۰ میں فوت ہوچکا تھا - لٰہذا بہت ممکن ہے ارسطو نے اپنی ذاتی گفتگووں میں انٹی پیٹر کو اس امر پر آمادہ کر لیا ہو کہ متوسط قسم کی حکومت (مدنیت) قائم کرے- یا پھر ہوسکتا ہے بعد کے کسی مرتب نے متن میں اس جملے کا اضافہ کر دیا - ارسطو بہر حال یہ نہیں کہ سکتا تھا کہ اب تک جو فاتحین گذرے ہیں (’فاتحین‘ بالفاظ ایلس - لیکن بارکر میں ’جن کو اب تک سیادت‘ یعنی امور سیاست میں غلبہ اور اقتدار حاصل ہو چکا ہے) کیونکہ انٹی پیٹر کو یہ مرتبہ ارسطو کی زندگی میں اسکندر اعظم کی غیر حاضری میں ملا (جب وہ اپنی مشرقی مہموں کے سلسلے میں یونان سے نکلا ہے) — مترجم

اعیانیتوں کی متعدد قسمیں ھیں بعینہ اس امر کا فیصلہ بھی کرسکیں
کہ ان میں پہلا درجہ کس کو دیا جائے، دوسرا کسے اور پھر
اس کے بعد تیسرا کس کو۔ اس طرح یہ بھی معلوم ھوجائے گا کہ
ان کی خاص خاص خوبیاں کیا ھیں اور خامیاں کیا۔ گو اول یہ طے
کرلینا ضروری ھوگا کہ بہترین ریاست کیا ھوتی ھے۔ اس لئے کہ
ھم اسی ریاست کو بہترین کہیں گے جو اس سے قریب تر ھوگی۔
بدترین وہ جو وسط سے دور تر ھو، بشرطیکہ ھم اس کا فیصلہ کسی
ایسی تجویز کے ماتحت نہ کریں جو کسی خاص شخص کے ذھن میں
ھے (۳۵)، کیونکہ عین ممکن ھے کوئی دوسری شکل اس سے بھی
بہتر ھو۔ مگر پھر کسی دوسری شکل کو ھم اس لئے بھی ترجیح
دے سکتے ھیں کہ خاص خاص حالات اور خاص خاص مقاصد اسی
کے مقتضی تھے۔

---

۳۵ - جیسا کہ ائینیہ اور اسپارٹا کی مثال سے ظاھر ھوجاتا ھے۔ ان کے یہاں
یہ رجحانات اس وقت پیدا ھوئے جب ان کو بعض ریاستوں پر سیادت
حاصل ھوئی — مترجم

۳۶ - یعنی متوسط درجے کی ریاست (مدنیت) سے — مترجم

۳۷ - باعتبار حالات یا خاص مصلحتوں کے پیش نظر جیسا کہ آگے چل کر
صراحتاً کہ دیا گیا ھے — مترجم

# بارھواں باب

اوپر کی بحث سے ایک سوال پیدا ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ خاص خاص لوگوں کے لئے کس طرح کی حکومت بہترین رہے گی (۱)۔ لیکن اس سلسلے میں ہمیں سب سے پہلے یہ اصول قائم کرنا پڑے گا کہ جس فریق کی خواہش ہے کہ ریاست کی علمداری (۲) جوں کی توں برقرار رہے اسے لامحالہ اس فریق کی نسبت زیادہ طاقت ور ہونا چاہئے جو اس کی تبدیلی کے درپے ہے (۳)۔ یہ اس لئے کہ شہر بنتا ہے تو دو باتوں سے۔ ایک کو اس کی صفت کہئے دوسری کو مقدار۔ صفت سے ہمارا مطلب ہے دولت، حریت، تعلیم (۴) اور حسب و نسب۔ مقدار سے اس کی آبادی۔ اب ہوسکتا ہے صفت کا تعلق شہر کے ایک جز سے ہو مقدار کا دوسرے سے، یعنی عین ممکن ہے جو لوگ حسب و نسب کے اچھے ہیں ان کی تعداد ان لوگوں سے جو رذیل اور کمینے ہیں کم ہو جیسے دولت مندوں کی غریبوں کے مقابلے میں۔ لیکن اس حد تک نہیں کہ ایک کی کثرت تعداد سے دوسرے کی صفات کا لعدم ہوجائیں۔ ان میں کوئی نہ کوئی تناسب قائم رہنا چاہئے۔ اس لئے کہ اگر غریبوں

---

۱ - گویا ارسطو کی توجہ اب اس بحث کے تیسرے جزو پر ہے جس کی طرف وہ باب دوم میں اشارا کر آیا ہے — مترجم

۲ - علمداری سے مطلب ہے دستور ریاست کا عمل درآمد — مترجم

۳ - اور اس لئے ائینی حقوق سے محروم — مترجم

۴ - یعنی تہذیب و شائستگی اور اس لئے فضائل اخلاق — مترجم

کی تعداد اس تناسب سے بڑھ گئی جس کی طرف ہم نے ابھی اشارا کیا تھا تو لازماً جمہوریت کو تحریک ہوگی جس میں اگر کسانوں کو غلبہ ہوا تو ایسی جمہوریت کسانوں کی جمہوریت ہوگی ۔ گویا جتنی زیادہ کسی طبقے کی تعداد ہے ویسی ہی جمہوریت قائم ہو جائیگی جو اگر کسان ہیں تو کسانوں کی اور یہ اس کی بہترین صورت ہوگی ۔ کاریگروں اور محنت مزدوری کرنے والوں کی ہے تو بدترین(۵) ۔ مگر پھر ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ اس کا تعلق کسی ایسے طبقے سے ہو جو ان دونوں کے بین بین ہے۔ بعینہ اگر اہل دولت و ثروت یا اشراف محض اپنی صفات کے زور پر برسراقتدار آ گئے خواہ ان کی تعداد کم ہو تو اعیانیت کا ظہور ہوجائے گا جس کی نوعیت پھر ویسے ہی بدلتی رہے گی جیسے ان لوگوں کی جو اس میں اقتدار حاصل کرتے رہیں گے ۔ (۶)

لہذا مقنن کو چاہئے دستور حکومت کی طیاری میں ان لوگوں کا بالخصوص خیال رکھے جن کا تعلق متوسط درجے سے ہے ۔ اعیانیت کی صورت میں بھی جہاں تک قانون کا تعلق ہے اسی طبقے کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے (۷) ۔ جمہوریت قائم کرنے کا ارادہ ہے جب بھی اس کا سررشتہ اسی طبقے کے ہاتھ میں دینا چاہئے (۸) ، کیونکہ جب کبھی ایسے دونوں (۹) کے مقابلے

---

۵ - جمہوریت کی ان دو اقسام کے لئے ملاحظہ ہو باب پنجم — مترجم

۶ - دولت اور شرافت کے بل پر — مترجم

۷ - تاکہ متوسط طبقے کے لوگ بھی قوانین سے فائدہ اٹھا سکیں — مترجم

۸ - یعنی جمہور کے ساتھ وہ بھی آئینی حقوق میں شریک ہوں — مترجم

۹ - امیروں اور غریبوں پر — مترجم

میں اکثریت حاصل ہو گئی یا دونوں کے نہیں کسی ایک کے تو دستور میں ثبات اور استحکام پیدا ہوجائے گا (۱۰) ۔ اس لئے کہ امیر و غریب باہم ملکر بھی ان کے خلاف سازش نہیں کریں گے ۔ ان میں کوئی بھی دوسرے کی اطاعت پر راضی نہیں ہوگا۔ یوں بھی اگر عملداری (۱۱) کی بنیادوں میں انتہائی وسعت پیدا کرنے کا ارادہ ہے (۱۲) تو اس سے بہتر کوئی دستور نہیں ملے گا ، کیونکہ امیر غریبوں سے نفرت کرتے ہیں ، غریب امیروں سے اور اس لئے کبھی اس بات پر آمادہ نہیں ہوں گے کہ باری باری سے حکومت کریں ۔ للہذا بہتر ہے فریقین اپنا معاملہ کسی ثالث کے سپرد کردیں اور ظاہر ہے کہ ثالثی کی یہ خدمات متوسط درجے کا طبقہ ہی سرانجام دے سکتا ہے ۔

للہذا وہ لوگ غلطی پر ہیں جو حکومت میں امارت کا رنگ پیدا کرنا چاہتے ہیں ۔ وہ ایک طرف زیادہ تر اختیارات دولت مندوں کے ہاتھ میں دے دیتے اور دوسری جانب عام لوگوں کو دھوکے میں رکھتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ یوں ان کے لئے خیر کا جو سامان پیدا کیا جاتا ہے خیالی ہوتا ہے ۔ شر سے البتہ انہیں سچ مچ سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ اس لئے کہ

---

۱۰ - یعنی اس صورت میں مدنیتیں قائم ہوجاتی ہیں ۔ بہ الفاظ دیگر متوسط درجے کی حکومتیں — مترجم

۱۱ - برسراقتدار جماعت میں — مترجم

۱۲ - مدنیت سے — مترجم

امرا کی زیادتیاں غریبوں کی نسبت ریاست کے لئے زیادہ مہلک ثابت ہوتی ہیں (۱۳) ۔

---

۱۳ - گویا محض سیاسی اعتبار سے دیکھا جائے تو امارت کے حامی عوام کو فریب میں رکھتے ہوئے جو سبز باغ دکھایا کرتے ہیں اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا - نقصان البتہ ضرور پہنچتا ہے ـــــ مترجم

# تیرھواں باب

پانچ چیزیں ھیں(۲) جن کی آڑ میں دولت‌مند کوشش کیا کرتے ھیں کہ جہاں تک بن پڑے بکمال عیاری لوگوں سے ان کے حقوق چھین لیں : مجالس عامہ ، ریاست کے عہدے (۲) ، عدالتیں ، جنگی طاقت (۳) اور جسمانی ورزشیں ۔ جہاں تک مجالس عامہ کا تعلق ھے ان کا دروازہ یوں تو ھر شخص کے لئے کھلا رھتا ھے ، لیکن بصورت عدم شرکت جرمانہ صرف امیروں کو ھوتا ھے، دوسروں کو بہت کم ۔ رھے عہدہ ھائے ریاست سو اس سلسلے میں غریبوں کو تو اجازت ھوتی ھے کہ حلف اٹھا کر اپنی معذوری کا اظہار کر دیں (۴) ، لیکن ان کو نہیں جن کی مالی حیثیت مسلم ھے ۔ عدالتوں کو لیجئے جن میں اگر شمولیت نہ کی جائے تو اھل دولت ھی کو

---

۱ - جن کا تعلق دستور سازی سے ھے اور دستور سازی ھی میں ان کے ذریعے عوام کو دھوکے میں رکھا جاتا — مترجم

۲ - یا حاکمانہ یعنی وہ عہدے جن پر آجکل کی اصطلاح میں ھم یہ کہینگے کہ حاکمہ Excentive مشتمل ھوتی ھے، ریاست کے اس لئے کہ ان کے سوا اس زمانے میں اور کوئی عہدے ھی نہیں تھے - تھے تو عدالتوں یا مجالس عامہ یعنی عادلہ اور شوریٰ کی رکنیت — مترجم

۳ - یعنی اسلحہ بندی کی استطاعت — مترجم

۴ - معذوری یہ کہ ان کی مالی حیثیت ان کا بار اٹھانے کی اجازت نہیں دیتی — مترجم

جرمانہ ادا کرنا پڑتا ھے غریبوں کو اس سے مستثنیٰ رکھا جاتا ھے ، یا کیا جاتا تو برائے نام اس لئے کہ بصورت اول تو اس کی مقدار بہت زیادہ ھوتی ھے ، بصورت دیگر کم ۔ یہ قانون کروندس کا وضع کردہ ھے ۔ چنانچہ بعض شہروں میں دستور تھا کہ جس شہری کا نام درج فہرست ھے (٦) اس کا مجالس عامہ میں شرکت اور فصل مقدمات (٧) میں حصہ لینا ضروری ھوگا ۔ ورنہ اسے بہت بڑا جرمانہ ادا کرنا پڑے گا مطلب یہ تھا کہ جرمانے کے ڈر سے اکثر شہری اپنا نام درج فہرست نہ ھونے دیں اس لئے کہ دوسری صورت میں انہیں اس سے مفر تھا ، نہ اس سے (٨) ۔ اسلحہ بندی اور جسمانی ورزشوں کے سلسلے میں بھی کچھ ایسے ھی قوانین وضع کر لئے جاتے ھیں غریبوں کے پاس تو اسلحہ ھوتے نہیں للہذا انہیں معذور سمجھا جاتا ھے ۔ امیروں کے پاس ھوں تو انہیں بہت زیادہ جرمانہ ادا کرنا پڑتا ھے ۔ جسمانی ورزشوں میں بھی حصہ نہ لیا جائے تو ایک کو سزا دی جاتی ھے دوسرے کو کوئی سزا نہیں ملتی (٩) ۔ للہذا ایک تو سزا کے خوف سے اسلحہ رکھتے اور ورزشوں میں حصہ لیتے ھیں ، دوسرے اسلحہ اور ورزش

---

٥ - شوریٰ اور عادلہ کے متعلق تاکہ لوگ ان میں حصہ نہ لے سکیں — مترجم

٦ - یعنی ارکان مجالس عامہ اور عدالت کی فہرست میں — مترجم

٧ - بحیثیت رکن عدالت — مترجم

٨ - مطلب یہ ھے کہ ان کے پاس اتنا وقت تو تھا نہیں کہ مجالس میں شرکت کرسکیں ۔ مجالس میں شرکت نہیں کرتے تو اتنی استطاعت نہیں تھی کہ جرمانہ ادا کرتے ۔ اس جملے کو زائد تصور کیجئے — مترجم

٩ - غریبوں کو — مترجم

دونوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں ۔ یہ ہے وہ مکر و فریب اور وہ حیلے بہانے جن سے اعیانی قانون ساز اکثر کام لیا کرتے ہیں ۔

لیکن جمہوریتوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے ۔ وہاں عدالتیں ہوں یا مجالس عامہ غریب ان میں شرکت کریں تو انہیں تو اس کا بڑا معقول معاوضہ دیا جاتا ہے ، امیروں کو کچھ بھی نہیں ملتا ۔ اندریں صورت اگر ارادہ یہ ہے کہ ان دونوں قسم کے رسم و رواج میں (۱۰) کوئی صحیح امتزاج پیدا کیا جائے تو جرمانہ ہو یا معاوضہ دونوں میں سب کو شریک کرنا چاہئے (۱۱) تاکہ سب اس میں حصہ لیں ۔ یہ نہیں کہ آجکل کی طرح صرف ایک جزو (۱۳) ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک آزاد ریاست کے شہریوں کو صرف ان افراد پر مشتمل ہونا چاہئے جو اسلحہ بند ہیں (۱۴) ۔ ان کی مالی حیثیت کیا ہو اس کا کوئی قطعی فیصلہ تو ممکن نہیں (۱۵) البتہ اس سلسلے میں جو بھی فیصلہ ہو اس کا اطلاق زیادہ سے زیادہ افراد پر ہونا چاہئے

---

۱۰ - یعنی قوانین کی ان دونوں صورتوں میں — مترجم

۱۱ - یعنی غریبوں کو (بصورت شرکت) معاوضہ دیا جائے ، امیروں کو (بصورت عدم شرکت) جرمانے کی سزا ملے — مترجم

۱۲ - جرمانے اور معاوضے میں تاکہ ایک ایسا دستور وضع ہوسکے جس میں سب شہری حصہ لیں — مترجم

۱۳ - دستور بلا شرکت غیرے صرف ایک فریق کے ہاتھ میں آجاتا ہے دوسرے آئینی حقوق سے محروم ہوجاتے ہیں — مترجم

۱۴ - جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سلسلے میں کسی نہ کسی مالی حیثیت کی قید پھر ضروری ہو جاتی ہے — مترجم

۱۵ - کہ ہم اس کی کوئی مخصوص حد معین کریں — مترجم

تاکہ جو لوگ اس صورت میں درج فہرست ہوں ان کی تعداد غیر درج شدہ افراد کی نسبت زیادہ رہے ۔ اس لئے کہ غریب تو اگر انہیں ریاست کے عہدوں میں حصہ نہ ملا جب بھی امن اور چین کی زندگی بسر کرتے رہیں گے ۔ بشرطیکہ ان کا مال و متاع محفوظ رہے (۱۶) اور یہ کوئی آسان بات نہیں ، کیونکہ ہو سکتا ہے امور عامہ کا سر رشتہ ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو انسانوں کے خیر خواہ نہیں ۔ مثلاً جنگ ہی کی حالت میں اگر غریبوں کی ضروریات کا انتظام نہ کیا جائے تو وہ اس پر کوئی آمادگی ظاہر نہیں کرتے ۔ کر دیا جائے تو بڑے شوق سے اس میں حصہ لیتے ہیں (۱۷) ۔

لیکن بعض حکومتوں میں زمام اقتدار صرف اسلحہ بند شہریوں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے ، یا ان کے جو کبھی اسلحہ بند رہ چکے ہوں (۱۸) ۔ جیسے مالیسی (۱۹) دستور کی رو سے ریاست کا

---

۱۶ - مطلب یہ ہے کہ غریبوں کی ایک تعداد اگر درج فہرست ہونے سے رہ گئی تو مضائقہ نہیں ۔ ان کا مال و متاع محفوظ رہے تو وہ امن چین کی زندگی بسر کرتے رہیں گے ۔ مجالس میں شرکت کا مطالبہ نہیں کریں گے — مترجم

۱۷ - ارسطو کا کہنا یہ ہے کہ ارباب اقتدار سے بہت کم اس تدبر اور دانشمندی کا اظہار ہوتا ہے کہ غریبوں کی ضروریات اور مال و متاع کا لحاظ رکھیں — مترجم

۱۸ - ارسطو نے یہاں ایک نئی بحث چھیڑ دی ہے اور وہ یہ کہ ایک سیاسی اجتماع (ریاست) جو شکل اختیار کرے اس میں حربی تنظیم کو کہاں تک دخل ہونا چاہئے ۔ ارسطو نے یہاں

باقی صفحہ ۴۰۰ پر

وجود صرف موخرالذکر اشخاص پر مشتمل تھا ۔ وہاں ریاست کے عہدے صرف ان لوگوں کو دئے جاتے تھے جنہوں نے کبھی جنگی خدمات سرانجام دی ہوں ۔ یوں بھی شروع شروع کی یونانی ریاستوں میں جب شاہی حکومت کا خاتمہ ہوا تو سر رشتہ اقتدار فوج کے ہاتھ میں آ گیا ۔ اول سواروں کے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں فوج کی طاقت اور عمدگی کا داروسدار رسالے ہی پر تھا ۔ پیدل فوج تو چونکہ بڑے بڑے اسلحہ پہنتی لہٰذا اس کا وجود نظم و ضبط کے بغیر بےسود تھا ۔ قدیم یونانی یوں بھی فنون حرب سے ناواقف تھے ۔ اس لئے طاقت کے معاملے میں ان کا اعتماد زیادہ تر سواروں ہی پر تھا ۔ البتہ آگے چل کر جب شہروں میں وسعت پیدا ہوئی اور طاقت کا داروسدار پیدل فوج کو ٹھہرایا گیا تو ان کی آزادی میں بھی زیادہ سے زیادہ لوگ شریک ہوتے گئے (۲۰) ۔ یہی

---

بقیہ حاشیہ ۳۹۹

تاریخ سے بھی کچھ مثالیں پیش کی ہیں ۔ بات یہ ہے کہ ریاست کی بحث میں یہ مسئلہ کچھ کم اہم نہیں ۔ اس کی حیثیت بنیادی ہے اور تاریخ قدیم ' علیٰ ہذا عصر حاضر کی ریاستوں کا مطالبہ کیا جائے تو ارسطو کی دقت نظر کا قائل ہونا پڑیگا — مترجم

۱۹ - Malis جنوبی تھسلی کا وہ ضلع جو تھرموپلی تک چلا گیا ہے ۔ اہل مالیس Malienses کہلاتے تھے — مترجم

۲۰ - شہروں کی آزادی سے مطلب یہ ہے کہ جب تک ریاست پر ایک محدود طبقے کا تصرف تھا شہر کا زیادہ حصہ غلامی کی زندگی بسر کرتا تھا ۔ لہٰذا جب آزاد شہریوں کی تعداد بڑھی ، یعنی اقتدار و اختیار کا دائرہ پھیلنے لگا اور اہل شہر کے زیادہ سے زیادہ حصے کو آئینی حقوق حاصل ہوتے گئے تو شہر بھی گویا بتدریج آزاد ہوتا چلا گیا — مترجم

وجه ہے کہ آج کل ہم جن ریاستوں کو مدنیتوں (۲۱) سے تعبیر کرتے ہیں ان کو شروع میں جمہوریتیں ہی کہا جاتا تھا ۔ لہٰذا قدیم حکومتیں یا تو اعیانیتوں پر مشتمل تھیں یا بادشاہت کا رنگ اختیار کر لیتیں ، کیونکہ ان کی ترکیب بہت تھوڑے افراد سے ہوتی تھی اور اس لئے متوسط طبقے کی تعداد بڑی محدود رہتی (۲۲) ۔ یوں بھی جب ایک کی تعداد کم ہو (۲۳) ، دوسرے محکومیت کے عادی (۲۴) تو اس کا نتیجہ بجز اس کے اور کیا ہو سکتا تھا کہ بے چوں و چرا ان کی اطاعت پر راضی ہو جائیں (۲۵) ۔

ہماری رائے میں اب یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ حکومت کی متعدد قسمیں کیوں ہیں ، علیٰ ھذا یہ کہ ان کی جو شکلیں ہم اس سے پہلے بیان کر آئے ہیں ان کے علاوہ اور بھی کئی شکلیں ہیں ۔ مثلاً جمہوریت ہی کی اور یہی کچھ دوسرے طرزہائے حکومت کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے ۔ علاوہ ازیں ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں کہیں اختلاف ہے تو کیا اور وہ پیدا ہوتا ہے تو کس بنا پر ۔ نیز یہ کہ عام طور پر دیکھا جائے تو بہ نسبت دوسروں کے بہترین طرز حکومت کیا ہوگا جیسے یہ بھی کہ خاص

---

۲۱ - یعنی جن میں زیادہ سے زیادہ شہریوں کو آئینی حقوق ملتے گئے ، کیونکہ پیدل فوج میں زیادہ حصہ انہیں کا تھا — مترجم

۲۲ - یعنی ہر ریاست کی آبادی محدود تھی اور متوسط طبقہ بسبب قلت تعداد اس قابل نہیں تھا کہ منظم ہوکر دستور حکومت میں اپنا حصہ طلب کرسکے — مترجم

۲۳ - متوسط طبقے کی — مترجم

۲۴ - عامۃ الناس کی — مترجم

۲۵ - بادشاہتوں یا اعیانی حکومتوں پر — مترجم

خاص لوگوں کے لئے کس طرح کی حکومت سب سے زیادہ موزوں رہے گی (۲۶)۔

---

۲۶ - ارسطو کا ارادہ جن امور سے بحث کرنے کا تھا ان کی تشریح اس فصل کے دوسرے باب میں آچکی ہے - امر اول کی بحث ابواب ۳ تا ۱۰ میں ختم ہوئی - امر ثانی (آزاد ریاستوں اور مدنیتوں کی مختلف شکلوں) کی باب ۱۱ میں ، گو ابواب ۸ اور ۹ اور پھر ۱۲ میں بھی پھر اس سے رجوع کیا گیا ہے - امر ثالث کی (یعنی جیسا کوئی اجتماع ہے اس کے لئے کیسا دستور مناسب رہے گا) باب ۱۲ اور ایک حد تک باب ۱۳ میں - دوران بحث میں ضمناً اور بھی کئی باتیں چھیڑ دی گئی ہیں - مثلاً یہ کہ اعیانیتیں اور جمہورتیں مقصد برآزی کے لئے کیا کیا تدابیر اختیار کرتی ہیں - بایں ہمہ اصل بحث سے ارسطو نے بہت کم انحراف کیا ہے - باقی دو امور کی بحث (ایک تو یہ کہ شوریٰ ، حاکمہ اور عادلہ سے دستور کا کیا تعلق ہونا چاہئے ، دوسرا یہ کہ حکومتوں میں انقلاب پیدا ہوتا یا شورش پھیلتی ہیں تو ان کے وجوہ کیا ہوتے ہیں) اس فصل کے آخر اور پھر آگے چل کر فصل پنجم میں آئے گی — مترجم

# چودھواں باب

آئیے اب ان حکومتوں پر (۱) ایک عام نظر ڈال لیں جن کا تعلق اس بحث کے دوسرے حصے سے ہے (۲) اور پھر ہر ایک پر الگ الگ غور بھی کریں ۔ لیکن یہ بحث صرف ان اصولوں تک محدود رہے گی جن کا اطلاق سب حکومتوں پر ہوسکتا ہے (۳) ۔ ہمارے نزدیک تین باتیں ہیں جو ہر ریاست کی بحث میں ہمارے سامنے آتی ہیں اور جن کا ہر سمجھدار مقنن کو خیال رکھنا چاہئے ، اس لئے کہ ان سے ہمیشہ بڑے بڑے نتائج مترتب ہوتے ہیں اور اس لئے بھی کہ اگر ان پر مناسب توجہ کرلی جائے تو ریاست میں سعادت اور خوش بختی کا دور دورہ ہوگا ۔ یا یوں کہئے کہ جیسے جیسے ان پر عمل ہوگا ویسے ہی ہر ریاست کی حالت دوسری سے مختلف ہوتی چلی جائے گی (۴) ۔ ان میں پہلی چیز تو شوریٰ ہے ، دوسری حکام ریاست

---

۱ - یعنی دساتیر پر — مترجم

۲ - ملاحظہ ہو فصل زیر نظر کا دوسرا باب — مترجم

۳ - کیونکہ یہی اس بحث کی صحیح اساس ہے — مترجم

۴ - چیزوں سے ارسطو کا اشارا ان تین جماعتوں کی طرف ہے جن کے ہاتھ میں علی الترتیب شوریٰ ، حاکمہ اور عادلہ کے معاملات دے دئے جاتے ہیں ۔ لہٰذا اس کا یہ کہنا بجا ہے کہ اگر یہ تینوں امور بخوبی منضبط ہوگئے تو گویا بہترین دستور مرتب ہوگیا اور اگر ایسا نہیں تو جیسا جیسا ان میں نقص یا خوبی ہوگی ویسی ہی ریاست وجود میں آئے گی — مترجم

یعنی یہ کہ حکومت کے عہدے ملیں تو کیسے انسانوں کو، ان کے اختیارات کیا ہوں ؟ تقرر کیسے عمل میں آئے ؟ تیسری شعبۂ عدالت (۵)۔

جہاں تک شوریٰ کا تعلق ہے اس کا حقیقی منصب تو یہ ہے کہ مجلس صلح و جنگ کے معاملات کا فیصلہ کرسکے۔ مناسب سمجھے تو جیسا چاہے معاہدہ کر لے، جسے چاہے توڑ ڈالے، قانون بنائے، موت اور جلا وطنی کی سزائیں دے، جائیدادیں ضبط کر لے اور جب حکام اپنے عہدوں سے سبکدوش ہوں تو ان کی باز پرس کرے (۶)۔ اب اختیارات یا تو عام طور پر سب شہریوں کے ہاتھ میں رہ سکتے ہیں، یا سب کے نہیں تو

---

۵ - لیکن جدید نظریہ ریاست میں شوریٰ، حاکمہ اور عادلہ کی حیثیت مختلف ہے۔ ارسطو کا شوریٰ (مجلس عامہ) کوئی قانون ساز جماعت نہیں تھی، گو قانون سازی اس کے وظائف میں داخل تھی۔ اس کی حیثیت دراصل حاکمہ، بلکہ بعض خاص باتوں میں عادلہ کی تھی۔ بعینہٖ حکام کے ذمے بھی اگرچہ الگ الگ عہدے کر دیے جاتے لیکن ویسے نہیں کہ آج کل طرح ہیئت حاکمہ کا کوئی تصور موجود ہوتا اور اس لئے اس کا وجود شوریٰ سے الگ رکھا جاتا۔ برعکس اس کے وہ شوریٰ کے زیر اقتدار تھی۔ عادلہ بھی قضاۃ کی کوئی جماعت نہیں تھی۔ اس کی حیثیت ان عدالتوں کی تھی جو عوام اور قانون سے ناواقف شہریوں پر مشتمل ہوتیں ــ مترجم

۶ - اس سلسلے میں ملاحظہ ہو فصل سوم باب ۹ واں جس میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ حکام کا انتخاب اور عہدوں سے علیحدگی پر ان کے طرز عمل کی بازپرس ہی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور جس کا رشتہ شوریٰ سے جوڑ دیا گیا ہے ــ مترجم

چند ایک کے ، یا پھر ایکِ یا ایک سے زیادہ حکام کے ، یا کچھ
ایک اور کچھ دوسرے ، یا کچھ سب اور باقی چند ایک کے (۷)۔
جمہوریت کی روح تو یہ ہے کہ ان کا رشتہ سب کے ہاتھ میں
رہے ، کیونکہ جمہوریت سے مقصود ہے مساوات گو یہ معاملہ
بھی کہ یہ سب اختیارات اهل شہر کو سونپ دئے جائیں کئی
صورتیں اختیار کرسکتا ہے ۔ مثلاً یہ کہ باری باری سے
نہ کہ بیک وقت جیسا کہ ٹیلکلیس (۸) نے طےطوس
میں کیا ۔ یا جیسے بعض دوسری ریاستوں میں دستور ہے کہ
مجلس اعلیٰ کی ترکیب حکام کی مختلف جماعتوں سے ہوا کرے (۹) اور
وہ اس طرح کہ اول تو شہر کو انگ الگ قبائل ، الگ الگ علاقوں
اور چھوٹے چھوٹے حلقوں میں تقسیم کر لیں اور پھر یکے
بعد دیگرے ان کو مجالس میں شریک کرتے ہوئے ہر شخص کو
موقعہ دیا جائے کہ انجام کار ریاست کے عہدوں میں حصہ لے

---

۷ - مطلب یہ ہے کہ اس سلسلے میں تین صورتیں اختیار کی جاسکتی
ہیں (۱) ایک یہ کہ جملہ امور کا فیصلہ جملہ شہریوں کے ہاتھ
میں رہے (۲) - دوسری یہ کہ سب نہیں چند شہریوں کے (یا
تو کسی ایک جماعت حکام ، یا حکام کی سب جماعتوں کو
باہم ملا کر ، یا مختلف امور مختلف حکام کے اختیار میں دے کر)
(۳) - تیسری یہ کہ بعض امور تو جملہ اهل شہر ، لیکن بعض ان کی
کسی محدود جماعت کے ہاتھ میں رہیں ــ مترجم

۸ - Tellecles — مترجم

۹ - یعنی حکام کی کسی ایک یا الگ الگ جماعتوں (باصطلاح جدید بورڈ) کا
مشترکہ اجلاس طلب کر لیا جاتا ہے ــ مترجم

سکے (۱۰) ۔ ان ریاستوں میں شہریوں کا عام اجتماع جب ھی ہوتا ہے جب کوئی نیا قانون وضع کرنا ہو، یا کوئی ایسا معاملہ جس کا تعلق پوری قوم سے زیر بحث آ جائے، یا جب حکام کوئی نئی تجویز پیش کرنا چاھیں (۱۱) ۔ تفویض امور کی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ لوگوں کا عام اجتماع تو ہو لیکن صرف وضع قانون، جنگ اور صلح کے فیصلوں یا حکام کے طرز عمل کی باز پرس کے لئے ۔ باقی امور حکام کے ھاتھ میں رھیں (۱۲) مگر الگ الگ محکموں کی صورت میں اور ان کا انتخاب بھی رائے شماری سے کیا جائے، یا قرعہ اندازی سے (۱۳) ۔ لیکن اس کا ایک

---

۱۰ - بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دساتیر میں امور ریاست کا سررشتہ چند شہریوں کے ھاتھ میں رہتا ہے کیونکہ یہ امور اولاً حکام کے زیر اختیار کر دیے جاتے ھیں لیکن حکومت کے عہدے چونکہ سب شہریوں کے لئے (نوبت به نوبت) کھلے رہتے ھیں لہٰذا شوریٰ کا حق سب شہریوں کو پہنچتا ہے، گو باری باری سے — مترجم

۱۱ - لیکن شہریوں کے عام حق شوریٰ کی تحدید سے طرح طرح کے مسائل پیدا ہو جاتے ھیں اور نتیجہ یہ کہ دستور میں عام شوریٰ کا حق صرف چند ایک امور تک محدود رہ جاتا ہے جس کے ساتھ ساتھ یہ قید بھی لگا دی جاتی ہے کہ وہ ان میں باری باری ھی سے حصہ لے سکتے ھیں اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس طرح جملہ امور ریاست کا سررشتہ جملہ شہر کے ھاتھ میں رھیگا — مترجم

۱۲ - یعنی موت، جلاوطنی اور ضبطی جائیداد کی سزائیں — مترجم

۱۳ - ایتھنیہ میں عام رائے یہ تھی کہ حکام کا انتخاب قرعہ اندازی

باقی صفحہ ۳۰۷ پر

اور طریقہ بھی ہے اور وہ یہ کہ حکام کا انتخاب اور ان کے طرز عمل کی باز پرس ، علی ہذا جنگ اور معاہدوں (۱۴) کا فیصلہ تو لوگ بہ حیثیت مجموعی باہم مل کر کریں ، ان کے علاوہ جتنے معاملات ہیں (۱۵) وہ احکام پر جیسے جیسے ان کا

---

بقیہ حاشیہ ۳۰۶

سے ہونا چاہئے تاکہ ہر کسی کو حکومت میں شرکت کا موقعہ مل جائے - انتخاب کی صورت میں البتہ جہاں لیاقت اور قابلیت کا سوال پیدا ہوتا وہاں لوگ اپنے ذاتی اثر سے بھی کامیابی حاصل کرلیتے - لہٰذا اثینیہ میں عہدیداران حکومت کا انتخاب بذریعہ قرعہ اندازی ہی کیا جاتا - سپہ سالاروں اور دوسرے فوجی حکام کا تقرر اس سے مستثنیٰ تھا - طریق انتخاب بھی کچھ عجیب سا تھا جس کی خرابیوں کا تدراک اس طرح کیا جاتا کہ جو کوئی حاکم منتخب ہو اول اس کی صلاحیت اور قابلیت کا اندازہ کرلیا جائے - پھر جیسے جیسے عہدے کے لئے اس کا انتخاب عمل میں آیا ہے اسے اپنے ہاتھ میں لے لے - ثانیاً مجلس کو حق پہنچتا تھا کہ اگر کسی حاکم کے طرز عمل کے خلاف کوئی شکایت کی جائے اور بظاہر معلوم ہوتا ہو اس شکایت کو ٹھیک ماننے کے بہت کافی وجوہ ہیں اس کی تحقیق کا فیصلہ صادر کردے - ثالثاً جو حاکم اپنے عہدے سے سبکدوش ہوتا اس کے طرز عمل اور مالی حیثیت کی جانچ پڑتال کی جاتی ، یا کسی تحقیقاتی مجلس کے سپرد کر دیا جاتا - پھر اگر یہ معاملہ پھر بڑے بڑے عہدوں کا ہوتا تو اسے مجلس شوریٰ (ملاحظہ ہو باب مابعد ۱۵ واں) یا عام عدالتوں کے سامنے پیش کر دیا جاتا — مترجم

۱۴ - یعنی ان امور کے لئے جو سیاست خارجہ سے متعلق ہیں — مترجم

۱۵ - قانون سازی اور تعزیرات کے معاملات — مترجم

انتخاب ہو چھوڑ دیں (۱٦) ۔ البتہ اس امر کا ہمیشہ خیال رکھا جائے کہ جس کسی کا انتخاب جس عہدے کے لئے ہوتا ہے سچ مچ اس کے قابل ہو ۔ اس کی چوتھی صورت یہ ہے کہ مجلس عامہ میں ہر شخص کو ہر معاملے میں حصہ لینے کا حق حاصل رہے ۔ حکام از خود کچھ بھی نہ کرنے پائیں بجز اس کے کہ ہر معاملے کی ابتدا اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کریں ۔ یہ طریقہ خالص جمہوریت کا ہے اور اس طرز عمل سے مشابہ جو موروثی اعیانیت ، یا استبدادی بادشاہت میں اختیار کیا جاتا ہے (۱۸) ۔

یہ ہیں جمہوریتوں میں معاملات کے انتظام و انصرام کی مختلف صورتیں ۔ رہی اعیانیتیں سو وہ اس وقت قائم ہوتی ہے جب اقتدار و اختیار کا سر رشتہ معدودے چند افراد کے ہاتھ میں آجاتا ہے ۔ اس کی پھر متعدد صورتیں ہیں ۔ فرض کیجے حکام کا انتخاب ان لوگوں سے ہوتا ہے جن کی مالی حیثیت متوسط درجے کی ہے اور جن کی تعداد ظاہر ہے اچھی خاصی ہوگی ۔ وہ قانون سے انحراف

---

۱٦ - مطلب یہ ہے کہ ان عہدوں کو انتخابی رکھا جائے — مترجم

۱۷ - یعنی ابتدائی تحقیقات ان کے ذمے ہو — مترجم

۱۸ - ارسطو اس سے پہلے بھی اس خیال کا اظہار کرچکا ہے (ملاحظہ ہو باب چہارم) لیکن یہاں مشکل یہ پیدا ہوتی ہے کہ ارسطو دکھانا تو یہ چاہتا تھا کہ جملہ افراد ریاست جملہ امور ریاست میں کس طرح حصہ لیتے ہیں مگر اس کی انتہا اس بات پر ہوتی ہے کہ نہ تو جملہ افراد ریاست جملہ امور ریاست میں حصہ لیتے ہیں اور نہ جملہ امور ریاست میں جملہ افراد ریاست کو حصہ دیا جاتا ہے — مترجم

و اعراض کی بجائے سختی سے اس پر عمل کرتے ھیں للهذا جب اس درجے کا ھر فرد امور ریاست میں حصه لیتا ھے تو اس صورت میں اگرچه قائم تو اعیانیت ھی ھوگی لیکن ایک ایسی اعتدال پسند حکومت (۱۹) کے رنگ میں جس کی بنیادیں بڑی استوار ھوں - برعکس اس کے اگر بحیثیت مجموعی ان کا شوریٰ میں کوئی دخل نہیں - اس کے لئے چند مخصوص افراد چن لئے جاتے اور وھی قانون کے مطابق حکومت کرتے ھیں تو جب بھی اعیانیت ھی کا قیام عمل میں آئے گا جیسے پہلی صورت میں - لیکن جو لوگ شوریٰ میں حصه لیتے ھیں اگر وھی ایک دوسرے کا انتخاب کرتے اور باپ کے بعد بیٹا جانشین ھوتا ھے ، علاوہ اس کے اگر انہیں یه بھی اختیار ھے که جب چاھیں قوانین کو نظر انداز کر دیں تو اس صورت میں اعیانیت کی گرفت اور بھی مضبوط ھوجائے گی - البته جب کچھ لوگ ایک بات کا فیصله کرتے ھیں ، دوسرے کسی دوسری مثلاً جنگ ، یا صلح کا ، مگر سب اس امر کے مجاز ھوتے ھیں که حکام کے طرز عمل کی باز پرس کرسکیں ، البته باقی سب امور ان عہدیداروں کے ھاتھ میں دے دیے جاتے ھیں (۲۰) جن کا انتخاب رائے شماری یا قرعه اندازی (۲۱) سے ھوتا ھے تو اس

---

۱۹ - یعنی دستور اس حکومت کی جس کو ارسطو نے مدنیت کہا ھے — مترجم

۲۰ - مطلب یه ھے که صلح و جنگ اور حکام سے بازپرس کے اختیارات تو سب شہریوں کے ھاتھ میں رھیں البته باقی امور حکام کے — مترجم

۲۱ - لیکن قرعه اندازی کی صورت میں تو حکومت جمہوریت کی شکل اختیار کر لے گی اس کو امارت سے تعبیر کرنا غلط ھوگا - للهذا

باقی صفحه ۳۱۰ پر

صورت میں حکومت امارت کا رنگ اختیار کرلیگی ، یا آزاد ریاست کا (۲۲) ۔ پھر اگر بعض کا انتخاب رائے سے ہوتا ہے ، بعض کا قرعہ اندازی سے (۲۳) اور وہ بھی (۲۴) یا تو بالعموم سب لوگوں ، یا صرف ان اشخاص سے جن کو پہلے ہی اس غرض کے لئے چن لیا گیا ہے ، یا جب رائے اور قرعہ اندازی دونوں سب کے لئے مشترک ہوں (۲۵) جب بھی ریاست کی شکل ایک حد تک امارت کی ہوگی ، ایک حد تک آزاد ریاست (۲۶) کی ۔ یہ مختلف

---

بقیہ حاشیہ ۳۰۹

بارکر کی رائے ہے کہ قرعہ کا لفظ بعض مرتبین کا اپنا اضافہ کردہ ہے - دراصل ارسطو یہاں پھر وہ تیسری صورت بیان کر رہا ہے جس کے ماتحت بعض معاملات کا فیصلہ بعض لوگوں کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے اور بعض کا بعض کے - بایں همه ارسطو نے یہ نہیں کہا کہ یہ بھی نظم امور کی ایک الگ تھلگ صورت ہے - اعیانیت کے سلسلے میں ضمناً اس کا ذکر کر دیا ہے — مترجم

۲۲ - مدنیت کی — مترجم

۲۳ - یعنی بعض امور ان لوگوں کے ہاتھ میں رہیں جن کا انتخاب رائے سے کیا جائے (بعض ان کا جن کا انتحاب قرعہ اندازی سے ہو) — مترجم

۲۴ - یعنی جہاں تک انتخاب بذریعہ قرعہ اندازی کا تعلق ہے — مترجم

۲۵ - متن زیر ترجمہ میں یہ عبارت کچھ مغلق سی ہے - بارکر نے اس کی تصریح یوں کی ہے کہ قرعہ اندازی سے انتخاب کا طریقہ یا تو سب کے لئے کھلا ہوگا یا محض چیدہ امیدواروں کے لئے — مترجم

۲۶ - بہ الفاظ دیگر پہلا طریق یعنی صرف چیدہ امیدواروں کا انتخاب میں حصہ لینا امارت کا طریق کار ہے - دوسرا یعنی اس قسم کے انتخاب کا سب کے لئے کھلا ہونا آزاد ریاست (مدنیت) کا — مترجم

طریقے ہیں جو مختلف ریاستوں میں شوریٰ کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں اور انہیں میں سے کسی نہ کسی پر وہ عمل بھی کر رہی ہیں (۲۷) ۔

اب جمہوریتوں میں تو اگرچہ یہی بہتر ہے کہ مجالس عامہ کا انعقاد اکثر ہوتا رہے اور جمہوریتوں سے ہمارا مطلب ہے وہ ریاستیں جہاں اقتدار اعلیٰ کی زمام مجموعی طور پر لوگ اپنے ہی ہاتھ میں رکھتے ہیں اور قوانین پر بھی چھا جاتے ہیں (۲۸) ، گو انہیں چاہئے اس معاملے میں اعیانیتوں کی مثال اپنے سامنے رکھیں ، یعنی وہی روش اختیار کر لیں جو اعیانیتوں نے عدالتوں کے بارے میں اختیار کر رکھا ہے (۲۹) ۔ ان کے یہاں قاعدہ ہے کہ جن لوگوں کا تقرر عدالتوں کے لئے کیا جاتا ہے اگر وہ حاضری سے پہلو تہی کریں تو انہیں جرمانے کی سزادی جائے۔ لٰہذا جمہوریتوں کو اس کے برعکس یہ چاہئے کہ اگر غریب مجالس عامہ میں شرکت کریں تو انہیں اس کا صلہ دیا جائے۔ یوں بھی جب شوریٰ میں ہر کوئی دوسرے کا شریک ہوگا ، یعنی عوام اور اشراف دونوں اور وہ(۳۰) باہم مل کر اس میں حصہ لیں گے تو ظاہر ہے اس سے بہتر سے بہتر نتائج مرتب ہوں گے۔ لیکن اگر کہیں یہ ممکن ہے کہ شوریٰ اہل شہر

---

۲۷ - مطلب یہ ہے کہ یہی مختلف شکلیں ان ریاستوں میں دستور کی (حکومت) کی ہیں ــ مترجم

۲۸ - یعنی ان کے اقتدار (حاکمیت Soverignity) سے قانون بھی آزاد نہیں ـــ مترجم

۲۹ - تاکہ جمہوریتوں میں شوریٰ کا نظام بہتر سے بہتر شکل اختیار کرتا رہے ـــ مترجم

۳۰ - متن میں شہری - گویا ارسطو کے 'غریب' ـــ مترجم

کے صرف ایک حصے تک محدود رہے تو اور بھی اچھا ہوگا اس لئے کہ یوں ان دونوں طبقوں کے برابر برابر ارکان بذریعہ رائے، یا بذریعہ قرعہ اندازی منتخب ہو جایا کریں گے (۳۱) - برعکس اس کے اگر عوام کا عمل دخل ریاست میں بہت زیادہ ہے (۳۲) تو جو لوگ شوریٰ میں حصہ لے رہے ہیں انہیں اس کا معاوضہ نہ دیا جائے - معاوضہ دیا جائے تو ان کی صرف اس تعداد کو جو اشراف کے برابر ہے، یا پھر قرعہ اندازی سے کام لیتے ہوئے ان کے زائد حصے کو اس سے خارج کر دیا جائے (۳۳) -

رہی اعیانیتیں سو انہیں چاہئے یا تو عامۃالناس سے کچھ لوگوں کو اس میں شریک کر لیں یا پھر دوسری ریاستوں کی طرح ایک ایسی مجلس قائم کر دیں (۳۴) جو مشیران اولی یا

---

۳۱ - یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ ارسطو کے نزدیک مجلس شوریٰ کو لوگوں کا نمائندہ ہونا چاہئے (جیساکہ آگے چل کر فصل ششم باب سوم میں وہ اپنے اس خیال کا اعادہ کریگا) اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل یونان نمائندہ مجالس کے تصور سے بالکل بے خبر نہیں تھے - چنانچہ ۳۳۷ میں جب اثینیہ میں ایک نیا محالفہ (لیگ League) قائم ہوا تو اس میں دو گونہ شوریٰ کا التزام رکھا گیا جس کا ایک حصہ اثینوی مجلس شوریٰ پر مشتمل ہوتا، ووسرا اس مجلس پر جو دوسری ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل تھی (بارکر بحوالہ کمبرج کی تاریخ قدیم Cambridge Ancient History ج ۴ — ص ۳۷) — مترجم

۳۲ - یعنی اگر ان کی تعداد اشراف سے جو امور سیاست کی کہیں بہتر صلاحیت رکھتے ہیں زیادہ ہو — مترجم

۳۳ - تاکہ اشراف اور عوام کی تعداد یکساں رہے — مترجم

۳۴ - مجلس اولیٰ یا مجلس نگران قانون جو اول امور پیش نظر پر غور کرتی اور پھر عوام سے مشورہ لیتی ہے — مترجم

محافظین قانون پر مشتمل ہوتی ہے اور جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ جس امر کو قانونی شکل دینا منظور ہے اسے اس مجلس میں اول تجویز کے طور پر پیش کیا جائے۔ یوں عام لوگ بھی ریاست کی عمل داری میں شریک ہوجائیں گے (۳۵) اور اس کے باوجود حکومت میں کوئی خلل پیدا نہیں ہوگا (۳۶) ۔ انہیں یہ حق بھی دیا جاسکتا ہے کہ جو امر زیر بحث ہے اس پر اظہار رائے تو کریں لیکن یہ نہیں کہ اس کے خلاف کوئی تجویز پیش کرسکیں (۳۷) ، یا وہ جس معاملے میں چاہیں مشورہ تو دیں ، لیکن فیصلہ حکام ہی کے ہاتھ میں رہے (۳۸) ۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اعیانیتوں میں جمہوریتوں کے برعکس لوگ معافی تو دے سکیں لیکن انہیں سزا دہی کے اختیارات حاصل نہ ہوں تاکہ فصل مقدمات میں لوگ حکام ہی سے رجوع کریں جیسے جمہوریتوں میں معافی کا حق تو بہت تھوڑوں کو دیا جاتا ہے لیکن سزا دہی کو بحیثیت مجموعی لوگوں پر چھوڑ دیا جاتا ہے (۳۹) ۔ یہی کچھ مختلف صورتیں ہیں کسی

---

۳۵ - شوریٰ میں حصہ لیتے ہوئے۔ گو دستور کی کسی شق کی تنسیخ کا انہیں کوئی حق نہیں ہوگا — مترجم

۳۶ - ملاحظہ ہو حاشیہ ماسبق — مترجم

۳۷ - یعنی ویسی ہی تجاویز پیش کریں جس قسم کی تجاویز حکومت پیش کرچکی ہے — مترجم

۳۸ - یا یہ کہ لوگ شوریٰ میں تو حصہ لیں مگر اس کا سررشتہ حکام کے ہاتھ میں رہے — مترجم

۳۹ - لیکن بارکر میں معافی اور سزا دہی کی بجائے تجاویز کے رد و قبول کا ذکر ہے۔ ایسے ہی جمہوریتوں کی بجائے مدنیتوں کا۔ گویا متن زیر ترجمہ کے خلاف بارکر کی عبارت یوں ہوگی

باقی صفحہ ۳۱۳ پر

ریاست میں شوریٰ کے تصفیے ، علیٰ ھذا اس امر کا کہ اس کا سررشتہ
کے ھاتھ میں رھنا چاھئے (۴۰) ۔

بقیہ حاشیہ ۴۱۳
کہ عوام کو یہ اختیار تو حاصل ھونا چاھئے کہ جس تجویز
کو چاھیں رد کردیں لیکن اسے قبول نہ کرسکیں ۔ اس میں
پھر حکام سے رجوع کیا جائے ۔ مدنیتوں میں اس کے برعکس
حکام جس تجویز کو چاھیں رد تو کرسکتے ھیں منظور نہیں
کر سکتے ۔ منظوری کے لئے عوام سے رجوع کرنا پڑتا
ھے ۔۔۔ مترجم

۴۰ ۔ ارسطو اس سے پہلے بھی (فصل سوم باب یازدھم اور زیادہ وضاحت کے
ساتھ فصل دوم باب ششم) ریاست کے دو عناصر شوریٰ اور حاکمیت
کو باھم مترادف ٹھرا چکا ھے ۔۔۔ مترجم

# پندرھواں باب

رھا حکام کے انتخاب کا معاملہ سو اس پر ھمیں کئی پہلوؤں سے غور کرنا ھے اس لئے کہ جہاں تک عام نظم و نسق کی اس شاخ کا تعلق ھے اس کے متعدد پہلو ھیں (۱)۔ مثلاً یہ کہ حکام کی تعداد کیا ھو، ان کے مخصوص عہدے کیا ھیں، وہ کب تک اپنے عہدوں پر قائم رھیں؟ بعض ریاستوں (۲) میں تو عہدوں کی میعاد چھ ماہ سے زیادہ نہیں ھوتی، بعض میں اور بھی کم، بعض میں ایک سال، لیکن بعض میں اس سے بھی زیادہ۔ یا پھر یہ بھی ھو سکتا ھے کہ اس مدت کو دوامی کر دیا، یا بہت زیادہ بڑھا دیا جائے، یا ان دونوں میں سے ھم کوئی ایک طریقہ بھی اختیار نہ کریں (۳)۔ ایسے ھی یہ بھی ممکن ھے کہ ایک ھی شخص کا بار بار ایک عہدے پر تقرر ھوتا رھے، یا پھر دو مرتبہ نہیں صرف ایک مرتبہ۔ لیکن ابھی ایک

---

۱ - لہٰذا ان کی تصریح دستور حکومت میں کر دینی چاھئے، کیونکہ شوریٰ کی طرح اس سلسلے میں بھی از روئے آئین متعدد طریقے اختیار کئے جاسکتے ھیں — مترجم

۲ - کوئی صورت اختیار کرلیں یعنی از روئے دستور، کیونکہ یہ ساری بحث دستور حکومت ھی کی ھے — مترجم

۳ - یعنی نہ دوامی، نہ کافی مدت کے لئے، بلکہ یہ کہ ھر عہدے کی میعاد بہت کم ھو — مترجم

دوامی کا مطلب ظاھر ھے یعنی جب تک کوئی شخص کسی عہدے پر مقرر رھے، یا مقرر رہ سکتا ھے — مترجم

اور بات ہے جس کا اس سلسلے میں لحاظ رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ عہدوں کا اہل کون ہے ؟ ان کا انتخاب کون کرے گا اور کیسے ؟ لہذا ان سب طریقوں میں به احتیاط فرق کرتے ہوئے دیکھنا یہ چاہئے کہ جیسی کوئی حکومت ہے اس میں کون سا طریقہ بہتر رہے گا۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم حاکم کہیں تو کسے ۔ اس لئے کہ اگر حکومت (۴) کا وجود ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ متعدد افراد کسی نہ کسی عہدے پر قائم ہوں ۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو ہے نہیں کہ ہر عہدیدار کو ، خواہ اس کا انتخاب رائے شماری سے ہو یا قرعہ اندازی سے حاکم ٹھہرایا جائے۔ مثلاً پروہت ہیں ۔ ان کا منصب حکام ریاست کے منصب سے قطعی مختلف ہوتا ہے۔ ایسے ہی سنگیت ساز (۵) اور نقیب جن میں سفیروں کو بھی شامل کر لینا چاہئے ۔ حالانکہ ان کا تقرر بھی بذریعہ انتخاب عمل میں آتا ہے ۔ بعینہ وہ ملکی امور جن کو شہری باہم مل کر سرانجام دیتے ہیں ۔ مثلاً جب سپاہیوں کی حیثیت سے انہیں سپہ سالار کی اطاعت کرنا پڑتی ہے ، یا جب ہر کسی کو نہیں تو بعض کو کسی نہ کسی کام میں شریک ہونا پڑتا ہے جیسے عورتوں کی نگرانی یا نوجوانوں کی تعلیم میں (۶) ۔ یا پھر معاش کے معاملات ہیں جن

---

۴ - بمعنی اجتماع سیاسی — مترجم

۵ - یونان میں رواج تھا کہ تیوہاروں کے موقع پر جو ناٹک کھیلے جاتے ان کے لئے بڑی بڑی رقمیں خرچ کر کے سنگیت طیار کرائے جاتے ۔ یوں سنگیت نویسی نے گویا ایک عہدے کی صورت اختیار کرلی — مترجم

۶ - یہ گویا حاکموں کی صنف اول ہے (اور حاکم کا مطلب ہے

باقی صفحہ ۳۱۷ پر

کے لئے اکثر کسی جنس پیا (۷) کا تقرر ضروری ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی محنت مزدوری کا سلسلہ ہے کہ اگر لوگوں کے پاس روپیہ ہے تو وہ اس پر غلاموں کو لگا دیں گے (۸)۔ لیکن حاکم تو صرف اسی شخص کو کیا جاتا ہے جو مجلس شوریٰ کا رکن ہو یا فصل مقدمات میں حصہ لے، یا اس بات کا مجاز ہو کہ کسی خاص حیثیت سے دوسروں کو حکم دے۔ یوں بھی حاکم کہا جاتا ہے تو کسی ایسے ہی شخص کو اس لئے کہ حاکم کا امتیازی وصف ہی یہ ہے کہ اسے حکم دینے کا اختیار ہو۔ باین ہمہ یہ سوال

---

بقیہ حاشیہ ۳۱۶

آج کل کی اصطلاح میں حکومت کے شعبہ حاکمہ کا کوئی عہدیدار)۔ اس صنف کی نوعیت گویا سیاسی ہے۔ للہذا بعض موقعوں پر جملہ افراد ریاست کو (جیسے سپہ سالار کی مثال دی گئی ہے) کسی معاملے میں کوئی حکم ماننا پڑتا ہے۔ یا جب ریاست چاہتی ہے اس کے سب شہری کسی خاص بات میں ایک خاص طرز عمل اختیار کرلیں، سب نہیں تو ان کا ایک حصہ، مثلاً تعلیم یا عورتوں کے طرز زندگی کے معاملہ میں — مترجم

۷ - حاکموں کی دوسری صنف گویا معاشی ہے - مثلاً جنس پیا کا تقرر جیسا کہ بعض ریاستوں کا دستور ہے — مترجم

جنس پیا کا مطلب ہے وہ عہدیدار جس کا کام یہ تھا کہ لوگوں میں غلہ تقسیم کریں — مترجم

۸ - یہ گویا محنت مزدوری کے کام ہیں اور یہاں غلاموں سے مراد نجی غلام نہیں، بلکہ وہ جن کو دولتمند حکومتیں اس قسم کے کاموں پر لگا دیتی ہیں — مترجم

کچھ ایسا اہم نہیں (۹) ، نہ عدالت کا یہ کام ہے کہ اگر لوگوں میں الفاظ کے بارے میں کچھ اختلافات قائم ہیں تو ان کا فیصلہ کرنے لگے (۱۰) ۔ یہ کام اہل غور و فکر کا ہے ۔ لہٰذا ہمیں غور کرنا ہے تو اس امر پر کہ کس قسم کے حکام ہیں جن کی ریاست کو ہمیشہ ضرورت رہے گی ، ان کی تعداد کیا ہونی چاہئے اور باوجودیکہ حکومت خوش اسلوبی سے قائم ہے اس کا کتنے اور حاکموں سے کام لینا سود مند ثابت ہوگا ۔ خواہ فی الحقیقت ان کی کوئی ضرورت نہ ہو (۱۱) ۔ یہ امور ہیں جن پر بسلسلہ ریاست ہمیں غور کرنا ہے ۔ حتیٰ کہ اس صورت میں بھی جب شہر (۱۲) بڑے ہوں ، نہ چھوٹے (۱۳) ۔

بڑی بڑی حکومتوں میں تو یہی مناسب ہے کہ ایک شخص کو ایک ہی عہدہ دیا جائے ، کیونکہ کثرت

---

۹ - کہ حاکم کی تعریف دراصل کیا ہے ۔ گو صحیح معنوں میں عہدوں یا مناصب حکومت (اور اس لئے عہدیداروں یا حاکموں) کا تعلق عادلہ ، حاکمہ اور شوریٰ ہی سے ہے — مترجم

۱۰ - اس لئے کہ یہ کوئی عملی مسئلہ نہیں — مترجم

۱۱ - مطلب یہ ہے کہ دستور کی بحث میں ہمیں اس بات کو بخوبی سمجھ لینا چاہئے کہ عہدیداران حکومت کی ایک صنف تو وہ ہوگی جس کے بغیر ریاست کا وجود ہی ممکن نہیں ۔ ایک وہ جس کی اس لئے ضرورت ہے کہ ایک اچھا دستور وضع ہوسکے ۔ یہ دوسری بات ہے کہ محض کاروبار حکومت کے لئے ان کا وجود ضروری نہ ہو — مترجم

۱۲ - یعنی ریاستیں اور اس لئے بسلسلہ ریاست کا مطلب ہے بسلسلہ دستور ریاست — مترجم

۱۳ - چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے پیش نظر تو یہ مسئلہ اور زیادہ اہم ہوجاتا ہے — مترجم

تعداد کے باعث بہت زیادہ لوگ ریاست کی خدمت کے لئے آمادہ ہوں گے ۔ لہٰذا ہوسکتا ہے ان میں سے بعض کو اس کا موقعہ ہی نہ ملے (۱۴) ، یا ملے تو بہت دیر کے بعد ، یا یہ کہ انہیں کوئی عہدہ ملے تو ایک ہی مرتبہ ۔ اب کام تو جب ہی ہوتا ہے کہ اسے ایک ہی شخص سرانجام دے ۔ یوں نہیں کہ متعدد افراد اس میں حصہ لیں (۱۵) ۔ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تو معدودے چند شہریوں ہی کو جملہ امور ریاست سرانجام دینا پڑتے ہیں اس لئے کہ ان کی تعداد کم ہوتی ہے اور یہ ممکن نہیں ہوتا کہ ایک ہی وقت میں بہت سے لوگوں سے کام لیا جائے ۔ وہ اپنے عہدوں سے الگ ہوئے تو ان کی جگہ کون لیگا ؟ ان کے یہاں بھی ویسے ہی حکام اور ویسے ہی قوانین کی ضرورت ہوتی ہے جیسے بڑی بڑی ریاستوں میں ۔ گو ایک میں ان سے کام لینے کا اتنا موقعہ نہیں جتنا دوسری میں(۱۶) ۔ ان کے یہاں ممکن ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص کو مختلف کاموں پر لگا دیا جائے اور اس سے کوئی الجھن بھی پیدا نہیں ہوگی ، کیونکہ وہ ایک دوسرے کے معاملات میں دخل نہیں دیں گے اور بہ سبب قلت تعداد دیں گے بھی نہیں (۱۷) دراصل

---

۱۴ - اس لئے بہتر ہے حکومت کے ہر وظیفے کے لئے ایک الگ عہدہ یا منصب قائم کیا جائے تاکہ تقسیم مناصب وسیع سے وسیع پیمانے پر ہوسکے اور دستور بہتر سے بہتر شکل اختیار کر لے — مترجم

۱۵ - ملاحظہ ہو فصل اول — مترجم

۱۶ - یعنی بڑی بڑی ریاستوں میں — مترجم

۱۷ - بارکر کا ترجمہ اس سے مختلف ہے اور بقول اس کے نہایت

باقی صفحہ ۳۲۰ پر

طے کرنے کی بات یہ ہے کہ ہر شہر میں حکام کی تعداد کیا ہونی چاہئے۔ لازماً نہیں تو ازروئے مصلحت ۔ یہ طے ہوجائے تو پھر یہ بھی طے کیا جاسکتا ہے کہ وہ کون کون سے عہدے ہیں جو ایک ہی عہدیدار کے سپرد کئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ ہمیں ان معاملات کا علم ہو جن کے لئے کسی ہیئت حاکمہ کا وجود ضروری ہے جیسے یہ کہ وہ کیا امور ہیں جن کا ہر عہدیدار کو علم ہونا چاہئے (۱۷) ۔

---

بقیۂ حاشیہ ۳۱۹

درجہ آزاد - متن زیر ترجمہ کی رو سے ''وہ ایک دوسرے کے معاملات . . . میں'' وہ کا اشارا حکام ریاست کی طرف ہے - ارسطو کہتا ہے وہ ایک دوسرے کے معاملات میں دخل نہیں دینگے ، نہ بہ سبب قلت تعداد ان کو ایسا کرنا چاہئے - اس پر بارکر نے الفاظ ذیل کا اضافہ کر دیا ہے کہ اگر ایسا کیا گیا تو ان کی حیثیت ہر فن مولا کی ہوجائے گی - ہر فن مولا لفظ ترجمہ ہے (Spit) کا جس میں بقول ارسطو چراغ بھی رکھا جاسکتا ہے - نیز ملاحظہ ہو فصل اول باب دوم جہاں ان معنوں میں 'ڈیلفوی تلواروں' کا ذکر کیا گیا ہے — مترجم

۱۸ - سیدھے سادے الفاظ میں اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حکام کی بحث میں ہمیں اس امر کا قطعی طور پر علم ہونا چاہئے کہ وہ کیا معاملات ہیں جو مقامی عہدیداروں کے ذمے کئے جاسکتے ہیں اور وہ کیا جن کی نگرانی کسی مرکزی عہدیدار یا ہیئت حاکمہ کے - اس لئے کہ بعض معاملات خاص خاص رقبوں یا حلقوں سے مخصوص ہوتے ہیں - لہٰذا ان کی اہمیت بھی مقامی ہوتی ہے - بعض جن کا تعلق ہر فرد ریاست سے

باقی صفحہ ۳۲۱ پر

مثلاً [1] آداب اور اطوار (۱۹) ۔ ان کی نگرانی کون کریگا ؟ کیا نگران بازار ؟ اور وہ بھی اس صورت میں جب اس قسم کا کوئی معاملہ سچ مچ (۲۰) بازار میں پیش آجائے اور اس لئے دوسری جگہ پر کوئی دوسرا ۔ یا یہ کہ اس کا تعلق ایک ھی عہدیدار سے ھوگا ؟ یا پھر یہ کہ جیسا کوئی معاملہ ھے ویسا ھی اس کا فیصلہ کیا جائے۔ یا جیسا کسی فریق سے اس کا تعلق ھے اس کے پیش نظر(۲۱) ۔ مرد ھیں تو مردوں کی رعایت سے اور عورتیں ھیں تو عورتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ مزید یہ کہ مختلف ریاستوں میں کیا حکام کی حیثیت بھی مختلف ھونی چاھئے ، یا ایک سی (۲۲) ؟ مطلب یہ ھے کہ جمہوریت

---

بقیہ حاشیہ ۴۲۰

ھوتا ھے ان کے لئے کسی مرکزی نظم و نسق کی ضرورت ھوگی ۔ یہاں ارسطو نے واضع طور پر مقامی اور مرکزی حکومت کا امتیاز قائم کیا ھے ۔ عام خیال یہ ھے کہ اھل یونان اس امتیاز سے ناواقف تھے — مترجم

۱۹ ۔ آج کل کی اصطلاح میں امن و قانون کو برقرار رکھنے کے — مترجم

۲۰ ۔ بازار سے مطلب ھے نخاس اور مسلئہ یہ ھے کہ امن و قانون کو برقرار رکھنے کا معاملہ ایک ھی شخص کے ھاتھ میں رھے یا مختلف مقامات پر مختلف شخصوں کے — مترجم

۲۱ ۔ ایک ھی عہدیدار سے . . . اگر ھماری نظر اس عہدے کے وظائف پر ھے اور مختلف عہدیداروں سے اگر ھماری نگاھیں مختلف قسم کے لوگوں (یعنی ان کے طبقات) پر ھیں — مترجم

۲۲ ۔ ریاستوں یعنی جیسی کسی دستور کے ماتحت کوئی ریاست قائم ھوتی ھے اور اس لئے سوال یہ ھے کہ مناسب حکومت ، یا حکام کی نوعیت کیا ھر دستور کے پیش نظر بدل دی جاتی ھے — مترجم

ہو ، یا اعیانیت ، امارت ، یا بادشاہت ہر کہیں ایک ہی سے حکام ہوں گے اور ان کے اختیارات بھی یکساں ، یا جیسا جیسا کسی حکومت میں اختلاف ہے ویسے ہی ان کی شکل بھی بدلتی رہے گی ؟ امارت ہے تو ریاست کے عہدے صرف ان لوگوں کو ملیں گے جو واقعی تعلیم یافتہ ہیں ۔ اعیانیت کی صورت میں انہیں جن کے پاس مال و دولت ہے ، جمہوریت میں آزادوں کو ۔ گویا جیسا جیسا کوئی اجتماع ہے ویسا ہی اختلاف حکام میں بھی ہونا چاہئے (۲۳) ۔ اس لئے کہ جو بات ایک جگہ مناسب ہوگی دوسری جگہ غیر مناسب اور اس لئے ایک ریاست میں تو حکام کو بڑے بڑے اختیارات دیے جائیں گے دوسری میں بہت کم ۔ یوں بھی بعض عہدے بعض ریاستوں ہی سے مخصوص ہوتے ہیں ۔ مثلاً مشیران اول کا عہدہ جس کی جمہوریت میں کہیں جگہ نہیں ۔ ہے تو مجلس عمائد کی (۲۴) ، گو اس صورت میں بھی کسی ایسی جماعت کی ضرورت بہر حال باقی

---

۲۳ - ''جیسا جیسا کوئی اجتماع ہے . . . یعنی جیسا جیسا کوئی دستور ہے — مترجم

۲۴ - اثینیہ میں ارکان مجلس شوریٰ (مشیروں) کی تعداد ۵۰۰ تھی (انگریزی میں کونسل) (یونانی میں بولے) اور ارسطو کے نزدیک جمہوریت کے عین مناسب جو گویا ایوان ثانی کا کام بھی دے سکتی تھی (آج کل کے دو - ایوان مجلس قانون ساز کی طرح) - مشیران اول کی جماعت اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ مختصر تھی اور اس کی تشکیل بھی بذریعہ انتخاب ہوتی - ارسطو کا خیال تھا کہ جمہوریت کے لئے اس قسم کی جماعت موزوں نہیں کیونکہ اس کا کام عوام کے اختیارات پر ایک طرح کی روک عائد کرنا ہے - بہرحال اثینیہ میں یہ مجلس کبھی کبھار ہی قائم ہوتی مثلاً ۴۱۳ میں جب صقلیہ پر فوج کشی کی گئی — مترجم

رھتی ھے جو ان تجاویز پر جن کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا ھے منظوری سے پہلے سے غور کر رکھے ، تاکہ وہ اپنے معاملات سے بخوبی عہدہ برا ھوتے رھیں ۔ یہ دوسری بات ھے کہ ریاست اگر جھوٹی ھے تو اس صورت میں اس کا رحجان اعیانیت کی طرف ھوجائے گا لہٰذا مشیران اول کی تعداد کم ھی رکھنی چاھئے ، کیونکہ ان کا وجود اعیانیت ھی کے لئے مخصوص ھے ۔ البتہ جس ریاست میں یہ دونوں جماعتیں (۲۵) موجود ھیں وھاں مشیران اول کا عہدہ عمائد سے برتر ھوگا اور ایک کے (۲۶) اختیارات اگر جمہوریت کا رنگ اختیار کر لیں گے تو دوسرے کے اعیانی (۲۷) ۔ یہی وجہ ھے کہ جمہوریتوں میں عمائد کو کوئی خاص اختیارات حاصل نہیں ھوتے ۔ وھاں لوگ مجالس عامہ کے ذریعے خود ھی اپنے معاملات طے کرلیتے ھیں ۔ مگر یہ جب ھی ھوتا ھے جب لوگ عام طور پر خوش حال ھوں ، یا جب مجالس کی شرکت بلا معاوضہ نہ ھو (۲۸) کیونکہ اس صورت میں انہیں اتنی فرست مل جاتی ھے کہ ھر معاملے کا فیصلہ باھم مل کر کرسکیں ۔ رھے وہ حکام جن کا فرض منصبی یہ ھے کہ لڑکوں یا عورتوں کے عادات و

---

۲۵ - عمائد ، یا زیادہ صحیح الفاظ میں ارکان شوریٰ اور مشیران اول ـــ مترجم

۲۶ - عماید یا ارکان شوریٰ پر ـــ مترجم

۲۷ - دوسرے یعنی مشیران اول چونکہ ایک طرح کا اعیانی عنصر ھے لہٰذا وہ ارکان شوریٰ (پہلے عنصر) کے خلاف ایک قسم کی روک کا کام دیں گے ـــ مترجم

۲۸ - زیادہ صحیح معنوں میں غالباً ارسطو کا کہنا یہ ھے کہ معاوضہ کی شرح بہت زیادہ ھو ـــ مترجم

اطوار کی نگرانی کریں ، یا اس قسم کا کوئی دوسرا فریضہ سرانجام دیں ان کا وجود امارتوں ہی سے مختص ہوگا ۔ جمہوریتوں میں ایسا کوئی عہدہ نہیں ہوتا ۔ وہاں کسے جرأت ہے کہ غریبوں کی بیویوں کو گھر سے باہر کی زندگی میں حصہ لینے سے روکے ۔ اعیانیت میں بھی اس قسم کے حکام کے لئے کوئی جگہ نہیں ۔ ان کے یہاں بھی عورتوں کی نزاکت کا یہ عالم ہوگا کہ اس طرح کی کوئی پابندی برداشت نہیں کریں گی (۲۹) ۔ یہ تو ہوئے مختلف قسم کے عہدے ۔ اب ہمیں ان اصولوں کے ماتحت جن کو ہم بنیادی قرار دے چکے ہیں ان کے تقرر کے مسئلے پر غور کرنا ہے ۔ اس سلسلے میں جو اختلاف ہے اس کا تعلق تین باتوں سے ہے جن پر نظر رکھ لی جائے تو جملہ اختلافی صورتیں ہمارے سامنے آجائیں گی ۔ اختلاف کی بنائے اول تو یہ ہے کہ حکام کا تقرر کیا لوگوں کے ہاتھ میں ہونا چاہئے ، دوسری یہ کہ حکام ہوں گے تو کون اور تیسری یہ کہ ہم ان کا تقرر کیسے کریں گے ؟ یہ تین باتیں ہیں جن کے پیش نظر تین مختلف صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں ۔ یا تو سب شہری مجموعی طور پر حکام کا تقرر کریں ، یا سب میں سے کچھ، یا آبادی کا کوئی حصہ بہ اعتبار مال و زر ، یا بہ اعتبار حسب و نسب اور فضائل ذات ، یا پھر کسی اور قاعدے کے ماتحت (جیسا کہ مگارا میں دستور رہا ہے کہ حق انتخاب صرف ان لوگوں تک محدود تھا جو ایک ساتھ اپنے اپنے گھروں میں واپس آئے اور بزور شمشیر ان پر قابض ہوگئے) یعنی خواہ بذریعہ انتخاب ، خواہ بذریعہ قرعہ اندازی یا پھر ان مختلف صورتوں کو باہم جمع کرتے ہوئے

---

۲۹ - اس لئے کہ وہ بڑے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتی ہیں - جمہوریتوں میں آزادانہ ــــ مترجم

ایک نئی صورت پیدا کرلی جائے اور وہ یہ کہ بعض حکام کا انتخاب تو لوگوں کا ایک حصہ کرے ، بعض کا سب مل کر۔ بعض کا لوگوں کے ایک حصہ سے ہو ، بعض کا سب سے ۔ بعض کا ویسے ہی انتخاب کر لیا جائے ، بعض کا قرعہ اندازی سے ۔ لیکن ہم کوئی سا طریق بھی اختیار کریں آخر آخر میں یہ سب طریقے چار مختلف شکلیں اختیار کر لیں گے (۳۰) ۔ اس لئے کہ یا تو سب بلاامتیاز و بلاتفریق

---

۳۰ - ارسطو کا یہ بیان قدرے تصریح طلب ہے - ہمیں معلوم ہے حکام کے تقرر میں مختلف طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں - ارسطو کہتا ہے اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ یہ معاملہ سب شہریوں یا ان کے ایک فریق کے سپرد کر دیا جائے - یہ صورت اختیار کی گئی تو حکام کے تقرر میں آٹھ مختلف طریقے ہمارے سامنے ہوں گے - چار اس وقت جب سب شہری ان کے تقرر میں حصہ لیں گے ، چار اس وقت جب ان کا کوئی مخصوصی فریق - لیکن ارسطو کے نزدیک دو اور صورتیں بھی ہیں جن میں سے ہم کسی ایک کا انتخاب کرسکتے ہیں - ایک یہ کہ سب شہریوں کو بطور حاکم تقرر کا اہل سمجھا جائے یا سب کو نہیں تو بعض کو - دوسری یہ کہ طریق انتخاب یا تو انتخاب ہو یا قرعہ اندازی (قطع نظر اس سے کہ یہ صورت اول ہم کون سا طریق اختیار کر رہے ہیں) - یوں ارسطو نے وہ تینوں باتیں واضع کر دی ہیں جو پہلی صورت کے سلسلے میں کسی ایک طریق کے ماتحت اختیار کی جاسکتی تھیں - مگر پھر یہ بھی تو ممکن ہے کہ ہم کسی ایک طریق پر عمل کرنے کی بجائے سب کو باہم ملا دیں جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان تین متبادل صورتوں کی بجائے

باقی صفحہ ۳۲۶ پر

سب کا بذریعہ رائے دہندگی ، یا بذریعہ انتخاب، یا قرعہ اندازی کریں گے۔ یا اپنے اپنے قبیلوں علاقوں اور برادریوں سے اور وہ اس طرح کہ سب کو اس کا موقعہ مل جائے ۔ یا پھر بعض کا انتخاب ایک طریقے سے کیا جائے گا ، بعض کا دوسرے سے (۳۱) ۔ یا بعض کا سب شہریوں کی رائے یا سب کی قرعہ اندازی سے، یا بعض کا رائے اور بعض کا قرعہ اندازی سے، یا اس طرح یا اس طرح ، یعنی بعض کا سب کی

---

بقیہ حاشیہ ۴۲۵

جن کا ذکر ارسطو نے کیا ہے ان کے تین امتزاجات ہمارے سامنے ہوں گے ۔ ارسطو ان میں سے صرف ایک یعنی پہلے کا ذکر کرتا ہے (اور وہ یہ کہ سب شہری یا کچھ ، یعنی شہریوں کا کوئی حصہ انتخاب میں حصہ لے ۔ اسے ان دونوں صورتوں کا امتزاج منظور ہے) ۔ باقی دو کا ذکر نہیں کرتا (ایک اس کا کہ سب کو تقرر کا اہل سمجھا جائے ، یا سب کی بجائے صرف کسی ایک فریق کو دوسرا رائے شماری اور قرعہ اندازی دونوں کے استعمال کا) اور کہتا ہے کہ اس صورت میں ہم چار مختلف طریقے اختیار کرسکتے ہیں جن میں آٹھ وہ طریقے بھی شامل کرلینا چاہئے جن کی طرف اس سے پہلے اشارا کردیا گیا تھا ۔ بایں ہمہ ارسطو نے ان چار طریقوں کی وضاحت نہیں کی ، گو امتزاج اول کی صورت میں اس نے سب اور کچھ کو جس طرح باہم ملایا ہے اس کے پیش نظر ان چار طریقوں کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ (۱) سب اور کچھ سب سے بذریعہ انتخاب تقرر کریں (۲) یاسب سے بذریعہ قرعہ اندازی (۳) یا کسی ایک فریق سے بذریعہ انتخاب (۴) یا بذریعہ قرعہ اندازی — مترجم

۳۱ - یعنی بطریق رائے شماری اور بطریق قرعہ اندازی اور یہ ہوئیں باقی دو شکلیں — مترجم

رائے اور بعض کا سب کی قرعہ اندازی سے ۔ لیکن اگر یہ دونوں شکلیں الگ الگ رکھی جائیں ، یا ان کو باہم ملا لیا گیا تو انتخاب حکام کے بارہ مختلف طریقے ہمارے سامنے ہوں گے جن میں سے دو جمہوریت کے لئے بالخصوص موزوں ہیں ۔ جمہوریتوں کو چاہئے عہدیدار ان حکومت کا انتخاب جمہور سے کریں ، رائے شماری یا قرعہ اندازی ، یا رائے شماری اور قرعہ اندازی دونوں سے یعنی بعض کا رائے شماری اور بعض کا قرعہ اندازی سے (۳۲) ۔ آزاد ریاستوں کے لئے البتہ یہ بہتر ہوگا کہ سب کے سب ایک ساتھ انتخاب میں حصہ نہ لیں ۔ انہیں چاہئے بعض کا سب ، یا سب نہیں تو کسی خاص جماعت سے کریں ۔ خواہ قرعہ اندازی ، خواہ رائے شماری خواہ قرعہ اندازی اور رائے شماری دونوں سے ۔ یا سب سے ، یا چند مخصوص افراد سے جیسے جی چاہے رائے شماری ، یا قرعہ اندازی سے (۳۳) ۔ اعیانیتوں کو چاہئے بعض حکام کا انتخاب

---

۳۲ - زیادہ واضع الفاظ میں ان دو طریقوں کو یوں بیان کرنا چاہئے (۱) سب بذریعہ انتخاب (رائے شماری) ، یا بذریعہ قرعہ اندازی سب سے تقرر کریں - (۲) یا سب بذریعہ انتخاب اور بذریعہ قرعہ اندازی سب سے — مترجم

۳۳ - گویا آزاد ریاستوں یا مدنیتوں کے لئے ذیل کے چار طریقے موزوں رہیں گے - (۱) سب انتخاب ، یا قرعہ اندازی یا انتخاب اور قرعہ اندازی سے سب سے تقرر کریں لیکن اسی طرح کہ اول شہریوں کے ایک فریق سے جس کے بعد دوسرے فریق کا رخ کیا جائے - (۲) سب بعض عہدوں کے لئے تو سب میں سے ، بعض کے لئے البتہ بعض ، یعنی کسی ایک فریق سے - رائے یا قرعہ ، یا رائے اور قرعہ اندازی دونوں سے - (۳) کچھ سب سے لیکن

باقی صفحہ ۳۲۸ پر

سب شہریوں سے کریں ، بعض کا رائے شماری سے ۔ لیکن بعض کا قرعہ اندازی اور بعض کا رائے اور قرعہ دونوں ذریعوں سے (۳۴) ، گو حکومت کی اس شکل کے لئے قرعہ اندازی کا طریق سب سے زیادہ موزوں رہے گا ۔ رہیں آزاد امارتیں (۳۵) سو ان میں بعض کا انتخاب تو لوگوں سے کرنا چاہئے ، بعض کا کسی مخصوص جماعت سے ۔ یا پھر اول الذکر کا انتخاب تو رائے شماری سے کیا جائے ثانی الذکر کا قرعہ اندازی سے (۳۶) ۔ خالص اعیانیتوں میں البتہ حکام کا انتخاب مخصوص جماعتوں سے ہوگا اور وہ بھی چند مخصوص افراد کے ذریعے ۔ لیکن بعض کا قرعہ اندازی ، بعض کا رائے شماری اور قرعہ اندازی دونوں سے (۳۷) ۔ جمہور سے حکام کا انتخاب اس طرز حکومت کے لئے

---

بقیہ حاشیہ ۴۲۷

بعض کا رائے ، بعض کا قرعہ اندازی سے (ملاحظہ ہو ح - ۳۰ یعنی جب کسی مدنیت کا رحجان اعیانیت کی طرف ہو ) ۔
(۴) لیکن اگر کوئی آزاد ریاست امارت کی طرف مائل ہے تو کچھ کا سب اور کچھ کا دونوں سے بیک وقت ، یعنی بعض عہدوں کے لئے تو سب اور بعض کے لئے کسی خاص فریق سے — مترجم

۳۴ - لیکن یہاں اعیانیتوں سے مراد ہے وہ آزاد ریاستیں جو اعیانیت کی طرف مائل ہیں — مترجم

۳۵ - یعنی وہ آزاد ریاستیں جن کا رحجان امارت کی طرف ہے — مترجم

۳۶ - مطلب یہ ہے کہ خواہ بذریعہ انتخاب ، خواہ بذریعہ قرعہ اندازی، یا بعض عہدوں کے لئے صرف قرعہ اندازی، یا صرف رائے شماری اور بعض کے لئے صرف قرعہ اندازی سے — مترجم

۳۷ - یعنی تقرر کرنے والا بھی کوئی ایک فریق ہوتا ہے (اہل دولت) اور تقرر بھی کسی فریق ہی سے کیا جاتا ہے — مترجم

بہر حال موزوں نہیں رہیگا۔ امارت کی شکل میں بھی یہی مناسب ہے کہ ان کا انتخاب چند مخصوص افراد تک محدود رکھا جائے اور اس کا انحصار بھی صرف رائے شماری پر ہو(۳۸) ۔ یہ ہیں انتخاب حکام کے مختلف طریقے جن کی تعیین جیسا جیسا کوئی اجتماع ہے ہم نے اس کے مفاد کا لحاظ رکھتے ہوئے کر دی ہے (۳۹) ۔ نہیں کی تو اس امر کی کہ ان اجتماعات میں ان کے وظائف کیا ہوں گے ۔ انہیں کون کون سا عہدہ دیا جائے گا اور کیسے ۔ نیز یہ کہ ان کے اختیارات کیا ہونے چاہئے (۴۰) ۔ لیکن ان امور کی تشریح کے لئے ایک الگ بحث درکار ہے ۔ البتہ اختیارات سے ہمارا مطلب ہے حکام کا دائرہ عمل جیسے نظام مالیات ، یا قوانین ریاست کی نگرانی (۴۱) ۔ یہ اس لئے کہ مختلف حکام کے اختییارات بھی مختلف ہوتے ہیں ۔ مثلاً سپہ سالار کے نگران بازار سے (۴۲) ۔

---

۳۸ - بلکہ زیادہ واضع الفاظ میں یوں کہ یا تو کچھ (ایک فریق) سب میں سے تقرر کریں ، یا سب (ایک فریق) سے ، مگر بذریعہ انتخاب (رائے شماری) — مترجم

۳۹ - یعنی باعتبار دساتیر — مترجم

۴۰ - لیکن ارسطو نے یہ بحث تشنہ چھوڑ دی ہے — مترجم

۴۱ - مطلب ہے مال گذاری اور دفاع ریاست کے معاملات — مترجم

۴۲ - متن میں محرر بازار - وہ عہدیدار جو منڈیوں میں کاروباری معاهدات کی نگرانی کرتا تھا — مترجم

# سولھواں باب

حکومت کے عناصر ترکیبی میں اب ہمیں صرف عدلیہ سے بحث کرنی ہے ۔ چنانچہ حاکمہ کی طرح ہم اس کی تقسیم بھی تین حصوں میں کریں گے۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ارکان عدالت(۲) کون ہو سکتے ہیں، کن امور کے لئے اور کیسے(۳) ۔ جب ہم کہتے ہیں کون تو ہمارا کہنا یہ ہوتا ہے ان کا انتخاب جملہ اہل شہر سے ہوگا ، یا ان کے کسی خاص فریق سے ؟ جب یہ کہ کون کون سے امور کے لئے تو یہ کہ ہمیں کسی طرح کی عدالتیں قائم کرنا ہیں اور جب یہ کہ کیسے تو یہ کہ ان کا تقرر کیسے ہوگا ، رائے شماری یا قرعہ اندازی سے؟ لہٰذا سب سے پہلی دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہمیں تو کس کس عدالت کی ضرورت ہے۔ ہمارا خیال ہے آٹھ مختلف قسموں کی جن میں پہلی تو وہ ہے جو حکام کی سبک دوشی پر ان کے طرز عمل کی باز پرس کرتی ہے ۔ دوسری وہ جسے اس لئے قائم کیا جاتا ہے کہ جو لوگ مفاد عامہ کو ضرر پہنچاتے ہیں انہیں سزا دی جائے (۴) ۔ تیسری ان امور کے تصفیے کے لئے جن

---

۱ - شوریٰ اور حاکمہ سے اس سے پہلے بحث ہو چکی ہے — مترجم

۲ - متن میں قاضی (جج) — مترجم

۳ - یعنی ان کا تقرر کیا جائے گا تو کیسے — مترجم

۴ - یعنی جن سے اس قسم کے جرم سرزد ہوتے ہیں جو مفاد عامہ کے منافی ہیں — مترجم

میں ریاست کی حیثیت بجائے خود ایک فریق کی ہوتی ہے (۵)۔ چوتھی ان مرافعوں کے لئے جو حکام اور عامةالناس کو جرمانہ کیا جاتا ہے تو اس کے خلاف کئے جاتے ہیں (۶)۔ پانچویں بڑی بڑی رقموں کے لین دین سے جو نزاعات پیدا ہوجاتے ہیں ان کی سماعت کے لئے (۷)۔ چھٹی اجنبیوں اور مقدمات قتل کے لئے (۸) جس کی پھر کئی صورتیں ہیں اور اس لئے ان کا فیصلہ کبھی تو ایک اور کبھی مختلف قسم کے ارکان عدالت کرتے ہیں (۱۰) کیونکہ ایک قتل تو بربنائے کینہ عمداً کیا جاتا ہے اور ایک اتفاقاً جس کی ایک صورت وہ بھی ہے جسے جائز ٹھہرایا جاتا ہے، ایک وہ جس کا اقبال تو کر لیا جاتا ہے لیکن جس کا جواز اور عدم جواز مابہ النزاع رہتا ہے (۱۱)۔ اثینیہ میں ایک اور عدالت بھی قائم ہے

---

۵ - اور جن کا تعلق ظاہر ہے دستور و آئین کے متعلق اختلافی نزاعات سے ہوگا — مترجم

۶ - گویا اس عدالت سے حکام اور عامةالناس دونوں رجوع کر سکتے ہیں — مترجم

۷ - مگر جن کا تعلق صرف شہریوں سے ہوگا — مترجم

۸ - زیادہ صحیح تقسیم یہ تھی چھٹی اجنبیوں اور ساتویں قتل کے مقدمات کے لئے جیسا کہ بارکر میں ہے — مترجم

۹ - واردات قتل کی — مترجم

۱۰ - یعنی یا تو ایک ہی قسم کے ارکان عدالت اس قسم کے مقدمات سنینگے یا جیسا جیسا کوئی مقدمہ ہے الگ الگ ارکان عدالت کے سامنے پیش ہوتا ہے — مترجم

۱۱ - لیکن بارکر میں صرف یہ ہے کہ ایک قتل وہ ہے جس کا اقبال کر لیا جاتا ہے مگر جس کا جواز و عدم جواز مابہالنزاع رہتا ہے - قتل کی ان تین قسموں کے لئے عدالت قتل کے بھی تین حصے کر دئے جائیں گے — مترجم

جس کا کام اس امر کا فیصلہ کرنا ہے کہ اگر کوئی مفرور کسی شخص کو قتل کر دے تو اس سے کیا سلوک کیا جائے۔ اسے واپس آنے کی اجازت دی جائے یا نہیں ، یہ دوسری بات ہے کہ اس قسم کے واقعات شاذ ہی پیش آتے ہیں ۔ ساتویں ان مخاصمات کے لئے جو اجنبیوں کی موجودگی سے پیش آجاتے ہیں خواہ یہ ان کے اپنے لڑائی جھگڑے ہوں یا اہل شہر سے (۱۳) ۔ آٹھویں کا معاملات ، مثلاً ایک سے پانچ یا پانچ سے کچھ زیادہ رقموں کے لین دین کے لئے (۱۴) جن کا تصفیہ بہر حال از روئے قانون ہی کیا جائے گا اور جن کو ضروری نہیں ساری جماعت قضاۃ کے سامنے پیش کیا جائے۔ لیکن ہمیں چاہئے قتل کی ایسی واردات سے قطع نظر کرتے ہوئے جن میں قاتل و مقتول دونوں اجنبی ہیں ان عدالتوں پر توجہ کریں جن کے دائرہ اختیار میں صرف وہ معاملات شامل ہوں جن کا تعلق بالخصوص اہل شہر سے ہے اور جن کا ٹھیک ٹھیک تصفیہ نہ کیا جائے تو ریاست میں

---

۱۲ - Phreattae اور گویا مقدمات قتل کی چوتھی عدالت جس کی کارروائی اس عجیب و غریب طریق پر ہوتی کہ ملزم تو کشتی میں سوار رہتا لیکن ارکان عدالت ساحل پر کھڑے رہتے اور جن کے سامنے مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی شہری اتفاقاً قتل کا مرتکب ہو اور اس لئے اسے سال بھر کے لئے جلا وطنی کی سزا دی گئی لیکن وہ اس مدت کے اختتام سے پہلے پہلے قتل یا قتل سے ملتی جلتی کسی واردات کا پھر ارتکاب کرے تو اس کے بارے میں کیا فیصلہ کیا جائے ـــ مترجم

۱۳ - ظاہر ہے ان معاملات کا تعلق چھٹی عدالت سے ہوگا ۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ۸ ـــ مترجم

۱۴ - افراد کے درمیان ۔ مطلب یہ ہے کہ بہت چھوٹی رقموں کا جھگڑا چکانے کے لئے ـــ مترجم

شورش اور بغاوت پیدا ہوجاتی ہے (۱۵) ۔ اب یا تو سب شہریوں کو یہ حق ملنا چاہئیے کہ ان معاملات کا خود ہی فیصلہ کرلیں جس کے لئیے ان کا تقرر عمل میں آئے ، خواہ رائے شماری سے خواہ قرعہ اندازی سے ۔ یا پھر یہ کہ ان کا تصفیہ تو سب کے ہاتھ میں رہے لیکن اس طرح کہ بعض کا تقرر رائے شماری سے کیا جائے ، بعض کا قرعہ اندازی سے ، یا بعض نزاعات کے لئیے رائے شماری اور بعض کے لئیے قرعہ اندازی سے (۱۶) ۔ گویا ارکان عدالت کی چار نوعیں ہمارے سامنے ہوں گی خواہ ان کا انتخاب لوگوں کے کسی ایک فریق سے کیا جائے ان کی تعداد بہر حال چار ہی رہے گی (۱۷) ۔ اس لئیے کہ یا تو ان سب کا انتخاب کسی مخصوص جماعت سے رائے شماری سے ہوگا یا قرعہ اندازی سے ، یا بعض کا قرعہ اندازی اور بعض کا رائے شماری سے ، یا بعض مخصوص مقدمات کی صورت میں بعض کا رائے شماری اور بعض کا قرعہ اندازی سے ۔ لہٰذا ان کی تعداد وہی رہے گی

---

۱۵ - یعنی آخرالذکر تین عدالتوں کی پہلی پانچ عدالتوں پر — مترجم

۱۶ - زیادہ واضح الفاظ میں ارسطو کا کہنا یہ ہے کہ (۱) یا تو سب شہریوں کو عدلیہ کا اہل سمجھا جائے خواہ بطور ارکان عدالت ان کا انتخاب رائے شماری سے ہو ، خواہ قرعہ اندازی سے (۲) - یا سب شہریوں کو سب معلومات کے فیصلے کا حق پہنچتا ہو لیکن اس طرح کہ بعض عدالتیں رائے شماری سے قائم کی جائیں بعض قرعہ اندازی سے اور (۳) یا یوں کہ سب شہری اپنی اپنی جگہ پر قضا کے اہل تو ہوں مگر صرف چند ایک معاملات کے لئیے اور اس طرح جو عدالتیں قائم ہوں خواہ رائے شماری ، خواہ قرعہ اندازی سے — مترجم

جتنی ہم اوپر بیان کر آئے ہیں (۱۸) ۔ البتہ ہوسکتا ہے بعض ارکان عدالت مل کر کام کریں مثلاً وہ جن کا انتخاب جملہ اہل شہر سے ہو، یا ان کے کسی ایک فریق ، یا دونوں (۱۹) سے تاکہ یہ تینوں قسم کے ارکان ایک ہی عدالت میں ملکر بیٹھ سکیں ، گو ان کا انتخاب یا تو پھر رائے شماری سے ہوگا یا قرعہ اندازی یا دونوں طریقوں سے ۔ یہ مختلف صورتیں ہیں جو ہمارے نزدیک ارکان عدالت کے تقرر میں اختیار کی جاسکتی ہیں ۔ جمہوریت میں ان کے تقرر کی موزوں ترین شکل یہی ہوگی کہ جتنے بھی نزاعات ہیں ان کا فیصلہ سب اہل شہر مل کر کریں (۲۰) ۔ اس لئے کہ اگر ان کا فیصلہ چند ایک مخصوص افراد کے ہاتھ میں دے دیا گیا تو پھر یہ صورت حالات اعیانیت ہی کے لئے موزوں

---

۱۸ - یعنی اگر کسی فریق کا انتخاب کیا گیا جب بھی ۔ بارکر نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے کسی فریق سے انتخاب کا مطلب یہ ہے کہ ان کے سوا کوئی شہری عدالت میں بیٹھنے کا اہل نہیں ہوگا ۔ اندریں صورت (۱) یا تو ارکان عدالت کا انتخاب کسی مخصوص فریق سے ہوگا اور وہی ہر معاملے کا فیصلہ کریں گے (۲) یا یہ کہ ان کا تقرر انتخاب کی بجائے قرعہ اندازی سے کیا جائے (۳) - یا یہ کہ بعض معاملات کے لئے تو ان کا تقرر انتخاب سے ہو اور بعض کے لئے قرعہ اندازی سے ۔ لیکن یہ سب ارکان عدالت یا تو باہم مل کر کام کریں گے (۴) ، یا یہ کہ ان کا دائرہ اختیار محدود ہو ۔ وہ الگ الگ عدالتوں میں الگ الگ معاملات کا تصفیہ کریں — مترجم

۱۹ - یعنی سب میں سے اور کچھ میں سے بھی اور یہ گویا وہ صورت ہے جو ان دونوں طریقوں کے امتزاج سے پیدا ہوگی — مترجم

۲۰ - اور اس لئے ان کا انتخاب بھی سب شہریوں سے ہونا چاہئے — مترجم

ہوگی (۲۱) ۔ رہی تیسری یعنی وہ شکل جس میں بعض خصومات کے فیصلے میں تو سب شہری عدالت (۲۲) کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں ، بعض کے لئے چند مخصوص افراد سو یہ طریقہ کار امارت ہی کے لئے مفید رہے گا ، یا آزاد ریاست کے لئے ۔

---

۲۱ - یعنی ارکان عدالت کا انتخاب کسی فریق سے بھی ہو وہی ہر معاملے کا فیصلہ کریں — مترجم

۲۲ - اور جو گویا پہلی دو شکلوں کے امتزاج سے پیدا ہوگی ۔ مطلب یہ ہے کہ بعض معاملات کے لئے تو ارکان عدالت کا انتخاب سب شہریوں سے ہوگا ، بعض کے لئے کسی خاص طریق سے — مترجم

فصـــل پنجـــم

# پہلا باب

ہمارے پیش نظر جو امور تھے ان کی تفصیل و تشریح کے بعد (۱) اب غور طلب امر یہ ہے کہ حکومتوں میں رد و بدل کیسے ہوتا ہے ، اس کے اسباب کیا ہیں اور ان کی نوعیت کیا ؟ وہ کیا چیز ہے جو ریاستوں کو تباہ و برباد کر دیتی ہے (۲) ؟ مدنیتوں کا رجحان بالآخر کس طرف ہو جاتا ہے ؟ (۳) حکومتوں کو برقرار رکھنے کے عام وسائل کیا ہیں اور خاص خاص ریاستوں میں ان کے اطلاق کی صورت کیا ہوگی ؟ ایسے ہی وہ کیا تدابیر ہیں کہ اگر کسی ریاست میں فساد رونما ہو تو ہم ان سے کام لیتے ہوئے اس کا سد باب کر سکتے ہیں ؟ یہ تدابیر سب ریاستوں کے لئے یکساں ہوں گی یا ہر ریاست کے لئے مختلف (۴) ؟ لیکن اس بحث میں ہم

---

۱ - فصل چہارم میں — مترجم

۲ - یعنی کسی ریاست کی ہیئت ترکیبی ، یا بالفاظ دیگر دستور ریاست کو — مترجم

۳ - مطلب یہ ہے کہ ان کی بنا جس دستور پر رکھی جاتی ہے وہ برقرار رہتا ہے یا نہیں — مترجم

۴ - پچھلی فصل میں جو باتیں تحقیق طلب تھیں ان میں چار کے بعد ارسطو پانچویں یعنی اس مسئلے پر نظر ڈالتا ہے کہ کسی دستور کو درھم برھم کر دینے یا برقرار رکھنے کا طریقہ کیا ہے - چنانچہ اب دو فصلیں اسی بحث پر مشتمل ہیں- پانچویں فصل کا تعلق بحث کے جزو اول

باقی صفحہ ۴۳۷ پر

اول ایک اصول قائم کریں گے اور وہ یہ ہے کہ یوں کہنے کو تو سب حکومتیں عدل و انصاف کا دم بھرتی ہیں ، علیٰ ھذا ہر اس بات کا جسے مساوات کا مماثل ٹھہرایا (۵) جاتا ہے ۔ مگر پھر جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر آئے ہیں(۶) عملاً اس میں قاصر رہتی ہیں (۷) ۔ مثلاً جمہوریتوں ہی کو لیجئے۔ ان کا ظہور ہوا تو اس خیال کے پیش نظر کہ جو لوگ کسی ایک پہلو سے مساوی ہیں دوسرے پہلوؤں میں بھی مساوی ہوں گے ۔ للہذا سمجھ لیا گیا کہ وہ جب حریت (۸) میں مساوی ہیں تو دوسری چیزوں میں بھی مساوی ہوں گے ۔ اعیانیتوں کی اس خیال کے ماتحت کہ جو لوگ کسی ایک پہلو سے غیر مساوی ہیں ہر پہلو سے غیر مساوی ہوں گے ، مثلاً دولت میں اور دولت میں ہیں تو لازماً ہر بات میں۔ اندریں صورت ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ کسی ایک لحاظ سے اپنے آپ کو دوسروں کے برابر پاتے ہیں (۹) وہ سمجتے ہیں انہیں ہر بات

---

بقیہ حاشیہ ۴۳۶

اور چھٹی کا جزو دوم سے ہے ۔ جزو اول یعنی کسی دستور کو درہم برہم کرنے ہی کا دوسرا نام انقلاب ہے ۔ انقلابات سے بحث کرتے ہوئے ارسطو نے حفظ دساتیر پر بھی ایک حد تک اظہار خیال کیا ہے (ابواب ہشتم و نہم میں) لیکن فصل مابعد میں یہ بحث صرف جمہوریتوں اور اعیانیتوں تک محدود ہے — مترجم

۵ - اشارا ہے متناسب مساوات کے اصول کی طرف ــ مترجم

۶ - فصل سوم ، ابواب نہم و دھم میں — مترجم

۷ - کیونکہ وہ ان کی تعبیر مختلف رنگوں میں کرتی ہیں ۔ للہذا اس پر عمل نہیں ہونا ــ مترجم

۸ - حریت نسب میں — مترجم

۹ - یعنی جمہوریت پسند ــ مترجم

میں ان کی برابری کا حق حاصل ہے ۔ بر عکس اس کے جو اپنے آپ کو برتر سمجھتے ہیں ان کی کوشش یہ ہوتی ہے اور زیادہ برتری حاصل کرتے جائیں (۱۰) اور یہ اور زیادہ ہی وہ چیز ہے جس کو عدم مساوات سے تعبیر کرنا چاہئے ۔ یہی وجہ ہے کہ عدل و انصاف کے تھوڑے بہت تصور کے باوجود اکثر ریاستوں کی روش اس کے منافی ہوتی ہے (۱۱) ۔ لٰہذا جہاں کسی جماعت نے یہ محسوس کیا کہ اسے وہ چیز نہیں مل رہی جو اس کا حق ہے وہ انقلاب پر آمادہ ہو جائے گی ۔ حالانکہ سچ پوچھئے تو انقلاب کا حق صرف ان لوگوں کو پہنچتا ہے جو فضائل میں برتر ہیں ۔ اس لئے کہ برتری کا اطلاق ہو سکتا ہے تو انہیں پر ۔ مگر پھر ان کے علاوہ کچھ ایسے لوگ بھی تو ہیں جن کا تعلق بعض اعلیٰ خاندانوں سے ہوتا ہے اور جو اس غرور میں دوسروں سے برابری گوارا نہیں کرتے ۔ محض اس لئے کہ جن لوگوں کو آبا و اجداد کی دولت اور بزرگی کا دعویٰ ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو بھی ویسا ہی سمجھتے ہیں اور یہ گویا دوسرا سرچشمہ ہے جس سے انقلاب کے سوتے پھوٹتے ہیں (۱۲) ۔ لٰہذا دو قسم کی تبدیلیاں ہیں جو حکومت میں کی جا سکتی ہیں ۔ یا تو ریاست کی جو شکل قائم ہے اس کو سرے سے بدل دیا جائے ۔

---

۱۰ - اعیانیت پسند — مترجم

۱۱ - مطلق عدل و انصاف کے — مترجم

۱۲ - بغاوت کا یونانی مترادف ہے اسٹاسس اور اس کے معنی ہیں (بحوالہ نیومین) تشکیل لٰہذا بغاوت سے مطلب ہے کسی ایسی جماعت کی تشکیل جو اپنے سیاسی مقصد کے حصول میں ہر قانونی ذرائع سے کام لے اور اسٹاسس سے انقلابی کارروائی خواہ کامیاب رہے یا ناکام ۔ ارسطو نے اس عمل کے دونوں پہلوؤں پر نظر رکھی ہے — مترجم

یعنی جمہوریت ہے تو ہم اسے اعیانیت اور اعیانیت ہے تو آزاد ریاست یا جمہوریت میں منتقل کر دیں ۔ یا پھر سب کی سب امارت میں بدل جائیں، یا امارت ان میں سے کوئی ایک شکل اختیار کر لے (۱۳) ۔ یا پھر اگر صورت یہ ہے کہ لوگوں کو حکومت پر کوئی اعتراض نہیں ، وہ اس سے راضی ہیں تو انہیں چاہئے یا تو اس کا سارا نظم نسق اپنے ہاتھ میں رکھیں ، یا معدودے چند افراد یا فرد واحد کے سپرد کر دیں (۱۴) ۔ لیکن پھر یہ امر کہ ان کا اپنا حصہ اس میں کیا ہونا چاہئے بہر حال شورو شر پیدا کرتا رہے گا (۱۵) ۔ مثلاً اگر حکومت اعیانی ہے تو لوگ کوشش کریں گے کہ اور زیادہ اعیانی ہو جائے ۔ جمہوری ہے تو اور زیادہ جمہوری ، یا یہ کہ دونوں کی اس حیثیت میں کمی واقع ہوتی رہے (۱۶) ۔ گویا حکومت کی شکل کچھ بھی ہو لوگوں کی کوشش یا تو یہ ہوگی کہ اس کے اختیارات وسیع ہوتے چلے جائیں ، یا محدود ۔ یا یہ کہ اس کے بعض اجزا میں کچھ تبدیلیاں کر دی جائیں ، مثلاً کسی نئے حاکمانہ عہدے کا قیام یا موقوفی جیسے کہا جاتا ہے لائی‌سانڈر کی کوشش رہی کہ اسپارٹا میں بادشاہت کا منصب موقوف کر دے (۱۷) اور پوسانیاس کی یہ کہ افوری نظام

---

۱۳ - مدنیت یا جمہوریت یا اعیانیت - یہ ہے پہلی تبدیلی — مترجم

۱۴ - گویا دوسری تبدیلی یہ ہوگی کہ ریاست اعیانیت یا بادشاہت کی شکل اختیار کر لے — مترجم

۱۵ - تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل کرتے جائیں — مترجم

۱۶ - یعنی وہ اس میں اعتدال یا سختی پیدا کریں گے — مترجم

۱۷ - گویا لائی سانڈر جس کا شمار اسپارٹا کے اکابر سیاست دانوں اور سپہ سالاروں میں ہوتا ہے بادشاہت کے خلاف تھا — مترجم

توڑ دیا جائے (۱۸) ۔ ایسے ھی ایپیڈامنس (۱۹) میں یہ ھوا کہ وھاں فیلارکی (۲۰) کی بجائے مجلس عمائد قائم کر دی گئی ۔ اثینیہ میں بھی تو جملہ حکام کا فرض ھے کہ جب کبھی کسی نئے حاکم کا تقرر عمل میں آئے ھیلیئے کی عدالت میں حاضر ھو جائیں (۲۱) ۔ یوں بھی وھاں آرکن کے اختیارات پر اعیانیت کا رنگ چڑھا ھوا ھے (۲۲) ۔ بہر حال عدم مساوات شور و شر کا سر چشمہ ھے ۔ نہیں ھے تو اس صورت میں جب ان لوگوں سے جن کی حیثیت جیسی جیسی غیر مساوی ھے اس کے مطابق سلوک کیا جائے (۲۳) یہی وجہ ھے کہ جو لوگ مساوی الحیثیت ھیں اگر ان میں کسی کو بادشاھانہ اختیارات حاصل ھو جائیں تو یہ عدم مساوات کی علامت ھوگی ۔ با الفاظ دیگر بغاوت اور شورش پھیلائیں گے تو وھی لوگ جو برابری کی کوشش میں لگے رھتے ھیں لیکن پھر برابری کی بھی دو صورتیں ھیں ، عددی اور صفاتی ۔ عددی مساوات جب قائم ھوتی ھے جب دو چیزوں کے اجزا یکساں ھوں اور مقدار بھی یکساں (۲۴) ۔ صفاتی مساوات کا

---

۱۸ - اور پوسانیاس (جو بادشاہ تھا) عوام کے — مترجم

۱۹ - Epidamnus یا Epidarum — مترجم

۲۰ - Phylarc فیلارک ۔ سردار قبیلہ اور اس لئے فیلارکی سے مراد ھے مجلس سرداران قبائل — مترجم

۲۱ - Heliaea یعنی (یونانیوں کی) مجلس عامہ — مترجم

۲۲ - اس لئے کہ وھاں ایک ھی آرکن کام کر رھا ھے — مترجم

۲۳ - اور جس کا مطلب یہ ھوا کہ بغاوت کا سر چشمہ ھے عدم مساوات — مترجم

۲۴ - اس لئے کہ عددی مساوات میں ھر شخص سے یکساں سلوک اور ھر شے میں حصہ بھی یکساں ھونا چاھئے — مترجم

تعلق تناسب سے ہے جیسے دو کا عدد ایک سے بڑا ہے اور تین دو سے بقدر ایک کے (۲۵) ۔ گویا باعتبار تناسب دیکھا جائے تو چار کا عدد دو سے بڑا ہوگا اور دو اسی نسبت سے ایک سے کیونکہ دو چار کا ویسا ہی جزو ہے جیسے ایک دو کا ، یعنی نصف (۲۶) ۔ اب جو بات صاف صاف قرین عدل و انصاف ہے اس پر تو سب کا اتفاق ہے ۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں نزاع ہوگا تو اس کی متناسب قدر و قیمت کے بارے میں (۲۷) ۔ کیونکہ بعض لوگ جو کسی ایک بات میں مساوی ہوتے ہیں اپنے آپ کو ہر بات میں مساوی تصور کرتے ہیں اور جو کسی ایک اعتبار سے برتر وہ ہر اعتبار سے برتری کا دعویٰ کرتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر حکومت کی دو ہی شکلیں ہوا کرتی ہیں جمہوریت یا اعیانیت ۔ رہی شرافت ذات اور فضائل اخلاق سو اس سے بہت کم لوگ بہرہ ور ہوتے ہیں ۔ بہتوں (۲۸) میں تو وہی کچھ ملتا ہے جو اس کے برعکس ہے (۲۹) ۔ لہٰذا پہلی قسم کے انسان گو ملیں گے تو ہر کہیں لیکن کثرت دوسری قسم ہی کے انسانوں کی ہوگی جس کا اگرچہ یہ مطلب نہیں کہ جو بھی حکومت قائم ہوگی اس میں مساوات کا فیصلہ انہیں دو قسموں کی بنا پر کیا جائے گا جو ظاہر ہے غلط ہوگا

---

۲۵ - ارسطو کے نزدیک متناسب مساوات ہی صحیح مساوات ہے (ملاحظہ ہو فصل سوم) — مترجم

۲۶ - لیکن بقول نیومین (بحوالہ بارکر) حسابی اعتبار سے تو یہ مثال ٹھیک ہے لیکن اس سے متناسب مساوات کا جواز پیدا نہیں ہوتا — مترجم

۲۷ - یعنی اس کی عملی شکل میں — مترجم

۲۸ - جمہوریت پسندوں میں — مترجم

۲۹ - حسب و نسب اور ذاتی خوبیوں کے — مترجم

چنانچہ اس طرح کی متعدد حکومتوں کی مثال ہمارے سامنے ہے ۔ ان میں کبھی استحکام پیدا نہیں ہوا اس لئے کہ جو چیز شروع ہی سے غلط تھی اور اس کے اصول بھی ناقص یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اس کا انجام بھی اچھا ہو ۔ لہٰذا بعض باتوں میں عددی مساوات قائم رکھنا ہی بہتر ہے ، بعض میں صفاتی (۳۰) ۔ بہر حال جمہوریت میں اعیانیت کی نسبت زیادہ سلامتی ہے اور اس میں بغاوت کا امکان بھی کم ہے اس لئے کہ اعیانیت میں شور و شر کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ معدودے چند افراد جو بر سر اقتدار ہیں ایک دوسرے کے خلاف سازش کرنے لگیں ، یا ایک دوسرے کے خلاف نہیں تو دوسرے لوگوں کے ۔ جمہوریت میں اس کے برعکس شور و شر کی ایک ہی صورت ہے اور وہ ان معدودے چند افراد کی طرف سے جن کو اقتدار کی ہوس ہوگی ۔ رہی یہ بات کہ لوگ لوگوں کے خلاف سر اٹھائیں سو اس کی کوئی قابل ذکر مثال نہیں ملتی ۔ یوں بھی جو حکومت اس قسم کے لوگوں پر مشتمل ہوگی جن کی مالی حیثیت واجبی ہے (۳۱) وہ اعیانیت کی نسبت جمہوریت سے زیادہ قریب ہوں گے اور باقی سب ریاستوں سے زیادہ مستحکم بھی (۳۲) ۔

---

۳۰ - گویا کوئی ایسا دستور جو سر تا سر جمہوری یا سر تا سر اعیانی ہے کامیاب نہیں ہو سکتا — مترجم

۳۱ - عوام (جمہوریت پسندوں) کی طرف اشارا ہے — مترجم

۳۲ - یعنی مدنیت — مترجم

# دوسرا باب

اب چونکہ غور طلب امر یہ ہے کہ وہ کیا اسباب ہیں جن کے زیر اثر حکومتوں میں انقلاب پیدا ہوتے ، یا بغاوتیں سر اٹھاتی ہیں (۱) اس لئے ہمیں چاہئے اس بحث کا آغاز ان اصول اولین (۲) سے کریں جو گویا ان کا سر چشمہ ہیں ۔ یہ اصول تین ہیں جن میں اول ایک عام امتیاز قائم کر لینا چاہئے اس کے بعد دیکھنا یہ ہوگا کہ انقلاب برپا ہوتے ہیں تو کن حالات میں اور کیوں ؟ آخرالامر یہ (۳) کہ سیاسی آلام و مصائب کی ابتدا کیسے ہوتی ہے ، لوگ ایک دوسرے سے نزاع و جدال اور لڑائی جھگڑے پر اتر آتے ہیں تو کیسے ؟ اب سب سے بڑی بات جس کی بنا پر کوشش کی جاتی ہے کہ حکومت کا تار و پود سرے سے بدل جائے اور جسے ہم اس سے پہلے بیان کر آئے ہیں (۴) یا تو مساوات کی خواہش ہے کہ جہاں لوگوں نے محسوس کیا ان کے ہم مرتبہ ان سے زیادہ پا رہے ہیں وہ انقلاب پر آمادہ ہو جائیں گے ، یا مساوات پر نارضامندی

---

۱ - اور اس لئے دستور حکومت بدل جاتے ہیں — مترجم

۲ - یعنی بنیادی اصول - یہ خالصاً ارسطاطالیسی اصطلاح ہے — مترجم

۳ - یہ گویا تیسرا اصول ہے ۔ اصول اول کا تعلق احوال سے ہے دوم کا ان مصالح سے جن کی خاطر بغاوت کی جاتی ہے اور سوم کا اشارا ہے ان حالات کی طرف جن میں شورش اور فساد رونما ہوتا ہے — مترجم

۴ - پچھلی فصل میں — مترجم

یعنی برتری کی ھوس کہ جہاں انہوں نے دیکھا ان کو اتنا ھی یا اس سے بھی کم مل رہا ھے جو ان سے کم حیثیت انسانوں کو تو ان دونوں صورتوں میں جو قدم اٹھایا جائیگا یا تو انصاف کے عین مطابق ھوگا یا غیر مطابق ۔ انصاف کے مطابق اس صورت میں جب ادنیٰ اعلیٰ سے برابری کے لئے سر اٹھائیں ، غیر مطابق اس حالت میں جب وہ لوگ جو باھم ھم مرتبہ ھیں ایک دوسرے پر چھا جانے کی کوشش کریں ۔ یہ احوال ھیں جن میں لوگ انقلاب برپا کر دیا کرتے ھیں اور جس کا سبب یا تو نفع جوی (۵) کی خواھش ھوتی ھے ، یا عزت اور وجاھت کی آرزو (۶) ، یا اس کے برعکس اس لئے کہ جہاں لوگوں نے یہ دیکھا ان کا مال و دولت ، یا عزت اور وجاھت سزا یافتہ یا ان کے طرفداروں کے ھاتھ سے خطرے میں ھے (۷) وہ فتنہ و فساد اور شورش برپا کر دیں گے ۔ لٰہذا ایک پہلو سے وہ اسباب جن کی بنا پر لوگ اس طرح کی باتوں پر اتر آتے ھیں تعداد میں سات ھیں (۸)

---

۵ - مالی منفعت ــــ مترجم

۶ - یعنی اقتدار و اختیار ــــ مترجم

۷ - یعنی ان کے چھن جانے کا خطرہ ھے ــــ مترجم

سزا یافتہ (یونانی میں ملکٹ Mulct) ۔ وہ لوگ جن کو جرمانے کی سزا دی جاتی اور جرمانہ جنس میں ادا کیا جاتا ۔ مثلاً بھیڑوں یا غلے کی شکل میں ۔

۸ - یہ سات اسباب وہ ھیں جن کا بغاوت کے سوا کوئی دوسرا نتیجہ ممکن ھی نہیں کیونکہ ان کا کام ھی اس قسم کے جذبات کو ابھارنا ھے لیکن پھر چار سبب اور بھی ھیں جو انقلاب کا سبب بن سکتے ھیں لیکن جن کی بنا پر ضروری نہیں بغاوت اور شورش پھیلے ۔ ان کی تفصیل آگے مذکور ھے ــــ مترجم

دوسرے پہلو سے زیادہ ۔ ان میں سے دو کا تو ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں ان کی اثر اندازی کا بھی اپنا اپنا رنگ ہے ۔ لیکن نفع جوئی اور حصول عزت بہر حال دو ایسی باتیں ہیں جو لوگوں کو ایک دوسرے کی دشمنی پر اکساتی ہیں ۔ اس لئے نہیں کہ وہ خود بھی ان کے خواهش مند ہوتے ہیں (جیسا کہ ہم ابھی فرض کر چکے ہیں) بلکہ اس صورت میں بھی جب وہ دوسروں کو انہیں حاصل کرتے ہوئے دیکھتے ہیں ، بجا یا بے جا طور پر اس سے یہاں کوئی بحث نہیں ۔ انقلابی کاروائیوں کے دوسرے اسباب ہیں تکبر ، خوف ، نفرت ، ریاست کے کسی حصے میں غیر متناسب اضافہ پھر ان کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ہیں جو حکومتوں میں انقلاب کا باعث ہوا کرتی ہیں ، مثلاً انتخابی سازشیں ، غفلت ، تعداد کی کمی اور احوال و ظروف کی حد سے زیادہ نا ہمواری (۹) ۔

۹ - لیکن بارکر میں احوال و ظروف کی بجائے عناصر (شہر) کی جو صریحاً زیادہ صحیح اور واضع ہے — مترجم

# تیسرا باب[1]

بد سلوکی (۲) اور منفعت جوئی کا (۳) تو ان باتوں (۴) پر جو اثر ہوگا، یا اس سے انقلابی کارروائیوں کو جس طرح تحریک ہوگی ظاہر ہے - اس لئے کہ جب حاکم ہی مغرور ہوں اور اس کوشش میں لگے رہیں کہ انہیں جو منصب ملا ہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زیادہ سے زیادہ منفعت حاصل کریں تو وہ ایک دوسرے کے خلاف ہی سر نہیں اٹھائیں گے، بلکہ اس ریاست(۵) کے بھی جس کی بدولت انہیں یہ اقتدار ملا ہے - ان کے حرص و طمع کے سامنے دو ہی چیزیں رہیں گی - نجی

---

۱ - لیکن اس باب میں ان اسباب کی ترتیب بدل دی گئی ہے جو بسلسلہ انقلاب پچھلے باب میں بیان کئے گئے تھے - اب ارسطو ایک منطقی ترتیب کے ساتھ بتائے گا کہ غرور، تکبر، نفع جوئی، حصول عزت جیسی بھی کوئی برتری ہے اس سے بغاوت اور شور و شر کو کس طرح تحریک ہوتی ہے - پھر یہ کہ خوف اور نفرت و حقارت سے کس طرح - آخرالامر گو ذرا طوالت کے ساتھ ساتویں سبب یعنی غیر متناسب اضافے پر نظر ڈالے گا - چار ضمنی اسباب جن سے شورش اور بغاوتیں رونما ہو سکتی ہیں ان کی ترتیب البتہ وہی رہے گی جو باب ماسبق میں ہے — مترجم

۲ - بہ سبب غرور و تکبر — مترجم

۳ - جب ارباب اختیار اس پر اتر آتے ہیں — مترجم

۴ - شور و شر، انقلابات — مترجم

۵ - اس ہیئت اجتماعیہ کے جو کسی دستور کی بنا پر وجود میں آئے - مطلب ہے دستور حکومت — مترجم

املاک یا املاک ریاست (۶) ۔ رھے اعزازات (۷) سو اعزازات جس طرح شورش کا سبب بنتے ھیں ظاھر ھے ۔ اس لئے کہ جن لوگوں کو خود کوئی اعزاز حاصل نہیں وہ دوسروں کو معزز پا کر (۸) طرح طرح کی انقلابی کاروائیوں پر آمادہ ھو جاتے ھیں ۔ اب یہ سب کچھ (۹) اس صورت میں تو قرین انصاف نہیں ھوگا جب کسی شخص کو بےجا طور پر عزت دے دی جائے ، یا عزت حاصل ھے تو ھم اسے چھین لیں ۔ قرین انصاف اس حالت میں جب یہ بجا طور پر کیا جائے ۔ ضرورت سے زیادہ اعزازات بھی انقلاب کا سبب بن جاتے ھیں یعنی اس صورت میں جب ایک ، یا ایک سے زیادہ افراد ریاست اس سے بھی زیادہ برتری حاصل کرلیں (۱۰) جتنی حکومت انھں دے سکتی ھے (۱۱) ۔ اس صورت میں یا تو بالعموم بادشاھت قائم ھو جاتی ھے ، یا کسی حکمران خاندان کا ظہور ھو جاتا ھے ۔ لٰہذا ان موقعوں پر اس طرح کے فرد یا افراد کو شہر بدر کر دیا

---

۶ - یعنی افراد یا پوری ریاست کی املاک پر - تا کہ اس طرح زیادہ سے زیادہ مال و دولت غصب کیا جا سکے — مترجم

۷ - منصب حکومت جو افراد کے لئے عزت اور وجاحت کا سبب بنتے ھیں - یاد رکھنا چاھئے آئیندہ سطور میں لفظ عزت کا اشارا اس عزت اور وجاھت کی طرف ھوگا جو مناصب حکومت کی بدولت افراد کو حاصل ھوتی ھے — مترجم

۸ - یعنی مناصب حکومت پر متمکن دیکھ کر — مترجم

۹ - شورش ، بغاوت ، انقلاب آفرینی — مترجم

۱۰ - خواہ اس کی نوعیت کچھ بھی ھو — مترجم

۱۱ - مطلب ھے باعتبار دستور حکومت جتنا کسی کو اقتدار حاصل ھونا چاھئے — مترجم

جاتا ہے جیسے ارگوس (۱۲) یا اثینیہ میں کیا گیا ۔ گو بہتر یہی ہے کہ ان باتوں کا سد باب ریاست کی تشکیل سے پہلے ہی کر لیا جائے ۔ اس کی بجائے کہ ہم ان کے تدارک کی اس وقت کوشش کریں جب وہ رو نما ہوں ۔ پھر وہ لوگ بھی جن سے کوئی جرم سرزد ہو چکا ہے بغاوت کا سبب بن سکتے ہیں ، کیونکہ انہیں ہر لحظہ سزا کا خوف رہے گا (۱۳) ایسے ہی وہ بھی جنہیں کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تاکہ وہ اس سے بچ سکیں جیسا کہ روڈس میں ہوا جہاں امرا نے اس ڈر سے کہ مقدمات کا فیصلہ ان کے خلاف ہوگا لوگوں کے خلاف سازش کی ۔ نفرت اور حقارت بھی ایک سبب ہے بغاوتوں اور سازشوں کا جیسے اعیانیتوں میں کہ وہاں اس قسم کے افراد بکثرت ہوتے ہیں جن کو نظم و نسق میں کوئی حصہ نہیں ملتا ۔ جمہوریتوں میں بھی جب اہل دولت یہ دیکھتے ہیں کہ بد نظمی اور فتنہ و فساد سے مفر نہیں تو اپنی بہتری کے لئے وہی طور طریق اختیار کر لیتے ہیں جو اونوفاٹیا (۱۴) کی لڑائی کے بعد ثیبی میں اختیار کئے گئے اور جہاں نظم و نسق کی خرابی نے بالاخر جمہوریت کا خاتمہ کر دیا ۔ یہی کچھ میگارا میں ہوا ۔ یہاں بھی نظم و نسق کی خرابی اور بد نظمی کے

---

۱۲ - Dynasty جس کی طرف ارسطو اس سے پہلے اشارا کر آیا ہے — مترجم

۱۲ - Argos پیلوپونیسس کا ایک شہر — مترجم

۱۳ - اورجس کی تفصیل اسی فصل کے باب پنجم میں آئے گی — مترجم

۱۴ - Oenophyta بوئیشیہ Boetia کا شہر جہاں اہل اثینیہ کو اہل بوئیشیہ پر فتح حاصل ہوئی — مترجم

باعث جمہور نے اپنی طاقت اور اقتدار کھو دیا ۔ جیسے گیلون (۱۵)
کے دور استبداد سے پہلے سراقوسہ نے ۔ روڈس میں بھی
جب عوام کی حکومت کو زوال ھوا تو اس سے پہلے ایسے ھی
حالات رونما تھے ۔ غیر متناسب اضافوں (۱۶) سے بھی اسی طرح
ریاستوں میں شورش اور انقلاب برپا ھو جاتا ھے کیونکہ جس
طرح جسم کے متعدد حصے ہوتے ھیں اور اسے بڑھنا چاھیے
تو اپنا تناسب قائم رکھتے ہوئے تا کہ اس کی موزونیت (۱۷)
قائم رھے ورنہ بصورت دیگر اس میں فرق آ جائیگا ۔ مثلاً اگر
پاؤں کا طول چار ھاتھ ھے ۔ جسم کے باقی حصے کا صرف
دو کف (۱۸)، یا یہ کہ وہ کسی دوسرے حیوان کی شکل
اختیار کرلے (۱۹) ، یعنی اس طرح کہ بہ اعتبار کمیت تو
اس میں کوئی غیر متناسب اضافہ نہ ھو، البتہ اعضا کی ترتیب
بدل جائے ۔ بعینہ شہر کا وجود بھی متعدد اجزا پر مشتمل
ھوتا ھے اس لئے ایسا بھی ھوتا ھے کہ اس کے کسی جزو

---

۱۵ - Gelon لیکن بڑا نرم دل - اس کی طبیعت میں اعتدال تھا اور وہ ھمیشہ رعایا کی بہتری کا خیال رکھتا تھا — مترجم

۱۶ - آبادی کے کسی جز میں — مترجم

۱۷ - جیسا کہ مشاکلت کا تقاضا ھے اور مشاکلت یونانیوں کا بڑا محبوب تصور تھا — مترجم

۱۸ - Cubit اور Palm پیمانے ھیں - کیوبٹ ھے ھاتھ (ذ ر ع) ، پام 'کف دست' سے — مترجم

۱۹ - یونانیوں کا خیال تھا کہ بعض امراض مثلاً فیل بانی سے جسم تو کیا ذھن کا توازن بھی قائم نہیں رھنے پاتا - یہی وجہ ھے کہ ارسطو نے یہاں اجزائے شہر میں عدم توازن کا ذکر کرتے ھوئے جسم کی مثال پیش کی — مترجم

میں اضافہ ہو جائے اور ہمیں اس کا پتہ ہی نہ چلے، مثلاً جمہوریتوں یا آزاد ریاستوں (۲۰) میں غریبوں کے اندر ۔ مگر پھر بعض موقعوں پر اتفاقاً بھی ایسا ہو جایا کرتا ہے جیسے میدیا (۲۱) سے جنگ کے بعد ٹارنٹم میں ہوا جہاں ایاپائیے گی (۲۲) نے امرا کا اس حد تک قتل عام کر دیا کہ وہاں آزاد ریاست کی بجائے جمہوریت قائم ہوگئی ۔ ارگوس میں بھی یہی کچھ ہوا ۔ وہاں کلیومینیس (۲۳) اسپارٹوی کے ہاتھوں اتنے شہری مارے گئے (۲۴) کہ انہیں مجبوراً متعدد کسانوں کو آزاد شہریوں میں شامل کرنا پڑا ۔ اثینیہ میں بھی جب پیدل فوج کو ناکامی کا منہ

---

۲۰ - یعنی مدنیتوں میں — مترجم

۲۱ - یعنی ان جنگوں میں جو ایرانیوں سے ہوئیں — مترجم

۲۲ - Iapygi ایک قبیلہ - در اصل ایران سے لڑائیوں کی طرف اشارا ہے - 'میدیا' جغرافی اعتبار سے تو عبارت ہے شمال مغربی ایران سے جسے عرب الجبال کہتے تھے کیونکہ یہ سارا علاقہ سنگستانی ہے اور جبال کرد ستان (Zagros Mts.) کے دامن میں واقع ہے - تاریخی اعتبار سے میدیا سے مراد وہ سلطنت ہے جو ہنحمانشی (شاہنامے کی کیانی) سلطنت سے پہلے قائم تھی (پیش دادی ؟) اسے فارسی میں 'ماہ' سریانی میں 'مدائی' اور یونانی میں مدا (Mada) کہا گیا ہے اور جس کا اطلاق اس علاقے، اس سلطنت اور اس کے باشندوں (مید Med) سب پر ہوتا ہے — مترجم

۲۳ - Cleomenes شاہ اسپارٹا (ق - ۵۰۰ ق م) — مترجم

۲۴ - ارگوس میں اور جن کو افراد ہفتم کہا جاتا ہے - شاید اس لئے کہ ان کا تعلق ساتویں قبیلے سے تھا یا اس لئے کہ یہ واقع لڑائی کے ساتویں روز پیش آیا — مترجم

دیکھنا پڑا اور اھل اسپارٹا کے خلاف جنگ کے باعث (۲۵) امرا
کی تعداد خاصی کم ھوگئی تو شہریوں کی فہرست سے ان کا
انتخاب ضروری ھو گیا (۲۶) ۔ پھر اگرچہ جمہوریتوں میں بھی
انقلاب برپا ھو جایا کرتا ھے لیکن کبھی کبھی ، یعنی اس وقت
جب دولت مندوں کی تعداد بڑھنے لگے، یا املاک میں اضافہ
ھو جائے ۔ اس صورت میں وہ اعیانیتوں یا خاندانی حکومتوں کی
شکل اختیار کر لیتی ھیں ۔ البتہ اگر کہیں ادنیٰ قسم کے لوگ
باھم مل جائیں تو ایسا بھی ھوتا ھے کہ حکومتوں میں بغیر
کسی بغاوت یا شور و شر کے انقلاب رونما ھو جائے ۔ جیسے
ھیریا (۲۷) کی مثال ھمارے سامنے ھے جہاں انتخابات میں
رائے شماری کی بجائے لوگوں نے قرعہ اندازی کا طریقہ رائج
کر دیا اور یوں اپنے آپ کو منتخب کرانے میں کامیاب ھوگئے ۔
لیکن اس طرح کی تبدیلی بربنائے غفلت بھی تو ممکن ھے ، مثلاً
اس صورت میں جب شہری ریاست کے بڑے بڑے عہدوں کو
ان لوگوں کے سپرد کر دیں جو دستور کے حامی نہیں اور جس
کی مثال ھمیں اورس (۲۹) سے ملتی ھے جہاں وہ اعیانیت جو
آرکنون (۳۰) نے قائم کر رکھی تھی ھراک لیوڈورس (۳۱) کے

۲۵ - جنگ پلوپونیس میں — مترجم

۲۶ - لڑائی میں شرکت کے لئے — مترجم

۲۷ - Heraea — مترجم

۲۸ - کیونکہ ان کی خواھش ھوگی حکومت وہ شکل اختیار کر لے جو انہیں مرغوب ھے — مترجم

۲۹ - Orus یوبوئیہ (Euboea) میں — مترجم

۳۰ - ملاحظہ ھو حاشیہ فصل باب — مترجم

۳۱ - Heracleodorus — مترجم

انتخاب پر آزاد جمہوری طرز حکومت سے بدل گئی (۳۲) ۔ بات یہ ہے کہ جب لوگ چھوٹے چھوٹے معاملات نظر انداز کر دیتے اور ان سے غفلت برتنے لگ جاتے ھیں تو حکومتوں میں رفتہ رفتہ اتنی اتنی بڑی تبدیلیاں پیدا ھو جاتی ھیں جن کا پتہ بھی نہیں چلتا جیسے امبرا کیا (۳۳) میں ھوا جہاں دولت کی قید اگرچہ ابتدا میں بڑی محدود تھی (۳۴) لیکن جس کے آگے چل کر کچھ معنی ھی نہ رھے ، لہٰذا جن کے پاس کچھ تھا ، یا جن کے پاس کچھ بھی نہیں تھا ان کا باھمی فرق مٹ گیا (۳۵) ۔ پھر وہ ریاست بھی باغیانہ سر گرمیوں سے محفوظ نہیں رھتی جس کی ترکیب مختلف قوموں (۳۶) سے ھوتی ھے تاآنکہ وہ ایک دوسرے سے یوں شیرو شکر ھو جائیں کہ ان میں باھم کوئی اختلاف باقی نہ رھے ۔ بعینہ جیسے ابتدا میں یہ ممکن نہیں کہ جیسا بھی کوئی انبوہ ھے شہر کا جزو بن سکے ، نہ آگے چل کر بن سکتا ھے ۔ لہٰذا وہ سب جمہوریتیں جن کی تشکیل مختلف قسم کے لوگوں سے ھوئی ، یا جنھوں نے بعد میں آس پاس کے رھنے والوں کو شہری تسلیم کر لیا انقلاب سے محفوظ نہیں رہ سکیں ۔ مثلاً اھل آکیا ھی کو دیکھئے کہ جب انہوں نے

---

۳۲ - یعنی مدنیت (polity) سے — مترجم

۳۳ - Ambracia ساحل پر — مترجم

۳۴ - مناصب حکومت میں حصہ پانے کے لئے مترجم

۳۵ - یعنی مالی حیثیت کی قید ھی اڑا دی گئی ۔ مترجم

۳۶ - قوم کا اشارا ارسطاطالیسی لغت میں کسی شہر کی آبادی کی طرف ھے جیسے اثینوی اور اسپارٹوی باوجود یونانی ھونے کے دو مختلف قومیں تصور کئے جاتے تھے ۔ مترجم

ٹروئے زنون سے (۳۷) مل کر سائبرس (۳۸) کی بنیاد ڈالی اور اس کے چند دنوں بعد ٹروئے زنوں نے زیادہ طاقت حاصل کرلی تو انہیں اس سے خارج کر دیا ۔ یوں سائبرسی خیانت ضرب المثل بن گئی ۔ تھری سین بھی کچھ ایسے ھی اسباب تھے جن کی بنا پر اھل سائبرس اور ان لوگوں کے درمیان جنھوں نے اسے آباد کیا تھا اختلاف و نزاع پیدا ھو گیا (۳۹) ۔ اس لئے کہ وہ جب اس امر کے دعویدار ھوئے کہ یہ علاقہ ان کا ھے تو انہیں اس شہر ھی سے نکال دیا گیا (۴۰) ۔ بازنطیم میں بھی جب نئے نئے شہریوں کے متعلق یہ معلوم ھوا کہ وہ ریاست کے خلاف سازشوں میں مصروف رھتے ھیں تو بزور اسلحہ شہر بدر کر دئے گئے ۔ اھل انٹیسا (۴۱) نے بھی ان لوگوں سے جو کیوس سے جلا وطن کئے گئے تھے بالاخر یہی سلوک کیا اور اھل زانکل (۴۲) سے بھی جب انہوں نے اھل ساموس کو اپنے اندر شامل کرلیا ۔ بحیرہ اسود کے شہر اپولونیہ (۴۳) کے باشندوں کو بھی جنھوں نے

---

۳۷ - Troezen ایک یونانی قبیلہ — مترجم

۳۸ - Sybaris زیریں ایطالیہ میں — مترجم

۳۹ - کیونکہ انہوں نے بہت زیادہ حقوق کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا تھا تھا — مترجم

۴۰ - قومی اختلاف کی ان دو مثالوں کا تعلق صرف نو آبادیات سے ھے ، کیونکہ اس قسم کے اختلاف آبادکاری ھی میں رونما ھوتے ھیں — مترجم

۴۱ - Antissa لس بوس میں — مترجم

۴۲ - Zancle مطلب یہ ھے کہ یہاں ساموسیوں نے جو زانکل میں آ کر آباد ھوئے تھے اس کے باشندوں کو شہر بدر کر دیا — مترجم

۴۳ - Apollonia — مترجم

نوواردوں کو آزاد شہریوں کا درجہ دے دیا تھا بار بار بغاوت کا سامنا کرنا پڑا اور اهل سراقوسه کو بهی مستبدین کے اخراج پر جب انہوں نے اجنبیوں علیٰ هذا ان لوگوں کو جن کا پیشه هی لڑنا تھا شہریوں کی حیثیت دے دی ۔ چنانچه وہ آپس میں لڑنے جهگڑنے لگے اور بالاخر ایک دوسرے کے خلاف معرکه آرا هوگئے ۔ ایمفی پولس (۴۴) کے باشندوں نے بهی جب کال کڈی آباد کاروں کو اپنی بستی بسانے کی اجازت دے دی تو انہوں نے ان کے زائد حصه کو خارج البلد کر دیا ۔ رهی اعیانیتیں سو ان میں بعض لوگ محض اس لئے بغاوت پر سر اٹھاتے هیں که ان سے بدسلوکی هوئی ، انہیں کیوں اعزازات ریاست میں ان کے هم مرتبه افراد کی طرح حصه نہیں ملا ۔ چنانچه یه وہ بات هے جس کی طرف هم اس سے پہلے بهی اشارا کر آئے هیں ۔ جمہوریتوں میں البته سر بر آورده اشخاص آماده بغاوت هو جایا کرتے هیں اس لئے که وهاں انہیں بهی اتنا هی کچھ ملتا هے جتنا انہیں جن کی حیثیت ان سے کم هوتی هے (۴۵) ۔ محل وقوع بهی ایک دوسرا سبب هے (۴۶) جس سے بعض اوقات ریاست میں فتنه و فساد برپا هو جاتا هے ، یعنی اس صورت میں جب کوئی

---

۴۴ - Amphipolis مقدونیه میں — مترجم

۴۵ - اعیانیتوں اور جمہوریتوں کے بارے میں اس عبارت کو ایک طرح کا جمله معترضه تصور کیجئے — مترجم

۴۶ - شہر (ریاست) کے اختلاف کی طرح علاقے کے اختلاف کی یه بحث (جب وہ دو حصوں میں بٹ جائے ، مثلاً کسی جغرافی روک ، دریا یا سمندر کے باعث) ایک طرح کا اضافه هے جس کا اصل مقام شاید کسی دوسری جگه تھا — مترجم

علاقه شہر کے لئے موزوں نه هو جیسے کلازومینی کی مثال همارے سامنے هے ۔ وهاں شہر کے اس حصے میں رهنے والوں نے جس کا نام کائٹرم (۴۷) تھا اس حصے سے لڑائی چھیڑ دی جس کا تعلق جزیرے سے تھا ۔ یہی کچھ اهل کولون نے اهل نوٹیم (۴۸) سے کیا ۔ اثینیه میں بھی تو اهل شہر کی طبیعتیں یکساں نہیں اس لئے که جو لوگ پرائیس (۴۹) میں رهتے هیں انہیں به نسبت اهل شہر (۵۰) کے عوامی حکومت زیادہ پسند هے ۔ جس کی وجه یه هے که جہاں کبھی کوئی چھوٹی سی ندی شہر میں حائل هو گئی اس کے بازوؤں میں ردوبدل هوتا رهیگا (۵۱) مطلب یه هے که معمولی سے معمولی اختلاف بھی شورش کا سبب بن جاتا هے ۔ لیکن اسے کسی دوسری چیز سے اتنی جلدی تحریک نہیں هوتی جتنی نیکی اور بدی میں اختلاف یا پھر دولت اور افلاس کے باهمی فرق سے ۔ گویا کوئی سبب بڑا هوتا هے، کوئی چھوٹا اور جن میں ایک وه بھی هے جس کا هم نے سب سے آخر میں ذکر کیا هے ۔ (۵۲)

---

۴۷ - Chytrum — مترجم

۴۸ - نوٹیم (Notium) کولوفن کی بندرگاہ — مترجم

۴۹ - اثینیه کی بندرگاہ — مترجم

۵۰ - یعنی اثینیه — مترجم

۵۱ - ارسطو یہاں میدان جنگ کی مثال پیش کر رها هے جہاں ایک چھوٹی سی خندق کی موجودگی سے بھی لڑنے والوں کی صفیں بکھر جاتی هیں - گویا یه ندی کی موجودگی تھی جس نے اثینیه میں اصل شہر کے باشندوں اور بندرگاہ کے رهنے والوں کے مزاج اور طبیعت میں خاص اختلاف پیدا کر دیا تھا — مترجم

۵۲ - محل وقوع کی عدم مناسبت کا — مترجم

# چوتھا باب

مگر پھر یاد رکھنے کی بات یہ ھے کہ اگر حکومتوں کے خلاف انقلابی کارروائیاں کی جاتی ھیں تو چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے نہیں، بلکہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کے باعث، کیونکہ ان کا فوری سبب وقتی ھوتا ھے۔ بات یہ ھے کہ جہاں کہیں ریاست کے سر بر آوردہ اشخاص میں کوئی معمولی سا نزاع پیدا ھوا اس کے نتائج بڑے ناگوار ھوں گے جیسے آج سے بہت پہلے سراقوسہ میں ھو چکا ھے کہ وھاں حکومت میں انقلاب برپا ھو گیا (۱) محض اس لئے کہ دو نوجوان جو ریاست کے عہدیدار تھے عشق و عاشقی میں ایک دوسرے سے بگڑ گئے۔ اس طرح کہ ان میں سے ایک نے جب دوسرے کی غیر موجودگی میں اس کی داشتہ پر ھاتھ ڈالا (۲) تو دوسرا اس کی بیوی کو ورغلا کر اپنے گھر لے آیا جس پر شہر کے ایک حصے نے تو ایک کا ساتھ دیا، دوسرے نے دوسرے کا اور انجام یہ ھوا کہ حکومت کی شکل ھی سرے سے بدل گئی۔ لٰہذا اس قسم کے جدال و نزع کا شروع ھی سے خیال رکھ لینا چاھئے تاکہ اس سے کوئی خراب نتیجہ مرتب نہ ھو۔

---

۱ - یعنی دستور بدل گیا جس کے ساتھ حکومت کی تبدیلی ناگزیر تھی، گویا ارسطو کا اشارا دستور اور دستور کے مطابق طرز حکومت دونوں کی طرف ھے — مترجم

۲ - مگر بارکر کے نزدیک اس 'داشتہ' کا اشارہ فرقہ اناث کی طرف نہیں ھے بلکہ فرقہ ذکور کی جانب - قارئین کو معلوم ھے اھل یونان میں یہ جنسی خرابی عام تھی — مترجم

چنانچہ بہتر تو یہی ہے کہ ارباب اختیار اگر ایک دوسرے سے بگڑ جائیں تو ان کے لڑائی جھگڑوں کا ابتدا ہی میں سد باب کر دیا جائے ۔ اس لئے کہ شر ابتدا ہی میں رونما ہوتا ہے اور جب ہی تو کیا گیا ہے ابتدا نصف انتہا ہے ، کیونکہ جس خرابی کو ابتدا میں معمولی تصور کیا جاتا ہے اسی پر انجام کار ان سب باتوں کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو بعد میں پیدا ہوتی ہیں ۔ یوں بھی اگر سر بر آوردہ اور ذی حیثیت اشخاص نے آپس میں لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا تو اس کا اثر سارے شہر پر پڑے گا ۔ چنانچہ ہسٹیا (۴) میں ایسا ہی ہوا کہ میدیا سے لڑائی کے دوران میں (۵) دو بھائی اپنی آبائی جائیداد کے تنازع میں ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے ۔ ان میں جو نسبتاً غریب تھا اور جس نے ترکے کا کچھ حصہ ، علیٰ ھذا اپنے باپ کا کچھ روپیہ چھپا رکھا تھا عوام کی تائید حاصل کر لی ، لیکن دوسرے نے جو نسبتاً امیر تھا خواص کی ۔ ڈیلفوس میں بھی بغاوتوں کا جو سلسلہ شروع ہوا اس کی وجہ محض وہ نزاع تھا جو ایک شادی کے موقعہ پر پیدا ہوا اور وہ یوں کہ دولھا دلھن کے گھر پہنچا (۶) تو ایک ایسے شگون کے ڈر سے جو اس کے نزدیک برا تھا دلھن سے شادی کئے بغیر واپس چلا آیا ۔

---

۳ - آرکی (archi) جس کے معنی ابتدا کے بھی ہیں اور فرماں روائی کے بھی ۔ لٰہذا جو غلطی ابتدا میں کی جائے گی بالآخر اسی کی فرماں روائی قائم ہو جائے گی - یعنی ہم اس کے شکار ہو جائیں گے — مترجم

۴ - Hestiaea — مترجم

۵ - ایرانی یونان میں حملہ آوری کی صورت میں — مترجم

۶ - یا یہ کہ ان کے گھر میں جو واقعہ پیش آیا اس کو بد شگونی پر محمول کرتے ہوئے — مترجم

اس پر دلهن کے رشتہ داروں کو بڑا غصہ آیا اور انہوں نے یہ ترکیب کی کہ چپکے چپکے دولھا کی جیب میں قربانی کا کچھ روپیہ ڈال دیا۔ اس وقت جب وہ قربانی ادا کر رہا تھا اور پھر اس بے حرمتی کے بہانے اسے قتل کر دیا (۷) ۔ مٹےلین (۸) میں بھی اس طرح کے ایک جھگڑے نے جس کا تعلق وراثت سے تھا (۹) بڑا فتنہ و فساد پیدا کیا اور یہی اثینیہ سے بھی لڑائی کا باعث ہوا جس میں پاخس (۱۰) نے اس پر قبضہ کر لیا (۱۱) اس لئے کہ جب ڈوکسانڈر (۱۲) کو اس بات سے روک دیا گیا کہ اپنے لڑکوں کی شادی ان دو لڑکیوں سے نہ کرے جن کو ایک امیر آدمی ٹموفینیز (۱۳) چھوڑ گیا تھا (۱۴) تو اس نے اهل اثینیہ کو بغاوت پر برانگیختہ کر دیا ، کیونکہ وہ ان کا مہمان تھا (۱۵) ۔ فوکیہ (۱۶) میں بھی

---

۷ - مطلب یہ ہے کہ قربان گاہ میں جو زر و مال جمع رہتا ہے اس کا کچھ حصہ اس کی قربانیوں میں شامل کرتے ہوئے یہ الزام لگایا کہ اس نے قربان گاہ کی ۔ حرمتی کی ہے اور اس لئے قتل کر دیا — مترجم

۸ - Mitylene جزیرہ لس‌بوس Lesbos کا سب سے بڑا شہر — مترجم

۹ - یعنی ایک ایسی عورت کی شادی سے جو کسی جائیداد کی وارث تھی — مترجم

۱۰ - Pachas — مترجم

۱۱ - اثینیہ پر — مترجم

۱۲ - Doxander — مترجم

۱۳ - Timophanes — مترجم

۱۴ - قانوناً دونوں اپنی جائیداد کی وارث تھیں — مترجم

۱۵ - فاتح شہر کی طرف سے مشیر حکومت — مترجم

۱۶ - Phocea شمالی یونان کا ایک خطہ — مترجم

حق وراثت ھی کی بنا پر مناسسس (۱۷) کے باپ مناسس اور یوتھوکراٹیس (۱۸) ، انومارکس (۱۹) کے باپ کے درمیان جو نزاع رونما ھوا وھی اھل فوکیا کے خلاف جنگ مقدس (۲۰) کا سبب بن گیا - اپی‌ڈامنس کی حکومت میں بھی تبدیلیاں پیدا ھوئیں تو اس جھگڑے کا باعث جس میں سارا مسئلہ محض ایک شادی کا تھا - یہاں ایک شخص نے اپنی لڑکی کی نسبت جس شخص سے کر رکھی تھی اس کے باپ نے جب بحیثیت آرکن اسے سزا دی (۲۱) تو وہ اس ذلت کی تلخی میں (۲۲) ان لوگوں کے ساتھ مل گیا جن کا حکومت میں کوئی حصہ نہیں تھا اور یوں اس میں انقلاب پیدا کر دیا (۲۳) - پھر کوئی بھی حکومت ھو ، اعیانیت یا جمھوریت یا مدنیت اگر حاکمان شہر یا شہر کا کوئی حصہ غیر معمولی نیکنامی حاصل کر لے جب بھی حکومت بدل جاتی ھے جیسے اثینیہ میں میدیا سے جنگ کے موقع پر ھوا کہ آریوپاگس (۲۴) کی عدالت کی واہ واہ ھونے لگی اور اس لئے عملداری پر اس کی

---

۱۷ - Mnases — مترجم

۱۸ - Euthocrates — مترجم

۱۹ - Onomarchus — مترجم

۲۰ - The Sacred War جو دس برس جاری رھی (۳۴۶—۳۵۷) اور جس میں بالآخر یہ سارا علاقہ فیلقوس (Philip مقدونوی کے ھاتھوں تباہ و برباد ھو گیا — مترجم

۲۱ - کسی جرم میں جرمانے کی — مترجم

۲۲ - بر بنائے قرابتداری — مترجم

۲۳ - اب تک جو مثالیں پیش کی گئی ھیں ان کا تعلق ذاتی روابط میں کسی خیالی یا حقیقی توھین سے ھے - آئندہ سطور میں اجزائے ریاست میں غیر معمولی اضافے کے نتائج سے بحث کی گئی ھے — مترجم

۲۴ - Areopagus ذکر پہلے آ چکا ھے — مترجم

گرفت اور بھی مضبوط ہو گئی (۲۵) ۔ دوسری جانب بحری فوج کو جو عوام پر مشتمل تھی جب اپنی بحری طاقت کے باعث سلامس کی لڑائی میں فتح حاصل ہوئی (۲۶) تو ان کا زور ریاست میں بڑھتا گیا جس سے فریق عوام کو بڑی تقویت پہنچی (۲۷) ۔ برعکس اس کے ارگوس میں چونکہ منٹینیا کی لڑائی میں (۲۸) امرا نے اسپارٹا پر فتح حاصل کی تھی ، لہذا انہوں نے جمہوریت کا خاتمہ کر دیا ۔ بعینہ جب سراقوسہ نے عوام کی بدولت اثینیہ سے جنگ میں فتح پائی تو یہ آزاد ریاست (۲۹) جمہوریت میں بدل گئی ۔ کال کس (۳۰) میں

---

۲۵ - یعنی اس کے ارکان دستور حکومت پر چھا گئے — مترجم

۲۶ - Salamis یہی لڑائی تھی جس میں ایرانی بیڑہ اہل یونان کے ہاتھوں تباہ ہوا اور ارض یونان ایرانی سیادت سے ہمیشہ کے لئے بچ گئی ۔ اہل یورپ اسے تاریخ کا ایک فیصلہ کن واقعہ تصور کرتے ہیں ۔ پھر جہاں تک اثینوی بحری طاقت اور اثینوی جمہوریت کا تعلق ہے ارسطو نے 'دستور اثینیہ' میں اس سے مفصل بحث کی ہے اور یہاں بھی اس کی طرف اشارا کر دیا ہے ۔ بحری فوج زیادہ تر شہریوں کے اس طبقے پر مشتمل تھی جسے تھیٹیس Thetes کہا جاتا تھا اور جو اصل شہر اور اس کی بندرگاہ (یعنی اثینیہ اور پرائیس) دونوں میں آباد تھا ۔ یہ سب جمہوری خیال لوگ تھے جس سے اثینوی سلطنت اور اثینوی بحریے میں ایک منطقی تعلق قائم ہوجاتا ہے ۔ یہ لوگ مجلس شہر میں شریک ہو کر باسانی طے کر سکتے تھے کہ ان کا رویہ امور حکومت میں کیا ہو — مترجم

۲۸ - Mantinea ۴۱۸ ق—م میں — مترجم

۲۹ - یعنی مدنیت — مترجم

۳۰ - Chalcis جہاں ارسطو فوت ہوا — مترجم

البتہ جب عوام نے خواص سے مل کر فوکس (۳۱) ایسے مستبد سے سے نجات حاصل کی تو خود ہی حکومت پر قابض ہو گئے (۳۲)۔
اسبراکیا میں بھی یہی کچھ ہوا کہ عامۃالناس اول تو پیری مستبد کے فریق سے مل گئے (۳۳) اور اس کے بعد خود ہی حکومت پر چھا گئے ۔ در اصل ایک عام بات جسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے یہ ہے کہ جہاں کسی ریاست میں کچھ لوگوں نے طاقت حاصل کر لی وہ افراد ہوں ، یا حکام ، کوئی خاص قبیلہ یا شہریوں کا کوئی حصہ ، یا گروہ وہ اس میں نزاع و جدال پیدا کر دے گا ۔ اس لئے کہ ان کے اعزازات کو دیکھ کر یا تو لوگ خود ہی بغاوت اور سرکشی پر آمادہ ہو جائیں گے ، یا پھر جن کو یہ عزت اور وجاہت حاصل ہے وہ دوسروں سے مساوات پر اکتفا کہیں کریں گے (۳۵) ۔ پھر اگر ریاست کے ان اجزا میں جو ایک دوسرے کے مد مقابل ہیں مساوات پیدا ہو گئی ، مثلاً امرا اور عوام‌الناس میں جب بھی فتنہ و فساد رونما ہو جائے گا ، کیونکہ اس طرح وہ حصہ جس کی حیثیت ان کے بین بین ہے سرے سے کالعدم ، یا

---

۳۱ - Phocis — مترجم
۳۲ - یعنی وہاں جمہوریت قائم ہو گئی — مترجم
۳۳ - Periander کا شمار ہفت دانایان یونان میں ہوتا ہے - فلسفہ اور ادب کا مربی - (زمانہ ٦۲۵ ق - م) - عوام نے پہلے تو اس کے طرفداروں سے مل کر سازش کی - پھر اس کی حکومت کا تختہ الٹ دیا — مترجم
۳۴ - اور جو ارسطو کے نزدیک گویا پیدا نہیں ہونی چاہئے — مترجم
۳۵ - لہذا یوں بھی بغاوت اور سرکشی کو تحریک ہوگی — مترجم
۳٦ - یعنی متوسط طبقہ جس کا وجود ارسطو کے نزدیک ریاست کے لئے ضروری ہے - ملاحظہ ہوں مباحث ما سبق — مترجم

کا لعدم نہیں تو بے حقیقت ہو جائے گا (۳۷) ۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اپنی ذاتی خوبیوں اور فضائل اخلاق میں دوسروں پر برتری رکھتے ہیں کبھی شور و شر اور بغاوت کا سبب نہیں بنتے ۔ لیکن اس طرح کے انسان بہتوں میں تھوڑے ہی ہوتے ہیں ۔ بہر حال ریاستوں میں بغاوت اور سرکشی کا آغاز ہوتا ہے تو بالعموم انہیں اسباب کی بنا پر جن کا ذکر ہم اس سے پہلے کر آئے ہیں۔ رہے انقلابات سو ان کی دو صورتیں ہیں تشدد یا دھوکا ۔ بصورت تشدد یا تو شروع ہی میں دوسروں کو انقلاب پر مجبور کر دیا جاتا ہے (۳۸) ۔ رہا دھوکا تو اس کا دو صورتیں ہیں ۔ ایک تو یہ کہ جو لوگ دھوکے میں آگئے ہیں وہ برضا و رغبت حکومت کی تبدیلی پر مجبور ہو جائیں ، یا آگے چل کر بزور طاقت اس پر مجبور کر دئے جائیں جیسے چہار صد (۳۹) نے اپنی یہ بات منوا لی تھی کہ اسپارٹا میں جنگ کی صورت میں شاہ ایران ان کی مالی امداد کرے گا ، حالانکہ یہ سب جھوٹ تھا جس کا انہوں نے ارتکاب کیا اور جس کے باوجود وہ حکومت پر متصرف رہے (۴۰) ۔ یا یوں کہ شروع شروع میں تو لوگوں کو کسی خاص طرز حکومت پر آمادہ کر لیا جائے تاآنکہ آگے چل کر وہ اس پر رضامند بھی ہو جائیں ۔ یہ اور کچھ ایسے ہی طور طریق ہیں جن کا ہم ذکر کر رہے تھے اور جو حکومتوں میں

---

۳۷ - بغاوت اور سرکشی سے — مترجم

۳۸ - مطلب یہ ہے کہ آگے چل کر کسی وقت — مترجم

۳۹ - The Four Hundred — مترجم

۴۰ - ۴۱۱ میں — مترجم

۴۱ - دھوکے سے — مترجم

انقلاب اور شور و شر کا ذریعه بنتے هیں۔ کبھی ایک کبھی دوسرا (۴۲)۔

۴۲ ۔ یه آخری ٹکڑا شاید الحاقی هے (بارکر کے نزدیک) —— مترجم

# پانچواں باب

اب ہمیں ان حوادث پر نظر ڈالنی ہے جو کیسی بھی حکومت ہو ان اسباب کی بنا پر(۱) رونما ہو جاتے ہیں۔ جمہوریتوں میں تو انقلاب کی وجہ زیادہ تر عوامی رہنماؤں کی بد دیانتی ہوتی ہے۔ وہ کبھی تو دولت مندوں کے خلاف طرح طرح کی باتیں پھیلاتے(۲) اور لوگوں کو اکساتے ہیں کہ اپنے ذاتی تحفظ کے لئے ایک ہو جائیں اس لئے کہ جب خطرہ برابر کا ہو تو بڑے بڑے دشمن بھی آپس میں مل جاتے ہیں۔ کبھی عامة الناس کو ان کے خلاف برانگیختہ کر دیتے ہیں (۳ جیسے جزیرہ کوس میں جہاں امرا نے جب عوامی رہنماؤں میں طرح طرح کی برائیاں دیکھیں تو آپس میں مل گئے اور اس لئے وہاں جمہوریت کا خاتمہ ہو گیا۔ روڈس میں بھی انھوں نے اول تو رشوتیں تقسیم کیں، پھر عوام کو ان ادائیگیوں سے روک دیا جو انہیں ترارکوں (۴) کو کرنا تھیں۔ لٰہذا ان کے خلاف مقدمات دائر کئے گئے جس پر تنگ آکر انھوں نے سازش کی

---

۱ - جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے — مترجم

۲ - فرداً فرداً یعنی کبھی اس اور کبھی اس دولت مند کے خلاف — مترجم

۳ - بحیثیت جماعت طبقاتی نزاع کے لئے — مترجم

۴ - Trierarch سہ طبقہ جنگی جہاز ساز - یہ جہاز Trireme کہلاتے - ان میں کھویوں کے لئے تین نشستیں ہوتیں — مترجم

اور عوام کی حکومت کا تختہ الٹ دیا (٥) ۔ ھراقلیہ میں بھی یہی کچھ ھوا اور انہیں لوگوں کے ھاتھوں حالانکہ اس بستی کو بسے ھوئے ابھی چند ھی دن گزرے تھے ۔ یہاں بھی جب سربر آوردہ لوگوں سے بد سلوکی کی گئی تو انھوں نے پہلے تو شہر چھوڑ دیا مگر پھر ایکا کر کے واپس آگئے اور عوام کو حکومت سے بے دخل کر دیا ۔ میگارا کی جمہوریت بھی ایسے ھی تباہ ھوئی ۔ یہاں بھی عوامی رھنماؤں نے جب ضبطیوں کے ذریعے مال و دولت جمع کرنا شروع کر دیا تو امرا ایک ایک کر کے شہر سے نکل گئے ۔ لیکن اس طرح شہر بدر ھوتے ھوتے جب ان کی تعداد بڑھ گئی تو انھوں نے اس پر حملہ کر دیا اور عوام کو شکست دے کر اعیانیت قائم کر لی ۔ کومے (٨) کی جمہوریت کا بھی یہی انجام ھوا ۔ اسے تھراسی‌ماکس (٩) نے تباہ کیا ۔ بعینہ

---

٥ - یہ ساری عبارت وضاحت طلب ھے اور اس کا ماحصل یہ ھے کہ عوامی رھنماؤں نے اول تو مجالس ریاست اور عدالتوں میں شرکت کے لئے معاوضہ مقرر کر دیا ۔ پھر جو رقمیں ترارکوں کو اس لئے دی جاتی تھیں کہ وہ سہ طبقہ جنگی جہاز Trireme طیار کریں ان کی ادائیگی روک لی تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ اندوختہ حاصل کر سکیں ۔ اس پر ترارکوں نے بغاوت کی اور حکومت کا خاتمہ ھو گیا — مترجم

٦ - عوام کے — مترجم

٧ - یعنی کسی نہ کسی بہانے جائیداد کی ضبطیوں سے — مترجم

٨ - Cume یا کانمے Cyme — مترجم

٩ - Thrasymachus یہ سب مثالیں جن میں بتایا گیا ھے کہ عوامی رھنماؤں کے طریق کار سے کس طرح جمہوریتوں کا خاتمہ ھو گیا ۔ ایشیائے کوچک کی ڈوری نو آبادیوں کی ھیں بجز میگارا کے جس کا ذکر شاید اس لئے کیا گیا ھے کہ یہاں ایک نو آبادی اھل میگارا نے قائم کی تھی — مترجم

دوسری ریاستوں میں جو حالات پیش آئے ان پر نظر رکھئے تو یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہاں جو انقلاب رونما ہوئے ایک ہی طرح کے اسباب سے ہوئے (۸) ۔ عوامی رہنماوں کی اس کوشش سے کہ عوام کی خوشنودی حاصل کرسکیں شرفا مجبور ہوگئے کہ ان کے خلاف سازش کریں، اس لئے کہ یا تو انھوں نے ان کی جائیدادوں کے حصے بخرے کر دئے، یا پھر زبردستی مصارف حکومت کا بوجھ ان پر ڈال دیا اور یا انہیں شہر بدر کرنے کے درپے ہوگئے تاکہ وہ ان کا مال و دولت ضبط کرسکیں ۔ پھر چونکہ اگلے وقتوں میں ایک ہی شخص سپہ سالار بھی ہوتا اور عوامی رہنما بھی تو جمہوریت استبداد سے بدل جاتی ۔ چنانچہ پرانے زمانے کی مستبد حکومتیں زیادہ تر یونہی وجود میں آئیں (۹) لیکن یہ بات جو اس وقت ممکن تھی، اب ممکن نہیں، کیونکہ اب جتنے بھی عوامی رہنما ہیں فوج سے تعلق رکھتے ہیں اور اس لئے ناممکن ہے ان دنوں کوئی شخص محض زور خطابت سے طاقت حاصل کرسکے (۱۰) ۔ یوں بھی اب حرب فن خوب ترقی کر چکا ہے اور جو کوئی اس میں سہارت رکھتا ہے عامی رہنما بن جاتا ہے ۔ سپہ گری کا کوئی جوہر تو ان میں ہوتا نہیں ۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے وہ مستبد بن کر لوگوں پر چھا جائیں ۔ رہی اس کے خلاف ایک آدہ مثال سو اسے نظر انداز کر

---

۸ - وہ انقلاب جن کی بدولت جمہوریتیں اعیانیت سے بدل گئیں — مترجم

۹ - یعنی یہ عوامی رہنما تھے جو بالآخر مستبد بن گئے — مترجم

۱۰ - گویا خطابت کے زور سے طاقت حاصل کرنا ایک اجتماعی امر تھا جس کا بتدریج نشو و نما ہوا - زمانۂ حال میں انگلستان کی سیاسی زندگی اس کی نہایت عمدہ مثال ہے — مترجم

دینا ھی بہتر ھوگا ۔ بہر حال پچھلے زمانے میں آج کل کی نسبت استبداد کا دور دورہ عام تھا کیونکہ اس زمانے میں بعض حکام نے بڑے بڑے وسیع اختیارات حاصل کر رکھے تھے ۔ مثلاً ملےطوس کے وہ حکم جو پرائی ٹے نے (۱۱) کہلاتے تھے اور جہاں بعض معاملات کا فیصلہ سرتا سر انہیں کے ھاتھ میں تھا (۱۲) ۔ پھر ان وقتوں میں شہر بھی چھوٹے ھوا کرتے تھے (۱۳) اتنے بڑے نہیں ھوتے تھے جتنے آج کل ھیں ۔ لوگ زیادہ تر گاؤوں میں رھتے اور کھیتی باڑی کرتے ۔ لہذا جو کوئی جماعتی معاملات میں آگے بڑھ جاتا اور سپاھیانہ قابلیت رکھتا وہ مستبد بن کر حکومت کرنے لگتا ۔ چنانچہ اس قسم کے اشخاص جونہی انہیں عوام کی تائید حاصل ھو جاتی ایسا ھی کرتے ۔ تائید حاصل کرنے کا طریق یہ تھا کہ وہ دولت مندوں کے خلاف نفرت پھیلاتے جیسے پسسٹراٹس (۱۵) نے اثینیہ میں پڈیاکی (۱٦) کی مخالفت سے ، یا جیسے تھیاگینیس (۱۷) نے میگارا میں ۔ اس نے وہ سب مویشی جو دولت مندوں کی ملکیت تھے اور جو دریا کے کنارے رکھے

---

۱۱ - Prytanes بمعنی صدر - اثینیہ کے اس شعبہ سینیٹ کا رکن جو بقدر ۱۰ سال کے اس کی صدارت کرتا —مترجم

۱۲ - اشارا ھے تھراسیبولوس Thrasybolus کے استبداد کی طرف — مترجم

۱۳ - یہ دوسری وجہ ھے جمہوریت کے استبدادیت سے بدلنے کی — مترجم

۱۴ - ایک اور وجہ ھے استبدادی حکومت قائم ھونے کی — مترجم

۱۵ - Peisistratus — مترجم

۱٦ - Pediaci یعنی میدانی فریق جو (غریبوں پر مشتمل) ساحلی فریق کے خلاف تھا — مترجم

۱۷ - Theagenes — مترجم

تھے (۱۸) پکڑ پکڑ کر ذبح کر دئے - سراقوسہ میں بھی ڈیونے سیوس نے اول ڈاف نیئس (۱۹) اور دوسرے دولت مندوں کو مورد الزام ٹھہرایا اور پھر ان سے عداوت کی بنا پر عوام کا طرفدار بن گیا تاکہ ان کی تائید حاصل ہو جائے - یوں انہوں نے خود ہی اسے کی مستبدانہ حیثیت تسلیم کرلی - پھر ایک اور وجہ ہے جس کی بنا پر جمہوریت کی جو شکل قدیم سے چلی آ رہی ہے اور ہے بھی سب کے نزدیک معتبر ایک نئی شکل اختیار کر لے (۲۰) یعنی اس صورت

۱۸ - اس کی زمینوں سے باہر — مترجم

۱۹ - Daphnaeus — مترجم

۲۰ - بارکر نے 'جو شکل چلی آرہی ہے' کے لئے ابائی کی اصطلاح اختیار کی ہے - چوتھی صدی قبل مسیح میں یہ لفظ اثینیہ میں بڑا عام تھا لیکن یہ 'آبائی' جمہوریت تھی کیا اس کی تعبیر ہر ذہن اپنے اپنے رنگ میں کرتا تھا - وہ جمہوریت بھی تھی اور اعیانیت بھی - یوں بھی دیکھا گیا ہے کہ 'آبائی' رسم و رواج اور آبائی طرز زندگی کی طرح 'آبائی طرزحکومت' کا لفظ بھی بڑا دلکش ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگ اپنی قدیم روایات پر قائم ہیں - مگر پھر مشکل یہ ہے کہ اس کی تعبیر ہر ذہن میں یکساں نہیں ہوتی -

'نئی' کا لفظ تشریح طلب ہے - بارکر کے نزدیک وہ مترادف ہے 'جدید ترین' کا - چنانچہ وہ اس سے پہلے 'آخری' کا لفظ بھی استعمال کرتا ہے - 'آخری اور جدید ترین' - یعنی وہ شکل جو سب تبدیلیوں کے بعد بالآخر پیدا ہوگئی -

عوامی رہنما خوشامد اور چاپلوسی سے کام لیں گے یا بقول بارکر عوام ان کو اپنے راستے پر لگانے کی کوشش کریں گے - دونوں صورتوں میں قانون بھی عوام کے ہاتھ میں آ جائے گا - اس کی تعبیر جس طرح چاہیں گے کریں گے - یعنی قانون کی سیادت ختم ہو جائے گی - گویا عوام کی ذات اس سے بالاتر رہے گی — مترجم

میں جب حکام کا انتخاب ہوتا تو رائے سے ہے لیکن مالی امتیازات کے بغیر جس سے سر رشتہ انتخاب سرتاسر لوگوں کے ہاتھ میں آجاتا ہے اور برسر حکومت عوامی رہنما ان کی خوشامد میں اس حد تک آگے بڑھ جاتے ہیں کہ ان کی ذات قانون سے بھی فائق ہو جاتی ہے ۔ لہٰذا اس قسم کے حالات کا تدارک، یا بڑی حد تک روک تھام یونہی ممکن ہے کہ حکام کے انتخاب کا مسئلہ حتی‌الوسع لوگوں کے ہاتھ میں نہ رہے، قبائل کے ہاتھ میں رہے (۲۱) ۔ یہ انقلابات ہیں جو جمہوریتوں میں جاتے رونما ہوتے ہیں اور یہی کم و بیش ان کے اسباب ۔

---

۲۱ ۔ بالفاظ دیگر ارسطو کے نزدیک ان میں تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو کے اصول پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ یا تو مختلف قبائل مختلف حکام منتخب کرینگے یا کسی ایک جماعت حکام میں ہر قبیلے کا ایک نمائندہ ہوگا اور یوں عوام کی طاقت پر روک قائم ہو جائے گی —— مترجم

# چھٹا باب

دو سبب ھیں جن کی بنا پر اعیانیتوں میں انقلاب برپا ھو جاتا ھے اور دونوں کی حیثیت منجملہ دوسرے اسباب کے بڑی نمایاں ھے ایک لوگوں سے بدسلوکی کیونکہ اس صورت میں ھر شخص بغاوت پر آمادہ ھو جاتا ھے ، بالخصوص اس وقت جب ان کی قیادت اعیان میں سے کسی ایک کے ھاتھ میں ھو جیسے ناکسوس (۱) میں لائیگڈیمس کے جس نے بالاخر اس جزیرے میں اپنی مستبدانہ حکومت قائم کر لی (۲) - پھر اگر بغاوتوں کے اسباب مختلف ھوں تو ان کی شکلیں بھی مختلف ھو جاتی ھیں - اس لئے کہ بعض موقعوں پر اھل دولت بھی انقلاب برپا کر دیتے ھیں مثلاً اس وقت جب عملداری میں ان کا کوئی حصہ نہ ھو اور صرف معدودے چند افراد اس پر چھا جائیں - جیسے مسلیبا ، اسٹر (۳) اور ھراقلیہ میں ھوا - علیٰ ھذا دوسرے شہروں میں اس لئے کہ جن لوگوں کو عملداری میں کوئی حصہ نہیں ملا وہ اس وقت تک برابر کوئی نہ کوئی شورش پیدا کرتے رھے جب تک انہیں اس میں شریک نہیں کر لیا گیا - یعنی جب اول بڑے اور پھر چھوٹے بھائیوں کو کیونکہ بعض جگھوں

---

۱ - Naxus بحیرۂ یونان (ایجہ) کا ایک جزیرہ — مترجم

۲ - Lygdamis — مترجم

۳ - Massilia اور Istar غالباً بحیرۂ ایڈریاٹک کے انتہائی شمال میں ایک جزیرہ نما — مترجم

میں دستور ہے کہ باپ بیٹے کو ایک ساتھ کوئی منصب نہیں مل سکتا - کہیں یہ کہ بڑے اور چھوٹے بھائی کو ایک وقت میں کوئی عہدہ نہیں ملیگا (۴) - چنانچہ جہاں کہیں اس قاعدے پر عمل ہے وہاں اعیانیت قریباً قریباً مدنیت کی شکل اختیار کرلیتی ہے - اسٹر کی ریاست البتہ جمہوریت سے بدل گئی اور ہراقلیہ کی چند ہاتھوں کی بجائے چھ سو کے ہاتھ میں آ گئی (۵) - کنی‌ڈوس میں بھی اعیانیت کی تباہی یوں ہوئی کہ امرا نے ایک دوسرے سے لڑنا شروع کر دیا - اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت پر بہت تھوڑے افراد قابض تھے اور جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں اگر باپ کو اس میں دخل تھا تو بیٹا محروم رہ جاتا ، بھائی زیادہ ہوتے تو صرف سب سے بڑے کو اس میں حصہ ملتا - للہذا لوگوں نے ان جھگڑوں سے فائدہ اٹھا کر ایک امیر آدمی کو اپنا سپہ سالار مقرر کرلیا اور کامیاب ہوگئے (۶) اس لئے کہ جہاں کہیں شورش برپا رہے وہاں حکومت کمزور ہو جایا کرتی ہے - جیسے ارتھریا (۷) میں جہاں اس سے پہلے یا سلڈیس (۸) کے زمانہ اعیانیت میں بسبب حسن انتظام ریاست ہر طرح سے فروغ

---

۴ - گویا پہلے تو ہر خاندان سے صرف ایک فرد حکومت میں شریک ہوتا تھا ، پھر زیادہ افراد للہذا اعیانیت قائم نہ رہ سکی — مترجم

۴ - یعنی مسسلیا میں — مترجم

۵ - مطلب یہ ہے کہ اعیانیت کا دائرہ نسبتاً وسیع ہو گیا اور پھر معدودے چند افراد کی بجائے زیادہ تعداد بر سر اقتدار آ گئی — مترجم

۶ - یعنی وہاں جمہوریت قائم ہو گئی — مترجم

۷ - Erithria — مترجم

۸ - Basilides ایک قبیلے کا نام — مترجم

حاصل کر رهی تهی - پهر بهی لوگ چونکه اس بات سے ناراض تهے که زمام حکومت چند هاتهوں میں رهے للهذا انهوں نے اسے بدل ڈالا (۹) - اعیانیتوں میں ارباب حکومت خود بهی انقلاب کا سبب بن جایا کرتے هیں یعنی اس وقت جب عوامی رهنما ایک دوسرے سے لڑنا شروع کر دیں (۱۰) - عوامی رهنماؤں کی دو قسمیں هیں (۱۱) - برسراقتدار اشخاص کے خوشامدی خواه ان کی تعداد محدود هو (۱۲) ان کے یہاں بهی ایسے لوگ هوا کرتے هیں (۱۳) جیسے کاری کلیس (۱۴) جس نے اثینیه میں 'تیس' پر غیر معمولی اثر حاصل کر رکها تها یا جیسے فرائی نیکس (۱۵) جس نے 'چهار صد'

---

۹ - یه سب تبدیلیاں جن کی طرف ارسطو نے اشارا کیا هے خارج یعنی بر سر اقتدار حلقے سے باهر پیدا هوئیں خواه ان میں اقتدار سے محروم اعیان کا هاته تها جو حکومت کے مخالف هو گئے تهے یا ان کے علاوه دوسرے لوگوں کا جن میں اسکی مخالفت پهیل گئی - اب ان تبدیلیوں کا ذکر آئے گا جن کے اسباب داخلی هیں یعنی وه جو بر سر اقتدار حلقے کے اندرونی نزاع سے پیدا هو جایا کرتی هیں — مترجم

۱۰ - جب ارباب حکومت عوامی رهنماؤں کی حیثیت اختیار کر لیتے هیں — مترجم

۱۱ - یعنی دو طریقے هیں جن سے اس فن میں کام لیا جاتا هے — مترجم

۱۲ - خواه اس میں شریک نه هوں — مترجم

۱۳ - مطلب یه هے که حکومت کا دائره کیسا بهی محدود هو ان کا وجود جب بهی باقی رهے گا — مترجم

۱۴ - Charicles اور اس کے ساتهیوں نے — مترجم

۱۵ - Phrynichus 'تیس' اور 'چهار صد' وه اشخاص جو اثینیه کی حکومت پر متصرف هو گئے تهے — مترجم

پر - دوسری قسم کے عوامی رہنما وہ ہیں جن کا اعیانیت میں حصہ تو ہوتا ہے لیکن جو اس کے باوجود عوام کی خوشامد پر کمر باندھ لیتے ہیں جیسے لاریسا کے محافظین ریاست (۱۶) - وہ لوگوں کی اس لئے خوشامد کرتے تھے کہ ان کا انتخاب انہیں کے ہاتھ میں تھا - چنانچہ جس اعیانیت میں حکام اپنا انتخاب آپ نہیں کرتے (۱۷) - بلکہ بڑے بڑے دولتمند اور معززین یا سپاہی یا عام لوگ جیسا کہ ابائیڈوس میں دستور تھا (۱۸) وہاں ایسا ہی ہوا کرتا ہے - پھر جب محکمہ عدالت بھی برسراقتدار جماعت کے ہاتھ میں نہیں ہوتا تو عوامی رہنما مقدمات میں

---

۱۶ - یعنی وہ حکام جن کے ذمے اس امر کی نگرانی تھی کہ شہر میں جرائم اور فتنہ و فساد کی روک تھام کریں جیسے آج کل 'پولیس' کے عہدیدار ہیں — مترجم

۱۷ - یعنی جب حق رائے دہندگی صرف ان افراد تک محدود ہو جو اس عہدے کے مستحق ٹھہریں — مترجم

۱۸ - Abydos ایشیائے کوچک میں آبنائے باسفرس پر - ارسطو کا کہنا یہ ہے کہ اگر کسی اعیانیت میں حکام کا انتخاب انہیں لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو حکومت کے اہل ہیں تو اس کا وجود مستحکم رہے گا۔ برعکس اس کے اگر ان کا دائرہ غیر محدود ہے تو آئے دن کوئی نہ کوئی شورش پیدا ہوتی رہے گی - مطلب یہ ہے کہ تحدید کا وہ اصول جو اعیانیت کی جان ہے اہلیت ہی میں نہیں انتخاب میں بھی برتنا چاہئے - یہ نہیں کہ حکام کی تعداد تو محدود ہے لیکن انتخاب کنندوں کا دائرہ وسیع - پھر اعلیٰ عہدوں کے امیدواروں کا طرح طرح سے لوگوں کو اپنا طرفدار بنانا (جس سے لازماً نزاع اور جدال پیدا ہو جاتا ہے) ایک ایسی ہی بات ہے جس کی مثال ہر زمانے سے ملتی ہے — مترجم

لوگوں کی طرفداری کرتے اور بالاخر حکومت کا تختہ الٹ دیتے ہیں جیسا کہ ہراقلیہ واقعہ پونٹس میں ہوا اور اس صورت میں بھی جب یہ کوشش کی جاتی ہے کہ اعیانیت کا اقتدار اور زیادہ سمٹ کر معدودے چند ہاتھوں میں آ جائے ۔ لہٰذا مساوات کے طرف دار مجبور ہو جاتے ہیں کہ اپنی تائید کے لئے لوگوں سے رجوع کریں(۱۹) ۔ پھر اگر اعیانیتوں کے امرا اسراف اور فضول خرچی اختیار کرلیں جب بھی ان میں انقلاب رونما ہو جائیگا کیونکہ اس طرح یہ لوگ نئی نئی باتوں کے شوق میں (۲۰) یا تو خود مستبد بن جاتے ہیں یا مستبدین کی حمایت کرنا شروع کر دیتے ہیں ۔ جیسے ہائی پرینس (۲۱) نے سراقوسہ میں ڈیونے سیوس کی حمایت کی یا جیسے ایمفی بوس میں کلیوٹیمس نام ایک شخص نے (۲۲) کال کیڈوی آباد کاروں کی ایک جماعت کو دولت مندوں کے خلاف بھڑکا دیا اور جیسے ایگینہ میں ایک شخص نے جس نے کارس کے خلاف کوئی دعویٰ دائر کیا تھا کوشش کی کہ اس لئے حکومت ہی کا تختہ الٹ دے (۲۳) ۔ یہ لوگ بعض اوقات تو شورشیں برپا کر دیتے ہیں بعض اوقات لوگوں کو لوٹتے اور پھر

---

۱۹ ۔ لہٰذا اعیانیت اور جمہوریت کا تصادم شروع ہو جائے گا — مترجم

۲۰ ۔ یعنی طاقت اور اقتدار سے بد مست ہو کر — مترجم

۲۱ ۔ Hypparinus — مترجم

۲۲ ۔ Cleotimus جو خود اپنا مال و دولت کھو بیٹھتا تھا — مترجم

۲۳ ۔ معلوم ہوتا ہے اس نے اثینوی سپہ سالار کارس Chares سے مدد مانگی تھی تاکہ مستبدانہ حکومت قائم کر سکے ۔ وہ بھی اپنا مال و دولت کھو بیٹھا تھا — مترجم

۲۴ ۔ Pharsalus تھسلی میں — مترجم

ایک دوسرے سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیتے ہیں ، یا ان لوگوں سے جو ان کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں ۔ چنانچہ یہی کچھ اپولونیہ واقعہ پونٹس میں ہوا ۔ بر عکس اس کے اگر اعیانیت کے کارپرداز باہم متحد رہیں تو پھر اسے کوئی خارجی طاقت ہی برباد کرسکتی ہے جیسے فرسالس (۲۴) کی مثال ہمارے سامنے ہے ۔ یہ جگہ اگرچہ بہت چھوٹی تھی (۲۵) لیکن اسے بڑی طاقت حاصل تھی اس لئے کہ یہاں اس کا استعمال بڑی دانشمندی سے کیا گیا تھا (۲۶) ۔ البتہ جب اعیانیت کے اندر ایک اور اعیانیت پیدا کرلی جائے تو اس کا وجود فنا ہو جاتا ہے ، یعنی جب امور عامہ کا انتظام بہت تھوڑے ہاتھوں میں اور غیر مساویانہ طور پر آ جائے ، یا جب اقتدار اعلیٰ میں سب شریک نہ ہوں جیسے ایلس میں ہوا جہاں یہ اقتدار بہت تھوڑے لوگوں کے ہاتھ میں تھا اور انہیں میں سے ۹۰ افراد پر مشتمل ایک مجلس شیوخ منتخب کی جاتی تھی جو عمر بھر اس عہدے پر قائم رہتے ۔ خیال یہ تھا کہ اسی طریق انتخاب سے اختیارات کا دروازہ چند خاندانوں تک محدود رہے گا جیسے اسپارٹا میں ۔ پھر ایک اور بات ہے جب امن ہو یا جنگ دونوں حالتوں میں اعیانیتوں کے اندر انقلاب کا خطرہ ہے یعنی جب لوگوں پر اعتماد نہ ہو اور حکومت کرائے کے سپاہیوں سے کام لے ۔ لہٰذا عین ممکن ہے کہ جس کسی کے ہاتھ میں ان کی باگ ڈور ہے مستبد بن کر اس پر چھا جائے

---

۲۵ ۔ لیکن بارکر میں یہ ہے کہ یہاں اقتدار بہت تھوڑے ہاتھوں میں تھا — مترجم

۲۶ ۔ بطور اعیانیت — مترجم

مثلاً کارنتھ میں ٹموفے نیز کی طرح (۲۷) حتیٰ کہ وہ ایک کی بجائے زیادہ سپہ سالار مقرر کرنے کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے وہاں کسی ایک خاندان کی حکومت قائم ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض موقوں پر وہ محض اس خوف کی بنا پر عوام کو بھی حکومت میں شریک کر لیتے ہیں کیونکہ انہیں ان سے کام لینا ہوتا ہے(۲۸) ۔ پھر جب حالت امن میں بھی وہ بسبب ایک دوسرے سے بد اعتمادی کے ریاست کی حفاظت کرائے کے سپاھیوں اور ان کے سردار کے ذمے کر دیتے ہیں تو وہ کبھی تو ان کے معاملات میں حکم بن جاتا ہے کبھی دونوں کا آقا جیسا کہ لاریسا میں ہوا جہاں ساری طاقت سموس اور الوڈیوں(۲۹) کے ھاتھ میں تھی ۔ یہی کچھ ابائی ڈوس میں ہوا جب وہاں سیاسی محفلیں قائم تھیں اور جن میں ایک انیاڈیس (۳۰) بھی تھا ۔ پھر جب کوئی فریق دوسرے کی تذلیل و تحقیر کرتا ہے تو اس صورت میں بھی اعیانیتوں میں شورش برپا ہو جاتی ہے ۔ ایسے ھی مقدمات یا شادی بیاہ کے سلسلے میں ۔ چنانچہ شادی بیاہ کی وجہ سے جو فسادات پیدا ہوئے ان کا کچھ ذکر ہم اس سے پہلے کر آئے ہیں

---

۲۷ ۔ Timophenes — مترجم

۲۸ ۔ یہاں ان اسباب کی تفصیل ختم ہو جاتی ہے جو حالت جنگ میں رونما ہوتے اور اعیانیتوں کے لئے تباھی کا باعث ہوتے ہیں — مترجم

۲۹ ۔ Simos اور Aleuadae (قبیلوں کا نام ہے) لیکن بارکر میں ہے کہ سمیاس کے زمانۂ حکومت میں الوڈیوں کے ایک فرد نے حاکم بن کر ایسا کیا — مترجم

۳۰ ۔ Iphiades ارسطو شاید یہ کہنا چاھتا ہے کہ ان سیاسی محفلوں کی رقابت کے باعث اول تو وہ حکم اور ثالث مقرر ہوا اور پھر حکومت پر چھا گیا — مترجم

(۳۱) ارٹیریا میں ڈیاگروس (۳۲) نے بہادروں کی اعیانیت اسی بنا پر تباہ کر دی تھی - ھراقلیه میں بھی عدالت نے جب ایک شخص کو مجرم ٹھہرایا تو شورش پیدا ھوگئی جیسے ثبی میں جب ایک شخص پر زنا کا جرم ثابت ھوگیا - اس میں کوئی شک نہیں که ھراقلیه میں یوری‌ٹیون (۳۳) کو جو سزا دی گئی ٹھیک تھی لیکن اس کا طریق غیر قانونی تھا - یہی کچھ ثبی میں آرکیاس سے ھوا - اس لئے که اس کے دشمنوں نے کوشش کی که اسے بر سر عام ٹکٹی سے باندھ دیا جائے (۳۴) - پھر کنی‌ڈوس اور کیوس کی طرح بہت سی اعیانیتیں اس لئے بھی قائم نہیں رہ سکیں که لوگ ارباب اقتدار کی مطلق العنانی کو برداشت نہیں کرسکے، گو بعض اوقات ایسا بھی ھوتا ھے که اتفاقاً کوئی انقلاب پیدا ھو جائے - مثلاً کسی اعیانیت یا آزاد ریاست میں جہاں عمائد اور قاضیوں اور حکام کا انتخاب ایک خاص شمارے کی بنا پر کیا جائے اور وہ اس طرح که سب سے پہلے تو اس شمارے کے لئے ایک معیار کا تعین کر لیا جاتا ھے لہٰذا بہت کم افراد ھوتے جن کو حکومت میں حصه مل سکتا ھے، اعیانیتوں میں معدودے چند اور آزاد ریاستوں میں متوسط حال اشخاص کو - بعینه اگر کسی شہر میں مال و دولت کو ترقی ھونے لگے، خواہ امن و امان یا کسی اور ایسے ھی اچھے سبب کی بنا پر تو لوگوں کو حیثیت میں بہت تھوڑا فرق رہ جاتا ھے

---

۳۱ - باب چہارم مبنی — مترجم

۳۲ - Eretria یوبوئیه میں Diagros — مترجم

۳۳ - Eurytion — مترجم

۳۴ - Archias انتقاماً — مترجم

اور اس لئے بالکل ممکن ہے سب لوگ اعزازات ریاست میں شریک ہو جائیں ۔ مگر اس قسم کی تبدیلی بعض اوقات بتدریج واقع ہوتی ہے اور اس کا پتہ بھی نہیں چلتا ، بعض اوقات دفعۃ ۔ بہر حال کچھ اس طرح کے انقلابات اور شورشیں ہیں جو اعیانیتوں میں رونما ہو جاتی ہیں اور یہی کچھ ان کے اسباب بھی ہیں۔ البتہ جمہوریتیں ہوں یا اعیانیتیں ضروری نہیں کہ جب کبھی ان میں کوئی تبدیلی پیدا ہو تو وہ بالکل مخالف شکل اختیار کرلیں(۳۵) ، بلکہ ہو سکتا ہے اپنی ہی کوئی دوسری شکل ۔ مثلاً یوں کہ اقتدار اعلیٰ برسر حکومت فریق کے ہاتھ میں نہ رہے ، یا اس کے برعکس (۳۶) ۔

---

۳۵ ۔ یعنی جمہوریت اعیانیت سے اور اعیانیت جمہوریت سے بدل جائے
— مترجم

۳۶ ۔ کسی دوسرے کے ہاتھ میں چلا جائے — مترجم

# ساتواں باب

امارتوں میں بھی شورشیں اور فساد رونما ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہاں بھی سررشتہ اقتدار بہت تھوڑے لوگوں کے ھاتھ میں رھتا ہے اور یہ ہم پہلے بھی بیان کر آئے ھیں کہ اعیانیتوں میں یہی چیز فساد اور شورش کا سبب بنتی ہے ۔ لہٰذا اس اعتبار سے اعیانیتوں اور امارتوں میں کچھ بہت زیادہ فرق نہیں اس لئے کہ دونوں صورتوں میں امور عامہ کا نظم و نسق چند ایک افراد تک محدود ہوجاتا ہے ۔ گو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان میں شورش اور فساد پیدا ہوتا ہے تو ایک ھی سبب کے زیر اثر (یہ دوسری بات ہے کہ اس پہلو سے دیکھئے تو ان کا وجود ایک سا نظر آتا ہے) ۔ پھر اگر عام طور پر حالات یہ ھیں کہ لوگ با ھمت ھیں اور سمجھتے ھیں ان کے اندر بھی وہ سب خوبیاں موجود ھیں جو دوسروں میں تو اس کا امکان بہت زیادہ ہے (۱) جیسے اسپارٹا میں ان لوگوں نے کیا جن کو پارتھنی (۲) کہا جاتا ہے (اور جو دوسروں کی طرح شہریوں ھی کی اولاد تھے) (۳) ۔ چنانچہ یہی لوگ تھے کہ جب ریاست کے خلاف ان کی سازش کا پتہ چل گیا تو انہوں نے شہر بدر ہو کر ڈارینٹم (۴) کی بنیاد ڈالی ۔ شورش اور فساد اس صورت

---

۱ ۔ شورشوں کا — مترجم

۲ ۔ Partheniae — مترجم

۳ ۔ مگر ناجائز بقول بارکر اور آٹھویں صدی کے اختتام پر ۔ یہ اسپارٹا کے رؤسا (یا مکمل شہریوں) کی اولاد تھے مگر کسی نہ کسی ناجائز تعلق کی بنا پر — مترجم

۴ ۔ Tarentum

میں رونما ہوگا جب لوگ اپنی خوبیوں سے بڑھ کر اعزازات حاصل کر لینگے اور یوں بعض بلند مرتبہ انسانوں کی تدلیل کا باعث ہوں گے ۔ مثلاً جس طرح بادشاہوں نے لائیسانڈر (۵) کو ذلیل کیا ۔ پھر جب کوئی شخص قوت کا خواھش مند ھو اور طاقت اور اقتدار حاصل نہ کر سکے جیسے کناڈون (۶) جو اگسی لوس (۷) کے عہد میں اھل اسپارٹا کے خلاف بغاوت کا سرغنہ بنا ، یا جب کچھ لوگ بہت زیادہ غریب ہوتے ھیں ، کچھ بہت امیر اور یہ وہ صورت حالات ھے جو زمانہ جنگ میں اکثر پیدا ھو جاتی ھے جیسے اسپارٹا میں جنگ مسینیا کے وقت جس کا ثبوت ھمین ٹائرٹیئس (۸) کی نظم ''یونومیا'' (۹) سے ملتا ھے اس لئے کہ اس جنگ کے دوران میں جب بعض لوگ مفلوک‌الحال ھو گئے تو انہوں نے چاہا کہ زمینوں کی تقسیم ھو جائے (۱۰) ۔ یا پھر جب کوئی عظیم انسان یہ چاھتا ھے کہ اسے اور زیادہ عظمت حاصل ھو ۔ لہٰذا وہ تن تنہا فرماں روائی کی خواھش کرے جیسے معلوم ھوتا ھے اسپارٹا میں

---

۵ ۔ Lysander ایرانی شہنشاہ کرش منظور نظر پیلوپونیسس کا فاتح ــــ مترجم

۶ ۔ Cinadon ــــ مترجم

۷ ۔ Agesilaus شاہ اسپارٹا (۸۸۶ ق-م) ــــ مترجم

۸ ۔ جنگ مسینیا ۷۲۳-۷۴۳ ق - م جس میں اھل مسینیا بڑی بہادری سے لڑے لیکن بالاخر اھل اسپارٹا کے ھاتھوں شکست کھائی Tyrtaeus جس کی نظموں نے اھل اسپارٹا کے اندر بڑا جوش اور بڑا ولولہ پیدا کر دیا تھا ۔ دوسری جنگ مسینیا میں اھل اسپارٹا کی فتح اسی کی جوش انگیز نظموں کا نتیجہ تھی ــــ مترجم

۹ ۔ Eunomia بمعنی قانون کی حکمرانی ــــ مترجم

۱۰ ۔ غیر منقولہ جائیداد کی ــــ مترجم

پوسانیاس کی تمنا تھی جب اس نے میدیا کی جنگ (۱۱) ، علیٰ ھذا قرطاجنہ میں آنو (۱۲) سے لڑائی میں فوج کی زمام اپنے ھاتھ میں لی۔ لیکن آزاد ریاستوں اور امارتوں کی تباھی کا سب سے بڑا سبب یہ ھے کہ ان میں ریاست کے نظم و نسق کی کوئی مقررہ شکل نہیں ھوتی (۱۳) ۔ ایک تو محض اس وجہ سے کہ آزاد ریاستوں میں جمہوری اور عیانی عناصر کے درمیان کوئی صحیح امتزاج نہیں ھونے پاتا لہٰذا ان میں زوال رونما ھو جاتا ھے ۔ ایسے ھی امارتوں میں اور اس لئے بھی کہ دوسروں کو اقتدار و اختیار میں بحد مناسب شریک نہیں کیا جاتا ۔ لیکن زیادہ تر پہلے دو اسباب کے باعث یعنی اعیانی عناصر کے غلط امتزاج سے ۔ اس لئے کہ یہی دو عناصر ھیں جن کے متعلق ھر آزاد ریاست کی کوشش ھوتی ھے ان کو باھم خلط ملط کر دیا جائے بیشتر ان ریاستوں کی بھی جن کو ھم امارتوں سے تعبیر کرتے ھیں ۔ ان میں اختلاف ھے تو اسی پہلو سے اور پھر یہی پہلو ھے جس کی بنا پر بعض کو زیادہ استحکام حاصل ھوتا ھے ، بعض کو کم اس لئے کہ جس ریاست کا میلان زیادہ تر اعیانیت کی طرف ھے اسے امارت کہا جاتا ھے اور جس کا اس کے برعکس زیادہ تر جمہوریت کی طرف اسے آزاد ریاست ۔ لہٰذا وہ اول الذکر کی نسبت زیادہ محفوظ رھے گی اس لئے کہ جتنی بڑی نیو ھو گی اتنی ھی عمارت بھی مضبوط ھو گی ۔ یوں بھی جہاں کہیں مساوات کا دور دورہ ھے رھنا بھی

---

۱۱ ۔ یعنی ایرانی — مترجم

۱۲ ۔ Anno یا Hanno (ھانو) قرطاجنہ کا ایک سفیٹ جس نے جبل الطارق سے گذر کر ساحل افریقہ کے ساتھ ساتھ دور تک سفر کیا ۔ Suffete بمعنی حاکم ، مجسٹریٹ — ترجم

۱۳ ۔ دستور (آئین حکومت) میں ناانصافی کے باعث — مترجم

وہیں چاہئے ۔ برعکس اس کے دولت مندوں کو دیکھئے تو ان کا رویہ بالعموم یہ ہوتا ہے کہ جہاں ان کو عزت اور مرتبہ حاصل ہوا انہوں نے دوسروں پر ظلم کرنا شروع کر دیا ۔ بہر حال حکومت کا میلان جس طرف بھی ہوگا وہ بالاخر وہی شکل اختیار کر لے گی ۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہر فریق اپنی ہی بات کی حمایت کرتا رہے گا ۔ لہٰذا انجام کار یہی ہو گا کہ آزاد ریاست جمہوریت اور امارت اعیانیت میں تبدیل ہو جائے، یا پھر اس کے برعکس یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امارت جمہوریت میں بدل جائے (کیونکہ اگر غریب یہ سمجھتے ہیں ان پر ظلم ہو رہا ہے تو وہ کھلم کھلا فریق مخالف سے مل جائیں گے) اور آزاد ریاست اعانیت میں۔ مستحکم ریاست وہی ہے جہاں ہر شخص کو اتنی مساوات حاصل ہو جس کا وہ مستحق ہے اور پھر جو کچھ اس کا ہے وہ اس کا پورا پورا مالک بھی رہے(۱۴) ۔ چنانچہ اہل تھرائی میں یہی کچھ ہوا جو ہم کہہ رہے ہیں (۱۵) ۔ وہ حکام کا انتخاب اس طبقے سے کرتے تھے جو بڑا مالدار تھا لہٰذا اس کی جگہ ادنیٰ طبقے نے لے لی اور پھر ان کے لئے کئی ایک عدالتیں بھی قائم کر دیں (۱۶) لیکن زمین رؤسا ہی کے قبضے میں رہی حالانکہ قانوناً اس کی اجازت نہیں تھی۔ لہٰذا ریاست کی حیثیت کم و بیش اعیانیت کی

---

۱۴ ۔ ملاحظہ ہو فصل سوم ۔ باب نہم جس میں ارسطو نے مطلق مساوات کے جمہوری تصور اور تناسب مساوات کے امارتی اور اعیانی تصور میں فرق کیا ہے اور جس کا دارومدار اس اعتدال پر ہے تا کہ ہر شخص کو اس کا حق ملتا رہے — مترجم

۱۵ ۔ کہ ریاست کس طرح مخالفانہ شکل اختیار کر لیتی ہے — مترجم

۱۶ ۔ یعنی اعزازات میں اضافہ کر دیا گیا — مترجم

ہو گئی اور وہ لوگوں پر دست درازی کرنے لگے۔ مگر پھر لوگ چونکہ بہت سی جنگیں دیکھ چکے تھے اس لئے محافظین پر غالب آ گئے (۱۷) اور جس کسی کے پاس بھی ضرورت سے زیادہ زمین تھی اسے شہر بدر کر دیا ۔ در اصل جتنی بھی امارتیں ہیں ان کی حیثیت ایک طرح سے آزاد اعیانیتوں کی ہوتی ہے (۱۸) اس لئے کہ وہاں امرا ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ اقتدار حاصل کریں ۔ جیسے اسپارٹا میں جہاں بہت تھوڑے افراد ساری جائداد کے مالک ہیں ۔ جو چاہتے کرتے ہیں جس سے چاہتے ہیں رشتہ اتحاد جوڑ لیتے ہیں(۱۹) ۔ یہی وجہ ہے کہ لوکری کے باشندے جب ڈیونے سیوس کے حلیف بنے (۲۰) تو اس نے اپنی ریاست برباد کر لی، کیونکہ یہ ریاست نہ تو پورے طور پر جمہوریت تھی نہ متوازن قسم کی امارت ۔ مگر پھر زیادہ تر ایسا بھی ہوتا ہے کہ امارتوں میں مخفی طور پر تغیر ہوتا رہے اور ان کی ہستی کا بتدریج خاتمہ ہو جائے چنانچہ یہ وہ بات

---

۱۷ ۔ یعنی وہ دستہ جس کے ذمے ریاست کی حفاظت تھی — مترجم

۱۸ ۔ ان معنوں میں کہ وہاں زمام اقتدار ہوتی تو اعیان کے ہاتھ میں ہے لیکن اس میں سب شریک ہوتے ہیں یہ نہیں کہ بعض تو شریک ہوں اور بعض نہ ہوں — مترجم

۱۹ ۔ یہ اتحاد ایک شادی کا نتیجہ تھا ۔ لوکری کے کسی باشندے نے اپنی لڑکی کی شادی ڈیونے سیوس سراقوسی سے کر دی تھی ۔ یوں اہل سراقوسہ کو موقعہ ملا کہ اہل لوکری پر تشدد کریں — مترجم

۲۰ ۔ '' رشتہ اتحاد جوڑ لیتے ہیں '' ۔ یعنی جہاں اور جس سے چاہتے ہیں شادی کر لیتے ہیں ۔ شادی بیاہ بھی مفاد ذات کا ایک ذریعہ ہے اور سیاست سے اس کا بڑا قریبی تعلق — مترجم

ہے جیسے ہم پہلے ہی کہہ آئے ہیں اور جو ہر حکومت پر صادق آتی ہے (۲۱) ۔ اس قسم کی تبدیلیوں کا سبب بالعموم بڑا معمولی ہوتا ہے اس لئے کہ جب کوئی ریاست کسی معمولی سی بات کو نظر انداز کر دیتی ہے اور اس کے بعد کوئی اور جو نسبتاً زیادہ اہم ہو اسے تو اس میں بآسانی تغیر رونما ہونے لگتا ہے تاآنکہ حکومت کا سارا تاروپور بکھر جاتا ہے جیسے تھری کی حکومت ہیں ہوا (۲۲) وہاں قانون یہ تھا کہ لوگ صرف پانچ برس تک سپاہیوں کی خدمات سر انجام دیں(۲۳) ۔ مگر پھر ہوا یہ کہ چند ایک نوجوان جو طبیعت کے بڑے جنگجو تھے اور جن کو حکام میں بڑا رسوخ حاصل تھا ان لوگوں کو حقارت سے دیکھنے لگے جن کے ہاتھ میں حکومت کا نظم و نسق تھا۔ انہوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ اپنا مقصد بآسانی حاصل کر لیں گے اول تو کوشش کی کہ اس قانون ہی کو بدل دیں تا کہ جو کوئی چاہے قانوناً ہمیشہ فوج میں رہے (۲۴) ۔ ان کا خیال تھا لوگ اس بات کو بآسانی مان لیں گے ۔ جس کی حکام نے جن کو وہاں مشیر کہا جاتا تھا پہلے تو مخالفت کی پھر انجام کار اس پر رضامند ہو گئے ۔ وہ سمجھتے تھے اگر یہ قانون

---

۲۱ ۔ باب سوم میں بھی ارسطو یہی کہہ چکا ہے کہ اگر چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں نظر انداز کر دی جائیں تو ہو سکتا ہے رفتہ رفتہ بہت بڑا تغیر رونما ہو جائے اور جس کا پتہ بھی نہ چلے — مترجم

۲۲ ۔ یہ نو آبادی اہل ائینیہ نے پیری کلیس کی نگرانی میں قائم کی تھی —مترجم

۲۳ ۔ یہ عبارت ذرا مغلق ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک پانچ برس نہ گذر جاتے کوئی شخص دوسری مرتبہ سپہ سالاری کا منصب حاصل نہیں کر سکتا تھا — مترجم

۲۴ ۔ یعنی فوجی عہدیدار اس کے ماتحت رہیں — مترجم

منسوخ نہ ہوا تو امور ریاست انہیں کے ہاتھ میں رہیں گے (۲۵) لیکن آگے چل کر جب انہوں نے کوشش کی کہ قانون کی مزید تبدیلیوں کو روک دیں تو انہوں نے اپنے آپ کو بے بس پایا اور اس لئے حکومت سر تا سر بدل گئی اور انہیں لوگوں کی خاندانی حکومت (۲٦) کی شکل اختیار کر لی جنہوں نے یہ تبدیلیاں پیدا کرنا شروع کی تھیں ۔ مختصراً یہ کہ کوئی بھی حکومت ھو اس میں اندرونی اور بیرونی دونوں قسم کے اسباب سے تبدیلیاں پیدا ھو جاتی ھیں، خارجی اسباب سے کسی ایسی ریاست کی ھمسائیگی کے باعث جس کی روش حکومت اس کے خلاف ھو اور جو اگر طاقتور ھے تو عدم ھمسائیگی کے باوجود بھی ایسا ھی ھوگا جس کا ثبوت اثینیہ اور اسپارٹا کی ریاستوں سے مل جاتا ھے ۔ چنانچہ جب ایک کو فتح ھوئی تو اس نے اعیانیتوں اور دوسری کو فتح ھوئی تو اس نے جمہوریتوں کا خاتمہ کر دیا ۔ یہ ھیں حکومتوں میں انقلاب اور جدال و نزاع کے بڑے بڑے اسباب ۔

---

۲۵ ۔ یہاں عبارت قدرے مغلق ھے ۔ مطلب یہ ھے کہ فوج کے عہدیدار ھمیشہ اپنے عہدوں پر قائم رھیں گے — مترجم

۲٦ ۔ Dynasty جو ضروری نہیں بادشاھت کی شکل اختیار کرے — مترجم

# آٹھواں باب

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے(۱) کہ وہ کیا چیز ہے جو حکومتوں کو بر قرار رکھتی ہے اور وہ کیا جو اس کی مخصوص شکل کو (۲) ۔ اس سلسے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر ہم ان کی

---

۱ ۔ اس لئے کہ حکومتوں میں انقلاب اور شور و شر کے اسباب تو بیان ہو چکے ۔ مترجم

۲ ۔ جیسا کہ ہم نے دونوں ابواب (۸ویں ۹ویں) کی ابتدا ہی میں تصریح کردی تھی کہ یہ اس بحث سے متعلق ہیں جس کا موضوع ہے حکومت کی حفظت اور استحکام حالانکہ اس بحث کی اصلی جگہ اگلی یعنی چھٹی فصل میں آئیگی ۔ یہاں ان دونوں ابواب کا اضافہ کیا گیا ہے تو اس لئے کہ حفظ دساتیر کے اسباب ان اسباب سے اخذ کئے گئے ہیں جو ان کی خرابی اور تباہی کا باعث ہوتے ہیں اور جن کی تحقیق اس فصل کی ابتدا میں ہو چکی ہے ۔ گویا ارسطو نے ان ابواب میں ہر اس مرض کا مداوا تجویز کردیا ہے جس کی طرف وہ اس سے پہلے اشارا کر آیا ہے ۔ لہٰذا یہ قدرتی بات تھی کہ اگر امراض کا ذکر کیا گیا ہے تو ان کے علاج معالجے کا ذکر بھی کر دیا جائے۔ مگر پھر اس کے بعد وہ بحث شروع ہو جاتی ہے جو اس فصل کا حقیقی موضوع ہے یعنی حکومت میں انقلاب کارروائیوں اور شور و شر کا ظہور ۔ دسویں باب میں یہ بحث پادشاہتوں کے زیر بحث کی گئی ہے ۔ ۱۱ ویں میں یہ بتایا گیا ہے کہ افلاطون نے انکی توجیہ جس طرح کی ہے نا کافی ہے پھر اس

باقی صفحہ ۳۸۷ پر

تباهی کے اسباب ٹھیک ٹھیک سمجھ لیں تو پھر یہ جاننا کچھ مشکل نہیں رہے گا کہ ان کے حفظ و استحکام کے اسباب کیا ہیں - یہ اس لئے کہ متضاد چیزوں کے نتائج بھی متضاد ہی ہوا کرتے ہیں اور تباہی اور حفاظت ایک دوسرے کی ضد ہی تو ہیں - لہٰذا جن حکومتوں کی ترکیب مناسب طور پر کی گئی ہے ان میں تو سب سے بڑھ کر اس امر کا خیال رکھنا ہوگا کہ ایسی کوئی بات نہ ہونے پائے جو قانون کے خلاف ہو حتیٰ کہ چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی(۳) -اس لئے کہ اگر کوئی بات چپکے چپکے قانون کے خلاف ہوتی رہے گی تو وہ گویا مخفی طور پر اپنا کام کرتی رہے گی - جیسے گھروں میں دیکھا گیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے اخراجات بھی اگر بار بار کرنا پڑیں تو آخر کار ساری آمدنی انہیں کی نذر ہو جاتی ہے - لہٰذا اس طرح انسان کا فہم اکثر دھوکے میں آجاتا ہے جیسے کسی جھوٹی دلیل سے مثلاً اس طرح کہ اگر ایک جز چھوٹا ہے تو کل بھی چھوٹا ہوگا - (۴) جو ایک

---

بقیہ حاشیہ ۳۸۶

امر کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ فصل پنجم میں ارسطو نے دساتیر حکومت کے حفظ و استحکام کے جو طریق سمجھائے ہیں وہ ان اسباب کا لحاظ رکھتے ہوئے جو شور و شر کا باعث ہوتے ہیں - چھٹی فصل میں البتہ جن طریقوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان کا ان اسباب سے کوئی تعلق نہیں — مترجم

۳ - یہ تنبیہ اس سے پہلے بھی کر دی گئی ہے - تیسرے باب میں — مترجم

۴ - یہ مغالطہ ہے اور اس کا جواب یہ کہ الگ الگ دیکھئے تو ہو سکتا ہے سب اجزا چھوٹے ہوں لیکن جو چیز ان کے امتزاج سے پیدا ہوگی وہ بہر حال بڑی ہوگی — مترجم

لحاظ سے تو درست ہے لیکن دوسرے لحاظ سے غلط اس لئے کہ کل اور اس کے سب اجزا جب باہم ملیں گے تو بڑے ہی تو ہوں گے خواہ وہ چھوٹے چھوٹے اجزا ہی سے بنا ہو۔ لہٰذا یہ پہلی بات ہے جس کی ہر ریاست کو پیش بندی کر لینی چاہئے۔ ثانیاً اسے نہیں چاہئیے کسی ایسے شخص پر اعتماد کرے جو جھوٹ موٹ دعووں سے لوگوں کو فریب دیتا ہے اور جن کی واقعات سے خود ہی تردید ہو جاتی ہے۔ امارتوں اور اعیانیتوں میں اس قسم کے لوگ جس جس طرح فریب دیا کرتے ہیں اس کا ذکر ہم اس سے پہلے کر آئے ہیں(۵)۔ پھر اگر بعض امارتیں یا اعیانیتیں مضبوطی سے چل رہی ہیں تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ ان کا وجود جوں کا توں قائم ہے، بلکہ اس لئے کہ وہاں حکام کا طریقہ کار بڑا دانش مندانہ ہے۔ ان لوگوں سے بھی جو ریاست کے نظم و نسق میں ان کے شریک ہیں اور ان کے بھی جو نہیں۔ جو لوگ شریک نہیں وہ انہیں آزار نہیں پہنچاتے لیکن عہدوں میں جگہ دیتے ہیں تو ایسے ہی لوگوں کو جو واقعی اس قابل ہیں۔ وہ ان لوگوں کی تذلیل بھی نہیں کرتے جو عزت کے خواہشمند ہوں، نہ لوگوں کے مال و دولت پر ہاتھ ڈالتے ہیں۔ رہے امور ریاست میں ان کے شرکا سو وہ ان سے مساوات کا برتاؤ کرتے ہیں اس لئے کہ جمہوریت کے طرفدار ایک ہی قسم کے لوگوں میں جس قسم کی مساوات قائم کرنا چاہتے ہیں وہ قرین انصاف ہی نہیں، سہولت اور آسانی کا ایک ذریعہ بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر نظم و نسق کی باگ ڈور بہت سے ہاتھوں میں ہے تو جمہوریت میں قائم کردہ قواعد بڑے

---

۵ - فصل چہارم تیرھواں باب ــ مترجم

مفید ثابت ہوتے ہیں ۔ لہٰذا ہمیں چاہئے چھ مہینے سے زیادہ کے لئے کسی کو کوئی عہدہ نہ دیں تاکہ جن لوگوں کی حیثیت یکساں ہے باری باری سے ان میں حصہ لے سکیں ۔ اس لئے کہ اس طرح کے لوگوں میں جمہوریت ہی قائم ہو سکتی ہے جس کی وجہ اکثر دیکھا گیا ہے اور ہم اس سے پہلے بیان بھی کر آئے ہیں یہ ہے کہ ان میں عوامی رہنما پیدا ہو جاتے ہیں (٦) ۔ مگر پھر اس طرح یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ امارت ہو یا جمہوریت دونوں بگڑ کر بھی خاندانی حکومتوں کی شکل اختیار نہیں کرینگی ۔ اس لئے کہ جن لوگوں کو حاکمانہ عہدے دئے جائیں گے وہ اس تھوڑی سی مدت میں اتنا شر نہیں پھیلائیں گے جتنا زیادہ عرصے میں۔ بات یہ ہے کہ جمہوریتیں ہوں یا اعیانیتیں ان میں استبداد رونما ہوتا ہے تو انہیں وجوہ کی بنا پر (٧) ۔ اس لئے کہ جس ریاست میں جو کوئی سب سے زیادہ با اختیار ہوگا وہ استبدادیت قائم کر لے گا ۔ ایک میں عوامی رہنما دوسری میں کوئی خاندان یا وہ اعلیٰ حکام جو زیادہ دیر تک کسی عہدے پر قائم رہیں ۔ لہٰذا حکومتوں میں استحکام کا یہی ایک سبب نہیں کہ ایسی سب باتوں سے دور رہیں جو فساد کا موجب ہوتی ہیں (٨) بلکہ ان کو قریب رکھتے ہوئے بھی ۔ اس لئے کہ جن لوگوں کے اندر کسی آنے والے خطرے کا ڈر رہے گا وہ ریاست کی نگرانی بڑی سختی سے کریں گے اور اس لئے ضروری ہے جو لوگ دستور

---

٦ ۔ ملاحظہ ہو چھٹا باب ـــ مترجم

٧ ۔ کہ لوگ دیر تک اپنے عہدے سنبھالے رہیں ـــ مترجم

٨ ۔ یہاں پھر اس بات کا اعادہ کیا گیا ہے جو پہلے باب کے آخر میں بیان کی گئی ہے ـــ مترجم

حکومت کی حفاظت کے ذمہ دار ھیں وہ لوگوں کے خطرات بیدار کرتے رھیں تاکہ لوگ اسے قائم رکھیں ۔ انھیں نہیں چاھئے کہ رات کے پہرہ داروں کی طرح ریاست کی حفاظت سے غفلت برتیں ۔ انھیں چاھئے جو خطرہ ابھی دور ھے اسے قریب تر کر کے دکھائیں ۔ اس امر کی بھی کوشش کرنی چاھئے کہ جہاں تک ھو سکے امراء اور رؤسا کی باھمی لڑائیاں قانون کی مدد سے روک دی جائیں (۹) ۔ علیٰ ھذا یہ کہ جن لوگوں میں کوئی نزاع و جدال نہیں وہ ان میں حصہ نہ لیں ۔ اس لئے کہ بجز مدبر ریاست کسی شخص میں یہ قابلیت نہیں ھوتی کہ فساد اور شر کو ابتدا ھی میں بھانپ لے ۔ پھر اگر یہ خیال ھے کہ اعیانیت ھو یا آزاد ریاست اس میں مالی درجہ بندی سے کوئی نزاع پیدا نہ ھونے پائے (۱۰) اس حالت میں بھی جب دولت کی مقدار بڑھ جائے لیکن یہ

---

۹ ۔ ملاحظہ ھو چوتھا باب — مترجم

۱۰ ۔ ملاحظہ ھو چھٹا باب ۔ یہاں جن امتیازات کی طرف اشارا کیا گیا ھے ان کا تعلق اس امر سے نہیں کہ ضرائب کس طرح وصول کئے جائیں بلکہ اس سے کہ وہ کون لوگ ھیں جو اپنے مالی درجات کی بناء پر کسی عہدے کے امیدوار ھو سکتے ھیں ۔ بات یہ ھے کہ اگر مالی درجات کا کوئی معیار جوں کا توں برقرار ھے لیکن حالت یہ کہ پہلے کی نسبت بہت سے لوگ اس معیار پر پورے اتر رھے ھیں تو دستور حکومت میں خود بخود تغیر رونما ھو جائے گا ۔ اس لئے کہ اب جو عہدے اس معیار کے مطابق مل سکتے ھیں ان کے امیدوار زیادہ ھونگے اور اس لئے ممکن ھے مدنیت یا اعیانیت خود بخود جمہوریت میں بدل جائے ۔ لہذا ارسطو کی نصیحت ھے کہ مالی درجات کا معاملہ ھمیشہ زیر نظر رکھنا چاھئے — مترجم

درجات جوں کے توں قائم رہیں تو بہتر ہوگا کہ دولت کی اس ساری مقدار کا جو اس سے پہلے موجود تھی جائزہ لے لیا جائے تاکہ ہم اس کا مقابلہ اس صورت حالات سے کر سکیں جو پیدا ہوگئی ہے - پھر جن ریاستوں میں مال و دولت کا تخمینہ ہر سال کیا جاتا ہے وہاں تو سال بسال ایسا ہی کیا جائے بڑی بڑی ریاستوں میں البتہ ہر تیسرے یا پانچویں برس - پھر اگر یہ ساری مقدار اس وقت سے جب پہلے پہل کسی ریاست میں کوئی شمارا قائم کیا گیا تھا بہت زیادہ یا بہت کم ہے تو جیسا جیسا اس میں اضافہ یا کمی واقع ہوئی قانوناً بھی گھٹا یا بڑھا دیا جائے - اگر اضافہ ہے تو درجات بھی بڑھا دئے جائیں ، کمی ہے تو انہیں بھی کم کر دیا جائے - اب اگر اس آخری بات پر اعیانیتوں اور آزاد ریاستوں نے عمل نہیں کیا تو ایک میں خاندانی حکومت قائم ہو جائے گی ، دوسری میں اعیانیت اور پہلی بات نظر انداز کر دی تو آزاد ریاستیں جمہوریتوں اور اعیانیتیں آزاد ریاستوں یا جمہوریتوں سے بدل جائیں گی - دراصل جمہوریتیں ہوں یا اعیانیتیں یا بادشاہتیں یا کوئی بھی حکومت ان سب کے متعلق ایک عام اصول یہ ہے کہ کسی شخص کو اتنا بڑا درجہ نہ دیا جائے کہ وہ باقی سب لوگوں سے اونچا ہو جائے (۱۱) - برعکس اس کے کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ہر شخص کو دیر تک مناسب اعزازات حاصل رہیں ، بجائے اس کے کہ بڑے بڑے اعزازات تھوڑی دیر کے لئے - کیونکہ اعزازات ہی بالعموم لوگوں میں خرابی پیدا کرتے ہیں - یہ وصف ہر شخص میں نہیں ہوتا کہ خوشحالی میں اپنے آپ کو سنبھالے رکھے - لیکن اگر اس اصول پر عمل نہیں ہو رہا تو جو اعزازات

---

۱۱ - ملاحظہ ہو تیسرا باب — مترجم

لوگوں کو حاصل ہیں وہ دفعتاً نہ چھین لئے جائیں، بلکہ رفتہ رفتہ ۔
مگر پھر سب سے بڑی بات جو کرنے کی ہے یہ کہ ایک ایسا
قانون بنا دیا جائے جس کی رو سے کسی شخص کو اجازت نہ ہو
کہ اپنے مال و دولت یا دوستوں کے ذریعے ضرورت سے زیادہ
طاقت حاصل کرے، لیکن اگر کر چکا ہے تو تدبیر یہ ہونی
چاہئے کہ وہ اس ریاست ہی سے نکل جائے ۔ پھر چونکہ اکثر
لوگ نئی نئی باتیں ایجاد کرتے رہتے ہیں تاکہ اپنے اپنے طریق
زندگی کا لطف اٹھائیں ۔ لہٰذا ایک عہدیدار ایسا بھی ہونا چاہئے
جو ان کے طور طریق پر نظر رکھے اور دیکھے کہ ان کا طرز
زندگی ریاست کے مزاج کے خلاف تو نہیں (۱۲)، خواہ یہ ریاست
اعیانیت ہو، یا جمہوریت، یا کوئی اور ۔ اسے یہ بھی دیکھتے رہنا
چاہئے کہ جو لوگ بہت زیادہ خوشحال ہیں ان کی حفاظت ہوتی
رہے، جو خوشحال نہیں انہیں ریاست کے کاروبار میں لگا دیا جائے ۔
مطلب یہ ہے کہ صاحب حیثیت لوگوں کو تو عوام اور غریبوں
کو امیروں کے مقابلے میں رکھا جائے اور پھر ان دونوں سے اس
طرح ایک جماعت تیار کی جائے کہ جو لوگ متوسط حال ہیں ان

---

۱۲ ۔ ملاحظ ہوں چھٹا اور تیسرا باب طرز زندگی کا اشارا فرد اور
جماعت دونوں حیثیتوں سے ایک مخصوص نصب العین کی طرف
ہے جس کے حصول کے لئے گویا ریاست کا قیام عمل میں آتا ہے
لہٰذا مغربی نقطہ نظر یا جسے جدید ریاست کہتے ہیں (تصوراتی
Ideal مثلاً اشتمالی ریاست) کا یہ خیال نہیں ۔ ملاحظہ ہو
مقدمہ — مترجم

کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے (۱۳)۔ اس طرح کم سے کم ایسی شورشوں کا سد باب تو ہو جائے گا جو حالات میں عدم مساوات کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔ ریاستوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے خواہ اس کے لئے قانون استعمال کیا جائے، خواہ کوئی اور ذریعہ کہ جو لوگ امور ریاست سر انجام دے رہے ہیں حرص و آز کا شکار نہ ہونے پائیں۔ بالخصوص اعیانیتوں میں (۱۴)۔ کیونکہ اس

---

۱۳ ۔ یہاں دو قسم کی تدبیروں کی طرف اشارا کیا گیا ہے (۱)۔ یا تو آبادی کے ان متضاد اجزا کا توازن اور امتزاج جس کی ترکیب یہ ہے کہ اس کا ایک جز اگر مال و دولت اور خوش حالی میں آگے ہے تو دوسرے کو اس کے مقابلے میں سیاسی طاقت کے لحاظ سے آگے بڑھا دیا جائے (۲)۔ یا پھر یوں کہ ان دونوں کے درمیان ایک تیسرا یعنی متوسط طبقہ پیدا ہو تاکہ جہاں اہل دولت اور وجاہت ضعیف نہ ہونے پائیں وہاں فریق مقابل بھی اضطراب اور بے چینی سے محفوظ رہے — مترجم

۱۴ ۔ یہاں ارسطو کی توجہ اس تعلق پر ہے جو سیاسی طاقت اور معاشی مفاد میں باہم پایا جاتا ہے۔ وہ گویا اس خیال کا اعادہ کر رہا ہے جس کا اظہار اس نے اسی باب کی تیسری فصل میں کیا تھا۔ تیھوکی ڈڈیس اور افلاطون کی طرح سقراط کو بھی ڈر ہے کہ سیاسی طاقت حاصل ہوگئی تو لوگ اس سے مالی مفاد حاصل کرنے کی کوشش کرینگے۔ وہ اپنے پیشروں کی طرح اس حقیقت سے غافل نہیں کہ اہل سیاست کے حرص و آز نے کس طرح معاشرے میں فتنہ و فساد برپا کیا حتیٰ اس میں تباہی اور بربادی پھیل گئی۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی نظریہ سیاست میں اس امر پر بار بار زور دیا گیا ہے کہ سیاسی اقتدار مال و دولت کے حصول کا ذریعہ نہ بننے پائے — مترجم

صورت حالات میں لوگ اس بات پر اتنے ناخوش نہیں ہوں گے کہ انہیں حکومت میں کوئی حصہ نہیں ملا ، برعکس اس کے وہ خوش ہوں گے کہ انہیں اپنے ذاتی کاموں کے لئے فراغت حاصل ہے جتنا اس شبہے اور بدگمانی سے کہ حکام ریاست شاید عوام کا روپیہ خرد برد کر رہے ہیں۔ اندریں صورت انہیں دوگونہ رنج پہنچے گا۔ ایک تو اس لئے کہ وہ اعزازات ریاست سے محروم رہے دوسرے اس لئے کہ جن لوگوں کو یہ اعزازات حاصل ہیں وہ انہیں لوٹ رہے ہیں۔ للہذا جمہوریتوں اور اعیانیتوں کو باہم ملانے کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ کوئی عہدہ فائدے کا ذریعہ نہ بنے اس لئے کہ ان حالات میں امیر ہوں یا غریب دونوں اپنی اپنی جگہ پر خوش رہیں گے۔ پھر اگر ہوا یہ کہ ہر کسی کو حکومت میں حصہ ملے تو اس کی شکل جمہوری ہو جائے گی اور اگر صرف دولت مندوں کو تو امارتی۔ لیکن یہ بات جب ہی ممکن ہے کہ ریاست کا ہر عہدہ بلا معاوضہ ہو۔ اس صورت میں غریب تو ان کے خواہشمند ہی نہیں ہوں گے کیونکہ انہیں اس سے کچھ ملے گا نہیں ، وہ چاہیں گے اپنے اپنے کاموں میں لگے رہیں۔ امیر البتہ ان کی خواہش کریں گے اس لئے کہ انہیں ریاست سے کچھ لینا تو ہوگا نہیں۔ للہذا غریب اپنے کاموں میں مشغول رہ کر اپنی حالت سدھار سکیں گے اور لوگوں کا زیادہ حصہ ادنی طبقے کے ماتحت بھی نہیں رہیگا۔ رہا یہ امر کہ خزانے میں کوئی غبن نہ ہو اس کا سد باب یوں کیا جا سکتا ہے کہ جتنا بھی روپیہ خرچ کیا جائے سارے شہر کو دکھا کر کیا جائے اور جتنے بھی اس کے محلے یا قبیلے یا حصے اور شاخیں (۱۵) ہیں وہاں اس کے

۱۵ - محلوں کے معنی تو ظاہر ہیں قبائل اور قبائل کی شاخوں کا مطلب ہے چھوٹی بڑی برادریاں — مترجم

حسابات کی نقلیں رکھ دی جائیں ۔ پھر اگر حکام اپنے فرائض بغیر کسی طرح کا نفع حاصل کرنے کے ادا کر رہے ہیں (۱٦) تو یہ بھی ضروری ہے کہ جو کوئی کسی فریضے کو خوش اسلوبی سے سر انجام دے قانون اس کے لئے مناسب اعزازات کا انتظام کرے ۔ جمہوریتوں میں تو یہ بھی ضروری ہے کہ امیروں کی حفاظت کی جائے تاکہ ان کی جائیداد تقسیم ہونے سے محفوظ رہے ، علیٰ ہذا اس کی پیداور بھی جیسا کہ بعض ریاستوں میں بغیر سوچے سمجھے کیا جاتا ہے ۔ یہ بھی بہتر ہوگا کہ لوگ انہیں ایسی تفریحوں کی اجازت نہ دیں جو غیر ضروری ہیں اور جن میں خرچ بھی زیادہ اٹھتا ہے مثلاً کھیل تماشوں ، ناچ گانوں اور جلوسوں وغیرہ کی (۱۷) ۔ اعیانیتوں کو چاہئے غریبوں کا خاص طور سے خیال رکھیں اور انہیں اس طرح کی ملازمتیں دیتی رہیں جو باعث منفعت ہوں حتیٰ کہ اگر کوئی دولت مند ان کی بےعزتی کرے تو اس کو بہ نسبت اس کے کہ وہ اپنے کسی ہم مرتبہ کی تذلیل کرنا بہت زیادہ سزا دی جائے (۱۸) ۔ علیٰ ہذا یہ کہ

---

۱٦ ۔ یعنی نہ رشوت لیں ، نہ کسی دوسرے طریق پر افراد سے روپیہ بٹورنے کی کوشش کریں — مترجم

۱۷ ۔ ملاحظہ ہو اسی فصل کا باب پنجم ۔ کھیل تماشوں اور جلوس کا اشارا یہاں یونانیوں کے مخصوص میلوں کی طرف ہے جن میں ناٹک دکھائے جاتے تھے اور جن کے لئے سنگیت کی تیاری کرنا پڑتی تھی یا جیسے مشعل (Torch light) دوڑ وغیرہ — مترجم

۱۸ ۔ یعنی بمقابلہ اس سزا کے جو اسے اپنے کسی ہم مرتبہ دولت مند کو ذلیل کرنے کی پاداش میں دی جاتی — مترجم

جو بھی جائیداد ہو ورثے میں ملے ، اسے ہبہ کرنے کی اجازت نہ ہو۔ نیز کوئی شخص ایک سے زیادہ کا وارث نہ بنے (۱۹) کیونکہ اس طرح مال و دولت کی تقسیم مساوی طور پر ہوتی رہیگی اور غریب بھی زیادہ خوشحال ہو جائیں گے۔ پھر ایک اور امر ہے جو جمہوریتوں اور اعیانیتوں کے لئے فائدہ کا موجب رہیگا اور وہ یہ کہ جو لوگ امور ریاست میں حصہ نہیں لیتے انہیں کسی دوسری بات میں کوئی مساویانہ یا برتر حیثیت دے دی جائے۔ یعنی امیروں کو جمہوریت اور غریبوں کو اعیانیت میں۔ گو اس کے باوجود ریاست کے بڑے بڑے عہدے (۲۰) انہیں لوگوں کے ذمے کرنا چاہئیے جو فی‌الواقعہ ان کو سر انجام دینے کے اہل ہیں۔

---

۱۹ - مطلب یہ ہے کہ جو بھی جائیداد ہو جدی ہو۔ ہبہ کرنے کی اجازت مل گئی تو عین ممکن ہے یہ جائیدادیں بہت تھوڑے افراد میں محدود ہو کر رہ جائیں۔ یونان میں چونکہ یہ دستور نہیں تھا کہ جدی جائیداد پہلی‌اولاد کو (بمطابق مغربی تصور حق خلف اکبر (Promogeneture) ملے اس لئے معلوم ہوتا ہے ارسطو سمجھتا تھا جتنی بھی جائیداد ہوگی وارثوں میں تقسیم ہوتی رہے گی — مترجم

۲۰ - معلوم ہوتا ہے ارسطو کے ذہن میں یہاں صرف حاکمانہ عہدے ہیں — مترجم

# نواں باب

تین خوبیاں ھیں جن کا ان لوگوں میں ھونا ضروری ھے جو حکومت کے محکمے اپنے ھاتھ میں لیں (۱) ۔ پہلی یہ کہ جو بھی دستور قائم ھے انہیں فی الواقعہ عزیز ھو۔ دوسری یہ کہ جو عہدہ ان کے سپرد کیا جائے وہ سچ مچ اس کے اھل ھوں۔ تیسری نیکو کاری اور عدالت جیسا بھی اس ریاست میں جہاں وہ زندگی بسر کر رھے ھیں ان کا تصور کیا جاتا ھے۔ اس لئے کہ عدالت کے معنی ھر ریاست میں ایک سے نہیں ھونگے اور ھمیں یہ بھی معلوم ھے اس کی الگ الگ صورتیں کیوں ھیں(۲)۔ رھی یہ بات کہ اگر کسی شخص میں یہ تینوں

---

۱ - پچھلے باب کے اختتام پر ارسطو نے جن عہدوں کی طرف اشارا کیا ھے ان سے اس کا ذھن اس امر کی طرف منتقل ھو گیا کہ ان مخصوص اسباب میں جو ریاستوں کے حفظ و استحکام کا باعث ھوتے ھیں بعض اور قواعد کا اضافہ کرے۔ یہ قواعد بھی اگرچہ ایک حد تک ان احوال سے ماخوذ ھیں جن سے ریاستوں کا وجود فنا ھوجاتا ھے مگر ان کا تعلق اسباب بغاوت سے اتنا نہیں جتنا حکومت کی تدابیر اور طرز عمل سے۔ یہاں گویا زیادہ تر روش حکومت (حکمت عملی یا پالیسی) کا معاملہ اس کے مد نظر ھے — مترجم

۲ - مطلب یہ ھے کہ اگر عدل کا تصور ھر کہیں یکساں نہیں تو ظاھر ھے جیسی حکومت ھوگی ویسی ھی اس کی نوعیت بھی۔ لہٰذا عدالت کی بھی متعدد نوعیں ھونگی۔ فصل سوم میں ارسطو (ملاحظہ ھو چوتھا اور نواں باب) عدل و انصاف کی اس اضافی حیثیت پر نظر ڈال چکا ھے — مترجم

خوبیاں جمع نہیں تو پھر بنائے انتخاب کیا ہو سو یہ
امر ایک حد تک مشکوک ھی رہے گا ۔ اس لئے کہ فرض
کیجئے ایک شخص بڑا ماہر سپہ سالار ہے لیکن اس کی طبیعت میں
بدی ہے اور اسے دستور سے بھی کوئی لگاؤ نہیں ۔ دوسرا عادل ہے
اور دستور کا پاسدار ۔ اندریں صورت ہم ان دونوں میں سے کس کا
انتخاب کریں ؟ ۔ ہمیں چاہئے دو خوبیوں پر نظر رکھیں ۔ اس پر
کہ ان میں کون سی خوبی اپنی عام شکل میں زیادہ عام ہے ، کون
سی کم ۔ لہٰذا جب ہم سپہ سالار کا انتخاب کریں گے تو اس کے
فضائل سے بڑھ کر اس کی دلیری پر نظر رکھیں گے اس لئے کہ
یہ صفت نسبتاً شاذ ہوگی ۔ ہمیں نیک آدمی تو زیادہ ملینگے بمقابلہ
ان کے جو فوج کو کامیابی سے لڑا سکیں ۔ رہا ریاست کی
حفاظت یا اس کے اموال کے انتظام کا معاملہ سو اس میں ہمیں اس
کے برعکس طرز عمل اختیار کرنا پڑیگا۔ اس لئے کہ یہاں اس نیکی کی
نسبت جو عام لوگوں میں پائی جاتی ہے زیادہ اچھی سیرت کی
ضرورت ہے کیونکہ ان باتوں کا علم تو سبھی کو ہوتا ہے ۔ ممکن
ہے یہاں یہ کہا جائے کہ اگر کوئی شخص سچ مچ اس منصب
کے قابل ہے جو ریاست میں اسے دیا جاتا ہے اور دستور کو
بھی عزیز رکھتا ہے تو یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ نیک کردار
بھی ہو (۳) ۔ اس لئے کہ یہی دونوں باتیں (۴) ہیں جن کی

---

۰۳- اپنے آپ کو خوب جاننے اور حکومت سے وفاداری کے باوجود
به سبب جذبات وہ شاید افراط و تفریط میں مبتلا ہو جائیں
اور اس لئے ہو سکتا ہے اپنے آپ کو نقصان پہنچائیں اور
دوسروں کو بھی —— مترجم

۴ - قابلیت اور دستور کی پاسداری —— مترجم

بدولت لوگوں کے لئے اس کا وجود مفید رہے گا ۔ بات یہ ہے کہ جن لوگوں میں اس طرح کی قابلیتیں ہوتی ہیں وہ بالعموم اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتے ۔ وہ جب اپنے ہی معاملات کا خیال نہیں کرتے، حالانکہ انہیں سمجھتے بھی ہیں اور اپنی ذات کو بھی عزیز رکھتے ہیں (۴) تو پھر کیا چیز ہے جوانہیں ریاست کا کام بھی اسی طرح سرانجام دینے سے روکے؟ مختصراً یہ کہ ہر وہ بات جو از روئے قانون ریاست کے لئے مفید ہے اس کے استحکام اور پائیداری کا موجب ہوتی ہے ۔ مگر اس کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا سہارا (جیسا کہ ہم بار بار کہ چکے ہیں) یہ ہے کہ جو لوگ اس کے برقرار رکھنے کی خواہشمند ہیں ان کی تعداد ان لوگوں سے جو اس کی بربادی کے درپے ہیں زیادہ ہونی چاہئے (۵) ۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جو

---

۵ ۔ دراصل ارسطو کے ذہن میں یہاں لوگوں کی رضا مندی اور اتفق رائے کا اصول ہے ۔ وہ کہتا ہے دستور حکومت کامیاب ہوگا تو جب ہی کہ حکام اس کی پابندی کریں ۔ مگر پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ شہریوں کی اکثریت حکومت کی وفادار ہو یعنی وہ بھی دستور کو عزت اور احترام کی نظر سے دیکھیں ۔ جب ہی ہم اس کو قائم اور برقرار رکھ سکیں گے اخلاقیات میں بھی اس اصول کی طرف ایک اشارا موجود ہے جسے آجکل کی اصطلاح میں اتفاق رائے اور اتحاد و ائتلاف یا اخوت سے تعبیر کرتے ہیں ۔ چنانچہ اس کے پیش نظر ارسطو کہتا ہے ریاستوں کی رائے جب ہی ایک ہوسکتی ہے جب اس کے شرکاء کے خیالات اور مفاد بھی ایک سے ہوں ۔

باقی صفحہ ۵۰۰ پر

باتیں ان حکومتوں نے جن میں اب فساد رونما ہو چکا ہے نظر انداز کر دی تھیں انہیں کبھی فراموش نہ کیا جائے، یعنی ہم وسط قائم رکھیں ۔ یہ اس لئے کہ بہت سی باتیں جو بظاہر جمہوریت کے لئے مفید نظر آتی ہیں بالاخر اسے برباد کر دیتی ہیں جیسے کئی ایک ایسی باتیں جو یوں دیکھنے میں تو اعیانیت کے لئے باعث نفع ہوتی ہیں اس کی تباہی کا سبب بن جاتی ہیں ۔ اس لئے کہ جن لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے (۶) کہ

---

بقیہ حاشیہ ۴۹۹

ان کا مقصد ایک اور وہ کریں بھی وہی کچھ جو سب چاہتے ہیں ۔ اس لئے کہ اتحاد و اتفاق کا پتہ عمل ہی سے چلتا ہے ۔ بالخصوص ان باتوں میں جہاں امکان ہے کہ لوگ اپنے اپنے لئے جداگانہ راستہ اختیار کر لیں گے ۔ مثلاً اگر کسی ریاست میں سب لوگوں کی رائے یہ ہے کہ جتنے بھی عہدے ہیں انتخابی ہوں تو ہم کہیں گے وہ جو کچھ کرتی ہے سب کی رضامندی اور رائے سے کرتی ہے ۔ برعکس اس کے جب اس کے ایک فریق کی رائے کچھ ہو اور دوسرے کی کچھ تو ہم کہیں گے اس میں تصادم رونما ہے اور قریب ہے کہ وہاں انقلابی کارروائی شروع ہو جائے ۔ اس لئے کہ ان میں ہر فریق اپنے اپنے طور پر سوچے گا اور اس کی اپنی ایک جداگانہ رائے ہو گی ۔

۶ ۔ ارسطو نے اس سے پہلے بھی اس قسم کی مثالیں دی ہیں اور یہاں پھر اس امر پر زور دینا چاہتا ہے کہ کہ جو بھی دستور حکومت اس میں تناسب کا خیال ضرور رکھنا چاہئے تناسب کے بغیر دستور میں توازن پیدا نہیں ہوتا اور عدم توازن کا نتیجہ ہے شور و شر ۔ مطلب یہ

باقی صفحہ ۵۰۱ پر

فضیلت یہی ہے کہ اس میں مبالغہ کرتے چلے جائیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے
کہ اگر ناک بالکل سیدھی نہیں ہے ذرا سی ٹیڑھی یا چپٹی تو اس
کے باوجود اس کی خوبصورتی میں کوئی فرق نہیں آئے گا بلکہ ہم
اسے دیکھ کر لطف بھی اٹھائیں گے ۔ برعکس اس کے اگر وہ
ایک خاص حد سے زیادہ بڑھ گئی (۷) تو اول تو اس کی یہ خصوصیت
ہی ختم ہو جائے گی اور پھر اسے ناک کہنا بھی مشکل ہو
جائے گا ۔ خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ اس کی ٹیڑھ میں اضافہ ہو
گیا ، یا چپٹے پن میں ۔ یہی کیفیت جسم انسانی کے دوسرے
حصوں کی ہے اور یہی بات ہم ریاستوں کے بارے میں بھی کہہ سکتے
ہیں ۔ کیونکہ اعیانیت ہو یا جمہوریت وہ ایک کامل و مکمل
ریاست سے کسی قدر ہٹ کر بھی نہایت خوبی سے ترکیب پا
سکتی ہیں ۔ لیکن اگر ان میں آگے ہی آگے بڑھنے کی کوشش
کی گئی تو اس کا نتیجہ سب سے پہلے تو یہ ہوگا کہ حکومت میں
خرابی پیدا ہو جائے ، بالآخر خاتمہ ۔ لہٰذا مقنن ہو یا

---

بقیہ حاشیہ ۵۰۰

ہے کہ جمہوریت ہو یا اعیانیت دونوں کو ایک خاص حد
سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے ورنہ ان میں خرابی پیدا ہو جائے
گی ۔ یعنی جمہوریت ہو یا اعیانیت ہماری یہ کوشش کہ
اس میں غلو سے کام لیتے چلے جائیں ناکام رہے گی ۔

۷ ۔ مکمل مساوات کا اشارا یہاں اس امر کی طرف ہے کہ صرف
ایک طبقے کا وجود باقی رہ جائے یعنی اگر دولت مند موجود
ہیں تو غریب سرے سے مفقود ہو جائیں اور اگر امیر موجود
ہیں تو غریب ۔ با الفاظ دیگر ارسطو نے یہاں اس اصول کی
مخالفت کی ہے کہ نجی ملکیت کی بجائے دولت میں
اشتراک قائم کردیا جائے — مترجم

مدبر ریاست دونوں کو اس امر کا خوب اندازہ ہونا چاہئے کہ وہ کیا چیز ہے جو کسی جمہوریت یا اعیانیت کو برقرار رکھتی ہے اور کیا جو ان کی بربادی کا سبب بنتی ہے - جیسے یہ کہ دونوں کے لئے ناممکن ہے امیروں یا غریبوں کے بغیر قائم رہ سکیں - برعکس اس کے جہاں کہیں مکمل مساوات کا دور دورہ ہوا (۷) ریاست نے کوئی دوسری شکل اختیار کر لی - لہٰذا اگر لوگوں نے وہ سب قوانین مٹا دئے جن کی رو سے املاک میں عدم مساوات کی اجازت ہے تو وہ گویا حکومت ہی کو نیست و نابود کر دیں گے (۸) - ایسے ہی جمہوریتوں کا معاملہ ہے جہاں عوامی رھنما جب یہ کوشش کرتے ہیں کہ عامۃالناس قوانین سے بالا تر ہوجائیں تو ان کا ایسا کرنا بھی بڑا غلط ہوتا ہے کیونکہ اس طرح غریبوں اور امیروں میں اختلاف پیدا ہوجاتا ہے اور نتیجہ یہ کہ شہر کے بھی دو حصے ہو جاتے ہیں حالانکہ

---

۸ - نیست و نابود کردینگے - مطلب یہ ہے کہ اس کا دستور بدل جائیگا - آجکل تو شاید یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ مال و دولت کی مساوات جمہوریت کے منافی ہے - یہ اس لئے کہ ہمارے نزدیک جمہوریت وہ طرز حکومت ہے جس کا مطلب ہے بحیثیت مجموعی لوگوں کی حکومت - لیکن ارسطو کے نزدیک جمہوریت سے مراد جمہور کی حکومت ہے یعنی معاشرے کے ایک حصہ کی جیسے اعیانیت کا مطلب ہے اس کے کسی دوسرے حصے کا اقتدار - مگر پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر معاشرے میں ہمواری پیدا ہو جائے یعنی جماعتی امتیازات مفقود ہو جائیں تو حکومت کی یہ دونوں صورتیں بھی جو ارسطو کے ذہن میں ہیں - یعنی جمہوریت اور اعیانیت ناپید ہو جائیں گی اور یہی ارسطو کا خیال ہے -- مترجم -

انہیں بظاہر امیروں کی طرفداری کرنی چاہئے(۹)۔ بعینہ اعیانیتوں میں بھی ان افراد کی ان لوگوں کے مقابلے میں تائید کرنا غلطی ہے جو اس کا نظم و نسق چلا رہے ہیں۔ ان میں جو حلف اٹھایا جاتا ہے اس کی شکل بھی وہ نہیں ہونی چاہئے جو بصورت موجودہ قائم ہے۔ اس لئے کہ آجکل بعض شہروں میں کہا یہ جاتا ہے ''میں عامةالناس کے برخلاف رہونگا۔ میں جو کچھ ان کے خلاف کیا جا سکتا ہے کرونگا'' حالانکہ ان کا دعویٰ اسکے برعکس ہونا چاہئے۔ انہیں بظاہر کہنا بھی اس کے خلاف ہی چاہئے۔ ان کا حلف یہ ہونا چاہئے ہم لوگوں کو کبھی ایذا نہیں پہنچائیں گے (۱۰) مگر پھر ان سب باتوں کی نسبت جو ابھی بیان ہوئیں ریاست کے استحکام میں سب سے زیادہ حصہ جس چیز کا ہے مگر جس سے لوگ بڑی نفرت کرتے ہیں یہ کہ بچوں دو اس کے حسب منشا تعلیم دی جائے (۱۱)۔ اس لئے کہ وہ نہایت ہی مفید قوانین بھی جن کی ماہرین ریاست تعریف کرتے ہیں بیکار ثابت ہونگے اگر شہریوں کو ان اصولوں سے کوئی مس نہیں جن پر دستور کی بنا

---

۹ - لیکن غلطیاں کون نہیں کرتا غلطیاں سب کرتے ہیں - عوامی رہنما اور دوسرے اشخاص بھی جس کی سب سے بڑی وجہ عدم واقفیت ہے کیونکہ اس امر کی واقفیت نہایت ضروری ہے کہ دستور کی حفاظت کس طرح کے طرز عمل سے ہوگی اور دستور قائم نہیں رہتا تو کن اسباب کی بنا پر—مترجم

۱۰ - مطلب یہ ہے کہ اعیانیتوں کو ریا کاری سے کام لینا چاہئے انہیں چاہئے وہ ہمیشہ غریبوں کی ہمدردی اور خیر خواہی کا دم بھریں—مترجم

۱۱ - فصل چہارم میں ارسطو اس موضوع سے بحث کر آیا ہے۔ فصل ہشتم میں البتہ زیادہ شرح و بسط سے کام لے گا- مترجم

رکھی گئی اور نہ ان کی تربیت ان کے مطابق ہوئی - جمہوریت کے اگر جمہوریت قائم ہو چکی ہے ، اعیانیت کے اگر اعیانیت قائم ہے - اس لئے کہ اگر ایک شخص کے اخلاق بھی خراب ہیں تو گویا برے اخلاق شہر میں موجود ہیں - بایں ہمہ اگر بچوں کی تعلیم ریاست کے حسب مطلب کی جائے تو اس کی صورت یہ نہیں ہونی چاہئے کہ انہیں لوگوں کی خوشنودی کا سبب بنے جن کو کسی جمہوریت یا اعیانیت میں اقتدار حاصل ہے - ان کی تعلیم ایسی ہونی چاہئے کہ دونوں قسم کی حکومتیں چلا سکیں - لیکن اب تو جہاں کہیں اعیانیت قائم ہے وہاں صورت یہ ہے کہ حاکموں کے بچے بڑے ناز و نعمت سے پالے جا رہے ہیں - غریبوں کی اولاد اس کے برعکس بڑی محنت اور عسرت کی زندگی بسر کرتی ہے اور اس لئے دونوں طرح کی تبدیلیاں پیدا کرنے کے خواہش‌مند رہتے ہیں ، بلکہ پیدا کر بھی دیتے ہیں - خالص جمہوریتوں میں تو ان کا طرز عمل اپنے ہی سود و بہبود کے کے خلاف ہوتا ہے(۱۲) جس کی وجہ ہے حریت کی غلط تعریف اس لئے کہ دو ہی باتیں ہیں جو کسی جمہوریت کا مقصد ہو سکتی ہیں - ایک تو یہ کہ اقتدار اعلیٰ عام‌طور پر لوگوں کے ہاتھ میں رہے دوسری یہ کہ سب آزادی کا لطف اٹھائیں(۱۳)- یہی‌وجہ ہے کہ جمہوریتوں میں اس بنا پر جس چیز کو قرین انصاف ٹھہرایا جاتا ہے اسی کو قرین

---

۱۲ - ملاحظہ ہو فصل چہارم جہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمہوریتوں میں قانون لوگوں کی مرضی کے تابع ہوتا ہے—مترجم

۱۳ - بقول نیومین (بحوالۂ بارکر) یہ دونوں اصول متضاد بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ عین ممکن ہے اکثریت کے اقتدار سے افراد کی آزادی محدود ہو جائے—مترجم

مساوات بھی اور جسے قرین مساوات اسی کو قانون۔ لہذا جمہوریتوں میں آزادی اور مساوات کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ ہر شخص آزاد ہو اور جیسا جی چاہے کرے۔ لہذا اس قسم کی جمہوریتوں میں ہر شخص جیسی چاہتا ہے زندگی بسر کرتا ہے۔ بقول یوری پیڈیس شاعر ''جیسے اس کی خواہش ہوئی''۔ لیکن یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ حکومت کی اطاعت کو غلامی پر محمول نہیں کرنا چاہئے، بلکہ حفاظت پر (۱۴)۔ یہ ہیں مختلف ریاستوں کی تباہی کے اسباب اور ان کو برقرار رکھنے کے ذرائع۔

۱۴ - لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کیسے ؟ بقول نیومین عبارت بالا سے تو یہی مترشح ہوتا ہے کہ ارسطو کے نزدیک اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ قانون کی اطاعت۔ بشرطیکہ قانون میں کوئی خرابی نہ ہو جیسے آگے چل کر ہابس کہیگا ہم وہی کچھ کریں گے جس کی بادشاہ اجازت دیتا ہے یا جیسے مونتسکو کہتا ہے ''وہ جس کی قوانین اجازت دیں''—مترجم

# دسواں باب

اب ہمیں بادشاہتوں کا ذکر(۱) کرنا ہے، اس امر کا کہ ان میں فساد کے اسباب کیا ہوتے ہیں اور انہیں قائم اور برقرار رکھنے کی صورت کیا ہے - در اصل جو کچھ ہم دوسری حکومتوں کے بارے میں کہہ آئے ہیں وہی کچھ بادشاہوں اور مستبد حکومتوں کے بارے میں بھی صحیح ہے(۲) - اس لئے کہ بادشاہت بھی امارت ہی سے

---

۱ - بادشاہت سے ارسطو کی مراد شخصی حکومت ہے - یعنی اقتدار اعلی کا فرد واحد کے ہاتھ میں ہونا - لیکن ہو سکتا ہے یہ فرد واحد بادشاہ نہ ہو، مستبد ہو، لہذا اس امر کا خیال رکھنا چاہئے کہ ارسطو کے یہاں بادشاہت کا مطلب ہمیشہ بادشاہت نہیں ہوتا وہ اس کا اطلاق اس قسم کی حکومت پر بھی کرتا ہے جو بادشاہت نہ ہو-مترجم

۲ - معلوم ہوتا ہے ارسطو کی نظر اس بات پر ہے کہ ہمیں بادشاہت (یعنی شخصی حکومت جس میں استبدادیت بھی شامل ہے) اور دستوری حکومتوں میں امتیاز پیدا کرنا چاہئے - اس کے نزدیک بادشاہت کا وجود دستور سے آزاد ہے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر وہاں کوئی دستور یعنی اصول نظم و ضبط ہے بھی تو فرد واحد کا پیدا کردہ - لیکن فصل سوم میں جب اس نے دساتیر سے بحث کی ہے تو ان میں بادشاہت اور استبدادیت کو بھی شامل کر لیا ہے مگر جس سے اب وہ انکار کر رہا ہے لہذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ارسطو نے بادشاہت کی بحث میں دو باب سپرد قلم کئے ہیں تو اس کی وجہ کیا ہے - پھر اس بحث میں بھی اس کا زور زیادہ تر

باقی صفحہ ۵۰۷ پر

ملتی جلتی ایک شکل ہے ۔ استبداد میں البتہ اعیانیت اور جمہوریت دونوں کے بدترین پہلو جمع ہو جاتے ہیں ۔ لہٰذا وہ بدترین حکومت ہے جس کا انسان غلام بن سکتا ہے ، کیونکہ اس کی ترکیب دو ایسی حکومتوں سے ہوتی ہے جو دونوں کی دونوں بری ہیں اور جن میں اس لئے دونوں کی خرابیاں اور نقائص جمع ہو جاتے ہیں ۔ لیکن بادشاہت کی ان دونوں قسموں کا ظہور جن اسباب کی بنا پر ہوتا ہے وہ ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہوتے ہیں ۔ بادشاہتیں تو اس لئے قائم کی جاتی ہیں کہ اچھے افراد عوام سے محفوظ رہیں اور اس لئے بادشاہ بھی انہیں لوگوں سے منتخب کئے جاتے ہیں جن کو اس کردار کی بنا پر جو نتیجہ ہے اعلیٰ فضائل کا دوسروں پر سبقت حاصل ہوتی ہے، یا اس لئے کہ وہ حسب و نسب کے اونچے ہوتے ہیں ۔ لیکن مستبد کا انتخاب اس کے برعکس

---

بقیہ حاشیہ ۵۰۶

استبدادیت پر ہے جس کے متعلق فصل چہارم میں وہ پہلے کہہ آیا ہے کہ ہمیں اس باب میں بہت کچھ کہنا ہے ۔ اندریں صورت نیوسن کا خیال ہے کہ ارسطو نے اس مبحث پر قلم اٹھایا تو اس لئے حکومت کی اس شکل کا جو یونان میں عام ہورہی تھی سدباب ہو جائے ۔ وہ چاہتا تھا مقدونوی بادشاہت کی بنا کسی ٹھیک نہج پر قائم ہو ۔ یا پھر یہ کہنا چاہئے کہ ارسطو کی نظر نہایت وسیع تھی اس نے بحث کا کوئی گوشہ خالی نہیں چھوڑا وہ ہر بات کی توضیح و تشریح کرتا اور اسے گویا ایک طبیب کی حیثیت سے دیکھتا ہے شاید اس لئے کہ اس کا تعلق ایک طبیب خاندان سے تھا یا اس لئے کہ اس کے زمانے میں استبداد عام ہو رہا تھا لہٰذا اسے بجا طور پر استعجاب پیدا ہوا کہ اسکی تحقیق و تفتیش بھی کرے — مترجم

نہایت ادنیٰ درجے کے انسانوں سے ہوتا ہے ۔ وہ اچھے افراد کے
دشمن ہوتے ہیں تاکہ ایسا نہ ہو اسطرح کے افراد عوام پر چھا جائیں
تجربے سے بھی ہماری یہی بات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے
کیونکہ عام طور پر دیکھا جائے تو جو بھی مستبد تھے ابتدا میں عوامی
رہنما تھے جنھوں نے عوام کو امرا کے خلاف ابھارا اور اس طرح اثر و
رسوخ پیدا کیا ۔ چنانچہ بعض مستبد حکومتیں اگرچہ اسی بنا پر
قائم ہوئیں اور یہ اس وقت جب شہروں کی آبادی بڑھ رہی تھی
لیکن بعض اس وقت جب بادشاہ مطلق العنانی کی ہوس میں
اپنے جائز اختیارات سے آگے بڑھ گئے اور زیادہ طاقت حاصل کر لی ۔
پھر ایسا بھی ہوا کہ جن لوگوں کو ریاست کے اعلیٰ عہدے حاصل
تھے انہوں نے بھی مستبد حکومتیں قائم کرلیں، کیونکہ ایام گذشتہ
میں جو لوگ حاکم مقرر ہوتے عمر بھر کے لئے ہوتے اور ملکی
اور مذہبی معاملات بھی انہیں کے ہاتھ میں دے دئے جاتے ۔
لہٰذا یہ لوگ اپنے ہی اندر سے کوئی ایسا حاکم منتخب کرلیتے جسے
باقی سب حکام پر اعلیٰ اقتدار حاصل ہوتا ۔ یہ مختلف طریقے ہیں
جن سے کام لیتے ہوئے جو کوئی چاہتا آسانی سے مستبد بن سکتا
اس لئے کہ طاقت تو اسی کے ہاتھ میں ہوتی خواہ بشکل بادشاہت
خواہ اس لئے کہ ریاست کے جملہ اعزازات اسی کے پاس رہتے ۔
چنانچہ ارگوس(۳) میں فیڈون(۴) اور ایسے ہی بعض دوسرے مستبدین

---

۳ - Argos پیلو پونیسس کو کبھی کبھی ارگوس بھی کہہ دیتے ہیں ۔
لیکن یہاں اس شہر کی طرف ہے جس نے ۷۵۰ میں فیڈون کے ماتحت
بڑی طاقت حاصل کرلی تھی—مترجم

۴ - Phidon

ابتدامیں بادشاہ ہی تھے۔ فلارس(۵) کو البتہ اعزازات ریاست حاصل تھے جیسے بعض دوسروں کو آئی اونیہ میں۔ مگر لیونی ٹیم(۶) میں پنے ٹیئس(۷) کارنتھ میں کپسا لس(۸) اثینیہ میں پسس ٹراٹس (۹) اور سراقوسہ میں ڈیونے سیوس وغیرہ ابتدا میں عوامی رہنما تھے ، بعد میں مستبد بن گئے ۔ رہی بادشاہت تو اس کے متعلق ہم سب سے پہلے کہہ آئے ہیں کہ وہ امارت ہی سے مشابہ ہے اور اس لئے جب کبھی یہ مرتبہ کسی کو دیا جاتا ہے تو اس کی وجہ یا تو ذاتی فضائل ہوتے ہیں، یا حسب و نسب، یا اعلیٰ خدمات، یا پھر ان کو جو طاقت حاصل کر لیں ۔ لٰہذا جن ہستیوں نے کسی قوم یا ریاست کو کوئی فائدہ پہنچایا ، یا جو اس قابل تھے کہ اسے فائدہ پہنچا سکیں انہیں اکثر یہ اعزاز مل گیا(۱۰) ۔ ایسے ہی جس کسی نے قوم کو بحالت جنگ غلامی سے بچایا جیسے کوڈرس(۱۱) نے، یا غلامی سے نجات دلائی جیسے کروش نے، یا جس کسی نے کوئی شہر بسایا یا نو آبادی

---

۵ - Phalaris مستبد اگری گنیٹم (صقلیہ) - زمانہ قرن ششم ق - م - بڑا ظالم اور سفاک تھا کہا جاتا ہے اس نے ایک برنجی سانڈ بنوایا تھا جس میں لوگوں کو زندہ جلا دیتا—مترجم

۶ - Leontium مشرقی صقلیہ میں—مترجم

۷ - Panaetius

۸ - Cypsalus

۹ - Pisistratus ۵۶۰ میں اثینیہ پر قابض ہو گیا اور نکال دیا گیا ۔ پھر تا دم مرگ اس پر قابض رہا - بڑا سمجھ دار حاکم تھا —مترجم

۱۰ - یعنی اسے بادشاہ تسلیم کر لیا گیا—مترجم

۱۱ - Codrus اثینیہ کا آخری تاجدار—مترجم

قائم کی اسے بھی - جیسے اسپارٹا، مقدونیہ اور ملوسس(۱۲) کے بادشاھوں کی مثال ھمارے سامنے ھے - پھر اگر بادشاہ کی خواھش ھمیشہ یہ ھوتی ھے کہ لوگوں کا محافظ بنے تاکہ جن لوگوں کے پاس مال و دولت ھے وہ اسے اپنے قبضے میں رکھ سکیں اور عوام بھی جور و تعدی سے محفوظ رھیں(۱۳) تو مستبدین کو جیسا کہ عام

---

۱۲ - Molossus اپائرس کے قریب چھوٹا سا علاقہ—مترجم

۱۳ - گویا ارسطو کے نزدیک بادشاہ کا تصور یہ ھے کہ اس کی حیثیت ایک ایسے محافظ یا ثالث کی ھوتی ھے جسے کسی کی پاسداری منظور نہیں ھوتی - للہذا وہ معاشرے کے ھر عنصر کو دوسرے پر دست درازی سے روکتا ھے - یہاں اس امر کا لحاظ رکھ لینا بھی خالی از دلچسپی نہ ھوگا کہ بادشاھت کا یہ تصور بہت کچھ ھیگل کے تصورات سے ملتا جلتا ھے- چنانچہ سیاسیات کے اس نسخے میں جسے رچرڈ کانگریو نے ۱۸۷٦ میں شائع کیا بطور ضمیمہ ایک عبارت درج ھے جس کا مفاد یہ ھے کہ عہد حاضر میں چونکہ مختلف طبقات پیدا ھو گئے جن میں سے ھر ایک کا اپنا اپنا جداگانہ مفاد ھے لہذا اس کے پیش نظر ایک ایسی آمرانہ طاقت کی ضرورت ھے جو ان کے مفاد اور مصالح کا خیال رکھے اسکے باوجود دستور ریاست کی حمایت کرے- مگر یہ طاقت بادشاہ کی نہیں ھونی چاھئے بلکہ کسی فرد واحد کی گویا اگر زبان اجازت دے تو ھم کہیں گے کیا اچھا ھو اگر سوروثی بادشاھت کی بجائے 'واحدیت' (فرد واحد کی حکومت) قائم ھوجائے- یہاں پھر ارسطو اور ھیگل اور کونت (Conte) میں کچھ مشابہت پیدا ھوجاتی ھے - یاد رھے کانگریو کونت کا پیرو تھا -

یہ بارکر کا حاشیہ ھے - لیکن ارسطو کو اس خیال کے پیش نظر کیا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا ذھن رفتہ رفتہ مشرق کے ( مصری - ایرانی ) تصورات بادشاھت کی طرف منتقل ھو رھا تھا—مترجم

طور پر دیکھا گیا ہے اس امر کا مطلق خیال نہیں ہوتا کہ لوگوں کا فائدہ کس میں ہے - انہیں صرف اپنے فائدہ کا خیال رہتا ہے اور مقصد عیش و عشرت کی زندگی - برعکس اس کے بادشاہوں کا مقصد ہے حصول فضائل- لہذا مستبد تو چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہوسکے دولت جمع کرتا جائے، بادشاہ کو اسکے برعکس اپنی عزت کا خیال رہتا ہے (۱۴) - پھر اگر بادشاہ کے محافظ شہری ہوتے ہیں تو مستبدین کے غیر یعنی اجنبی - لہذا ظاہر ہے استبدادیت میں وہ سب خرابیاں جمع ہونگی جو جمہوریت اور اعیانیت میں پائی جاتی ہیں(۱۵) - اعیانیت کی طرح استبدادیت کا مقصود بھی نفع ذات ہے - اس لئے کہ یونہی مستبد اپنے محافظ پیدا کرتا اور سامان عیش و عشرت جمع کرسکتا ہے - اعیانیتوں کی طرح اسے بھی لوگوں پر کوئی اعتماد نہیں ہوتا - لہذا وہ ان کے اسلحہ چھین لیتا ہے - دونوں رعایا پر ظلم کرتے ہیں اور انہیں شہر اور گھروں سے نکال دیتے ہیں - جمہوریت اور استبدادیت میں البتہ جو مشابہت ہے یہ کہ مستبد بھی امرا سے دست و گریبان رہتا اور انہیں علانیہ یا خفیہ جس جس طرح بھی بن پڑے شہر چھوڑنے پر مجبور کردیتا ہے کیونکہ وہ اس کے حریف ہوتے ہیں اور انکی قائم کردہ حکومت میں ایک طرح کی روک - لہذا قدرتی بات ہے کہ جو لوگ اس طرح کی حکومت کرنا چاہتے ہیں یا جو لوگ نہیں چاہتے ان کے غلام بنیں وہ ایک دوسرے کے خلاف سازش کریں گے - چنانچہ پیری آنڈر نے جب تھریسی بولس کو بڑی بڑی بالیاں الگ کردینے کا مشورہ دیا

---

۱۴ - یعنی شہرت اور نام آوری کا—مترجم

۱۵ - تفصیل اسی باب میں آگے چل کر آتی ہے—مترجم

تھا تو اس کا مطلب بھی یہی تھا کہ سربرآوردہ شہریوں کو ٹھکانے لگا دے ۔ اندریں صورت ہمیں ان تبدیلوں کی توجیہ جو کسی بادشاہت میں پیدا ہوتی ہیں انہیں اسباب کی بنا پر ہونی چاہئیے جن کا تعلق کسی دوسری ریاست میں تبدیلیوں سے ہے اور جن کا ذکر ہم اس سے پہلے بھی کر چکے ہیں(١٦) ۔ بات یہ ہے کہ جب کسی شاہی حکومت میں لوگوں سے ناانصافی کی جاتی ہے یا ان کے اندر خوف اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اس کے خلاف سازش پر اتر آتے ہیں ۔ اب سب سے بڑی ناانصافی تو یہی ہے کہ ظلم کے ساتھ ساتھ توہین بھی کی جائے اور جس سے بالخصوص سازشوں کو تحریک ہوتی ہے لیکن بعض موقعوں پر اس صورت میں بھی جب لوگوں کو ذاتی جائداد سے محروم کر دیا جائے ۔ پھر بادشاہت ہو یا استبدادیت عام طور پر ان کا خاتمہ ایک ہی طرح سے ہوتا ہے اس لئے کہ بادشاہوں کے پاس دولت اور عزت ہوتی ہے اور یہ وہ چیز ہے جسے دوسرے بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔ رہیں سازشیں سو بعض سازشوں کا تو مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ حاکموں کو ٹھکانے لگا دیا جائے بعض کا یا کہ ان سے حکومت چھین لیں ۔ جان لینے کا خیال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کسی شخص سے نفرت ہو ۔ نفرت کے بھی متعدد اسباب ہو سکتے ہیں(١٧) اور ان سب سے یکساں طور پر اشتعال

---

١٦ - ارسطو ایک طرح سے پھر ان خیالات کا اعادہ کر رہا ہے جو اس باب کی ابتدا میں ظاہر کئے گئے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے اس کے ذہن میں وہ سب اسباب ہیں جو بادشاہتوں میں انقلاب کا باعث ہوتے ہیں۔مترجم

١٧ - ارسطو کے ذہن میں یہاں وہ سب باتیں ہیں جن کی بنا پر بادشاہوں

باقی صفحہ ٥١٣ پر

پیدا ہو سکتا ہے ۔ لہٰذا وہ سب لوگ جو اس طرح مشتعل ہونگے اس قسم کی سازش میں شریک ہو جائیں گے ۔ اس لئے نہیں کہ اس سے انہیں کوئی ذاتی فائدہ پہنچے گا بلکہ محض انتقام کی خاطر ۔ چنانچہ پسس‌ٹراٹس کے بال بچوں کے خلاف جو سازش کی گئی اس کی وجہ یہی تھی کہ پسس ٹراٹس نے ہارموڈئیس (۱۸) کی بہن کو بڑا نقصان پہنچایا تھا اور پھر اس کے ساتھ اس کی توہین بھی کی تھی(۱۹) ۔ لہٰذا ہارموڈئیس نے جو کچھ کیا اپنی بہن کی خاطر اور ارسٹوگی ٹن (۲۰) نے ہارموڈئیس کو بے عزت دیکھ کر ۔ امبرا کیہ(۲۱) کا مستبد پیری‌آنڈر بھی سازش ھی کا شکار ہوا(۲۲) کیونکہ اس نے بدمستی کی حالت میں ایک لڑکے سے زیادتی کی تھی (۲۳) ۔ فلپ کو بھی پوسانیاس

---

بقیہ حاشیہ ۵۱۲

کے خلاف غصہ اور برافروختگی پیدا ہوتی ہے ۔ مثلاً بیجا جور و تعدی بالخصوص تذلیل و توہین کی صورت میں یا خوف و دہشت زدگی علیٰ ھذا نفرت اور حقارت ۔ آگے چل کر وہ حرص و آز کی طرف اشارہ کرتا ہے اور پھر اس سلسلے میں بعض دوسرے اسباب کی جانب۔۔۔مترجم

۱۸ - Harmodius

۱۹ - یعنی ہارموڈئیس کو ۔ مطلب یہ ہے کہ اول اس نے اس کی بہن سے بد سلوکی کی اور پھر اسے ذلیل بھی کیا۔۔۔مترجم

۲۰ - Aristogiton ہارموڈئیس کا دوست ، والہ اور شیدا دونوں اثینوی شرفا میں سے تھے۔۔۔مترجم

۲۱ - Ambracia

۲۲ - ارسطو ان جنسی خرابیوں کا ذکر کر رہا ہے جو مستبدین کی تباہی کا باعث ہوئے۔۔۔مترجم

۲۳ - 'تمہارے ابھی تک مجھ سے بچہ پیدا نہیں ہوا' - یہ الفاظ تھے جو پیری آنڈر نے اس سے کہے۔۔۔مترجم ۔

نے ختم کیا تو اس لئے کے جب اٹالس(۲۴) نے اس کی گستاخی کی تو اس نے اس کا بدلہ نہیں لیا ۔ جیسے امینٹاس اصغر(۲۵) کا داردا(۲۶) سے کیونکہ اس نے باوجود پیرانہ سالی کے اسکی بے عزتی کی تھی ۔ علیٰ ھذا ایوا گوراس قبرصی(۲۷) نے اس خواجہ سرا سے جو اسکے بیٹے کی بیوی بھگا لے گیا تھا.....(۲۸)

---

۲۴ - Attalus فلپ (فیلقوس) شاہ مقدونیہ (اسکندر کا باپ) جس کے اسارے سے اٹالس اوراسکےساتھیوں نے پوسانیاس کی بے عزتی کی لہٰذا وہ اس پر حملہ آور ہوا—مترجم

۲۵ - Amintas the Little

۲۶ - Darda یا Derdas امینٹاس کا کہنا تھا کہ (نوجوان) داردا اس پر بڑا مہربان ہے—مترجم

۲۷ - Evagoras لہٰذا خواجہ سرا نے اس کے باپ یعنی ایواگوراس کو قتل کر دیا—مترجم

۲۸ - بارکر نے اوپر کی تفاصیل (حاشیہ ۱۸ تا حاشیہ ۲۵) کا ذکر اس باب کے آخر میں کیا ہے ۔ وہ کہتا ہے ارسطو کو ان باتوں سے دلچسپی تھی تو محض اپنے ہمہ گیر استعجاب کے باعث ۔
متن زیر ترجمہ میں یہ بیان دفعتاً ختم ہو جاتا ہے (جس کا تعلق جنسی جرائم کے ارتکاب سے ہے) اور پھر ان واقعات کا ذکر شروع ہو جاتا ہے جن کا تعلق جسمانی سزاوں سے ہے ۔ لیکن بارکر نے اس کے بعد کچھ اور واقعات بھی بیان کئے ہیں مثلاً کراٹے اوس Crataeus کی آرکیلاوس Archelaus سے ناراضگی محض اس لئے کہ اس نے اپنی بیٹی کی شادی اس سے نہیں کی ۔ پھر ہیلونوکرٹیس Hellonocrates بھی اگر کراٹےاوس سے اس لئے مل گیا کہ آرگیلاؤس پر حملہ کرے تو اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ ہیلو نو کراٹیس کے

باقی صفحہ ۵۱۵ پر

پھر ان لوگوں نے بھی جنھیں کبھی بید زنی کی سزا ملی تھی اس غصے میں یا تو ان لوگوں کو جان ہی سے مار ڈالا جنھوں نے انھیں یہ سزا دی تھی یا ان کے خلاف سازش کی، خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو جیسے میگا کلیس(۲۹) کی مثال ہمارے سامنے ہے جس نے میٹلین (۳۰) میں دوستوں سے ملکر پنتھےلیڈی قبیلے کو جو راہ چلتے ہر کسی پر ڈنڈے چلایا کرتے تھے یا جیسے آگے چل کر سمنڈیس نے پنتھیلس (۳۱) کو کیونکہ اس نے اسے چابک سے مارا اور اس کی بیوی کو بھی گھسیٹ کر لے گیا تھا۔ آرکیلاؤس(۳۲) کے خلاف بھی جو سازش ہوئی اس میں سب سے زیادہ حصہ ڈکامنی کس(۳۳) کا تھا اس لئے کہ اس نے لوگوں کو اس کے خلاف ابھارا تھا

---

بقیہ حاشیہ ۵۱۴

دل میں اس سے بدظنی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ سمجھا ان کے درمیان کوئی رشتۂ مودت باقی نہیں رہا۔ کولیس Colys شاہ تھریس بھی قتل ہوا تو اس لئے کہ اس نے پارھون Parrhon اور ھراکلڈیس Heracledes کے باپ کی بے عزتی کی تھی۔ پھر اداس Adames نے اگر کولیس کے خلاف بغاوت کی تو اس لئے کہ اس نے بچپن میں اسے خصی کردیا تھا—مترجم

۲۸ - Megacles

۲۹ - (Penthelid) قبیلے کا نام ہے—مترجم

۳۰ - Smendes یا Smendis جیسا کہ بارکر میں ہے—مترجم

۳۱ - Penthilus وہ بھی پنتھیلڈ قبیلے کا ایک فرد تھا—مترجم

۳۲ - Archelaus ذکر اوپر آ چکا ہے—مترجم

۳ - Dechamnichus

وہ خفا تھا کہ اسے شاعر یوری پڈیس کے حوالے کیوں کیا گیا جس نے اسے بید لگوائے۔ اس لئے کہ یوری پڈیس اس بات پر بڑا بر افروختہ تھا کہ اس نے اس کی گندہ دھنی کے خلاف زبان کھولی ۔ بس کچھ ایسی ہی باتیں ہیں جن کی بنا پر بہت سے لوگ قتل ہوئے اور ان کے خلاف سازش کی گئی ڈر اور خوف سے بھی ایسے ہی نتائج پیدا ہوتے ہیں جیسے ریاستوں میں ویسے ہی بادشاہتوں میں ۔ چنانچہ ارتابنس (۳۴) نے خشیارشا(۳۵) کے خلاف سازش کی تو محض اس لئے کہ وہ اس کے حکم کی تعمیل میں دارایوش کو پھانسی پر لٹکا چکا تھا حالانکہ وہ جانتا تھا اسے معاف کر دیا جائے گا اس لئے کہ یہ حکم رات کے کھانے پر دیا گیا تھا ۔ کچھ بادشاہ محض اس لئے قتل کئے گئے یا ان سے تخت و تاج چھین لیا گیا کہ لوگ ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے جیسے کہا جاتا ہے سردانا پلس(۳۶) کے خلاف اس لئے سازش ہوئی کہ اسے اپنی بیوی کے ساتھ سوت کاتتے ہوئے دیکھ لیا گیا تھا جو اگر ٹھیک نہیں تو بہت ممکن ہے کسی دوسرے کے متعلق ٹھیک ہو ۔ ڈیون (۳۷) نے بھی

---

۳۴ - Artabanes وہ داریوس کو قتل کرچکا تھا لیکن یہ حکم چونکہ بد مستی کی حالت میں دیا گیا تھا لہٰذا اسے ڈر تھا جونہی خشیار شا کو ہوش آیا اسے بھی قتل کر دیا جائیگا—مترجم

۳۵ - Xerxes عبرانی میں خشتوریش—مترجم

۳۶ - Sardanapalus شاہ اشور— مترجم

۳۷ - Dion اس نے جب یہ دیکھا کہ شراب خوری کے باعث ڈیونےسیوس کی اپنی رعایا بھی اس سے متنفر ہے تو اس نے محض اس بنا پر اسے قتل کر دیا—مترجم

جب یہ دیکھا کہ ڈیونےسیوس اصغر کی رعایا اس کے خلاف سازش
کرنا چاھتی ھے اس لئے کہ وہ ھمیشہ شراب میں بد مست رھتا ھے
تو اس کے خلاف سازش میں شریک ھو گیا اور یہ وہ بات ھے جس سے
کسی شخص کے دوست بھی اگر وہ اس سے نفرت کرتے ھیں
دریغ نہیں کرینگے ، کیونکہ اسے ان پر اعتماد ھوگا اور وہ
سمجھیں گے ان کی اس کاروائی کا کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔
ایسے ھی جو لوگ یہ سمجھتے ھیں انہیں کسی بادشاہ کا
تخت مل سکتا ھے وہ بھی بسبب حقارت اس کے
خلاف ھو جائیں گے۔ انہیں اپنی طاقت کا احساس ھوگا
اور طاقت کے زعم میں خطرے سے بے پرواہ ھو کر سازش
پر اتر آئیں گے۔ اندرین صورت ھر سپہ سالار کی کوشش ھوگی
کہ بادشاہ کو معزول کردے جیسے کروش نے اسٹای گیس(۳۸)
کو۔ اسے اس کے طریق زندگی اور فوج دونوں سے نفرت تھی
فوج سے اس لئے کہ وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتی تھی۔ طریق
زندگی سے اس کی عیاشی کے باعث۔ چنانچہ سوتھیس تھریسی(۳۹)
سالار افواج نے بھی اماڈوکس(۴۰) کے خلاف اسی لئے سازش کی
تھی۔ مگر بعض اوقات ایسا بھی ھوتا ھے کہ اس طرح کا ایک نہیں
کئی سبب سازشوں کا ذریعہ بن جائیں جیسے اس سازش میں
جو مثرادت (۴۱) نے آریو بارزانس (۴۲) کے خلاف کی۔ پھر

---

۳۸ - Astyages بڑا عیاش تھا اور تمام مردانہ خصائل کھو بیٹھا تھا—مترجم

۳۹ - Sathes

۴۰ - Amadocus بڑا عیاش اور پست اخلاق—مترجم

۴۱ - Mithridates

۴۲ - Ariobarzanus مثری وات کا باپ ھے—مترجم

جو لوگ طبیعت کے دلیر ھیں اور انہیں بادشاھوں کی طرف سے فوجی اعزازات بھی حاصل ھوں ان سے به نسبت دوسروں کے بغاوت کا بہت زیادہ خطرہ ھے ۔ اس لئے که طاقت اور ھمت جمع ھو جائیں تو اس سے بڑی بیباکی پیدا ھو جاتی ھے ۔ لٰہذا جس کسی میں یه دونوں باتیں موجود ھیں وہ ھمیشه سازشوں پر آمادہ رھے گا کیونکه وہ بآسانی فتح حاصل کرسکتا ھے ۔ البته جو لوگ کسی مستبد کے خلاف نام آوری یا حصول عزت کے لئے سازش کرتے ھیں ان کا مقصد جیسا که ھم اس سے پہلے بیان کر آئے ھیں کچھ اور ھوتا ھے ۔ وہ ان سب لوگوں کی طرح جو اپنی جان جوکھوں میں ڈالتے ھیں اور جن کو صرف نام آوری یا عزت کا خیال ھوتا ھے جو کچھ کرتے ھیں دولت یا شان و شوکت کے لئے نہیں ، بلکه یه سمجھتے ھوئے که وہ کسی نیک کام میں ھاتھ ڈال رھے ھیں تاکه انہیں شہرت اور امتیاز حاصل ھو ۔ گویا وہ کسی مستبد کا خاتمه کریں گے تو اس لئے نہیں که اس کے جانشین بنیں بلکه اس لئے که نام پیدا کریں ۔ گو یه بات که جو لوگ اس اصول پر قدم اٹھاتے ھیں ان کی تعداد بہت کم ھوتی ھے اپنی جگه پر صحیح ھے ۔ اس قسم کے کاموں کا بیڑا وھی لوگ اٹھاتے ھیں جو یه سمجھتے ھیں که بصورت ناکامی اگر جان بھی جاتی ھے تو جائے ۔ ان کا کہنا وھی ھوتا ھے جو ڈیون(۴۳) کا تھا (اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ھوتے ھیں) جب اس نے معدودے چند سپاھیوں کے ساتھ ڈیونے سیوس سے لڑائی چھیڑی ۔ اس نے کہا اگر مجھے زیادہ کامیابی نہیں ھوتی تو کیا ھے تھوڑی سی کامیابی بھی میری تسلی کے

---

۴۳ - اس کا ذکر اوپر آچکا ھے ـــ مترجم

لئے کافی ہوگی ، حتیٰ کہ اگر ڈیونے سیوس کے علاقے میں قدم رکھتے ہی جان دیدی تو میں سمجھونگا میں نے بہت بڑی عزت حاصل کی اور شان و شوکت سے موت پائی ۔ استبدادیت کو بھی اپنی ہمسایہ طاقتوں سے ویسا ہی خطرہ ہوتا ہے جیسے دوسری ریاستوں کو اس لئے کہ استبدادیت کے اصول ان کے خلاف ہونگے ، لہٰذا وہ کوشش کرینگے اسے برباد کر دیں (۴۴) ، کیونکہ جو لوگ اپنے دل کی بات پوری کر سکتے ہیں وہ اسے پورا کر کے رہیں گے ۔ ریاستوں کے اصول یوں بھی متصادم (۴۵) ہوا کرتے ہیں جیسے جمہوریت اور استبدادیت کے ، یا بقول ہسیوڈ ایک کوزہ گر کے باہم دوسرے سے ، کیونکہ جمہوریت استبدادیت کی ضد ہے اور بادشاہت امارت کی (۴۶) ۔ لہٰذا ان کے یہاں حکومت کی شکل بھی ایک دوسرے کے برعکس ہوگی ۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اسپارٹا نے بہت سی مستبد حکومتیں برباد کردیں جیسے سراقوسیوں نے اس وقت جب ان کی ریاست خوشحال تھی (۴۷) ۔ پھر ریاستیں باہر ہی سے برباد نہیں ہوا کرتیں ، بلکہ اندر سے بھی اور یہ اس وقت جب وہ لوگ جنھیں، اس کے اقتدار و اختیار میں حصہ نہیں ملتا

---

۴۴ - ان خارجی اسباب کی طرف اشارہ ہے جو ریاستوں کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں ملاحظہ ہو ساتواں باب۔مترجم

۴۵ - آج کل کی اصطلاح میں تصورات کا تصادم جیسے آمری اور غیر آمری ریاستوں میں—مترجم

۴۶ - ملاحظہ ہو فصل چہارم چوتھا باب — مترجم

۴۷ - ق ۴۳۵ تا ق - ۴۱۳ - اس نصف صدی میں سراقوسہ کا دستور امانت یا امارت صفت مدنیت پر مبنی تھا ۔

انقلاب برپا کر دیتے ہیں(۴۸) چنانچہ یہی کچھ گیلون(۴۷) سے ہوا اور یہی کچھ آگے چل کر ڈیونےسیوس سے۔ اولالذکر کو ہیئرو کے بھائی تھراسی بولس کے ہاتھوں جس نے گیلون کے بیٹے کو خوشامد اور تملق سے کام لیتے ہوئے عیش و عشرت کی زندگی پر اکسایا تاکہ سر رشتۂ حکومت اس کے ہاتھ میں آجائے ۔ مگر اس کے خاندان نے بالاتفاق استبدادیت کی تائید کی اور تھراسیبولس کو نکال دیا ۔ اس پر ان لوگوں کو جنہیں انھوں نے اپنے ساتھ شریک کیا تھا موقعہ مل گیا کہ پورے خاندان کو ملک بدر کردیں(۴۹) ۔ ڈیون نے بھی اپنے قرابت دار ڈیونے سیوس سے جنگ کی لیکن اس کے بعد جن لوگوں نے اس کی مدد کی تھی انھوں نے اسے اول تو شہر بدر کردیا پھر قتل کر ڈالا(۵۰) ۔ مستبدوں کے خلاف زیادہ تر دو اسباب کی بنا پر سازش کی جاتی ہے(۵۱) ۔ نفرت اور حقارت جن

---

۴۸ - اندر سے بھی یعنی داخلاً ان مناقشوں کے باعث جو مستبدین کے اپنے خاندان میں پیدا ہو جاتے ہیں—مترجم

۴۹ - اول گیلاG ela اور پھر سرا قوسہ کا مستبد حکمران - ۴۹۱ میں اس پر قابض ہوا—مترجم

۵۰ - Thrasybulus گیلون اور اس کے جانشین ہیئرو(Hiero) کا بھائی-مترجم

۵۱ - یعنی گیلون کے سارے خاندان کو حالانکہ ابتدا میں انھوں نے ہیرو کی امداد کی تھی—مترجم

۵۲ - مطلب یہ ہے کہ وہ مستبد بنتے ہی کامیاب ہو گیا اور یہی کامیابی اس کے قتل کا سبب بنی—مترجم

۵۳ - ارسطو ان اسباب سے بحث کر رہا ہے جو جمہوریتوں (باب پنجم) اعیانیتوں (باب ششم) امارتوں اور مدنیتوں (باب ہفتم) کی تباہی کا موجب بنتے ہیں - اب اس کے پیش نظر استبدادی حکومتیں ہیں—مترجم

میں نفرت کا تو کوئی علاج نہیں(۵۴) - لیکن حقارت بھی اکثر انکی تباہی کا باعث ہو جاتی ہے اس لئے کہ جو لوگ اپنے بل بوتے پر طاقت حاصل کرلیتے ہیں ان کی لازماً یہ خواہش ہوتی ہے اسے برقرار بھی رکھیں - لیکن جو لوگ دوسروں سے طاقت چھینتے ہیں وہ اسے حاصل کرتے ہی کھو دیتے اور عیش و عشرت کی زندگی میں اپنے مردانہ خصائل سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں - وہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہو کر بڑی آسانی سے سازش کا شکار ہو جاتے ہیں - پھر جب ان کے خلاف نفرت پیدا ہوتی ہے تو اس کی ایک وجہ غصہ بھی ہے، کیونکہ بعض صورتوں میں غصے سے بھی اس طرح کی باتوں کو تحریک ہوتی ہے ، بلکہ عام طور پر تو یہ دیکھا گیا ہے کہ غصے کی حالت میں لوگ جس تیزی سے قدم اٹھاتے ہیں نفرت کی بنا پر نہیں اٹھاتے - غصے میں تو وہ جس کسی کے خلاف قدم اٹھائیں گے بڑی تن دہی سے اس‌لئے کہ غصے کو عقل سے کیا کام - بعض لوگوں میں بہ سبب حقارت بھی یہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور جو پسس‌ٹراٹس اور بہت سے لوگوں کے زوال و نکبت کا باعث ہوا - بایں‌همه نفرت غصے سے بھی زیادہ طاقتور ہے اس لئے کہ غصے کے ساتھ دکھ بھی شامل ہوتا ہے اور یہ وہ چیز ہے جو عقل کا راستہ روک لیتی ہے - نفرت میں البتہ دکھ کا شائبہ نہیں ہوتا (۵۵) مختصراً یہ کہ ایک ایسی خالص اعیانیت جس

---

۵۴ - یعنی مستبدین سے نفرت تو بہر حال کی جائیگی—مترجم

۵۵ - یہ عبارت صاف نہیں - بارکر کے حوالے سے اسے یوں پڑھنا چاہئے - نفرت میں سوچ بچار ممکن ہے اس لئے کہ آپ اپنے دشمن سے نفرت کریں تو ضروری نہیں اس میں دکھ کا بھی شائبہ ہو - لیکن غصہ اور دکھ لازم و ملزوم ہیں - دکھ میں سوچ بچار ممکن نہیں—مترجم

میں کسی دوسری حکومت کا دخل نہ ہو اور ایک انتہائی جمہوریت کی تباھی کے جو اسباب ھیں ھم ان کا اطلاق استبدادیت پر بھی کر سکتے ھیں کیونکہ یہ بجائے خود استبداد ھی کی مختلف قسمیں ھیں(۵٦) - رھیں پادشاھتیں سو ان کی بربادی بیرونی حملوں سے تو بہت کم ھوتی ھے لہٰذا عام طور پر ان کا وجود بڑا مستحکم ھوتا ھے - البتہ ان کے اپنے اندر تباھی کے بہت سے اسباب مضمر رھتے ھیں جن میں سب سے بڑے دو ھیں - پہلا یہ کہ جو لوگ صاحب اقتدار ھیں بغاوت کو ھوا دیں - دوسرا یہ کہ بادشاہ قانون کی حد سے تجاوز کرتے جائیں اور زیادہ طاقت حاصل کر لیں لہٰذا استبدادیت قائم کرنے کی کوشش کریں - بادشاھت وہ کچھ تو ھے نہیں جیسی آجکل ھم قائم ھوتے دیکھتے ھیں - اسے تو شخصی حکومت یا استبداد سے تعبیر کرنا چاھئے- اس لئے کہ بادشاھت تو وہ ھے جسے لوگ برضا و رغبت قبول کرتے ھیں اور جس کا اقتدار بھی زیادہ تر تسلیم ھی کر لیا جاتا ھے- مگر پھر جہاں سب کا درجہ ایک سا ھے اور ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو دوسروں کی نسبت حکمرانی اور اس لئے عزت اور وقار کا زیادہ اھل ھو تو ناممکن ھے اس قسم کے مساوی الحیثیت لوگ برضا و رغبت کسی کا حکم مانیں - لہٰذا ان میں جو کوئی بزور طاقت یا فریب سے حاکم بن جائے گا اس کا نتیجہ استبداد ھی ھوگا- لیکن ابھی ایک اور بات ھے جس کا ھمیں اضافہ کرنا ھے یعنی ان

---

۵٦ - اعیانیت معدودے چند اشخاص کا استبداد ھے - انتہائی جمہوریت جمہور کا استبداد—مترجم

اسباب کا جن کی بنا پر موروثی پادشاهتوں میں انقلاب برپا هو جاتا ہے ۔ ان میں ایک تو یہ ہے کہ جو لوگ صاحب اختیار هیں ان میں سے اکثر کے خلاف جذبہ حقارت پیدا هو جائے ۔ دوسرا یہ کہ باوجود مطلق العنان نہ هونے کے دوسروں سے بدسلوکی کریں ، درآنحالیکہ انہیں شاهانہ اعزازات بھی حاصل هوں ۔ اس قسم کی ریاست بہت جلد برباد هو جاتی ہے ۔ اس لئے کہ بادشاہ جب هی بادشاہ ہے کہ لوگ برضا و رغبت اس کی اطاعت کریں۔ انکی اطاعت رضامندی هی سے کی جاتی ہے ۔ مستبدین کی اطاعت البتہ برضا و رغبت نہیں کی جاتی(۵۵) ۔ بس یہ اور کچھ ایسے هی اسباب هیں جو بادشاهتوں کی تباهی کا موجب بنتے هیں ۔

---

۵۷ - اس باب میں ارسطو نے بہت سے خیالات جمع کردئے هیں جن میں باهم کوئی ربط قائم نہیں رہا - اول داخلی اور خارجی اسباب کی بحث شروع هوتی ہے - پھر استبدادیتوں کی تباهی کی جس سے ارسطو کا ذهن جمہوریت اور اعیانیت کی انتہائی شکل کی طرف منتقل هو جاتا ہے - اس لئے کہ وہ بھی درحقیقت استبداد هی کی مختلف شکلیں هیں - لہذا جو امر ان کی تباهی کا باعث هوگا وهی انکی - مگر پھر اس کے بعد ارسطو نے بادشاهت کی بحث چھیڑ دی ہے- اس امر کی بادشاهت اور استبدادیت میں کیا فرق ہے - ان کی تباهی کے اسباب کیا هیں ؟ ـــــ مترجم

# گیارھواں باب

مختصراً پوچھئے تو پادشاھتوں کا استحکام ان ذرائع پر موقوف ھے جو ان کی تباھی کے ذرائع کے برعکس ھیں۔ للہذا بادشاھت قائم رھے گی تو اس صورت میں جب بادشاہ کا اقتدار مناسب حدود کے اندر رھے ۔ اس لئے کہ جتنا اس کا اقتدار محدود ھوگا اتنی ھی اس کی حکومت بھی دیر پا ھوگی کیونکہ اس صورت میں وہ بہت کم ایسا کرے گا کہ مطلق العنانی سے کام لے، بلکہ جن لوگوں پر حکمران ھے ان سے بڑی حد تک مساوات قائم رکھے گا۔ للہذا وہ اس کے درجے کو بہت کم شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ یہی وجہ ھے کہ ملوسس کی بادشاھت دیر تک برقرار رھی ۔ ایسے ھی اسپارٹا کی کیونکہ وھاں بادشاہ کی حکومت شروع ھی سے دو حصوں میں منقسم تھی اور پھر اس لئے بھی کہ تھیو پوم پوس (۲) نے اس کے بعض پہلوؤں میں اعتدال پیدا کیا ، علیٰ ھذا افوری کی بنار کھی (۳) مگر پھر بات یہ ھے کہ اگر اس نے بادشاھت کے اختیارات سے کچھ لے لیا تو دوسری جانب اس کی عمر بھی بڑھا دی ۔ گویا ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو اس نے اسے چھوٹا نہیں کیا ، بڑا ھی کر دیا جیسا کہ لوگ کہتے ھیں جب بادشاہ بیگم نے اس سے کہا

---

۱ - جس کا ذکر پچھلے باب میں آچکا ھے—مترجم

۲ - Theopompus قرن ھشتم ق - م کے وسطی زمانے کا ایک بادشاہ جس نے اسپارٹا پر حکومت کی—مترجم

۳ - ملاحظہ ھو فصل چھارم ، دستور اسپارٹا—مترجم

شرم کرو کیا تم اس کے بچوں کو بہ نسبت اس کے جو اسے اپنے آبا و اجداد سے ملا تھا کم نہیں دے رہے ؟ تو اس نے جواب میں کہا ہرگز نہیں میں انہیں وہ بادشاہت دے رہا ہوں جو زیادہ دیر تک باقی رہے گی (۴) - رہی استبدادیت سو اسے برقرار رکھنے کے دو طریقے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کی ضد۔ ایک تو یہ کہ اپنی طاقت دوسرے کے ہاتھوں میں دے دی جائے چنانچہ بہت سے مستبد یونہی اپنی ریاستوں میں حکومت کر رہے ہیں (۵) اور کہا جاتا ہے پیری‌آنڈر نے بھی اسی طرح بہت سی استبدادیتیں قائم کیں - ایرانیوں کے یہاں بھی اس قسم کی متعدد ریاستیں ملتی ہیں - پھر اس سے پہلے ہم جو کچھ کہہ آئے ہیں وہ بھی استبدادیت کی استواری اور بر قرار رکھنے میں ایسا ہی مساعد ہے جیسا کوئی اور چیز ، یعنی جن لوگوں کی طبیعت میں آرزوئیں اور امنگیں ہیں ان کو دبا کر رکھا جائے لیکن اگر نہیں دب سکتے تو ٹھکانے لگا دئے جائیں (۶) - نہ مشترک دسترخوان باقی رہیں، نہ محفلیں، نہ تعلیم، حتی‌الوسع کچھ بھی، بلکہ ہر ایسی چیز کو جس سے ہمت بڑھتی یا باہم اعتماد پیدا ہوتا ہے سرے سے مٹا دیا جائے - اہل علم ان لوگوں سے ملنے نہ پائیں جن کو فرصت ہے کہ باہم مل کر گفتگو کر سکیں - بر عکس اس کے جس طرح بھی ممکن ہو کوشش کی جائے کہ لوگ ایک دوسرے کو اجنبی سمجھیں اس لئے کہ یہ علم ہی تو ہے جس کی بدولت ہم ایک دوسرے پر

---

۴ - کیونکہ یوں اس کے جانشینوں کا اقتدار مستحکم ہو گیا—مترجم

۶ - فصل سوم میں بھی اس کا ذکر آچکا ہے۔ علی‌ہذا اسی فصل کے پچھلے باب میں—مترجم

بھروسہ کرنا سیکھتے ھیں (۷)۔ اجنبیوں کو مجبور کر دیا جائے کہ بر سر عام آئیں اور باب شہر (۸) کے قریب رھیں ، تاکہ ان کے اعمال و افعال کی بآسانی نگرانی کی جا سکے (۹) کیونکہ جن لوگوں کو غلام رکھا جاتا ہے ان میں شاذ ھی آونچے خیالات پیدا ہوتے ھیں ۔ مختصراً یہ کہ ایرانیوں اور غیر متمدن لوگوں کے ہر فعل کی پیروی کی جائے (۱۰) ۔ اس لئے کہ وہ سب غلامی کی زنجیروں کو مضبوط کرتے اور اس کوشش میں لگے رھتے ھیں کہ ان کے محکوم جو کچھ کرتے یا کہتے ھیں اس کا پتہ چلتا رہے۔ وہ اس غرض کے لئے جاسوس بھی بھرتی کر لیتے ھیں جن میں وہ عورتیں بھی شامل ھوتی ھیں جو اھل سراقوسہ کے یہاں پوٹاگوڈیس (۱۱) کہلاتی تھیں ۔ ھیئرو کا بھی معمول تھا کہ جہاں کوئی جلسہ یا گفتگو ھوتی سامعین (۱۲) کو بھیج دیتا تاکہ لوگ ان سے ڈرتے رھیں اور آزادی سے بات کرنے کی جرأت نہ کریں ، یا اگر کوئی بات کریں بھی تو حتی الوسع چھپی نہ رہے ۔ مستبدوں کی یہ بھی کوشش ھوتی ہے لوگ ایک دوسرے کو ملزم ٹھہراتے اور باھم لڑتے

---

۷ - یہاں علم سے مطلب ہے ایک دوسرے سے شناسائی اور واقفیت ، یعنی ایک دوسرے کا علم اعتماد باھمی کے لئے —مترجم

۸ - متن زیر ترجمہ میں "اجنبی" لیکن بارکر میں باشندے جو زیادہ صحیح ہے—مترجم

۹ - باب شہر، یعنی قلب شہر تاکہ بادشاہ کی نگرانی ان پر قائم رہے—مترجم

۱۰ - اس سلسلے میں شاید زمین بوسی کی رسم بھی ارسطو کے ذھن میں تھی لیکن ایران کو بر بنائے تعصب وہ ھمیشہ غیر متمدن قرار دیتا ہے —مترجم

۱۱ - لفظی ترجمہ شام کے ملاقاتی—مترجم

۱۲ - یعنی مخبر - ایک طرح کی خفیہ پولیس—مترجم

جھگڑتے رھیں - دوست دوستوں ، عوام امراء ، دولتمند دولتمندوں سے - پھر ایک اور چیز ھے جو استبدادیت میں مساعد ھوتی ھے اور وہ یہ کہ رعایا کو مفلوک الحال رکھا جائے تا کہ لوگ کوئی محافظ دستہ طیار نہ کر سکیں (۱۳) ، بلکہ ھمیشہ روٹی کی فکر میں لگے رھیں - یوں مستبدوں کے خلاف وہ کوئی سازش نہیں کر سکیں گے - چنانچہ مصر کے اھرام اس بات کا ثبوت ھیں - ایسے ھی کپسولڈ(۱۳) خاندان کی عالیشان عمارتیں اور جو پیٹرالمپس(۱۴) کا مندر جسے پسس ٹراٹس قبیلے نے تعمیر کیا - علی' ھذا ساموس میں پالی کراٹیس (۱۵) کی یادگاریں - کیونکہ ان سب کے پیش نظر ایک ھی مقصد تھا اور وہ یہ کہ لوگوں کو مفلس رکھا جائے - ٹیکسوں میں بھی اضافہ کرتے رھنا چاھئے - جیسے سراقوسہ میں ڈیونے سیوس نے پانچ ھی برس کے اندر رعایا کا سارا مال و دولت خزانے میں جمع کر لیا (۱۶) - انہیں چاھئے لوگوں کو کسی نہ کسی لڑائی میں الجھائے رکھیں ، تاکہ وہ بیکار نہ بیٹھیں اور ھمیشہ اس کے دست نگر رھیں - اب بادشاہ کی ھستی تو اس کے دوستوں کے سہارے بر قرار رھتی ھے لیکن مستبدوں کو اپنے دوستوں پر مطلق اعتماد نہیں ھوتا کیونکہ بصورت استبداد ھر شخص کی خواھش ھوتی ھے - بالخصوص ایسے افراد کی جنھیں کچھ طاقت حاصل ھے کہ اسے برباد کر ڈالیں - پھر وہ سب باتیں جو کسی انتہائی

---

۱۳ - اس خاندان کا ذکر اوپر آچکا ھے -

۱۴ - Jupiter Olympus مشتری - خدائے خدایگاں—مترجم

۱۵ - Polychrates

۱۶ - اس طرح کہ اس نے ھر جائداد پر ۲۰ فیصدی سالانہ ٹیکس عائد کر دیا تھا—مترجم

جمہوریت میں روا رکھی جاتی ہیں استبدادیت میں بھی کرتے رہنا چاہئے، مثلاً یہ کہ عورتوں کو گھروں میں خوب خوب آزادی دی جائے تاکہ وہ اپنے شوہروں کی خفیہ باتوں کا ذکر کرتی رہیں اور ایسے ہی غلاموں سے بھی ملاطفت سے پیش آئیں کیونکہ غلام اور عورتیں مستبدوں کے خلاف کبھی سازش نہیں کرتیں - حتیٰ کہ اگر ان سے مہربانی کا سلوک کیا جائے تو وہ ان کے پشت پناہ بن جاتے ہیں جیسے انتہائی جمہوریتوں کے - پھر اس قسم کی ریاست میں چونکہ لوگ بھی مطلق العنان ہو جاتے ہیں اس لئے دونوں صورتوں میں خوشامد پرستوں کی بڑی قدر ہوتی ہے - عوامی رہنماؤں کی جمہوریتوں میں، اسلئے کہ جمہور کا کوئی خوشامدی ہے تو وہی (۱۷) - استبدادیتوں کے وہ جو ہر بات کی غلامانہ تائید کریں اس لئے کہ خوشامدیوں کا یہی تو کام ہے - لہذا مستبدوں کو ہمیشہ رذیل ترین انسان پسند آتے ہیں - انہیں خوشامد بہت بھلی معلوم ہوتی ہے اور خوشامد وہ چیز ہے جو آزاد منش انسان تو کریں گے نہیں - وہ قدر کرتے ہیں تو صرف اچھے انسانوں کی، خوشامد کسی کی نہیں کرتے - یوں بھی برے کاموں کے اہل برے ہی انسان ہوتے ہیں جیسے ضرب المثل بھی ہے ہم جنس ہم جنس کے ساتھ - لہذا مستبدین کو چاہئے کسی قابل یا آزاد انسان پر عنایت نہ کریں - انہیں خیال رہنا چاہئے کہ ایسا کہلانے کا حق ہے تو صرف انہیں کو - بات یہ ہے کہ جو کوئی اپنی عزت کرتا ہے اور اسے آزادی بھی عزیز ہے وہ گویا مستبدوں کے استبداد اور برتری کو ٹھوکر لگاتا ہے - لہذا انہیں اس قسم کے انسانوں سے قدرتاً نفرت ہوتی ہے اور وہ انہیں اپنی حکومت کا

---

۱۷ - عوامی رہنما -

دشمن سمجھتے ھیں۔ مستبدین کو چاھئے اپنے دستر خوان پر
اجنبیوں ھی کو جگہ دیں اور بہ نسبت شہریوں کے ان سے زیادہ
بے تکلفی برتیں۔ اس لئے کہ شہری تو ان کے دشمن ہوں گے، لیکن
دوسروں کو کیا پڑی ھے مستبدوں کے خلاف کوئی کارروائی کریں۔
لہٰذا وہ اور اس قسم کے دوسرے لوگ استبدادیت کے طرفدار ہوجائیں گے
اسلئے کہ استبداد کا مطلب ھی یہ ھے کہ ھر اس چیز کو جس میں شر ھے
سمیٹ لیا جائے۔ اب تین صورتیں ھیں جن میں یہ سب چیزیں سمیٹی جاسکتی
ھیں کیونکہ تین ھی باتیں ھیں جو استبدادیت کے پیش نظر ھوتی ھیں۔
ایک یہ کہ شہری نہایت درجہ عسرت اور مفلسی کی زندگی بسر کریں۔
اس حالت میں وہ کسی کے خلاف سازش نہیں کریں گے۔
دوسری یہ کہ ان میں باھم کوئی اعتماد نہ ھو۔ جب تک
ان میں بے اعتمادی پائی جاتی ھے مستبد اپنی جگہ پر محفوظ اور
تباھی سے بچے رہیں گے۔ یہی وجہ ھے کہ انہیں قابل انسان ایک آنکھ نہیں
بھاتے۔ انہیں ڈر رھتا ھے وہ انکی حکومت میں روڑا اٹکائیں گے
اس لئے نہیں کہ وہ مطلق العنانی سے متنفر ھوتے ھیں بلکہ
اس لئے کہ انہیں باھم وفاداری کا بھروسا ھوتا ھے اور دوسرے
بھی ان پر بھروسہ کر سکتے ھیں۔ وہ نہ تو اپنے ساتھیوں کی
غمازی کرتے ھیں، نہ کسی دوسرے کی۔ تیسری یہ کہ لوگ
بالکل بے دست و پا ھو جائیں۔ اس لئے کہ کوئی شخص کسی ایسی
بات کے پیچھے نہیں پڑتا جو محال ھو۔ یہی وجہ ھے کہ استبداد
کا خاتمہ کیا جا سکتا ھے تو طاقت ھی سے۔ لہٰذا یہ تین باتیں
ھیں جن کے حصول کی ھر مستبد کو آرزو رھتی ھے، کیونکہ
یہی تین باتیں ھیں جن میں کوئی نہ کوئی اھل استبداد کے
پیش نظر ھوتی ھے۔ یہ کہ لوگ ایک دوسرے پر اعتماد

نہ کریں ۔ نہ ان میں کوئی طاقت ہو ، نہ ہمت ۔ یہ تو ہوا
استبدادیتوں کو برقرار رکھنے کے دو طریقوں میں سے ایک ۔
دوسرا وہ ہے جس کا رخ اس طریق کے رخ سے جسے ہم بیان کر آئے
ہیں مختلف سمت میں رہے گا (۱۸) اور جو اگر اس بات پر نظر
رکھ لی جائے کہ بادشاہوں کی تباہی کے اسباب کیا ہیں تو
بخوبی سمجھ میں آ جائیگا ، کیونکہ ان کی تباہی کا سبب ہوتا ہے
حکومت کا آہستہ آہستہ استبدادیت کی شکل اختیار کر لینا ۔ لہٰذا
استبدادیت کا مفاد اسی میں ہے کہ حکومت بڑی حد تک بادشاہت
کی شکل اختیار کر لے ۔ بجز ایک چیز یعنی طاقت کے
جس سے کام لیتے ہوئے وہ انہیں بھی جو رضامند ہیں اور
انہیں بھی جو رضامند نہیں اپنی اطاعت پر مجبور کر سکتے
اس لئے کہ طاقت ہاتھ سے نکل گئی تو استبداد کا بھی خاتمہ ہو
جائے گا ۔ لہٰذا استبداد کے لئے بنیادی چیز طاقت ہے اور اس کا برقرار
رکھنا ضروری ۔ دوسری چیزوں میں البتہ احتیاط کے ساتھ ساتھ بادشاہوں
کے سے طور و طریق برتنا چاہئے اور جس میں سب سے پہلے
یہ ظاہر کرنا ہوگا کہ جو کچھ لوگوں کا ہے ہمیں اس کا بڑا خیال
ہے (۱۹) ۔ البتہ تحفے تحائف دئے جائیں تو ذرا ہاتھ روک

---

۱۸ - نیومین نے اس کی تصریح یوں کی ہے کہ ایک صورت تو یہ ہے کہ مستبد حکمرانوں کی رعایا چونکہ ان کے خلاف ہوگی لہٰذا اس میں اتنی سکت نہیں رہنی چاہئے کہ ان کے خلاف سازش کرسکیں - دوسری یہ کہ رعایا کے دل سے سازش کا خیال ہی نکال دیا جائے —مترجم

۱۹ - یہ وہی رائے ہے جو میکاولی نے حقائق کے پیش نظر بادشاہوں کو دی تھی - لیکن ارسطو اس کے باوجود یہ چاہتا ہے کہ مستبدین سچ مچ بادشاہوں اور انسانوں کے سے کام کریں —مترجم

کر تاکہ ایسا نہ ہو لوگوں میں ناراضگی پھیل جائے کیونکہ یہ ان کا روپیہ تھا جو انہوں نے گاڑھے پسینے کی کمائی سے پیدا کیا تھا اور خرچ ہوا تو داشتہ عورتوں ، اجنبیوں اور عیش و عشرت میں ۔ پھر جیسا کے بعض مستبدین کا قاعدہ ہے آمدنی اور خرچ کا بھی ٹھیک ٹھیک حساب رکھنا چاہئے تاکہ لوگ سمجھیں ان کی حیثیت مستبدین کی نہیں بلکہ وہی جو گھر میں باپ کی ہوتی ہے ۔ یوں بھی ریاست کا اقتدار اعلیٰ چونکہ انہیں کے ہاتھ میں ہوگا اس لئے کوئی وجہ نہیں وہ روپے کی کمی سے ہراساں رہیں ۔ ایسے ہی جب کبھی کوئی مستبد باہر جائے تو بہتر ہے اپنے پیچھے کچھ نہ چھوڑے یعنی انس مال و دولت کو جو اس نے جمع کر رکھا ہے ، کیونکہ اس صورت میں اس کے نائب کسی تبدیلی کے خواهشمند نہیں ہونگے۔ برعکس اس کے جو مستبد باھرھیں انہیں شہریوں کی بجائے کہیں زیادہ ڈر ان کا ہوگا اس لئے کہ مستبد جن لوگوں سے بدگمان ہوتے ہیں انہیں تو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں لیکن نائب تو انہیں بہر حال پیچھے چھوڑنا پڑیں گے ۔ مستبدین کو یہ بھی ظاہر کرتے رہنا چاہئے کہ وہ صرف ایسی ہی خدمات اور ایسے ہی ضرائب(۲۰) حاصل کر رہے ہیں جن کی ریاست کو فی‌الواقعہ ضرورت ہے تاکہ بوقت جنگ ان کے کام آ سکیں ۔ انہیں یہ بھی خاص طور پر دکھاتے رہنا چاہئے کہ ہم جو کچھ جمع کر رہے ہیں اسے اپنی جائداد نہیں سمجھتے بلکہ وہ لوگوں ہی کا مال ہے ۔ ان کے طور طریقوں میں بھی سختی نہیں ہونی

---

۲۰ - بارکر میں خدمات کی بجائے رقمیں جو زیادہ صحیح ہے — مترجم

چاهئے بلکه نرمی ایکن وقار کے ساتھ تاکه جو لوگ اس کے پاس آئیں ، انہیں عزت کی نظر سے دیکھیں ، ڈریں نہیں ۔ مگر یه وہ بات ہے کہ اگر لوگ ان سے متنفر ہیں تو آسانی سے پوری نہیں ہو گی ۔ پھر اگر وہ اس امر کے لئے تیار نہیں کہ اپنے اندر زیادہ قابلیت پیدا کریں تو ان میں سیاسی قابلیت تو بہر حال ہونی چاهئے (۲۱) تاکه رعایا کے نزدیک ان کی یہ حیثیت مسلم رہے ۔ انہیں اس بات کا بھی خیال رکھنا چاهئے کہ کسی کے ناموس پر حملہ نہ کریں ، نہ اپنی رعایا میں سے کسی کی آبرو لیں (۲۲) ۔ ان کے گھر کی عورتیں بھی دوسروں سے نخوت کا سلوک نہ کریں کیونکہ عورتوں کی نخوت بہت سے مستبدوں کی تباہی کا باعث ہو چکی ہے ۔ جہاں تک لذات جسمانی کا تعلق ہے انہیں چاهئے اس طرز عمل سے مجتنب رہیں جو بحاقت موجودہ بعض مستبدوں نے اختیار کو رکھا ہے ۔ وہ صرف اتنا ہی نہیں کرتے کہ اس میں منہمک رہیں ۔ ان کا یہ بھی جی چاہتا ہے لوگ ان کو اس حالت میں دیکھیں اور ان کی مسرت بھری زندگی پر تعجب کریں ' حالانکہ ان باتوں میں اعتدال سے کام لینا چاهئے جو اگر ممکن نہیں تو پھر اس طرح کہ لوگ ان کو نہ دیکھ سکیں ۔ اس لئے کہ یہ صرف سنجیدہ طبیعت لوگ نہیں ہیں جو سازش یا نفرت کا شکار ہو جاتے ہیں ' بلکہ شرابی اور بد مست بھی ۔ وہ نہیں جو بہت صبح اٹھنے کے عادی ہیں، بلکه

---

۲۱ - بارکر کا خیال ہے سیاسی (پولیٹیکس) نہیں بلکہ جنگی (پولیمیکی) —مترجم

۲۲ - یعنی فسق و فجور کے باعث جنسی جرائم کا ارتکاب نہیں کرتے— مترجم

سست اور کاهل هی ۔ ان کا رویه بهی عام طور پر وہ نہیں هونا چاهئے جو گذشته مستبدین کے متعلق سننے میں آتا ھے ۔ انهیں چاهئے شہر کی اصلاح کرتے رهیں اور اسے زیب و زینت دیں تاکه لوگ سمجھیں وہ اس کے محافظ هیں ' مستبد نہیں هیں ۔ انهیں دیوتاوں کی پوجا پاٹ کا بهی بڑا خیال ظاهر کرتے رهنا چاهئے (۲۳) کیونکه اس قسم کے کردار سے کسی غیر قانونی طرز عمل کا بہت کم اندیشه ره جاتا ھے ۔ لوگ سمجھتے هیں ان کا حاکم مذهب کا پابند اور دیوتاوں کا احترام کرتا ھے لہذا وہ بہت کم اس کے خلاف کوئی بات منسوب کریں گے ۔ وہ سمجھیں گے دیوتا خود بهی اس کے محافظ هیں ۔ مگر یه سب کچھ اس طرح کرنا چاهئے جس سے کسی کو شبه نه هو که منافقت سے کیا جا رها ھے (۲۴) ۔ انهیں اس بات کا بهی بڑا خیال رکھنا چاهئے که جو لوگ کسی پہلو سے کوئی خاص وصف رکھتے هیں ان کی عزت کرے تاکه وہ یه نه

---

۲۳ - مطلب یه ھے اسے اپنے آپ کو مذهب کا محافظ ظاهر کرنا چاهئے تاکه لوگ یه نه سمجھیں اس کی موجودگی سے ان کا طرز زندگی خطرے میں ھے—مترجم

۲۴ - یہاں پهر یه خیال پیدا هوتا ھے که ارسطو مذهب سے کیا وهی کام لینا چاهتا ھے جو میکاولی ؟ البته هم اتنا کہہ سکتے هیں که ارسطو کے ذهن میں یہاں وہ مذهبی رسوم هیں جن کا تعلق دیوتاؤں کی پوجا پاٹ سے تها مثلاً قربانیاں یا تفاول ، وغیره وغیره ۔ رها یه امر که ارسطو کے اپنے خیالات مذهب کے بارے میں کیا تهے ان کے لئے اس کی مابعد الطبیات سے رجوع کرنا چاهئے ۔ ان خیالات کا مروجه مذهبی رسم و رواج سے کوئی تعلق نہیں تها نه دیوتاؤں کی پرستش سے جیسا که عام طور پر کی جاتی تهیں— مترجم

سمجھیں کہ اگر ان کا تعلق کسی آزاد ریاست سے ہو تا تو وہاں
شہری انہیں زیادہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ۔ ایسے ہی
اعزازات کا سرچشمہ تو خود بننا چاھئے لیکن سزا دلوانا چاھئے تو
ہمیشہ اپنے ماتحت حکام یا ارکان عدالت سے ۔ پھر ایک اور چیز ہے
جو عام طور پر بادشاھت کو برقرار رکھتی ہے اور وہ یہ کہ
کسی شخص کا مرتبہ حد سے زیادہ نہ بڑھنے دیا جائے۔ کم سے کم
بہتوں کا تو ہرگز نہ بڑھے ، ورنہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن
جائیں گے ۔ لیکن اگر مجبوری ہے اور ایک ہی شخص کو بہت سے
اختیارات دینا پڑیں تو پھر خوب دیکھ بھال کرکے کہ اس کی طبیعت
میں جوش اور ولولہ تو نہیں کیونکہ اس طرح کے انسان جب بھی انہیں
موقعہ ملیگا انقلاب پر آمادہ ہو جائیں گے ۔ ایسے ہی اگر
کسی کو طاقت سے بیدخل کرنا ضروری ہے تو بتدریج کیا جائے
فوراً نہیں ۔ مستبدین کو یہ بھی چاھئے ہر قسم کی درستی اور بد سلوکی
سے بچیں بالخصوص جسمانی سزا سے جو ایسے لوگوں کو تو ہرگز
نہیں دینی چاھئے جنہیں اپنی عزت کا بڑا احساس ہوتا ہے ۔ کیونکہ
جس طرح اہل ثروت ہر ایسی بات پر برافروختہ ہو جاتے ہیں جس
سے ان کے مال و دولت کو نقصان پہنچے خواہ یہ بات کیسی بھی
معمولی ہو ایسے ہی جو لوگ باعزت اور با اصول ہیں اپنی رسوائی
برداشت نہیں کر سکتے ۔ لہٰذا یا تو کسی کو سزا ہی نہ دی
جائے یا دی جائے تو اس طرح جیسے باپ بیٹے کی تادیب کرتا
ہے ، یعنی نفرت و حقارت کے بغیر ۔ پھر جہاں تک ہو سکے ذلت
اور رسوائی کی تلافی بڑے بڑے اعزازات سے کرتے رہنا چاھئے ۔ البتہ
انہیں خطرہ ہوگا تو سب سے زیادہ ان لوگوں سے جو اپنی بات کر
گذرتے ہیں خواہ اس میں انکی جان تک چلی جائے ۔ یہ لوگ ہیں جن

سے انہیں اپنے آپکو محفوظ رکھنا چاھئے اور ان سے بھی جو سمجھتے ھیں ان کی ذلت ھو رھی ھے، یا ان کی جو انہیں عزیز ھیں۔ اس لئے کہ جو لوگ غصے میں آ کر آمادہ انتقام ھو جاتے ھیں(۱۳) وہ اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کرتے جیسا کہ ھراقلیطوس(۵۲) نے کہا ھے ۔ اس شخص سے لڑنا خطرے سے خالی نہیں جو غصے میں ھے اس لئے کہ وہ جس چیز کا خواھشمند ھے اس کے لئے جان بھی دے دیگا ۔ اب کوئی بھی ریاست ھو اس میں دو قسم کے انسان ھوں گے ' امیر اور غریب ۔ لٰہذا جو کوئی ان پر حکومت کر رھا ھے اسے چاھئے دونوں کی یکساں طور پر حفاظت کرے اور دیکھے کہ ایک فریق دوسرے کو نقصان تو نہیں پہنچا رھا ۔ البتہ مستبدین کو چاھئے جو فریق زیادہ طاقتور ھے اسے اپنے ساتھ لگائے رکھیں اس لئے کہ اگر ایسا کیا گیا تو انہیں غلاموں کو آزاد کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی ، نہ شہریوں سے اسلحہ چھیننے کی ۔ اس لئے کہ جب ایک فریق کی طاقت اس کی اپنی طاقت سے مل گئی تو پھر کوئی بھی سازش ھو اس کا بال بیکا نہیں ھو گا ۔ یہاں یہ تو ضروری نہیں کہ ھر ایک بات کی تفصیل بیان کی جائے اس لئے کہ مستبدوں کو جو رویہ اختیار کرنا چاھئے بہر حال واضح ھے ۔ وہ اپنے آپ کو مستبد ظاھر نہ کریں بلکہ جن لوگوں پر حکومت کر رھے ھیں ان کے بادشاہ اور سرپرست ظاھر کریں ۔ یہ نہیں کہ وہ ان کو لوٹ رھے ھیں بلکہ یہ کہ ان کی حفاظت ھو رھی ھے ۔ انہیں چاھئے زندگی میں بھی اعتدال قائم رکھیں ۔ دوسروں پر اپنی برتری کا اظہار نہ کریں ۔ امرا سے ملتے جلتے رھیں اور یوں

۱۳ - Heraclitus کیا مشہور فلسفی کی طرف اشارا ھے ؟—مترجم

لوگوں میں مقبولیت حاصل کریں ۔ اس طرح ان کی حکومت میں ایک قسم کی عزت اور شان پیدا ہو جائےگی اور لوگ بھی ان کی تقلید کریں گے کیونکہ اس صورت میں یہ تو ہوگا نہیں کہ ان کے محکوم ذلیل اور پست ہو جائیں ' لہذا ہمیشہ ان سے متنفر اور ڈرتے رہیں۔ برعکس اس کے یوں ان کی حکومت زیادہ پائیدار ثابت ہوگی۔ وہ کیوں نہ اس طرح کی زندگی بسر کریں جس سے یہ ظاہر ہو کہ ان کے عادات و خصائل میں فضیلت کا رنگ پایا جاتا ہے، پورے طور پر نہیں تو بقدر نصف ہی سہی تاکہ لوگ انہیں سر تا سر برا نہ سمجھیں۔ بلکہ یہ کہ اگر برے بھی ہیں تو ایک حد تک ۔

# بارھواں باب[1]

دراصل اعیانیت اور استبدادیت حکومت کی وہ شکلیں ھیں جن کی عمر سب سے کم ھوتی ھے(۲) ۔ یہ دوسری بات ھے کہ سیکون (۳) میں اورتھاگوروس (۴) اور اس کے خاندان کا

---

۱ ۔ نیومین کی رائے میں اس باب کا وہ حصہ جس میں مختلف مستبدین کا ذکر آیا ھے اور جس سے یہ ظاھر کرنا مقصود ھے کہ استبداد کا دور دورہ دیر تک قائم نہیں رھتا ارسطو کی اپنی تحریر نہیں ' بلکہ ان الحاقات پر مشتمل جو آگے چل کر مرتبین نے کئیے ۔ بہر حال اس بحث کا حاصل یہ ھے کہ استبدادی حکومتیں دیر پا نہیں ھوتیں ۔ یہ دوسری بات ھے کہ اس کے خلاف چار مثالیں موجود ھیں ( جن کا شروع ھی میں ذکر کردیا گیا ھے اور جن کا زمانہ ۴۵۰ ق م پر منتہی ھو جاتا ھے) ۔ لیکن عجیب بات یہ ھے کہ ارسطو نے خود اپنے زمانے کی مستبد حکومتوں کا ذکر نہیں کیا جو بڑی مستحکم تھیں اور قائم بھی دیر تک رھیں ۔ محققین کا یہ بھی خیال ھے کہ ان چاروں مثالوں میں جو اس نے پیش کی ھیں واقعات اور سنین کی کچھ غلطیاں بھی موجود ھیں — مترجم

۲ ۔ یہاں پھر ارسطو نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ھے کہ دساتیر میں تو عہدوں کے نظم و ضبط کا پورا خیال رکھا جاتا ھے کیونکہ یہی چیز دستور کی جان ھوتی ھے البتہ بادشاھتوں یا فرد واحد کی حکومتوں میں اس قسم کا کوئی التزام نہیں ھوتا—مترجم

۳ ۔ Sicyon پیلعپ پونے سس کے شمال اور کارنتھ سے مغرب کی جانب ایک چھوٹا سا خطہ ۔ شہر کا نام بھی سیکون ھے—مترجم

۴ ۔ Orthagoras

استبداد دیر تک جاری رہا - لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی طاقت کے استعمال میں بڑے اعتدال سے کام لیا اور علاوہ اس کے کئی ایک باتوں میں قوانین کی برتری قائم رکھی - کلس تھے نیز (۵) بھی بڑا قابل سپہ سالار تھا لہٰذا لوگوں نے اس سے کبھی نفرت نہیں کی - یوں بھی اس نے ہر طرح سے خیال رکھا کہ اس کی حکومت کو ہر دلعزیزی حاصل ہو جائے - چنانچہ کہا جاتا ہے اس نے ایک شخص کو جس نے کبھی اس کے خلاف فیصلہ دیا تھا (۶) تاج تک پیش کردیا ، بلکہ بعض لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ نخاس میں جو مجسمہ کھڑا ہے اسی کا ہے -

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ پسس ٹراٹس نے تو یہ بھی گوارا کر لیا تھا کہ آریو پا گیٹ کی عدالت میں حاضر ہو جائے - لیکن پھر ایک اور استبدادیت ہے جس کا ہم اس سلسلے میں ذکر کرینگے ، یعنی کپسالی خاندان کا استبداد جو ۷۷ برس ۶ مہینے تک قائم رہا (۷) - اس لئے کہ کپسالس نے بیس، پیری آنڈر نے چالیس اور گور گیاس کے بیٹے پساماٹی کس (۸) نے تین برس تک مستبدانہ حکومت کی - مگر وہ بڑا قابل سپہ سالار

---

۵ - Chlisthenes زمانہ قرن ششم ق - م کہتے ہیں اجلا کی ابتدا اس نے کی تھی ــ مترجم

۶ - کھیلوں کے مقابلے میں - نخاس یا چوک سے مراد ہے سیکون کا نخاس ــ مترجم

۷ - کارنتھ میں ــ مترجم

۸ - Psammetichus ابن Gorgias لیکن بارکر میں اس کا نام Gordias بتایا گیا ہے ــ مترجم

تھا ۔ تیسری استبدادیت وہ ہے جو پسس‌ٹراڈی خاندان نے اثینیہ میں قائم کی ، گو اس کا سلسلہ لگاتار جاری نہیں رہا اس لئیے کہ پسس‌ٹراٹس کو دو مرتبہ شہر بدر کیا گیا لہٰذا تیس برس کی مدت میں وہ صرف پندرہ اور اس کا بیٹا اٹھارہ برس تک بر سر اقتدار رہے ۔ یوں یہ ساری مدت تنتیس برس کی ہو جاتی ہے ۔ ان کے علاوہ ہمیں سراقوسہ کے ہیرو اور گیلو کا ذکر بھی کرنا ہے جن کی استبدادیت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکی کیونکہ ان دونوں کی مدت حکومت صرف اٹھارہ برس تھی ۔ گیلو تو اپنے استبداد کے آٹھویں برس ہی مرگیا ۔ البتہ ہئیرو دسویں ۔ پھر تھراسی‌بولس ہے جو گیارھویں مہینے ہی میں اپنی طاقت کھو بیٹھا (۹) اور ایسی ہی کتنی استبدادیتیں تھیں جو بہت تھوڑی دیر تک زندہ رہیں ۔ رہے وہ اسباب جو آزاد ریاستوں اور بادشاھتوں میں بالعموم فساد کا باعث ہوتے یا ان کے استحکام کا ذریعہ بنتے ہیں سو ان سے ہم اس سے پہلے بحث کر آئے ہیں۔ البتہ افلاطون کی جمہوریہ میں سقراط نے ان تغیرات سے یہی بحث کی ہے جو مختلف حکومتوں میں اکثر رونما ہو جاتے ہیں گو اس سلسلے میں اس نے جو کچھ کہا ہے غلطیوں سے خالی نہیں (۱۰) ۔ وہ اس امر کی طرف مطلق اشارہ نہیں کرتا کہ سب سے بہتر اور چوٹی کی حکومت میں کیا تغیرات پیدا ہو سکتے ہیں

---

۹ ۔ سراقوسہ میں—مترجم

۱۰ ۔ یہاں یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ افلاطون نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے تاریخ ، یا واقعات اور حوادث کے اعتبار سے نہین لکھا بلکہ اس لحاظ سے کہ تغیرات کا ظہور ایک فطری اور طبعی امر ہے—مترجم

وہ صرف اس عام سبب کا ذکر کرتا ھے کہ امتداد زمانہ سے ہر چیز بدل جاتی ھے . . . . . . . . . .
(۱۱) وہ سمجھتا ھے اس کے بعد فطرت برے آدمی ھی بیدا کرتی ھے جن پر تعلیم کا بھی کوئی اثر نہیں ھوتا ۔ سقراط کا یہ خیال غلط نہیں بعض لوگ فی الوقعہ اس قسم کے بھی ھوتے ھیں(۱۲) جو باوصف تعلیم

---

۱۱ ۔ یہاں متن زیر ترجمہ اور سیاسیات کے دوسرے نسخوں مثلاً بارکر ھی کے نسخے میں بڑا فرق ھے ۔ متن زیر ترجمہ میں تو یہ ظاھر کیا گیا ھے کہ ارسطو کی عبارت بڑی مسخ شدہ ھے ۔ لہٰذا بعد کی چند سطریں جو پڑھنے میں نہیں آتیں حذف کر دی گئی ھیں ۔ لیکن متن زیر ترجمہ کی اس عبارت کے بعد کہ امتداد زمانہ سے ھر چیز بدل جاتی ھے بارکر ان الفاظ کا اضافہ کرتا ھے کہ ھر چیز ایک وقت معین پر بدل جاتی ھے اور اس کا سبب ھیں اعداد ۔ مثلاً یونہی کہ اگر انسان کی زندگی اصول ریاضی کے مطابق منضبط نہیں (کائنات ھے) تو عین ممکن ھے سلسلہ توالد و تناسل سے اس قسم کے بچے پیدا ھوں جو تعلیم سے بھی اچھے نہ بن سکیں—مترجم

۱۲ ۔ یہاں افلاطون کا یہ خیال مد نظر رھنا چاھئے کہ ریاست میں ازدواج ، علیٰ ھذا توالد و تناسل کا سلسلہ بھی اس اصول کے مطابق منضبط ھونا چاھئے جو (کائنات کے) جہان اکبر اور جہان اصغر میں مشترک طور پر کام کر رھا ھے تا کہ بوقت ولادت ھر کسی کا شگون نیک ھو ۔ افلاطون نے نے ریاضیاتی تصوف پر بڑا زور دیا ھے ۔ کیا فیثا غورث کے اتباع میں ؟—مترجم
افلاطون کا یہ خیال کن ۔ فیوشسی طرز زندگی سے کس قدر

باقی صفحہ ۵۴۱ پر

اچھے انسان نہیں بن سکتے ۔ مگر سوال یہ ہے کہ اس قسم کی تبدیلی اس حکومت میں بھی کیوں رونما ہوتی ہے جسے وہ بہترین کہتا ہے بجائے دوسری حکومتوں کے ، بلکہ ہر اس شے میں جو موجود ہے ؟ یوں بھی اس نے ہر شے کی تبدیلی کے لئے جو وقت معین کیا ہے اس کے ماتحت سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو چیزیں ایک ساتھ شروع نہیں ہوتیں ایک ساتھ ختم کیوں ہو جاتی ہیں(۱۳) ؟ کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ جو چیز ایک انقلاب پر (۱۴) ظہور میں آتی ہے اس کا اسی وقت تبدیل ہو جانا

---

بقیہ حاشیہ ۵۴۰

مشابہ ہے ۔ چین میں بھی شہنشاہ کا فرض تھا کہ ''آسمانی راستے'' اور انسانی راستے میں ایک واسطے کا کام دے یعنی بقول افلاطون جہان اکبر اور جہان اصغر میں ۔ لہٰذا شہنشاہ کی طرف سے ہر سال ایک تقویم شائع کردی جاتی جس میں شادی بیاہ سفر ، مقدمات ، پیشوں اور کاشت کاری وغیرہ کے وہ اوقات معین ہوتے جن کو از روئے حساب فلکی سعد تصور کیا جاتا تھا ۔ ان اوقات کی پابندی ضروری تھی ورنہ خیال تھا اگر ایسا نہ کیا گیا تو سلطنت کو ضعف پہنچیگا اور لوگ بغاوت اور سرکشی پر اتر آئیں گے—مترجم

۱۳ - یعنی اگر ان کی ابتدا ہم زمانہ نہیں ہے تو انتہا کیوں ہم زمانہ ہے ؟—مترجم

۱۴ - صیفی یا شتوی باصطلاح جغرافیہ جب اعتدالین کے برعکس خط سرطان یا خط جدی آفتاب کے بالمقابل ہوتا ہے—مترجم
لیکن بارکر میں یہ عبارت ہی موجود نہیں جیسے متن زیر ترجمہ میں بارکر کی عبارات—مترجم

ضروری ہے(۱۵) ؟ مزید یہ کہ اس طرح کی حکومت اسپارٹوی شکل کیوں اختیار کر لیتی ہے ؟ کیا اس لئے کہ جب کوئی حکومت بدلتی ہے تو عام طور پر اسی نوع میں جو اسکی ضد ہو ، اس میں نہیں جو اس سے پہلے قائم تھی ؟ علاوہ اس کے اور بھی جتنی تبدیلیاں ہیں کیا اسی قاعدے کے مطابق ہوتی ہیں ؟ وہ خود کہتا ہے اسپارٹوی شکل اعیانی شکل میں بدلتی ہے ، پھر جمہوریت اور پھر استبدادیت میں ۔ لیکن بعض موقعوں پر جو تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اسکے الٹ ہوتی ہیں، یعنی بجائے بادشاہت کے جمہوریت اعیانیت میں بدل جاتی ہے ۔ رہی استبدادیت سو اس بارے میں تو سقراط نے بتایا ہی نہیں کہ اس کے اندر بھی کوئی تبدیلی رونما ہوتی ہے یا نہیں ۔ اگر نہیں تو کیوں ؟ ہوتی ہے تو استبدادیت کیا شکل اختیار کریگی ، لیکن جس کا سبب دراصل یہ ہے کہ استبدادیت وہ حکومت ہے جسے قطعی طور پر معین ہی نہیں کیا جاسکتا ۔ للہذا سقراط کا خیال ہے کہ جو بھی ریاست ہو اسے پہلی اور کامل مکمل ترین شکل میں بدل جانا چاہئے تاکہ دائرے کا تسلسل قائم رہے(۱۶) ، حالانکہ ایک استبدادیت دوسری

---

۱۵ ۔ افلاطون کی دلیل یہ نہیں کہ تغیر کا سرچشمہ زمانہ ہے ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امتداد زمانہ کے ساتھ ہر شے کی تبدیلی نا گزیر ہے جس سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ ہم اس ریاضیاتی اصول پر کاربند رہیں جو انسان اور کائنات میں یکساں طور پر کارفرما ہے ۔ لیکن ارسطو نے غلطی سے افلاطون کے جملے کو یہ شکل دے دی کہ ہر شے کا خاتمہ ضروری ہے، بلا شرط و بلا استثنا ۔ مترجم

۱۶ ۔ گویا یہ ایک قدرتی عمل ہے جس میں اسباب کا کوئی دخل نہیں ۔ مترجم

استبدادیت میں بدل جاتی ہے جیسے شام میں (۱۷) میرون کی بجائے کلس تھےنیز کی استبدادیت قائم ہوئی - وہ اعیانیت کی شکل بھی اختیار کر سکتی ہے جیسے کال کس(۱۸) میں انٹیلیو(۱۹) کی- ایسے ہی جمہوریت کی جیسے سراقوسہ میں گیلو کی استبدادیت نے اختیار کی - امارت میں بھی جیسے اسپارٹا میں کاری لاوس (۲۰) کے استبداد نے یا جیسے قرطاجنہ میں - بعینہ اعیانیت بھی استبدادیت میں بدل جاتی ہے (۲۱) - چنانچہ صقلیہ میں ماضی کی بعض استبدادیتوں کی ابتدا اسی طرح ہوئی- لیون ٹینی(۲۲) میں اس کی جگہ پنئے ٹیئس (۲۳) کے استبداد نے لی - یہی گیلا(۲۴) میں کلیانڈر(۲۵) اور ری گیم(۲۶) میں اناکسی لاؤس (۲۷) کے- اس سلسلے

---

۱۷ - ''جیسے شام میں'' بارکر میں یہ الفاظ موجود نہیں- یوں بھی ارسطو نے جس استبدادیت کا ذکر کیا ہے اس کا تعلق سیکون سے ہے - بارکر میں ہے کہ مائرو (Myro) کے استبداد کی جگہ کلس تھےنیر کے استبداد نے لے لی - متن زیر ترجمہ میں Meron — مترجم

۱۸ - Chalces یا Calcis

۱۹ - Anteleo یا Antileon

۲۰ - Charilaus لائی کرگس کا برادر زادہ — مترجم

۲۱ - ارسطو نے اس بحث کو کہ استبداد کا دور دورہ ہوگا اسی بحث سے بدل دیا ہے کہ استبداد کا دور دورہ کس چیز کے بعد ہوتا ہے — مترجم

۲۲ - Leontini

۲۳ - Panaetius

۲۴ - Gela صقیلہ میں — مترجم

۲۵ - Cleander

۲۶ - Rhegium جنوبی اطالیہ کی مشہور یونانی نو آبادی — مترجم

۲۷ - Anaxilaus

میں بعض اور ریاستوں کی مثال بھی پیش کی جا سکتی ہے لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ جس ریاست کا اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو دولت کے بھوکے ہیں وہاں ہمیشہ اعیانیت ہی قائم ہو گی۔ اس لئے کہ کہ جو لوگ اپنے ساتھی شہریوں کی نسبت کہیں زیادہ دولتمند ہیں ان کے نزدیک یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی کہ جن کے پاس کچھ بھی نہیں وہ ریاست کے نظم و نسق میں ان کے شریک ہوں جن کے پاس بہت کچھ ہے، کیونکہ ایسی کئی اعیانیتیں ہیں جن میں روپیہ کمانے کی اجازت نہیں، بلکہ اس کی روک تھام کے لئے کئی ایک قانون بھی نافذ ہیں۔ قرطاجنہ میں البتہ جہاں جمہوریت قائم ہے روپیہ پیدا کرنا اچھا سمجھا جاتا ہے گو اس کے باوجود وہاں حکومت میں کوئی تغیر نہیں ہوا۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ جہاں کہیں اعیانیت قائم ہے وہاں دراصل دو ریاستیں قائم ہوتی ہیں۔ ایک غریبوں کی دوسری امیروں کی۔ (۸۲) حالانکہ اگر یہ صورت حالات کہیں رونما ہوتی تو اسپارٹا یا کسی ایسی ریاست میں جہاں املاک کی تقسیم غیر مساوی ہے، یا جہاں سب کے سب یکساں طور پر اچھے نہیں۔ اس لئے کہ ریاست کے کسی شخص کو اگرچہ اس سے زیادہ غریب نہیں ہونا چاہئے جتنا وہ کبھی تھا بایں ہمہ ممکن ہے کوئی جمہوریت اعیانیت میں بدل جائے۔ مثلاً اس صورت میں جب امیر غریبوں سے زیادہ طاقتور، یا بہت

---

۲۸ - ارسطو یہاں افلاطون کے اس دعویٰ کی تنقید کر رہا ہے کہ اعیانیتیں جمہوریتوں میں کیوں بدل جاتی ہیں اس لئے کہ اعیانیتوں میں مفلس مفلس تر ہوتے جاتے ہین لہٰذا تنگ آ کر حکومت پر قبضہ کر لیتے ہیں ——مترجم

زیادہ ہوشیار ہوں مگر وہ بہت زیادہ غافل ۔ دراصل ان تبدیلیوں کے متعدد اسباب ہوتے ہیں ، لیکن سقراط صرف ایک کا ذکر کرتا ہے اور وہ یہ کہ جب لوگ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگتے اور سود دینا شروع کر دیتے ہیں (۲۹) تو مفلسی کا شکار ہو جاتے ہیں جیسے اس سے پہلے سب نہیں تو ان کا بہت بڑا حصہ دولتمند تھا ۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ۔ صحیح بات یہ ہے کہ جب وہ لوگ جن کے ہاتھ میں امور ریاست کا نظم و نسق ہے اپنا مال و دولت کھو بیٹھتے ہیں تو ان کی کوشش ہوتی ہے کہ انقلاب برپا کر دیں ۔ لیکن یہی بات جب دوسرے کریں گے تو اس سے کوئی نتیجہ بر آمد نہیں ہوگا ۔ پھر جب اس قسم کی ریاستیں بدلیں گی تو جمہوریت ہی میں بدلینگی ۔ کوئی اور شکل اختیار نہیں کریں گی ۔ علاوہ ازیں اگر بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنا مال و دولت ضائع نہیں کیا مگر اس کے باوجود انہیں اعزازات ریاست میں کوئی حصہ نہیں ملا ، یا ان سے بد سلوکی اور ذلت کا برتاؤ کیا گیا ہے تو وہ بھی شور و شر اور بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے تاکہ انہیں بھی موقعہ ملے کہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کریں ۔ لیکن افلاطون تو یہ کہتا ہے کہ اس کی وجہ ہے حد سے بڑھی ہوئی آزادی (۳۰) ۔ پھر اگرچہ اعیانیتیں بھی متعدد ہیں اور جمہوریتیں بھی متعدد لیکن جب سقراط ان تبدیلیوں پر رائے زنی کرتا ہے جو ان میں رونما ہوتی

---

۲۹ ۔ بسبب مقروض ہونے کے — مترجم

۳۰ ۔ جو صحیح نہیں یاد رکھنا چاہئے کہ افلاطون کے معاملات میں خطاب ہمیشہ سقراط کرتا ہے خیالات افلاطون کے ہوتے ہیں یا دونوں کے — مترجم

جایا کرتی ہیں تو اس طرح جیسے ان کی ایک ہی نوع ہے (۳۱)۔

۳۱ - یہ باب ایک طرح سے جملہ معترضہ ہے، جس میں افلاطون کی تردید کے ساتھ ساتھ استبدادیتوں کے بارے میں بھی متعدد تفصیلات خلط ملط کردی گئی ہیں - نیومین کے نزدیک یہ ارسطو کا طریق نہیں ہے- پھر یہ باب دفعةً ختم کردیا گیا جیسے ارسطو اس کی تکمیل نہیں کر سکا—مترجم

فصل ششم

# پہلا باب

هم اس سے پہلے بوضاحت بیان کر آئے هیں که مجالس اعلیٰ کی نوعیت ریاستوں میں کیا هوتی هے (۱) اور ان میں باهم فرق هوتا هے تو کیا - نیز یه که حکام میں نظم و ضبط پیدا کیا جائے تو کس طرح (۲) ، علیٰ هذا محکمه عدالت میں (۳) - مزید یه که جیسی کوئی ریاست هے اس کے لئے کون سی بات مفید هوگی(۴) - جیسے یه که حکومتیں قائم رهتی یا تباه و برباد هوتی هیں تو کن اسباب کی بنا پر (۵) -

پھر یه جمهوریت هو ، یا اور کوئی ریاست اس کی ایک نہیں متعدد نوعیں هوا کرتی هیں اس لئے نامناسب نه هوگا اگر اس بحث میں کسی ایسے امر پر بھی جو اس سے پہلے نظر انداز هو گیا هے پھر سے غور و فکر کر لیا جائے (۶) تاکه جیسی بھی ریاست هو اس کے لئے جو رویه مخصوص اور مفید هے وهی تجویز کیا جائے(۷) - همیں چاهئے حکومت کی جن شکلوں کا اب تک ذ کر کیا

---

۴ - فصل چهارم ابواب ۴ تا ۶ میں—مترجم

۵ - فصل پنجم میں—مترجم

۶ - ریاستوں سے مطلب هے دساتیر ریاست اور یہی اس بحث کا موضوع بھی هے—مترجم

۷ - اس امر کے بعد که دساتیر حکومت جیسے بھی هیں یا جیسے بھی چلے آتے هیں ان کے استحکام اور عدم استحکام کے اسباب کیا هیں ارسطو کی توجه اب اس امر پر هے که جو بھی دستور

باقی صفحه ۵۳۸ پر

گیا ہے ان سب کے امتزاج (۸) پر بھی نظر ڈالیں ۹ کیونکہ جب ان کا امتزاج ہو جاتا ہے تو حکومت بھی بدل جاتی ہے ۔ مثلاً اعیانیت سے مدنیت ، یا آزاد ریاست سے جمہوریت میں ۔ در اصل حکومتوں کے امتزاجات سے (جن کی اب ہمیں تحقیق کرنی ہے اس لئے کہ اب تک ہم نے ایسا نہیں کیا) ہمارا مطلب یہ ہے کہ شوریٰ کی ترکیب اور حکام کا طریق انتخاب کیا اعیانیت کے مطابق کیا جائے ، عدالت میں امارت کی پیروی کریں یا یہ کہ شوریٰ میں اعیانیت اور حکام کے طریق انتخاب مین امارت یا کسی اور طریق کی ۔ لیکن ہم کوئی بھی راستہ اختیار کریں یہ نہیں ہوناچاہئے

---

بقیہ حاشیہ ۵۴۷

حکومت بنے اس طرح بنے کہ اسے استحکام اور پائیداری حاصل ہو ۔ فصل چہارم کے آخر میں اس نے بتایا تھا کہ مقننہ ، حاکمہ اور عادلہ کی مناسب ترکیب کیا ہو گی اس لئے کہ یہی وہ تین شاخیں ہیں جن میں حکومت کے اختیارات ۔ تقسیم ہو جاتے ہیں ۔ لیکن اس فصل میں پورا دستور حکومت اس کے پیش نظر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہر ایسا دستور اور اس کی وہ شکلیں جو دوسروں سے مختلف ہیں گو اس نے بحث صرف جمہوری اور اعیانی دستور حکومت یا انہیں کی مختلف شکلوں ہی سے کی ہے ، یعنی ان شکلوں سے جن کا بیان فصل چہارم میں کر آیا ہے ۔ یوں وہ سلسلہ بحث میں جو اس نے فصل چہارم کے آخر میں چھیڑا تھا اور جو فصل پنجم میں بھی جاری رہا منقطع ہو جاتا ہے اور اس کی بجائے ارسطو ایک نئی بحث چھیڑ دیتا ہے ۔ فصل ششم کی حیثیت گویا ایک نئی فصل کی ہے—مترجم

۸ - یعنی مقننہ ، حاکمہ اور عادلہ کے امتزاج سے—مترجم

۹ - فصل چہارم میں جو کچھ بیان ہو چکا ہے اس کے علاوہ—مترجم

کہ جو بات ہو حکومت کی شکل کے عین مطابق(۱۰) لہذا سب سے پہلے یہ دیکھ لینا چاہئیے کہ جمہوریت کی کون سی نوع ، کس شہر کے لئے موزوں رہیگی (۱۱) جیسے یہ کہ اعیانیت کی کونسی شکل کن لوگوں کے لئے، یا جیسے دوسری ریاستوں کا معاملہ ہے کہ ان میں کونسی بات کس کے لئے مفید ہے (۱۳) - یہاں یہ بیان کردینا

---

۱۰ - متن زیر ترجمہ سے اس امر کی پوری پوری تشریح نہیں ہوتی کہ ارسطو کی تجویز کے مطابق دستور حکومت کو تقویت پہنچانے کی صورت کیا ہے - بارکر کے نسخے میں البتہ یہ امر زیادہ صراحت کے ساتھ مذکور ہے اور اس کا ماحصل یہ کہ جو بھی دستور ہو اس میں یہ التزام رکھنا غلطی ہو گی کہ ریاست کے تینوں اجزا ' یعنی مقننہ حاکمہ اور عادلہ کی تشکیل ویسے ہی کی جائے جیسے منطقی اعتبار سے اس کا تقاضا ہے - حالانکہ ہونا یہ چاہئیے کہ شوریٰ اور حاکمہ کے لئے تو حکام کا انتخاب اعیانیت کے حسب منشا کیا جائے ' عادلہ میں امارت کا لحاظ رکھا جائے یا پھر عدالتیں اور مجلسیں تو اعیانی اصول پر قائم کی جائیں اور حاکمہ کے عہدیدار امارت کی بنا پر منتخب ہوں - پھر اس طرح کے بعض اور امتزاجات بھی ممکن ہیں - مختصراً یہ کہ دستور کے جملہ اجزا کا یک رنگ ہونا غلط ہے -

ارسطو نے اوپر جو تجویز پیش کی ہے وہ بڑی حد تک ۱۸ویں صدی کے اس انگریزی اصول کے مشابہ ہے جسے توازن اختیارات سے تعبیر کرنا چاہئیے - ارسطو کا مقصد بھی دراصل اختیارات حکومت میں توازن پیدا کرنا ہے بالفاظ دیگر دستور ہمیشہ مخلوط ہونا چاہئیے —مترجم

۱۱ - ملاحظہ ہو فصل چہارم —مترجم

۱۲ - یعنی جیسی کہیں آبادی ہے اس کے پیش نظر— مترجم

۱۳ - فصل چہارم —مترجم

بھی کافی نہیں ہوگا کہ کس قسم کی ریاست کے لئے کیسی حکومت بہتر رہے گی بلکہ یہ کہ اس قسم کی حکومت قائم کی جائے گی تو کیسے - رہیں دوسری باتیں سو ان کا ذکر ہم صرف اجمالی طور پر کریں گے - اول جمہوریت کو لیجئے جس کے نام ہی سے اس کی ضد جسے بعض لوگ اعیانیت سے تعبیر کرتے ہیں ہمارے سامنے آجاتی ہے - جمہوریت کی بحث میں ہمیں اسے کے ہر جز پر نظر رکھنا چاہئے، علیٰ ھذا ہر اس بات پر جسکا اس سے تعلق ہے، کیونکہ یہ ان کو باہم ملانے کا طریق ہے جس کی بنا پر جمہوریت کی مختلف شکلیں وجود میں آتی ہیں - یہی وجہ ہے کہ جمہوریت کی ایک ہی نہیں متعدد قسمیں ہیں بلکہ باعتبار نوعیت بھی الگ الگ - پھر اگر اس کی کئی ایک نوعیں ہیں تو دو باتوں کی وجہ سے- ایک کا ذکر تو ہم کر آئے ہیں(۱۳) اور وہ یہ کہ جیسے کہیں لوگ ہونگے ویسی ہی جمہوریت قائم ہو جائیگی- کسی علاقہ میں کسان زیادہ ہوتے ہیں کسی میں دستکار اور کہیں اجرت پر کام کرنے والے ملازم - اب ان میں پہلی کو دوسری سے ملا دیا جائے اور تیسری کو دونوں سے تو اسطرح جمہوریت کی جو نوع قائم ہوگی وہ اس اعتبار ہی سے مختلف نہیں ہوگی کہ ہم اسے اچھا کہیں یا برا، وہ سرے سے جمہوریت ہی نہیں ہوگی - دوسری بات جسکا ذکر ہم اب کرتے ہیں یہ ہے کہ وہ مختلف چیزیں جن کا تعلق جمہوریت سے ہے اور جو بظاہر اس قسم کی ریاستوں کا جزو لازم تصور کی جاتی ہیں انہیں باہم ملا دیا جائے تو ایسی جمہوریت بدل کر کچھ اور ہی ہو جائیگی(۱۴) - کسی میں یہ

۱۳ - معلوم ہوتا ہے ارسطو یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر کسی جمہوریت

باقی صفحہ ۵۵۱ پر

چیزیں کم ہونگی ، کسی میں زیادہ ، کسی میں سب کی سب ۔ لہٰذا جس کسی کا خیال ہے کسی ایسی ریاست کی بنا رکھے جسے وہ نگاہ استحسان سے دیکھتا یا ٹھیک سمجھتا ہے اسے چاہئیے ان سب باتوں سے آگاہ رہے (۱۵) ۔ یہی وجہ ہے کہ جن افراد نے ریاستوں کی تاسیس کی ہے ان کی ہمیشہ کوشش رہی کہ جسطرح بھی بن پڑے وہ سب باتیں جو ان کے ذہن میں ہیں اپنی تجویز میں ٹھونس دیں ، حالانکہ ایسا کرنا غلطی ہے (۱٦) چنانچہ ہم اسکا ذکر ریاستوں کے استحکام اور فساد

---

بقیہ حاشیہ ۵۵۰

میں کسان ، دستکار اور مزدور سب شامل ہیں اس کی نوعیت کچھ اور ہی ہوگی ۔ یہ نہیں کہ اس میں اور اس جمہوریت میں جو صرف کسانوں یا صرف دستکاروں یا صرف مزدوروں پر مشتمل ہے صرف درجے کا فرق ہو ۔ ارسطو کے نزدیک شاید اس قسم کی جمہوریت دیرپا نہیں ہوتی ۔ سطور بالا سے کچھ ایسا ہی مترشح ہوتا ہے—مترجم

۱۵ ۔ اصلاح کا اشارا دستور کی ترکیب کی بجائے اس کے استحکام کی طرف ہے—مترجم

۱٦ ۔ ملاحظہ ہو فصل پنجم باب نہم ۔ ارسطو کا کہنا یہ ہے کہ اگر ہم ان خصائص کو پیش نظر رکھیں جن کا تعلق جمہوریت سے ہے تو معلوم ہوگا کہ ان میں بعض خصائص ایسے بھی ہیں جو جمہوریت کے مساعد نہیں بلکہ ضرر رساں ۔ بانیان جمہوریت کی غلطی یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں جملہ خصائص باہم جمع کر دئے جائیں اور اس طرح اپنے مقصد کو آپ ہی نقصان پہنچاتے ہیں ۔ لیکن یہاں بارکر نے ایک اور جملے کا اضافہ کیا ہے ۔ وہ کہتا ہے آئیے اب یہ دیکھیں جمہوری دساتیر کے مسلمات ، اس کی اخلاقی روح اور مقاصد

باقی صفحہ ۵۵۲ پر

کی بحث میں کر آئے ہیں اور اس لئے اب ہم ان اصول اولیں اور اس طور و طریق علیٰ‌ھذا ہر اس چیز سے بحث کریں گے جس کی جمہوری حکومتیں گویا متقاضی ہیں -

---

بقیہ حاشیہ ۵۵۱

کیا ہیں اور پھر حاشئے میں اس کی تشریح اس طرح کرتا ہے کہ مسلمات ، اخلاقی روح اور مقاصد کا تعلق تو گویا جمہوریت کے ''تصور'' سے ہے - خصائص سے مراد وہ ادارات اور تاسیسات ہیں جن کے ذریعہ اس تصور کی عملاً ترجمانی کی جائے گی - یوں ارسطو کا مطلب صاف ہو جاتا ہے--- مترجم

# دوسرا باب

پھر کوئی بھی جمہوری ریاست ہو اس کی اساس حریت ہی پر ہوگی اور یہ بات ایسی عام ہوگئی ہے جیسے اگر حریت کا کہیں وجود ہے تو صرف جمہوری ریاستوں میں ۔ کہا جاتا ہے ان کی تشکیل ہی اسی مقصد کے لئے ہوتی ہے ۔ اب حریت کا ایک جز (۱) تو یہ ہے کہ ہر شخص باری باری سے حاکم بھی ہو اور محکوم بھی ۔ اس لئے کہ جمہوری تصور (۲) عدل کی رو سے مساوات کا معیار قابلیت نہیں ہے ، تعداد ہے اور پھر عدل بھی چونکہ اسی کا نام ہے اس لئے ضروری ہے اقتدار اعلیٰ بیش تر لوگوں ہی کے ہاتھ میں رہے اور اکثریت کے فیصلے ہی کو قطعی اور آخری تصور کیا جائے ۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوریتوں میں غریبوں کو دولتمندوں کے مقابلہ میں زیادہ اختیارات حاصل ہوتے ہیں اس لئے کہ ان کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ مگر پھر جو لوگ کسی جمہوریت کی طرح ڈالتے ہیں وہ حریت کے اسی پہلو کو اس کا خاص معیار ٹھہراتے ہیں ۔ اس کا دوسر معیار ہے ہر شخص کا اپنی اپنی پسند کے مطابق زندگی بسر کرنا ۔ ان کے نزدیک یہ وہ حق ہے جو از روئے حریت سب کو حاصل ہونا چاہئے ۔ اس لئے کہ وہ شخص غلام ہے جو اپنی پسند کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتا

---

۱ - یہ گویا اس کا سیاسی پہلو ہے—مترجم

۲ - ارسطو کا خیال ہے سیاسی اعتبار سے بھی حریت کا تصور عدل پر مبنی ہے - ملاحظہ ہو فصل سوم ، نواں باب—مترجم

اور یہ گویا جمہوریت کا وہ معیار ہے جس کی بنا پر کوئی شخص کسی حالت میں بھی دوسرے کے زیر فرمان رہنا پسند نہیں کرتا۔ کرتا ہے تو اس صررت میں جب سب کو باری باری سے اس میں حصہ ملےاور وہ بھی اس حد تک جس حد تک کوئی شخص اپنی باری سے کسی دوسرے کے زیر فرمان رہا تھا (۳)۔ اب یہ امر بھی اس مساوات کے مساعد ہے جس کا حریت سطلبہ کرتی ہے۔ للہذا اگر ایک طرف ان سب باتوں کو مان لیا جائے اور دوسری جانب حکومت کی شکل بھی ویسی ہی رہے تو اس سے جو نتیجہ مترتب ہوگا یہی کہ جن قواعد کو آگے چل کر بیان کیا گیا ہے ان پر عمل کرنا ضروری ہے یعنی جملہ حکام کا انتخاب لوگوں میں سے ہوا کرے۔ سب ہر کسی پر حکم جتائیں اور ہر کوئی سب پر۔ مزید یہ کہ جتنے بھی حاکم ہیں ان کا انتخاب قرعہ اندازی سے ہو، بجز ان عہدوں کے جن کے لئے خاص خاص معلومات اور خاص مہارت کی ضرورت ہے۔ حصول منصب کے لئے مالی امتیاز کی قید اڑا دی جائے یا اگر رہے بھی تو بڑی معمولی۔ کوئی شخص دو مرتبہ کوئی عہدہ حاصل نہ کرسکے۔ یا کریں تو بہت کم اور شاذ ہی، سوائے فوج کے۔ ان کے تقرر کی مدت بھی بہت تھوڑی ہونی چاہئے یا پھر حتی الوسع زیادہ سے زیادہ کا تقرر ہو تاکہ جتنے بھی معاملات ہیں ان کے فیصلے میں ساری قوم حصہ لے سکے، خواہ کوئی معاملہ کیسا بھی طویل، یا دلچسپ ہو، یا نہایت درجہ اہم جیسا کہ اثینیہ

---

۳ - مطلب یہ ہے کہ حکومت کی مداخلت سے تو مفر نہیں۔ للہذا کیوں نہ ہر شخص باری باری سے حاکم اور محکوم بنے تاکہ یہ مداخلت ناگوار نہ رہے—مترجم

میں دستور ہے کہ وہاں حکام اپنے عہدوں سے سبکدوش ہوتے ہیں تو لوگ ان کا محاسبہ کرتے ہیں اور جماعتی امور ہوں یا ذاتی معاہدے سب کا تصفیہ ان ہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے(۴)۔ لہٰذا اعلیٰ اقتدار بھی مجلس عامہ کے پاس رہنا چاہئے(۵)۔ جیسے یہ کہ کوئی بھی حاکم ہو اپنی صوابدید سے کام نہ لے بجز ان مستثنیات کے جو امور عامہ پر اثر انداز نہ ہوں۔ حکام کے معاملے میں تو جمہوریت کے لئے سب سے زیادہ موزوں مجلس عماید کا وجود ہے (۶) کیونکہ اس مجلس میں شرکت کا کوئی معاوضہ نہیں ہوتا۔ ہوتا ہے تو اس کے اقتدار میں فرق آ جاتا ہے۔ اس لئے کہ لوگ ہر قسم کے معاملات جیسا کہ ہم اس سے پہلے کسی فصل میں بیان کر آئے ہیں مرافعے کے ذریعہ اس میں لے آتے ہیں (۷)۔ پھر اگر ممکن ہو تو ایسا کوئی سرمایہ بھی ہونا چاہئے جس سے ان شہریوں کو جو امور عامہ کے نظم و نسق میں تھوڑا بہت حصہ لیں، بحیثیت رکن مجلس، یا رکن عدالت یا حاکم بطور معاوضہ کچھ ادا کیا جا سکے۔ لیکن اگر ایسا نہ

---

۴- یعنی سرکاری مصارف، دستوری مسائل اور معاہدات سب ان کے ہاتھ میں ہوں—مترجم

۵ - شوریٰ کے—مترجم

۶ - مجلس کی رکنیت کا شمار بھی حاکمانہ عہدوں میں کیا جاتا تھا۔ اثینیہ میں تو اس کا وجود پانچ سو ارکان پر مشتمل تھا (ان کا انتخاب قرعہ اندازی سے ہوتا اور شرکت بلا معاوضہ نہیں تھی)۔ ان کا کام صرف یہی نہیں تھا کہ مجلس عامہ کے لئے جو معاملات غور طلب ہیں ان کی طیاری کریں۔ مالگزاری کا انتظام اور متعدد حاکمانہ وظائف بھی انہیں کے ذمے تھے—مترجم

۷- فصل چہارم میں—مترجم

ہو سکے تو پھر کم سے کم اتنا تو ضرور کرنا چاہئے کہ حکام اور ارکان عدالت ، علیٰ ھذا عمایدین اور شرکائے مجلس اعلیٰ ، نیز ان سب عہدیداروں کو جو اس امر پر مجبور ہیں کہ مشترکہ دسترخوان میں حصہ لیں کچھ تنخواہ ملتی رہے(۸) ۔ پھر جسطرح اعیانیت کے متعلق یہ کہنا ٹھیک ہے کہ اسے ان لوگوں کی حکومت کہئے جو حسب و نسب کے اونچے ، صاحب ثروت اور تعلیم یافتہ ہیں تو جمہوریت اسکی ضد ہوگی اور اس لئے حسب و نسب میں ادنیٰ ، مفلسوں اور پیشہ وروں کی حکومت (۹) ۔ لہٰذا اس قسم کی ریاست میں کوئی عہدہ عمر بھر کے لئے نہیں ہونا چاہئے جو اگر ہے باوجودیکہ حکومت کی شکل ایک عرصے سے جمہوری بن چکی تھی تو کوشش کرنی چاہئے کہ اسطرح کے عہدوں کے اختیارات بتدریج کم ہوتے جائیں اور ان کے لئے انتخاب بھی رائے شماری کی بجائے قرعہ اندازی سے ہوا کرے۔ یہ باتیں ہیں جن کا اطلاق ہم ہر قسم کی جمہوریت پر کر سکتے ہیں ۔ ان کی اساس بھی عدل کے اس تصور پر ہونی چاہئے جو اس قسم کی حکومتوں کے لئے موزوں ہے یعنی ریاست کے جملہ افراد کو جتنی بھی ان کی تعداد ہے مساوات حاصل ہو (۱۰) اسلئے کہ معلوم ہوتا ہے یہی چیز جمہوریت

---

۸ ۔ مشترکہ دسترخوانوں کو اس لئے رائج کیا گیا تھا کہ مجلس حاکمہ کے ارکان ایک دوسرے سے ملتے رہیں ۔ لہٰذا اس سلسلے میں جو کچھ بھی دیا جائیگا اسے تنخواہ ہی کہا جائیگا—مترجم

۹ ۔ دوسرے مرتبین نے 'ادنیٰ نسب' کے الفاظ قوسین میں لکھے ہیں— مترجم

۱۰ ۔ ملاحظہ ہو فصل چہارم ، چوتھا باب ۔ البتہ یہاں یہ امر غیر

باقی صفحہ ۵۵۷ پر

یا یوں کہئے عوام کی حکومت کا سب سے بڑا جزو ہے ۔ جمہوریتوں میں تو مساوات کا تقاضا ہی یہ ہے کہ امیروں کا حصہ حکومت میں غریبوں سے زیادہ نہ ہو اور زمام اقتدار بھی صرف انہیں کے ہاتھ میں رہے ، بلکہ جیسی جیسی ان کی تعداد ہے اس کے مطابق ان سب کا درجہ بھی مساوی ہو ، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں یونہی کسی ریاست میں مساوات اور حریت کو برقرار رکھا جا سکتا ہے ۔

---

بقیہ حاشیہ ۵۵۶

واضع رہ جاتا ہے کہ فصل چہارم میں جس زراعتی جمہوریت کا ذکر کیا گیا تھا یہاں ارسطو کا اشارہ اس کی طرف ہے یا اس جمہوریت کی طرف جو کسانوں پر مشتمل ہو، یعنی جمہوریت کی زراعتی شکل، یا کسانوں کی آبادی پر مشتمل جمہوریت کی طرف ۔ معلوم ہوتا ہے یہ دونوں صورتیں ہم معنی ہیں ۔ اس لئے کہ آگے چل کر ارسطو نے اول تو جمہوریت کی اجتماعی اساس سے بحث کی ہے ۔ پھر اسکی زرعی شکل کی تعریف کرنے لگتا ہے ــ مترجم

# تیسرا باب

مگر پھر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ہم یہ مساوات پیدا کس طرح کریں گے (۱) ؟ کیا باعتبار قابلیت اس طرح کہ پانچ سو دولت مند ایک ہزار غریبوں کے برابر ہوں ، یا یوں کہ ان ایک ہزار کو وہی اختیارات حاصل ہوں جو پانچ سو کو ہیں ؟ یا یوں کہ ہم جس مساوات کے خواہشمند ہیں اسے اس طرح قائم نہ کریں (۲) بلکہ اسطرح کہ ایسی کسی تقسیم کے بعد ان ایک ہزار اور پانچ سو دونوں میں سے برابر برابر کی تعداد الگ کر لیں اور پھر انہیں اختیار دے دیں کہ حکام اور ارکان عدالت کا تقرر وہ اپنے ہی ہاتھ میں رکھیں (۳) ؟ کچھ اس قسم کی ریاست ہو گی جس کے متعلق

---

۱ - سوال یہ ہے کہ مساوات کی اساس املاک پر ہونی چاہئے یا انسان کی ذاتی قدر و قیمت پر ؟ فصل چہارم میں ارسطو یہ کہہ آیا ہے کہ جمہوریت کی ایک نوع وہ بھی ہے جو املاک پر مبنی ہے ۔ لہذا اگر مساوات کی بنا املاک پر رکھی گئی تو ضروری ہے کہ شہریوں کی تقسیم بھی اس طرح کی جائے کہ باعتبار املاک سب جماعتوں کی اہمیت یکساں رہے ، خواہ باعتبار تعداد وہ باہم یکساں نہ ہوں ۔ اثینیہ میں بھی اگرچہ قرن چہارم ق-م میں آبادی کی تقسیم اس طرح کی گئی تھی کہ ہر فریق کو یکساں املاک حاصل رہیں ، لیکن اس کا طریق وہ نہیں تھا جو ارسطو نے تجویز کیا ہے — مترجم

۲ - یعنی نہ افراد کی ذاتی قدروقیمت ، نہ املاک کی بنا پر — مترجم

۳ - یہ نظام اول الذکر سے اس لئے مختلف ہو گا کہ (۱) اس کی بنا

باقی صفحہ ۵۵۹ پر

کہا جائے گا کہ تمام و کمال جمہوری تصور عدالت کے مطابق قائم ہوئی یا وہ جس کی زمام کار سر تا سر کثرت کے ہاتھ میں رہے ؟ (۴) جمہوریت کے طرفدار تو یہ کہتے ہیں کہ عدل وہ ہے جسے اکثریت عدل کہے۔ برعکس اس کے اعیانیتوں کے طرفداروں کا قول ہے کہ عدل وہ ہے جسے دولتمند عدل کہیں ۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس معاملے میں املاک کا لحاظ رکھنا چاہئے حالانکہ یہ دونوں قضیئے غلط ہیں ۔ اس لئے کہ اگر ہم اس چیز سے اتفاق کر رہے ہیں جو بہت تھوڑوں کے ذہن میں ہے تو اس کا نتیجہ استبداد کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا کیونکہ عین ممکن ہے اس صورت میں ایک فرد واحد کے پاس ان سب کی نسبت جو دولتمند ہیں زیادہ ہو ۔ لہٰذا اعیانی تصور عدل کا تقاضا ہوگا کہ اقتدار اعلیٰ اسی ایک فرد کے ہاتھ میں رہے ۔ برعکس اس کے اگر کثرت تعداد کا کہنا مان لیا جائے تو اس صورت میں دولتمندوں کا مال ضبط کر لیا جائے گا (۵) اور یہ ناانصافی ہو گی ، کیونکہ ان کی تعداد جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں تھوڑی ہو گی ۔ لہٰذا وہ کون سی مساوات ہے جسے دونوں فریق قبول کر لیں ؟ ظاہر ہے یہ دونوں فریق وہی مساوات قبول کریں گے جو صحیح اور غلط کی اس تعریف پر مبنی ہے جو ان کے درمیان مشترک ہے ۔ اس لئے کہ دونوں کے

---

بقیہ حاشیہ ۵۵۸

نمائندگی پر ہو گی (۲) لیکن نمائندوں کو ایک جماعت تصور کیا جائیگا، حالانکہ موخرالذکر میں ایک جماعت پچاس اور دوسری ایک ہزار پر مشتمل تھی ۔ ملاحظہ ہو فصل چہارم—مترجم

۴ - تاکہ زمام اختیار زیادہ سے زیادہ لوگوں کے ہاتھ میں آ جائے—مترجم

۵ - ملاحظہ ہو فصل سوم ، رواں باب—مترجم

نزدیک کرنا وهی کچھ چاهئے جس پر ریاست کی اکثریت رضا مند هو اور یه ہے بھی ٹھیک گوسر تا سر ٹھیک نہیں، مگر پھر چونکه هر ریاست کی ترکیب دو مختلف الحیثیت لوگوں سے هوتی هے ، یعنی امیروں اور غریبوں سے تو وهی کچھ کرنا چاهئے جس کو دونوں یا دونوں کی اکثریت ٹھیک کہے ۔ یا اگر دونوں میں اختلاف هے تو وه جسے اکثریت کی تائید حاصل هو (٦) ۔ مگر با عتبار مالی امتیازات (٧) ۔ مثلاً اگر امیر دس هیں ، غریب بیس اور اول الذکر سے ٦ لیکن موخرالذکر سے ١٥ کسی بات پر متفق هیں ، لیکن امیروں سے باقی چار غریبوں میں سے پانچ کے ساتھ مل کر اس کی مخالفت کریں تو پھر یه فیصله که قانون بنے تو کیسا اس جماعت کو کرنا چاهئے جس کا مجموعی مال و زر ان سے زیادہ هے حتیٰ که اگر اس طرح بھی ان کی حیثیت مساوی رهے تو اس معامله کو ویسا هی سمجھنا چاهئے

---

٦ - لیکن بقول نیومین اعیانیتوں کا طریق کار تو اس سے مختلف هوگا - جمہوریتوں میں بھی غریبوں کی املاک کا ویسے هی خیال رکھا جاتا ہے - وه دیکھتی هیں اس کی مجموعی مقدار کیا هے تاکه امیروں کی دولت سے مقابله کرتے هوئے فیصله کر لیا جائے که زیاده تر املاک کس کے پاس هیں - اعیانیتوں کا اس کے برعکس دعویٰ یه هوگا که امیروں کی جائیدادیں نسبتاً بہت بڑی هیں لهذا زمام اقتدار ان کے هاتھ میں رهے—مترجم

٧ - مطلب یه هے که ابتدا میں تو همارے سامنے دو طبقے هوں گے - مگر پھر جب دونوں سے رائے لی جائیگی تو وه فریق همارے سامنے آئیں گے جن میں ان دونوں طبقات کے اجزا بھی شامل هوں گے - لهذا کیوں نه ان کی املاک پہلے هی جمع کر لی جائیں - پہلے ایک پھر دوسرے کی اور دیکھا جائے که زمام اقتدار کس کے هاتھ میں دینا چاهئے—مترجم

جیسے مجلس یا عدالت کا کوئی معاملہ اور اس میں سب کی رائے یکساں طور پر بٹ جائے ۔ للهذا وہ اس کا فیصلہ قرعہ اندازی یا ایسے ہی کسی دوسرے طریق سے کرے ۔ دراصل یہ ثابت کرنا کہ مساوات کیا ہے اور عدل کیا ایک مشکل سی بات ہے ۔ البتہ اس پر عمل کرنا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ جن لوگوں میں اتنی طاقت ہے کہ دوسروں کی آزادی میں مداخلت کریں انہیں اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ عدل اور مساوات سے کام لیں ۔ یوں بھی کمزور ہمیشہ مساوات اور عدالت کا مطالبہ کیا کرتے ہیں، طاقتور اس کو خیال میں بھی نہیں لاتے ۔

# چوتھا باب

جمہوریت کی چار قسمیں ہیں (۱) اور ان میں سب سے بہتر جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں (۲) وہ جسے ہم نے اول رکھا (۳) اور جو با عتبار زمانہ ہے بھی سب سے قدیم - لیکن ہم نے اسے اول رکھا تو اس لئے کہ جو کوئی لوگوں کی الگ الگ تقسیم کرے گا اسے اول ہی رکھے گا کیونکہ ان کا بہترین حصہ کسانوں پر مشتمل ہوگا (۴) - یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں آبادی کا

---

۱ - پچھلے دو ابواب میں عدالت اور مساوات کی بحث ایک طرح سے غیر ضروری تھی چنانچہ بعض مرتبین نے اس کا شمار الحاقات میں کیا ہے گو ان کا یہ خیال درست نہیں - اس لئے کہ باب دوم اور چہارم باہم مربوط ہیں - بہر حال اب ارسطو اپنی اصل بحث پر آ گیا ہے اور وہ یہ کہ باب دوم میں جن خصائص کی طرف اشارا کیا گیا تھا ان کی بنا پر جمہوریت کی تشکیل کس طرح کی جائے - لیکن اس سلسلے میں اول اس نے جمہوریت کی چار مختلف قسموں میں تفریق کی ہے (فصل چہارم ' باب چہارم میں وہ پہلے بھی ان میں ایک امتیاز قائم کر چکا ہے) اس لئے کہ ان چاروں کی تشکیل کا طریقہ الگ الگ ہو گا — مترجم

۲ - فصل چہارم میں — مترجم

۳ - باعتبار ترتیب جمہوریتوں کی صف بندی کرتے ہوئے — مترجم

۴ - زراعت کی حمایت میں بلکہ ہم یہاں تک کہہ سکتے ہیں کہ تجارت اور صنعت و حرفت کے خلاف ارسطو اپنے خیالات کا اظہار فصل اول میں بھی کر آیا ہے - ملاحظہ ہوں ابواب ۹ ' ۱۰ ' ۱۱ — مترجم

زیادہ حصہ زراعت ، یا گلہ بانی کر رہا ہے وہاں جمہوریت قائم ہو جاتی ہے ۔ اس لئے کہ ان کی جائیدادیں بہت چھوٹی ہوتی ہیں ، انہیں یہ فراغت کہاں کہ عام مجالس منعقد کریں (٥) برعکس اس کے وہ اپنے کام کاج میں لگے رہیں گے ، ورنہ ان کے پاس کھانے پینے کو کہاں سے آئے گا ۔ انہیں تو یہ خیال بھی نہیں آئیگا کہ دوسروں کے پاس کیا ہے ۔ ان کی توجہ ہمیشہ اپنے پیشے پر ہوگی بجائے اس کے کہ امور ریاست میں دخل دیں یا حکومت کے عہدے سنبھالیں جن سے یوں بھی انہیں کوئی خاص فائدہ نہیں ہو گا (٦)۔ اس لئے کہ انسان کو زیادہ تر دولت ہی کی طمع ہوتی ہے، عزت کی نہیں ہوتی (جس کا ثبوت یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں بھی انہوں نے استبداد کے آگے سر جھکایا اور اب بھی اعیانیتوں کی اطاعت کر رہے ہیں بشرطیکہ معمولاً ان کا جو پیشہ ہے اس میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کی جائے اور ان کا مال و دولت بھی محفوظ رہے ۔ یوں بعض تو تھوڑے ہی دنوں میں دولتمند بن جاتے ہیں ، بعض مفلس نہیں رہتے) ۔ یوں بھی انتخابات کا معاملہ انہیں کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اپنے عہدوں سے سبکدوشی پر وہ حکام کا محاسبہ بھی کر سکتے ہیں ۔ لہٰذا یہ چیز ان کے اس خیال کو یعنی جس کسی کو یہ خیال ہے کہ اسے معزز گردانا جائے پورا کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے ۔ پھر بعض صورتوں میں اگرچہ عوام کو حکام کے انتخاب کا حق نہیں ہوتا ۔ جب بھی یہ اس جماعت کو ضرور دے دیا جاتا ہے جو ان کی

---

٥ - یعنی مجالس شوریٰ امور عامہ اور سیاست پر غور و فکر کرنے کے لئے جو باھمی اختلاف اور عناد کا بہت بڑا سرچشمہ ہے — مترجم

٦ - کیونکہ انہیں کوئی معاوضہ نہیں ملے گا — مترجم

نیابت کرتی ہے - بات یہ ہے کہ اگر لوگوں کو شوریٰ کا اختیار حاصل ہو تو عام طور پر یہی چیز ان کے لئے کافی ہوتی ہے - للہذا اسے بھی جمہوریت کی ایک نوع سمجھنا چاہئے (۷) جیسا کہ مانٹینیا میں کسی وقت دستور تھا - چنانچہ ہم جس قسم کی جمہوریت سے بحث کر رہے ہیں اس کے لئے بھی یہی مناسب ہے کہ اسے عہدوں سے سبکدوشی پر حکام سے باز پرس کا اختیار حاصل ہو (یہ اختیار انہیں عام طور پر حاصل بھی رہا ہے)۔ نیز یہ کہ جملہ مقدمات کا فیصلہ انہیں کے ہاتھ میں رہے - حکام اعلیٰ کا تقرر البتہ انتخاب ہی سے ہونا چاہئے اور وہ بھی ایک خاص شمارے کی بنا پر جو بلحاظ ان کے عہدوں کے بدلتا ہی رہے تو اچھا ہے، یا پھر شمارے کی تقسیم نظر انداز کر دی جائے - صرف یہ دیکھ لیا جائے کہ ان کا تقرر جس غرض کے لئے کیا جا رہا ہے وہ اس کے اہل بھی ہیں یا نہیں - للہذا جب ریاست کی بنا اس طرح ڈالی جائے گی تو اس کی ترکیب بھی نہایت اچھی ہوگی، کیونکہ اس قسم کی ریاست میں حاکمانہ عہدے بہترین انسانوں کے ہاتھ میں ہونگے اور وہ بھی لوگوں کی منظوری سے - للہذا وہ ان کو رشک اور حسد کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے - حکام اور امرا بھی نظم و

---

۷ - Mantinaea مانٹینیا میں حکومت کا جو نظام ارسطو سے پہلے رائج تھا اسے ایک صدی قبل یا شاید ۴۲۱ ق - م میں اکثر نمائندہ حکومت کی مثل کے طور پر پیش کیا جاتا تھا - مگر یہ خیال صحیح نہیں وہاں ایک مجلس تو ضرور قائم تھی جس میں باہم مشورہ کیا جاتا لیکن اس کے لئے جو نمائندے منتخب ہوتے (ارسطو نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے) ان کا کام یہ تھا کہ بالواسطہ حکام کے انتخاب میں حصہ لیں - گویا یہ مجلس نمائندہ نہیں تھی—مترجم

نسق میں جو حصہ ملیگا اس پر قانع رہینگے ۔ وہ ان لوگوں کے محکوم نہیں ہونگے جنکی حیثیت ان سے کم ہے اور اپنے اختیارات کا استعمال بھی احتیاط سے کریں گے اس لئے کہ لوگوں کو ان سے باز پرس کا حق حاصل ہوگا۔ حکام اگر اس پہلو سے بھی آزاد رہ گئے تو پھر اس بدی کو روکنا ناممکن ہو جائے گا جو ہر شخص کے اندر موجود ہے۔ لہذا یہ امر کہ ریاست کے عہدے بہترین انسانوں کے ہاتھ میں رہیں جن کے کردار پر کبھی حرف نہیں آیا جیسا ضروری ہے ویسا ہی مفید بھی تاکہ لوگ جور و تعدی سے محفوظ رہیں ۔ ہماری رائے میں اب یہ بات صاف ہو چکی ہے کہ یہی جمہوریت کی بہترین نوع ہے اور اس کی وجہ یہ کہ جس طرح کے لوگ ہیں انہیں ویسے ہی اختیارات دئے جائیں (۸) ۔ لہذا کسانوں کی جمہوریت قائم کی گئی تو بعض ایسے قوانین بھی جو زمانہ قدیم میں بہت سی ریاستوں کے اندر نافذ تھے ہر پہلو سے مفید رہیں گے ۔ مثلاً کسی شخص کو ایک خاص حد سے زیادہ زمین حاصل کرنے کی اجازت نہ ہو ، نہ شہر سے ایک خاص حد کے باہر ۔ ایام گذشتہ میں بھی تو بعض ریاستوں کے یہاں دستور تھا کہ کوئی شخص اپنی زمین نہ بیچے (۹) ۔ ایسے ہی ایک اور قانون کا ذکر کیا جاتا ہے جو اکسائیلس (۱۰) نام کسی شخص سے منسوب ہے اور جس کی رو سے کسی شخص کو اجازت نہیں تھی کہ سود کے ذریعے اپنے ورثے میں اضافہ کرے (۱۱) ۔ پھر امر زیر بحث میں افوٹیوں (۱۲) کے قانون کی

---

۸ - یعنی عہدے جو قابل ترین اشخاص کے ہاتھوں میں دئے جائیں اور لوگ بھی اس پر رضا مند ہوں—مترجم

۹ - مطلب ہے جتنی اس کے لئے تجویز کی گئی تھی—مترجم

۱۰ - Oxylus

۱۱ - مثلاً زمین رہن لے کر — مترجم

پیروی بھی میں بالخصوص فائدے کا موجب ہوگی اس لئے کہ ان کے یہاں زمین بہت کم تھی ، مگر وہ خود تعداد میں زیادہ اور تھے بھی کسان ۔ لٰہذا انھوں نے جتنی بھی زمینیں تھیں شمارے میں تو شامل نہیں کیں لیکن تقسیم کی تو اس طرح کہ شمارے کے اعتبار سے غریبوں کو امیروں کی نسبت زیادہ اختیارات حاصل ہوگئے ۔ کسانوں کے بعد چرواھوں اور گلہ بانوں کا درجہ ہے ۔ ان میں بہت سے باتیں مشترک ہوتی ہیں اور بہ سبب اپنے طریق زندگی کے وہ سپاھی بھی بہت اچھے ہوا کرتے ہیں ۔ ان کے جسم مظبوط ہوتے ہیں اس لئے وہ راتیں بھی کھلی جگھوں میں گذار سکتے ہیں (۱۳) ۔ البتہ ان کے علاوہ باقی جمہوریتوں کا تعلق جن لوگوں سے ہے ان کا درجہ بڑا پست ہوتا ہے ۔ وہ زبوں حالی کی زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کا کام کاج بھی ایسا جس سے کسی اچھی صفت کی پرورش نہیں ہو سکتی ۔ یہ لوگ یا تو

---

۱۲ - Aphutaeans اهل افی‌ٹس Apytis موجودہ سلانیک Salonica واقعہ مقدونیہ کے قریب ایک شہر جہاں مالی امتیازات کی بنا اس بات پر تھی کہ اراضیات کی تشخیص شدہ ملکیت کیا ہے اور پھر اس پر اس امر کا دارومدار کہ کسی شخص کو کہاں تک سیاسی حقوق حاصل ہوں گے۔ چنانچہ آگے چلکر ارسطو نے جو کچھ لکھا ہے اس سے پتہ‌چلتا ہے یہ قانون کسطرح برقرار رکھا گیا - مالی امتیازات کا معیار چونکہ نہایت کم تھا اس لئے جس کسی کے پاس ذرا سی بھی اراضی تھی اسے بیکار نہیں چھوڑتا تھا تاکہ حقوق سے محروم نہ رہ جائے یہ چیز تھی جس نے سب کو کسان بنا دیا تھا ــ مترجم

۱۳ - خیموں میں رہنے کے باعث ــــ مترجم

دستکار ہوتے ہیں یا دکاندار، یا محنت مزدوری کرنے والے ۔ وہ چونکہ مجبور ہیں دن بھر منڈی اور قلعۂ شہر کے قریب گھومتے پھریں اس لئے مجالس عام میں بھی بآسانی شریک ہو سکتے ہیں (۱۴) ۔ برعکس اس کے کسان چونکہ زمینوں میں منتشر رہتے ان کا آسانی سے جمع ہونا مشکل ہوتا ہے ۔ وہ اس امر کے خواہش مند بھی نہیں ہوتے کہ دوسروں کےساتھ مل کر بیٹھیں ۔ لہٰذا جب کوئی آبادی اس طرح بسیگی کہ زمین کا بہت سا حصہ شہر سے دور واقع ہو (۱۵) تو اس میں ایک اعلیٰ درجے کی جمہوریت یا آزاد ریاست بآسانی قائم ہو سکتی ہے، اس لئے کہ وہاں زیادہ تر لوگ شہر سے باہر رہینگے ۔ گویا اس قسم کی جمہوریت میں چونکہ آبادی کا کچھ حصہ منڈی کے آس پاس آباد ہوگا اس لئے وہاں یہ قانون بنانا ضروری ہوگا کہ جب تک بیرون شہر کی آبادی مجلس میں شرکت نہ کرے اس کا انعقاد نہیں ہوسکتا ۔ یہ باتیں ہیں جن سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ بہترین اور چوٹی کی جمہوریت کیسے قائم کی جا سکتی ہے اور دوسری قسم کی جمہوریتیں کیسے جن کو چاہئے ہمیشہ اسے اپنا رہنما تصور کریں (۱٦) ۔ مزید یہ کہ کمینہ طبیعت انسانوں کو

---

۱۴ - دستکار یا دکاندار بازاروں میں اس لئے گھومتے پھرتے ہیں کہ جو کچھ بیچ سکتے ہیں بیچ دیں - مزدور اس لئے کہ لوگوں کو ان کی ضرورت ہوتی ہے — مترجم

۱۵ - مثلاً ہو سکتا ہے شہر تو ساحل پر واقع ہے اور زرعی اراضیات یا چراگاہیں اس سے کسی قدر فاصلے پر — مترجم

۱٦ - یعنی نمونہ ان معنوں میں کہ وہ بتدریج نوع اول کی خصوصیت سے ہٹتی جائیں گی تا آں کہ ہر مرحلے پر غریب طبقے کا اس میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوتا جائے گا — مترجم

دور ہی رکھیں ۔ جمہوریت کی سب سے ادنیٰ اور خراب ترین شکل وہ ہے جس میں ہر شہری کو بلا امتیاز نظم و نسق میں شریک کر لیا جاتا ہے اور یہ وہ بات ہے جسے بہت کم شہری برداشت کر سکتے ہیں ۔ اس طرح کی جمہوریت کو دیرتک قائم بھی نہیں رکھا جاسکتا ہے ، الا یہ کہ قوانین اور رسم و رواج کے زور سے اسے مضبوط کیا جائے ۔ ہم ان اسباب سے بھی بحث کرچکے ہیں جن سے جیسی بھی کوئی ریاست ہو تباہ و برباد ہو جاتی ہے ۔ البتہ جو لوگ اس دوسری طرح کی کوئی جمہوریت قائم کریں گے ان کی کوشش ہوگی کہ جتنے بھی لوگ مل سکتے ہیں اپنے ساتھ ملا لیں تاکہ یوں انہیں زیادہ سے زیادہ طاقت حاصل ہو جائے لہٰذا انہوں نے جتنے بھی لوگ مل سکتے تھے انہیں آزادی کا حق دے دیا ۔ انہیں کو نہیں جو ماں باپ کی جائز اولاد تھے بلکہ انہیں بھی جو ناجائز تعلقات کی بنا پر پیدا ہوئے اور جن کے ماں باپ میں سے ایک شہری تھا ، یعنی خواہ باپ خواہ ماں ۔ چنانچہ یہ طریق ہے جو اس قسم کی ریاستوں کے لئے بہ نسبت دوسری ریاستوں کے زیادہ موزوں رہتا ہے اور عوامی رہناؤں نے بھی ہمیشہ اسی سے کام لیا ، حالانکہ اس سے اجتناب ہی بہتر تھا تاکہ ایسا نہ ہو عوام کی حیثیت اہل دولت و ثروت اور متوسط الحال طبقے سے اونچی ہو جائے ، یعنی یہ سلسلہ کہیں نہ کہیں رک جانا چاہئے اس لئے کہ اگر اسے جاری رکھا گیا تو ریاست میں بد نظمی پھیل جائیگی ۔ دولتمند عوام کے اقتدار سے برگشتہ خاطر ہو جائینگے اور ان میں ناراضگی کے جذبات بھڑک اٹھیں گے ۔ چنانچہ کائرین (۱۷) میں جو بغاوت ہوئی اسی بنا پر ہوئی ۔

---

۱۷ ۔ Cyrene ایک حد تک موجودہ برقہ (مصر) — مترجم

بات یہ ہے ، شہر اگر معمولی ہے جب تو اس امر کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے لیکن اگر بڑھتا چلا جائے تو پھر لوگوں کی نگاہوں سے سے کہاں تک چھپے گا ۔ لہٰذا اس قسم کی ریاست میں وہ کاروائی بھی نہایت مناسب رہے گی جو کلس تھینیس نے اثینیہ میں عوام کا کا اقتدار بڑھانے کے لئے کی، یا ان لوگوں نے جنھوں نے کائرین میں جمہوریت کی بنا رکھی اور جسکا مطلب یہ تھا کہ قبیلوں اور برادریوں میں تو اضافہ کر دیں مگر وہ مذہبی رسمیں جو افراد اپنے طور پر ادا کرتے ھیں کم کر دی جائیں ۔ پھر جس طرح بھی بن پڑے اور جس حد تک بھی ممکن ہو لوگوں کو باہم خلط ملط کر دیں تاکہ وہ سب رسمیں جو پہلے سے چلی آ رہی ھیں ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے (۱۷) ۔ اس قسم کی جمہوریتوں کے لئے وہ سب کچھ بھی مناسب رہے گا جس پر مستبد حکومتوں کا عمل ہے مثلاً وہ آزادی جو غلاموں کو دی جاتی ہے اور عورتوں اور بچوں کو بھی اس لئے کہ اس قسم کی ریاست کے لئے یہ چیز بھی ایک حد تک مفید ھی رہے گی ۔ اسے چاھئے جیسی کوئی شخص زندگی بسر کر رہا ہے اس سے چشم پوشی کرے ۔ یوں اسے کثرت سے لوگوں کی تائید حاصل ہو جائیگی ۔ اس لئے کہ زیادہ تر لوگ یہی چاھتے ھیں ان کے رہنے سہنے پر کوئی پابندی نہ رہے اس کی بجائے کہ انہیں نظم و انضباط یا اعتدال کی تلقین کی جائے ۔

---

۱۸ - مذہبی رسموں سے مطلب یہاں قبیلوں اور ان کی مختلف شاخوں کی مذہبی رسوم ھیں، یا وہ قربانیاں جو اور زیادہ ذی اثر اشخاص کے گھروں میں باہم ملکر ادا کی جاتی تھیں ۔ ارسطو کی تجویز یہ ہے کہ اس قسم کی مذہبی رسمیں حتی الوسع کم کر دی جائیں اور پھر جو بھی رسم ہے مل کر اور بر سرعام ادا ہو—مترجم

# پانچواں باب[1]

پھر وہ قانون ساز ہو، یا کوئی بھی شخص جو اس قسم کی حکومت کے حق میں ہے اسے ہر پہلو سے اچھا اور کامل و مکمل بنانے کی کوشش نہ کرے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہونا چاہئے کہ اسے قائم اور برقرار رکھے (۲)۔ اس لئے کہ ریاست کی ترکیب اگر خراب بھی ہے تو ہوا کرے اسے چند روز چلایا تو جا سکتا ہے۔ لٰہذا اسکی ساری توجہ اس بات پر ہونی چاہئے کہ وہ محفوظ رہے گی تو کیونکر(۳) جس میں پھر ہر

۱ - ارسطو نے اس باب میں فصل ششم کے اصل موضوع سے ہٹ کر جس کا تعلق دستور سازی سے ہے پھر وہ بحث چھیڑ دی ہے جو فصل پنجم میں ایک طرح سے تکمیل کو پہنچ گئی تھی۔ یعنی دساتیر کی حفاظت اور استحکام کی بحث جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ پچھلی فصل میں اس موضوع پر صرف سرسری سی نظر ڈالی گئی تھی۔ مخصوص دساتیر کا اس میں مطلق لحاظ نہیں رکھا گیا تھا (بجز بادشاہت کے) لٰہذا ارسطو نے جمہوریت، بالخصوص انتہائی جمہوریت کے حوالے سے اس بحث کی اب از سر نو ابتدا کر دی ہے—مترجم

۲ - مثلاً جمہوریت ہی کو لیجئے۔ قانون ساز کی نظر اس بات پر نہیں ہونی چاہئے کہ ریاست کی ترکیب کس طرح زیادہ سے زیادہ جمہوری ہوتی چلی جائے، بلکہ اس پر کہ اس کے دستور و آئین کا وجود قائم رہے—مترجم

۳ - کیونکہ یہی اس کی کامیابی کی آزمائش ہے۔ گویا حفاظت کی بحث میں ارسطو کی نظر دستور سازی پر نہیں، بلکہ دستور کی پائیداری اور استحکام پر—مترجم

اس طریق سے کام لیا جا سکتا ہے جس کا بیان ہم ان اسباب کے سلسلے میں کر آئے ہیں جو ریاستوں کی تباہی یا حفاظت کا باعث ہوتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو ہر ایسی بات سے جس میں نقصان کا اندیشہ ہے بچتے رہنا چاہئے اور اس لئے بہتر ہو گا کہ تحریری ہوں، یا غیر تحریری وہ قوانین بنائیں تو ان سب باتوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جو ریاستوں میں استحکام اور پائداری کا سبب بنتی ہیں۔ انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ جمہوری یا اعیانی طرز حکومت کا فائدہ اس میں نہیں کہ ان کی یہ حیثیت زیادہ سے زیادہ استحکام حاصل کرتی جائے، بلکہ اس چیز میں جس سے اس کی عمر میں اضافہ ہو۔ لیکن آجکل کے عوامی رہنماؤں کا تو یہ حال ہے کہ لوگوں کی خوشامد اور چاپلوسی کے خیال سے انہوں نے عدالتوں میں ضبطیوں کا طریق عام کردیا (۴) حالانکہ جو لوگ فی الواقعہ اس کے بہی خواہ ہیں ان کا طرز عمل اس کے برعکس ہونا چاہئے، یعنی وہ ایک ایسا قانون وضع کریں جس کی رو سے ضبطیوں کی تقسیم نہ تو لوگوں میں ہو سکے، نہ خزانے میں جمع کی جائیں بلکہ مذہبی اغراض کے لئے محفوظ رہیں (۵)۔ اس لئے کہ ایسا ہوا تو جن لوگوں کی طبیعت میں شر ہے وہ زیادہ محتاط ہو جائیں گے، کیونکہ انہیں سزا بھی ویسی

---

۴ - مطلب ہے عدالتوں کے ذریعہ جائیدادوں کی ضبطی دراصل یونانی زبان میں ضبطی کے لئے جو لفظ استعمال ہوتا ہے اس کے لغوی معنی ہیں "لوگوں کے کام میں لانا" لہذا عدالت ہائے عامہ کے لئے یہ آسان سی بات تھی کہ جس فرد کے مال کو چاہیں لوگوں کے کام میں لائیں، یعنی اسے ضبط کر لیں — مترجم

۵ - یعنی عبادتگاہوں کے حوالے کر دیا جائے — مترجم

ھی ملے گی (٦) اور لوگ بھی نہیں چاھینگے کہ جس کاروائی سے انہیں کچھ حاصل نہیں ھوتا محض اس کے لئے لوگوں کا محاسبہ کریں۔ انہیں اس امر کا بھی خیال رکھنا چاھئے کہ حتی‌الوسع بہت تھوڑے مقدمات عوام کے سامنے آئیں ، حتیٰ کہ اگر کوئی جلد بازی میں کسی کے خلاف کوئی دعویٰ لے آیا ھے تو اسے سخت سزا دی جائے (٧) اس لئے کہ مقدمہ بازی عوام کے نہیں امرا کے خلاف ھوا کرتی ھے ۔ انکی یہ بھی کوشش ھونی چاھئے کہ ریاست کے شہریوں میں باھم محبت اور مودت پیدا ھو ، یا کم از کم یہ کہ جن لوگوں کے ھاتھ میں اقتدار ھے وہ ان کو اپنا دشمن نہ سمجھیں ۔ پھر زمانہ حال میں بھی چونکہ متعدد جمہوریتیں قائم ھو چکی ھیں اور یہ ممکن نہیں کہ لوگ بلا معاوضہ مجالس عامہ میں شرکت کریں لہٰذا ریاست کی آمدنی کم ھے تو یہ امرا کے لئے بڑی مہلک ثابت ھو گی ، کیونکہ اس صورت میں آمدنی کی کمی ضریبوں اور ضبطیوں اور جرمانوں سے پوری کی جائے گی اور وہ بھی ان عدالتوں کے ذریعے جو بجائے خود بد دیانتی سے کام لیتی ھیں ۔ چنانچہ بہت سی جمہوریتیں تباہ و برباد ھو گئیں تو اسی وجہ سے ۔ لہٰذا حکومت کی آمدنی کم ھے تو مجالس عامہ (٨) ، علیٰ ھذا عدالتوں (٩) میں بھی کمی کر دینا چاھئے ۔ البتہ ان کے اختیارات بہت زیادہ وسیع کر دئے جائیں اور نشستیں چند روزہ ۔ اس لئے کہ دولتمندں کو ان میں

---

٦ - گویا وہ بھی اتنا ھی جرمانہ ادا کریں گے—مترجم

٧ - جرمانے کی—مترجم

٨ - یعنی ان کا انعقاد—مترجم

٩ - مطلب ھے اجلاس—مترجم

شرکت کا اگرچه کوئی معاوضه نہیں ملے گا مگر انہیں یه ڈر بھی تو نہیں رہےگا که ان کا خرچ بڑھ گیا ہے (۱۰) ۔ غریبوں کو البته معاوضه ملے گا (۱۱) اور اس طرح جو فیصله ہوگا وہ بھی بہتر ہوگا (۱۲) اس لئے که جن لوگوں کے پاس دولت ہے وہ اپنے معاملات کو زیادہ دیر تک تو ملتوی رکھیں گے نہیں ۔ ہاں چند دنوں کے لئے ایسا کرسکیں گے (۱۳)۔ البته اگر محاصل کافی ہیں جب بھی وہ راسته اختیار نہیں کرنا چاہئے جو بحالت موجودہ عوامی رہنماؤں نے اختیار کر رکھا ہے ، بلکه اس سے مختلف ۔ بحالت موجودہ تو وہ آمدنی کی زائد رقم غریبوں میں تقسیم کر دیتے ہیں جو انہیں ایک دفعه مل جائے تو پھر ان کی خواہش ہوتی ہے که ہمیشه ملتی رہے ، حالانکه اگر یه سلسله جاری رہا تو اس کی مثال ویسی ہوگی جیسے یه که آپ چھلنی میں پانی ڈالتے رہیں ۔ لہٰذا جو کوئی جمہوریت کا بہی خواہ ہے اسے یه خیال رکھنا چاہئے که عوام کی اکثریت بہت زیادہ تنگ دست نه ہو جائے ۔ اس لئے که تنگ دستی ہی حکومت میں لوٹ مار کا سب سے بڑا سبب ہے ۔ عوام کو ہمیشه خوش حال رکھنا چاہئے اور یه وہ بات ہے جس میں دولتمندوں کا بھی فائدہ ہے ۔ اس لئے بہتر ہوگا ریاست کی آمدنی سے جتنی بھی رقم بچتی ہے الگ محفوظ رہے اور پھر اسے غریبوں میں تقسیم کر دیا

۱۰ ۔ یه ڈر که مجالس کے انعقاد میں جو اخراجات برداشت کرنا پڑینگے ان کا بوجھ ان پر پڑے گا۔۔۔مترجم

۱۱ ۔ لہٰذا وہ اس میں شرکت کرینگے۔۔۔مترجم

۱۲ ۔ عدالتوں میں۔۔۔مترجم

۱۳ ۔ اس لئے که امرا شاذ ہی اس میں حصه لیں گے — مترجم

جائے مگر حتی الوسع اتنی مقدار میں جس سے ہر کوئی ایک چھوٹا سا کھیت خرید سکے ، یا اگر یہ ممکن نہیں تو پھر یہ رقم اتنی تو ضرور ہو کہ اپنے اپنے پیشے یا کاشتکاری کے اوزار ہی مہیا کر لیں ۔ لیکن اگر یہ اندوختہ اتنا بھی نہیں ہے جس سے ہر کسی کو ایک ہی وقت میں خاص رقم مل سکے تو پھر اس کی تقسیم قبیلہ وار ، یا کسی دوسرے طریق پر عمل میں آنی چاہئے ۔ رہا ضروری خدمات کا معاوضہ سو اسے امرا ادا کریں (۱۴) البتہ یہ نہ ہو کہ بیکار تفریحوں کا بار بھی انہیں پر پڑے (۱۵)۔ چنانچہ قرطاجنہ میں ان امور کے لئے کچھ ایسا ہی طریق اختیار کیا گیا تھا تاکہ لوگ خوش رہیں ۔ انہیں نو آبادیوں میں بھیج دیا جاتا تھا جہاں وہ بہت کچھ حاصل کر لیتے (۱۶) ۔ دراصل امیر اگر سمجھدار ہیں اور طبیعت کے بھی فیاض تو ان کے لئے یہی مناسب ہے کہ غریبوں میں تفرقہ نہ ڈالیں ۔ بلکہ ان کی ضروریات پوری کرتے رہیں اور انہیں کام میں بھی لگائے رکھیں ۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر بہتر ہے (۱۷) اہل ٹارنٹم کے نقش قدم پر چلیں ۔

۱۴ ۔ یعنی مصارف حکومت کا — مترجم ۔

۱۵ ۔ یہ دراصل وہی تجویز ہے جسے آج کل کی زبان میں فلاح عامہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور مقصد یہ کہ لوگوں کی اعانت میں کوئی تعمیری قدم اٹھایا جائے یعنی بجائے وقتاً فوقتاً ان کی امداد کے اتنے سرمائے کا انتظام جس سے آئندہ زندگی میں وہ کوئی کام کاج کر سکیں — مترجم

۱۶ ۔ معلوم ہوتا ہے یا تو انہیں صوبجاتی شہروں میں کوئی عہدہ دے دیا جاتا تھا یا سرکار کی طرف سے کچھ معاوضہ ملتا تھا — مترجم

۱۷ ۔ ارسطو چاہتا ہے فلاح عامہ کی تجویز پر رضاکارانہ عمل ہوتا رہے — مترجم

انہوں نے غریبوں کو ہر اس چیز میں جن کی انہیں ضرورت تھی شریک کر لیا تھا (۱۸) ۔ لہٰذا وہ ان کے گرویدہ ہو گئے (۱۹) ۔ حکام کے انتخاب میں بھی ان کے یہاں دو طریقے رائج ہیں ۔ کچھ رائے شماری سے چنے جاتے ہیں کچھ قرعہ اندازی سے ۔ آخری طریق اس لئے کہ لوگ سمجھیں وہ بھی ویسے ہی نظم و نسق میں شریک ہیں ۔ پہلا اس لئے کہ ریاست چلتی رہے ۔ لیکن یہ مقصد اس طرح بھی تو پورا ہو سکتا ہے کہ انہیں حکام میں سے بعض رائے شماری سے چنے جائیں ، بعض قرعہ اندازی سے (۲۰) بس اتنا ہی کچھ ہے جو ہم اس سلسلے میں کہ جمہوریتیں کس طرح قائم ہوتی ہیں کہینگے ۔

---

۱۸ - صرف مال و دولت میں۔۔مترجم

۱۹ - اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ارسطو کے نزدیک املاک کا صحیح تصور کیا ہے اور وہ یہ کہ ملکیت ہو تو انفرادی لیکن استعمال اجتماعی۔۔۔مترجم

۲۰ - مطلب یہ ہے کہ ایک ہی قسم کے حکام کی دو جماعتیں ہوں ۔ ایک کا انتخاب رائے شماری سے ہوا کرے ، دوسری کا قرعہ اندازی سے۔۔مترجم

# چھٹا باب

ہم ابھی جو کچھ کہہ رہے تھے اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اعیانیتوں کی بنا کس طرح رکھنی چاہئے۔ اس لئے کہ جس کسی کو اس قسم کی ریاست تیار کرنی ہے اس کے سامنے بطور اس کی ضد کے جمہوریت کا موجود رہنا ضروری ہے تا کہ وہ اعیانیت کی جس نوع کی طرح ڈالے ان اصولوں کی بنا پرڈالے جو اس نوع کی جمہوریت کے بالکل برعکس ہیں۔

اعیانیت کی سب سے اونچی اور بہترین شکل تو ہے جو اس ریاست کے لگ بھگ ہو جسے ہم نے مدنیت کہا ہے (۱) اور جس میں شمارہ بندی کے دو مختلف معیار ہوتے ہیں ایک اونچا ایک نیچا۔ ادنیٰ درجے کے شمارے سے تو ریاست کے معمولی عہدیداروں کا انتخاب کیا جاتا ہے ، اونچے سے اعلیٰ حکام کا۔

---

۱ - ارسطو کہتا ہے اعیانیت کی جو بھی شکل قائم کی جائے اس نوع کی جمہوریت کے بالمقابل جو اس کی ضد ہے - باعتبار منطق تو ارسطو کا یہ خیال درست ہے لیکن عملاً اس نے خود بھی اسے نظر انداز کر دیا ہے - وہ اعیانیت کی جس بہترین شکل کی طرف اشارہ کرتا ہے اسی کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جمہوریت کی بہترین شکل کی ضد ہے - اس لئے کہ وہ اسے قریباً قریباً مدنیت کا ہم پلہ قرار دیتا ہے اور مدنیت ہی کو بہترین جمہوری حکومت کا مماثل بھی ٹھہراتا ہے - اس طرح تو جمہوریت اور اعیانیت کے درمیان تضاد و تخالف کی جائے بڑی حد تک مشابہت پیدا ہو جاتی ہے — مترجم

مطلب یہ ہے کہ جو بھی شمارہ ہے اسے عملداری میں تھوڑا بہت حصہ ضرور ملے ۔ البتہ اس کا نظم و نسق ایسا ہو کہ عامۃالناس میں جو لوگ اس میں شریک ہیں ان لوگوں سے آگے نہ بڑھ سکیں جو اس میں شریک نہیں ۔ یہ اس لئے کہ امور عامہ کا نظم و نسق انہیں لوگوں کے ھاتھ میں رھنا چاھئے جن کا انتخاب اچھے لوگوں سے کیا جائے ۔ اس سے کم درجے کی اعیانیت کا دارومدار بھی کچھ ایسے ھی اصولوں پر ہے ۔ رھی وہ اعیانیت جو گویا جمہوریت کی پوری ضد ہے اور قریباً قریباً خاندانی حکومت ، علیٰ ھذا استبدادیت کی ھم پلہ وہ چونکہ ویسے بھی اس کی بدترین شکل ہے للہذا اسے قائم رکھنے کے لئے بڑے حزم و احتیاط کی ضرورت ھوگی ۔ بات یہ ہے کہ جسم اگر مضبوط اور صحت مند ہے یا جہاز کے ملاح اچھے اور فی الواقعہ سفر کے قابل ھیں تو وہ طرح طرح کی آفتوں کے باوجود تباہ نہیں ھو گا ۔ برعکس اس کے اگر جسم نحیف ہے ، یا جہاز چو رھا ہے اور اس کے ملاح بھی اچھے نہیں تو معمولی سا نقصان بھی برداشت نہیں کر سکے گا ۔ للہذا جن حکومتوں کی اساس ھی غلط ہے ان کے لئے بڑی چوکسی کی ضرورت ہے۔ پھر جس طرح جمہوریتوں کے قیام کا انحصار لوگوں کی تعداد پر ہے اس لئے کہ وہ ان حقوق کو تسلیم ھی نہیں کرتیں جن کی بنا مراتب پر ہے ایسے ھی اعیانیت کے حفظ و استحکام کا دارومدار بھی اس بات پر ہے کہ مراتب جماعت کا نظم و انضباط مناسب طریق پر ھوتا رہے (۲) ۔

---

۲ ۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ عہدوں کی تقسیم متناسب عدل کے اصول پر کرنی چاھئے جس کا معیار ہے ھر شخص کی ذاتی قابلیت ۔ متن زیر ترجمہ کی عبارت صاف نہیں—مترجم

# ساتواں باب

کسان ، دستکار ، تاجر اور نوکر چاکر زیادہ تر یہی چار قسمیں ھیں جن پر عوام مشتمل ھونگے مگر پھر جن لوگوں کا پیشہ ھی لڑنا ھے ان کے بھی چار ھی حصے ھیں یعنی سوار ، بھاری اسلحہ بند اور ھلکے اسلحہ بند سپاھی اور جہاز ران ۔ للہذا جو علاقہ اس قابل ھے۔ کہ بکثرت اسپ پروری کرسکے وھاں بآسانی ایک طاقتور اعیانیت قائم کی جاسکتی ھے (۱) اور اسکے باشندوں کی حفاظت بھی یونہی ممکن ھے ۔ البتہ یہ ضرور ھے کہ سواروں کے اخراجات وھی لوگ پورا کرینگے جو بہت کافی مال دار ھیں ۔ رھا بھاری اسلحہ بند سپاھیوں کا معاملہ (۲) سو ان کی بدولت جو اعیانیت قائم ھوگی وہ اول‌الذکر سے دوسرے درجے پر ھوگی ۔ اس لئے کہ بھاری اسلحہ بند سپاھی غریبوں کی نسبت زیادہ صاحب حیثیت ھوتے ھیں۔ رھے ھلکے اسلحہ بند

---

۱ - فصل چہارم میں ارسطو اس امر سے بحث کر چکا ھے کہ دستوری اور حربی معاملات میں باھم کیا تعلق ھے - یہاں پھر اس نے جماعتی امتیازات کا سلسلہ جنگی صلاحیتوں سے جوڑ دیا ھے - مطلب یہ ظاھر کرنا ھے کہ یہ دونوں پہلو کس طرح ساتھ ساتھ نشو و نما پاتے ھیں اور اس لئے وہ سب عوامل جو اجتماعی ، یا حربی ، یا دستوری معاملات میں کام کرتے ھیں باھم دگر متعلق ھیں - ایک دوسرے سے بے تعلق نہیں —مترجم

۲ - یعنی پیدل فوج پر مشتمل اور بہت سے اسلحہ سے مسلحہ اس لئے زیادہ مال دار—مترجم

سپاہی اور جہاز راں سو ان میں بالعموم جمہوریت ہی قائم ہوگی جسکی وجہ یہ ہے کہ اگر کہیں ان کی تعداد زیادہ ہے اور وہاں بغاوت ہوئی تو لڑائی کی صورت میں دوسروں ہی کا نقصان ہوگا(۳)۔ مگر اس شر کا تدارک یوں بھی تو ہو سکتا ہے کہ سپہ سالار بڑے ماہر ہوں۔ اندریں صورت وہ ہلکے اسلحہ بند سپاہیوں کا کچھ حصہ سواروں اور بھاری اسلحہ بند سپاہیوں سے ملائے رکھینگے (۴) اس لئے کہ بغاوت رونما ہو جائے تو یہی لوگ ہیں جن کی مدد سے دولتمندوں پر فتح حاصل کی جا سکتی ہے۔ ہلکے اسلحہ کے باعث وہ سواروں اور بھاری اسلحہ بند سپاہیوں کا مقابلہ کامیابی سے کر سکیں گے ۔ لٰہذا جو اعیانیت اس قسم کے سپاہیوں کا کوئی لشکر تیار کرتی ہے وہ گویا اسے اپنے خلاف تیار کرتی ہے۔ پھر جو بھی ریاست ہے اس کے باشندوں کا سن و سال ایک سا تو ہوتا نہیں، کچھ جوان ہوتے ہیں ، کچھ بوڑھے ۔ اس لئے ہر باپ کا فرض ہے کہ بیٹوں کو بچپن ہی میں کوئی ہلکی اور

---

۳ - اس لئے کہ لوگ ہمیشہ جمہوریت کی حمایت کرینگے۔۔مترجم

۴ - ارسطو کا یہ مطلب نہیں کہ اس اصول پر سختی سے عمل کیا جائے - اس کا کہنا یہ ہے کہ اونچے طبقے کے نوجوانوں کی تربیت بھی جن کو زیادہ تر سواروں یا بھاری اسلحہ بند پیادہ فوج میں بھرتی کیا جاتا ہے ہلکے اسلحہ بند پیادہ سپاہیوں کی طرح کرنی چاہئے تاکہ خانہ جنگی کی صورت میں وہ اپنے ساتھیوں کی مدد کر سکیں ۔ اس طرح یہ خطرہ بھی جاتا رہے گا کہ ہلکی اسلحہ بند پیادہ فوج صرف ادنیٰ طبقات پر مشتمل رہے ۔ لیکن پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ سوار اور بھاری اسلحہ بند فوج صرف اوپر کے طبقوں پر مشتمل ہو ۔۔۔۔مترجم

آسان سی ورزش سکھا دے تاکہ بڑے ھوکر وہ ھر قسم کے جنگی کرتب بخوبی سیکھ لیں (۵) ۔ حکومت کے اندر بھی ھر شخص کا حصہ (۶) یا تو جیسا کہ ھم پہلے کہہ آئے شمارہ بندی کے مطابق ھونا چاھئے یا ثیبی کی طرح کہ جو کوئی اپنا پیشہ ترک کر دے وہ کچھ مدت کے لئے اس کا حقدار ھو جائے ، یا جیسے مسالیہ (۷) میں دستور تھا کہ شہری ھوں یا اجنبی ان کا انتخاب ذاتی قابلیت پر ھوا کرے۔ رھے صف اول کے حکام جن کا وجود ریاست کے لئے ضروری ھے (۸) ان کے متعلق صاف صاف کہہ دینا چاھئے کہ ان کا فرض ھے ریاست کی خدمات سرانجام دیں (۹) تاکہ عوام میں اس قسم کی ملازمتیں حاصل کرنے کی خواھش پیدا نہ ھو۔ انہیں اس بات پر بھی آمادہ کرنا چاھئے کہ لوگوں سے بہ لطف و احسان پیش آئیں تاکہ وہ سمجھیں انہیں جو اعزازات حاصل ھیں ان کے لئے کیا کچھ کرنا پڑتا ھے - پھر جب وہ اپنا عہدہ سنبھالیں تو بڑی

---

۵ - یعنی ھلکے اسلحہ بند سواروں کے فرائض سرانجام دے سکیں —مترجم

۶ - اس باب کی ابتدا میں تو ارسطو کا دائرہ بحث صرف جنگی مسائل تک محدود تھا لیکن پھر اس کی توجہ دستوری مصالح کی جانب منعطف ھو گئی—مترجم

۷ - Massalia دوسرا املا Massilia جو زیادہ صحیح ھے - موجودہ مارسیئے (مارسیلز) —مترجم

۸ - اس سے پہلے ارسطو یہ خیال ظاھر کر آیا ھے کہ اعلیٰ عہدے صرف ان اشخاص کو ملنا چاھئے جو فی‌الواقعہ ان کے اھل ھیں—مترجم

۹ - بلا معاوضہ—مترجم

بڑی قربانیاں کریں(۱۰) اور لوگوں کے لئے کوئی عمارت بھی بنوائیں ۔ وہ جب یہ دیکھینگے کہ مندروں اور تعمیرات عامہ میں تحفے تحائف کے باعث شہر کا حسن و زیبائش بڑھ رہا ہے تو حکومت کی پائداری پر خوش ہونگے ۔ پھر اس میں مزید فائدہ یہ بھی ہے کہ امرا کی فیاضیاں قلمبند کی جایا کریں گی ۔ لیکن بحالت موجودہ تو اعیانیتوں کا طریق کار یہ نہیں ہے ۔ ان کی زمام جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ کسی اور ہی راستے پر چل رہے ہیں اس لئے کہ انہیں عزت اور عہدوں کی اتنی خوشی نہیں ہے جتنی مالی منفعت کی۔ لہذا بہتر ہوگا ہم اس قسم کی اعیانیتوں کو چھوٹی چھوٹی جمہوریتوں سے تعبیر کریں ۔ بہر حال ہم نے اصولوں کی صراحت کردی ہے جن کی بنا پر کوئی جمہوریت یا اعیانیت قائم کی جا سکتی ہے ۔

---

۱۰ ۔ تاکہ لوگ ان کو خیر و برکت کا ذریعہ سمجھیں—مترجم

# آٹھواں باب

اب تک جو کچھ کہا جا رہا تھا (۱) اس کے بعد ہمیں جس بات کو بالخصوص بیان کرنا ہے اس کا تعلق حکام سے ہے ۔ ہمیں دیکھنا ہے حاکم کیسے ہوں ، ان کی تعداد کیا ہونی چاہئے، غرض و غایت کیا ۔ پھر جس طرح ہم اس سے پہلے کہہ آئے ہیں (۲)

---

۱ - اس بارے میں کہ اعیانیتوں اور جمہوریتوں کی تشکیل کیسے ہو—مترجم

۲ - اس سے پہلے یعنی فصل چہارم ، باب پانزدہم میں ارسطو نے اس بحث میں دو نقطہ‌ہائے نظر اختیار کئے ہیں حالانکہ ان میں باہم کوئی تعلق نہیں ۔ شروع میں ارسطو نے جو نقطہ نظر اختیار کیا تھا بڑا خشک اور محض تحلیل و تجزیہ پر مبنی تھا لیکن اب اس نے جو نقطہ نظر اختیار کیا ہے زیادہ ٹھوس ، زیادہ عملی اور حقائق پر مبنی ہے ۔ اب اس نے حاکمانہ عہدوں کو جس طرح الگ الگ اصناف میں تقسیم کیا ہے اس میں یونانی ریاستوں کے طرز عمل کا لحاظ بھی رکھ لیا ہے ۔ پھر وہ ان وظائف کو جن کا تعلق جنگی امور سے ہے ان وظائف سے الگ کر دیتا ہے جو ملکی امور سے متعلق ہیں ۔ یونانی ریاستوں میں یہی اصول مروج تھا ، بالخصوص جمہوریتوں میں ۔ یونانی ریاستوں ہی کے اتباع میں وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جو عہدیدار اپنے عہدوں سے سبکدوش ہوں ان کے حسابات کی جانچ پڑتال کے لئے کچھ حکام مقرر کر دئے جائیں ، علیٰ ھذا یہ کہ جو بھی معاملہ ہو اس کی ابتدا

باقی صفحہ ۵۸۳ پر

بعض حاکم وہ ہوتے ہیں جن کا وجود ناگزیر ہے اس لئے کہ ناممکن ہے بغیر ان کے کوئی ریاست قائم رہ سکے، بعض وہ جن پر گویا اس کے وقار اور حسن انتظام کا دارومدار ہے ۔ اب اگر ریاست چھوٹی ہے تو حکام کی تعداد بھی کم ہوگی ، بڑی ہے تو زیادہ (۳) ۔ مگر پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ جاننا بھی تو ضروری ہے کہ وہ کون سے عہدے ہیں جن کو باہم ملایا جا سکتا ہے اور کون سے جن کو الگ رکھنا چاہئے۔ اس سلسلے میں پہلی چیز تو یہ ہے کہ منڈیوں کا مناسب بندوبست کیا جائے۔ اس کے لئے ایک ایسے حاکم کا تقرر ضروری ہوگا جو معاہدوں کی نگرانی کے ساتھ ساتھ ان کا نظم و ضبط بھی قائم رکھے ۔ بات یہ ہے کہ خریدار اور فروشندے تو لازماً ہر شہر میں موجود ہوں گے تاکہ ایک دوسرے کی ضروریات بہم پہنچاتے رہیں اور یہ وہ چیز ہے جس سے بڑھ کر اور کسی چیز سے زندگی میں آرام و آسائش پیدا نہیں ہوتا ، حتیٰ کہ

---

بقیہ حاشیہ ۵۸۲

مجلس یا مجالس ہی کی طرف سے کی جائے - لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہاں ارسطو نے حاکمانہ عہدوں کا جو نقشہ کھینچا ہے یہ وہی ہے جو یونانی اعیانیتوں اور جمہوریتوں بالخصوص (جمہوریتوں) میں رائج تھا - یوں بھی جمہوری اور اعیانی دساتیر حکومت کی تیاری کے لئے ارسطو نے جو طریقے اس سے پہلے تجویز کئے ہیں ان کا تقاضا تھا کہ وہ کچھ ایسی ہی تجاویز پیش کرتا—مترجم

۳ - ملاحظہ ہو فصل چہارم ۱۵ واں باب — مترجم

لوگ باہم مل جل کر رہتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے شاید اسی لئے (۴) ۔ اسکے بعد دوسری خیال رکھنے کی چیز جس کو اول الذکر سے قریبی تعلق ہے یہ ہوگی کہ شہر کی نجی اور غیر نجی دونوں قسم کی عمارتوں پر نظر رکھی جائے ، تاکہ وہ اسکے حسن اور زیبائش کا ذریعہ بنیں ۔ ایسے ہی ان عمارتوں کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے جن کے متعلق ڈر ہے شائد گر جائینگی ۔ سڑکوں اور شاہراہوں کی مرمت بھی مناسب طریق پر ہوتی رہنی چاہئے اور اس امر کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ زمینوں کے درمیان حد بندی قائم رہے تاکہ ایسا نہ ہو محض اس بنا پر کوئی جھگڑا کھڑا کر دیا جائے ۔ پھر بہتر ہو گا اس طرح کے دوسرے معاملات بھی نظرانداز نہ ہوں (۵) ہم ان کو مختلف شاخوں میں تقسیم کرسکتے ہیں حتیٰ کہ جن شہروں کی آبادی زیادہ ہے وہاں ان کا انتظام بھی الگ الگ اشخاص کے ہاتھ میں دیا جا سکتا ہے ۔ مثلاً کوئی عمارت کی نگرانی کرے ، کوئی فواروں اور کوئی بندرگاہوں کی ۔ ہم اس قسم کے اشخاص کو ناظران شہر کہا کرتے ہیں ۔ تیسری چیز جو بڑی حد تک موخرالذکر سے مشابہ ہے اور ویسے بھی جملہ امور پر حاوی (۶) ، الا یہ کہ ان کا تعلق اندرون شہر سے نہیں وہ یہ کہ

---

۴ - کسی ایسے سیاسی اجتماع کے لئے جس میں کسی مخصوص نصب العین کے ماتحت زندگی بسر کی جائے ۔ ملاحظہ ہو فصل اول دوسرا باب—مترجم

۵ - جن کی بنا پر کوئی نہ کوئی جھگڑا پیدا ہوتا رہتا ہے ۔ مثلاً یونہی کہ اگر مکانوں کی حد بندی ٹھیک نہیں ہوئی تو لوگوں میں نزاع پیدا ہو جائے گا—مترجم

۶ - کیونکہ اس کا تعلق بھی غیر منقولہ جائیداد سے ہے—مترجم

هم دیکھتے رهیں بیرون شہر میں کیا هو رها هے (۷) هم ان عہدیداروں کو جنہیں اس کام پر لگایا جاتا هے ناظران اراضی یا ناظران جنگلات کہا کرتے هیں ۔ البتہ ان تینوں قسم کے حکام کے فرائض کی نوعیت یکساں هوا کرتی هے ۔ محاصل عامہ کی وصولی کے لئے بھی ایک الگ عہدیدار هونا چاهئے تاکہ وہ ان کی تقسیم ان لوگوں میں کر سکے جو ریاست کے مختلف محکموں میں کام کر رهے هیں ۔ اسے محصل کہا جاتا هے، یا کنسٹر (۸)۔ پھر ایک عہدیدار ایسا بھی هونا چاهئے کہ جیسا کوئی نجی معاهدہ یا جیسی بھی عدالت کی طرف سے کسی کو سزا دی گئی هے اس کا اندراج اس کے سامنے هوا کرے ، علیٰ هذا جملہ کاروائیوں اور اعلانات کا (۹) ۔ بعض اوقات اس عہدے کی تقسیم بہت سے اشخاص میں کر دی جاتی هے مگر اس طرح کہ ان میں سے ایک بہر حال دوسروں کا نگران رهے (۱۰) ۔ اس قسم کے عہدیداروں کا نام پر اکٹر، یا نوٹری (۱۱) یا کچھ ایسا هی رکھا جاتا هے ۔ مگر پھر ان کے بعد ایک ایسے عہدیدار کی ضرورت بھی تو هوگی جس کا کام دوسروں سے

---

۷ - بیرونی شہر سے مطلب هے شہر کے ارد گرد کی اراضیات ۔ یاد رهے یونانی ریاستوں میں هر ریاست (شہر) ایک هی شہر پر مشتمل تھی - ملاحظہ هو مقدمہ—مترجم

۸ - Quester

۹ - یعنی نجی معاهدوں اور عدالت کے فیصلوں کو—مترجم

۱۰ - مطلب یہ هے کہ ان کی تقسیم متعدد محکموں میں کر دی جاتی هے گو یہ سب محکمے هوتے ایک هی شخص کے ماتحت هیں—مترجم

۱۱ - Notary. Procter یعنی خزانچی— مترجم

زیادہ اہم بھی ہوگا اور مشکل بھی یعنی اس امر کا اہتمام کہ جن مجرموں کے لئے یہ حکم صادر ہو چکا ہے کہ انہیں موت کی سزا دی جائے وہ اس کی تعمیل کرے ، جیسے یہ بھی دیکھتا رہے کہ جس کسی کو جرمانے کی سزا ملی ہے اس نے جرمانہ ادا کیا ہے یا نہیں (۱۲) اور پھر ان لوگوں کی جو قید خانے میں ہیں نگرانی بھی کرے ۔ یہ کام بڑا ناگوار ہے کیونکہ اس میں انسان کو خواہ مخواہ برا بننا پڑتا ہے لہٰذا اسے کوئی سرانجام نہیں دے گا جب تک اسے بہت زیادہ نفع حاصل نہ ہو ، یا اگر دے گا تو پھر اس کا عمل قانون کے مطابق نہیں ہوگا ۔ بایں ہمہ یہ عہدہ ہے ضروری ۔ اس لئے کہ قانوناً مقدمات میں صرف فیصلے ہی کا سنا دینا کافی نہیں ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کی تعمیل بھی کی جائے ، ورنہ ناممکن ہے معاشرے کی ہستی قائم رہ سکے ۔ لٰہذا بہتر ہوگا اس عہدے کے فرائض کوئی ایک شخص سر انجام نہ دے بلکہ اسے سرانجام دیں تو دوسری عدالتوں کے حکام بھی باہم ملکر (۱۳) ۔ اس امر کی نگہداشت بھی ضروری ہے کہ حاکمان عدالت نے جس کسی کو جرمانہ کیا تھا کیا وصول بھی ہو گیا ہے ؟ جمع شدہ جرمانے مختلف اشخاص میں تقسیم کر دینا چاہئے ۔ پھر چونکہ مختلف حاکم مختلف مقدمات سنیں گے تو کیوں نہ نوجوانوں کے مقدمات نوجوان سنیں ۔ رہے وہ مقدمات جن کی سماعت پہلے سے جاری ہے اس میں ایک شخص ایسا بھی ہونا چاہئے جو سزا

---

۱۲ - جرمانوں کا اشارہ یہاں ان رقموں کی طرف ہے جو لوگوں کی طرف سے ریاست کو واجب الادا ہوں — مترجم

۱۳ - کیونکہ اس طرح ان پر الزام نہیں آئے گا ۔ لوگ سمجھیں گے وہ کسی کی رعایت نہیں کر رہے — مترجم

دے سکے ۔ دوسرا وہ جو اسکی تعمیل کرے ۔ مثلاً جس حاکم کے ذمے تعمیرات عامہ کی نگرانی ہے وہی ان سزاؤں کی تعمیل کرے جو ناظران بازار نے تجویز کی ھیں ۔ یہی کچھ دوسرے معاملات میں کرنا چاھئے ۔ بات یہ ہے کہ ایسا کیا گیا تو جو لوگ سزاؤں کی تعمیل کرائینگے ان کی بہت کم مذمت کی جائے گی ۔ علاوہ اس کے ان کی تعمیل بھی آسانی کے ساتھ اور پورے طور پر ہو سکے گی ۔ بر عکس اس کے اگر وہی اشخاص جنہوں نے کسی کو سزا دی ہے اس کی تعمیل بھی کرنے لگے تو لوگ بالعموم ان سے متنفر ہو جائیں گے اور پھر اگر صورت حالات یہ ہوئی کہ ان کی سزاؤں سے کوئی نہ بچا تو ہر کوئی انہیں اپنا دشمن تصور کرے گا ۔ یہی وجہ ہے جس کے پیش نظر کوئی تو قیدیوں کو اپنی حراست میں رکھتا ہے ، کوئی یہ دیکھتا ہے کہ انہیں جو سزا دی گئی ہے اس کی تعمیل ہوگئی ، جیسا کہ اثینیہ میں گیارہ کیا کرتے تھے (۱۴) ۔ لہذا مصلحت اسی میں ہے کہ ان عہدوں کو ایک دوسرے سے جدا رکھا جائے اور ان پر توجہ بھی ویسی ہی کی جائے جیسے کسی اور چیز پر جس کا ہم اس سے پہلے ذکر کر آئے ھیں(۱۵) ۔ اب جو لوگ کردار کے پکے ھیں وہ تو یقیناً کوئی عہدہ قبول نہیں کرینگے اور یہ ٹھیک نہیں ہوگا کہ ہم ان کو نا اہلوں کے سپرد کردیں ۔ وہ دوسروں کی نگرانی کیا کریں گے جب ان کو

---

۱۴ ۔ لیکن ان گیارہ اشخاص کے سپرد ایک فریضہ یہ بھی تھا کہ سزائے موت کی تعمیل ان کی نگرانی میں کی جائے ۔ ثانیاً قیدی بھی انہیں کی حراست میں رہیں —مترجم

۱۵ ۔ سطور بالا میں — مترجم

خود ھی نگرانی کی ضرورت ہے ۔ لہٰذا بہتر ہوگا اس عہدے کو دوسروں سے الگ نہ رکھا جائے (۱۶) نہ کسی شخص کے ذمے کیا جائے ۔ بلکہ نوجوانوں کے ۔ پھر جہاں کہیں محافظین شہر (۱۷) موجود ھیں وہاں یہ فرائض نوجوان ھی باری باری سے سرانجام دیں(۱۸) ۔ یہ تو ہوئے وہ ضروری حاکم(۱۹) جن کا ذکر سب سے پہلے آنا چاہئے تھا ۔ ان کے بعد دوسرے ھیں اور ایسے ھی ضروری مگر ان سے بھی کہیں اونچے ، لہٰذا ان کے لئے ایسے انسانوں کی ضرورت ہوگی جو بڑے ذھین اور وفاشعار ہوں ۔ اس لئے کہ انہیں شہر کی حفاظت کرنا ہے اور ہر اس شے کا انتظام بھی جس کی جنگ کے لئے ضرورت ہے ۔ پھر صلح ہو یا جنگ ان کا فرض ہے شہر پناہ اور اس کے دروازوں کی نگہبانی کریں اور دیکھتے رہیں کہ شہری جمع ہوتے اور سپاھی بننا سیکھ رہے ھیں (۲۰) بعض صورتوں میں ان کے علاوہ اور بھی کئی عہدوں کی ضرورت ہوتی ہے ، بعض دفعہ کم ۔ چنانچہ چھوٹے چھوٹے شہروں میں تو ایک ھی شخص ہوتا ہے جسے سپہ سالار یا

۱۶ ۔ مطلب یہ ہے کہ اس عہدے کو متعدد اشخاص کی ایک جماعت کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور ان کا تقرر بھی خاص اسی غرض کے لئے عمل میں آئے ۔ یا پھر اس کے لئے ایک مستقل مجلس قائم کر دی جائے—مترجم

۱۷ ۔ جیسے آجکل شرطہ (پولیس)—مترجم

۱۸ ۔ یعنی کبھی تو یہ فرائض ایسے نوجوان سر انجام دیں جنہیں کچھ سپاھیانہ اور کچھ پولیس کی تربیت حاصل ہے اور کبھی حکام کی کوئی مجلس—مترجم

۱۹ ۔ گو سب سے اونچے—مترجم

۲۰ ۔ یعنی ان کو فوجی کرتب سکھائیں—مترجم

یا سر عسکر کہتے ہیں(۲۱) - البتہ جہاں کہیں سوار ، ھلکے اسلحہ بند سپاھی ، تیر انداز اور ملاح (۲۲) بھی موجود ہیں وھاں بالعموم ان کے الگ الگ سالار ھوا کرتے ہیں اور پھر ان کے ماتحت ھر حصے کے الگ الگ (۲۳) ، حتیٰ کہ سب ملکر ایک لشکر بن جاتے ہیں - اس محکمے کے متعلق اب ھمیں اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں- پھر اگرچہ سب کا نہیں بعض حکام کا تعلق چونکہ مال عامہ سے ھوتا ہے لہٰذا ان کے لئے کچھ اور عہدیدار بھی ھونا چاھئے جن کے فرائض اس سے زیادہ نہ ھوں کہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس کا حساب رکھیں ، یا اگر کہیں بد انتظامی پیدا ھو رھی ہے تو اس کا ازالہ کردیں - مگر پھر ان سب حکام کے علاوہ ایک ایسا حاکم بھی ھوگا جو مال عامہ اور ضرائب کا خرچ اپنے ھاتھ میں رکھے گا(۲۴) - اب اگر اقتدار اعلیٰ لوگوں کے پاس ہے تو وہ ان کے صدر کا کام دیگا (۲۵) - اس لئے کہ ایسا کوئی حاکم ضرور ھونا چاھئے جسے یہ اختیار ھو کہ انہیں طلب کر سکے اور سر ریاست بن کر صدارت کے فرائض سر انجام دے - اس قسم کے حکام کو بعض اوقات مشیر اول

---

۲۱ - بری فوج کے ــ مترجم

۲۲ - یعنی جہاں کہیں بحری فوج بھی موجود ہے ــ مترجم

۲۳ - گویا امیرالبحر سرداران لشکر اور ان کے ماتحت عہدیدار ــ مترجم

۲۴ - مطلب ہے وہ عہدیدار جو مالیات کے سارے محکمہ کی نگرانی کرتا ہے ــ مترجم

۲۵ - اس لئے کہ وہ جملہ امور ریاست کی نگرانی کرتا ہے - چنانچہ بعض ریاستوں میں اس کو دو گونہ اختیارات حاصل تھے، معاملات کو پیش کرتے علیٰ ھذا ان کو سرانجام دینے کا ــ مترجم

کہا جاتا ھے لیکن اگر ان کی تعداد زیادہ ھے تو مجلس شوریٰ(۲۶) ۔ یہ سب تو وہ حکام ھوئے جن کا تعلق امور مدنی سے ھے اور جن کا وجود گویا حکومت کے لئے ناگریز ھے ۔ مگر ان کے علاوہ بعض ایسے افراد بھی تو ھیں جن کے فرائض کا تعلق صرف مذھب سے ھوتا ھے (۲۷) ۔ مثلاً پروھت (۲۸) اور مندروں کے نگہبان تاکہ ان کی سرمت ھوتی رھے اور اگر گر جائیں تو ان کو پھر سے تعمیر کردیا جائے ۔ ان کا کام ھے ھر اس چیز کی نگرانی کرنا جس کا تعلق پوجا پاٹ سے ھے(۲۹) ۔

---

۲۶ ۔ مشیران اول کے لئے ملاحظہ ھو فصل چہارم ، چودھواں باب ۔ اس عبارت سے تو یہ مترشح ھوتا ھے کہ جس ریاست میں مجلس شوریٰ تو موجود ھے لیکن اس کے ارکان کا انتخاب جمہور سے نہیں ھوتا وھاں ایک ایسی ابتدائی مجلس کا ھونا ضروری ھے جو اس امر کا فیصلہ کرے کہ مجلس شوریٰ میں کون کون سے معاملات پیش کئے جائیں گے ۔ البتہ اگر کہیں دونوں قسم کی مجلسیں موجود ھیں اور مجلس شوریٰ ھی یہ طے کریگی کہ مجلس عامہ میں کون کون سے معاملات پیش کئے جائیں وھاں اس قسم کے مشیروں کی ضرورت نہیں ھوگی ——مترجم

۲۷ - یعنی جن دیوتاؤں کا تعلق اجتماعی امور سے ھے ان کی پرستش سے جو مراسم وابستہ ھیں ان کی دیکھ بھال کے لئے——مترجم

۲۸ - کاھن یعنی مذھبی پیشوا——مترجم

۲۹ - لٰہذا اسے متعدد عہدیداروں کے ذمے کر دیا جائے گا جیسا کہ آگے چل کو اشارہ کیا گیا ھے مثلاً وہ عہدیدار جو قربانیوں کی نگرانی کریں گے ۔ مقدس عمارتوں کے محافظین اور مذھبی جائیداد (اوقاف) کے نگران——مترجم

یہ فریضہ کبھی تو ایک ھی شخص کے ذمے کر دیا جاتا ھے جیسا کہ چھوٹے چھوٹے شہروں میں دستور ھے ، کبھی متعدد اشخاص کے لیکن اسطرح کہ ان میں اور مذھبی پیشواؤں میں باھم امتیاز قائم رھے ۔ مثال کے طور پر وہ جو مقدس عمارتیں تعمیر کرتے یا وہ جو ان کے محافظ ھیں(۳۰) یا وہ جن کا کام یہ ھے کہ مذھبی محاصل وصول کریں(۳۱) ۔ ان کے بعد وہ عہدیدار ھیں جو اس لئے مقرر کئے جاتے ھیں کہ ریاست کے دیوتا کے نام پر جو قربانیاں کی جاتی ھیں ان کی نگرانی کریں اور جن کو مختلف ریاستوں میں مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ھے(۳۲) ۔ اب اگر ان سب حکام کے مختلف عہدوں کو جن کا وجود ضروری ھے مختصراً شمار کیا جائے تو ان

---

۳۰ - ھر ریاست کی ایک قربان گاہ ھوتی اور وہ بھی ایک خاص مقام پر ایک عمارت کے ساتھ جسے قربان گاہ کی دیوی کی نذر کر دیا جاتا اور جہاں دستور یہ تھا کہ اس کے اعزاز میں ھمیشہ آگ جلتی رھے - یہاں جو حکام مقرر کئے جاتے ان کا رھنا سہنا اور کھانا پینا بھی مشترک ھوتا
—مترجم

۳۱ - ان رقموں کی طرف اشارہ ھے جو قربان گاھوں پر چڑھائی جاتی ھیں
—مترجم

۳۲ - کہیں آرکن اور کہیں بادشاہ کے نام سے حتیٰ کہ یہ لقب بادشاھت کے خاتمے پر بھی باقی رھتا (البتہ اس صورت میں لفظ بادشاھت کی نوعیت مذھبی ھو جاتی) - پرانے زمانے میں تو بادشاہ بادشاہ بھی ھوتے اور کاھن بھی - چنانچہ قدیم بادشاھوں کے لئے ایک قدیم اصطلاح کاھن بادشاہ بھی ھے - مثلاً شاھان بابل کے لئے—مترجم

کا تعق یا تو مذھب سے ھوگا (۳۳) ، یا جنگ یا ضرائب یا اخراجات یا منڈیوں یا تعمیرات عامہ یا بندرگاھوں یا شاھراھوں سے عدالتوں میں اس قسم کے منشیوں کی ضرورت ھوگی جو نجی معاھدوں کا اندراج کریں ، قیدیوں کے لئے محافظوں کی - پھر ان کی جو اس بات کا ذمہ لیں گے کہ ھر قانون کی تعمیل ھوتی رھیگی اور شوریٰ کا عمل بھی جاری رھیگا - ایسے ھی ان کی جو ان لوگوں کے طرز عمل کی نگرانی کریں گے جن کا کام مقدمات کا فیصلہ کرنا ھے - پھر جس کسی سے امور عامہ میں مشورہ طلب کیا جاتا ھے اس کا شمار بھی حاکموں ھی میں کرنا چاھئے البتہ جو ریاستیں بالخصوص خوش حال ھیں اور جن کے پاس اتنا وقت ھے کہ ھر چھوٹے بڑے معاملے پر نگاہ رکھیں اور حسن انتظام میں ذرا سا فرق بھی نہ آنے دیں وھاں بعض مخصوص حکام کی ضروررت ھوگی - مثلاً ان کی جو عورتوں کی نگرانی اور بچوں کی دیکھ بھال کریں اور ان کی تعلیم کا انتظام بھی اپنے ھاتھ میں لیں اور جن میں ان کا اضافہ بھی کر لینا چاھئے جو ورزشی مقابلوں اور تماشا گاھوں ، یا ھر ایسی بات پر نظر رکھیں گے جس میں لوگ حصہ لیتے ھیں - ان میں سے بعض کی عزت تو ھر کہیں نہیں ھوگی - مثلاً عورتوں کے

---

۳۳ - یہ ایک دوسری بنا ھے جس پر ارسطو عہدوں کی تقسیم کر رھا ھے ، حالانکہ شروع میں وہ ان کی قسمیں ایک دوسرے لحاظ سے گنوا رھا تھا یعنی باعتبار اپنی اھمیت کے - لیکن اب ان کو چار زمروں میں تقسیم کرتا ھے یعنی جیسا جیسا کام ھے اسکی حیثیت سے اور یہ چار زمرے ھیں (۱) مذھب ، جنگ اور مالیات (۲) مقامی امور (۳) عدالتی کاروائیاں اور (۴) شوریٰ—مترجم

نگرانوں کی اس لئے کہ غریب مجبور ھیں کہ غلام نہ تو اپنے بیوی بچوں ھی سے محنت مزدوری کا کام لیں(۳۴) ۔ پھر ان کے علاوہ وہ حاکم بھی ھیں جن کو بعض ریاستیں اعلیٰ اختیارات سپرد کر دیتی ھیں یعنی محافظین قانون ، مشیران اول اور عماید (۳۵) ۔ محافظین قانون کا وجود تو امارت کے لئے مفید رھیگا مشیران اول کا اعیانیت لیکن عمائدین کا جمہوریت کے لئے ۔ یہ ھیں مختصراً وہ باتیں جن کا تعلق حکام سے ھے (۳۶) ۔

---

۳۴ - اس عبارت سے صاف ظاھر ھوتا ھے کہ یونانی جمہوریت کو امارت سے تعبیر کرنا غلط ھے اس لئے کہ وھاں سب کے نہیں تو زیادہ تر شہریوں کے پاس ایک یا متعدد غلام ضرور ھوتے - پھر جب ارسطو یہ کہتا ھے غریبوں کے پاس کوئی غلام نہیں ھوگا تو اس صورت میں بھی جواباً کہا جا سکتا کہ جمہوریت کے معنی ھی یہ ھیں کہ اس میں کثرت غریبوں کی ھو جیسا کہ ارسطو نے خود بھی بار بار زور دیا ھے—مترجم

۳۵ - یعنی ارکان مجالس—مترجم

۳۶ - اس باب کا خاتمہ دفعتاً ھوگیا ھے ۔ للهذا بعض نسخوں میں اس کا انداز کچھ ایسا ھے جیسے عبارت کا کوئی حصہ چھوٹ گیا ھو—مترجم

فصل ہفتم

# پہلا باب

اب جس کسی کو یہ دیکھنا ہے کہ بہترین حکومت کیا ہوتی ہے اسے چاہئے سب سے پہلے یہ سوچ لے زندگی کی پسندیدہ ترین شکل کیا ہوگی(۱) ۔ اس لئے کہ جب تک یہ طے نہیں ہوتا(۲) یہ طے

---

۱ - فصل سوم میں بھی ارسطو اس خیال کا اظہار کر آیا ہے اور پھر آگے چل کر فصل چہارم ، باب یازدھم میں اس کا تکرار جن الفاظ میں کیا گیا ہے ان کا مفاد یہ ہے کہ دستور کا مطلب ہے وہ مخصوص طرز زندگی جو کسی ریاست کا شہری اختیار کرے ۔ لہٰذا یہ طرز زندگی ایسا ہونا چاہئے جسے ریاست کے سب شہری بہترین قرار دیں ——مترجم

۲ - لیکن جس پر اعتراضاً کہا گیا ہے کہ اگر یہ طے ہے کہ بہترین حکومت جب ہی قائم ہو سکتی ہے جب یہ طے ہو کہ بہترین طرز زندگی کیا ہے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ جب تک یہ طے نہیں ہوگا بہترین زندگی کیا ہے بہترین حکومت قائم نہیں ہو سکتی ۔ بالخصوص اس صورت میں جب ارسطو بار بار یہ کہتا ہے کہ بہترین دستور وہی ہے جو فی الواقعہ بہترین ہو ۔ وہ نہیں جسے لوگ بہترین کہیں ، یا سمجھیں کہ بحالت موجودہ یہی دستور سب سے بہتر ہے ۔ در اصل ایک مثالی دستور جب ہی ممکن ہے جب ایک مثالی معاشرہ قائم ہو جائے اور حالات بھی مساعد ہوں ۔ لیکن اگر معاشرہ ہی ناقص ہے، یا اس میں طرح طرح کے عناصر شامل ہیں تو اس صورت میں نا ممکن ہے ایک مثالی دستور قائم ہو سکے ——مترجم

کرنا مشکل ہے کہ بہترین حکومت کیا ہو سکتی ہے۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی ناگہانی آفت نہ آجائے تو جن لوگوں کے یہاں بہترین حکومت قائم ہے وہ جیسے بھی حالات ہوں گے ان کے مطابق انتہائی خوش بختی اور سعادت کی زندگی بسر کرتے ہوں گے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے اول یہ جاننے کی کوشش کریں کہ وہ کون سا طریق زندگی ہے جس کا ہر کوئی خواہش مند ہے اور پھر یہ کہ آیا اس قسم کی زندگی فرد اور شہری دونوں کے لئے ایک سی ہوگی (۳)، یا مختلف؟ ہم نے اس بحث میں عام لوگوں سے جو گفتگوئیں(۴) کی ہیں ان میں بخوبی واضح کر چکے ہے کہ بہترین زندگی کیا ہوتی ہے۔ لہٰذا مناسب ہوگا ہم اپنے یہ خیالات یہاں پھر سے جمع کر دیں اس لئے کہ ہماری تقسیم پر آج تک کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ تقسیم یہ ہے کہ خیر کو چونکہ انسان ہی سے نسبت دی جائیگی لہٰذا اس کے تین پہلو ہیں۔ ایک وہ جس کا تعلق خارج سے ہے، دوسرے کا جسم، تیسرے کا روح سے۔ اب ظاہر ہے انسان کو سعادت میسر آئیگی تو جب ہی کہ یہ تینوں پہلو اس میں حصہ لیں(۵) اس لئے کہ جس کسی میں برداشت کا

---

۳۔ یعنی انسان کے لئے بحیثیت فرد اور شہری بالفاظ دیگر انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے—مترجم

۴۔ ملاحظہ ہو فصل سوم، باب ششم جہاں پہلے بھی ان مکالمات کی طرف اشارا کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے اس باب کا باقی حصہ انہیں مکالمات کے کسی حصے کا ملخص ہے۔ یہ بارکر کی رائے ہے—مترجم

۵۔ لفظ سعادت سے اس یونانی لفظ کا صحیح مفہوم ادا نہیں ہوتا جو

باقی صفحہ ۵۹۶ پر

مادہ نہیں ہے نہ اقتصاد ، عدالت اور حکمت کا(٦) جو اپنے گرد اڑتی ہوئی مکھیوں سے بھی خوف کھاتا ہے اور بھوک پیاس ہو تو بڑی سے بڑی چوری سے بھی دریغ نہیں کرتا بلکہ ایک کوڑی تک کے لالچ میں اپنے عزیز سے عزیز دوست کو بھی قتل کر دیتا ہے ، جو کسی لحاظ سے دیکھئے عقل و فہم میں ایسا ہی کورا ہے جیسے کوئی بچہ یا احمق تو اسے کون خوش بخت کہیگا ۔ یہ سب باتیں اتنی ٹھیک ہیں کہ ان سے ہر کسی کو اتفاق ہوگا ۔

---

بقیہ حاشیہ ۵۹۵

ارسطو نے استعمال کیا ہے - یعنی 'مکاریوس' جو 'یوڈیموں' سے بھی جسے ارسطو ان معنوں میں اکثر استعمال کرتا ہے زیدہ واضح ہے ۔ مکاریوس عبارت ہے اس انتہائی مسرت سے جو انسانی کو بہترین ذہن ، بہترین جسم اور بہترین اصول زندگی سے بہم پہنچتی ہے ۔

مترجم نے یہاں انگریزی لفظ happiness کے لئے جو گویا مکاریوس کا ترجمہ ہے مگر جس سے اس کا صحیح مفہوم ادا نہیں ہوتا (بارکر میں felicity جو زیادہ صحیح ہے) لفظ سعادت استعمال کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ خوش بختی بھی (مکاریوس سعادت اور خوش بختی کی زندگی ہے جس میں انسان کی ذاتی کوشش کے ساتھ عطا بھی شامل ہے) - راقم الحروف لفظ مسرت بھی استعمال کر سکتا تھا جو یقیناً مکاریوس میں شامل ہے، لیکن سعادت زیادہ جامع اصطلاح ہے - یوں بھی اس کی روح اخلاقی ہے اور یہی ارسطو کا مطلب بھی ہے ـــــ مترجم

٦ - یہ وہ چار فضائل ہیں جن کا اس وقت یونان میں چرچا تھا در اصل وہ ایک ہی عمل کی چار انتہائیں ہیں - ایک انتہا پر شجاعت ہے، اعتدال ، عدالت اور حکمت ۔ دوسری انتہا پر بزدلی، بے اعتدالی ، نا انصافی ، حماقت - ہمارے علمائے اخلاق نے ان فضائل کو علی الترتیب فضائل عفت ، عدالت ، شجاعت اور حکمت سے تعبیر کیا تھا ۔ لہذا مترجم نے کہیں کہیں اعتدال کے لئے میانہ روی اور عفت اور اقتصاد کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں ـــــ مترجم

اختلاف ہوگا تو صرف اس میں کہ کس حد اور کس درجہ تک ۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کسی کا خیال ہوکہ اگر کسی میں تھوڑی سی نیکی بھی موجود ہے تو وہ خوش رہ سکتا ہے ۔ لیکن انسان تو یہی چاہتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے مال و دولت ، طاقت ، عزت اور اس قسم کی دوسری چیزوں کے حصول میں برابر آگے بڑھتا رہے ، حالانکہ یہ ثابت کرنا کچھ مشکل نہیں اور تجربہ بھی یہی کہتا کہ جن چیزوں کی نوعیت خارجی ہے وہ فضائل پیدا نہیں کرتیں ، بلکہ فضائل ان کو پیدا کرتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ سعادت اور خوش بختی کی زندگی ہے کیا ؟ اس کا تعلق مسرت سے ہے یا فضائل یا مسرت اور فضائل دونوں سے ؟ سو یہ امر یقینی ہے کہ جن لوگوں کے اخلاق نہایت درجہ پاکیزہ ہیں اور جن کے فہم و دانش کی تربیت بھی بہترین شکل میں ہوئی وہ نسبتاً اس سے زیادہ بہرہ ور ہونگے خواہ مال و دولت میں ان کا حصہ معمولی ہو یعنی بمقابلہ ان کے جن کے پاس مال و دولت تو بہت ہے لیکن اخلاق اور فہم و دانش کم ۔ لہذا جو کوئی اس امر پر غور کریگا ان کی سودمندی کا قائل ہو جائے گا اس لئے کہ جس شے کی نوعیت خارجی ہے اس کی ایک حد ضرور ہوگی(۷) ۔ مثلاً کل کی (۸) اور اس لئے اگر کوئی شے مفید ہے تو اسکی زیادتی لازماً مضرت رساں ہوگی ، یا اگر ایسا نہیں تو جس کسی کی ملکیت ہے وہ اس سے کوئی نفع حاصل نہیں کریگا

---

۷ ۔ آگے چل کر ارسطو اس اصول کو زیادہ واضح طور پر بیان کرے گا ملاحظہ ہو باب چہارم —مترجم

۸ ۔ لہذا وہ ایک حد تک ہی کام دے سکتی ہے اس سے آگے نہ مالک کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے ، نہ نقصان —مترجم

برعکس اسکے روح میں جو صفات پائی جاتی ھیں ان کا درجہ جتنا بھی بڑھتا چلا جائے گا اتنا ھی اس کا افادہ بھی بشرطیکہ ھم اس افادے کو افادہ بھی کہہ سکیں اور شرف بھی(۹) ۔ پھر جب یہ بھی ظاھر ھے کہ ایک شے کا عرض دوسری شے کے عرض کی جگہ لے سکتا ھے(۱۰) جیسے وہ اشیا جن کے یہ عرض ھیں باعتبار قدر و قیمت ایک دوسرے سے مختلف ھونگی تو یہ بھی کہ اگر روح کو بہ نسبت کسی خارجی شے مثلاً جسم کے زیادہ شرف حاصل ھے ، خود اپنی ذات اور ھمارے لئے بھی تو لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ دونوں کے بہترین اعراض میں بھی یہی مماثلت قائم رھیگی ۔ بات یہ ھے کہ ھمیں ان چیزوں کی طلب ھوتی ھے تو روح کے لئے جیسا کہ داناؤں کا شیوہ ھے یہ نہیں کہ ھم روح کو ان کے لئے طلب کریں ، لہٰذا مان لینا چاھئے کہ جیسی جیسی کسی شخص میں فضیلت اور دانائی ھے اور جیسا جیسا وہ ان کے مطابق عمل کرتا ھے اتنا ھی سعادت اور خوش بختی سے بہرہ ور ھوگا ۔ چنانچہ اس سلسلے میں خود خدا کی مثال ھمارے سامنے ھے جسے کامل سعادت حاصل ھے ، کسی ایسی خیر کے

---

۹ - شرف سے مراد شرف یا فضیلت ذات ھے یعنی کوئی ایسی بات جسے ھم اس لئے اچھا سمجھیں کہ انسان اس کی قدر و منزلت پر مجبور ھے ۔ یہاں ارسطو کے ذھن میں در اصل افادے اور قدر دونوں کا خیال کام کر رھا ھے ۔ گویا جن چیزوں کا تعلق روح سے ھے ھم آجکل کے محاورے میں انہیں قدرین بھی کہینگے اور باعث افادہ بھی — مترجم

۱۰ - یہ عبارت ذرا مغلق ھے ۔ اسے یوں سمجھئے کہ ایک شے ھے 'الف' ۔ اس کی بہترین حالت کو ب سے وھی نسبت ھوگی جو بطور شے الف کو ب سے — مترجم

کے باعث نہیں جو خارج سے آئی ہے بلکہ جس کا سر چشمہ اس کی اپنی ذات ہے ، اس لئے کہ اسکی فطرت ہی یہی ہے - دراصل قسمت کا اچھا ہونا اور چیز ہے اور سعادت کچھ اور ، کیونکہ جس خیر کا دارو مدار نفس انسانی پر نہیں اس کا تعلق یا تو اتفاق سے ہوگا یا خوش قسمتی سے - برعکس اسکے کسی شخص کا دانا یا عادل ہونا خوش قسمتی پر موقوف نہیں(۱۱) - لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شہر بہترین ہے اور اس کا عمل بھی بہترین تو اسے انتہائی سعادت اور خوش بختی حاصل ہے(۱۲) برعکس اس کے جس شخص کا عمل اچھا نہیں وہ اچھائی کا اہل کیسے ہو سکتا ہے ؟ ہم اس انسان یا اس شہر کے کسی فعل کی تعریف کیسے

---

۱۱ - کیونکہ اس چیز کو انسان خود اپنے عمل سے حاصل کرتا ہے یہ نہیں کہ احوال کی مساعدت یا مساعدت سے حاصل ہو جائے—مترجم

۱۲ - عمل کا اشارہ ایک تو اس طرف ہے کہ حالات موافق ہوں اس لئے وہ کامیاب ہوجائے - ثانیاً اس طرف کہ اس کا کردار ٹھیک رہے اور وہ اس بات پر عمل بھی کرے جو فی الواقعہ ٹھیک ہے - گویا اگر ہمارا عمل اچھا ہے تو لوگ بھی ہم سے اچھا سلوک کریں گے لہذا ہم کہیں گے سعادت نتیجہ ہے خیر کا - یہی وجہ ہے کہ ارسطو نے سعادت کا رشتہ ہمیشہ خیر سے جوڑا - وہ کہتا ہے یہ صرف افلاطون تھا جس نے پہلی مرتبہ اپنے قول و فعل اور تصنیفات دونوں میں واضح طور پر دکھلایا کہ خیر اور سعادت توام ہیں - بعض دوسرے اشعار میں بھی (ان اشعار میں جو ارسطو نے افلاطون کی تعریف میں لکھے ہیں) اس نے اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے - مثلاً اس کا یہ کہنا کہ خیر سے نفس انسانی ایک ایسی فصل کاٹتا ہے جو ہمیشہ برقرار رہتی ہے ، جو سیم و زر سے بھی بہتر ہے ، آبا و اجداد اور میٹھی نیند سے بھی—مترجم

کر سکتے ہیں جو فضائل سے کام لیتا ہے نہ دانائی سے - اس لئے کہ جہاں تک کسی فرد کے اندر عدالت ، حکمت اور عفت کا مادہ موجود ہے اسی حد تک یہ سب فضائل شہر میں بھی موجود ہونگے (١٣)۔

یہاں تک تو ہوئی ہماری تمہید ، اس لئے کہ سردست اس موضوع میں ہم یہی کچھ کہہ سکتے تھے - اسکی پوری پوری تحقیق اس لئے ناممکن ہے کہ اس کا تعلق ایک دوسرے ہی مسئلے سے ہے - لہٰذا ہمیں فرض کر لینا چاہئے کہ ایک انسان کے لئے انتہائی سعادت کی زندگی ، خواہ وہ فرد ہو ، یا شہری فضیلت کی زندگی ہے اور وہ بھی ان سب نعمتوں کے ساتھ جو معمولاً فضائل ہی کی بدولت حاصل ہوتی ہیں (١٤) - یہی وجہ ہے کہ اگر کچھ لوگ

---

١٣ - یہاں ارسطو کی اس عبارت پر اس طرح بھی رائے زنی کی گئی ہے کہ جس طرح سعادت کا حصول جب ہی ممکن ہے کہ انسان کو اخلاق اور ذہنی دونوں قسم کے فضائل حاصل ہوں اور وہ ان پر عمل بھی کرے ، بعینہ ریاست کو سعادت اور خوش بختی حاصل ہوگی تو جب ہی کہ اسے فضائل اخلاق اور فضائل نفس دونوں سے بہرہ ملے اور وہ ان پر عمل بھی کرے ، اس لئے کہ فرد کی سعادت جن فضائل سے وابستہ ہے یہی فضائل ریاست کے لئے بھی ضروری ہیں - ارسطو کا نظریہ چونکہ یہ ہے کہ جتنا کسی کے اندر خیر کا مادہ زیادہ ہوگا اتنی ہی اسے سعادت بھی حاصل ہوگی - لہٰذا یہی اصول وہ ریاست کے متعلق بھی قائم کرتا ہے - گویا ارسطو کے نزدیک ریاست کی سعادت افراد کی سعادت سے الگ نہیں - دونوں ایک ہیں—مترجم

١٤ - ارسطو کی نظر میں عمل کو بڑی اہمیت حاصل ہے - خیر کا مطلب ہے نیک عمل اور نیک فطرت - لہٰذا خیر پر عمل کرنا مقصود ہے تو اس کے لئے مادی اعتبار سے بھی ایک خاص قسم کی تیاری

باقی صفحہ ٦٠١ پر

ایسے بھی ھیں جنہیں ھماری بات کا یقین نہیں تو ھم ان کے شکوک آگے چل کر رفع کر دیں گے ۔ سر دست ھم جو کچھ کہیں گے اسی منہاج کے ماتحت جس سے اب تک کام لے رہے ھیں(۱۵) ۔

---

بقیہ حاشیہ ۶۰۰

لازم آئیگی۔ ھم اس کے لئے حسب ضرورت خارجی اشیاء حاصل کریں گے تاکہ فیاضی سے کام لے سکیں ، بلکہ جود و سخا سے ۔ ھمیں اس کے لئے اچھے جسم کی ضرورت ھوگی یعنی صحت اور خوبی کی تاکہ خیر کے ساتھ ھم میں میانہ روی بھی موجود ھو ۔ اخلاقیات میں بھی ارسطو نے یہی خیال ظاھر کیا ھے کہ اخلاق اور فضائل دونوں کے لئے خارجی ساز و سامان ناگزیر ھے ۔ مگر پھر اس تصنیف میں ارسطو نے یہ بھی کہا ھے کہ اگر یہ ساز و سامان میسر نہ آئے جب بھی وہ انسان جسے شرافت سے بہرہ ملا ھے دنیا بھر کی تکلیفیں سکون و اطمینان سے برداشت کرلیتا ھے——مترجم

# دوسرا باب

آئیے اب اس امر پر غور کریں کہ فرد واحد کی سعادت اور شہر کی خوش بختی کیا ایک ہی بات ہے یا دونوں کی حیثیت الگ الگ ہوگی (۱) ؟ اس کا جواب ظاہر ہے (۲) اس لئے کہ اگر دولت ہی وہ ذریعہ ہے جس سے انسان کو خوش بختی اور سعادت حاصل ہوتی ہے تو شہر کی سعادت کا دارومدار بھی مال و دولت پر ہوگا، بشرطیکہ مال و دولت اس کے پاس موجود ہو۔ برعکس اس کے جن لوگوں کا مقصد زندگی یہ ہے کہ دوسروں کو اپنا زیردست رکھیں وہ یوں

---

۱ - پچھلے باب میں ارسطو نے جس امر کی طرف اشارہ کیا تھا یہاں اسے واضح طور پر بیان کر رہا ہے - وہ کہتا ہے اہل سیاست کے نزدیک خواہ ان کے خیالات کچھ بھی ہوں فرد اور جماعت (ریاست) کی سعادت ایک ہی چیز ہے - یہ دوسری بات ہے کہ اہل فکر کے نزدیک اس کا تصور الگ الگ ہو، جیسے خود ارسطو کے - بعض اسے خیر سے تعبیر کرتے ہیں، بعض مال و زر، بعض طاقت سے - بایں ہمہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ جو امر فرد کے لئے باعث سعادت ہے ریاست کی سعادت بھی اس میں مضمر ہے - اسے خیر کہئے، خواہ مال و دولت، خواہ طاقت — مترجم

۲ - اخلاقی امور میں ارسطو نے ہمیشہ اتفاق رائے پر زور دیا ہے - وہ کہتا ہے آخر الامر ہمیں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے جس پر سب متفق ہوں - امور سیاست میں بھی اس نے بار بار اس طرز عمل کی ترغیب دلائی ہے — مترجم

سوچیں گے کہ خوش بختی اور سعادت اسی شہر کا حصہ ہے
جو دوسروں کو اپنا زیردست رکھتا ہے - پھر اگر ہم کسی
شخص کی قدر اس لئے کرتے ہیں کہ اس میں شرف ذات
موجود ہے تو وہ سمجھے گا سعادت اور خوش بختی بھی اسی شہر
کو حاصل ہے جسے اس سے بہرہ ملا ہو - لیکن یہاں دو باتیں
قابل غور ہیں - ایک تو یہ کہ بہتر کیا ہے ؟ کسی سیاسی اجتماع
میں شریک ہونا اور شہریوں کے حقوق حاصل کرنا ، یا ایک اجنبی
کی طرح جسے امور عامہ سے کوئی سروکار نہ ہو الگ تھلگ
پڑے رہنا - علاوہ اس کے ہمیں یہ بھی سوچنا ہے کہ وہ
کیا طرز حکمت ہے جسے دوسروں پر ترجیح ہو گی ، جیسے یہ
کہ وہ کس طرح کا مزاج ہے جسے ریاست کے لئے سب سے
بہتر ٹھہرایا جائے گا (۳) - کیا سارا اجتماع عملداری میں حصہ لے ،

---

۳ - یہاں ارسطو نے اس بحث کو جو رنگ دیا ہے اس کی کسی قدر
وضاحت کر دینی چاہئے - سطور بالا میں تو وہ اس امر پر زور دے رہا
تھا کہ ریاست کی سعادت فرد کی سعادت سے وابستہ ہے اور جس سے
بظاہر یہ شبہ ہوتا تھا کہ ارسطو کے نزدیک فرد کو شاید ریاست
پر ترجیح حاصل ہے - لہٰذا ارسطو نے اس غلط فہمی کا ازالہ اب اس
طرح کردیا ہے کہ فرض کیجئے فرد امور ریاست سے کنارہ کشی
کر لیتا ہے ، یا ترک دنیا کی زندگی بسر کرتا ہے ، اندریں صورت یہ
کہنا کہ اس کی زندگی سعادت کی زندگی ہے غلط ہوگا - لہٰذا
ظاہر ہے ارسطو نے فرد کی ذات کو ریاست پر ترجیح نہیں دی ،
نہ ریاست کا مفاد فرد کے مفاد پر قربان کردیا ہے - البتہ یہاں
ایک دوسری یعنی اس بحث کا آغاز ہو جاتا ہے کہ وہ کیسی ریاست
ہوگی جس میں فرد کے لئے حصول سعادت کے زیادہ سے زیادہ امکانات
باقی صفحہ ۶۰۴ پر

یا اس کا زیادہ حصہ یا بہت کم ؟ اس لئے کہ یہ سارا معاملہ سیاسی غور و فکر اور تحقیق و تفتیش کا ہے ۔ فرد کی ذات سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اس لئے سر دست یہ پہلی ہی بات ہمارے پیش نظر ہے (۴) دوسری کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ۔ در اصل پہلی ہی بات ہے جس کا تعلق اس مقصد سے ہے جو اسی وقت ہمارے سامنے ہے ۔ اب اس امر سے کہ بہترین حکومت وہی ہے جسے اس طرح قائم کیا جائے کہ اس میں ہر کوئی فضائل اور سعادت کی زندگی بسر کر سکے تو ہر کسی کو اتفاق ہو گا ۔ پھر بھی جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ فضائل کی زندگی ہی سب سے بہتر زندگی ہے ان کے دل میں یہ شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ بہتر کیا ہے ۔ مل جل کر عملاً فضائل کی زندگی بسر کرنا، یا اپنی ذات کے علاوہ ہر شے سے بے تعلق ہو کر صرف غور و فکر میں لگے رہنا ؟ اس لئے کہ بعض لوگ کہتے ہیں فلسفی کے لئے تو یہی چیز سب سے زیادہ

---

بقیہ حاشیہ ٦٠٣

ہیں - اس ریاست کا دستور اور عام مزاج کیا ہوگا ؟ مگر پھر ظاہر ہے اس سوال کے جواب میں بھی ہم فرد کی ذات سے قطع نظر نہیں کر سکتے اس لئے کہ اگر کوئی ریاست باعتبار ترکیب و مزاج ایسی ہے کہ اس میں فرد کو حصول سعادت کا سب سے زیادہ موقع مل رہا ہے تو اس کا تقاضا قدرتاً یہ ہوگا کہ فرد سیاست سے کنارہ کشی اختیار نہ کرے ، بلکہ اس کی سرگرمیوں میں حصہ لے ـــ مترجم

۴ - یعنی جس کی ہم تحقیق کرنا چاہتے ہیں - لیکن یاد رہے تحقیق کے لئے ارسطو نے یونانی زبان کا جو لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد ہے موضوع تصنیف - بالفاظ دیگر وہ موضوع جسے ہم تحریر میں لانا اور باقاعدہ شکل میں پیش کرنا چاہتے ہیں ـــ مترجم

قابل قدر ہے - یوں بھی جن لوگوں کو فضائل اخلاق میں سب سے زیادہ بہرہ ملا ہے وہ ان دونوں میں سے کوئی ایک ہی زندگی اختیار کرینگے، یعنی جماعت کی زندگی یا فلسفہ کی(۵) - بایں ہمہ یہ معلوم کر لینا نہایت ضروری ہے کہ ان دونوں میں کون سی بات ٹھیک ہے (۶) - اس لئے کہ ایک سمجھدار انسان تو وہی راستہ اختیار کرے گا جو زیادہ بہتر ہے ، فرد کی حیثیت سے اور شہری کی حیثیت سے بھی (۷) - پھر ایسے بھی تو کچھ لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ دوسروں پر

---

۵ - فلسفی کی زندگی، یعنی ترک دنیا یا اہل سیاست سے الگ تھلگ رہنے کی زندگی جیسا کہ اہل یونان کا خیال تھا - بات یہ ہے کہ مذہب یعنی وثنیت کی جو شکل اہل یونان میں رائج تھی اس کے باوجود یہ صرف فلسفی تھے جو مکروہات زندگی سے الگ تھلگ رہتے ہوئے اپنا وقت غور و فکر اور کسب اخلاق میں صرف کرتے تھے - گویا یونانیوں کے نزدیک ایک طرز زندگی اہل سیاست کا تھا جسے شاید اخلاق عالیہ اور فضائل سے براہ -راست کوئی تعلق نہیں تھا - دوسرا ارباب فلسفہ کا جو خیر اور حق کے جویا اور آرزومند تھے - لہٰذا عصر حاضر میں ریاست اور کلیسا کے درمیان جو تفریق کی گئی اس میں اس روایت کو بھی تھوڑا بہت دخل ضرور ہے —مترجم

۶ - ترک و انزوا ، یا امور سلطنت میں حصہ لینے کی زندگی—مترجم

۷ - ارسطو یہاں پھر اس بحث میں الجھ گیا ہے کہ فرد کے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ طرز زندگی کیا ہے ، گو پہلی سطور میں اس نے بظاہر اس بحث سے کنارہ کشی کر لی تھی - دراصل اسے یہ معلوم کرنا ہے کہ ریاست کے لئے بہترین طرز زندگی کیا ہوگا اور اس لئے وہ کسطرح کا دستور سیاست ہے جو اس زندگی کا مقتضا

باقی صفحہ ۶۰۶ پر

مستبدانہ حکومت کرنا تو ظلم اور ناانصافی کی انتہا ہے (۸) لیکن سیاسی اعتبار سے دیکھا جائے تو حکومت بجائے خود ظلم یا ناانصافی نہیں ہے (۹) ۔ حالانکہ اس صورت میں بھی زندگی کے سود و بہبود اور مسرتوں پر ایک روک قائم ہو جاتی ہے (۱۰) اس کے برعکس دوسروں کی رائے یہ ہے کہ انسان کے لئے اگر کوئی راستہ ہے تو یہی کہ جماعت کی زندگی میں عملاً حصہ لے ۔ اس لئے کہ جو لوگ الگ تھلگ زندگی بسر کرتے ھیں وہ ان لوگوں کی نسبت جو امور ریاست میں شریک رہتے ھیں کسی اخلاقی فضیلت پر کاربند نہیں ہو سکتے ۔ یہ تو ہوئے ان کے تاثرات ۔ دوسرے اس کے خلاف

---

بقیہ حاشیہ ٦٠٥

ہے - فرد کا ذکر یہاں یونہی آ گیا ہے، ورنہ اس سارے باب میں ارسطو کی نظر اس امر پر ہے ریاست کی توجہ تمام تر دوسری ریاستوں کے مقابلے میں غلبہ و تفوق کے حقوق کے حصول پر رہنی چاہئے—مترجم

۸ - دوسروں پر مستبدانہ حکومت یعنی ریاستوں پر—مترجم

۹ - متن زیر ترجمہ کی عبارت کسی قدر غیر واضح ہے دوسرے متون مثلاً بارکر کے حوالے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے یہ نہ انہیں دوسری ریاستوں پر بھی ظلم و استبداد ناپسند ہے اور وہ اپنے یہاں بھی مطلق العنان طرز حکومت کو ناانصافی سے تعبیر کرتے ھیں ، کیونکہ اس طرح خود ان کی خوش بختی پر ایک روک تھام قائم ہو جاتی ہے—مترجم

۱۰ - ارسطو کا کہنا یہ ہے کہ اگر دوسری ریاستوں کے خلاف اس طرح کی روش کو ظلم اور ناانصافی سے تعبیر نہ کیا جائے جب بھی اس ریاست کے لئے جو اس قسم کا طرز عمل اختیار کرتی ہے لازماً یہی نتیجہ مترتب ہوگا—مترجم

یہ کہتے ہیں کہ ایک مستبدانہ اور مطلق العنان طرز حکومت ہی سب سے بہتر ہے، کیونکہ آزاد ریاستوں میں بھی قانون کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اپنے ہمسایوں کے خلاف استبداد سے کام لیں۔ لہذا سیاسی ادارات کے سامنے خواہ وہ کہیں بھی ہوں عام طور پر یہی ایک مقصد ہوتا ہے کہ دوسروں کو اپنا مفتوح بنائیں اور ان پر حکومت کریں (۱۱) جیسے اسپارٹا اور قریطش کے قوانین، علیٰ هذا وہ اپنے بچوں کو جس طرح کی تعلیم دیتے ہیں اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا کوئی مقصد ہے تو یہی کہ اپنے بچوں کو سپاہی بنائیں۔ یوں بھی جن قوموں کو طاقت اور قوت حاصل ہے اور جنہوں نے دوسروں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے ان کی عزت کی جاتی ہے تو اسی بنا پر۔ مثلاً اہل سیتھیا، اہل ایران، اہل تھریس اور ساکنان گال (۱۲) کی۔ پھر ان میں بعض کے یہاں تو ایسے قوانین بھی ہیں جن سے شجاعت

---

۱۱ - ارسطو کا اشارہ یہاں ان دو مختلف خیال جماعتوں کی طرف ہے جن میں ایک کا زور عدالت اور اقتصاد پر ہے، دوسری کا حصول شان و شوکت پر - اقتصاد پسندوں کی رائے تو یہ ہوگی کہ بہترین دستور حکومت وہ ہے جس سے فرد کو جماعت میں رہتے ہوئے بھی انتہائی سعادت کی زندگی حاصل ہو اور جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس قسم کی ریاست کے شہری اپنی ساری توجہ اندرونی معاملات پر رکھیں - دوسروں کے نزدیک اس امر پر کہ ہمسایہ ریاستوں پر تغلب حاصل کیا جائے، تاکہ وہ ان کی طاقت کا لوہا مانیں - پہلی صورت داخلی سیاست میں سر گرمی سے حصہ لینے کی ہے، دوسری خارجی سیاست میں تاکہ فتوحات اور کشور کشائی کا آغاز ہو——مترجم

۱۲ - Gaul کیلٹ نسل کی طرف اشارا ہے - موجودہ فرانس کو کبھی گال ہی کہا جاتا تھا——مترجم

کی فضیلت میں اضافہ ہوتا ہے ۔ چنانچہ کہا جاتا ہے قرطاجنہ میں ہر کسی کو اجازت تھی کہ اس ۔ جتنی مہموں میں حصہ لیا ہے امتیازاً اتنی ہی انگشتریاں پہن لے (۱۳) ۔ مقدونیہ میں بھی قانون ہے کہ جس کسی نے خود کسی دشمن کو قتل نہیں کیا وہ رسی استعمال کرے (۱۴) ۔ اہل سیتھیا کے یہاں بھی دستور تھا کہ جب میلوں میں ساغر گردش کرے گا تو جس کسی نے دشمن کو قتل نہیں کیا اس کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوگا (۱۵) ۔ اہل آئبیریا بھی جو ایک بڑی جنگجو قوم ہیں جب کسی شخص کو دفن کرتے ہیں تو اس کے مقبرے پر اتنے ہی ستون بنا دیتے ہیں جتنے دشمنوں کو اس نے قتل کیا ہو (۱۶) ۔ گویا مختلف قوموں میں اسی قسم کی مختلف چیزوں کا رواج ہے بعض کا قانوناً بعض کا رسماً ۔ پھر یہ تو شاید ایک بے معنی سی بات ہوگی اگر وہ لوگ جو اس بحث میں حصہ لے رہے ہیں یہ بھی دریافت کریں کہ مقنن کا کیا یہ بھی فرض ہے کہ جن ذرائع سے کوئی ریاست اپنے ہمسایوں کو محکوم رکھتی اور جبر تعدی سے کام لیتی ہے ان کی طرف بھی اشارا کرتا رہے ، خواہ وہ اسے پسند کریں یا نا پسند ۔ حالانکہ مدبرین ریاست ہوں یا مقنن جو بات غیر قانونی ہے اس سے انہیں کیا تعلق (۱۷) ۔ پھر جو بات انصاف کی بنا پر نہیں کی جاتی ،

---

۱۳ - دوسرے نسخوں میں بازو بند۔مترجم

۱۴ - بجائے پیٹی کے۔مترجم

۱۵ - ساغر سے مراد ہے ساغر محبت۔مترجم

۱۶ - نکیلے پتھروں سے اور قبر کے ارد گرد۔مترجم

۱۷ - مطلب ہے وہ چیز مدبر ریاست اور مقنن کے لئے بھی جائز نہیں ہوگی۔مترجم

نا انصافی کی بنا پر کی جاتی ہے وہ قانون کے مطابق کیسے ہو سکتی ہے (۱۸) ؟ اس لئے کہ ہو سکتا ہے کوئی فتح نا انصافی سے حاصل کر لی جائے (۱۹) ۔ جہاں تک فنون کا تعلق ہے ان میں بھی تو ایسا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا (۲۰) اس لئے کہ طبیب ہو یا ناخدا کسی کا یہ کام نہیں کہ دوسروں کو بہ تحریص یا بہ مجبوری کسی بات پر آمادہ کرے ۔ مثلاً طبیب بیماروں اور ناخدا مسافروں کو ۔ لیکن پھر جب اسکے باوجود بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مستبد حکومت بھی از روئے سیاست حکومت کہلانے کی مستحق ہے(۲۱) تو انہیں شرم نہیں آتی کہ جس بات کو اپنے لئے نامناسب اور انصاف سے دور سمجھتے ہیں اسے دوسروں کے خلاف روا رکھیں(۲۲) ؟

---

۱۸ - یہ عبارت غیر واضح ہے ارسطو کا کہنا یہ ہے کہ جب تک عدالت اور عدم عدالت یا غلط اور صواب کی تحقیق نہ ہو جائے حکومت کا قیام کرنا کیسے ممکن ہے—مترجم

۱۹ - یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ فاتح غلطی پر ہوں—مترجم

۲۰ - فنون کی مثال سے ارسطو اس غلط خیال کا ازالہ کرنا چاہتا ہے کہ تدبیر ریاست یا عام لفظوں میں حکومت یا عملداری محض فن نہیں کہ اس میں جائز اور ناجائز کا سوال پیدا نہ ہو—مترجم

۲۱ - بالفاظ دیگر استبداد کی سیاست میں کوئی جگہ نہیں اگرچہ لوگ اسے ایک قسم کے طرز حکومت سے تعبیر کرتے ہیں—مترجم

۲۲ - دوسروں کا اشارہ یہاں پھر دوسری ریاستوں کی طرف ہے یعنی ان کے خلاف جارحانہ کارروائیوں سے - مطلب یہ کہ جن باتوں کو لوگ اپنے لئے ناروا سمجھتے ہیں دوسروں

باقی صفحہ ٦١٠ پر

وہ خود تو چاہتے ہیں ان پر دانائی سے حکومت کی جائے لیکن اسے کوئی اہمیت نہیں دیتے کہ دوسروں پر بھی کیا دانشمندی سے حکومت کی جا رہی ہے یا نہیں (٢٣) ۔ بہر حال استبداد ایک بے معنی چیز ہے بجز اس کے جہاں فطرت نے ایک کو محکومی اور دوسری کو حکومت کے لئے پیدا کیا ہو ۔ لہٰذا عام طور پر استبداد سے احتراز ہی واجب ہے ، الا یہ کہ بعض لوگوں کے خلاف فی‌الواقعہ اس کی ضرورت ہو ۔ بعینہ جیسے کسی شخص کو نہیں چاہئیے کہ خوراک ہو یا قربانی اس کے لئے انسانوں کو شکار کرے ، بلکہ اسی چیز کو جو سچ مچ اس کے لئے مناسب ہے ، یعنی وحوش کو کیونکہ وہی کھانے کے کام آتے ہیں (٢٤) ۔

اب اگر شہر کی حکومت اچھی ہے تو ہو سکتا ہے اسے خوش بختی

---

بقیہ حاشیہ ٦٠٩

کے خلاف انہیں سے کام لیتے ہیں ۔ یاد رکھنا چاہئیے اس ساری بحث میں ارسطو کی نظر افراد کی بجائے جماعتوں یا ریاستوں پر ہے ۔ پھر جب وہ دوسری ریاستوں پر آقائی حکومت کی مخالفت کرتا ہے تو ایک طرح سے پہلے باب کے اس خیال کو دہرا رہا جس کے ماتحت اس نے یہ کہا تھا کہ مدبر ریاست کو آقا کی نظر سے دیکھنا غلطی ہے ۔ اس کا یہ کام نہیں کہ آقا کی طرح غلاموں پر حکومت کرے ——مترجم

٢٣ - دانشمندی سے یعنی از روئے عدل و انصاف جو سیاست کا سنگ بنیاد ہے ——مترجم

٢٤ - فلسفیانہ نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ کائنات کا غائی تصور ہے جس کی رو سے ہر شے کی زندگی کسی مقصد یا غایت کے تابع ہے ۔ مزید یہ کہ انسان کے علاوہ جو بھی مخلوق ہے اسے انسان کا تابع پیدا کیا گیا ——مترجم

اور سعادت بھی خوب خوب حاصل ہو اسلئے کہ اس کا نظام قانون بھی اچھا ہوگا (۲۵) ، خواہ باعتبار محل وقوع وہ کسی دوسری ریاست سے ملحق بھی ہے یا نہیں اور اس کا دستور بھی جنگ کے لئے تیار کیا گیا ، نہ فتوحات کے لئے۔ اس لئے کہ وہاں ایسا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوگا (۲۶) ۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ جنگ وہ چیز ہے جس کی ہم تعریف تو کر سکتے ہیں لیکن جو مقصد آخری نہیں ہے بلکہ اسے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ۔ گویا ایک اچھے مقنن کا فرض ہے کہ اسکا تعلق جس ریاست سے ہے اس کا پورے طور پر جائزہ لے اور دیکھے وہاں لوگوں کی طبیعت کا کیا رنگ ہے ، وہ ایک اچھی زندگی میں شریک ہو سکتے ہیں تو کس طرح جیسے یہ کہ اس سے کس قسم کی سعادت اور خوش بختی حاصل ہوگی (۲۷) چنانچہ قوانین اور رسم و رواج میں اختلاف پایا جاتا ہے تو اسی لئے ۔ قانون ساز کا یہ بھی فرض ہے کہ اگر اس کے آس پاس کچھ ریاستیں قائم ہیں تو اس بات پر نظر رکھے کہ ان کے خلاف قدم اٹھایا جائے گا تو کیسے ، یا اگر حسن سلوک سے کام لینا

---

۲۵ - کیونکہ اس طرح کے شہر میں صبر اور برداشت کی فضیلت عام ہوگی—مترجم

۲۶ - جو اگر کبھی جنگ کریں گے تو حالات سے مجبور ہوکر - لہٰذا اس قسم کی صورت حالات میں جو قانون وضع ہونگے وقتی اور عارضی ہونگے ۔ گویا اس صورت حالات کا تعلق ریاست کے حقیقی اور مستقل مسائل سے نہیں ہوگا - وہ پیدا ہونگے تو اس وقت جب سیاست داخلی یا قانون سازی کے عمل میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو۔ لہٰذا اس طرح ہر مسئلے کی نوعیت بھی جداگانہ ہو جائیگی اور اس سے ویسا ہی اثر مترتب بھی ہوگا—مترجم

ہے تو کیونکر ۔ رہی یہ بات کہ بہترین حکومت کا مقصد آخری کیا ہے اس پر ہم آگے چل کر غور کریں گے (۲۸) ۔

۲۸ ۔ تیرھویں اور چودھویں ابواب میں ــ مترجم

# تیسرا باب

اب ہمارا روئے سخن ان لوگوں سے ہے جنہیں اس بات سے تو اتفاق ہے کہ سب سے زیادہ پسندیدہ زندگی فضائل کی ہے لیکن اختلاف ہے تو اس بارے میں کہ ہم ان کا استعمال کریں گے تو کیسے(۱) ۔ ہمارے سامنے دو فریق ہیں (۲) ایک کے نزدیک تو کیسا بھی سیاسی نظام ہو اس کا سرے سے کوئی جواز ہی نہیں ۔ ان کی رائے میں جو کوئی فی‌الواقعہ آزادی کی زندگی بسر کرتا ہے(۳) اس کی زندگی شہری زندگی

---

۱ - معلوم ہوتا ہے ارسطو کا ذہن پھر ان دو سوالوں کی طرف منتقل ہو گیا ہے جو اس نے پچھلے باب میں اٹھائے تھے ۔ یہ کہ عملی اور سیاسی زندگی کو سب سے زیادہ مستحسن اور پسندیدہ ٹھہرانا چاہئے ، یا غور و فکر اور انفرادی زندگی کو ؟ شروع میں تو ان سوالات سے اس نے اس لئے قطع نظر کر لیا تھا کہ ان کو نوعیت سیاسی نہیں تھی گو اس کے باوجود ان کو سیاست سے بے تعلق بھی نہیں رکھا جا سکتا ۔ لہٰذا ارسطو کو یہاں از سر نو یہ بحث چھیڑنا پڑی—مترجم

۲ - یعنی ایک وہ جو سیاسی اور عملی زندگی کا حامی ہے ، دوسرا وہ جو سیاست سے الگ تھلگ رہتے ہوئے انفرادی زندگی کو ترجیح دیتا ہے—مترجم

۳ - انزوا اور بے تعلقی ۔ لہٰذا امور سیاست سے علیحدگی کی زندگی—مترجم

سے مختلف ہوگی اور باقی سب سے زیادہ پسندیدہ بھی(۴) ۔ دوسرے کہتے ہیں شہری ہی بہترین انسان ہیں حتیٰ کہ اگر کوئی کچھ نہیں کرتا تو وہ اچھا نہیں کرتا(۵) ۔ ان کے نزدیک اسے خوش بختی کہئے یا فضائل کی جد و جہد وہ در اصل ایک ہی چیز ہے ۔ دونوں کچھ ٹھیک کہتے ہیں ، کچھ غلط ۔ مثلاً ان کا یہ کہنا تو ٹھیک ہے کہ ایک آزاد انسان کی زندگی غلام سے بہتر ہے اسلئے کہ غلام بحیثیت غلام کوئی عزت کا کام نہیں کریگا ۔ اس کا کام ہے وہ غلامانہ خدمات سرانجام دینا جن میں فضیلت اخلاق کو مطلق دخل نہیں ہوتا ۔ مگر پھر یہ کہنا بھی تو غلط ہے کہ کوئی بھی حکومت ہو اس کی اطاعت کرنا غلامی کے مترادف ہے، اسلئے کہ آزاد انسانوں کی حکومت اور غلاموں کی حکومت میں اس سے زیادہ فرق نہیں جتنا غلامی اور حریت میں فطری طور پر ہے ۔ یہ فرق کیا ہے اسے ہم اس سے پہلے بیان کر آئے ہیں ۔ ایسے ہی فضائل میں حصہ لینے کی بجائے کچھ نہ کرنا یہ بھی ٹھیک نہیں اسلئے کہ سعادت اور خوش بختی کا تعلق عمل سے ہے اور یہ عادلانہ اور حکیمانہ افعال ہی تو ہیں جن سے کئی ایک اعلیٰ مقاصد حاصل ہوتے ہیں ۔ البتہ ہم اس موضوع پر اس سے پہلے جو کچھ کہہ آئے ہیں اس سے بہت ممکن ہے بعض لوگ یہ سمجھیں کہ حاکمانہ قوت ہی شاید بہترین چیز ہے ۔ اس لئے کہ اس سے انسان کو یہ قدرت حاصل ہوجاتی ہے کہ دوسروں سے

---

۴ ۔ اس لئے کہ بباعث غور و فکر وہ اعلیٰ خیالات میں منہمک رہتا ہے—مترجم

۵ ۔ ملاحظہ ہو باب ماسبق ، حاشیہ اول—مترجم

اپنے مطلب کے کام لے سکے ۔ لہٰذا جس کسی کو یہ اقتدار حاصل ہے وہ اسے کبھی ضائع نہ ہونے دے ۔ بلکہ ممکن ہو تو دوسروں سے بھی چھین لے ۔ چنانچہ باپ کو چاہئے نہ بیٹے کا خیال رکھے، نہ اس سے اعتنا کرے ، نہ بیٹا باپ کا ، نہ دوست دوست کا، اسلئے کہ جو چیز سب سے زیادہ بہتر ہے وہی سب سے زیادہ پسندیدہ ۔ مگر پھر سب سے بہتر تو کسی اجتماع کی شرکت ہے اور اس میں سعادت اور خوش بختی کا حصول(٦) ۔ رہا وہ کچھ جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں سو ممکن ہے یہ بھی ٹھیک ہو مگر اس صورت میں حسب یہ بھی مان لیا جائے کہ جو لوگ لوٹ مار کرتے اور دوسروں کے خلاف تشدد سے کام لیتے ہیں انہیں کو خیر اعلیٰ حاصل ہے۔ لیکن ہم یہ بات کیسے مان سکتے ہیں۔ یہ تو محض خیال ہی خیال ہے اس لئے کہ جو لوگ اسطرح اقتدار اعلیٰ حاصل کرتے ہیں ان کے اعمال و افعال کو کوئی عزت کی نظر سے نہیں دیکھتا، الا یہ کہ وہ دوسروں سے ایسے ہی برتر ہوں جیسے مرد عورت ، یا باپ بچے اور آقا غلام سے(٧) ۔ پھر جو کوئی فضائل کا راستہ چھوڑ دیتا ہے وہ کبھی وہاں واپس نہیں آ سکتا جہاں اس نے ان کے ساتھ چھوڑا تھا ۔ دراصل جو لوگ باہم مساوی ہیں ان کا فرض ہے کہ اگر ایک کا عمل مساوات اور انصاف

---

٦ - ارسطو یہ کہنا چاہتا ہے کہ اگر حاصل شدہ اقتدار کو برقرار رکھنے کی صورت یہ ہے کہ ہم اس کو بہر طور برقرار رکھیں مثلاً باپ کو اقتدار حاصل ہے تو اسے چاہئے بیٹے کا خیال رکھے نہ دوستوں کا تو اس طرح کا اقتدار سعادت اور خوش بختی کا باعث نہیں ہوگا ۔ اس کا حصول کسی سیاسی اجتماع میں شرکت ہی پر موقوف ہے۔۔۔مترجم

٧ - یعنی ایسی برتری جیسی بزرگ خاندان کو اس کے مختلف عناصر پر۔۔۔مترجم

پر ہے تو دوسرا بھی ویسا ھی کرے (۸) اسلئے کہ یہی تقاضائے مساوات ہے اور عین صواب بھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ برابر ھیں اس چیز میں حصہ نہ لیں جو سب میں برابر ہے یا جیسا ایک کا معاملہ ہو دوسرے کا نہ ھو۔ یہ بات تو فطرت کے خلاف ہوگی (۹) اور جو بات فطرت کے خلاف ہے اسے ٹھیک نہیں کہا جا سکتا۔ لٰہذا جس شخص کی زندگی فضائل اخلاق اور قابلیت میں باقی سب سے برتر ہے تو پھر مناسب ہے کہ ہم اسی کی پیروی کریں اور اطاعت بھی کی جائے تو اسی کی۔ لیکن یہی ایک بات بجائے خود کافی نہیں ہے اسکے ساتھ بعض دوسری باتوں کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے(۱۰) اور اس لئے یہ سب کچھ جو ہم کہہ رہے ھیں ٹھیک ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سعادت کا تقاضا ہے فضائل کی جد و جہد فرد اور جماعت دونوں کے لئے۔ لیکن جس سے یہ نہیں سمجھنا چاھئے کہ جو کوئی عملی زندگی بسر کر رہا ہے

---

۸ - مطلب ہے باری باری سے حاکم و محکوم بننا اس لئے کہ مستقل اقتدار کوئی مستحسن بات نہیں - یا آجکل کی اصطلاح میں یہ کہ آمریت کوئی اچھی چیز ہے، نہ اسے خیر اعلیٰ قرار دیا جا سکتا ہے—مترجم

۹ - یہاں عبارت قدرے مغلق ہے - لیکن حاصل کلام یہ کہ جو لوگ مساوی ھیں ان کا حصہ غیر مساوی رکھنا، یا جن لوگوں میں باہم مساوات ہے ان سے عدم مساوات کا سلوک کرنا فطرت کے خلاف ہے - لٰہذا غلط—مترجم

۱۰ - مطلب یہ ہے کہ عملاً حصول خیر کی صفت سے متصف ہونا بھی ضروری ہے - اس سلسلے میں ملاحظہ ہو اس فصل کا پہلا باب—مترجم

اسکا تعلق دوسروں سے بھی ضرور ہوگا جیسے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں علوم کی حیثیت عملی ہے جو اسلئے حاصل کئے جاتے ہیں کہ ہم دوسروں کو اس امر کی تعلیم دے سکیں کہ انہیں کیا کرنا چاہئے (۱۱) ۔ حالانکہ جو اپنا مقصود آپ ہیں وہ کہیں زیادہ عملی ہیں اور ہم ان سے اپنے فہم اور رائے دونوں کی تربیت کر سکتے ہیں یہ اسلئے کہ فضائل کی جد و جہد کا بھی ایک مقصد ہے ۔ لہٰذا اس کی حیثیت بھی عملی ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی ایسی تجویز پیش کرے جسے دوسرے اختیار کر لیں تو وہ اور زیادہ عملی انساں ہوتے ہیں اور ان لوگوں سے برتر جو اس کو اتمام تک پہنچائیں(۱۲) ۔ بایں ہمہ یہ ضروری نہیں کہ اگر کسی ریاست کا کسی دوسری ریاست سے کوئی تعلق نہیں وہ بے عملی کی زندگی اختیار کرلے(۱۳)

۱۱ - اس عبارت سے قدرے غلط فہمی کا احتمال ہے ۔ یہاں تعلیم سے مراد درس و تدریس نہیں جیسا کہ عام طور پر اس کا مفہوم ہے بلکہ ان امور کا مطالعہ اور بحث و تمحیص جن کی حیثیت عملی ہے—مترجم

۱۲ - مطلب یہ ہے کہ عملی کی زندگی صرف وہی لوگ بسر نہیں کرتے جو کسی راستہ پر چل رہے ہیں ۔ ان کے مقابلے میں وہ لوگ زیادہ عملی ہیں جو دوسروں کے لئے کوئی نیا راستہ تجویز کرتے ہیں ۔ ارسطو کی دلیل واضح ہے کیونکہ اس طرح کے لوگوں میں فکر اور عمل دونوں جمع ہو جاتے ہیں —مترجم

۱۳ - اس لئے کہ ریاست کی حقیقی سر گرمیاں تو وہ ہیں جن کا تعلق داخل سے ہے ۔ یہ بحث اگلے باب میں آئے گی ۔ ارسطو اس سے پہلے کہہ آیا ہے کہ ریاستیں اسی قسم کی خوش بختی سے بہرہ ور ہونگی جیسا خوش بختی کا تصور ان کے ذہن میں ہے اور جس میں وہ اب اس امر کا اضافہ بھی کر رہا ہے کہ ایسی ریاستیں عمل سے بھی لطف اندوز ہونگی—مترجم

وهاں بعض افراد میں تو قطعی ایک دوسرے سے رسم و راہ ہوگی (۱۴) اسلئے کہ شہریوں کے درمیان ایک دوسرے سے تعلقات کے مواقع تو بہر حال پیدا ہوتے رہتے ہیں(۱۵) ۔ لہذا یہ جو کچھ کہا گیا ہے ہر فرد کے بارے میں بھی ایسا ہی صحیح ہے (۱۶) ۔ اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ذات خداوندی ہی کو کامل ٹھہرایاجاتا ، نہ کائنات کو جن سے باہر کسی چیز کا الگ تھلگ کوئی وجود ہی نہیں(۱۷) ۔ لہذا ثابت ہوا کہ وہی زندگی جس سے فرد کو سعادت حاصل ہوتی ہے ریاست اور اس کے ہر رکن کے لئے بھی سعادت اور خوش بختی کا سرچشمہ ہے ۔

---

۱۴ - ارکان سے مطلب ہے آبادی کے مختلف عناصر یا حصص—مترجم

۱۵ - اس لئے کہ شہروں کے یہ مختلف عناصر ایک دوسرے سے بے تعلق نہیں رہینگے لہذا ان میں کچھ روابط پیدا ہو جائیں گے—مترجم

۱۶ - کہ اسے خود اپنی ذات کے اندر عمل میں ساعی اور سر گرم رہنا چاہئے—مترجم

۱۷ - یعنی کچھ نہیں ہو رہا ہے - با الفاظ دیگر ان کی سر گرمیاں اندرون ذات تک محدود ہیں - اس مماثلت کی بنا پر ارسطو یہ یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ہر ریاست کی توجہ اپنے اندرونی نشو و نما پر رہنی چاہئے یہ نہیں کہ دوسری ریاستیں ان کی سرگرمیوں کا ہدف بنیں—مترجم

# چوتھا باب

اس تمہید کے بعد جس کا تعلق بحث زیر نظر سے ہے (۱) علیٰ ھذا اس رائے کے پیش نظر جو دوسری ریاستوں(۲) کی نوعیت کے بارے میں ہم نے عام طور پر قائم کر رکھی ہے اب ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ جو کوئی چاہتا ہے اپنے مطلب کی ریاست قائم کرے وہ اس کی تاسیس میں کیسے قدم اٹھائیگا ۔ اس لئے کہ جب تک اس امر کا کچھ نہ کچھ اندازہ نہیں ہو جاتا کہ اس کے لوازم کیا ہیں کوئی اچھی ریاست قائم نہیں ہو سکتی (۳) ۔ لہٰذا ہمیں چاہئے وہ سب باتیں جن کا ہونا ہماری مرضی کے مطابق ممکن ہے پہلے ہی سے سوچ رکھیں ۔ البتہ

---

۱ - مثالی ریاست کے متعلق—مترجم

۲ - جن کو مثالی تصور کیا جاتا ہے—مترجم

۳ - ہر اچھا طرز زندگی ایک خاص قسم کے ساز و سامان کا مقتضی ہے جس میں اجتماعی احوال و ظروف کی مادی اساس کو بھی بڑا دخل ہے (ملاحظہ ہو اس فصل کا باب اول) اور جسے اگر تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ ماننا بھی لازم آئے گا کہ اگر ہم چاہتے ہیں کسی کامل و مکمل اصول کے ماتحت زندگی بسر کریں تو اس کے لئے ایک کامل و مکمل اجتماعی اساس بھی ناگریز ہے ۔ بالفاظ دیگر یہ بہتر دستور ہوگا جو بہتر سے بہتر اجتماعی احوال میں ممکن ٹھہرے گا (ملاحظہ ہو اسی فصل کا باب اول) - ارسطو کے نزدیک بہترین زندگی وہی ہے جو ایک کامل و مکمل دستور کے مطابق بسر کی جائے—مترجم

ایسی کوئی بات نہ سوچیں جس کا پورا ہونا ناسمکن ہے۔ ہمارا مطلب ہے وہ باتیں جن کا تعلق اہل شہر کی تعداد، یا ریاست کی وسعت سے ہے۔ اس لئے کہ پارچہ باف ہوں یا کشتی ساز صناعوں کی طرح انہیں بھی اپنے کام کے مطابق مناسب ساز و سامان کی ضرورت ہو گی۔ پھر جتنا اچھا سازو سامان ہوگا اتنا ہی اچھا ان کا کام بھی ہوگا۔ لہٰذا مقنن اور مدبر ریاست دونوں کی کوشش ہونی چاہئے کہ جو کام ان کے پیش نظر ہے اس کے لئے مناسب مواد مہیا کریں ۔ مدبر ریاست کا تو سب سے پہلا اور ضروری آلہ ہیں لوگ ۔ لہٰذا اسے جاننا چاہئے وہ ہوں کتنے اور کیسے، جیسے یہ کہ علاقہ کتنا بڑا ہو اور کیسا (۴) اب زیادہ تر لوگ تو یہی سمجھتے ہیں کہ شہر بڑا ہوگا تو اسے سعادت اور خوش بختی بھی حاصل ہو گی جسے اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ کہنا مشکل ہو جائے گا کہ شہر بڑا ہو تو کیا ہوتا ہے، چھوٹا ہو تو کیا ۔ وہ اس کی بڑائی کا اندازہ باشندوں کی زیادتی سے کرتے ہیں ، حالانکہ ان کی نظر اس بات پر ہونی چاہئے کہ اسے کس قدر طاقت حاصل ہے ، اس پر نہیں کہ اس کے افراد کتنے ہیں ۔ بات یہ ہے کہ ہر ریاست کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے جس کو پورا کرنے کی جتنی بھی اس میں استطاعت ہوگی اتنی ہی اس کی عظمت بھی زیادہ ہو گی ۔ ورنہ یوں تو شاید کوئی یہ بھی کہتا کہ بقراط اگرچہ بہت بڑا طبیب تھا لیکن جو شخص قدوقامت میں اس سے اونچا تھا اس سے بڑا نہیں تھا ۔ پھر اگر کسی شہر کی حالت کا اندازہ اس کے باشندوں کی

---

۴ ۔ گویا اس مسئلے پر صفاتی اور ذاتی دونوں پہلوؤں سے غور کرنا چاہئے —مترجم

تعداد ہی سے کرنا ہے تو اس میں ہماری نگاہیں عوام کے انبوہ پر نہیں ہونی چاہئیے اس لئے کہ جو بھی شہر ہوگا اس میں لازماً کچھ تو غلام ہوں گے ، کچھ سیاح اور کچھ اجنبی - ہمیں اس کا اندازہ آبادی کے اس حصے سے کرنا چاہئیے جس پر سچ مچ کوئی شہر مشتمل ہے اور جس کی تعداد وافر ہے تو بیشک وہ اس کی عظمت کا ثبوت ہے - لیکن جس شہر میں زیادہ تر دستکار بستے ہیں اور سپاہی کم اسے بڑا نہیں کہا جا سکتا (٥) اس لئے کہ شہر کی بڑائی اور اس کے باشندوں کی تعداد کا زیادہ ہونا ایک بات نہیں -

یہ امر یوں ہی واضح ہوجائیگا کہ مختلف قسم کے لوگوں پر حکومت کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے- یہی وجہ ہے کہ جن ریاستوں میں حکومت کا نظم و نسق عمدہ ہے وہاں کسی شہری کے حقوق کی یہ حالت نہیں ہوگی کہ اس کا فیصلہ ایک بے ربط انبوہ کے ہاتھ میں ہو (٦) ، جیسا کہ اس چیز کی ماہیت ہی سے ظاہر ہوجاتا ہے اس لئے

---

٥ - اس لئے کہ اس قسم کی ریاست میں فوج زیادہ تر دستکاروں پر مشتمل ہوگی یعنی وہاں اچھے سپاہی بہت کم ہوں گے لہٰذا اس کی قوت دفاع بڑی محدود رہے گی--مترجم

٦ - ارسطو یہ کہنا چاہتا ہے کہ ریاست کی آبادی اگر بہت زیادہ ہوگی تو اس میں متعدد عناصر قانون کی گرفت سے باہر رہینگے-اس قسم کی ریاست میں شہریوں کے حقوق ان ریاستوں کی نسبت جہاں حکومت کا قظم و نسق اچھا ہے بہت کم محفوظ ہوں گے - اس لئے کہ حقوق کی حفاظت جب ہی ممکن ہے کہ سب لوگ قانون کی گرفت میں رہیں - لہٰذا ہر ریاست کی آبادی ایک حد مناسب کے اندر رہنی چاہئیے---مترجم

قانون عبارت ہے ایک مخصوص نظم سے ۔ قانون اچھا ہے تو یہ نظم بھی اچھا ہوگا لیکن اگر لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو یہ نظم قائم نہیں رہیگا ، بجز اس کے کہ اس پر خدائی طاقت کی حکمرانی ہو جو ساری کائنات پر حاوی ہے۔ پھر چونکہ مقدار اور تنوع دونوں کا وجود حسن کے لئے بالعموم ضروری ہے(۷) لہٰذا شہر کا کمال بھی اس امر سے وابستہ ہے کہ اس کی وسعت اس نظم کے مطابق ہو جس کی طرف ہم اشارا کر آئے ہیں ۔ علاوہ ازیں ہر شہر کا ایک حجم ہوتا

---

۷ ۔ یہ عبارت قدرے مغلق ہے ۔ ارسطو دراصل یہ کہنا چاہتا ہے کہ یہ صرف خدائی طاقت ہے جس نے سری کائنات میں ایک نظم قائم کر رکھا ہے انسان کی یہ طاقت نہیں کہ ہر جیز کو اپنی گرفت میں لا سکے ۔ پھر ارسطو کے نزدیک نظم اور حسن چونکہ لازم ملزوم ہیں اور حسن کو مقدار اور عدد سے بھی نہایت گہرا اور تعلق ہے لہٰذا اس نے تحدید آبادی کے حق میں جو دلیل قائم کی ہے اس کو ماننے بغیر چارہ نہیں ۔ اس لئے کہ جہاں تعداد میں اضافہ ہوا یعنی کوئی مقداری تبدیلی واقع ہوئی شہر کے حسن میں فرق آ جائیگا اور اسلئے نظم میں بھی ۔ یہاں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ یونانی فکر نے اعداد اور مقدار پر اس لئے بھی زور دیا کہ اس کے نزدیک کمال کے لئے متناہیت ناگزیر ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی ذہن نے لامتناہیت سے ہمیشہ گریز کیا ۔

یا پھر سیدھی سادھی زبان میں ارسطو کا خیال یہ ہے کہ خدا کی طاقت تو لا انتہا ہے اس کے سامنے مقدار اور عدد کی کوئی حقیقت نہیں خواہ اس میں کتنا ہی اضافہ ہوتا چلا جائے لیکن انسان کی استطاعت ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتی ۔ لہٰذا آبادی کی تعداد اتنی ہونی چاہئے کہ اس میں نظم و ضبط رکھنا ممکن رہے ـــ مترجم

ھے جیسے ھر چیز کا، خواہ اس کا تعلق حیوانوں سے ھو خواہ پودوں، یا کلوں سے ۔ پھر یہ چیزیں اگر بہت زیادہ چھوٹی یا بہت زیادہ بڑی نہیں ھیں تو انکے اندر ویسی ھی طاقتیں موجود ھونگی جیسی کہ ھونی چاھئیے (۸)۔ لیکن اگر ان کا نشو و نما خاطر خواہ نہیں یا ترکیب ھی غلط ھے جیسے بالشت بھر لمبی کشتی کو کشتی نہیں کہا جائے گا (۹)، نہ وہ جس کا طول دو فرلانگ ھو سوائے اس صورت کے جب اس کا حجم مناسب ھو، کیونکہ ھو سکتا ھے وہ چھوٹی یا بڑی ھو کر بالکل بیکار ھو جائے ایسے ھی (۱۰) شہر کی مثال ھے ۔ اگر شہر بہت چھوٹا ھے تو اس میں دفاع کی طاقت نہیں ھوگی (۱۱) حالانکہ اس طاقت کا ھونا ضروری ھے ۔ لیکن پھر اگر کوئی ریاست بہت بڑی ھے اور اس میں دفاع کی طاقت بھی موجود ھے جس کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تو اسے شہر نہیں کہا جائے گا بلکہ

---

۸ ۔ طاقتیں یعنی صلاحیتیں تاکہ وہ اپنا وظیفہ ٹھیک ٹھیک سرانجام دے سکیں —— مترجم

۹ ۔ یہی خیال ھے جسے ارسطو نے اخلاقیات میں دھرایا ھے ۔ وہ کہتا ھے جیسے یہ ممکن نہیں کہ دس شہری ایک ریاست قائم کر سکیں ایسے ھی یہ بھی ناممکن ھے کہ دس سے دس ہزار گنا زیادہ شہری مل جائیں اور ریاست قائم ھوجائے —— مترجم

۱۰ ۔ بیکار ھو جائے یعنی اتنی چھوٹی یا اتنی بڑی کہ پانی میں چل نہ سکے —— مترجم

۱۱ ۔ کیونکہ شہر میں ھر طرح کے عناصر مثلاً غلاموں اور دستکاروں کی موجودگی ضروری ھے جس کی آبادی اگر کم ھے تو وھاں ایسے لوگ بھی کم ھونگے جن کا پیشہ سپاہ گری ھے ۔ گویا آج کل کی اصطلاح میں ھم کہینگے وھاں سپاھیوں man power کی کمی ھے —— مترجم

ایک قوم (۱۲) جس میں ایک ھی قسم کی حکومت کا قیام مشکل ھو جائے گا۔ اس لئے کہ جہاں لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ھے وھاں سپہ سالار کا انتخاب کون کرے گا ؟ پھر بجز سینٹر ان کا نقیب کون ھوگا (۱۳) ؟ لہٰذا پہلی بات جو ضروری ھے وہ یہ کہ شہر کی آبادی اتنی ھو کہ بحیثیت ایک اجتماع سیاسی اس کے باشندے خوش بختی کی زندگی بسر کر سکیں۔ بالفاظ دیگر اس کے باشندوں کی تعداد اس کی مناسب حد سے جتنی زیادہ بڑھے گی اتنا ھی شہر بڑا ھوتا چلا جائے گا لیکن جیسا کہ ھم اس سے پہلے کہہ آئے ھیں اسے اتنا بڑا نہیں ھونا چاھئے کہ اس کے کوئی حدود ھی نہ ھوں ۔ رھی یہ بات کہ اس کی مناسب حدود کیا ھیں سوائے تجربے سے بآسانی معلوم کیا جاسکتا ھے اور تجربہ حاصل ھوگا تو حاکم و محکوم دونوں کے طرز عمل سے ۔ اول الذکر کا کام تو یہ ھے کہ معمولی درجے کے حکام کے نام احکام صادر کریں ، علیٰ ھذا قاضیوں کے فرائض سرانجام دیں (۱۴) اور اس لئے جب تک انہیں یہ علم نہیں ھوگا کہ ان کے

---

۱۲ ۔ ملاحظہ ھو فصل اول دوسرا باب ۔ قوم سے مراد یہاں سیاسی اجتماع نہیں ھے بلکہ وہ انبوہ کثیر جس کا جب ایک واحد سیاسی اجتماع میں سمانا مشکل ھو جائے — مترجم

۱۳ ۔ لہٰذا اسکا دستور حکومت ناقص رھے گا اور جس سے ھم یہ نتیجہ اخذ کرتے ھیں کہ ریاست جب ھی ریاست ھے جب ایک طرف کافی بالذات ھو اور دوسری جانب پتہ چل سکے کہ اس کا دستور حکومت کس قسم کے طریق زندگی کا مقتضی ھے — مترجم

۱۴ ۔ ارسطو کے اس قول سے کہ قضاۃ کے لئے یہ جاننا ضروری ھے کہ جو لوگ فصل خصومات کے لئے عدالت کا رخ کرتے ھیں ان کا اخلاق اور کردار کیا ھے یونانی قانون کی اس خصوصیت

باقی صفحہ ۶۲۵ پر

ساتھی شہریوں کا کردار کیسا ہے وہ نہ تو فصل مقدمات میں داد انصاف دے سکیں گے ، نہ ان کے احکام موقعہ محل کے مناسب ہوں گے (١٥) ۔ یہی دو باتیں ہیں کہ جب ان کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تو ریاست کا نظم و نسق بگڑ جاتا ہے اور جن میں اگر عجلت سے کام لیا گیا اور پوری واقفیت بھی حاصل نہیں کی گئی تو ٹھیک نہیں ہوگا ۔ لیکن جہاں شہریوں کی تعداد بہت زیادہ ہے وہاں ایسا ہی ہوگا ۔ وہاں تو اجنبی اور سیاح بھی باسانی شہریوں کے حقوق حاصل کر لیں گے اس لئے کہ اتنی بڑی آبادی میں ان کا پتہ لگانا مشکل

---

بقیہ حاشیہ ٣٢٦

کا پتہ چلتا ہے کہ اس کے نزدیک عدل و انصاف کی حیثیت غیر ذاتی نہیں تھی ۔ یعنی وہاں عدالتوں کی نگاہیں اصول کی بجائے اشخاص پر تھیں اور یونہی ان کے نزدیک قانون کا منشا پورا ہو سکتا تھا ۔ ضمناً اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یونانی سیاسیات میں اس خیال کو بھی بڑا دخل تھا کہ جو لوگ کسی امیدوار کا انتخاب کر رہے ہیں وہ اسے ذاتی طور سے بھی جانتے ہیں یا نہیں ۔ گویا یونان میں جب کوئی شخص کسی عہدے کا امیدوار ہوتا تو اس حیثیت سے نہیں کہ وہ کسی مخصوص لائحہ عمل کی نمائندگی کر رہا ہے ، بلکہ محض اپنے ذاتی اوصاف اور خوبیوں کی بنا پر — مترجم

١٥ - اس اصول کے دو جز ہیں : پہلا یہ کہ آبادی اتنی تو ضرور ہو کہ اپنی ضروریات کا انتظام کر سکے یعنی اس کے اپنے وسائل اس کی مادی اور روحانی زندگی کے کفیل ہوں اور وہ بخیر و خوبی اس کی تکمیل کر سکے ۔ دوسرا یہ کہ اتنی زیادہ بھی نہ ہو کہ ہم اس کا جائزہ ہی نہ لے سکیں ۔ بالفاظ دیگر ہمیں معلوم ہونا چاہئے وہ کس قسم کے افراد پر مشتمل ہے ۔ ان کی سیرت اور کردار کیا ہے — مترجم

ہو جائے گا ۔ لہٰذا شہر کی بہترین حدود وہ ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے شہریوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد زیادہ سے زیادہ کفایت ذات حاصل کر سکے (۱۶) البتہ یہ تعداد اتنی زیادہ بھی نہیں ہونی چاہئے کہ انہیں ہمیشہ حکام کی نگرانی میں رکھا جائے (۱۷) یوں طے کیا جا سکتا ہے کہ کسی شہر کی وسعت کیا ہوگی ۔

---

۱۶ ۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ما سبق ۔ ارسطو کا مطلب شاید یہ ہے کہ آبادی اگر زیادہ ہوئی تو قانون اور نظم میں فرق آجائیگا لہٰذا حکام کو ہمیشہ اس پر نظر رکھنا پڑے گی ۔

سیاست حاضرہ میں تو ارسطو کا یہ خیال اگرچہ اس لئے محل نظر ہوتا کہ آجکل ہر کہیں 'قومی ریاستیں قائم ہیں لہٰذا آبادی کے مسئلہ پر اب اس نقطہ نظر سے غور نہیں کیا جاتا جو ارسطو کا ہے ۔ بایں ہمہ نظم و قانون کی رو سے دیکھا جائے تو بعض خرابیوں کی موجودگی میں کثرت تعداد کو بھی بڑا دخل ہے —مترجم

# پانچواں باب

جو کچھ ہم شہر کے بارے میں کہہ رہے تھے وہی کچھ علاقے کے بارے میں کہا جائے گا۔ مثلاً زمین (۱) کو لیجئے تو ہر کوئی یہی کہے گا زمین کو ایسا ہونا چاہئے جس سے وہ سب کچھ مل سکے جو اس کے باشندوں کے لئے سعادت اور خوش بختی کا باعث ہو اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ وہ اس سے اپنی ضروریات زندگی پوری کر سکیں اس لئے کہ ضروریات زندگی اگر بفراغت حاصل ہیں ، ان کی تھڑ نہیں ہے تو ہر کسی کو چین اور اطمینان ہوگا ۔ رہی علاقے کی وسعت سو وہ اتنی تو ہو کہ اس کے باشندے کسی طرح کی تنگی محسوس نہ کریں ، بلکہ آزادی اور اعتدال کی زندگی بسر کر سکیں ۔ اس کی حدود کے بارے میں بھی غلط ، یا صحیح ہم جو رائے قائم کر چکے ہیں اس پر زیادہ گہری نظر سے آگے چل کر غور کیا جائیگا یعنی جب املاك کی بحث ہمارے سامنے ہوگی اور یہ مسئلہ بھی کہ مال و زر کی کس مقدار کا ہر کسی کے پاس ہونا ضروری ہے تاکہ وہ زندہ رہ سکے ۔ علیٰ ہذا یہ کہ اس کے استعمال اور خرچ کی صورت کیا ہونی چاہئے ۔ یہ مسئلہ بڑا اہم ہے اور اس لئے ہر فریق کی کوشش ہوتی ہے کہ زندگی کا جو نقشہ اس کے

---

۱ - یعنی اس سر زمین خطے یا علاقے کو جہاں کوئی شہری ریاست قائم ہو — مترجم

سامنے ہے اسے انتہا تک پہنچا دے(۲) ۔ چنانچہ کچھ تو زیادتی پر اصرار کرتے ہیں ، کچھ کمی، کچھ فضول خرچی پر ۔ علاقے کا محل وقوع کیا ہونا چاہئے اس کا طے کرنا کچھ مشکل نہیں ۔ رہے اس کے بعض پہلو سو ان کے بارے میں ہمیں ان لوگوں کی رائے پر عمل کرنا چاہئے جن کو امور جنگ سے خوب واقفیت ہے ۔ محل وقوع ایسا ہونا چاہئے کہ دشمن تو اس میں آسانی سے داخل نہ ہو سکے البتہ جو لوگ وہاں رہتے ہیں انہیں اس میں کوئی مشکل پیش نہ آئے اور پھر جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں باشندوں کی تعداد بھی اتنی ہونی چاہئے کہ حاکم ان سب پر نظر رکھ سکے ۔ یہی بات عُلاقے کی تعیین میں بھی صحیح مانی جائیگی تاکہ اس کا دفاع بآسانی ہو سکے ۔ رہا یہ امر کہ شہر کہاں واقع ہو (۳) سو اسے حسب مرضی جہاں

---

۲ - لیکن ارسطو نے یہ بحث ناتمام چھوڑ دی ہے گو فصول اول و دوئم میں ملکیت ذاتی کے مشترک استعمال کا اصول قائم کرتے ہوئے وہ ایک حد تک اپنی رائے ظاہر کر چکا ہے—مترجم

۳ - شہر سے مراد یہاں وہ شہر ہے جس کے نام پر کوئی شہری ریاست قائم ہوتی ہے اور جس میں علاوہ چند بستیوں کے کسی دوسرے شہر کا وجود نہ ہو - یہی وجہ ہے کہ یونان میں ہر ریاست کا نام کسی شہر کے نام پر رکھا جاتا تھا - مثلاً اثینیہ، اسپارٹا ، میگارا ، وغیرہ وغیرہ ۔ قرطاجنہ کو بھی شہری ریاست ہی قرار دیا جاتا تھا اس لئے کہ یونانی زبان میں شہر کو جیسا کہ شہر کو ہم شہر سمجھتے ہیں 'اسٹے' کہتے تھے - پولس کے معنی بھی اگرچہ شہر کے ہیں لیکن اس کا اشارہ بھی حقیقتاً اس طرف ہے جس کی بنا پر کسی شہر میں کوئی 'شہر' یعنی سیاسی اجتماع قائم ہوتا ہے (گویا ریاست وجود میں آتی ہے)—مترجم

چاھے بسایا کیا جا سکتا ھے، لیکن سہولت اسی میں ھے کہ اسے سمندر کے کنارے آباد کیا جائے۔ علاقے کے سلسلے میں ھم اس کے محل وقوع کے بارے میں جس خصوصیت کا ذکر اوپر کر آئے ھیں اس کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ھے۔ ھمارا مطلب ھے اس کا محل وقوع ایسا ھونا چاھئے جو ھر مقام کے لئے مفید ھو (۴) اور جہاں اس کے ھر حصے سے بآسانی ضروریات بہم پہنچ سکیں۔ لکڑی اور وہ سب چیزیں بھی جو اس علاقے میں دستیاب ھوتی ھوں (۵)

---

۴ - ھر مقام کے لئے مفید ھو یعنی ان تمام جگھوں کے لئے جو کسی شہری ریاست کے علاقے میں واقع ھیں تاکہ آمد و رفت اور نظم و نسق میں سہولت رھے —مترجم

۵ - ظاھر ھے ان امور کا تعلق معاش اور تجارتی زندگی سے ھے۔ اشیاء کی درآمد اور برآمد سے—مترجم

# چھٹا باب

رھا یہ امر کہ شہر (۱) سمندر کے کنارے آباد کیا جائے سو بعض لوگوں کا خیال تو یہ ھے کہ ایک ایسی ریاست کے لئے جس کا نظم و نسق نہایت خوبی سے قائم کیا گیا ھے سمندر کا قرب شائد مفید ثابت نہیں ھوگا ۔ لیکن بعض کی رائے میں یہ امر فائدے ھی کا موجب رھیگا ۔ وہ کہتے ھیں جن لوگوں نے کسی دوسری قسم کے نظام حکومت میں پروش پائی ھے ان کی آمد و رفت ریاست کے لئے مضر ثابت ھو گی (۲) ۔ ان کے قوانین بھی مختلف ھوں گے اور تعداد بھی (۳) ، سمندر میں آمد و رفت کے باعث چونکہ تاجروں کی تعداد میں اضافہ ھونا ضروری ھے ، لہٰذا شہر کا نظم و نسق بخوبی قائم نہیں رھیگا ۔ لیکن اگر یہ خرابی پیدا نہ ھو تو پھر ظاھر ھے کہ یہ ضروریات زندگی کے حصول کا معاملہ ھو، یا شہر کی حفاظت کا، بہتر یہی ھوگا کہ شہر اور شہر کا علاقہ (۴) سمندر کے

۱ - یعنی شہری ریاست کو—مترجم

۲ - یعنی تاجروں اور ان کے علاوہ اھل محنت کی وہ تعداد جن کا تعلق دوسری شہری ریاستوں سے ھے ان کی آمد و رفت کے باعث اور جس کا نتیجہ یہ بھی ھو سکتا ھے کہ ان کا بہت سا حصہ وھاں بس جائے ۔ اس طرح ان کی تعداد میں بھی اضافہ ھوتا رھے گا مگر یہ لوگ اجنبی ھوں گے (آج کل کی اصطلاح میں ”غیر“ aliens) - لہٰذا ریاست سے ان کا کوئی رشتہ نہیں ھوگا اور یہ وہ بات ھے جسے قبول نہیں کیا جا سکتا—مترجم

۳ - یہاں تعداد کا مطلب یہ ھے کہ ان کی تعداد بڑھتی رھے گی—مترجم

۴ - یعنی شہری ریاست کا علاقہ—مترجم

قریب واقع ہو - یوں جن لوگوں کو دشمن کا حملہ روکنا ہے ان کو خشکی اور تری دونوں طراف سے مدد ملتی رہے گی اور وہ اس کی یلغار کا مقابلہ بھی دونوں اطراف سے کر سکیں گے (۵) یا پھر(۶) سمندر اور زمین دونوں ان کے ہاتھ میں ہوں گو مقابلہ وہیں کیا جائے جہاں وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ طاقتور پائیں (۷) محل وقوع کے لئے سمندر کا کنارہ اس لئے بھی مفید ہے کہ جو اشیا ایک علاقے میں پیدا نہیں ہوتیں دوسری جگہوں سے بآسانی مہیا کی جا سکتی ہیں اور جو آپ خود پیدا کرتے ہیں لیکن آپ کی ضرورت سے زیادہ ہیں ان کو باہر بھیجا جا سکتا ہے - لیکن شہر کی کوشش بہر حال یہ ہونی چاہئے کہ سلسلہ رسد اپنی ہی احتیاجات کے لئے جاری رکھے (۸) یہ نہیں کہ دوسروں کی احتیاجات پوری کیا کرے (۹) اس لئے کہ جو لوگ اپنا بازار ہر کسی کے لئے کھلا رکھتے ہیں ان کا مقصد حصول منفعت کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور یہ وہ بات ہے جو کسی اچھی ریاست کے شایان شان نہیں (۱۰) - نہ یہ

---

۵ - یعنی دونوں طرف سے ان پر حملہ کر سکے - وہ دفاع بھی کرے اور ہجوم بھی اور حملہ آوروں کو نقصان بھی پہنچائے—مترجم

۶ - تا کہ بری اور بحری کاروائی بیک وقت ممکن نہ رہے—مترجم

۷ - یعنی صرف سمندر کے راستے کاروائی کی جائے ، یا خشکی کے—مترجم

۸ - اشیائے برآمد کی طرف اشارہ ہے - ارسطو اس بات پر زور دے رہا ہے کہ بحیثیت تاجر ریاست کی نظر اپنی ضروریات پر ہونی چاہئے — مترجم .

۹ - یعنی اس کا یہ کام نہیں کہ دوسروں کے لئے کاروبار کرے—مترجم

۱۰ - محض نفع اندوزی کے لئے جس سے اس کی سیاسی حیثیت گر جائیگی اور طاقت کی بجائے ضعف پیدا ہوگا، کیونکہ اس قسم کی ریاست دکانداری ہی کریگی جو ظاہر ہے بڑی ہی غلط بات ہے—مترجم

که اس قسم کی تجارت کی همت افزائی کرے جیسا که آج کل
هم اکثر علاقوں اور شہروں میں دیکھ رہے هیں جہاں اگرچه ایسی
ایسی گودیاں اور بندر گاهیں موجود هیں جن کے باعث اهل شہر(۱۱)
کو بڑی سہولت رهتی هے لیکن جو لوگ وهاں آتے جاتے هیں
ان کی اصل شہر میں مطلق آمد و رفت نہیں هوتی ، گو وه ان سے
دور بھی نہیں رهتے اس لئے که انہیں فصیلوں اور اس قسم کے
دوسرے استحکامات نے گھیر رکھا هے (۱۲) ۔ اتنا بہر حال ظاهر هے
که اگر اس قسم کی آمد و رفت سے شہر کو کوئی فائده حاصل هو سکتا
هے تو اسے حاصل کرنا چاهئے ۔ لیکن اگر اندیشه هے که یوں
کوئی خرابی پیدا هوگی تو اس کا انسداد کسی ایسے قانون کے
ذریعه هو سکتا هے جس کی رو سے بعض لوگوں کو تو اجازت هوگی
که دوسروں سے تعلقات قائم کریں، بعض کو اس سے روک دیا
جائے گا(۱۳) جہاں تک بحری طاقت کا معامله هے اس امر میں تو

---

۱۱ - اصل شہر یعنی 'پولس' جیسے آجکل کی قومی یا وطنی ریاستوں میں دارالسلطنت—مترجم

۱۲ - مثلاً ایتھنیه کی مثال همارے سامنے هے جس کی بندر گاه پرائیوس کا فاصله شہر سے پانچ میل تھا مگر جسے لمبی لمبی فصیلوں نے شہر سے ملحق کر رکھا تھا تاکه اس کی حفاظت کی جاسکے لہٰذا ایتھنیه کو وه سب فوائد حاصل تھے جو سمندر سے قرب کے باعث حاصل کئے جا سکتے هیں ۔ بندرگاه میں جو گھما گھمی رهتی تھی اس کا شہر پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا ، نه ان خارجی عناصر یعنی اجنبیوں اور سیاحوں کا جو لازماً وهاں موجود رهتے ۔ گویا شہر سے دوری کے باوجود بندرگاه پر اس کا تصرف قائم تھا—مترجم

۱۳ - آمد و رفت یعنی غیروں کی آمد و رفت ۔ مثلاً سیاحوں اور

باقی صفحه ٦٣٣ پر

کوئی شبہ ھی نہیں کہ اس کا ایک حد تک ھونا ضروری ھے ۔ شہر ھی کے خیال سے نہیں ، اس خیال سے بھی کہ ھمسایہ ریاستوں پر اس کی ھیبت طاری رھے ، یا پھر اس لئے کہ وہ خشکی اور تری دونوں راستوں سے ان کی مدد کرسکے (١٤) ۔ رھا یہ امر کہ بحری فوج ھو کتنی اس کے لئے یہ دیکھنا ھو گا کہ شہر کی صحت کیسی ھے جو اگر بہت اچھی ھے اور اس قابل کہ دوسروں کی رھنمائی کر سکے تو پھر فوج کی تعداد اس کی سرگرمیوں کے مطابق ھونی چاھئے ۔ البتہ بحری طاقت کے باعث جس طرح لوگ کثرت سے جمع ھو جاتے ھیں (١٥) ان کا وجود ریاست کے لئے غیر ضروری ھوتا ھے ۔ انہیں شہریوں میں داخل نہیں کرنا چاھئے (١٦) اس

---

بقیہ حاشیہ ٦٣٢

اجنبیوں اور تاجروں کی بغرض کاروبار اور تجارت جو معاشی نقطہ نظر سے تو ایک مفید امر ھے لیکن خرابی کا اشارا اس طرف ھے کہ اس قسم کے 'غیر' عناصر شہریوں میں خلط ملط ھو جائینگے گویا تعلق کا مطلب ھے کاروباری اور تجارتی تعلقات ـــ مترجم

١٤ - یعنی حریف ھونے کی صورت میں ـــ مترجم

١٥ - خارجی عناصر جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ھے ـــ مترجم

١٦ - یہاں دو باتیں قابل غور ھیں ایک تو یہ کہ یونانی تاریخ کے پیش نظر ارسطو فرض کر لیتا ھے کہ دوسری شہری ریاستوں کی قیادت یا ان پر سیادت کے لئے بیڑے کا ھونا بہر حال ضروری ھے ۔ دوسری یہ کہ یونانی بیڑے چونکہ بڑے بڑے سفیروں پر مشتمل ھوتے (یونانیوں کے سہ طبقہ جنگی جہاز (Trirems) ) جن میں تین تین سو ملاح کام کرتے) لہذا ارسطو یہ فرض کرنے پر مجبور ھے کہ اسطرح کشتی رانوں کا ایک کثیر انبوہ بہر حال جمع ھو

باقی صفحہ ٦٣٤ پر

لئے کہ بحری سپاہی اور پیدل فوج میں سرداری کے فرائض وہی لوگ انجام دیں گے جو آزاد ہیں اور وہی بحری لڑائیاں لڑیں گے بھی(۱۷) ۔ لہٰذا اگر ان میں نوکر چاکر(۱۸) اور کسان بھی کثرت سے شامل ہو گئے تو ان کے ساتھ لازماً بہت سے ملاح بھی (۱۹) جیسا کہ بہت سی ریاستوں مثلاً ہر اقلیہ ہی میں ہم دیکھ رہے ہیں جہاں سہ طبقہ جہازوں کا انتظام انہیں کے ہاتھ میں ہے، حالانکہ اس شہر کی وسعت دوسرے شہروں سے بہت کم ہے ۔ یہ تو ہوا علاقے، بندر گاہ، شہر، سمندر اور بحری طاقت کے مسئلے کا حل ۔ رہی یہ بات کہ شہریوں کی تعداد کیا ہو اسے ہم اس سے پہلے بیان کر آئے ہیں ۔

---

بقیہ حاشیہ ۶۳۳

جائے گا جن کو اگر شہریوں میں داخل کر لیا گیا تو ہو سکتا ہے وہ اس جماعت پر چھا جائیں جس کے ہاتھ میں شہر کا نظم و نسق ہے (ملاحظہ ہو فصل چہارم) - لہٰذا اسکی رائے ہے کہ ان لوگوں کو رائے دہندگی کے حقوق نہ دئے جائیں، یعنی وہ ریاست کا جزو متصور نہ ہوں، بلکہ محض ایک ضرورت کی چیز - ارسطو کی توجہ دراصل ائینیہ پر ہے جہاں اگر جمہوریت نے انتہائی شکل اختیار کی تو اس کے نزدیک انہیں کشتی رانوں کے باعث اور یہ ظاہر ہے کہ ارسطو اس قسم کی جمہوریت کو بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا—مترجم

۱۷ - یعنی وہ عہدیدار جن کے ہاتھ میں بری اور بحری فوج کی قیادت ہے —مترجم

۱۸ - نوکر چاکر یعنی زرعی غلام اور کھیتوں میں کام کرنے والے مزدور وغیرہ وغیرہ—مترجم

۱۹ - اس لئے کہ ان کی تعداد فوج میں بڑھتی رہے گی—مترجم

# ساتواں باب

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جو بھی ریاست ہے اس کے افراد کا مزاج اور طبیعت کیسی ہونی چاہئے (۱) اور یہ وہ بات ہے کہ اگر ہماری نگاہیں یونانی ریاستوں پر ہیں تو بآسانی معلوم کی جا سکتی ہے ۔ اس لئے کہ معمورۂ عالم میں سب سے زیادہ شہرت حاصل ہے تو انہیں ریاستوں کو ۔ مگر ان کے ساتھ ساتھ ہمیں دوسری قوموں پر بھی نظر رکھ لینی چاہئے (۲) ۔ مثلاً جو لوگ سرد ملکوں میں بستے ہیں ان پر جیسے شمالی یورپ کے باشندے جن میں شجاعت اور بہادری کا مادہ تو کوٹ کوٹ کر بھرا ہے لیکن فہم اور دانش کی کمی ہے ۔ فنون میں بھی وہ دوسروں سے پیچھے ہیں اور اس لئے آزادی پر مر مٹنے کے باوجود سیاست دانی میں بالکل کورے ۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں ہمسایوں پر کوئی غلبہ اور اقتدار حاصل نہیں (۳) ۔ ان کے مقابلے میں ایشیائی ہیں ۔ ان کا فہم بڑا تیز ہے

---

۱ ۔ ملاحظہ ہو باب چہارم ۔ گویا اب ارسطو یہ کہہ رہا ہے کہ ریاست کی وسعت اور آبادی کا مسئلہ تو طے ہو گیا ۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس کے افراد کی فطرت کیسی ہو ، افتاد مزاج ، قابلیتیں اور صلاحیتیں کیسی ــــ مترجم

۲ ۔ یہ سر تا سر نسل پرستی ہے اور اسلئے تعصب کا وہ جذبہ جسکا ارسطو کی تحریروں سے برابر اظہار ہوتا رہتا ہے ــــ مترجم

۳ ۔ ارسطو نے سرد ممالک کے باشندوں کے بارے میں جو رائے قائم کی ہے اس کا اندازہ اخلاقیات کے اس جملے سے بھی

باقی صفحہ ٦٣٦ پر

اور فنون میں بھی انہیں بڑی مہارت حاصل ہے لیکن شجاعت سے کوئی بہرہ نہیں ملا لہٰذا وہ دوسروں سے مغلوب ہو کر ان کے غلام بن جاتے ہیں ۔ اہل یونان کی سر زمین چونکہ دونوں کے درمیان واقع ہے اس لئے یونانیوں کے اندر دونوں کی خوبیاں جمع ہیں۔ یعنی وہ بہادر بھی ہیں اور سمجھدار بھی ۔ یہی وجہ ہے کہ اہل یونان ہمیشہ آزاد رہے اور ان کے یہاں حکومت کا نظم و نسق بھی بحد امکان سب سے بہتر ہے ، حتیٰ کہ اگر سب ایک ہی روش اختیار کر لیں تو ساری دنیا پر چھا جائیں (۴) ۔ بہر حال یہ فرق ہے

---

بقیہ حاشیہ ٦٣٥

ہو سکتا ہے کہ کلٹ کسی سے بھی نہیں ڈرتے نہ زلزلوں سے نہ سمندر کی لہروں سے——مترجم

یہ قوموں کے خصائص اور عروج و زوال کی جغرافی توجیہ ایک طبعی امر ہے لیکن بڑا گمراہ کن ۔ زمانہ حال میں بھی نسلی اور جغرافی عوامل پر طرح طرح سے زور دیا گیا ہے ۔ پھر یونان کا مشرق و مغرب کے درمیان واقع ہونا جغرافی اعتبار سے جیسا کچھ مفید تھا ارسطو کے وسط زریں (Golden mean) کے بھی عین مطابق—مترجم

۴ ۔ ارسطو کو شکایت ہے کہ اہل یونان سیاسی طور پر کبھی متحد نہیں ہو سکے ۔ لہذا یا تو اسکی تجویز یہ ہے کہ یونانی ریاستیں کسی ایک ریاست کی سیادت قبول کر لیں جیسے مقدونیہ نے اسے کے دیکھتے دیکھتے قائم کی ۔ یا یہ کہ یونانی ریاستیں اپنی اپنی آزادی قائم رکھتے ہوئے کوئی آزادانہ وفاق قائم کریں ۔ وہ کہتا ہے اتحاد کی یہ آخری شکل فی‌الواقعہ یونانیوں کو متحد کر دے گی ۔ لیکن معلوم ہوتا ہے یہاں اس کا اشارہ مقدونوی سیادت یعنی اس

باقی صفحہ ٦٣٧ پر

جو اہلِ یونان اور دوسری قوموں میں پایا جاتا ہے اور جن میں پائی جاتی ہے تو دونوں میں سے کوئی ایک صفت ۔ برعکس اس کے اہل یونان میں یہ جملہ صفات نہایت عمدگی سے جمع ہو گئی ہیں اور اس امر کا ثبوت کہ اگر ہم کسی ایسے مقنن کا اتباع کرتے ہیں جس کا مقصد خیر ہے تو ہمیں صاحب فہم بھی ہونا چاہئے اور بہادر بھی ۔ رہی بعض لوگوں کی یہ رائے کہ جن لوگوں کو ہم جانتے ہیں ان سے تو فوج کو ملاطفت کا سلوک کرنا چاہئے جن کو نہیں جانتے ان سے سختی کا ۔ اس لئے کہ یہ فی الحقیقت شجاعت ہے جس سے ہم دوسروں کی نظر میں محبوب ہو جاتے ہیں اور پھر یہی روح کی وہ قوت بھی ہے جو ہمارے نزدیک سب سے زیادہ قابل تعریف ہے(٥) اور جس کا ثبوت یہ ہے کہ دوستوں اور شناساؤں سے تو ہماری ناراضگی بڑی زیادہ شدید ہوتی ہے، بہ نسبت اِن کے جن سے ہم واقف نہ ہوں اور جس کی بنا پر آرکیلاؤس(٦) نےجب دوستوں پر الزام رکھا تو اپنے آپ سے نہایت ٹھیک کہا تھا کیا میں دوستوں کے

---

بقیہ حاشیہ ٦٣٦

ریاست کی سیاسی روش کی طرف ہے جسکی ابتدا فیلقوس نے ٣٣٨ ق-م میں کارنتھ میں کی تھی اور وہ یہ کہ تمام یونانی ریاستیں سیاسی اور جنگی اعتبار سے ایک دوسرے کی حلیف بن جائیں۔ چنانچہ اسکندر اور اینٹی‌پیٹر نے بھی یہی روش جاری رکھی۔مترجم

٥ - ارسطو کے نزدیک روح کی تین قوتیں ہیں ، عقل ، جذبہ اور اور خواہش - اب جس کسی کے اندر جذبات موجود ہونگے وہ اپنی عزت کے معاملے میں بڑا حساس ہوگا اور اس لئے خوب سمجھیگا دوستوں کی ذمہ داریاں کیا ہیں —مترجم -

٦ -

ہاتھوں ذلت برداشت کروں ؟ چنانچہ آزادی اور حکمرانی کا جذبہ بھی انہیں کے اندر ہوتا ہے جن کی افتاد مزاج اس طرح کی ہے اس لئے کہ دلیری ہی وہ چیز ہے جسے ہمیشہ غلبہ حاصل ہوتا ہے ۔ دلیری کبھی مغلوب نہیں ہوتی (۷)۔ مگر پھر یہ کہنا بھی تو ٹھیک نہیں کہ ہم جن لوگوں سے ناواقف ہیں ان کے خلاف سختی سے کام لینا چاہئے ۔ ایسا کردار تو کسی کے شایان شان نہیں ۔ چنانچہ جو لوگ طبیعت کے شریف ہیں ان کے طور طریق سختی سے خالی ہوتے ہیں ، الا یہ کہ انہیں بدوں سے سابقہ پڑے ۔ وہ سختی پر اترتے ہیں تو جیسا کہ ہم اس سے پہلے کہہ آئے ہیں اپنے دوستوں کے خلاف، یعنی جب ان سے گزند پہنچے اور عقل بھی یہی کہتی ہے انہیں ایسا ہی کرنا چاہئے ۔ بات یہ ہے کہ جو لوگ ہر کسی سے مہربانی کی توقع رکھتے ہیں وہ اکثر اس سے محروم رہتے ہیں ۔ علاوہ اس کے انہیں اس سے گزند بھی پہنچتا ہے (۸) ۔ اسی لئے تو ضرب المثل ہے ”بھائیوں کی لڑائیاں بڑی ظالمانہ ہوتی ہیں“ ۔ علیٰ ھذا یہ کہ ”جنہیں آپس میں بڑی محبت ہوتی ہے انہیں کو ایک دوسرے سے بڑی نفرت ہو جاتی ہے“ ۔ ہماری رائے میں کچھ اس قسم کے باشندے ہیں جن پر بڑی حد تک کسی شہر کو مشتمل ہونا چاہئے اور کچھ ایسے ہی خصائص جن کی قدرتاً ان کو ضرورت ہوگی ۔

---

۷ - ارسطو کہتا ہے اعلیٰ جذبات کے انسان اپنوں پر تو مہربان ہوتے ہیں، لیکن دوسروں کے خلاف بڑے سخت—مترجم

۸ - مطلب یہ ہے کہ انہیں وہ بات تو حاصل نہیں ہوتی جس کی انہیں دوسروں سے توقع ہوتی ہے ، لہٰذا وہ سمجھتے ہیں ان کی توہین ہوئی اور اس لئے انہیں گزند پہنچا — مترجم

جیسے یہ کہ علاقہ کتنا بڑا ہو اور کس طرح کا ۔ ہم نے کہا ہے بڑی حد تک ۔ اس لئے کہ جن باتوں کا تعلق حواس سے ہے ان میں پوری پوری صحت سے کام لینا مشکل ہوتا ہے جیسے ان باتوں میں جن کو صرف فہم و دانش ھی سے حاصل کیا جا سکتا ہے(۹) ۔

۹ - حواس سے مطلب ہے تجربۃ—مترجم

# آٹھواں باب

جس طرح قدرتی اجسام میں ہم ان چیزوں کو جن کے بغیر کل کا وجود قائم نہیں رہتا اس کے اجزاء نہیں ٹھہراتے، بعینہ ظاہر ہے کہ ایک سیاسی ہئیت میں بھی کسی ایسی چیز کا شمار جو اس کی ہستی کے لئے ناگزیر ہے اس کے اجزاء میں نہیں ہوگا، نہ ان لوگوں کا جن سے کل کی ترکیب ہوئی (۱) ۔ اب ایک بات تو خواہ لوگوں کو اس میں برابر کا حصہ ملے، خواہ کم و بیش سب میں مشترک ہونی چاہئے اور یکساں بھی جیسے خوراک، یا زمین یا ایسی ہی کوئی دوسری چیز (۲) ۔ البتہ جب

---

۱ - یہ ارسطو کا خاص طریق بحث ہے - چیزوں سے اس کا مطلب ہے مرکب - ہر مرکب ایک کل ہے اور ہر کل کے کچھ اجزاء - ریاست کا قیاس بھی طبعی مرکبات پر کرنا چاہئے - ریاست بھی ایک کل ہے اور اس لئے اس کے بھی کچھ اجزاء ہیں - لٰہذا دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس کل کے جسے ہم ریاست کہتے ہیں حقیقی اجزاء کیا ہیں، قطع نظر اس سے کہ ریاست کے لئے کون کونسی چیزیں ناگزیر ہیں - مثلاً علاقہ، اس کا محل وقوع وغیرہ، وغیرہ، گو یہ چیزیں بجائے خود ریاست نہیں ہیں - زندگی کے لئے بھی بعض چیزیں ناگزیر ہیں مثلاً ہوا، پانی، وغیرہ، وغیرہ، مگر یہ چیزیں تو زندگی نہیں — مترجم

۲ - اس عبارت میں ارسطو کا اشارہ بعض مصطلحات اور تصورات کی طرف ہے اس نے کل (یونانی میں ہولون) کی اصطلاح استعمال کی ہے اور

باقی صفحہ ۶۳۱ پر

ایک چیز ایک کے لئے سود مند ہو، دوسری کسی دوسرے کے لئے تو اس طرح کوئی اشتراک قائم نہیں ہو گا۔ الا یہ کہ ایک اسے طیار کرے، دوسرا استعمال (۳) مثلاً اوزار جو کام کے لئے تو ضروری ہیں لیکن ان میں اور کاریگر میں کوئی شے بھی مشترک نہیں جیسے مکان اور معمار میں، گو مکان کی تعمیر کے لئے معمار کا وجود ضروری ہے (۴)۔ یہی مثال مال و دولت کی ہے جس کا وجود ریاست کے لئے ناگزیر ہے۔ لیکن مال و دولت ریاست کا جز نہیں گو اس میں بعض زندہ وجود بھی شامل ہیں (۵)۔ برعکس اس کے شہر ان لوگوں کا اجتماع ہے جو باہم مساوی ہو اور

---

بقیہ حاشیہ ٦٣٠

مرکب (یونانی میں سنتھٹون) کی۔ ملاحظہ ہو فصل سوم پہلا باب۔ پھر اس کی نگاہیں اس کل یعنی (ریاست) کے اس جزو لازم پر ہیں جو اس کی زندگی میں بالارادہ حصہ لیتا ہے، علیٰ ہذا اس کی شرط ضروری، یا ان احوال و ظروف پر جن کے بغیر ناممکن ہے شہر کی ہستی قائم رہے لیکن جن کا اس کو حقیقی زندگی میں مطلق دخل نہیں۔ للہذا اس کل میں بھی اس کی کوئی جگہ نہیں ہے ــ مترجم

۳ - لیکن پھر باوجود استعمال دونوں کا آپس میں وہ تعلق نہیں کہ ایک کی ہستی دوسرے کے بغیر قائم نہ رہ سکے اس لئے کہ اوزار محض ذریعہ ہیں۔ حقیقی ہستی صرف اشیاء کی ہے ــ مترجم

۴ - لیکن اس کے خلاف یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے کہ معمار اور اسکے اوزار دونوں کو ذریعہ ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ بلکہ شاید یہ بھی کہ مکان ذریعہ ہے، معمار اسکی غایت، اس لئے کہ معمار آخر انسان ہے۔ بایں ہمہ ارسطو کا بنیادی خیال صحیح ہے جیسا کہ بارکر نے وضاحت کردی ہے ــ مترجم

۵ - زندہ وجود یعنی غلام نوکر چاکر وغیرہ ــ مترجم

جو اس طرح بہتر سے بہتر زندگی سے لطف اندوز ہوں گے ۔ اب سب سے زیادہ خوش بختی اور سعادت کی زندگی وہ ہے جس میں ہم اپنی ساری طاقتیں حصول خیر پر مرکوز کر دیں ۔ مگر پھر ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ بعض کو زیادہ ، بعض کو کم بلکہ سرے ہی سے اس قسم کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا موقعہ نہیں ملتا ۔ لہٰذا یہ جو مختلف شہروں اور مختلف ریاستوں میں باہم فرق پایا جاتا ہے تو اسی لئے کہ ان میں ہر ایک کی خواہش ہے کہ بہتر سے بہتر کے حصول میں طرح طرح کے ذرائع سے کام لے اور یہی وہ بات ہے جس سے مختلف طرز ہائے زندگی اور طرز ہائے حکومت وجود میں آتے ہیں (٦) ۔ لہٰذا دیکھنا چاہئے وہ کیا چیزیں ہیں جن کے

---

٦ ۔ یہ بحث ذرا پیچیدہ ہوگئی ہے ۔ اسلئے کہ آخر بحث میں ارسطو نے جو نتائج قائم کئے ہیں وہ قدرے غیر متوقع ہیں ۔ حالانکہ ان مقدمات سے جو نتیجہ مترتب ہوتا ہے غالباً یہ کہ جس ریاست میں سعادت اور خوش بختی کا دور دورہ ہے وہاں اس میں سب کو حصہ نہیں ملیگا یعنی وہ اسکا جز نہیں ہونگے (مثلاً غلام اس لئے کہ ان کی حیثیت محض ایک ذریعے کی ہے) ۔ برعکس اسکے اب ارسطو یہ کہہ رہا ہے کہ سعادت اور خوش بختی سے مختلف اشخاص چونکہ مختلف شکلوں میں بہرہ ور ہوتے ہیں اس لئے ضروری ہے لوگ مختلف طرز ہائے زندگی اختیار کریں ۔ اور اس لئے یہ بھی کہ ان کے دستور ہائے حکومت (طرز زندگی) بھی مختلف ہوں یعنی وہ اپنے نشو و نما کا کا الگ الگ راستہ اختیار کریں ۔ لیکن اگر یہ درست ہے تو کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بعض ریاستیں ایسی بھی ہونگی جن میں کچھ لوگوں کی حیثیت اگرچہ ذرائع کی ہوگی بایں ہمہ وہ ان کا جز ٹھہریں گے ۔ ایک مثالی ریاست کا معاملہ البتہ اس سے مختلف ہوگا ـــ مترجم

بغیر شہر کی ہستی ناممکن ہے اس لیے کہ وہ سب چیزیں جن کو ہم شہر کے اجزا کہتے ہیں لا محالہ شہر کے اندر موجود ہوں گی لہذا یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائیگی، بشرطیکہ ہمیں معلوم ہو وہ کتنی چیزیں ہیں جو شہر کے لئے لازم و ملزوم ہیں - پہلی یہ کہ اس کے باشندوں کو خوراک میسر ہو - دوسری فنون (۷) - اس لئے کہ زندگی کے لئے کئی ایک اوزار ناگزیر ہیں - تیسری اسلحہ اس لئے کہ ہر ریاست کو ایک مسلح فوج کی ضرورت ہے تاکہ اگر اس میں کچھ لوگ نافرمانی پر اتر آئیں تو ان کے خلاف حکومت کی تائید حاصل کرسکے جیسے باہر سے حملہ آوروں کے مقابلے میں اس کی حفاظت - چوتھی کچھ مالگزاری ، ریاست کی اندرونی ضروریات اعلیٰ ہذا جنگ کے پیش نظر - پانچویں اور یہ سب سے بڑی بات ہے کوئی مذہبی نظام (۸) چھٹی گو باعتبار ترتیب چھٹی لیکن باعتبار ضرورت سب سے پہلی یعنی عدالت جو دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ کرے - یہ سب چیزیں شہر کے لئے لازم و ملزوم ہیں اس لئے کہ شہر کا مطلب یہ تو ہے نہیں کہ کچھ لوگ اتفاقاً جمع ہو جائیں، شہر ان لوگوں کا اجتماع ہے جو اس امر کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ اپنے لئے مناسب آزادی اور حفاظت حاصل کریں - لہذا یہ باتیں جن چیزوں سے پوری ہو سکتی ہیں ان میں کسی ایک چیز کی بھی کمی ہے تو ناممکن ہے

---

۷ - فنون سے مطلب ہے پیشے صنعت و حرفت دستکاری وغیرہ—مترجم

۸ - مطلب یہ ہے وہ نظام جو مذہبی مراسم کی ادائیگی کے لئے قائم کیا جائے تاکہ لوگ بحیثیت ایک جماعت اس میں حصہ لے سکیں اور ان کا اتحاد وارتباط بڑھے - ضمناً اس سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ مذہب کا تصور ابھی تک وطنی اور نسلی تھا—مترجم

هم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکیں ۔ بالفاظ دیگر شہر کو اس قابل ہونا چاہئے کہ یہ سب چیزیں بہم پہنچا سکے ۔ لہٰذا اسے کسانوں کی ایک مناسب تعداد کی ضرورت ہو گی تا کہ خوراک میسر آئے ، نیز صناعوں اور سپاہیوں ، دولت مندوں اور کاہنوں اور قاضیوں کی جو اس امر کا فیصلہ کریں گے کہ ٹھیک کیا ہے اور مناسب کیا (۹) ۔

---

۹ - ریاست اور اس کے مطابق طبقات کے وظایف کا یہ بیان جن امور کے متعلق ہے اس مقابلہ کا ان خیالات سے بھی کر لینا چاہئے جن کا اظہار ارسطو فصل چہارم کے چوتھے باب میں کر آیا ہے ۔ بظاہر یہ دونوں بیانات مختلف ہیں اس لئے کہ ان کا محل اور موقع بھی مختلف ہے ۔ فصل چہارم میں ارسطو کی نظر جمہوریتوں پر تھی ۔ لیکن اس باب میں مثالی ریاست پر ۔ ہم ان دونوں صورتوں کا مقابلہ تو کر سکتے ہیں لیکن ان میں ربط پیدا نہیں کر سکتے ۔ علاوہ اس کے مزید دشواری یہ ہے کہ فصل چہارم کے تیسرے باب میں ارسطو نے جو رائے ظاہر کی ہے وہ بڑی مختلف ہے حتیٰ کہ باب چہارم کے بعد جو بیان شروع ہوتا ہے اس سے بھی اس کا تعلق قائم نہیں ہوتا — مترجم

# نواں باب

اتنا کچھ طے کرنے کے بعد اب صرف یہ دیکھنا باقی رہ گیا ہے کہ یہ جتنے بھی کام ہیں کیا ان میں سب حصہ لے سکتے ہیں(۱) ؟ اس لئے کہ ہو سکتا ہے وہی لوگ کسان بھی ہوں، صناع اور قاضی اور مشیر بھی ۔ یا پھر یہ سب کام جن کا ہم ذکر کر آئے ہیں مختلف اشخاص کے سپرد کردئے جائیں، یا یہ کہ کچھ تو خاص خاص لوگ سر انجام دیں باقی البتہ سب کے لئے کھلے رہیں؟ لیکن پھر ہر ریاست کا جیسا کہ ہم اس سے پہلے کہہ آئے ہیں اپنا الگ الگ دستور ہے اس لئے ممکن ہے ان میں سب کے سب حصہ لیں یا سب حصہ نہ لیں، بعض البتہ سب میں حصہ لے سکیں(۲) ۔ چنانچہ یہی فرق ہے جو مختلف حکومتوں میں پایا جاتا ہے اس لئے کہ جمہوریتوں میں تو ہر کوئی سب میں حصہ لے سکتا ہے ، اعیانیتوں کا معاملہ البتہ اس سے مختلف ہے (۳) ۔

---

۱ - کام یعنی آجکل کی اصلاح میں خدمات (Services) ریاست کے نظم و نسق اور عملداری کے لئے—مترجم

۲ - حسب دستور یہ بھی اور وہ بھی یہاں ارسطو کے ذہن میں وہ خیالات کام کر رہے ہیں جن کا اظہار اس نے باب ماسبق میں کیا تھا یا فصل چہارم میں چوتھے باب کی وہ بحث جس کا تعلق اسی مسئلے سے ہے—مترجم

۳ - اس لئے کہ ان کے یہاں سررشتۂ عملداری چند ہی اشخاص کے ہاتھوں میں رہتا ہے—مترجم

پھر چونکہ ہمارے پیش نظر اس امر کی تحقیق ہے کہ بہترین حکومت کیا ہوگی اور یہ مسلم ہے کہ بہترین حکومت وہی ہے جس میں سب شہری خوشحال ہوں اور جیسا کہ ہم اس سے پہلے کہہ آئے ہیں سعادت اور خوش بختی کا حصول خیر ہی پر موقوف ہے تو ثابت ہوا (۴) کہ جن ریاستوں میں بہترین حکومت قائم ہے اور جہاں شہریوں کو فی‌الواقعہ فضائل ذات سے بہتر ملا ہے ، یہ نہیں کہ نسبتاً (۵) وہاں کسی کو اجازت نہیں ہونی چاہئے کہ صنعت و حرفت میں حصہ لے، یا کاروبار کرے اس لئے کہ یہ امور شرافت کے خلاف اور فضائل اخلاق کے لئے مہلک ہیں (۶) - انہیں

۴ - ارسطو کا کہنا یہ ہے کہ اگر خیر کا تعلق سعادت سے ہے اور سعادت کا مثالی دستور حکومت سے تو پھر یہ کہنا بھی ٹھیک ہوگا کہ جو شخص اس قسم کے دستور میں حصہ لے گا اس کا صاحب خیر ہونا ضروری ہے - پھر خیر کا مطلب ہے عملاً حصول خیر ، یعنی صبر ، میانہ روی ، عدالت اور حکمت کے فضائل کی پرورش جن سے صناع اور کسان محروم رہتے ہیں—مترجم

۵ - کسی مخصوص معیار کے اعتبار سے نہیں بلکہ فی‌الحقیقت خیر سے بہرہ ور—مترجم

۶ - یہ فراغت ہے جس سے ادیب بنتا ہے اور یہ کاروبار سے فرصت ہی کا نتیجہ ہے کہ لوگ حکمت اور دانائی سیکھتے ہیں - لہٰذا جس شخص کے ہاتھ میں ہل ہے وہ کیسے دانا بنے گا - جو سانڈ پالتا ہے وہ کیسے؟ یہود کے اس مذہبی صحیفے میں جس کا نام ہے Ecclesiasticus یونانی میں پانا پٹوس - عبرانی میں حکمت صیرخ یا صحیفہ ابن صرہ اور جو تقریباً ۲۰۰ ق-م میں مرتب ہؤا اس قسم کے خیالات کا اظہار شائد یونانی اثرات کے ماتحت کیا گیا—مترجم

کسان بھی نہیں بننا چاھئے تاکہ انہیں اتنی فراغت میسر آئے کہ بہتر سے بہتر فضائل حاصل کریں اور وہ فرائض بھی سر انجام دے سکیں جو ریاست کی طرف سے ان پر عائد ہوتے ھیں (۷)۔ رھا سپاھی یا مشیر یا قاضی کا کام جو ظاھر ھے ریاست کے لئے ناگزیر ھے اسے کیا مختلف اشخاص کے ذمے کرنا چاھئے یا بہتر ھے ایک ھی شخص ان کو سرانجام دیتا رہے (۸) ؟ اس سوال کا جواب بھی آسان ھے اس لئے کہ بعض صورتوں میں اسے ایک ھی قسم کے انسان سرانجام دے سکتے ھیں ، بعض میں مختلف ، یعنی جہاں مختلف کاموں کے لئے مختلف قابلیتوں کی ضرورت ھو مثلاً جب ایک میں دلیری کی کمی ھے، دوسروں میں حکم لگانے کی ۔ ایسی صورتوں میں انہیں مختلف اشخاص کے ذمے کر دینا چاھئے (۹) ۔ البتہ جہاں یہ معلوم ھے کہ جو لوگ اسلحہ بند ھیں انہیں کسی بات پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، وہ ھمیشہ اپنی من مانی کاروائی کرینگے، بلکہ دوسروں پر بھی اپنا حکم چلائیں گے وھاں یہ سب کام کسی ایک ھی شخص کے ذمے کئے جا سکتے ھیں (۱۰) اس لئے کہ جن لوگوں کے پاس اسلحہ ھیں (۱۱) تو یہ ان کے

۷ - جیسا کہ اعیانیت، یا جمہوریت، یا کسی دوسرے طرز حکومت کا تقاضا ھے جس کا ادنیٰ یا اعلیٰ اپنا اپنا تصور عدالت ھو گا—مترجم

۸ - شخص کا اشارا خص قسم کے اشخاص کی طرف ھے، نہ کہ فرد واحد کی جانب—مترجم

۹ - مختلف قابلیتوں کے اشخاص یعنی جماعت اشخاص—مترجم

۱۰ - متن میں چونکہ بار بار شخص کا لفظ استعمال ھو رھا ھے لہذا قارئین کو سمجھ لینا چاھئے کہ شخص سے مراد پھر جماعت اشخاص ھے—مترجم

۱۱ - مطلب ھے وہ لوگ جن کا پیشہ سپاہ گری ھے یعنی جب کسی ریاست میں اس قسم کے لوگوں کی کثرت ھو جائے—مترجم

اختیار کی بات ہے کہ اقتدار اعلیٰ حاصل کریں یا نہیں۔ لہٰذا وہاں حکومت کی باگ ڈور ان دونوں کو (یعنی جن میں دلیری بھی ہے اور جو صاحب رائے بھی ہیں) دیدینی چاہئے مگر ایک ہی طریق پر نہیں بلکہ جیسا کہ فطرت کا تقاضا ہے (١٢) ویسے

---

١٢۔ غور و فکر بوڑھوں کا کام ہے، جنگ نوجوانوں کا۔ ارسطو کی کتاب خطابت میں انسانی عمر کے تین ادوار قائم کئے گئے ہیں جن میں اس نے ہر دور کی خصوصیات سے بحث کی ہے۔ وہ کہتا ہے ایک دور تو نشو و نما کا ہے دوسرا بڑھاپے، مگر تیسرا اور بیچ کا کھولت کا دور ہے۔ پھر اس خیال کے ماتحت کہ وسط ہی ہر شہر کا بہترین حصہ ہے وہ عمر کے درمیانی حصے کو باقی حصوں پر ترجیح دیتا ہے، کیونکہ اس میں جوانی اور بڑھاپے دونوں کے خصائص جمع ہوتے ہیں۔ اس دور میں انسان پہلے اور آخری دور کی کمزوریوں سے محفوظ رہتا ہے، نہ ضرورت سے زیادہ جوش کا اظہار کرتا ہے، نہ ضرورت سے زیادہ احتیاط سے کام لیتا ہے۔ اس کی طبیعت میں اعتدال ہوتا ہے اور اس لئے ہر امر کی سرانجام دہی مناسب طریق پر ہوتی رہتی ہے۔ ارسطو کے نزدیک جسمانی اعتبار سے عمر کا بہترین حصہ ٣٠ سے ٣٥ برس تک ہے۔ دماغی اعتبار سے اس کا ٤٩ واں سال۔ لہٰذا ارسطو کی رائے تھی کہ جن لوگوں نے جوانی میں جنگی خدمات سرانجام دی ہیں بڑھاپے میں انہیں کو مشیر اور قاضی بننا چاہئے، یعنی جب ان کی عمر ٥٠ برس کی ہو جائے اس وقت اس طرح ریاست کے اندر کارکردگی کی صلاحیت بڑھ جائے گی۔ فوج نوجوانوں پر مشتمل ہو گی اور عملداری بوڑھوں کے ہاتھ میں۔ یہ ہے صحیح معنوں میں عدل و انصاف۔ اس لئے کہ یوں ہر فریق کو جیسی اس کی صلاحیتیں ہیں ویسے حقوق مل جائیں گے — مترجم

نوجوانوں سے دلیری کی طلب ہوتی ہے ، بوڑھوں سے اصابت
رائے کی ، اس لئے کہ نوجوان حوصلہ مند ہوتے ہیں ، بوڑھے دانا ۔
للہذا ان سے وہی کام لینا چاہئے جو ان کی قابلیتوں کے عین
مطابق ہے (۱۳) ۔ علاوہ اس کے یہ بھی ضروری ہے (۱۴) کہ
جائیداد غیر منقولہ انہیں کے قبضے میں رہے ۔ اس لئے کہ
شہریوں کو دولت مند ہونا چاہئے اور یہی لوگ حقیقی
شہری ہیں ۔ صناعوں کو البتہ شہری حقوق نہیں دینا چاہئے ، نہ ان
اشخاص کو جن کا پیشہ شرافت اور عزت نفس اور فضائل اخلاق سے
بعید ہے (۱۵) پھر یہ بات جسے ہم پہلے بھی طے کر آئے ہیں

---

۱۴ - ارسطو کے نزدیک ریاست میں ایک دولت مند طبقہ بھی ہونا چاہئے
جو دوسروں سے ممتاز رہے ۔ اب تک ارسطو نے ریاست کے
دو طبقوں سے بحث کی ہے ، یعنی کسانوں اور اہل حرفہ سے
اور جو اس کے نزدیک ناممکن ہے کسی مثالی ریاست کا جزو
بن سکیں اور پھر دو اور یعنی سپاہیوں اور عمال حکومت سے جو
اس کی رائے میں فی‌الواقعہ ریاست کا جز ہیں ۔ لیکن اب اس
کی توجہ املاک پر ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ دولت کا
تعلق اگرچہ سب سے ہے لیکن وہ معاملہ ہے تو صرف ایک
ہی طبقے کا ــــ مترجم

۱۵ - یہاں افلاطون کے اس خیال کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے جو
اس نے جمہوریہ میں ظاہر کیا ہے اور وہ یہ کہ محافظین
ریاست کو املاک سے بے تعلق رہنا چاہئے ۔ املاک صرف
کسانوں کا حصہ ہیں ۔ ارسطو اس کے برعکس یہ کہتا ہے
کہ املاک تو محافظین کا حصہ ہیں یعنی سپاہ اور عمال
حکومت کا ۔ املاک یا زمین سے محروم رکھنا چاہئے تو
کسانوں کو ــــ مترجم

یوں بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خوش بختی اور سعادت کے لئے صاحب فضیلت ہونا ضروری ہے ۔ لہٰذا جب تک ہماری نگاہیں شہریوں کے ایک حصے پر ہیں اسے خوش بخت کہنا غلط ہوگا ۔ ہماری نگاہیں سب شہریوں پر ہونی چاہئیے(١٦) ۔ اندریں صورت ضروری ہے کہ املاک غیر منقولہ پر بھی انہیں کا قبضہ رہے (١٧) ۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسانوں کا کام انہیں غلاموں یا وحشیوں یا ملازموں سے لینا پڑے گا ۔ اب صرف مذہبی پیشوا ہیں جن کا آبادی کے مختلف طبقات کے سلسلے میں ذکر کرنا باقی رہ گیا ہے ۔ ان کا بھی اپنی جگہ پر ایک درجہ ہے ۔ ہم ان کا شمار نہ کسانوں میں کرینگے ، نہ صناعوں میں ۔ اس لئے کہ دیوتاؤں کا احترام ہر ریاست پر فرض ہے ۔ پھر چونکہ شہریوں کی تقسیم ہم مختلف زمروں میں کر چکے ہیں ، یعنی سپاہیوں اور مشیروں میں اور دیوتاؤں کی پرستش ضروری ہے ، لہٰذا جو لوگ یہ خدمات سرانجام دے رہے ہیں انہیں اور کوئی کام نہیں کرنا

---

١٦ - یعنی ہر شہری کو اس سے بہرہ مند ہونا چاہئیے اور یہ ایک طرح سے افلاطون کی تنقید بھی ہے۔ ارسطو کہتا ہے افلاطون نے حاکموں یعنی اصل شہریوں کو اس سعادت سے محروم رکھا ہے جو مال و دولت سے حاصل ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے ارسطو کے نزدیک افلاطون نے ریاست کی سعادت اور خوشحالی کی بحث میں ٹھیک راستہ اختیار نہیں کیا۔ مثلاً یہی مال و دولت سے لطف اندوزی کا معاملہ ہے جو افلاطون کی تجویز کردہ ریاست میں صرف کسانوں کو نصیب ہوگی اور جس سے اس کے حقیقی عناصر یعنی سپاہی اور عمال حکومت محروم رہیں گے—مترجم

١٧ - ملاحظہ ہو اوپر کا حاشیہ اس لئے کہ کسانوں اور اہل حرفہ کی حیثیت ذرائع کی ہے—مترجم

چاهئے ۔ البتہ یہ بہتر ہوگا کہ مذہبی پیشوائی کا فریضہ وہی اشخاص سرانجام دیں جن کی عمر زیادہ ہے ۔ یہاں تک تو بیان یہ تھا کہ شہر کی ہستی کا دار و مدار کس بات پر ہے اور اس کے اجزا کیا ہیں ۔ نیز یہ کہ کسانوں ، دستکاروں اور اجرت پیشہ ملازمین کا وجود شہر کے لئے کیوں ضروری ہے ۔ لیکن اس کے حقیقی اجزا ہیں سپاہی اور ملاح ۔ وہ دوسروں سے تو ہمیشہ مختلف ہوں گے ، لیکن ایک دوسرے سے کبھی کبھار (١٨) ۔

---

١٨ - کبھی کبھار کا مطلب ہے ہمیشہ یا عمر کے کسی حصے میں۔ کیونکہ اول الذکر تو باعتبار اپنی حیثیت کے ناممکن ہے ریاست کا جزو بنیں ۔ موخرالذکر کو باعتبار عمر کبھی ایک میں حصہ لینگے کبھی میں یوں ان میں باہم ایک امتیاز قائم ہو جائیگا—مترجم

# دسواں باب

یہ نہ تو کوئی نئی بات ہے ، نہ یہ کہا جا سکتا ہے اسے حال ہی میں ان فلسفیوں نے دریافت کیا جن کے مطالعے کا موضوع ہے سیاسیات اور وہ یہ کہ شہر کی تقسیم باعتبار کنبوں کے مختلف مراتب میں کردینی چاہئے ۔ مزید یہ کہ کسانوں اور سپاہیوں کا ہمیشہ ایک دوسرے سے الگ رکھنا ضروری ہے جیسا کہ مصر اور قریطش میں آج بھی رواج ہے ۔ مصر میں اس کی ابتدا سیسوسٹرس(۱) نے کی ، قریطش میں مینوس نے ۔ مشترکہ دسترخوانوں کی تقسیم کا قاعدہ بھی قدیم ہی سے چلا آتا ہے ۔ قریطش میں تو اس کا زمانہ مینوس کا عہد ہے، اٹلی میں البتہ اس سے بھی کہیں پہلے کا ۔ چنانچہ ان لوگوں کا جو اس ملک سے بخوبی واقف ہیں کہنا ہے کہ اینوٹریا (۲) کا ایک بادشاہ تھا اٹالس (۳) جس کی پیروی میں لوگوں نے اپنا نام بدل لیا اور اینوٹریوں کی بجائے اٹالین کہلانے لگے ۔ پھر یورپ کے اس حصہ کا نام بھی جس کے ایک طرف خلیج اسکلے ٹک (۴) واقع ہے دوسری جانب لامے ٹک اور درمیانی مسافت قریباً نصف دن کا راستہ اٹلی ہوگیا (۵) ۔ کہتے ہیں یہ اٹالس ہی تھا جس نے

---

۱ - Sesostris

۲ - Aenotria

۳ - Italus

۴ - Scylletic Gulf

۵ - Lametic موجودہ ایطالیہ کا جنوبی حصہ ، جغرافیئین کی اصطلاح میں اٹلی کا انگوٹھا—مترجم

اینوٹریوں کے جو اس سے پہلے چوپایوں اور کسانوں کا کام کرتے تھے پچھلے قوانین بدل کر مختلف قوانین جاری کئے اور جس نے سب سے پہلے مشترکہ دسترخوانوں کو رواج دیا ۔ حتیٰ کہ اس کی اولاد میں کچھ لوگوں کا آج بھی اس پر عمل ھے اور وہ اس کے بعض قوانین کی پابندی بھی کر رھے ھیں ۔ اپیکی(٦) اس حصے میں آباد ھیں جو بحیرۂ ٹیری نیئن (٧) سے ملحق ھے اور جن کو اب اور پہلے بھی اسونوی (٨) کہتے تھے ۔ کون (٩) اس حصے میں بستے تھے جو ایاپیگیا (١٠) اور بحیرہ یونان کی سمت واقع ھے اور جسے اب سرٹس(١١) کہتے ھیں ۔ وہ اینوٹریون ھی کی اولاد ھیں اور اس لئے ان کے یہاں مشترکہ دسترخوانوں کا رواج ابھی تک قائم ھے ۔ البتہ یہ رسم کہ شہریوں کی تقسیم مختلف کنبوں میں کی جائے مصر میں شروع ھوئی ۔ اس لئے کہ سیسوسٹرس کا زمانہ مینوس سے بھی کہیں زیادہ متقدم ھے اور پھر جیسا کہ ھمیں خود ھی سمجھ لینا چاھئے بعض دوسری چیزوں کا آغاز(١٢) بھی زمانہ گزشتہ بلکہ یوں کہنا چاھئے اس زمانے میں ھو چکا تھا جو گزشتہ سے بھی پیوستہ ھے (عقل سے بھی ھمیں جو سبق ملتا ھے یہ کہ ضرورت اول اس چیز کی ایجاد پر مجبور کرتی

---

٦ - Opici

٧ - Tyrrhenian Sea

٨ - Ausonians

٩ - Chones

١٠ - Iapigia

١١ - Syrtis

١٢ - یعنی طبقاتی امتیازات اور مشترکہ دسترخوان کی طرح جو اور رسم و رواج ھیں ان کی ابتدا مصر اور قریطش کے علاوہ بعض دوسرے ملکوں میں بھی — مترجم

ہے جس کے بغیر چارہ کار نہ ہو اور پھر جب ایسا ہو جائے تو وہ چیزیں جو زندگی میں آسائش اور زیب و زینت کا باعث ہوتی ہیں)۔ کچھ ایسا ہی معاملہ سیاسی اجتماع کا ہے ۔ مثال کے طور پر مصر ہی کو لیجئے وہاں جو کچھ نظر آتا ہے اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا آغاز بہت قدیم زمانہ میں ہوا ، کیونکہ مصری ہی شاید سب سے پرانی قوم ہیں ۔ لہٰذا قوانین اور سیاسی نظم و نسق کی دریافت بھی انہیں نے کی اور اس لئے ہمیں چاہئے ان کے متعلق جتنی بھی معلومات حاصل ہیں ان سے مناسب فائدہ اٹھائیں اور دیکھیں کہ وہ کیا بات ہے جو ان سے رہ گئی (۱۲) ۔ ہم اس سے پہلے کہہ آئے ہیں کہ جائیداد غیر منقولہ صرف فوج ، یا ان لوگوں کو ملنی چاہئے جن کا تعلق کسی ریاست کی عملداری سے ہے ، لہٰذا کسانوں کا ایک الگ طبقہ ہونا چاہئے ۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ علاقے کی وسعت کیا ہو اور نوعیت کیا ۔ لہٰذا سب سے اول ہم زمین کی تقسیم سے بحث کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ کسانوں سے کہ وہ ہوں کتنے اور کس طرح کے ۔ اس لئے کہ ہماری رائے میں املاک کو مشترکہ رکھنا جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے ٹھیک نہیں ۔ البتہ جہاں تک دوستی کا تقاضا ہے دستور یہ ہونا چاہئے کہ کوئی شہری ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے (۱۳) ۔ ایسے ہی مشترکہ

---

۱۳ ۔ ممکن ہے یہ سارا جملہ بعد کا الحاق ہو جو اگر صحیح ہے تو باب ما سبق کی کچھ عبارتیں جو اس باب سے متعلق ہیں الحاقی ہی سمجھی جائیں گی اس لئے کہ ان کا لب لباب اس باب میں بھی موجود ہے ۔ بایں ہمہ ان الحاقات کا طرز استدلال سر تا سر ارسطاطالیسی ہے ۔ فصل دوم میں بھی اسی قسم کے

باقی صفحہ ۶۵۵ پر

دسترخوانوں کا رواج بھی انہیں شہروں میں مناسب رهیگا جن کا نظم و نسق اچھا ہے ۔ رهی یه بات که ہمارے دلائل اس کے حق میں کیا هیں سو ان کی تشریح آگے آئے گی (١٣) ۔ بہر حال یه هر شہری کا حق ہے که اس میں حصه لے ، گو غریبوں کے لئے ایسا کرنا آسان نہیں هوگا اس لئے که ان سے جو کچھ فراهم کرنے کے لئے کہا جائے گا ان کی مقدرت سے باهر هوگا(١٥) ۔ ان کے پاس اتنا کچھ کہاں سے آئے گا که اس کے علاوه اپنا گھر بھی پورا کریں ۔

---

بقیه حاشیه ٦٥٣

کچھ الحاقات موجود هیں ۔ بہر حال ارسطو کا کہنا یه ہے که دنیا کی جو بھی ایجادات هیں ان کا سرچشمه کوئی ایک سر زمین نہیں ۔ مختلف ممالک نے مختلف زمانوں میں مختلف چیزیں ایجاد کیں ۔ یه نہیں که ایک هی ایجاد مختلف زمانوں اور مختلف ممالک میں بار بار ایجاد هوتی رهی—مترجم

١٣ ۔ مطلب یه ہے که جس طرح دوستوں میں باوجود انفرادی ملکیت کے ایک دوسرے کی چیزیں استعمال میں آتی رهتی هیں یہی کچھ طرز عمل ریاست میں افراد کا هونا چاهئے ۔ ملاحظه هو فصل دوم ، بحث املاک—مترجم

١٥ ۔ ارسطو نے مشترکه دسترخوانوں کا مسئله یہاں اس لئے چھیڑ دیا ہے که مال و دولت کے مشترکه استعمال کی کوئی مثال پیش کرسکے اور کچھ تمہیداً تاکه تقسیم دولت کی تجویز جو اس کے ذهن میں ہے اس کی تشریح هو جائے ۔ بایں همه ارسطو نے یه نہیں بتلایا که مشترکه دسترخوانوں کا رواج کیوں ضروری ہے ۔ وه اس کے حق میں ہے تو محض اس لئے که یونہی دولت کے مشترکه استعمال کی ایک مثال همارے سامنے آتی ہے ۔

باقی صفحه ٦٥٦ پر

مذہبی عبادات کا خرچ بھی ساری ریاست کو باہم مل کر پورا کرنا چاہئیے ۔ لٰہذا بہتر ہوگا زمین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے ۔ ایک حصے پر ریاست کا قبضہ رہے دوسرا افراد میں بانٹ دیا جائے ۔ لیکن ان دونوں حصوں کو پھر دو اور حصوں میں تقسیم کر دینا چاہئیے ۔ جس حصے پر لوگوں کا قبضہ ہے اس کا نصف دیوتاؤں کی پرستش کے لئے مخصوص رہے باقی نصف سے مشترکہ دسترخوانوں کا خرچ پورا کیا جائے ۔ پھر جو حصہ افراد کی ملکیت ہے اس کا نصف تو اس علاقے کے اختتام پر واقع ہونا چاہئیے جس پر ریاست مشتمل ہے ، دوسرا شہر کے قریب ۔ یوں ان دونوں حصوں میں چونکہ ہر کسی کو کچھ نہ کچھ زمین مل جائیگی اسلئے ان میں گویا سب کا حصہ ہوگا یہ انتظام مناسب بھی ہے اور مساوات کے بھی عین مطابق (١٦) ۔ انہیں اس بات پر بھی آمادہ کرتے رہنا چاہئیے کہ ہمسایوں سے جنگ کی نوبت آئے تو باہم اتحاد و اتفاق سے کام لیں (١٧) ۔ بات یہ ہے کہ اگر زمین کی تقسیم اس

---

بقیہ حاشیہ ٦٥٥

دولت کی ملکیت چونکہ انفرادی رہے گی اس لئے ارسطو سمجھتا ہے غریبوں کے لئے مشترکہ دسترخوانوں میں حصہ لینا مشکل ہو جائے گا جب کہ گھر بار کا خرچ بھی انہیں کے ذمے ہوگا اور جس کے علاوہ مشترکہ دسترخوانوں کے لئے بھی انہیں اپنی آمدنی کا کچھ حصہ صرف کرنا پڑے گا—مترجم

١٦ - نوامیس میں افلاطون نے یہی تجویز پیش کی ہے اور جیسے ارسطو نے گویا اس سے مستعار لیا ہے ، گو فصل دوم میں وہ اس پر اعتراض بھی کرچکا ہے - لیکن یاد رکھنا چاہئیے فصل ہشتم و ہفتم میں بھی اس نے افلاطون کی بہت سی تجاویز اپنا لی ہیں—مترجم

١٧ - اس لئے کہ ہمسایہ ریاستوں کی طرف سے جارحانہ کاروائیوں کا خطرہ انہیں باہم متحد رکھیگا—مترجم

طرح نہیں کی گئی اور دشمن سرحد پر حملہ آور ہوا تو جہاں ایک فریق اس سے بے تعلق رہیگا، دوسرا اس کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دے گا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بعض ریاستوں میں اب تک یہ قانون نافذ ہے کہ اگر ان کے خلاف کسی دوسری ریاست نے جنگ کی تو جو لوگ سرحدوں میں بستے ہیں انہیں یہ حق نہیں ہوگا کہ جب یہ مسئلہ مجلس میں زیر بحث آئے تو وہ اس پر رائے دیں۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے محض اپنے ذاتی مفاد کی خاطر وہ اظہار رائے میں جانب داری سے کام لیں (۱۸) ۔ لہذا زمین کی تقسیم ایسے ہی کرنا چاہئے اور انہیں وجوہ کی بنا پر جو ہم ابھی بیان کر آئے ہیں ۔ پھر اگر ہم اپنے پسند کی بات کر سکیں تو بہتر یہی ہے کہ کسان ہمیشہ غلام ہی رہیں(۱۹) ۔ لیکن انکا تعلق ایک ہی قوم سے نہ ہو، نہ ان لوگوں سے جن میں ہمت اور ولولہ پایا جاتا ہے ۔ اس صورت میں وہ اپنا کام بڑی محنت سے سرانجام دینگے اور یہ خطرہ بھی نہیں رہیگا کہ کسی نئی چیز کی ابتدا کریں(۲۰) ۔ لیکن اگر ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو پھر اس قسم کے غیر متمدن مزدور زیادہ بہتر رہیں گے جن کا انداز طبیعت جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں ان سے مختلف نہیں ہوتا (۲۲) ۔ وہ جس کسی کی ذاتی جائیداد میں کاشتکاری کریں اسی کی ملکیت

---

۱۸ - یعنی اس صورت میں جب ریاست کو دوسری ریاست سے جنگ درپیش ہو اور مجلس اس کے پیش نظر کسی تجویز پر غور کرے—مترجم

۱۹ - کسان غلام ہی رہیں ، یعنی اگر یہ ممکن نہ ہو کہ کاشتکاری کے لئے غلام ہی مل سکیں—مترجم

۲۰ - نئی چیز کی ابتدا یعنی ریاست میں انقلاب پیدا کرنے کی کوشش—مترجم

رهیں ۔ اگر جماعت کی تو جماعت ہی کے ۔ رہی یہ بات کہ غلاموں سے کس طرح کام لینا چاہئے اور کیوں ، جیسے یہ کیوں مناسب ہے کہ ان کی خدمات کے صلے میں انہیں آزادی کا یقین دلایا جائے اس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے(۲۲) ۔

---

۲۱ - غیر متمدن ۔ بالفاظ دیگر غیر یونانی اقوام - ارسطو کا نسلی تعصب اسے مجبور کردیتا ہے کہ غیر قوموں کے افراد کو اسی نظر سے دیکھے جس نظر سے غلاموں کو ۔ گویا اس کا کہنا یہ ہے کہ وہ اگرچہ غلام تو نہیں لیکن انہیں غلام ہی سمجھنا چاہئے لہذا غلام نہ ملیں تو اس قسم کے کام انہیں سے لئے جائیں — مترجم

۲۲ - لیکن ارسطو نے آگے چل کر اس کا کہیں ذکر نہیں کیا - البتہ اپنی وصیت میں اس نے یہ ضرور لکھا تھا کہ اس کے غلام آزاد کر دئے جائیں — مترجم

# گیارھواں باب

ہم اس سے پہلے کہہ آئے ہیں کہ شہر اور وہ سارا علاقہ جو شہر سے ملحق ہے اس کا سلسلہ جہاں تک ممکن ہو سکے سمندر اور اندرون ملک دونوں سے ملا رہے تو اچھا ہے۔ پھر چار چیزیں ہیں جن کا شہر کے معاملے میں ہمیں خاص طور سے خیال رکھنا چاہئے (۱) ۔ اول صحت جو ہر چیز پر مقدم ہے اور اس لئے جس شہر کا رخ مشرق کی جانب ہے اور جہاں مشرق سے آنے والی ہواؤں کا گزر ہوتا ہے اسے سب سے زیادہ صحتمند خیال کیا جاتا ہے ۔ مشرق کے بعد دوسرا درجہ اس شہر کا ہے جو شمال رویہ واقع ہو۔ یہ سردیوں کے لئے سب سے بہتر رخ ہے ۔ دوسری بات جس کا ہمیں اس سلسلے میں لحاظ رکھنا ہے شہر کا محل وقوع ہے جو ایسا ہونا چاہئے کہ حکومت کے کاروبار اور جنگ کی صورت میں دفاع کا خاطر خواہ انتظام ہو سکے ۔ گویا شہر اس طرح واقع ہو کہ لڑائی کی صورت میں شہری تو بآسانی اس میں داخل ہو سکیں لیکن دشمن کے لئے یہ ممکن نہ ہو کہ اس کے اندر آ سکے، یا اس پر قبضہ کر لے ۔ اس کے بعد جو چیز خاص طور سے ضروری ہے وہ یہ کہ پانی وافر ہو اور دریا نہایت قریب ۔ لیکن اگر صورت

---

۱ ۔ یعنی صحت تا کہ شہری تندرست رہیں (ب) سیاسی ضروریات کا لحاظ تا کہ ان کے رستے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو (ج) جنگی ضروریات کا یعنی شہر کے دفاع اور استحکام کا (د) اور حسن یعنی شہر کی زیب و زینت جس کا اگرچہ بسبب عجلت ارسطو نے ذکر نہیں کیا۔ لیکن جس کی طرف متعدد اشارات موجود ہیں — مترجم

حالات اس سے مختلف تو پھر بارش کے پانی کے لئے بڑے بڑے حوض تعمیر کر لئے جائیں تاکہ لڑائی کے دنوں میں جب لوگوں کو شہر میں پناہ لینا پڑے تو پانی کی قلت نہ ہو۔ اہل شہر کی صحت کا چونکہ خاص طور پر اہتمام ضروری ہے اس لئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ شہر کا موقع محل غیر مناسب تو نہیں ہے۔ ثانیاً یہ کہ پینے کے لئے کیا اچھا پانی مل رہا ہے جس میں ذرا سی غفلت بھی مناسب نہیں اس لئے کہ جس چیز کا استعمال ہم جسم کو قائم اور برقرار رکھنے کے لئے بار بار کرتے ہیں وہ صحت پر بے حد اثر انداز ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پانی اور ہوا کا قدرتاً اس پر بڑا اثر ہے (۲)۔ للہذا جتنی بھی سمجھدار حکومتیں ہیں پانی سے کئی کام لیتی ہیں۔ پھر اگر پانی اچھا نہیں، یا اس کی کمی محسوس ہوتی ہے تو بہتر ہوگا پینے کا پانی ہم اس پانی سے الگ رکھیں جو دوسری ضروریات کے لئے استعمال ہوتا ہے (۳)۔ جہاں تک قلعہ بندیوں کا تعلق ہے جو چیز ایک حکومت کے لئے مفید ہے ضروری نہیں

---

۲۔ شاید اس تعلق کے باعث جو ارسطو کو طب سے تھا وہ اس امر پر زور دے رہا ہے کہ شہر میں ہوا اور پانی کا انتظام ایسا ہونا چاہئے جس سے اس کی صحت اچھی رہے۔ بقراط کے متبعین بھی شہری صحت کے موضوع پر اکثر قلم اٹھایا کرتے تھے۔ چنانچہ ہواؤں پانی اور مقامات کے نام سے ایک بقراطی رسالہ بھی موجود ہے اور ارسطو نے جو کچھ لکھا ہے ایک طرح سے اسی کے پیش نظر—مترجم

۳۔ ارسطو صحت کے معاملے پر بار بار زور دے رہا ہے تو اس لئے کہ یونان قدیم میں رسد آب کے لئے ہر شہر میں بڑا وسیع اور خاص انتظام کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک شہر کے ایک ہی کوچے میں پانی کے گیارہ معدنی نل۔ ساتھ ساتھ دستیاب ہوئے ہیں (بحوالہ بارکر) — مترجم

دوسری کیلئے بھی مفید ہو، مثلاً بادشاہت یا اعیانیت کے لئے تو قلعہ نما شہر مناسب رہے گا، جمہوریت کے مناسب حال ایسا جو میدان میں آباد ہو۔ امارت کے لئے نہ یہ مفید ہے، نہ وہ۔ برعکس اس کے اسے متعدد قلعہ بندیوں کی ضرورت ہوگی۔ رہے رهنے سهنے کے مکانات سو بہترین اور سب سے زیادہ مفید تو وہ ہیں جن سے مختلف کام لئے جاسکیں اور جن کو طیار کیا جاتا ہے تو ایک دوسرے سے بالکل نمایاں اور الگ تھلگ، علیٰ ھذا ہپوڈاموس کی تجویز کے مطابق جدید طریقے پر (۴)۔ البتہ جنگ کی صورت میں سلامتی اسی میں ہے کہ انکی تعمیر ویسی ہی رہے جیسے ہوتی چلی آئی ہے اور جس کی صورت یہ تھی کہ اگر اجنبی ان سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرتے تو مشکل ہی سے ملتا تھا اور محاصرے کی حالت میں دشمن کو بھی اس کا آسانی سے پتہ نہیں چلتا تھا۔ لہٰذا بہتر ہوگا شہر میں دونوں قسم کے مکانات طیار کئے جائیں اور اس میں کوئی دشواری بھی نہیں اگر ہم ان کی ترتیب کا ویسے ہی خیال رکھیں جیسے کاشتکار انگوروں کی بیلوں کو قطار در قطار بونے کا (۵)۔ اس لئے کہ ہمارا مطلب یہ تو ہے نہیں کہ شہر کی ساری عمارتیں ایک دوسرے سے الگ رہیں۔ ہمارا مطلب یہ

---

۴ - ہپوڈاموس نے مہندس کے نقطہ نظر سے سیاسی ہیئت کا جو منصوبہ پیش کیا ہے اسکا ذکر فصل دوم میں ارسطو اس سے پہلے کر آیا ہے—مترجم

۵ - انگور کی بیلیں اس طرح لگائی جاتی تھیں کہ اول ایک مربع قائم کیا جاتا اور پھر عین مرکز میں ایک اور بیل لگا دی جاتی۔ ان کی قطاریں آڑی ہوتیں (جیسے مربعے کا وتر) اور دیکھنے میں بھی خوشنما—مترجم

ہے کہ ایسا کیا جائے تو صرف بعض حصوں میں تاکہ شہر کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اس کی شان و شوکت بھی قائم رہے - رہی شہر پناہ سو بعض لوگ کہتے ہیں بہادر اور دلیر قوموں کو اس کی کیا ضرورت ؟ - ان کے دل میں اس قسم کی پرانی چیزوں کی کوئی وقعت نہیں - لیکن ہم دیکھتے ہیں جن لوگوں کو سب سے بڑھ کر اس کا دعویٰ تھا حقائق نے انہیں کے اس خیال کی تردید کر دی (٦) - البتہ باعث ننگ ہے تو یہ امر کہ دشمنوں کی قریباً قریباً یا کلیۃ ہمسری کے باوجود لوگ فصیلوں کے پیچھے پناہ لیں - مگر پھر جن لوگوں کو حملہ آوروں کی شجاعت اور دلیری کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے وہ چونکہ تعداد میں تھوڑے اور طاقت میں اکثر ان سے کم ہوتے ہیں لہذا اگر جنگ کی آفات اور دشمن کی بد سلوکی سے بچنے کے لئے ایک اچھا خاصا سپاہی فصیلوں کے پیچھے پناہ ڈھونڈتا ہے تو اس میں حرج ہی کیا ہے ، بالخصوص اس صورت میں جب طرح طرح کی منجنیقیں اور کلیں جن سے شہروں کے محاصرے میں کام لیا جاتا ہے نہایت خوبی سے ایجاد کرلی گئی ہیں - شہر کے ارد گرد فصیل کا نہ ہونا ویسی ہی بات ہے جیسے کسی ایسے علاقے میں جا بسنا جہاں دشمن آسانی سے پہنچ سکے یا

---

٦ - اسپارٹا کو اپنی مضبوطی اور استحکام پر بڑا ناز تھا اس لئے نہیں کہ اس کے ارد گرد کوئی بڑی مضبوط فصیل قائم تھی بلکہ اس لئے کہ اہل اسپارٹا بڑے جنگ جو تھے - لیکن ٣٦٩ ق-م اور پھر اس سے بھی آگے چل کر اسپارٹا نے مٹے لین سے بار بار ہزیمت اٹھائی یہ حقائق ہیں جن کی طرف ارسطو اشارہ کر رہا ہے - پھر ارسطو کے زمانے میں شہر پناہ مرمت بھی ہو رہی تھی - اس لئے بھی اس کا ذہن شاید اس طرف منتقل ہوگیا—مترجم

اس کی جتنی بھی اونچائیاں ھیں سب کو زمین کے برابر کردیا جائے، یا پھر یوں کہئے کہ ھم اپنے گھر کے اردگرد کوئی دیوار تعمیر نہ کریں تاکہ لوگ ھمیں بزدل نہ سمجھیں ۔ یہاں اس امر کا خیال رکھنا بھی ضروری ھے کہ جن لوگوں کے یہاں شہر کے ارد گرد فصیلیں موجود ھیں وہ جیسے چاھیں قدم اٹھا سکتے ھیں ۔ یوں جیسے اس کے ارد گرد کوئی دیوار نہیں یا یوں کہ ھے ۔ لیکن جہاں کوئی دیوار نہیں وھاں ایسا کرنا ناممکن ھوگا اور اس لئے اگر یہ بات ٹھیک ھے تو پھر اتنا ھی ضروری نہیں کہ شہر کے ارد گرد دیواریں موجود ھوں ، بلکہ یہ بھی کہ وہ اس کے لئے باعث آرائش اور آرائش کے ساتھ ساتھ حفاظت کا موجب بھی بنیں ۔ پرانے طریقوں کے مطابق ھی نہیں موجودہ زمانے میں جو ترقی ھوچکی ھے اس کا لحاظ رکھتے ھوئے بھی ۔ اسلئے کہ جو لوگ جارحانہ لڑائیاں لڑتے ھیں ان کی یہ کوشش ھوتی ھے کہ جس طرح بھی ممکن ھو اپنے مخالفوں پر غالب آ جائیں ۔ لہٰذا مدافعین کا فرض ھے کہ ھر اس طریق سے کام لیں جو آج تک دریافت ھو چکا ھے ، علیٰ ھذا ان طریقوں سے جو از روئے علم و حکمت ایجاد کئے جائیں اور یوں اپنے آپ کو محفوظ رکھیں ۔ یہ اس لئے کہ جو لوگ ھر طرح کے ساز و سامان سے آراستہ رھتے ھیں ان پر شاذ ھی حملہ کیا جاتا ھے ۔

# بارھواں باب

پھر شہری اگر مشترکہ دسترخوانوں میں حصہ لیں گے تو بالعموم الگ الگ جماعتوں میں بٹ کر اور شہر پناہ میں بھی جہاں کہیں ضروری ہوگا مناسب فاصلے پر قلعہ بندیاں(۱) اور برج تعمیر کئے جائیں گے اس لئے ظاہر ہے ان میں بعض کا انتظام وھیں کرنا پڑیگا۔ البتہ اس غرض کے لئے جو عمارتیں بنیں انہیں شہر پناہ کے لئے خوبصورتی کا باعث ہونا چاہئے۔ رہے وہ مندر جو عام عبادت کے لئے تعمیر کئے جائیں گے اور ایسے ھی وہ رواق جہاں حکام اعلیٰ مل کر کھانا کھائیں گے وہ بھی مناسب مقامات پر اور باھم متصل بننا چاہئے، سوائے ان مندروں کے جن کو از روئے قانون یا جیسا کہ ھاتف غیب (۲) حکم دیں دوسری عمارتوں سے الگ رکھنا ضروری ھوگا (۳)۔ لیکن کسی ایسی نمایاں جگہ پر جو باعتبار موقع و محل ھر طرح سے موزوں رھے علیٰ ھذا شہر کے اس حصے کے آس پاس جو سب سے زیادہ محفوظ اور مستحکم ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ ایک ایسا وسیع اور کشادہ

---

۱ - استحکامات سے مراد ھے حفاظتی چوکیاں یعنی فصیل شہر میں جابجا اس قسم کے حفاظت خانے جن میں سپاھی تعینات رھیں—مترجم

۲ - ھاتف غیب - اشارا ھے ڈیلفی کے ھاتف " آریکل " Oracle کی طرف—مترجم

۳ - اس لئے کہ جن شہریوں کی عمر ۵۰ برس سے کم ھے ان کے مشترکہ دسترخوانوں کا انتظام تو حفاظت خانوں ھی میں کیا جائے گا۔ ان سے بڑی عمر کے شہری جن کے ھاتھ میں حکومت کا کام ھے ان کے اور مذھبی پیشواؤں کا انتظام مندروں میں ھوگا—مترجم

میدان بھی ھونا چاھئے جیسے تھسیلی میں اور جسے میدان آرادی کہا جاتا ھے لیکن جس میں نہ تو کسی طرح کی خرید و فروخت ھو سکے نہ کاریگر اور کسان، یا اس طرح کےدوسرے اشخاص حکام کی اجازت کے بغیر اس کا رخ کرسکیں ۔ پھر اگر بزرگوں نے بھی وھیں کسرت کرنا شروع کر دی تو اسکی شان اور بھی بڑھ جائیگی(۴) ۔ کسرت کے معاملے میں بھی اگر شھریوں کو ان کی عمر کے مطابق مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا گیا تو مناسب ھی رھے گا ۔ ان میں نوجوانوں کی نگرانی تو مناسب عھدیداروں کے سپرد کردی جائے (۵) ۔ البتہ جو لوگ عمر میں بڑے ھیں وہ بہتر ھوگا حکام کے ساتھ مل کر کسرت کریں تا کہ ان کی نگرانی ھوتی رھے۔ یوں ان میں پاکدامنی بھی پیدا ھوگی اور خوف بھی(٦) ۔ خرید و فروخت کےلئے البتہ ایک الگ میدان ھونا چاھئے اور اتنا کشادہ کہ خشکی اور تری دونوں راستوں سے چیزیں وھاں پہنچتیں رھیں ۔ پھر شھری (۷) چونکہ حاکموں اور پروھتوں

---

۴ ۔ مطلب یہ ھے کہ اگر بڑی عمر کے شھریوں نے بھی وھیں سیر و تفریح کی تو ان کی موجودگی سے ورزش گاھوں کا ماحول زیادہ پر لطف ھو جائیگا—مترجم

۵ ۔ تا کہ ان کی تربیت مناسب طریق پر ھوتی رھے ۔ بڑی عمر کے لوگ البتہ حکام کے ساتھ مل کر ورزش کرسکتے ھیں اس لئے کہ وہ پہلے ھی سے تربیت یافتہ ھونگے—مترجم

٦ ۔ یہاں ارسطو کی نظر دراصل ایک مخصوص اخلاقی عیب پر ھے یعنی مردوں سے مردوں کے جنسی تعلقات پر جو یونانیوں میں عام تھا اور جس کے متعلق خیال تھا باھم مل کر ورزش کرنے یا بے روک ٹوک تفریحات میں حصہ لینے سے شاید اور بھی بڑھ جائے—مترجم

۷ ۔ متن میں شھری ۔ لیکن ارسطو کا اشارہ شھریوں کے حاکمانہ یا منتظم عنصر یا آج کل کی اصطلاح میں ارباب حل و عقد کی طرف ھے بجائے جمھور کے—مترجم

میں تقسیم ہو جائیں گے اس لئے پروھتوں کے مشترکہ دسترخوانوں کا انتظام تو ان عمارتوں ھی میں مناسب رھیگا جو مندروں کے قریب واقع ھیں - حکام کا جو معاھدوں اور استغاثوں یا اس قسم کے الزامات کا فیصلہ کرتے ھیں ، نیز منڈیوں اور ایسے ھی گذرگاھوں کی نگرانی کرنے والوں کا میدان یا کسی اور عام جگہ پر یعنی اس میدان میں جو خرید و فروخت کے لئے مخصوص ھے (۸) اس لئے کہ وہ دوسری جگہ (۹) تو ان لوگوں کے لئے رھنی چاھئے جنھیں فراغت حاصل ھے مگر یہ (۱۰) کاروباری لوگوں کے لئے - یہی التزام شہری علاقے میں بھی ھونا چاھئے - یہاں بھی جو حاکم کام کر رھے ھیں مثلا جنگلوں کی پیمائش کرنے والے یا زمینوں کے نگران (۱۱) ان کے مشترکہ دسترخوان اور برج بھی کسی ایسی جگہ مناسب

---

۸ - آجکل کی اصطلاح میں منڈی یا بازار (market) - ارسطو کا اشارا یہاں ناظران بازار کی طرف ھے جو بازاروں اور گزرگاھوں میں شہریوں کے کاروبار اور مشاغل کی نگرانی کرتے تھے—مترجم

۹ - دوسری جگہ یعنی وہ دوسرا میدان جو گویا حکام کے لئے مخصوص ھوگا پہلا عوام کے لئے—مترجم

۱۰ - یہ یعنی میدان خرید و فروخت—مترجم

۱۱ - یا ناظران دیہات - ملاحظہ ھو فصل چہارم آٹھواں باب - ارسطو نے یہاں ان کا ذکر کیا ھے تو اس لئے کہ وہ اس نظام شہر کو قائم رکھنا چاھتا ھے جس کی طرف وہ اس سے پہلے اشارا کر آیا ھے - بعض شارحین کے نردیک دیہات میں حفاظت خانوں کے قیام سے بھی ارسطو کی غرض شاید یہی تھی کہ اثینوی نوجوانوں کو فوجی تربیت دی جا سکے - اس قسم کی تربیت کی ابتدا بہت پہلے سے ھو چکی تھی—مترجم

رهیں گے جہاں دشمن کی روک تھام ہوسکے(۱۲) یہ بھی ضروری ہے کہ دیوتاؤں اور مشاہیر کے لئے مناسب جگہوں پر مندر تعمیر کئے جائیں (۱۳) ۔ ہمارے لئے ان باتوں کو بہت زیادہ پھیلانے کی ضرورت نہیں ، نہ یہ کہ ان کی ایک ایک تفصیل بیان کی جائے ۔ بات یہ ہے کہ اس سلسلے میں منصوبے قائم کرنا تو آسان ہے لیکن ان کو پورا کرنا مشکل ۔ خواہش کا کام تو بیشک یہی ہے کہ نظرئے پیدا کرتی چلی جائے ، مگر ان میں عملاً کامیابی خوش قسمتی ہی پر موقوف ہے (۱۴) ۔ لہٰذا ہم ان امور کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہینگے ۔

---

۱۲ ۔ تاکہ دشمن کے خلاف سد کا کام دے سکے—مترجم

۱۳ ۔ ان کی یاد تازہ رکھنے کے لئے—مترجم

۱۴ ۔ خوش قسمتی ' یا بخت دراصل اس یونانی لفظ کا جو یہاں استعمال ہوا صحیح ترجمہ نہیں جیسا کہ بعض مترجمین کی رائے ہے ۔ ارسطو کا اشارا غالباً مساعدت حالات کی طرف ہے—مترجم

# تیرھواں باب

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کو حکومت کو کس قسم کے اور کتنے افراد پر مشتمل ہونا چاہئے تا کہ سعادت اور خوش بختی کے ساتھ ساتھ شہر کا نظم و نسق بھی ٹھیک رہے (۱)۔ دو باتیں ہیں جن پر ہر چیز کے حسن و کمال کا دار و مدار ہے۔ ایک تو یہ کہ ہم اپنے لئے جو مقصد اور غایت تجویز کریں نا مناسب نہ ہو۔ دوسری اس کے ذرائع حصول جن کا اس کے عین مطابق ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے ان میں باہم مطابقت ہو یا ہو سکتا ہے نہ ہو، یا جیسے بعض موقعوں پر ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقصد تو اچھا ہے لیکن اس کو حاصل کرنے کے لئے جو ذریعے استعمال کئے جاتے ہیں غلط ہوتے ہیں، جیسے یہ بھی کہ ہم جن ذریعوں سے کام لے رہے ہیں وہ تو اچھے ہیں لیکن مقصد اچھا نہیں۔ پھر بعض اوقات دونوں میں غلطی کا احتمال ہے۔ مثلاً فن طب میں جب بعض موقعوں پر طبیب کی سمجھ میں نہیں آتا کہ جسم صحتمند رھیگا تو کس قسم کے حالات میں۔ یا یہ کہ وہ اپنا مقصد حاصل کرے تو کس طرح۔ لہذا کوئی بھی

---

۱ - اب تک ارسطو کی توجہ اس بات پر تھی کہ ایک مثالی ریاست کے لئے کیسا علاقہ اور کس قسم کی آبادی کی ضرورت ہے۔ اب اس کے پیش نظر ریاست کا اصل مسئلہ ہے اور وہ یہ کہ اس کی بنا کسطرح کے دستور یا بالفاظ دیگر طرز زندگی پر رکھی جائے — مترجم

علم یا کوئی بھی فن ہو ضروری ہے کہ ہم ان باتوں یعنی اس کے پیش نظر مقصد اور اس کے مناسب ذرائع دونوں سے بخوبی واقف ہوں ۔ اب یہ تو ثابت ہے کہ ہر کوئی اچھی زندگی بسر کرنا اور خوش رہنا چاہتا ہے ۔ لیکن بعض کو اس کے ذرائع میسر آتے ہیں ، بعض کو نہیں ، خواہ اس میں فطرت کا ہاتھ کام کر رہا ہو یا قسمت کا ۔ یہ اس لئے کہ خوش بختی کی زندگی کے لئے کئی ایک چیزوں (۲) کی ضرورت ہے ۔ جو لوگ اچھے ہیں ان کے لئے کم لیکن جن کی طبیعت میں برائی ہے ان کے لئے زیادہ ۔ پھر ایسے بھی لوگ ہیں جن کو خوش بختی اور سعادت کے مواقع تو ملتے ہیں مگر وہ اس کا استعمال ٹھیک نہیں کرتے ۔ پھر ہمارا مقصد چونکہ یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ بہترین حکومت کیا ہوگی ، یعنی وہ حکومت جس کے ماتحت کسی ریاست میں بہترین نظم و نسق قائم ہو سکتا ہے اور یہ طے ہے کہ بہترین نظم و نسق اسی ریاست کا ہوگا جہاں لوگ خوشحال ہیں ، اس لئے ظاہر ہے سعادت اور خوش بختی کوئی ایسی چیز نہیں جس سے ہم نا آشنا ہوں ۔ (۳) رسالہ اخلاق

---

۲ - مطلب یہ کہ اچھی زندگی کی بھی کچھ ضروریات ہیں ، یعنی اس کے لئے بھی کچھ ساز و سامان درکار ہے جس کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں ـــ مترجم

۳ - دو باتیں ہیں جن کو ذہن نشین کر لیا جائے تو ارسطو کا مطلب بخوبی سمجھ میں آ جائے گا ۔ ایک تو یہ کہ دستور عبارت ہے طرز زندگی سے لہذا یہ صرف دستور ہے جسے بہترین طرز زندگی کہا جائے گا ثانیاً خیر عبارت ہے خوش بختی سے ۔ لہذا جو دستور سب سے بہتر ہے خوش بختی کا دار و مدار بھی سب سے زیادہ اسی پر ہے ۔ اس لئے کہ بہترین دستور ہی بہترین طرز زندگی ہے ـــ مترجم

میں (۴) ہم پہلے بھی کہہ آئے ہیں (اور جو کچھ وہاں کہہ آئے ہیں اس سے یہاں بھی فائدہ اٹھائیں گے) کہ خوش بختی عبارت ہے فضائل کی جد و جہد اور ان پر تمام و کمال عمل سے، اضافی طور پر نہیں، بلکہ مطلقاً (۵)۔ اضافی سے ہمارا مطلب ہے وہ کچھ جو خاص خاص حالات میں ضروری ہو۔ مطلقاً سے فی نفسہ خوب اور روا۔ پہلے طرز عمل کا تعلق تو مثلاً اس بات سے ہے کہ سزائیں منصفانہ ہوں اور کسی جائز مقصد کے لئے قدم اٹھایا جائے تو باحتیاط، جیسا کہ فضائل اور ضرورت دونوں کا تقاضا ہوگا اور اس لئے ہم ان باتوں کو فضائل ہی سے تعبیر کریں گے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کا کسی کو محتاج نہیں ہونا چاہئے نہ فرد، نہ ریاست کو (۶)۔ برعکس اس کے جن اعمال سے مقصود ہے عزت اور دولت کا حصول (۷) وہ مطلقاً

---

۴ - یعنی اخلاقیات میں — مترجم

۵ - اخلاقیات میں مطلقاً اور اضافی کے الفاظ تو استعمال نہیں ہوئے، لیکن محولہ بالا عبارت کا مطلب یہی ہے — مترجم

۶ - کیونکہ یہ کوئی مثبت امر نہیں — مترجم

۷ - اس لئے کہ مثبت امر تو یہی ہے اور اسی کا حصول درحقیقت مقصود۔ بات یہ ہے جب کسی کو کسی ناروا فعل پر سزا دی جاتی ہے تو ہو سکتا ہے اس میں ہر اعتبار سے انتہائی خیر کا لحاظ رکھا جائے۔ لیکن یہ طرز عمل مجبوری کا ہوگا جو کسی ناروا فعل کے پیش نظر اختیار کیا گیا، یعنی جس حد تک اس کا تقاضا تھا۔ برعکس اس کے جب آپ دوسروں سے نیک سلوک کرتے اور جیسی ان میں صلاحیت ہوتی ہے اسی اعتبار سے ان کو عزت اور دولت عطا کرتے ہیں تو یہ طرز عمل اختیاری ہوتا ہے۔ ارسطو کے نزدیک یہ مطلقاً خیر کا طرز عمل ہے — مترجم

اچھے ھیں - دوسروں کا جواز اس میں ھے کہ شر کا ازالہ ھو جائے (۸) - یہ ان کے برعکس اضافی خیر کی اساس اور اس کا ذریعہ حصول - مثلاً ایک اچھا انسان عسرت اور بیماری اور اس قسم کے دوسرے المناک حادثات تو بڑی عالی حوصلگی سے برداشت کر لے گا - بایں ھمہ سعادت اور خوش بختی دوسروں ھی کے حصے میں آئیگی (۹) - (رسالہ اخلاق میں ھم اس امر کی، وضاحت کر آئے ھیں کہ اچھا انسان وھی ھے جو کسی چیز کو اس لئے اچھا سمجھتا کہ اس کا تعلق فضائل سے ھے اور وہ ھے بھی محض خیر - لٰہذا ظاھر ھے اس قسم کے انسانوں کے سب اعمال اچھے ھونگے ، علیٰ ھذا مطلقاً خیر پر مبنی) - لیکن اس سے بعض لوگ یہ نتیجہ اخذ کر لیتے ھیں کہ سعادت اور خوش بختی کا انحصار گویا خارجی اشیاء پر ھے (۱۰) جسے اگر صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ھوگا ایک اچھے نے نواز کی نے نوازی کی وجہ نے ھے، نہ کہ اس کا فن (۱۱) - لٰہذا ھم جو کچھ کہہ آئے ھیں - اس سے

---

۸ - حالانکہ یہ عمل بجائے خود اچھے ھوتے ھیں پھر بھی ان سے وہ غرض پوری کی جاتی ھے جو درحقیقت مقصود نہیں ھوتی — مترجم

۹ - بالفاظ دیگر مطلق خیر - لٰہذا مطلقاً سعادت اور مطلقاً خوش بختی کا حصول جب ھی ممکن ھے کہ اس کے حسب اقتضا دولت بھی موجود ھو اور صحت بھی - جیسے زندگی کے لئے ضروری ساز و سامان بھی — مترجم

۱۰ - خارجی اشیا یعنی ذرائع اور وسائل پر - مطلب یہ ھے کہ سعادت اور خوش بختی کا تعلق نفس انسانی سے ھے ، اس عمل سے جس میں خیر ھے - دوسری چیزیں ضروری تو ھیں لیکن اس کا سبب نہیں — مترجم

۱۱ - لٰہذا اس کی اپنی قابلیت — مترجم

جو نتیجہ مترتب ہوتا ہے لازماً یہی کہ بعض چیزیں مقنن کے پاس ہونی چاہئیے ، بعض کو البتہ اسے خود حاصل کرنا ہوگا جس کا مطلب یہ ہے کہ جب کبھی کسی شہر کی بنا رکھی جائے تو اس تمنا کے ساتھ (۱۲) کہ وہاں ان چیزوں کی افراط ہوگی جن کا دار و مدار قسمت پر ہے (اس لئے کہ بعض چیزوں کی موجودگی قسمت ہی کے ہاتھ میں ہے) ۔ البتہ ریاست کا اچھا یا برا ہونا قسمت کا نتیجہ نہیں ۔ اس میں علم اور اصابت رائے کا بھی دخل ہے (۱۳) ۔ پھر یہ امر کہ ریاست اچھی ہو جب ہی ممکن ہے کہ اس کی عملداری جن شہریوں کے ہاتھ میں ہے وہ بھی اچھے ہوں ۔ مگر پھر جو شہر ہمارے سامنے ہے اس میں چونکہ ہر شخص کا اچھا ہونا ضروری ہے لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا ہوگا تو کیونکر ۔ اس لئے کہ اگر ہر شخص کا اچھا ہونا ضروری ہے، نہ کہ معدودے چند کا تو یہ اور بھی اچھی بات ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس چیز کا ایک اہل ہے اس کے سب اہل ہیں ۔ اب تین صورتیں ہیں جن میں انسان اچھائی اور قابلیت پیدا کرتا ہے ۔ فطری طور پر ، رسم و رواج کے ذریعے اور عقل کی بدولت ۔ لہٰذا سب سے پہلے تو انسان کو انسان ہی پیدا ہونا چاہئے، نہ کہ حیوان ۔ یعنی اسے جسم بھی ملنا چاہئے اور روح بھی ۔ مگر پھر کچھ چیزوں کو ساتھ لے کر پیدا ہونا ہی کافی نہیں اس لئے کہ رسم و رواج

---

۱۲ - گویا جہاں تک اس ساز و سامان کا تعلق ہے جو افراد اور اس لئے ریاست کے لئے ضروری ہے ارسطو کا اشارا علاقے ، اس کے محل وقوع اور قدرتی وسائل کی طرف ہے — مترجم

۱۳ - یہ چیزیں خود حاصل کرنے کی ہیں ۔ لہٰذا اب ارسطو کا اشارا افراد ریاست کی طرف ہے — مترجم

سے بھی بڑے بڑے تغیرات واقع ھو جاتے ھیں جس کی وجہ یہ ھے کہ فطرت میں بعض چیزیں ایسی بھی ھیں جن کو بآسانی تبدیل کیا جاسکتا ھے اور اس لئے اچھا ھو یا برا رسم و رواج سے ان کو ایک مخصوص شکل میں تبدیل کر دیا جاتا ھے۔ مثلاً حیوانوں کو دیکھئے ، وہ زیادہ تر فطرت ھی کے مطابق زندگی بسر کرتے ھیں۔ رسم و رواج کے مطابق بہت کم۔ مگر انسان توصرف عقل ھی کے مطابق زندگی بسر کرتا ھے اور عقل ملی بھی ھے تو اسی کو۔ لٰہذا اسے چاھئے ان سب باتوں میں باھم مطابقت پیدا کرے (۱۴)۔ اس لئے کہ اگر انسان نے عقل کی پیروی کی اور سمجھ گیا کہ عقل ھی کی پیروی بہترین چیز ھے تو بہت سی باتوں میں وہ فطرت اور رسم و رواج دونوں کے خلاف بھی عمل کریگا۔ لٰہذا یہ امر کہ انسان کو ھونا کیا چاھئے اور یہ کیسے ممکن ھے وہ ریاست کا اچھا رکن بن سکے اسے تو ھم پہلے طے کر آئے ھیں۔ اب ھمیں گفتگو کرنی ھے تو صرف تعلیم پر اس لئے کہ بعض باتیں عادتاً حاصل کی جاتی ھیں ، بعض سن کر (۱۵)۔

---

۱۴ - یعنی ھم اپنی جبلتوں اور عقل و فکر میں تصادم پیدا نہ ھونے دیں—مترجم

۱۵ - سننے یعنی تعلیم سے—مترجم

# چودھواں باب

پھر چونکہ ہر سیاسی اجتماع حاکم و محکوم پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے غور طلب امر یہ ہے کہ حاکم و محکوم تا حین حیات حاکم و محکوم رھیں ، یا ان کی حیثیت اس سے مختلف ہونی چاھئے(۱) ۔ اس لئے کہ ہم جیسا بھی طریق تعلیم اختیار کریں اس کا فیصلہ اسی کے مطابق کیا جائیگا(۲) ۔ اب اگر ہر شخص دوسرے سے ایسا ھی مختلف ہے جیسے دیوتا اور بطل انسانوں سے ، اول باعتبار بدن جس میں وہ قطعاً ان سے بر تر ہونگے اور پھر باعتبار روح (۳) حتیٰ کہ صاف صاف نظر آنے لگے کہ حاکموں کو محکوموں پر ہر طرح کا تفوق حاصل ہے تو پھر یہی بہتر ہوگا ایک ہمیشہ حاکم رہے ، دوسرا محکوم ۔ لیکن یہ بات چونکہ آسانی سے طے نہیں ہو سکتی اور جیسا کہ اسکائی لا کس(۳) نے بتایا ہے ہندوستان میں راجہ کی حیثیت پرجا سے

---

۱ - یعنی باری باری سے حکومت کریں تا کہ ایسا نہ ہو حاکم و محکوم مستقلاً دو طبقوں کی صورت اختیار کر لیں—مترجم

۲ - اسی کے مطابق - مطلب یہ ہے اس فیصلے کے مطابق کہ حاکم و محکوم کے دو الگ الگ طبقات پیدا کرنا مقصود ہے ، یا یہ کہ شہریوں میں ایسا کوئی امتیاز قائم نہ کیا جائے —مترجم

۳ - Scylax متوطن کریانڈا - اگر یہی وہ اسکائی‌لاکس ہے جو تیسری صدی قبل مسیح کے اواخر میں گذرا ہے تو ہو سکتا ہے ہندوستان کے بارے میں اس کے بیانات محض شنید پر مبنی ہوں۔ اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس نے ہندوستان کی سیاحت کی تھی۔ بحیرۂ اسود اور ارد گرد کے سمندروں کا اس نے بے شک سفر کیا تھا—مترجم

کچھ بہت زیادہ بہتر نہیں تو پھر بوجوہ یہی انسب ہے کہ سب لوگ باری باری سے حکومت کریں اور باری باری سے محکوم بھی رہیں۔ اس لئے کہ جو لوگ رتبے میں برابر ہیں ان میں ہر چیز برابر رہنی چاہئے۔ یوں بھی جو ریاست ناانصافی پر مبنی ہے اس کا قائم رہنا مشکل ہے۔ اس لئے کہ اگر کچھ لوگ کسی نئی بات (۴) کے خواہشمند ہیں تو وہ قطعی طور پر ان لوگوں کی طرف بڑھیں گے جو دوسروں کے محکوم ہیں (۵) اور جن کی تعداد بھی ریاست میں اتنی ہے کہ حکام کا ان کو قابو میں رکھنا مشکل ہو جائیگا۔ بایں ہمہ اسے سب تسلیم کرتے ہیں کہ حاکموں کو محکوموں سے بہتر ہونا چاہئے۔ لہٰذا مقنن کے لئے جہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس کی صورت کیا ہوگی، وہاں یہ بھی کہ اگر ان سب کو یکساں طور پر عملداری میں شریک کرنا ضروری ہے تو کیونکر(۶)۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ فطرت نے خود ہی ہمیں اس کا اختیار دے رکھا ہے اور اسلئے اس نے خود ہی یہ چیز طے کردی ہے۔ کسی کو نوجوان رکھا ہے کسی کو بوڑھا(۷)۔ نوجوانوں کا کام ہے اطاعت کرنا، بوڑھوں کا حکم دینا۔

---

۴ - نئی بات کے، یعنی سیاسی تبدیلیوں یا انقلاب کے——مترجم

۵ - یعنی اس قسم کے افراد محکوم طبقے کو اپنے ساتھ ملا کر انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کریں گے——مترجم

۶ - اس اصول کے ماتحت جس کا ارسطو بار بار ذکر کرتا ہے کہ ہر شخص کو باری باری سے حاکم و محکوم بننا چاہئے——مترجم

۷ - ایک ہی چیز میں یعنی شہریوں میں جن میں ظاہر ہے کچھ نوجوان ہوتے ہیں کچھ بوڑھے۔ لہٰذا جیسی جیسی ان کی صلاحیت ہے ہم ان پر مختلف ذمہ داریاں ڈال سکتے ہیں۔ اس طرح حکومت کا کام بھی بسہولت چلتا رہتا ہے اور شہریوں میں حاکم و محکوم کی تمیز بھی پیدا نہیں ہوتی——مترجم

بچپن میں کوئی شخص بھی محکومیت پر برافروختہ نہیں ہوتا ، نہ یہ سمجھتا ہے اس سے کوئی بالاتر ہے (۸) ، بالخصوص جب اسے معلوم ہے کہ اپنی عمر کے مناسب حصے میں وہ خود بھی یہ اعزاز پائے گا جو اس کی بدولت سردست دوسروں کو حاصل ہے ۔ بات یہ ہے کہ ایک لحاظ سے تو حاکموں اور محکوموں کو برابر ہی تسلیم کرنا پڑتا ہے ، گو بعض دوسرے پہلوؤں سے مختلف ۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کی تعلیم بعض پہلوؤں سے تو یکساں ہو ، بعض سے مختلف، جیسا کہ کہا جاتا ہے اچھا حاکم وہی ہوتا ہے جسے معلوم ہو دوسروں کی اطاعت کیسے کی جاتی ہے ۔ اب حکومت کے بارے میں ہم اس سے پہلے بھی کہہ آئے ہیں(۹) کہ بعض اس لئے قائم کی جاتی ہیں کہ ایک حکم دے دوسرا اطاعت کرے(۱۰) ۔ ان میں پہلی

---

۸ - اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے اس کی حق تلفی نہیں ہوئی ۔ لہذا وہ کوئی فتنہ و فساد پیدا نہیں کرے گا - مترجم

۹ - فصل سوم میں—مترجم

۱۰ - یعنی جو مستبدین کا طریق ہے اور جس سے محکوموں کی حیثیت غلاموں کی ہوجاتی ہے ۔ اندریں صورت جو تعلیم محکوموں کو دی جائے گی وہ اس تعلیم سے مختلف ہوگی جسے حاکموں کے لئے تجویز کیا جائیگا - ارسطو کہتا ہے جن لوگوں پر حکومت کرنا مقصود ہے انہیں اس بات کی تعلیم تو ضرور دینی چاہئے کہ اطاعت کیسے کی جاتی ہے لیکن یہ وہ اطاعت ہوگی جو آزاد انسانوں کا شیوہ ہے ، کیونکہ وہ اس کے باوجود ان کاموں سے احتراز نہیں کریں گے جو نوکر چاکر اور غلام سر انجام دیا کرتے ہیں ، بشرطیکہ ان کی حریت قائم رکھی جائے اور وہ جو کچھ کریں آزاد انسانوں کی حیثیت سے—مترجم

تو وہ ہے جیسی آقا کی نوکر پر(۱۱) ۔ دوسری ان کی جو آزاد ہیں ایک دوسرے پر (۱۲) ۔ اب جن باتوں کے کرنے کا حکم دیا جاتا ہے بعض دوسری باتوں سے مختلف ہوا کرتی ہیں ، کام کے اعتبار ہی سے نہیں اس مقصد کے اعتبار سے بھی جو ہمارے پیش نظر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ایسے کام حتیٰ کہ وہ کام بھی جن کی حیثیت غلامانہ ہے آزاد نوجوانوں کے لئے ننگ کا باعث نہیں ہونگے۔ یوں بھی کئی ایک باتیں جن کے کرنے کا حکم دیا جاتا ہے فی نفسہ شریفانہ ، یا غیر شریفانہ نہیں ہوتیں ، بلکہ باعتبار اس مقصد اور غایت کے جس کے ماتحت ان پر عمل کیا جاتا ہے ۔ پھر جیسا کہ ہم طے کر آئے ہیں ایک اچھے شہری اور ایک اچھے حاکم کے فضائل وہی ہیں جو ایک اچھے انسان کے(۱۳) ۔ علیٰ ھذا یہ کہ جو کوئی حاکم بنے اسے پہلے محکوم بھی ہونا چاہئے ۔ لہٰذا مقنن کا فرض ہے اس امر کو پیش نظر رکھے کہ اس کے شہری اچھے انسان بنینگے تو کیسے ۔ انہیں اس کے لئے کس قسم کی تعلیم کی ضرورت ہوگی ۔ نیز یہ کہ اچھی زندگی کا مقصد بالآخر ہے کیا ۔ ہم انسان کی روح کو دو حصوں میں تقسیم کیا کرتے ہیں ۔ ایک وہ جسے عقل کہتے ہیں ۔ دوسرا جسے عقل تو نہیں کہا جائیگا لیکن جس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ احکام عقل کی پیروی کرے ۔ چنانچہ ہم کسی انسان کو اچھا کہا کرتے ہیں تو انہیں دو حصوں کے فضائل کی بنا پر ۔ پھر ان میں جو فضائل

---

۱۱ ۔ ملاحظہ ہو فصل اول ، پہلا باب ارسطو کی اصطلاح میں آقائی حکومت——مترجم

۱۲ ۔ اور اس لئے حاکم جیسا کہ فی الواقع اسے ہونا چاہئے ۔ ملاحظہ ہو پہلا باب فصل اول——مترجم

۱۳ ۔ فصل سوم میں چوتھا باب——مترجم

مقصود بالذات ہیں انہیں تو لوگ بآسانی متعین کر سکیں گے، یعنی وہ لوگ جو اس تقسیم کا لحاظ رکھتے ہیں جس کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے۔ اس لئے کہ ادنی کا وجود اعلیٰ ہی کے لئے ہے(۱۴) اور ہمارا یہ کہنا امور فن میں بھی ایسا ہی صحیح ہے جیسے امور طبیعی میں۔ مگر پھر اعلی تو وہ ہے جسے عقل سے بہرہ ملا ہے اور عقل کے بھی دو جز ہیں جن میں بالعموم ہم اس کی تقسیم کیا کرتے ہیں، ایک حصہ نظری ہے اور دوسرا عملی۔ پھر یہ تقسیم اس دوسرے حصے میں بھی ضروری ہے(۱۵) اور جہاں تک ہمارے اعمال کا تعلق ہے ان میں بھی۔ البتہ اس کی مثال کچھ ایسی ہوگی جیسے یہ کہ جو عمل اونچا ہے اس پر انہیں کو کاربند ہونا چاہئے جو اس کے اہل ہیں اس لئے کہ سب سے زیادہ پسندیدہ چیز بھی ہم اسی کو ٹھہرائینگے جس سے بہترین مقاصد حاصل ہوں۔ اب زندگی میں ایک حصہ محنت و مشقت کا ہے، دوسرا آرام، جنگ اور امن کا اور اس لئے ہم جو کچھ کرتے ہیں یا تو ضروری سمجھ کر، یا اس خیال سے کہ ایسا کرنا مفید ہوگا، یا اس لئے کہ شرافت نفس کا تقاضا ہی یہی تھا۔ لہٰذا ہمیں چاہئے ان اعمال و افعال کو ایک دوسرے پر ویسے ہی ترجیح دیں، جیسے روح کے دوسرے حصوں اور اس کی سرگرمیوں کو ایک دوسرے پر۔ مثلاً جنگ کو حصول امن کی خاطر، محنت کو آرام اور

---

۱۴ - ارسطو کا خیال شاید یہ ہے کہ انسان تو اپنے فن میں ادنیٰ کی تخلیق اس لئے کرتا ہے کہ اعلیٰ کا حصول کرسکے۔ فطرت کا طریق اس کے برعکس یہ ہے کہ ادنیٰ پیدا کرے تاکہ وہی رفتہ رفتہ اعلیٰ کی طرف بڑھے—مترجم

۱۵ - یعنی اس حصے میں جسے ہم نے غیر عقلی کہا ہے—مترجم

شراقت نفس کے لئے (١٦) ۔ اندریں صورت جو مدبر ریاست کوئی نظام قانون

---

١٦ ۔ارسطو نے اول تو روح کی تقسیم دو حصوں میں کی ہے ایک حصہ جس کی سرشت ہے حکومت ۔ دوسرا وہ جس کی سرشت عقلی تو نہیں ہے مگر جس کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ عقل کا اتباع کرے۔ اس تقسیم کے بعد ارسطو حصہ اول کو پھر دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے ۔ ایک عملی دوسرا فکری ۔ لٰہذا ہم کہہ سکتے ہیں روح کے دراصل تین حصے ہیں اور جیسی جیسی ان کی نوعیت ہے ویسے ہی اعمال ان سے سر زد بھی ہوتے ہیں ۔ ہم اس بنا پر ان تینوں حصوں اور ان کے وظائف میں باعتبار قدر و قیمت کچھ مراتب بھی قائم کر سکتے ہیں ۔ سب سے اول یا سب سے نیچے کا درجہ جس سے رفتہ رفتہ ہم اعلیٰ کا رخ کرینگے (١) روح کے اس حصے کا ہے جس کے اندر یہ استعداد موجود ہے کہ عقل کی اطاعت کرے اور جس کا اظہار اسلئے میانہ روی میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد روح کے خالص عقلی حصے کا عملی پہلو (٢) جسے ہم اخلاقی سمجھ بوجھ میں کارفرما دیکھتے ہیں۔ پھر (٣) خالص عقلی حصے کا فکری پہلو جس کا اظہار حکمت اور دانائی میں ہوتا ہے لٰہذا جو کوئی ان تینوں قسم کی سرگرمیوں کا اہل ہے وہ آخری کو پہلی دو پر ترجیح دے گا ۔ لیکن جس کے اعمال و افعال پہلے دو حصوں تک محدود ہیں وہ اسے دوسروں سے مقدم رکھے گا ۔ حتیٰ کہ جو کوئی پہلے کا اہل ہے وہ پہلے ہی پر قانع رہے گا ۔ روح کے اس تجزیے میں اخلاقیات کا مطالعہ بھی مفید رہے گا جس میں ارسطو نے کہا ہے وہی شخص درحقیقت سیاست دان کہلانے کا مستحق ہے جس نے ہر بات میں فضائل کو ترجیح دی اور اخلاقی سرگرمیوں ہی میں ساعی رہا تاکہ اس کے ساتھی شہری انسان بنیں اور قوانین کی اطاعت کرنا سیکھیں ۔ لٰہذا سیاستدان کا فرض ہے روح کا مطالعہ کرے ، کیونکہ خیر روح ہی کی ایک

باقی صفحہ ٦٨٠ پر

تیار کرے اس کا فرض ہے ان سب پر باتوں پر نظر رکھے، روح کے مختلف حصوں اور ان کے وظائف ، بالخصوص ان باتوں پر جو باعتبار طبیعت اور غایت دوسروں سے بہتر ہیں ۔ ایسے ہی انسانوں کی زندگی اور ان کے گوناگوں اعمال و افعال پر (۱۷) ۔ انہیں محنت و مشقت اور جنگ دونوں کے لئے تیار کرنا چاہئیے ، گو زیادہ تر آرام اور امن کے لئے ۔ علیٰ ہذا ان باتوں کے لئے جو ضروری اور مفید ہیں، بلکہ اچھی اور باعث شرف بھی ۔ یہ مقاصد ہیں جو بچوں کی تعلیم ، علیٰ ہذا نوجوانوں کی تربیت میں ہمارے سامنے ہونا چاہئے(۱۸) ۔ بایں ہمہ آج جتنی بھی یونانی ریاستوں کے متعلق خیال

---

بقیہ حاشیہ ٦٧٩

کیفیت اور سرگرمی کا نام ہے ۔ البتہ ہمیں اس کا مطالعہ یہ سمجھ کر نہیں کرنا چاہئے کہ ہمیں اس سے کیا کام لینا ہے — مترجم

۱۷ ۔ ارسطو یہ کہنا چاہتا ہے کہ اہل سیاست نے ان نہایت ہی ضروری باتوں کو نظر انداز کر رکھا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جتنے بھی دستور (یعنی طرز زندگی تجویز کئے اپنی جگہ پر بڑے ناقص ہیں) — مترجم

۱۸ ۔ مختلف اعمال و افعال یعنی بے عملی اور فراغت کی زندگی ، یا جنگ اور صلح کی روش ۔ ارسطو چاہتا ہے یہاں ہم اس بات پر بھی نظر رکھیں کہ ہمارے اعمال و افعال کا تعلق کہاں تک حصول منفعت اور کہاں تک حصول خیر سے ہے ۔ اس لئے کہ مقصود بالذات وہی افعال ہیں جن کا تعلق خیر سے ہے ۔ اخلاقیات میں بھی ارسطو نے اسی بات پر زور دیا ہے اور کہتا ہے محض غور و فکر یعنی بے عملی اور ایسے ہی جنگ کی سیاست ادنٰی سیاست ہے — مترجم

ہے کہ ان کا نظم و نسق اچھا ہے وہاں نہ تو مقننین نے جنہوں نے ان کی بنا رکھی کوئی ایسا اصول سیاست اختیار کیا جس میں کوئی بہترین مقصد کار فرما ہوتا ، نہ قوانین اور اور تعلیم میں فضائل اخلاق کا لحاظ رکھا ۔ انہوں نے صرف یہ دیکھا کہ مفید کیا ہے اور باعث منفعت کیا ۔ کچھ ایسی ہی روش ان لوگوں کی ہے جنہوں نے حال ہی میں اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور جو اسپارٹوی ریاست کی تعریف و توصیف کرتے ہیں۔ یہ گویا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک مقنن اپنے اس مقصد میں حق بجانب تھا کہ حکومت کی غرض و غایت ہے جنگ کرنا اور فتحیاب ہونا ۔ حالانکہ یہ بات عقل سے جتنی بعید ہے اسے بآسانی ثابت کیا جاسکتا ہے حتیٰ کہ واقعات نے بھی اس کی تائید کردی ہے(۱۹) ۔ لیکن عامۃالناس کی خواہش چونکہ یہی ہوتی ہے کہ ان کا سکہ دور دور تک چلے تاکہ انہیں اپنی پسند کی چیزیں فراوانی سے مل سکیں (۲۰) ، لہٰذا تھبرون(۲۰) اور بعض

---

۱۸ - ارسطو نے یہاں بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے کہ ان میں ایک طرح کی تفریق پیدا کر دی ہے ۔ سوال یہ ہے کہ نوجوانوں کی تعلیم کس حد تک ہونی چاہئے ؟ جواب یہ کہ شاید ۲۱ برس کی عمر تک۔مترجم

۱۹ - ملاحظہ ہو اسی فصل کا گیارھواں باب ۔ ارسطو کا اشارا اسپارٹا کی شکست کی طرف ہے اپامینونڈس Apaminondas کے ھاتھوں —مترجم

۲۰ - Thibron مطلب یہ ہے کہ جتنی زیادہ فتوحات کے باعث سلطنت کا دائرہ وسیع ہوگا اتنی ہی مادی اشیا بکثرت حاصل ہوں گی ۔ ممکن ہے ارسطو کے ذہن میں اس وقت یہ خیال کام کر رہا ہو کہ اثینیہ

باقی صفحہ ٦٨٢ پر

دوسرے اهل قلم جب ریاست سے بحث کرتے هیں تو معلوم هوتا هے وہ مقنن کو اس امر میں حق بجانب سمجھتے هیں کہ لوگ دور دور تک کے علاقوں پر حکومت کریں اور اس لئے انہیں هر قسم کے خطرات اور سختیوں کا عادی بنایا جائے (۲۲) ۔ لیکن اب تو صاف نظر آنے لگا هے کہ اهل اسپارٹا کو مطلق امید نہیں زمام سیادت پھر ان کے هاتھ میں آ جائے لٰہذا وہ نہ تو خوش هیں، نہ یہ سمجھتے هیں ان کے مقنن کو دانائی سے بہرہ ملا تھا ۔ پھر یہ امر بھی کس درجہ مضحکہ خیز هے کہ انہوں نے اپنے قوانین کی اگرچہ همیشہ متابعت کی اور اس پر کسی نے اعتراض بھی نہیں کیا کہ ان پر اس قسم کے قوانین سے حکومت کی جا رهی هے، بایں همہ وہ عزت اور شرافت کے سب وسائل کھو بیٹھے ۔ وہ نہیں

---

بقیہ حاشیہ ٦٨١

کے لئے کون سی روش بہتر رهیگی ، جنگ یا صلح کی ؟ یہاں ان باتوں کا اشارا بہر حال اسپارٹا کی طرف هے - ٦٣٣ ق-م تک اثینیہ کی روش صلح کی تھی- اس نے امن وصلح کی برکات سے فائدہ اٹھایا اور لوگوں کو بھی فراغت نصیب تھی ۔ لیکن اس کے بعد یہ روش جنگ سے بدل گئی بات یہ هے کہ اثینیہ میں ایک فریق جنگ بھی موجود تھا جس کی قیادت ڈماس تھیمیز کے هاتھوں مین تھی اور جس کا مطالبہ تھا کہ اثینیہ کو اپنی پرانی روش اختیار کر لینی چاهئے ۔ اسے چاهئے استبداد کے خلاف هر کہیں حریت کی حمایت کرے ۔ دراصل یہی دو رجحانات هیں جو همیشہ ریاستوں میں کام کرتے رهتے هیں - ایک رجحان اندرونی نشو و نما ، صلح و امن اور عدم مداخلت کا هے - دوسرا اس کے برعکس جنگ اور مداخلت ، سیادت اور تغلب کا—مترجم

۲۱ ۔ Pausanias جس کا ذکر کئی بار آچکا هے—مترجم

۲۲ - مادی حیثیت سے فارغ البالی کے لئے—مترجم

سمجھتے یہ کسطرح کی حکومت ہے جس سے مقنن کو دوسروں کی نگاہوں میں عزت حاصل ہوتی ہے۔ بات یہ ہے کہ آزاد انسانوں کی حکومت استبداد نہیں ہے۔ وہ ایک شریفانہ امر ہے اور فضائل کے عین مطابق۔ وہ شہر خوش بخت نہیں ہے، نہ اس کا مقنن تعریف کے قابل جو لوگوں کی تربیت اس طرح کرتا ہے کہ ہمسایوں پر غلبہ حاصل کرتے رہیں ۔ یہ امر یوں بھی بڑا تکلیف دہ ہے ۔ اس لئے کہ اندریں صورت ہر شہری کی کوشش ہوتی ہے شہر کا اقتدار اعلیٰ اسی کے ہاتھ آجائے، حالانکہ یہی وہ بات ہے جسکا اہل اسپارٹا پوسانیاس کو ملزم ٹھہراتے ہیں گو یوں اسے بہت بڑی عزت اور وقار حاصل تھا ۔ در اصل اس قسم کے دلائل(۲۳) اور اس قسم کے قوانین کی نوعیت نہ تو سیاسی ہوتی ہے، نہ یہ کہا جا سکتا ہے وہ حق پر مبنی اور فائدے کا موجب ہیں ۔ مقنن کا فرض تو یہ ہے کہ لوگوں کے دل میں اس طرح کے قوانین

---

۲۳ - کیونکہ ان سے خوش بختی اور سعادت حاصل نہیں ہوتی - در اصل متن زیر ترجمہ کی عبارت رسالہ سیاسیات کے دوسرے متون سے مختلف ہے۔ معلوم ہوتا ہے ارسطو جس بات پر زور دے رہا ہے یہ کہ جو لوگ اسپارٹا کے دستور کی تعریف کرتے ہیں غلطی پر ہیں۔ اسپارٹا کے باشندوں کو تیار تو اس لئے کیا گیا تھا کہ خطرے کا مقابلہ کرسکیں لیکن اس طرح انہیں جو طاقت حاصل ہوئی اس کی بدولت انہوں نے ایک سلطنت قائم کر لی مگر جس کا ارسطو کے دیکھتے ہی دیکھتے خاتمہ بھی ہوگیا - لہٰذا اہل اسپارٹا نے خود محسوس کیا کہ ان کی زندگی اطمینان اور خوشی کی زندگی نہیں - ارسطو کہتا ہے یہ کیسی عجیب بات ہے کہ وہی لوگ جو اپنے قوانین کی متابعت بڑی پابندی سے کر رہے تھے ہر اس چیز سے محروم ہوگئے جس سے زندگی میں لطف اور مسرت پیدا ہوتی ہے —مترجم

راسخ کرے جو انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں سے مفید ہوں ۔ اس کا کام یہ نہیں کہ لوگوں کو جنگ کے لئے تیار کرے تاکہ جس کسی کا درجہ ان سے پست ہے اسے اپنا غلام بنالیں ۔ اس کا کام تو یہ دیکھنا ہے کہ ایسا نہ ہو وہ دوسروں کے غلام بن جائیں (۲۴) اور پھر جس کے بعد اگر کوئی کام رہ جاتا ہے تو اس امر کا التزام کہ حکومت کا فرض ہے ان لوگوں کی حفاظت اور سلامتی کا خیال رکھے جو اس کے ماتحت زندگی بسر کر رہے ہیں، یہ نہیں کہ ہر کسی کے خلاف جبرواستبداد سے کام لے۔ تیسری بات جس کا اسے لحاظ رکھنا چاہئے یہ کہ غلام وہی ہیں جو فی الواقعہ غلامی کے لئے پیدا ہوئے (۲۵) ۔ پھر عقل اور تجربے کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ مقنن جتنی بھی توجہ امور جنگ پر کرتا، یا جتنے بھی قواعد و ضوابط کی بنا رکھتا ہے ان کا مقصد ایک ہی ہوتا ہے، یعنی آرام اور امن ۔ اس میں کوئی شک نہیں بہت سی ریاستیں (جیسا کہ بالعموم ہم دیکھ رہے ہیں) جنگ ہی کی بدولت قائم رہتی ہیں ۔ لیکن جہاں انہوں نے گرد و پیش کے لوگوں پر غلبہ حاصل کر لیا وہ آپ ہی آپ برباد بھی ہو گئیں ۔ ان کی چمک صلح و امن کی حالت میں ایسے ہی ضائع ہو جاتی ہے جیسے تلوار کی ۔ حالانکہ یہ سارا قصور مقنن کا تھا جس نے کبھی انہیں یہ سبق ہی نہیں دیا کہ آرام اور سکون حاصل کریں تو کیسے ۔

# پندرهواں باب

پھر فرد ہو، یا شہری ایک ہی غایت ہے جو انسان کے سامنے ہوتی ہے اور اس لئے ظاہر ہے ایک اچھے انسان اور اچھے شہری کے سامنے ایک ہی مقصد ہونا چاہئے(۱) جیسے یہ کہ ہمیں ان سب فضائل کی ضرورت ہوگی جن کا نتیجہ ہے فراغت اور جس کے پیش نظر ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ جنگ کی غایت ہے امن، کام کی فراغت ۔ ایسے ہی جن فضائل سے مقصود ہے فراغت اور وہ بھی جن سے محنت، یہ سب آزادی اور فراغت کی زندگی کے لئے ضروری ہیں (۲) اس لئے کہ فراغت حاصل ہوتی ہے تو جب ہی کہ طرح طرح کی ضروریات بہم پہنچتی رہیں (۳) ۔ لہٰذا شہر کو میانہ روی کی ضرورت ہوگی، شجاعت اور قوت برداشت کی ۔ جیسا کہ ضرب المثل بھی ہے ''غلاموں کو فراغت سے کیا سروکار'' ۔ پھر اگر صورت یہ ہے کہ لوگ خطرے کامقابلہ دلیری سے نہیں کرسکتے تو ظاہر وہ ہے ان لوگوں کے غلام ہو جائینگے جو ان پر حملہ‌آور ہونگے۔ لہٰذا محنت کے لئے اگر شجاعت اور

---

۱ - ہونا چاہئے یعنی ہوتا ہے اس لئے کہ انفرادی ہو یا اجتماعی اچھا انسان زندگی کے ہر پہلو میں جس معیار کی پابندی کرے گا وہی معیار بہترین دستور کے سامنے ہوگا—مترجم

۲ - مطلب یہ ہے کہ فراغت کےلئے جن صفات کی ضرورت ہے فرد اور ریاست دونوں کے لئے ناگریز ہیں -گویا انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے ان کی ضرورت ہوگی—مترجم

۳ - دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ فراغت کے لئے بعض مادی شرائط ناگزیر ہیں—مترجم

صبر ناگزیر ھیں تو فراغت کیلئے فلسفہ۔ میانہ‌روی اورعدالت تو دونوں حالتوں میں ضروری ھیں، بالخصوص اس صورت میں جب امن بھی حاصل ھو اورفراغت بھی(۴) ۔ اس لئے کہ جنگ کی حالت میں تو انسان عدالت اور میانہ‌روی

---

۴ - بہتر ھوگا فراغت کے باب میں ارسطو کا نظریہ اچھی طرح سے ذھن نشین کرلیا جائے - اس سلسلے میں پہلی بات سمجھنے کی تو یہ ھے کہ فراغت سے ارسطو کا مطلب تعطل کی زندگی نہیں ھے - فراغت بھی ایک قسم کا مشغلہ ھے - بلکہ اعلیٰ ترین مشغلہ جس میں روح کا وہ حصہ جس کا تعلق عقل سے ھے سر گرم کار رھتا ھے اور اس میں بھی بالخصوص وہ جس کا تعلق غور و فکر سے ھے - لہٰذا فراغت سے مقصود یہ نہیں کہ عمل کی نفی کی جائے - وہ دراصل ان افعال کی ضد ھے جو مقصود بالذات تو نہیں ھوتے بلکہ ذریعہ ھیں کسی مقصد کے حاصل کرنے کا - ثانیاً ارسطو نے فراغت اور کام کاج ھی میں امتیاز پیدا نہیں کیا وہ اسے تفریح اور لطف اندوزی سے بھی الگ تھلگ رکھتا ھے - تفریح اور لطف اندوزی کا مطلب تو کام کے بعد آرام حاصل کرنا ھے تاکہ ھم اپنے آپ کو پھر کام کے لئے تیار کرسکیں - گویا تفریح اور لطف اندوزی کا تعلق کام کاج ھی سے ھے - برعکس اس کے فراغت کی اپنی ایک جداگانہ حیثیت ھے اور ایک جداگانہ تقاضا لہٰذا ارسطو کے ذھن میں ایک تصور تو فراغت کا ھے دوسرا کسی کام میں مصروفیت کا جو گویا فراغت کی ضد ھے تیسرا ان دونوں کے بین بین یا زیادہ تر دوسرے سے متعلق یعنی تفریح اور لطف اندوزی کا - لیکن اگر مکرر سوال کیا جائے کہ فراغت کی سرگرمیاں کیا ھوتی ھیں تو اس کا جواب ارسطو کے نزدیک یہ ھوگا کہ ان سے مراد ھے ذھن کی تربیت ( جو گویا صرف فراغت ھی میں ممکن ھے) - یا یوں کہئیے کہ فراغت سے مطلب

باقی صفحہ ۶۸۷ پر

پر مجبور ہو جاتا ہے ، البتہ جب امن کے ساتھ ساتھ فراغت بھی میسر ہو تو مسرتوں سے لطف اندوزی اکثر نخوت کا باعث بن جاتی ہے ۔ لٰہذا جو لوگ آسودہ حال ہیں اور جن کو ہر وہ چیز حاصل ہے جو مسرت اور خوشی کا باعث ہوتی ہے ان کے لئے کہیں زیادہ امکان ہے کہ اپنے اندر عدالت اور میانہ روی کے فضائل پیدا کریں ۔ لٰہذا اگر جزائر خوش بخت (۵) میں فی الواقعہ کچھ لوگ آباد ہیں جیسا کہ شاعروں کا خیال ہے تو ان کو فلسفہ کے ساتھ ساتھ عدالت اور میانہ‌روی کی بھی کہیں زیادہ ضرورت ہوگی ، جب ہی تو وہ بڑے امن اور چین کی زندگی بسر کرتے ہیں اور جسمانی اعتبار سے بھی انہیں لطف و مسرت حاصل ہے ۔ اندریں صورت ماننا پڑتا ہے کہ اگر کسی ریاست کو عزت و شرف اور خوش بختی کی آرزو ہے تو اس کے لئے یہ فضائل ناگزیر ہیں ۔ پھر اگر کسی کے اندر کوئی وصف ہی نہیں تو اسے حقیقی خیر سے کیا بہرہ ملے گا اور فراغت کا تو گویا اسے اہل ہی

---

بقیہ حاشیہ ۶۸۶

ہے وہ سرگرمیاں جو مقصود بالذات ہیں ، مثلاً اعلٰی موسیقی و اعلٰی شاعری یا اعلٰی شاعری سے بہرہ مندی ، لطف صحبت اور آخرالامر سب سے بڑھ چڑھکر غور و فکر ۔

پھر ارسطو نے یہاں صبر اور میانہ روی ، عدالت اور حکمت کی تقسیم جس طرح کی ہے وہ قابل غور ہے ۔ صبر کی ضرورت تو صرف محنت کے لئے ہے اور اس لئے وہ گویا فراغت کی ایک شرط ہے عدالت اور میانہ روی کا شمار البتہ ان فضائل میں کرنا چاہئے جو فراغت اور محنت دونوں حالتوں میں ضروری ہیں۔ لٰہذا ان کا درجہ صبر سے اونچا ہے لیکن سب سے بڑا درجہ حکمت کا ہے جس کی سرگرمیاں صرف فراغت ہی میں ممکن ہیں—مترجم

Happy Islands - ۵

سمجنا غلط ہے ۔ اس میں کوئی اچھائی نظر آئیگی تو جب ہی کہ محنت مزدوری کرے ، یا جنگ میں لگا رہے اور اس لئے امن اور فراغت کی حالت میں تو اس کا شمار حقیر ترین مخلوق میں ہوگا ۔ بایں ہمہ فضائل کی پرورش ویسے تو کرنی نہیں چاہئے جیسے اہل اسپارٹا نے کی ہے ۔ انہیں خیر اعلیٰ کے باب میں دوسروں کی رائے سے اختلاف تو نہیں تھا لیکن انہوں نے سوچا تو یہ کہ اس کا حصول بھی ایک خاص قسم کی فضیلت پر موقوف ہے ۔ پھر جنگ کی نسبت چونکہ اور بھی کئی ایک اچھی باتیں موجود ہیں ، اس لئے ظاہر ہے ہمیں آرزو ہونی چاہئے تو کسی ایسی چیز سے لطف اندوزی کی جو فی نفسہ قابل قدر ہے (٦) ۔ ان کی نہیں جو صرف جنگ میں مفید ہیں اور اس لئے اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس کو حاصل کیا جائے تو کیسے اور کن ذرائع سے ۔ ہم اس سے پہلے کہہ چکے ہیں اس کا دار و مدار ہے تین باتوں پر (٧) ۔ فطرت پر (٨) ، رسم و رواج (٩) اور عقل پر ۔ ہم یہ بھی بیان کر آئے ہیں کہ اس مقصد کے پیش نظر فطرت کو کس طرح کے انسان پیدا کرنا چاہئے (١٠) ۔ لہٰذا اب ہمیں دیکھنا ہے تو صرف یہ کہ تعلیم کی ابتدا عقل سے کی جائے یا رسم و رواج سے ، کیونکہ ان دونوں میں پوری پوری ہم آہنگی قائم رکھنا

---

٦ - بہ الفاظ دیگر جملہ فضائل اخلاق ناگزیر ہیں — مترجم

٧ - آٹھویں باب میں — مترجم

٨ - فطرت یعنی ریاست کے مادی احوال و ظروف ، محل وقوع ، قدرتی ذرائع وغیرہ وغیرہ — مترجم

٩ - رسم و رواج اس طرح کہ بالآخر رسم و رواج ہی فضائل کی شکل اختیار کر لیتا ہے — مترجم

١٠ - انسان یعنی شہری — مترجم

ضروری ہے(۱۱) ۔ اس لئے کہ بہت ممکن ہے عقل نے مقصد کی تعیین میں تو غلطی کردی ہو لیکن رسم و رواج سے اس کی تصحیح ہوجائے ۔ لہٰذا پہلی بات جو اس سلسلے میں ہمارے سامنے آتی ہے(۱۲) یہ کہ دوسری چیزوں کی طرح یہاں بھی (۱۳) کوئی اصول کام کر رہا ہے جس سے اس کی ابتدا، یا تخلیق ہوئی ۔ پھرچونکہ اس کی غایت کا تعلق بھی کسی اصول سے ہوگا اسلئے وہ اصول بجائے خود ایک غایت (۱۴) ۔ ایسے ہی جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فطرت کی غایت ہے عقل اور فہم تو ہمیں چاہئے جو کچھ بھی پیدا کریں(۱۵) اور جیسے جیسے بھی ہمارے طور و طریق ہیں ان دونوں کے مطابق ہوں(۱۶) ۔ پھر جب روح اور جسم بھی دو الگ الگ اور جداگانہ چیزیں ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ

---

۱۱ - یعنی غور و فکر اور عملی زندگی میں—مترجم

۱۲ - ارسطو کا کہنا یہ ہے کہ عادات و خصائل کے ذریعے تربیت کرنا مقصود ہے تو اسے عقل کے ذریعے تربیت پر مقدم رکھنا چاہئے لیکن اس تربیت کو عقل کے مطابق اور عقل ہی کی خاطر ہونا چاہئے اس لئے کہ وہی در حقیقت ہماری غایت ہے—مترجم

۱۳ - یعنی رسم و رواج میں بھی—مترجم

۱۴ - گویا اصول ہی غایت ہے اور غایت ہی اصول—مترجم

۱۵ - یعنی جو نسل پیدا کریں—مترجم

۱۶ - ارسطو کا یہ خیال اس کے اس تصور پر مبنی ہے جسے "زینہ فطرت" کہا جاتا ہے اس زینے کی پہلی سیڑھی تو یہ ہے کہ بچہ پیدا کیا جائے ، لیکن یہ بجائے خود کوئی مقصد نہیں ۔ لہٰذا اس کی دوسری سیڑھی ہوگی عادات و خصائل کی تربیت ۔ لیکن پھر اس سیڑھی کے بعد ایک اور سیڑھی ہے اور وہ یہ کہ بچے عقل اور غور و فکر سے کام لینا سیکھیں ۔ آخری سیڑھی ہے ان سب مدارج کو اپنے قابو میں رکھنا—مترجم

روح بھی دو حصوں میں منقسم ہے ۔ ایک وہ جو عقل سے کام لیتا ہے دوسرا وہ جو عقل سے کام نہیں لیتا (١٧) ۔ ان کی عادات بھی دو گونہ ہیں اور ہر ایک دوسرے سے متعلق، یعنی اشتہا اور فہم (١٨)۔ پھر چونکہ جسم کی پیدائش روح سے پہلے ہوجاتی ہے اس لئے روح کا غیر عقلی حصہ بھی عقلی سے متقدم ہے اور یہ ایک بدیہی امر ہے اس لئے کہ غصہ ، ارادہ اور خواہش وہ چیزیں ہی جن کا اظہار بچوں میں پیدائش کے ساتھ ہی ہونے لگتا ہے ۔ عقل اور فہم و دانش کا البتہ اس وقت جب وہ بلوغ کو پہنچتے ہیں ۔ للہذا یہ جسم ہے جس کی طرف ہمیں روح سے پہلے توجہ کرنی چاہئے ۔ پھر شہوات کی طرف ذہن کی خاطر ۔ جسم کی طرف روح کے لئے ۔

١٧ ۔ مطلب ہے غیر عقلی نہ کہ عقلی ـــ مترجم

١٨ ۔ ایک کا تعلق عقلی حصے سے ہے ، دوسرے کا غیر عقلی سے ـــ مترجم

# سولھواں باب

پھر جب مقنن کے لئے اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ بچوں کے جسم تمام و کمال اچھے ہوں تو ظاہر ہے اس سے پہلے اسے زواج پر نظر رکھنا ہوگی ۔ بالفاظ دیگر اس امر پر کہ شہریوں کے لئے اس کا بہترین وقت کیا ہوگا اور بہترین حالات کیا ۔ پھر زواج ایک ایسا جوڑ ہے جس کے پیش نظر مقنن کا فرض ہے کہ اس قسم کا جوڑ جوڑنے والوں کی عمر کا بخوبی لحاظ رکھے تاکہ وہ بڑھاپے کو پہنچیں تو ایک ہی عمر میں اور ان کی بدنی طاقتیں بھی یکساں رہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ مرد میں اگر یہ قابلیت موجود ہے کہ بچے پیدا کر سکے تو عورت میں جننے کی ۔ ورنہ اگر عورت نوجوان ہے اور جننے کے قابل لیکن مرد کی عمر زیادہ ہے اور اسلئے وہ باپ نہیں بن سکتا تو اس قسم کی صورت حالات سے آئے روز کوئی نہ کوئی نزاع پیدا ہوتا رہیگا ۔ اس کے بعد دیکھنے کی بات ہوگی تو یہ کہ بچوں کا زمانۂ ولادت کیا ہونا چاہئے ۔ ان کی اور ماں باپ کی عمر میں بہت زیادہ تفاوت تو مناسب نہیں ۔ ایسا ہوا تو والدین ہی کو بچوں کی محبت سے کوئی فائدہ پہنچے گا ، نہ بچوں کو باپ کی سرپرستی سے ۔ مگر پھر ان کی عمروں میں بہت تھوڑا فرق بھی نہیں ہونا چاہئے ۔ اس لئے کہ یوں بھی بہت سی دشواریاں پیدا ہو جاتی ہیں ۔ بچے باپ کا پورا پورا ادب نہیں کرتے، بلکہ اسے اپنا ہم عمر سمجھ لیتے ہیں ۔ علاوہ اس کے گھر کے اخراجات میں بھی کوئی نہ کوئی جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے ۔ لیکن ہم اپنی بات سے دور نکل آئے ہیں ۔ ہم کہہ رہے تھے بچوں کی جسمانی حالت ایسی ہونی چاہئے جس سے مقنن

کی توقعات پوری ہو سکیں اور یہ مقصد بھی حاصل ہوگا تو ویسے ہی ذرائع سے ۔ اب اولاد پیدا کرنے کا زمانہ (جسے اگرچہ صحت کے ساتھ تو متعین نہیں کیا جا سکتا لیکن جیسا کہ عام طور پر کیا جاتا ہے) مرد کے لئے تو ۷۰ برس تک ہے ، عورت کے لئے ۵۰ تک۔ لہذا شادی کے لئے بھی وقت کے تعین میں اسی مدت کا لحاظ رکھنا چاہئے ۔ بات یہ ہے کہ اگر باپ کی عمر بہت کم ہے تو یہ بچوں کے لئے کچھ اچھا نہیں ہوگا اس لئے کہ نو عمری کی حالت میں اعضاء کچھ نا مکمل سے رہتے ہیں لہذا اس عمر میں نوجوانوں کے یہاں زیادہ تر لڑکیاں ہی پیدا ہونگی ، لڑکے نہیں ہونگے ۔ ان کا قد و قامت بھی چھوٹا ہی رہے گا ۔ مردوں کے بارے میں بھی ہم یہی کچھ کہہ سکتے ہیں چنانچہ اس کا ثبوت ان شہروں سے مل سکتا ہے جہاں مرد اور عورت نو عمری ہی میں شادی کرلیتے ہیں ۔ لہذا ان کے باشندے عام طور پر پست قامت ہوتے ہیں اور ان کی جسمانی ساخت بھی ٹھیک نہیں ہوتی۔ پھر وضع حمل میں اکثر عورتیں مر جاتی ہیں اور انہیں تکلیف بھی زیادہ اٹھانا پڑتی ہے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں ٹرئزینیم (۱) کے ہاتف غیب کا قول بھی یونہی سمجھ میں آسکتا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے وہ ان بہت سی عورتوں کے بارے میں کہی گئی تھیں جو اس لئے مر گئیں کہ انہوں نے نوعمری میں شادی کر لی تھی (۲)۔ اس نے یہ نہیں کہا تھا وہ اپنے ثمرات بہت جلدی سمیٹ لیتے

---

۱ - Traezenium ممکن ہے ارسطو کا اشارا اہل ٹروئزن(Troezen) کی طرف ہو ، ایسے ہی اہل قریطش کی طرف جن کے یہاں نوعمری کی شادیوں کا رواج تھا—مترجم

۲ - ہاتف کا کہنا یہ تھا تازہ زمین میں ہل نہ چلاؤ—مترجم

هیں(۳) ۔ اعتدال پسندی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ شادی میں جلدی نہ کی جائے۔ جو عورتیں ایسا کرتی ہیں ان میں بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے، حتیٰ کہ مردوں کی جسامت میں بھی اگر ان کا نشوونما مکمل نہیں ہوا اور وہ نو عمری میں شادی کرلیں تو فرق آجاتا ہے ، اس لئے کہ یہ زمانہ فیصلہ کن ہوتا ہے اور اسی میں ان کا نشونما رک جاتا ہے(۴) ۔ لہٰذا عورت کے لئے تو شادی کا بہترین وقت ۱۸ برس کی عمر ہے ، مرد کے لئے ۳۷ یا اس سے کچھ زیادہ ، یا کم۔ اس لئے کہ اگر ان کی شادی اس زمانہ میں ہوئی جب ان کا جسمانی نشوونما

---

۳ - گویا ہاتف کے اس قول کا تعلق کھیتی باڑی سے نہیں تھا بلکہ اس امر سے کہ نوعمری کی شادی کے باعث بہت سی لڑکیاں جوانی ہی میں اس لئے مرجاتی ہیں کہ ان کی شادی اس عمر میں ہوجاتی ہے جب ابھی وہ ماں بننے کے قابل نہیں ہوتیں۔۔مترجم

۴ - رواج کے مسئلے پرجب ارسطو جسانی صحت کے نقطہ نظر سے بحث کرتا ہے تو ہمیں فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ارسطو کا باپ طبیب تھا اور اس نےخود بھی طب کی تعلیم حاصل کی تھی۔ پھر متن زیر ترجمہ میں اگرچہ جسانی نشونما کےسلسلے میں نطفے کا کہیں ذکر نہیں آیا لیکن دوسرے مترجمین نے بتحقیق و تدقیق یہ طے کیا ہے کہ اس بحث میں ارسطو نے جو لفظ استعال کیا ہے نطفے ہی کے لئے کیا ہے گو یونانی زبان میں اس کے لئے ایک جداگانہ لفظ موجود ہے - ارسطو غالباً یہ کہنا چاہتا ہے کہ مرد کے نطفے کا نشونما چونکہ برابر جاری رہتا ہے اور اس کی تکمیل ایک خاص مدت میں ہوتی ہے لہٰذا اگر اس مدت سے پہلے جنسی تعلق قائم کرلیا جائے تو جسانی اعتبار سے بڑے خراب اثرات مترتب ہونگے - ارسطو کی دوسری تحریروں سے بھی کچھ یہی مترشح ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک جسمانی صحت کا اعلیٰ ترین زمانہ ۳۰ سے ۳۵ سال تک ہے—مترجم

مکمل هو گیا ہے تو ان کے یہاں بال بچے بھی مناسب وقت پر پیدا
ہونگے اور پھر جب بال بچے اسوقت پیدا ہونگے جب ان
کے پیدا ہونے کی بجا طور پر توقع تھی تو ان کا نشونما بھی اسوقت
مکمل ہوگا جب ان کے ماں باپ ستر سال کے بوڑھے ہونگے ۔
یہ تو ہوا شادی کے لئے مناسب وقت گو اس کے ساتھ موسم کا
لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے جیسا کہ اکثر لوگ خوب سمجھتے
ہیں اور جس کے لئے جاڑوں ہی کا زمانہ مقرر کیا جاتا ہے ۔ میاں
بیوی کو چاہئے اطباء اور علمائے طبعیات کے احکام کا بھی جو ان
امور پر اکثر قلم اٹھایا کرتے ہیں لحاظ رکھیں ۔ رہی یہ بات کہ
جسم کے لئے کس قسم کی عادات و خصائل ضروری ہیں اس کا ذکر
ہم بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں کرینگے (٥) لیکن مختصراً یہ چند ایک
باتیں کہ اس امر کی تو کوئی ضرورت نہیں کہ ہر کسی کا جسم
پہلوانوں کا سا ہو۔ اس طرح نہ تو کوئی اچھا شہری بن سکتا ہے، نہ
اس کی جسمانی ساخت عمدہ ہوگی۔ وہ صحت مند بچوں کا باپ بھی
نہیں بنیگا ۔ البتہ اسے کمزور نہیں ہونا چاہئے ، نہ یہ کہ
مصیبتیں اسے بد دل کردیں ۔ اسے چاہئے دونوں کے بین بین رہے ۔ وہ
محنت کے قابل تو ہو لیکن شدید محنت کے نہیں ۔
نہ یہ کہ ایک ہی کام کی عادت ڈالے، جیسا کہ پہلوانوں کا شیوہ ہے
بلکہ ہر اس چیز کی جو ایک آزاد انسان کے لئے ضروری
ہے ۔ یہ سب باتیں مرد و زن دونوں کے لئے ضروری ہیں ۔
چنانچہ جو عورتیں حمل سے ہیں ان کی غذا عمدہ ہونی چاہئے ۔ وہ

---

٥ - یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جسمانی اعتبار سے جن باتوں کی ضرورت
ماں باپ کے لئے ہے ان کا ذکر بچوں کی تعلیم کے سلسلے
میں کیوں آئے — مترجم

مناسب ورزش بھی کرتے رھیں اور یہ مقنن کے لئے کوئی مشکل بات نہیں ۔ وہ انہیں حکم دے سکتا ھے کہ دن میں ایک مرتبہ ان دیوتاؤں کی عبادت ضرور کریں جن کے ھاتھ میں شادی بیاہ کا معاملہ ھے (٦) ۔ ان کے ذھن کو البتہ جہاں تک ھوسکے آرام اور سکون ملنا چاھئے، اس لئے کہ جس طرح پودے زمین سے خوراک حاصل کرتے ھیں اسی طرح بچے بہت سی عادتیں اپنی ماں سے (٧) ۔ ایسے ھی جہاں تک بچوں کی پرورش یا ان کو ضائع کرنے کا تعلق ھے قانون یہ ھونا چاھئے کہ اگر بچہ ناقص ھے یا جس کسی کے جسم میں کوئی

---

٦ - ان میں ایک دیوی کا نام آرٹیمس (Artemis) ۔ ولادت کا تعلق ایک خاص دیوی سے تھا وہ اسے آئی لیتھیا (Eilethuia لاطینی میں Lucina) کہتے تھے—مترجم

٧ - ارسطو کے نزدیک عورت کی حیثیت محض ایک مادی وجود کی ھے - ان معنوں میں کہ بچوں کے لئے اس کا معاملہ وھی ھے جو بقول اس کے پودوں کے لئے زمین کا - اھل یونان کا خیال تھا انسان ھونا صرف مردوں ھی کے حصے میں آیا ھے - عورت کی اس لحاظ سے ان کے یہاں کوئی وقعت نہیں تھی - لیکن یہاں سوچنے کی بات یہ ھے کہ اگر بچے ماں سے وھی کچھ حاصل کرتے ھیں جو پودے زمین سے تو کیا یہ ممکن نہیں کہ ذھنی اعتبار سے بھی وہ اس سے کچھ نہ کچھ حاصل کریں ؟ بہر حال ارسطو کی رائے یہ تھی کہ جس ماں کے بطن میں بچے کی پرورش ھو رھی ھے اس میں یہ صلاحیت بھی ھونی چاھئے کہ اس عمل کو برداشت کر سکے۔ رھی یہ بات کہ اس پرورش میں اس کے ذھن کو بھی کچھ دخل ھوتا ھے ارسطو اسے تسلیم نہیں کرتا—مترجم

خرابی ھے اس کی پرورش نہ کی جائے(۸) ۔ مرد اور عورت کے لئے شادی کا مناسب وقت کیا ھے اس کی طرف ھم اوپر اشارا کر آئے ھیں مگر جس کے ساتھ یہ دیکھنا بھی تو ضروری ھے کہ انکا بچے پیدا کرتے رھنا ریاست کے لئے مفید ھوگا تو کس مدت تک ۔ اس لئے کہ جو لوگ کم عمر ھیں ان کے بچے جسماً اور ذھناً ناقص رھتے ھیں ۔ ایسے ھی وہ بھی جن کے والدین بوڑھے یا کمزور ھیں ۔ پھر چونکہ جسم کا نشوو نما برابر جاری رھتا ھے (جیسا کہ بعض شاعروں نے جو عمر کے مختلف حصوں کا شمار سات سات برس کی مدت سے کرتے ھیں کہا ھے) حتیٰ کہ پچاس برس تک بلکہ ، چار پانچ برس اور آگے تو اس مدت میں جو اولاد پیدا ھوگی اچھی ھی ھوگی(۹) ۔ ھاں جب والدین اس عمر سے آگے نکل جائیں تو

---

۸ - یونانیوں میں یہ رسم عام تھی کہ بعض بچوں کو شہر سے باھر اونچی اونچی پہاڑیوں کی چوٹیوں پر رکھ آتے ۔ لیکن یہ سلوک زیادہ تر لڑکیوں ھی سے کیا جاتا ۔ یہی وجہ ھے کہ بعض یونانی ڈراموں میں جب کسی ھیروئن سے کوئی بچہ پیدا ھوتا تو اس کا انجام یہی ھوتا - مگر پھر اس سلسلے میں بارکر کا یہ خیال بھی غور طلب ھے کہ موجودہ زمانے میں ھم نے اس قسم کی عورتوں کے لئے پہاڑیوں کی بجائے ھسپتال مہیا کر دئے ھیں ۔ گویا ایک حد تک یہ رسم عصر حاضر کے یورپ میں بھی باقی ھے ، گو اس کے وجوہ کچھ اور ھیں - دنیائے اسلام کو چاھئے اس سے عبرت حاصل کرے — مترجم

یہ خیال کہ صرف تندرست بچوں کو زندہ رھنا چاھئے یا قوم کو ایسی نسل پیدا کرے جو بڑی صحت مند ھو (Eugenics) کے سلسلے میں اھل یورپ بھی اکثر اظہار کرتے رھتے ھیں — مترجم

۹ - اس بحث میں ارسطو کے ذھن میں صرف مرد کی ذات ھے ، عورت نہیں ھے — مترجم

پھر بھی بہتر ہے ان کے یہاں اولاد نہ ہو ۔ رہا کسی مرد کا عورت یا عورت کا کسی مرد سے تعلق در آنحالیکہ ان کی باہم نسبت نہیں ہوئی(١٠) تو اس تعلق کو خواہ ان کا عذر کچھ بھی ہو انتہائی نفرت اور حقارت سے دیکھنا چاہئے ۔ لیکن پھر اگر شادی کے باوجود وہ اس فعل کے مرتکب ہوتے ہیں تو ان کی رسوائی ویسی ہی ہونی چاہئے جیسا ان کا جرم تھا (١١) ۔

---

١٠ - مطلب یہ ہے کہ شادی نہ ہونے کی صورت میں اگر وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں ــ مترجم

١١ - یعنی شادی شدہ مرد و زن اگر بدکاری کے مرتکب ہوتے ہیں تو انہیں بر سر عام سزا ملنی چاہئے ــــ مترجم

# سترھواں باب

بچہ پیدا ھو جائے تو سمجھ لینا چاھئے اس کے جسم کی طاقت اس کی غذا پر منحصر ہے۔ جیسی اس کی غذا ھوگی ویسا ھی اس کا جسم بھی ھوگا۔ اب اس سلسلے میں حیوانوں کو دیکھئے یا ان قوموں کو جن کی انتہائی آرزو ھوتی ھے کہ ان کے بچے جنگجو بنیں تو معلوم ھو گا وہ اس کی پرورش زیادہ تر دودھ ھی سے کرتے ھیں۔ اس لئے کہ دودھ ھی ان کی پرورش کیلئے موزوں ھوتا ھے۔ شراب سے وہ ھمیشہ احتراز کرینگے کیونکہ اس سے بے اعتدالی پیدا ھوتی ھے(۱)۔ پھر ھر عمر کے مطابق مناسب ورزش بھی نہایت مفید رھتی ھے۔ اس طرح ان کا کوئی عضو بسبب ملائمت کے ٹیڑھا نہیں رھیگا۔ چنانچہ بعض لوگ تو اس غرض کے لئے کچھ آلات بھی استعمال کرتے ھیں تاکہ ان کے جسم بگڑنے نہ پائیں(۲)۔ انہیں چھوٹی ھی عمر میں سردی برداشت کرنے کی عادت ڈالنی چاھئے۔ یہ چیز صحت کے لئے بڑی فائدہ مند ھے اور اس طرح جنگ کی سختی بھی شاق نہیں گزرتی جیسے بعض غیرمتمدن قوموں میں رواج ھے کہ جن دنوں دریاؤں کا پانی خوب ٹھنڈا ھو ان میں بچوں کو غوطے دئے جائیں۔ بعض تو

---

۱۔ زیادہ واضح الفاظ میں اس بے اعتدالی کا مطلب یہ ھوگا کہ شراب کے استعمال سے متعدد امراض پیدا ھو جاتے ھیں۔ معلوم ھوتا ھے ارسطو یہ بات طبیب کی حیثیت سے کہہ رھا ھے—مترجم

۲۔ ارسطو نے یہ نہیں بتایا یہ آلات کس طرح کے تھے—مترجم

انہیں کپڑے بھی بہت تھوڑے پہناتے ھیں جیسے کیلٹ (۳) ۔ بات یہ ہے کہ بچوں کو جس چیز کا عادی بنانا ھے اس کی ان میں شروع ھی سے عادت ڈالنی چاھئے ، مگر بتدریج ۔ یوں بھی بسبب گرمی کے بچوں کو سردی بہت بھلی معلوم ھوا کرتی ھے (۴) ۔ بہر حال یہ باتیں ھیں جن پر ھمیں سب سے پہلے توجہ کرنی ھوگی ۔ اس کے بعد وہ دور ھے جو اس وقت تک جاری رھتا ھے جب ان کی عمر پانچ برس کی ھو جاتی ھے اور جس میں بہتر ھے انہیں کچھ بھی نہ سکھایا جائے ، حتیٰ کہ وہ ضروری محنت سے بھی اجتناب کریں تا کہ ایسا نہ ھو ان کا نشو و نما رک جائے ۔ لیکن انہیں تھوڑی بہت ورزش ضرور کرنی چاھئے تا کہ وہ سہل انگار نہ بنیں ۔ اس کے بہت سے طریق ھیں اور ان میں ایک کھیل کود بھی ۔ لیکن کھیل ایسے ھوں جو آزادوں کے شایان شان ھیں ، ایسے نہیں جن میں بہت زیادہ مشقت اٹھانی پڑے، یا جن سے ان کے اندر سستی پیدا ھو جائے (۵) ۔ ان کے نگران اور اتالیق (۶) اس امر کا بھی خیال رکھیں کہ انہیں کس قسم کے قصے کہانیاں سنانا چاھئے ۔ ان سب باتوں کا التزام رھا تو ان کی آئندہ تعلیم کا راستہ صاف ھو جائے گا ۔ لہٰذا ان کے

---

۳ ۔ یونان سے باھر غیر متمدن قوموں کے رسم و رواج کی طرف ارسطو نے جو اشارات کئے ھیں اس کے متعلق بعض معلومات اس نے خود بھی حاصل کی تھیں — مترجم

۴ ۔ بسبب گرمی کے ۔ مطلب یہ ھے کہ بچوں کے جسم میں قدرتاً زیادہ گرمی ھوتی ھے — مترجم

۵ ۔ تا کہ جسمانی اعتبار سے بدن کا سیدھا پن قائم رھے — مترجم

۶ ۔ یعنی وہ عہدیدار جن کے ذمے ورزش کی نگرانی ھے ۔ علیٰ ھذا ان کے نجی استاد — مترجم

کھیل بھی عام طور پر اس قسم کے ہونا چاہئے کہ ان میں انہیں باتوں کی نقل ہوتی رہے جو انہیں آگے چل کر سرانجام دینا ہیں ۔ پھر وہ لوگ بھی غلطی پر ہیں جن کی خواہش ہے کہ بچوں کو لڑائی جھگڑے سے قانوناً روک دینا چاہئے (۷) حالانکہ یوں بھی ان کے نشوونما میں مدد ملتی ہے اور وہ بھی ایک طرح کی جسمانی ورزش ہے ۔ اس لئے کہ دل کا جدوجہد سے کام لینا (۸) اور جوش کو روکنا ان لڑکوں کے لئے طاقت کا باعث ہوتا ہے جو محنت مشقت کرتے ہیں اور یہی وہ بات ہے جو لڑائی جھگڑے میں لڑکوں کے اندر پیدا ہو جاتی ہے ۔ اتالیق کو چاہئے ان کے طرز زندگی پر بھی نظر رکھے اور ان پر بھی جن سے وہ گفتگو کرتے ہیں ۔ پھر اس بات میں بھی خاص احتیاط درکار ہے کہ بچے غلاموں کی صحبت میں نہ بیٹھیں ۔ لہٰذا اس زمانے میں اور جب تک انکی عمر سات برس کی نہ ہوجائے انہیں گھر ہی میں تعلیم دینی چاہئے۔ اس امر کا بھی خیال رہے کہ وہ کوئی ایسی بات نہ سنیں جو حریت کے خلاف ہے ، نہ دیکھیں ۔ دراصل بعض دوسری باتوں کی طرح مقنن کا یہ بھی فرض ہے کہ ریاست سے ابتذال اور

---

۷ - افلاطون کی طرف اشارا ہے——مترجم

۸ - مطلب یہ ہے کہ اگر بچوں میں لڑائی جھگڑا ہوگا تو قدرتی بات ہے کہ انہیں سختی سے گفتگو کرنی پڑے - یہ گویا جوش کی حالت ہوگی جس کا اثر قلب اور پھیپھڑوں پر پڑتا ہے - قلب پر جذبات کی شدت اور پھیپھڑوں پر غصے میں زور تنفس کے باعث - پھر جب بچے لڑتے جھگڑتے ہیں تو ظاہر ہے ان میں کوئی روئے گا بھی جس سے پھر اعضائے جسمانی متاثر ہونگے- ارسطو کے نزدیک یہ بھی ایک طرح کی ورزش ہے - چنانچہ کہا جاتا ہے بچے روتے ہیں تو رونے دیجئے گھبرائیے نہیں - اس طرح بھی اعضاء کی تھوڑی بہت ورزش ہو جائیگی——مترجم

رکاکت کا قلع قمع کردے (۹) اس لئے کہ اگر لوگوں نے ایسی باتیں کہنا شروع کردیں جو باعث شرم ھیں اور انہیں اس سے روکا نہ گیا تو تھوڑے ھی دنوں میں وہ خود بھی ویسا ھی کرنے لگیں گے۔ بالخصوص نوجوان لہٰذا وہ اس قسم کی باتیں نہ کہیں، نہ سنیں۔ البتہ اگر کوئی آزاد انسان اس عمر سے پہلے ھی جب وہ مشترکہ(۱۰) دسترخوانوں میں حصہ لینے کے قابل ھو جائے ایسی بات کہتا، یا کرتا ھے تو اسے تذلیل و توھین کے علاوہ کوڑوں کی سزا بھی دینی چاھئے۔ پھر اگر کوئی شخص اس سے بھی بڑی عمر میں ایسا کرے تو اس سے بسبب اسکی ذلت نفس کے وھی سلوک کرنا چاھئے جو غلاموں سے۔ علاوہ ازیں ھمیں چونکہ ھر اس چیز کو روکنا ھے جو ممنوع ھے اس لئے ضروری ھے وہ نہ تو کبھی فحش کہانیاں سنیں، نہ اس قسم کی تصویریں دیکھیں اور حکام کا بھی فرض ھے یہ دیکھتے رھیں کہ اس قسم کے مجسمے اور تصویریں تو نہیں بن رھی ھیں(۱۱) بجز دیوتاؤں کے جس

---

۹ - گویا ریاست کا وجود اخلاق سے بے تعلق نہیں جیسا کہ آج کل بالعموم سمجھا جاتا ھے—مترجم

۱۰ - یونانیوں کا قاعدہ تھا جب کھانا کھاتے تو بڑے بڑے صوفوں پر دراز ھوجاتے۔ بچوں کے لئے البتہ کرسیاں استعمال کی جاتیں تاکہ وہ ان پر سیدھے بیٹھے رھیں—مترجم

۱۱ - یعنی جن میں ایسی باتیں دکھائی جاتی ھیں جو شرم و حیا کے خلاف ھیں۔ در اصل ارسطو اپنے اس خیال کے ماتحت کہ بچوں کو بری زبان سے دور رکھنا چاھئے ضروری سمجھتا ھے کہ امور فن میں بھی بچوں اور بوڑھوں پر کوئی نہ کوئی روک عائد کر دی جائے اور یہ گویا حکومت کا کام ھے۔ جدید یورپ کو البتہ اس سے اتفاق نہیں۔اس کے نزدیک اھل فن کو ایسی ھی آزادی حاصل ھونی چاھئے، جیسے آزادی خیال سب کا حق ھے۔ ارسطو اور افلاطون دونوں کی رائے البتہ اس کے برعکس ھے—مترجم

کی قانون اجازت دیتا ہے اور جن سے ایک خاص عمر میں لوگوں اور ان کے بیوی بچوں کو اظہار عقیدت کا قانوناً حق ہے (۱۲) ۔ یوں بھی جب تک وہ اس قابل نہیں ہوجاتے کہ مشترکہ دسترخوانوں سے لطف اندوز ہوں نوجوانوں کو اس قسم کے تماشوں میں شرکت سے روک دینا چاہئے جن میں نقلیں اور سوانگ بھرے جاتے ہیں یا جن میں مزاحیہ کھیل دکھائے جاتے ہیں ۔ دراصل اچھی تعلیم انہیں ان سب برائیوں سے محفوظ رکھ سکتی ہے جو ان چیزوں کے ساتھ گویا لازم و ملزم ہیں ۔ لیکن سردست ہم اس موضوع پر سرسری طور سے زیادہ کچھ نہیں کہینگے ۔ آگے چل کر البتہ جب اس پر باقاعدہ گفتگو کی جائیگی تو یہ امر بھی طے ہو جائے گا کہ بچوں کی تربیت میں ان باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے یا غیر ضروری ۔ ضروری ہے تو کیسے یہی وجہ ہے کہ بالفعل ہم صرف اس کے ضروری ہونے کا ذکر کر رہے ہیں ۔ ہمارے نزدیک المیہ ناٹکوں کے اداکار تھیوڈورس(۱۳) کا یہ قول شائد ایسا غلط نہیں تھا کہ میں کسی شخص کو اجازت نہیں دے سکتا حتیٰ کہ ایک ادنیٰ سے ادنیٰ اداکار کو بھی کہ مجھ سے پہلے اسٹیج پر جائے اور سامعین سے گفتگو کرے (۱۴) ۔ بات یہ ہے کہ یہ انسان ہوں یا کوئی اور شے ہمیں ان سے سابقہ پڑتا ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم اسی چیز کو پسند کر لیتے ہیں جو سب سے پہلے مل جائے ۔ (۱۵) للہذا بہتر ہوگا بچے ہر

---

۱۲ - یعنی ان تہواروں میں جو دیوتاؤں سے مخصوص تھے—مترجم

۱۳ - Theodrous

۱۴ - اس لئے کہ جو اداکار سب سے پہلے اسٹیج پر آتا اور کچھ کہنا شروع کردیتا ہے سامعین اسی کے گرویدہ ہو جاتے ہیں—مترجم

۱۵ - ارسطو کے نزدیک فطرت انسانی کچھ ایسی ہی واقع ہوئی ہے—مترجم

اس چیز سے دور رہیں جو بری ہے ۔ بالخصوص وہ جن سے ان کے لئے گستاخی اور بد چلنی کا امکان ہے ۔ یوں پانچ برس گذر جائیں تو باقی دو ان باتوں کی دیکھ بھال میں صرف کرنا چاہئے جو آگے چل کر انہیں کرنا ہیں (۱۶) ۔ تعلیم کو جہاں تک بچوں کی عمر کا تعلق ہم دو زمانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ۔ ایک سات برس سے بلوغ تک ۔ دوسرا بلوغ سے ۲۱ سال کی عمر تک ۔ لہٰذا جو لوگ عمر کی تقسیم سات سات کے عدد سے کرتے ہیں غلطی کرتے ہیں ۔ ہمیں چاہئے اس تقسیم کی پابندی کریں جو فطرت نے قائم کر رکھی ہے اس لئے کہ علم ہو یا فن اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ اگر کوئی بات فطرت کی طرف سے ناقص رہ گئی ہے تو وہ اس کی تکمیل کردے ۔ لہٰذا ہمیں دیکھنا ہے تو سب پہلے یہ کہ بچوں کے لئے کسی ضابطے کی ضرورت بھی ہے یا نہیں ۔ پھر یہ کہ اس کی ذمے داری کیا سب پر عائد ہوتی ہے ، یا جیسے کوئی چاہے اسے سر انجام دے جیسا کہ اکثر شہروں میں دستور ہے (۱۷) ۔ تیسری یہ کہ اس سلسلے میں کرنے کی بات کیا ہے (۱۸) ۔

---

۱۶ ۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں چاہئے دوسروں کو اس قسم کے سبق سنتے ہوئے دیکھیں چاہئے جیسے آگے چلکر انہیں دئے جائیں گے — مترجم

فصل هشتم

# پهلا باب

اس امر میں کسے کلام ہوسکتا ہے کہ حاکم کی نظر سب سے زیادہ نوجوانوں کی تربیت پر ہونی چاہئے(۱) جس سے جہاں کہیں غفلت برتی گئی شہر کو نقصان ہی پہنچا ، اس لئے کہ ہر شہر کی حکومت کا اس کی مخصوص حالت کے مطابق ہونا ضروری ہے(۲) ، بدیں وجہ کہ جیسی بھی حکومت ہوگی ویسے ہی اس کی شکل اور طور طریق بھی - پھر جس طرح اس کی ابتدا کی جائیگی وہ عام طور پر قائم بھی ویسے ہی رہیگی - مثلاً جمہوریت اور جمہوری طور و طریق جمہوری ، اعیانیت اور اعیانی طور و طریق اعیانی شکلوں میں - جیسے بہترین طور طریق ہوں گے تو بہترین حکومت کی شکل میں - پھر جس طرح کوئی بھی کام، یا کوئی بھی فن ہو اس میں کچھ باتیں ایسی بھی ہوا کرتی ہیں جن کا اول سیکھ لینا ضروری ہوتا ہے، علیٰ‌ہذا یہ کہ

---

۱ - یہ گویا اس سوال کا جواب ہے جو ارسطو نے فصل ما سبق کے آخر میں اٹھایا تھا - سوال یہ تھا کیا بچوں کی تعلیم کا کوئی ضابطہ ہونا چاہئے ؟ جواب یہ ہے کہ ضرور ہونا چاہئے - اس لئے کہ اس ضابطے ہی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے ــــ مترجم

۲ - اس لئے کہ ارسطو کے نزدیک دستور عبارت ہے طرز زندگی نہ کہ حکومت اور عملداری سے جیسا کہ آجکل سمجھا جاتا ہے ــــ مترجم

هم اپنے آپ کو ان کا عادی بنائیں تا کہ جیسا جیسا کوئی کام ہمارے ذمے ہے تکمیل کو پہنچے لہٰذا فضائل کی جدوجہد میں بھی ان کی ویسی ہی ضرورت ہوگی (۳)۔ پھر چونکہ ہر شہر کے پیش‌نظر ایک ہی مقصد ہوتا ہے اس لئے ہر کہیں تعلیم بھی ایک سی ہونی چاہئے۔ وہ سب کا معاملہ ہے (۴) ہر فرد کا اپنا اپنا معاملہ نہیں، جیسا کہ موجودہ صورت حالات میں دستور ہے کہ ہر کوئی اپنے اپنے بچوں کی تربیت خود ہی کرتا ہے، ہر ایک کا اپنا اپنا تعلیمی نقطۂ نظر ہے اور ہر کوئی جیسی چاہتا ہے تعلیم دیتا ہے، حالانکہ ہم جس چیز کی تعلیم حاصل کریں اس کا سب میں مشترک ہونا ضروری ہے۔ علاوہ‌ازیں یہ خیال بھی غلط ہے کہ جو بھی شہری ہے اسکی ذات اصل میں تو اسکے اپنے ہی لئے ہوتی ہے۔ البتہ عام‌طور پرریاست کے لئے (۵)۔ اس‌لئے کہ ہر کوئی ریاست کا جز ہے اور ہر

---

۳ - مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہر قسم کے فن کے لئے ہمیں اپنے آپ کو تیار کرنا پڑتا ہے اور اس تیاری کے کچھ شرائط ہیں بعینہ فضائل کی زندگی کے لئے بھی ہمیں اپنے آپ کو تیار کرنا پڑے گا—مترجم

۴ - یہ ارسطو کا جواب ہے اس دوسرے سوال کا جو اس نے فصل ماسبق میں اٹھایا تھا - سوال یہ تھا کہ تعلیم کا انتظام ریاست کے ہاتھ میں ہونا چاہئے یا اسے ہر فرد کا نجی معاملہ کہئے - جواب یہ ہے کہ ہر ریاست کا اپنا ایک جداگانہ نظام تعلیم ہوگا ایک تو اس لئے کہ فرد کی بحیثیت فرد بھی وہی غایت ہے جو بحیثیت شہری کے - ثانیاً اس لئے کہ فرد محض ایک جز ہے لہٰذا جز کا تعلق کل سے قائم رہ سکتا ہے تو جب ہی کہ افراد کی تعلیم یکساں ہو—مترجم

۵ - یہ تقریباً افلاطون کی کتاب نوامیس کا چربہ ہے۔ افلاطون کہتا

باقی صفحہ ۷۰۶ پر

جز کا فرض ہےکل کی بہتری کا خیال رکھے۔ چنانچہ یہی وہ بات ہے جس کیلئے اہل اسپارٹا فی‌الواقعہ قابل تعریف ہیں ۔ وہ تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے اور اسے لوگوں ہی کی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ اندریں صورت یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ تعلیم کے بارے میں بھی کچھ قوانین ہونا چاہئے ، جیسے یہ کہ اس کا انتظام بھی جماعت ہی کا معاملہ ہے (٦) ۔

---

بقیہ حاشیہ ۷۰۵

بحیثیت مقنن میری نظر میں تمہاری ذات ہی تمہاری ہے ، نہ تمہارا مال و دولت تمہارا ۔ میرے نزدیک وہ تمہارے خاندان کی ملکیت ہے اور تمہارا خاندان اور تمہارا مال و زر ریاست کی ۔ ارسطو نے بھی آگے چل کر یہی رائے اخلاقیات میں قائم کی ہے کہ ریاست کے معاملے میں نا انصافی سے کام لینا اپنے آپ سے ناانصافی کرنا ہے یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی ایسے فعل کا مرتکب ہوتا ہے تو ریاست اسے سزا دیتی ہے ، یعنی بحیثیت شہری اس کے کچھ حقوق چھین لیتی ہے ـــ مترجم

٦ ۔ جیسا کہ اگلے باب میں وضاحت کی جائے گی ـــ مترجم

# دوسرا باب

بچوں کی تعلیم کیا ہو اور ان کے درس تدریس کا سلسلہ کیا ہونا چاہئے ؟ یہ بات خوب اچھی طرح سے سمجھ لینے کی ہے اس لئے کہ یہی وہ معاملہ ہے جس میں بہت سے شکوک پائے جاتے ہیں ، یہاں تک کہ لوگ اس پر بھی متفق نہیں کہ بچوں کو سیکھنا کیا چاہئے ۔ وہ جس سے فضائل اخلاق میں ترقی ہوتی ہے ، یا وہ جس کا نتیجہ ہے سعادت اور خوش بختی کی زندگی ؟ پھر یہ بھی واضح نہیں کہ اس کا مقصد کیا ہے عقل کی تربیت ، یا اخلاق کی اصلاح(۱) ؟ موجودہ صورت حالات میں جو طریق تعلیم رائج ہے اس سے تو یقینی طور پر کچھ پتہ نہیں چلتا کہ لوگوں کا رجحان کس طرف ہے ۔ اس طرف کہ بچوں کو جو تعلیم دی جائے زندگی کے لئے مفید ہو ، یا اس طرف کہ اس سے فضائل کے ساتھ ساتھ اسے بھی تحریک ہو جو بہترین ہے (۲) ۔ کوئی کسی بات کی تائید کرتا ہے کوئی کسی کی(۳) ۔ حتیٰ کہ فضائل کے معاملے میں بھی لوگ آپس میں متفق نہیں ۔ وہ سب فضائل کو ایک سی اہمیت

---

۱ - یہ اس تیسرے سوال کا جواب ہے جو ارسطو نے اٹھایا تھا اور اس لئے اس ساری فصل میں اسی امر سے بحث کی گئی ہے کہ ریاست کو کس قسم کا ضابطہ تعلیم وضع کرنا چاہئے ــــ مترجم

۲ - یہاں ارسطو نے جو امتیاز قائم کیا ہے کچھ بہت زیادہ واضح نہیں ۔ ایک خیر تو وہ ہے جس کا تعلق روح کے عقلی حصے کے عملی پہلو سے ہے ۔ دوسری وہ جس کا اس کے فکری پہلو سے یعنی اس حصے سے جس کا درجہ پہلے سے بلند تر ہے ــــ مترجم

نہیں دیتےاور اس لئے سب ایک طرح کے فضائل کی پرورش بھی نہیں کرتے ۔ لیکن اتنا بہر کیف ظاہر ہے کہ وہ چیز جو سب کے لئے ضروری ہے سب کو سکھانی چاہئے۔ وہ نہیں جو ایک کے لئے تو ضروری ہے ، دوسرے کے لئے نہیں ۔ اس لئے کہ جو کام ایک آزاد انسان کے کرنے کا ہے غلام تو کریگا نہیں (۴) لہذا اول الذکر کو تو ہر وہ چیز سکھانی چاہئے جس کا سیکھنا مفید ہے لیکن جسے سیکھ کر وہ پستی اختیار نہ کرے اور اس لئے ہر ایسا کام ، ہر ایسا فن اور ہر ایسا علم پست سمجھا جائیگا جس سے آزاد انسانوں کا جسم اور ذہن یا ان کا فہم اس قابل نہ رہے کہ فضائل کی عادت ڈالے اور ان پر عمل کرے ۔ اندریں صورت وہ سب فنون جن سے بدن میں خرابی پیدا ہوتی ہے پست ٹھہرائے جائیں گے (۵) جیسے وہ جو حصول منفعت کے لئے کئے جائیں ۔ اس لئے کہ ان کاموں سے ذہن کی آزادی ختم ہوجاتی ہے اور وہ کمینہ پن اختیار کر لیتا ہے ۔ بعض آزادانہ فنون البتہ ایسے ہیں جن کا ایک خاص حد تک سیکھنا آزاد انسانوں کے لئے نامناسب نہیں بشرطیکہ ان میں پوری پوری مہارت نہ پیدا کی جائے ، ورنہ اس طرح بھی وہ سبب

---

۴ ۔ ارسطو غالباً یہ کہنا چاہتا ہے کہ روح کے لئے جن مضامین کی تعلیم ضروری ہے ان پر لوگ متفق نہیں ۔ نہ اس پر کہ روح کا کون سا حصہ سب سے زیادہ اہم ہے — مترجم

۵ ۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح محنت اور مزدوری کے کاموں سے جسم کی خوبصورتی قائم نہیں رہتی ایسے ہی جو کام حصول منفعت کے لئے کئے جاتے ہیں ان سے ذہن مسخ ہو جاتا ہے — مترجم

خرابیاں جن کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں (۶) ۔پیدا ہوجائینگی۔ اس لئے کہ ہم کسی چیز کو سیکھتے یا کوئی کام کرتے ہیں تو مختلف وجوہ کی بنا پر ۔ مثلاً اپنی ذات ، یا اپنے کسی دوست ، یا کسی خاص فضیلت کی خاطر اور یہ امر آزادی کے منافی نہیں ہے البتہ اسے کسی دوسرے کے لئے سرانجام دینا گویا نوکر یا غلام کی حیثیت اختیار کرنا ہے ۔ موجودہ طریقۂ تعلیم میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں (۷) ۔

---

۶ ۔ مفید مضامین میں جن کو ارسطو ضروری قرار دیتا ہے پڑھنا لکھنا ، تھوڑا سا حساب اور کچھ ہندسہ شامل ہیں خانہ داری اگرچہ ایک مفید مضمون ہے لیکن ارسطو کے نزدیک شاید ضروری نہیں—مترجم

۷ ۔ ارسطو کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ شرفا کا تعلق ہر علم و فن سے شوقیہ ہونا چاہئے ۔ یہ نہیں کہ وہ ان کا پیشہ بن جائے ۔ موسیقی مصوری اور ادب سے بھی ان کا لگاؤ ویسا ہی رہے تو بہتر ہے ۔ وہ ان کی تحصیل تو کریں لیکن یہ نہیں کہ موسیقار یا مصور بن جائیں یہ بات فضائل سے کسی قدر ہٹی ہوتی معلوم ہوتی ہے—مترجم

# تیسرا باب

چار باتیں ھیں جن کا ھر بچے کو سکھانا ضروری ھے - پڑھنا لکھنا(۱)، ورزش کرنا اور موسیقی جس میں (اور یہ چوتھی بات ھے) مصوری (۲) کو بھی شامل کر لینا چاھئے۔ پڑھنے لکھنے اور مصوری کا تو زندگی میں ایک مخصوص استعمال ھے، اور ورزش سے شجاعت کو تحریک ھوتی ھے ، موسیقی کا معاملہ البتہ بعض لوگوں کے نزدیک مشکوک ھے (۳) ۔اس لئے کہ لوگ اس سے رجوع کرتے ھیں تو زیادہ تر حصول مسرت ھی کے لئے ۔ البتہ جن حضرات نے جیسا کہ ھم اس سے پہلے بیان کر آئے ھیں شروع شروع میں اسے تعلیم کا جزو ٹھرایا تھا وہ اس بنا پر کہ فطرت کا تقاضا صرف اتنا ھی نہیں ھے کہ ھم کوئی مناسب مشغلہ اختیار کریں، بلکہ یہ بھی

---

۱ - متن میں صرف پڑھنا لیکن مطلب ھے پڑھنا لکھنا جیسا کہ بارکر میں ھے - یوں بھی پڑھنا لکھنا ایک ھی بات ھے پڑھنا کہیئے یا لکھنا مطلب بہر صورت پڑھنا لکھنا ھوگا—مترجم

۲ - مصوری سے مقصود یہاں فن مصوری نہیں بلکہ تصویر کشی یا ترسیم (Drawing) - ارسطو کے نزدیک ان مضامین کا مطالعہ اس لئے ضروری ھے کہ ھم ان سے زندگی میں فائدہ اٹھاتے ھیں گویا ان کی حیثیت افادی ھے—مترجم

۳ - اس لئے کہ تعلیم یا تو ان مضامین کی ھونی چاھئے جن کی حیثیت افادی ھے یا ان کی جن سے فضائل کی پرورش ھوتی ھے—مترجم

که فراغت کا وقت اچھی طرح سے گذار سکیں (۴) اور یہی (جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ آئے ہیں اور اب پھر اسے دھرا رہے ہیں) در حقیقت سب سے بڑی بات ہے۔ پھر اگرچہ محنت اور آرام دونوں اپنی اپنی جگہ پر ضروری ہیں لیکن یہ دوسری ہی بات ہے جسے اول الذکر پر ترجیح حاصل ہے اور اس لئے جیسے کچھ بھی ہمارے ذرائع ہیں ہم ان کے ماتحت دیکھیں گے کہ فراغت کا وقت کس طرح گذارا جائے۔ ہم یہ وقت کھیل کود میں تو صرف کریں گے نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کھیل کود ہی ہماری زندگی کا حقیقی مشغلہ ہے (۵) جو ظاہر ہے نہیں۔ کھیل کود کی ضرورت تو ان لوگوں کو ہے جو محنت مشقت کرتے ہیں، ان کو نہیں جنہیں فراغت حاصل ہے۔ بات یہ ہے کہ جو کوئی محنت کرتا ہے اسے فی الواقعہ تفریح کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ کھیل کود سے حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر محنت میں چونکہ دکھ کے ساتھ ساتھ مسلسل تکلیف بھی برداشت کرنا پڑتی ہے اس لئے ضروری ہے ہم اس مین کھیل کود بھی شامل کر لیں، لیکن مناسب قواعد کے ماتحت اور بطور دوا کے۔ یوں ذہن کو آرام بھی ملے گا اور اس سے جو لطف حاصل ہوگا اس سے تھکن بھی دور ہو جائیگی۔ لیکن فراغت میں تو مسرت خود بھی شامل ہے، جسے خوش

---

۴۔ جیسا کہ فصل ماسبق کے چودھویں باب میں بیان ہو چکا ہے—مترجم

۵۔ اس لئے کہ اس کی حیثیت ایک ذریعے کی ہے جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا—مترجم

بختی اور وہ زندگی بھی جس کی ہمیں خواہش ہے(٦) لیکن جو انہیں تو میسر آ نہیں سکتی جن کا کام محنت مزدوری کرنا ہے - یہ حصہ ہے توان کا جنہیں فراغت نصیب ہے - اس لئے کہ جو کوئی محنت کرتا ہے کسی ایسے مقصد کے لئے کرتا ہے جو اس کا اپنا تو ہوتا نہیں۔ بر عکس اس کے سعادت اور خوش بختی کے بارے میں تو ہر کسی کی یہی رائے ہے کہ اس سے سکھ ہی پہنچتا ہے ، دکھ نہیں پہنچتا - البتہ اختلاف ہوگا تو اس امر میں کہ سکھ ملے گا تو کس چیز سے - کیونکہ جیسی جیسی کسی کی عادات ہیں ویسا ہی اس کا معیار بھی ہوگا اور اس لئے بہترین انسان بہترین مسرت ہی کی آرزو کرے گا، یعنی اس کا جو نتیجہ ہے اعلیٰ ترین اعمال کا - للہذا فراغت کی زندگی بسر کی گئی تو اس کے لئے بھی بعض چیزوں کا سیکھنا ضروری ہوگا جیسے یہ کہ ان میں تربیت حاصل کی جائے چنانچہ یہی مقصد ہے جس کی خاطر ہم ان کا علم اور تربیت حاصل کیا کرتے ہیں - محنت اور مزدوری کے لئے البتہ جو علم اور تربیت حاصل کی جاتی ہے اس کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے - یہی وجہ ہے کہ قدما نے موسیقی کو تعلیم کا جز ٹھہرایا بطور ایک شے ضروری کے تو نہیں کیونکہ اس کی نوعیت ضرورت کی تو ہے نہیں، نہ کسی مفید شے کی مثلاً

---

٦ - ارسطو کے نزدیک فراغت میں تفریح ، مسرت ، سعادت یہ سب باتیں فی نفسہ شامل ہیں - للہذا اس کا کہنا یہ ہے کہ کام کاج میں تو فی نفسہ تفریح شامل نہیں - ہم اسے کسی اور ہی چیز کے ذریعے حاصل کرتے ہیں ، مثلاً کھیل کود سے - فراغت میں اس اس کے برعکس مسرت بجائے خود بھی موجود ہے اور اسے ہر کوئی محسوس بھی کرتا ہے - پھر ہمارا مقصود بھی فراغت ہی کی زندگی ہے — مترجم

پڑھنے لکھنے کی جو زندگی کے عام معمول ، یا گھر بار کے انتظام یا حیات اجتماعیہ میں کسی چیز کی تحصیل کے لئے مفید ہے ۔ مصوری سے بھی انسان کے اندر یہ قابلیت پیدا ہو جاتی ہے کہ فنون لطیفہ کی تخلیقات کا اندازہ زیادہ بہتر طور پر کر سکے ۔ اس کی مثال بھی وہ نہیں جو ورزش کی ہے ۔ ورزش سے تو ہم صحت اور طاقت حاصل کرتے ہیں ، لیکن موسیقی سے تو ایسی کوئی چیز بھی حاصل نہیں ہوتی ۔ اس کا تعلق فراغت ہی کی زندگی سے ہے اور یہی کچھ سمجھتے ہوئے اسے تعلیم میں شامل بھی کیا گیا ۔ خیال یہ تھا کہ آزاد انسانوں کے لئے مناسب ترین مشغلہ یہی ہے اور اس لئے اسے آزاد انسانوں ہی کا حصہ ٹھہرایا گیا ، جیسا کہ ہومر نے کہا ہے ۔

” کیسا اچھا ہے تھالیہ(۷) کو ضیافت میں بلانا

اور پھر بعض کے متعلق کہتا ہے ۔

مغنی کو بلایا گیا تاکہ ہر کان لطف اندوز ہو

اور پھر ایک دوسری جگہ یولےسیس (۸) کی زبان سے یوں کہلواتا ہے کہ انسان کی زندگی میں سب سے زیادہ خوشی کی ساعت وہ ہے

جب ضیافت کے تخت پر قرینہ سے بیٹھے

وہ گیت سنتے ہیں “

لہذا ثابت ہوا تعلیم کا ایک جز ایسا بھی ہے جس میں بچوں کو وہ کچھ بھی سکھایا جاتا ہے جسے مفید کہا جاسکتا ہے ، نہ ضروری ۔ بلکہ جو مقتضا ہے شرافت اور حریت کا ۔ لیکن یہ ایک چیز ہے یا ایک سے زیادہ ، اس کی نوعیت کیا ہے اور اسے سکھانا

---

Thalia - ۷

Ulysses - ۸

چاھئے تو کیسے اس سے ھم آگے چل کر بحث کرینگے۔ البتہ ھم نے اب تک جو کچھ کہا ھے اس میں قدماء کی مثال بھی ھمارے ھی حق میں ھے ۔ بہر حال تعلیم میں وہ یہی کچھ ھمارے لئے چھوڑ گئے ھیں اور یہی وہ بات ھے جو موسیقی سے بالکل واضح ھو جاتی ھے ۔ پھر بچوں کو چونکہ وہ کچھ بھی سکھانا ضروری ھے جو مفید ھے ۔ یعنی صرف وھی نہیں جو فی نفسہ مفید ھو جیسے پڑھنا لکھنا بلکہ وہ بھی جس کے ذریعے ھم بعض دوسری باتیں بھی سیکھ سکتے ھیں ۔ لہٰذا انہیں مصوری بھی سکھانی چاھئے ۔ اس خیال سے نہیں کہ وہ تصویروں کی خریداری یا خرید و فروخت میں کوئی غلطی نہیں کرینگے مصوری سیکھ لی تو ان کے اندر یہ صلاحیت پیدا ھوجائیگی کہ جسم انسانی کے حسن و خوبی کا اندازہ صحت سے کر سکیں ۔ اعلیٰ اور آزاد انسانوں کا یہ شیوہ نہیں کہ ایسی باتوں کے حصول میں لگے رھیں جو ان کے لئے منفعت کا باعث ھوں ۔ پھر جس طرح یہ ظاھر ھے کہ اخلاق ھی بچوں کے لئے سب سے پہلی سیکھنے کی چیز ھے ، یاپھر عقل سے کام لینا(۱۰) تو پھر یہ بھی ظاھر ھے کہ ھمیں اول کس چیز کی پرورش کرنی چاھئے، ان کے جسم یا فہم کی ۔ ھم اول انہیں اساتذہ ورزش کے سپرد کریں گے تاکہ وہ ان کا جسم بنائیں اور انہیں مناسب ورزش کرنا بھی سیکھائیں(۱۱)

---

- مگر دوسرے نسخوں میں تصویروں کی قید نہیں ھے بلکہ یہ کہ ھر چیز کی خرید و فروخت—مترجم

۱۰ -اور یہ ظاھر ھے کہ تربیت اخلاق مقدم ھے—مترجم

۱۱ - گویا جس طرح اخلاقی تعلیم کی ضرورت عقل اور فکر کی تربیت سے مقدم ھے ایسے ھی جسم کی پرورش اس سے تاکہ ھم اچھی عادات سیکھیں لیکن یہ وہ مقصد ھے جو مختلف ورزشوں ھی سے حاصل ھوگا ۔ فکر اور ذھن کی تربیت البتہ اس کے بعد عقل اور فہم کے ذریعے کرنی چاھئے-مترجم

# چوتھا باب

مگر پھر وہ ریاستیں بھی جن کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے انہیں سب سے زیادہ خیال بچوں کی تعلیم کا ہے ان کی توجہ بھی زیادہ تر پہلوانی ہی پر ہے۔ حالانکہ اس سے جسم کے نشو و نما میں فرق آجاتا ہے اور اس میں بدصورتی پیدا ہوجاتی ہے۔ اہل اسپارٹا نے البتہ یہ غلطی نہیں کی ۔ انہوں نے اپنے بچوں کو شدید محنت کا عادی تو بنایا اور وہ بھی زیادہ تر اس لئے کہ ان کے اندر شجاعت پیدا ہو لیکن جیسا کہ ہم اس سے پہلے کہہ آئے ہیں شجاعت ہی سب کچھ نہیں ہے ہے ، نہ سب سے بڑی چیز کہ ہم صرف اسی کا لحاظ رکھیں ۔ حتیٰ کہ ہمارا اس کو حاصل کرنا بھی ضروری نہیں (۱) ۔ اس لئے کہ حیوان ہوں یا بعض دوسری قومیں شجاعت صرف انہیں میں نہیں ہوگی، جو ظالم ہیں ۔ برعکس اس کے وہ ان ملائم طبع انسانوں کا حصہ ہے جن میں شیروں کے سے خصائل پائے جاتے ہیں ۔ ورنہ ان لوگوں کی کمی نہیں جو دوسروں کو قتل کرنے کے درپے رہتے اور آدمی کا گوشت تک کھا جاتے ہیں ۔ جیسے اہل آکیا (۱) اور پونٹس کے ہینیئوچی (۲) یا ایشیا کی کئی ایک قومیں جن میں بعض اتنی ہی بری بلکہ بہت زیادہ بری ہیں اور جن کا زندگی کا دار و مدار ہی ظلم پر ہے ، لیکن ان کے اندر شجاعت کا نام تک نہیں ملے گا ۔ علاوہ اسکے ہمیں یہ بھی معلوم ہے

---

۱ - Achaeans

۲ - Heniochi

که باوجود ان مشاغل کے جو حد درجہ مشقت طلب ہیں اور جن میں انہیں باقی سب پر برتری حاصل تھی (گو اب ان کا درجہ بہتوں سے کم ہے) جنگ اور جسمانی ورزشوں میں بھی اہل سپارٹا کو اگر فوقیت ملی تو اس لئے نہیں کہ انہوں نے نوجوانوں کو اس قسم کی ورزشیں سکھائیں، بلکہ اس لئے کہ جو لوگ نظم و نسق کے پابند تھے انہوں نے ان لوگوں کی مخالفت کی جو نظم و ضبط کی پابندی سے جی چراتے تھے (۳) لہٰذا کیوں نہ سفاکی اور بیدردی کی بجائے ہم تعلیم میں انصاف اور شرافت کو جگہ دیں اسلئے کہ شرافت خطرے میں ہوئی تو یہ بھیڑیے ہوں گے نہ کوئی اور درندہ جو ایسے وقت میں دلیری سے کام لیگا۔ دلیری سے کام لے گا تو وہی جسے ہم اچھا انسان کہتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں لڑکے جسمانی ورزشوں میں لگے رہتے ہیں اور انہیں ان باتوں کی تعلیم نہیں دی جاتی جن کا سیکھنا ضروری ہے وہاں در حقیقت انہیں پستی اور کمینہ پن سکھایا جاتا ہے - وہ کچھ حاصل کرتے ہیں تو یہ کہ بحیثیت شہری ایک ہی فرض ادا کرتے چلے جائیں۔ باقی سب پہلوؤں سے جیسا کہ عقل صاف صاف دیکھ سکتی ہے کسی کام کے نہیں رہتے(۴) - اندریں صورت مناسب ہوگا ہم جو رائے قائم کریں گذشتہ واقعات ہی کی بنا پر نہ کریں - ہمیں چاہئے ان باتوں پر بھی نظر رکھیں جو ہمارے سامنے رونما ہو رہی ہیں۔ اس لئے کہ جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے اب ان کے کچھ حریف بھی پیدا ہوگئے

---

۳ - مطلب یہ ہے کہ ان کی کامیابی کی وجہ تھی نظم و ضبط - ورزش اور کسرت نہیں تھی تا کہ جسم کی طاقت بڑھے—مترجم

۴ - اس لئے کہ یوں اہل اسپارٹا اس چیز میں بھی مات کھا گئے جس پر انہیں بڑا ناز تھا—مترجم

ھیں جن کا اس سے پہلے کہیں وجود ھی نہیں تھا۔ جسم کی کسرتیں اپنی جگہ پر مفید ھیں اور ان کا جو طریق ھے وہ بھی مسلم۔ اس لئے کہ نوجوانی میں ھلکی ورزشیں کرتے رھنا اچھی ھی بات ھے ۔ البتہ ھمیں چاھئے سخت غذا اور شدید ورزشوں سے جن کو خواہ مخواہ ضروری سمجھا جاتا ھے احتراز کریں تاکہ ایسا نہ ھو جسم کے نشوونما میں رکاوٹ پیدا ھوجائے جو اس کا قدرتی نتیجہ ھے اور جس کا یہ کوئی معمولی ثبوت نہیں کہ المپی امیدواروں(۵) میں ھمیں شاید دو یا تین ھی ایسے ملینگے جنھوں نے لڑکپن میں یا پھر جوان ھو کر کوئی فتح حاصل کی ھو(۶) اس لئے کہ ان بدنی ورزشوں میں حصہ لینے کے باعث جن کو ضروری سمجھا جاتا ھے ان کی طاقت جوانی ھی میں کم ھوگئی ۔ بات یہ ھے کہ سن بلوغ کے بعد جب تعلیم کے دوسرے اجزا کے لئے تین سال اور وقف رھینگے تو یہ محنت و مشقت(۷) اور لگی بندھی غذا کے لئے ان کی عمر کا مناسب ترین وقت ھوگا (۸) اس لئے کہ جسم اور ذھن دونوں ایک ھی وقت میں محنت سے کام نہیں لے سکتے ۔ لینگے تو ایک دوسرے کے لئے خرابی کا باعث ھوں گے۔ جسم کی محنت ذھن کی ترقی کو روک دیگی ذھن جسم کی(۹) ۔

---

۵ - یعنی وہ کھلاڑی جو کھیلوں میں فتح مندی حاصل کرتے ھیں—مترجم

۶ - مطلب یہ ھے کہ ان کھیلوں میں دو یا تین ھی ایسے تھے جنھوں نے لڑکپن میں بھی فتح حاصل کی اور جوان ھو کر بھی—مترجم

۷ - یعنی ایسی جسمانی ورزش جس میں بدن کو شدید محنت اور سختی برداشت کرنا پڑتی ھے—مترجم

۸ - اس لئے کہ جیسی ورزش ھوگی ویسی ھی غذا بھی—مترجم

# پانچواں باب

موسیقی کے متعلق البتہ ہم کچھ باتیں ایسی بھی کہہ آئے ہیں جن میں قدرے اشتباہ ہے (۱) لہذا بہتر ہوگا ان پر پھر غور کر لیا جائے۔ یوں بھی ہم نے جو کچھ کہا ہے ایک طرح سے تمہیداً کہا ہے تاکہ اس سلسلے میں اور کوئی رائے بھی ہے تو اس کا اظہار کیا جا سکے۔ در اصل یہ فیصلہ کرنا کوئی آسان بات نہیں کہ موسیقی کے اندر کیا طاقت پائی جاتی ہے، یا یہ کہ ہمیں اس سے کیا کام لینا چاہئے۔ تسکین و تفریح کا، جیسے نیند اور شراب سے جن کا وجود ویسے تو کچھ اہم نہیں البتہ باعث راحت ضرور ہے اور بقول یوریپیڈیس پریشانیوں کا مداوا۔ لہذا ہم ان سب کا شمار ایک ہی زمرے میں کرینگے۔ ان سے پوری بھی کی جاتی ہے تو ایک ہی غرض، یعنی نیند شراب اور موسیقی سے جن میں بعض نے رقص کا اضافہ بھی کردیا ہے۔ یا پھر ہم یہ کہیں کہ موسیقی فضائل کا سر چشمہ ہے اس لئے کہ اس کے اندر بھی وہی طاقت موجود ہے جو ورزش اور کسرت میں۔ جس طرح ورزش سے بدن ایک خاص شکل اختیار کرلیتا ہے، بعینہ موسیقی سے بھی اداب و اطوار اس طرح متاثر ہوتے ہیں کہ اس کے جاننے والے صحیح معنوں میں لطف و مسرت حاصل کرسکتے ہیں(۲)؟ یا پھر ہم یہ کہیں

---

۱ - اس لئے کہ موسیقی سے جو اثرات مترتب ہوتے ہیں ان کے بارے میں قطعی طور سے کچھ کہنا ناممکن ہے — مترجم

۲ - یہ اس لئے کہ موسیقی سے جن اعلیٰ جذبات کو تحریک ہوگی ان میں مسرت کا ایک عنصر بھی موجود ہوگا — مترجم

که اس سے ہمارا طرز زندگی سدھر جاتا ہے اور حزم و دانش کی پرورش ہوتی ہے؟(۳) کیونکہ یہ تیسری خصوصیت بھی ہے جو اس سے منسوب کی جاتی ہے ۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ لڑکوں کو موسیقی کی تعلیم دی جائے تو اس طرح نہیں جیسے کھیل کود کی اس لئے کہ جو کوئی تعلیم حاصل کررہا ہے اسے کھیل کود سے کیا سروکار ۔ تعلیم کا حصول قدرے محنت طلب امر ہے ۔ مگر پھر یہ بھی تو مناسب نہیں کہ لڑکے انتہائی فراغت کا مزا اٹھائیں ۔ اس لئے کہ جو چیز ابھی ناقص ہے اس کی اصلاح نہ کرتے رہنا غلطی ہے ۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر بچوں نے اس فن میں پوری توجہ سے کام لیا تو اپنے نشوونما کی تکمیل اور پختگی عمر میں انہیں جو مسرتیں حاصل ہونگی وہ ان سے لطف اندوز ہو سکینگے ، لیکن پھر اس صورت میں سوال یہ ہے کہ انہیں خود اس فن کو سیکھنے کی کیا ضرورت ہے ؟ کیوں نہ ایرانیوں اور اہل میدیا کی طرح جن کو موسیقی سے بڑا شغف ہے وہ اسے دوسروں سے سنیں اور وہی اس کی خوبیاں بھی ان پر ظاہر کریں ؟ اسلئے کہ جن لوگوں کا کام ہی اس فن کو سیکھنا ہے اور جو اسی کو اپنا مخصوص مشغلہ

۳ ۔ اس سلسلے میں روح کے ان تین حصوں کا خیال بھی رکھنا چاہئے جن کا ذکر پچھلی فصل میں آچکا ہے ۔ اگر یہ کہا جائے کہ موسیقی سے بھی نیند یا شراب کی طرح تفریح حاصل ہوتی اور آرام ملتا ہے تو پھر یہ بھی کہا جائے گا کہ اس کا تعلق روح کے غیر عقلی حصے سے ہے ۔ البتہ اگر موسیقی سے خیر کو تحریک ہوتی ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہمیں اس کو روح کے عقلی جز کے عملی حصے سے وابستہ کرنا چاہئے ۔ بعینہ ہم اسے روح کے فکری پہلو سے بھی وابستہ کرسکتے ہیں —مترجم

قرار دیتے ہیں (۴) انہیں قدرتاً اس میں زیادہ کمال حاصل ہوگا بہ نسبت ان کے جنہوں نے اس میں بہت تھوڑا وقت صرف کیا ہے یعنی صرف اس کے اصول ہی سیکھے ہیں - لیکن اگر یہی وجہ ہے جس کی بنا پر ہم بچوں کو کوئی فن سکھاتے ہیں(۵) تو کیوں نہ انہیں طباخی کا فن بھی سکھایا جائے، حالانکہ یہ ایک بے معنی سی بات ہوگی - یوں تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اگر موسیقی میں اتنی طاقت موجود ہے کہ آداب و اطوار کی اصلاح کرے تو کیا ضروری ہے کہ بچے خود بھی اسے سیکھیں - کیوں نہ اہل اسپارٹا کی طرح وہ اسے دوسروں سے سنیں اور اپنے جذبات قابو میں رکھتے ہوئے گانے والوں کے حسن و قبح پر حکم لگائیں - جیسا کہ اہل اسپارٹا موسیقی کی تعلیم حاصل کئے بغیر اسے خوب سمجھتے ہیں کہ اچھا گانا کیا ہوتا ہے اور برا کیا - گویا اگر موسیقی سے صرف انہیں کی تفریح طبع مقصود ہے جو آرام اور ناز و نعمت کی زندگی بسر کررہے ہیں تو اس دلیل کے ماتحت یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انہیں اس کو سیکھنے کی کیا ضرورت - کیوں نہ وہ دوسروں کے کمال فن سے فائدہ اٹھائیں ؟ لہذا آئیے ہم یہ سوچیں اس سلسلے میں غیر فانی دیوتاؤں کے متعلق ہمارے عقاید کیا ہیں - ہم دیکھتے ہیں شعرا نے نہ تو کبھی مشتری کو گاتے ہوئے پیش کیا ، نہ کھیلتے ہوئے اندریں صورت کیا ہم یہ سمجھیں اس فن کے جاننے والے ادنی قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور اسے اختیار کریں گے تو صرف شرابی یا مسخرے ؟ لیکن بہتر ہوگا ہم اس موضوع پر آگے

---

۴ - یعنی اسے بطور پیشے کے اختیار کریں—مترجم

۵- تاکہ آئیندہ زندگی میں اس سے کام لے سکیں—مترجم

چل کر زیادہ غور و فکر سے کام لیں۔ سر دست ہمیں اول جس سوال کا جواب دینا ہے یہ کہ موسیقی تعلیم کا جز ہے یا نہیں اور پھر یہ تین باتیں جو اس سے منسوب کی جاتی ہیں ان میں کونسی قرین صواب ہے(۶) ؟ کیا اس سے مقصد کچھ سیکھنا ہے، یا محض دل بہلانا یا ان لوگوں کےلئے وقت گذاری کا ایک ذریعہ پیدا کرنا جن کو فراغت حاصل ہے، یاپھر ہم یہ سمجھیں یہ تینوں مقصد اس سے وابستہ ہیں؟(۷) اسلئے کہ معلوم ہوتا ہے اسے ان سب میں کچھ نہ کچھ دخل ضرور ہے ۔ آرام کے لئے کھیل ضروری ہے اور آرام سے لطف ملتا ہے، کیونکہ یہ اس پریشانی کا علاج ہے جو محنت اور مشقت سے پیدا ہوتی ہے ۔ مگر پھرجب یہ مسلم ہے کہ خوش بختی اور سعادت کی زندگی شرافت کی زندگی ہے، علیٰ ہذا راحت اور مسرت کی ، اس لئے کہ سعادت کی زندگی میں یہ دونوں باتیں شامل ہیں اور ہم اس پر بھی متفق ہیں کہ موسیقی ایک خوش آئیند چیز ہے، خواہ الگ تھلگ (۸) خواہ آواز کے ساتھ (۹) جیسا کہ میوزوں(۱۰) نے کہا ہے ”انسان کی سب سے زیادہ پر حلاوت مسرت ہے موسیقی“ اور یہی وجہ ہے اس سے کوئی صحبت خالی نہیں ہوتی (۱۱) نہ خوش بختی کی زندگی

---

۶ - یعنی کیا اس سے سیرت اور کردار بنتا ہے—مترجم

۷ - جن کا ذکر اوپر آچکا ہے—مترجم

۸ - الگ تھلگ ، یعنی محض سازوں کی موسیقی سے—مترجم ۱

۹ - یعنی نغمہ و ترنم سے—مترجم

۱۰ - Musae یونانی دیو مالا میں اولا راگ کی دیویاں۔ بعد میں‌شعر و شاعری فنون لطیفہ اور علم و حکمت کی - ابتدا میں ان کی تعداد تین تھی رفتہ رفتہ نو ہو گئی - ملاحظہ ہو کوئی کلاسیکی قاموس—مترجم

۱۱ - ارسطو کی دلیل یہ ہے کہ موسیقی وہ چیز ہے جس سے انسان بے حد لطف اندوز ہوتا ہے - اب لطف اندوزی جیسے تفریح کے لئے ضروری ہے ویسے ہی تعلیم و تربیت میں بھی - لہٰذا موسیقی کا تعلق دونوں سے ہے - صرف ایک یعنی لطف و مسرت سے نہیں—مترجم

خواہ وہ کہیں بھی ہو بسبب اس کے کہ اس سے لطف و مسرت کو تحریک ہوتی ہے(۱۲) تو ان باتوں سے ہر کوئی یہی نتیجہ اخذ کریگا کہ نوجوانوں کو موسیقی کی تعلیم ضرور دینی چاہئے اس لئے کہ ایسی تمام مسرتیں جن میں کوئی ضرر نہیں اس نصب العین ھی میں مساعد نہیں ہوتیں جسے ہم اپنی زندگی میں حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ راحت اور آرام کا سرچشمہ بھی ہیں ۔ لیکن نصب‌العین کا حصول چونکہ بہت کم انسانوں کے حصے میں آیا ہے اس لئے کہ محنت اور مشقت کو چھوڑ کر وہ اکثر دل بہلانے کا سامان پیدا کرلیتے ہیں جس میں اس لطف و مسرت کے سوا جو اس طرح حاصل ہوتی ہے اور کوئی مقصد تو ہوتا نہیں ، لہٰذا سمجھا یہ جاتا ہے کہ اس قسم کی مسرتوں سے لطف اٹھانا اچھی ھی بات ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ کھیل اور تفریح طبع ھی کو اپنا مقصد بنا لیتے ہیں جس سے ممکن ہے تھوڑی بہت مسرت وابستہ ہو البتہ وہ ہرگز نہیں جو ہونی چاہئے ۔ لیکن پھر اسے کیا کیا جائے کہ لوگ تلاش تو ایک چیز کی کرتے ہیں مگر اختیار اس کی جگہ کوئی دوسری کر لیتے ہیں (۱۳) ۔ یہ اس لئے کہ ہمارے اعمال و افعال کو ہمارے پیش نظر مقصد سے ایک گونہ مشابہت ضرور ہوتی ہے ۔ مقصد تو اس چیز کے سوا جو اس سے وابستہ ہے اور کسی چیز کے لئے حاصل نہیں کیا جاتا یعنی صرف اپنے آپ کے لئے۔ لطف و مسرت کی طلب البتہ اس چیز کے لئے نہیں ہوتی جو اس سے مترتب ہوگی ، بلکہ اس کے لئے جو اس سے پہلے سرزد ہو چکی ہے ، مثلاً محنت یا دکھ درد کے باعث ۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اس سے لطف و مسرت حاصل کرتا اور اپنے

---

۱۲ - یہ دراصل ایک مصرعے کا جزو ہے—مترجم

۱۳ - یعنی نصب العین کی بجائے لطف و مسرت کا حصول—مترجم

دل بہلانے کا سامان پیدا کر لیتا ہے اور یہ بآسانی ہر کوئی سمجھ بھی سکتا ہے - رہا یہ امر کہ موسیقی کی تحصیل صرف اسی ایک غرض کے لئے نہیں کرنی چاہئیے(۱۴) ، وہ آرام اور محنت کی گھڑیوں میں بھی بڑی سود مند ہے(۱۵) اس سے کوئی انکار نہیں کریگا لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اسکے علاوہ بھی کیا اس کا کوئی اچھا اور اعلیٰ مصرف ہے یا نہیں - گویا ہمیں صرف اسی مسرت میں حصہ نہیں لینا چاہئیے جو عام طور پر اس سے ہر کسی کو حاصل ہوتی ہے اور جس کی حس سب میں موجود ہے (اس لئے کہ موسیقی سے قدرتاً ہر کوئی لطف اٹھاتا ہے- وہ ہر عمر اور ہر مزاج کو پسند ہے)- ہمیں دیکھنا ہے تو یہ کہ اس سے ہمارے آداب‌واطوار اور روح کی اصلاح بھی ہوتی ہے یا نہیں اور یہ کوئی مشکل کام نہیں بشرطیکہ ہم اس امر کا خیال رکھیں کہ ہمارے اپنے عادات و خصائل اس سے کیا اثر قبول کرتے ہیں - وہ

---

۱۴ - تاکہ کام کاج اور محنت سے جو تھکن اور افسردگی پیدا ہوتی ہے اسے دور کیا جاسکے—مترجم

۱۵ - یہاں ارسطو نے محنت اور کام کاج کی تھکن دور کرنے اور محنت اور کام کاج کے دوران میں موسیقی کے استعمال کو جس طرح الگ الگ حیثیت دی ہے اس کا سمجھنا قدرے مشکل ہے - اس سے پہلے ارسطو یہ کہہ آیا ہے کہ تین باتین ہیں جن کے پیش نظر ہم موسیقی سے بحث کر سکتے ہیں ، ایک تفریح ؛ دوسری تربیت ، تیسری اصلاح ذہن - لیکن اب تفریح کے سلسلے میں بھی وہ اس میں ایک امتیاز قائم کرتا ہے - تفریح اس لئے کہ دل کو خوشی حاصل ہو اور تفریح اس اس لئے کہ کام کاج کی کلفت دور کی جائے اور دل کو آرام پہنچے— مترجم

اس سے کوئی نہ کوئی اثر ضرور قبول کرتے ہیں جسکی اور بھی کئی مثالیں موجود ۔ ہیں مثلاً المپی کھیلوں کے گیت جن سے روح میں ولولہ پیدا ہوتا ہے اور جسکا ہر کوئی معترف ہے۔ اب روح میں ولولوں کا جوش مارنا وہ چیز ہے جس سے طبائع میں زبردست ہیجان پیدا ہوجاتا ہے(۱۶) ۔ حتیٰ کہ اگر کوئی ان کی نقل سنتا ہے(۱۷) تو وہ بھی ان پرمائل ہو جاتا ہے خواہ ان کو سر تال یا اشعار کے بغیر ہی ادا کیا جائے۔ پھر چونکہ موسیقی کا شمار ان چیزوں میں ہوتا ہے جو لطف اور تفریح کا باعث ہیں اور فضائل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم تفریح کریں تو بجا طور پر، محبت اور نفرت بھی بجا طور پر ، لہٰذا ہمیں چاہئیے جو کچھ بھی حاصل کریں ، یا جس چیز کی عادت ڈالیں وہ ایسی تو ہو جس سے ہم ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنا اور حکم لگانا سیکھیں۔ جیسے یہ

---

۱۶ - دراصل ارسطو یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ روح موسیقی سے متاثر ہوتی ہے - لہٰذا اچھی موسیقی سے طبیعت میں جو ولولہ اور جوش پیدا ہوتا ہے اس کا اثر روح پر بھی ہوگا - بات یہ ہے بعض کہ لوگ ممکن ہے یہ سمجھتے ہوں موسیقی کا اثر صرف جسم تک محدود رہتا ہے، یا یہ کہ اس سے صرف ذہن ہی متاثر ہوتا ہے - لیکن ارسطو سمجھتا ہے اس سے عمل کو بھی تحریک ہوتی ہے - لہٰذا اس کا یہ خیال کہ موسیقی کو روح سے خاص تعلق ہے -

یاد رکھنا چاہئیے ان حواشی میں لفظ روح کا استعمال انہیں معنوں میں ہو رہا ہے جن معنوں میں یونانی فلسفہ اور بالخصوص ارسطو نے اسے کیا ہے ـــ مترجم

۱۷ - نقل کا مطلب ہے گیتوں کی نقل خواہ ان میں سر تال کا لحاظ نہ رکھا جائے ـــ مترجم

کہ ہم لطف اٹھائیں تو شریفانہ عادات و خصائل اور اعلیٰ و ارفع اعمال سے(۱۸) مگر پھر غصہ ہو یا نرمی ، دلیری یامیانہ روی جیسے وہ سب باتیں جو ان کی ضد ہیں یہ سب ، علیٰ ہذا ذہن انسانی کے دوسرے رجحانات موسیقی اور شاعری ہی میں ہمارے سامنے آتے ہیں جیسا کہ ہر کسی کا تجربہ ہے۔ اس لئے کہ موسیقی ہی وہ چیز ہے جسے سن کرہماری روح بدل جاتی ہے (۱۹) ۔ بعینہ جب کسی شے کی نقل کو دیکھ کر ہمارا جی خوش ، یا مغموم ہو جاتا ہے تو گویا ہم اس سے کچھ ویسا ہی اثر قبول کرتے ہیں جیسے خود اسے دیکھ کر متاثر ہوتے۔ لہٰذا اگر کسی مجسمے کا حسن اس طرح کا ہے کہ اس کی دید سے کسی کا دل خوش ہو جائے تو ہم اس سے یہی نتیجہ اخذ کریں گے کہ اس کی اصل کو دیکھ کر بھی اسے ویسی ہی مسرت ہوگی (۲۰) ۔ اب دوسرے

---

۱۸ - ارسطو کی دلیل یہ ہے کہ (۱) موسیقی تفریح کا باعث ہے اور (۲) خیر کا تقاضا یہ کہ ہم صحیح قسم کی تفریح حاصل کریں جو ظاہر ہے صحیح قسم کے افعال اور کردار ہی سے حاصل ہوگی ۔ لہٰذا صحیح قسم کی موسیقی وہی ہے جس سے خیر کی پرورش ہو کیونکہ اس طرح ہمیں صحیح قسم کے کردار اور اعمال و افعال میں بھی لطف محسوس ہونے لگتا ہے——مترجم

۱۹ - اس لئے کہ خیر انہیں پر موقوف ہے ——مترجم

۲۰ - مطلب یہ ہے کہ اگر کسی تصویر کے مشاہدے سے ہمیں لطف یا رنج محسوس ہوتاہے تو اس کے اصل کو دیکھ کر بھی یہی احساسات ہمارے دل میں پیدا ہو جائیں گے——مترجم

حواس میں تو عادات و خصائل کی کوئی نقل ملے گی نہیں(۲۱) مثلاً لامسہ یا ذائقہ میں ۔ آنکھ جن اشیاء کو دیکھتی ہے ان میں بھی بہت کم، اس لئے کہ یہ سب شبیہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے سب مدرکات بھی ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں (۲۳) ۔ یوں بھی ناممکن ہے مجسموں اور تصویروں میں ہم عادات و خصائل کو ہو بہو پیش کرسکیں ۔ ان کو دراصل علامات، یا نشانات کہنا چاہئے جن سے صرف اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ جسم کس جذبے کے زیر اثر ہے(۲۴) ۔ بایں ہمہ یہ کوئی بہت بڑا فرق نہیں(۲۵) ۔ البتہ نوجوانوں کو چاہئے پاسو کی بجائے پالی گنوٹس(۲۶) کی تصویریں یا کسی ایسے

---

۲۱ ۔مطلب یہ ہے کہ ان سے سیرت اور کردار کی ترجمانی نہیں ہوتی ۔ مثلاً تصویروں میں اگرچہ خد و خال کے ذریعے سیرت اورکردار کی تھوڑی بہت جھلک نظر آجاتی ہے لیکن پورے طور پر اس کا اظہار نہیں ہوتا۔۔۔مترجم

۲۲ ۔ اس لئے کہ ان کا ایک ہی پہلو ہمارے سامنے آتا ہے۔۔۔مترجم

۲۳ ۔ کیونکہ اس طرح پوری شخصیت نمایاں نہیں ہوتی ۔ مطلب یہ ہے کہ تصاویر میں سیرت اور کردار کا اظہار بہت تھوڑی حد تک ہوسکتا ہے ۔ پھر آنکھیں تو ہرکسی کو ملی ہیں اور ہر کسی کو دوسرے سے تھوڑی بہت مشابہت بھی ہے ۔ للہذا عام لوگ ان سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرسکتے ۔۔۔مترجم

۲۴ ۔ گویا ان کی حیثیت صرف اشارے کی ہے۔۔۔مترجم

۲۵ ۔ یہی وجہ ہے کہ مجسموں سے بھی فی الحقیقت شجاعت کا اظہار نہیں ہوتا ۔ اس کی طرف اشارا ضرور ہوجاتا ہے اور وہ اس طرح کہ اس جذبے میں بدن جو صورت اختیار کرتا ہے اسے دکھا دیا جاتا ہے مثلاًخطرے کے موقعہ پر ۔برعکس اس کے موسیقی میں شجاعت کی روح گویا اندرون ذات سے کھینچ کر باہر آجاتی ہے۔۔۔مترجم

۲۶ ۔ Pauso اور Polygnotus

ھی مصور یا مجسمہ ساز کی تخلیقات دیکھا کریں جو عادات و خصائل کی نقل پیش کرتا ہے ۔ شاعری اور موسیقی میں البتہ عادات و خصائل کا دکھانا ممکن ہے اور یہ بات ہے بھی واضح اس لئے کہ مختلف الحانات جب قدرتاً ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں تو ان کو سننے والے بھی ان سے مختلف اثرات قبول کریں گے - یہی وجہ ہے کہ ایک کو سن کر ذہن میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے دوسرے کو سن کر بدل جاتی ہے ۔ مثلاً اگر ایک سے غم کو تحریک ہوتی اور روح پر افسردگی طاری ہو جاتی ہے جیسے مخلوط ۔لائیڈوی سے(۲۷) تو دوسرے سے ذہن اس حد تک نرم اور گداز ہو جاتا ہے کہ ہم سمجھتے ہیں شاید دل ہی سے ہاتھ دھونا پڑیگا ۔ بعض سے تسکین خاطر اور دل جمعی کی ایک مستقل کیفیت ۔ چنانچہ ڈوری(۲۸) موسیقی کو کچھ ایسی ہی قوت حاصل ہے جیسے فریگوی (۲۹) کو یہ کہ اس سے روح ذوق و شوق سے بھر جاتی ہے

---

۲۷ - Mixo Lydian یعنی آئی اونوی اور لیڈ وی طرز کے ھلکے ھلکے گیت ——مترجم

۲۸ - Doric

۲۹ - Phrygian

لیڈیا ، آئی اونیہ اور فریگیا تینوں ایشیائے کوچک (موجودہ ترکیہ یا اناطولیہ) کے اضلاع ہیں - لیڈیا مغربی حصے کا ایک علاقہ ہے، آئی اونیہ ساحلی (مغربی) اور فریگیا لیڈیا سے ملحق - لیڈیا اس قدیم ایشائی تہذیب کا مرکز ہے جس سے یونانی تہذیب و تمدن نے نہایت گہرا اثر قبول کیا ۔ آئی اونیہ اور فریگیا جیسا کہ معلوم ہے یونانی نو آبادیاں ہیں -

ڈورس (Dori) تھسیلی (Thessely) شمالی یونان کے جنوب میں وہ

باقی صفحہ ۷۲۸ پر

اور یہ وہ بات ہے جسے ان حضرات نے جنہوں نے تعلیم کے اس حصے پر فلسفیانہ انداز میں قلم اٹھایا ہے بخوبی بیان کردیا ہے۔ انہوں نے اس سلسلے میں جو کچھ بھی لکھا ہے اس کے ثبوت میں واقعات بھی پیش کردئے ہیں - یہی کچھ تال کے بارے میں (۳۰) کہا جائیگا - کسی سے طبیعت مستقلاً ایک رنگ پر آجاتی ہے - کوئی اس کو بدل دیتی ہے، کسی کا اثر نہایت شدید ہوتا ہے ، کسی کا معتدل - لہٰذا ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے بخوبی اندازہ ہو جائیگا کہ موسیقی کا اثر ذہن پر کیا ہوگا (۳۱) ،علیٰ ھذا یہ کہ وہ کسطرح دل لبھا لیتی ہے جو اگر ٹھیک ہے تو پھر نوجوانوں کو ضرور اسکی تعلیم دینی چاہئے-یوں بھی موسیقی کا سیکھنا ان کی فطرت کے عین مطابق ہے اس لئے کہ زندگی کے اس مرحلے پر وہ اسی چیز پر توجہ کرتے ہین جو انہیں

---

بقیہ حاشیہ ۷۲۷

چھوٹا سا سنگستانی علاقہ جس کے باشندے ڈوروی (Dorian) کہلائے اور پیلو پونیسس میں آباد ہوگئے ( یونانی تہذیب و تمدن کا حقیقی گہوارا) یونانی گویا انہیں کی اولاد ہیں—مترجم

۳۰ - جسے گویا لحن سے الگ کرنا پڑے گا—مترجم

۳۱ - مگر پھر عجیب بات ہے کہ ارسطو اسی مبحث سے بالکل اعتنا نہیں کرتا جسے وہ موسیقی کا اہم ترین نتیجہ ٹھہراتا ہے یعنی اپنے اس قول سے کہ موسیقی سے ذہن کی اصلاح ہوتی ہے اور جس کا تعلق اس کے نزدیک روح کے عقلی حصے سے ہے - یہی وجہ ہے کہ ارسطو کے بعض نقادوں کے نزدیک روح کے متعلق اس کا نظریہ کچھ زیادہ واضع اور قطعی نہیں تھا - کبھی تو وہ اسے مادی حیثیت سے دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ روح عبارت ہے جسم کی ہم آہنگی سے ، کبھی افلاطون کے تتبع میں یہ کہ وہ بجائے خود ایک جوہر ہے—مترجم

پسند ھو اور موسیقی سےزیادہ پسندیدہ‌ترین شے کیاھوگی ۔ علاوہ اس کے
سر اور تال میں ایک خاص تعلق پایا جاتا ھے جسے دیکھ کر بعض
داناؤں نے روح کو بھی الحان ھی قرار دیا ھے اور بعض نے کہا
ھےکہ یہ اس کے اندر موجود ھے ۔

# چھٹا باب

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بچوں کو گانے بجانے کی تعلیم جس میں اول ہمیں شبہ تھا دینی چاہئے یا نہیں ۔ اس بات کو تو ہر کوئی سمجھتا ہے کہ کسی فن کو جاننے اور اسے عملاً سیکھنے میں بڑا فرق ہے (۱)۔ پھر اگر کسی چیز کا انسان خود اہل نہیں تو اس کے متعلق اس کا حکم لگانا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے ۔ اب یہ امر کہ بچوں کے لئے کوئی ایسا مشغلہ بھی ہونا چاہئے جس سے انہیں تفریح حاصل ہو اپنی جگہ پر مسلم ہے، جیسے مثلاً آرکیٹاس (۲) کا جھنجھنا جسے نہایت خوبی سے طیار کیا گیا تھا اور جو بچوں کو کھیلنے کے لئے دیا جاتا تو اس لئے کہ گھر کی چیزیں نہ توڑیں کیونکہ اس عمر میں ان کے لئے نچلا بیٹھنا آسان نہیں ہوتا ۔ لہذا یہ چیز بھی چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے ویسی ہی مفید رہے گی جیسے بڑے ہو کر ان کے لئے تعلیم کا جھنجھنا (۳) ۔ اندریں صورت انہیں موسیقی کی تعلیم دی جائے تو اس طرح کہ وہ خود بھی اس میں حصہ لے سکیں (۴) ۔ اب رہ گئی یہ

---

۱ ۔ مطلب یہ ہے کہ ایک چیز تو ہے موسیقی کا صحیح ذوق اور بحیثیت فن اس کو سمجھنا ، دوسری بطور فن اسے سیکھنا—مترجم

۲ ۔ Archytas

۳ ۔یہ رعایت لفظی ہے—مترجم

۴ ۔ یعنی آئندہ عمر میں وہ اس سے ویسے ہی لطف اندوز ہوں گے جیسے بچپن میں—مترجم

بات که اس عمر کے لئے مناسب کیا ھے اور غیر مناسب کیا (۵) ، یا بعض لوگوں کا اس مشغلے پر یہ اعترض کہ وہ ایک پست اور ادنیٰ درجے کی چیز ھے سو اس کا جواب کچھ مشکل نہیں ۔ اول تو ضروری ھے کہ انہیں یہ فن آتا ھو ، تاکہ وہ خود بھی اس بارے میں کوئی صحیح رائے قائم کر سکیں اور اس لئے یہ فن نو عمری ھی میں سیکھ لینا چاھئے ۔ البتہ جوں جوں ان کی عمر بڑھے اس کا عملی حصہ (۶) نظر انداز کر دیا جائے اسلئے کہ جوانی میں آگے چل کر وہ اس کے متعلق جو معلومات حاصل کریں گے ان کی بنا پر انہیں اس کی خوبیوں کا اندازہ ھو جائے گا اور وہ اس سے مناسب لطف اٹھائیں گے ۔ رھے وہ لوگ جو اسے ایک ادنیٰ اور حقیر سا فن سمجھتے ھیں ان کے جواب میں کہا جا سکتا ھے کہ اگر یہ فن اس لئے سکھلانا مقصود ھے کہ لوگ اچھے شہری بن سکیں تو ھم اس بات کا لحاظ رکھینگے کہ انہیں اس فن میں کہاں تک حصہ لینا چاھئے ۔ وہ کس قسم کے سر تال سیکھیں (۷) اور کس قسم کے ساز استعمال کریں ۔ اس لئے کہ فرق ھے تو اسی چیز میں (۸) ۔ یہ تو ھوا ان کے اعتراض کا جواب ، گو بعض صورتوں میں ماننا پڑیگا کہ موسیقی سے ایک حد تک وہ اثرات بھی مترتب ھوتے رھتے ھیں جو اس سے منسوب کئے جاتے ھیں ۔ لہذا ظاھر ھے موسیقی کی تعلیم سے یہ تو ھر گز ھونا نہیں

---

۵ ۔ عمر کے ھر حصے کے لئے —مترجم

۶ ۔ باعتبار فن اور پیشہ—مترجم

۷ ۔ متن میں صرف تال ۔ لیکن مطلب ھے سر تال یعنی کس طرح کی موسیقی سے—مترجم

۸ ۔ کہ ذھنی اصلاح اور ترقی ھوگی تو کس قسم کی موسیقی سے— مترجم

چاهئے که زمانه کهولت میں پہنچ کر انسان کو جو کچھ کرنا ہے وہ
اس میں حارج ہو جائے ، یا یہ کہ اس کا جسم نسائیت پیدا کرلے(۹)
اور اسلئے انسان جنگ ہی کے قابل رہے ، نہ امور ریاست کے (۱۰)
گویا اسے سیکھیں تو نوجوان ، لیکن اس پر حکم لگائیں تو بوڑھے ۔
لہذا بچوں کے لئے موسیقی کی کوئی مناسب تعلیم ہے تو یہی کہ
وہ اس کے ان پہلوؤں سے بے تعلق رہیں جو اس فن کے ماہرین میں
متنازعہ فیہ ہیں، نہ اس قسم کا کمال دکھانے کی کوشش کریں جس پر
لوگ حیرت ذدہ ہو جاتے ہیں اور جس کا حاصل کرنا مشکل بھی ہے۔
اس قسم کے کمالات کا اظہار ہوتا تو شروع میں ان
کھیلوں کے موقعوں پر جو بر سر عام دکھائے جاتے اور جن کو
پھر تعلیم میں شامل کر لیا گیا ۔ لہذا وہ اسے سیکھیں تو اس حد
تک کہ اعلیٰ قسم کے گانوں اور سر تال سے مناسب تفریح حاصل ہو
سکے ۔ ویسی نہیں جیسی حیوانوں تک کو حاصل ہوتی ہے یا جیسی
غلاموں اور بچوں کو، بلکہ نسبتاً زیادہ ۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اس
امر کا فیصلہ ہوجاتا ہے کہ انہیں کسی طرح کے ساز استعمال کرنا چاہئے۔
انہیں نے نوازی کی اجازت تو ہرگز نہ دی جائے جیسے کسی ایسے ساز
کی جس کے لئے بہت بڑی مہارت درکار ہو، مثلاً بربط یا اس قسم کے کسی
دوسرے ساز کی، بلکہ اسطرح کے سازوں کی جن کی بدولت موسیقی کے علاوہ
امور فن کے بارے میں وہ بھی صحیح رائے قائم کر سکیں ۔ علاوہ ازیں نے
کوئی اخلاقی ساز بھی نہیں۔ کیونکہ اس سے جذبات مشتعل ہوجاتے ہیں۔ لہذا

---

۹ - جسمانی ورزش کے ترک سے موسیقی میں شغف یا اس کے قبیح اثرات کے
باعث—مترجم

۱۰ - اور جس سے ارسطو کا مطلب در اصل یہ ہے کہ انسان فضائل کی
زندگی میں حصہ لے سکے—مترجم

اسے جب ھی استعمال کرنا چاھئے جب روح میں زندگی پیدا کرنامقصود ہو، نہ کہ دوران تعلیم میں (۱۱)۔ مگر پھر اس کے ساتھ ھم یہ بھی کہہ دیں کہ نے میں ایک وہ چیز بھی موجود ھے جو مقتضائے تعلیم کے خلاف ھے اس لئے کہ نے نوازی کے دوران میں نے نواز کوئی بات نہیں کر سکتا ۔ یہی وجہ ھے کہ نوجوانوں اور آزاد انسانوں کے لئے ھمارے آباد و اجدار نے اس کا استعمال ممنوع قرار دیا تھا ، حالانکہ اول اول انہوں نے خود بھی اس کا استعمال کیا ۔ بات یہ ھے کہ مال و دولت کے باعث جب انہیں زیادہ فراغت حاصل ہو گئی تو فضائل (۱۲) کے اکتساب میں بھی ان کا ولولہ بڑھ گیا ۔ پھر جو کار ھائے نمایاں انہوں نے جنگ ایران سے پہلے اور بعد میں سر انجام دئے وہ ان کے ذھن کی اتنا اونچا لے گئے کہ انہوں نے تعلیم کے ہر پہلو میں توجہ سے کام لینا شروع کر دیا ۔ اب ان کی نظر اس کے ایک ھی جز پر نہیں تھی

---

۱۱ - مطلب یہ ھے کہ نے سے صرف اظہار جذبات مقصود ھے ۔ جذبات کا اظہار ہو گیا تو اس سے ذھن کی تسکین ھو گئی ۔ لیکن اس طرح اخلاق کی پرورش تو نہیں ھوتی ۔ یاد رکھنا چاھئے کہ اظہار جذبات کے لئے ارسطو نے کتھارسس Catharsis (K) کا لفظ استعمال کیا ھے جس نے فرائیڈی نفسیات میں ایک اصطلاح کی حیثیت اختیار کر لی ھے (کتھارسس گویا ایک طرح سے نفس کا تنقیہ ھے) ۔ ھاں نے ترجمہ ھے flute کا لیکن یہ ھماری اردو اور فارسی شاعری کی نے نہیں ھے—مترجم

۱۲ - ارسطو کی نظر میں محنت مزدوری کی کوئی وقعت نہیں تھی ۔ نہ ہر انسان کی بہ حیثیت انسان کوئی قدر و قیمت ۔ وہ گویا شرف ذات کا جیسا کہ ھمارے نزدیک اس کا مفہوم ھے قائل نہیں تھا ۔ لہذا اھل یونان کا خیال تھا کہ فراغت کے لئے دولت شرط ھے اور فراغت کا اکتساب فضائل کے لئے—مترجم

بلکه کل پر ۔ لہٰذا انہیں جو ساز سکھلائے جاتے تھے ان میں نے بھی شامل کر لی گئی۔ اسپارٹا میں تو سنگیت استاد خود بھی بانسری بجاتا تھا اور اثینیہ میں بھی اس کا رواج اتنا عام ہو گیا تھا کہ ہر آزاد انسان میں اس کی خوب خوب سمجھ پیدا ہوگئی تھی (۱۳) جیسا کہ اس لوح سے جسے تھراسی پس (۱۴) کی اس وقت نذر کیا گیا جب وہ سنگیت استاد تھا پتہ چلتا ہے البتہ آگے چل کر انہوں نے اسے خطرناک سمجھ کر چھوڑ دیا ، کیونکہ اب یہ بات ان کی سمجھ میں آگئی تھی کہ فضائل کو کس چیز سے تحریک ہوتی ہے اور کس سے نہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے پرانے ساز بھی اسی بنا پر متروک قرار پائے ۔ مثلاً قیثارہ اور طنبورہ جن سے بجانے والے خود بھی تفریح حاصل کرتے ہیں (۱۵) اور جن کے لئے بڑی تیز انگلیاں اور بہت زیادہ مہارت کی ضرورت ہے بغیر اس کے ناممکن ہے ان کو کامیابی سے بجایا جا سکے (۱۶) یہی وجہ ہے کہ قدماء نے ہمیں جو بات کہانی کے طور پر سمجھائی ہے نہایت معقول ہے اور وہ یہ کہ پہلے پہل جب منروا (۱۷) کو نے ملی تو اس نے

---

۱۳ - یعنی احرار بھی اسے بجانے لگے — مترجم

۱۴ - Thrassipus - سنگیت سے مطلب ہے گانے اور ناچنے والوں کا سنگیت — مترجم
اصطلاحاً سنگیت استاد ترجمہ ہے Charegus کا ۔ مناسب اصطلاح کیا ہوگی ؟ — مترجم

۱۵ - قیثارہ یا پچاس تار بربط (Dulcimer) اور طنبورہ (Lyre یا Lute) یہ ترجمے قیاسی ہیں ۔ پھر اگر ان کو بجانے والے بھی تفریح حاصل کرتے ہیں تو سننے والے بھی ضرور لطف اندوز ہونگے — مترجم

۱۶ - اس لئے کہ ان میں ساری توجہ ان کے فنی پہلو پر ہوتی ہے ارسطو کا یہ خیال نہایت صحیح ہے اور اس لئے بڑا توجہ طلب — مترجم

۱۷ - Athene یا Minerv

اسے پھینک دیا ۔ پھر وہ لوگ بھی غلط نہیں کہتے جن کا قول ہے
کہ منروا دیوی نے اسے ناپسند کیا اس لئے کہ اسے جو کوئی
بجاتا ہے اس کا منہ بگڑ جاتا ہے لیکن زیادہ اغلب یہ ہے کہ اس نے
اسے رد کیا تو اس لئے کہ اس سے ذہن کی کوئی اصلاح نہیں ہوتی(۱۸)
پھر جب منروا ہی ہمارے نزدیک جملہ علوم وفنون کی موجد
ہے تو جس طرح ہمیں یہ ناپسند ہے ویسے ہی یہ کہ بچوں کو ساز بجانا
سکھایا جائے، حتیٰ کہ وہ ماہرین فن کی طرح ان پر دسترس حاصل
کریں۔ہم اس چیز کو انہیں لوگوں تک محدود رکھیں گے جو اس
علم (۱۹) میں انعام و اکرام کے خواہشمند ہیں ۔ وہ اسے اکتساب
فضائل کیلئے تو اختیار کریں گے نہیں، بلکہ لوگوں کو خوش کرنے
یا اس لئے کہ ان کے ادنیٰ جذبات کی تسکین ہو۔ لٰہذا اس قسم کی
موسیقی احرار کے لئے ناموزوں رہیگی ۔ اسے انہیں لوگوں تک محدوود
رکھنا چاہئیے جو اس کے لئے معاوضہ حاصل کرتے ہیں اورجس سے
بالعموم ادنیٰ جذبات ہی کو تحریک ہوتی ہے ۔ ان کے سامنے کوئی
اچھا مقصد تو ہوتا نہیں ۔ پھر اس قسم کے متبذل انسان یہ بھی تو
کرسکتے ہیں کہ ان کے گیت جیسے چاہیں بدل دیں۔ لٰہذا جو اہل فن
ان کے سامنے آئیں گے وہ اپنے جسم کو بھی سامعین ہی کی مرضی کے
مطابق ڈھال دیں گے (۲۰)

---

۱۸ - لٰہذا تعلیمی اغراض کے لئے بیکار—مترجم

۱۹ - موسیقی کے مقابلوں میں جب موسیقی کی حیثیت ایک پیشے اور فن
کی ہو جاتی ہے ۔ لٰہذا از روئے تعلیم اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتہ
زیادہ سے زیادہ یہ کہ انسان فنی مہارت حاصل کر لے ، یا مبتذل قسم
کی لذت حاصل کرے—مترجم

۲۰ - جیسا کہ بالعموم ہوتا ہے ۔ ارسطو کی یہ رائے بھی بڑی قابل قدر
ہے—مترجم

# ساتواں باب

رہ گیا اب سر تال کے بارے میں ہمارا کچھ کہنا (۱) کہ ان سب کو تعلیم میں جگہ دینی چاہئے ، یا بہتر ہوگا بعض کا انتخاب کر لیا جائے؟ ہم ان کو جو موسیقی کا سبق بہ طور ایک جزو تعلیم کے حاصل کر رہے ہیں ایک سی ہدایات دیں گے یا دونوں صورتوں میں مختلف ؟ سو موسیقی نام ہے تال اور ترنم (۲) کا اور اس لئے ہمیں اس بات سے غافل نہیں رہنا چاہئے کہ ان دونوں سے تعلیم پر کیا اثرات مترتب ہوں گے ۔ ہمیں اس موسیقی کا انتخاب کرنا چاہئے جس پر ترنم کا غلبہ ہے، یا اس کا جس پر تال کا ۔ لیکن پھر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس زمانے کے بعض موسیقی دانوں کے علاوہ ان فلسفیوں نے بھی جن کو فن موسیقی میں جہاں تک اس کا تعلق تعلیم سے ہے پوری پوری مہارت حاصل ہے ان مباحث پر بڑی خوبی سے قلم اٹھایا ہے تو جو لوگ اس موضوع کا بالاستعیاب مطالعہ کرنا چاہتے ہیں وہ انہیں سے رجوع کریں ۔ ہمیں تو اس کے صرف عام پہلوؤں سے بحث کرنا ہے۔ ہم اس کی جزئیات پر نظر

---

۱ ۔ ارسطو ۔ ان تین سوالوں کا جو موسیقی کی بحث میں اٹھائے گئے تھے دو یعنی پہلے اور دوسرے کا جواب تو پچھلے باب میں دے دیا ہے، تیسرے کا اب دیا جا رہا ہے ــــ مترجم

۲ ۔ ترنم (melody) اور الحان (harmony) در اصل مغربی موسیقی کی اصطلاحیں ہیں جن کی مخصوص حیثیت کو اس بحث میں ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے ۔ مثلاً عام طور پر کہا جاتا ہے ہندی راگ میں ترنم ہے الحان (ہم آہنگی) نہیں ہے ۔ تال کا اشارا بھی یہاں شاید الحان ہی کی طرف ہے یا پھر ہر الحان کی مخصوص تال ــــ مترجم

نہیں ڈالیں گے - ہم دیکھتے ھیں بعض فلسفیوں نے جن کے خیالات سے ھمیں بھی اتفاق ھے ترنم کو تین حصوں میں تقسیم کیا ھے اخلاقی ، عملی اور ایک وہ جس سے دلوں میں ولولہ پیدا ھوتا ھے اور جس کے ھر حصے سے وہ ایک خاص قسم کا الحان منسوب کرتے ھیں اور جو ھوتا بھی قدرتاً ان کے مطابق ھے - للہذا ہماری رائے میں (۳) موسیقی کا تعلق ایک ھی سے نہیں ایک کی بجائے زیادہ مقاصد سے ھونا چاھئے (۴) ، خواہ اس سے مقصود تعلیم ھو ، خواہ روح کا تزکیہ ، (تزکیے کا لفظ ھم سردست بغیر کسی تشریح کے استعمال کر رھے ھیں رسالہ شاعری (۵) میں البتہ ھم اس سے بہ تفصیل بحث کریں گے)

---

۳ - دوسرے متون سے مقابلہ کیا جائے تو معلوم ھوتا ھے ارسطو یہ کہنا چاھتا ھے کہ کسی ترنم سے تو سیرت اور کردار کا اظہار ھوتا ھے - للہذا اس سے عمل کو تحریک ھوتی ھے - کسی سے جوش اور ولولے کا اس لئے جو بھی ترنم ھے اس کا تعلق انہیں میں سے کسی ایک بات سے ھوگا اور اسے ویسی ھی شکل بھی دینا پڑے گی——مترجم

۴ - ملاحظہ ھو باب پنجم——مترجم

۵ - Poetics میں - ملاحظہ ھو باب سوم جس میں ارسطو نے دو مختلف باتیں کہی تھیں - ایک فراغت اور تہذیب نفس ، دوسری تفریح اور راحت طلبی - لیکن یاد رکھنا چاھئے باب پنجم میں اس نے موسیقی کے جن سہ گانہ نتائج کا ذکر کیا ھے وہ ان سہ گانہ فوائد سے مختلف ھیں جن کی طرف اب اس نے اشارہ کیا ھے - نتائج تو جیسا کہ ارسطو لکھ آیا ھے یہ ھیں : (ا) تفریح اور راحت طلبی (ب) تربیت اخلاق اور (ج) تہذیب نفس - لیکن یہاں فوائد کے سلسلے میں وہ ایک نئے نتیجے کا ذکر کرتا ھے ، یعنی جذبات میں تحریک کا اور پھر پہلے اور تیسرے کو باھم ملا دیتا

باقی صفحہ ۷۳۸ پر

خواہ اسے وقت گزاری کے لئے استعمال کیا جائے بطور ایک عمدہ مشغلے کے، یا کوئی پریشانی ہے تو اسے دور کرنے کے لئے (٥) ۔ اب جتنے بھی الحانات ہیں ہمیں سب ہی استعمال کرنا پڑیں گے۔ لیکن ہر مقصد کے لئے نہیں (٦) ۔ تعلیم میں وہ جو سب سے زیادہ اخلاقی ہیں ۔ کان کو حظ ملے گا تو کچھ ایسے الحانات کو سن کر جو بغایت ولولہ انگیز ہوں ۔ اس لئے کہ وہ جذبہ جو بعض دلوں (۷) میں نہایت شدت سے پایا جاتا ہے ، موجود تو سب میں ہوتا ہے ۔ فرق ہے تو اتنا کہ کسی میں زیادہ کسی میں کم۔ مثلاً رحم اور خوف یا ذوق و شوق کو لیجیے ۔ بعض دلوں میں یہ جذبات یہاں تک شدت اختیار کر لیتے ہیں کہ اس سے روح بھی مغلوب ہو جاتی ہے ۔ لیکن پھر یہی لوگ جب مقدس گیت سنتے ہیں تو ان کے دل آسودہ ہو جاتے ہیں اور وہ اس حد تک جمیعت خاطر اور سکون قلب حاصل کر لیتے ہیں جیسے انہوں نے طبیب کے فن سے کام لیا (۸)

---

بقیہ حاشیہ ۷۳۷

ہے - دوسرے نتیجے کی حیثیت البتہ وہی رہتی ہے - گو اب اسے وہ تعلیم کا نام دیتا ہے اور جسے موسیقی کی ان طرزوں سے حاصل کیا جا سکتا ہے جو سیرت اور کردار کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہیں—مترجم

٦ ۔ ملاحظہ ہو حاشیہ ماسبق—مترجم

۷ - یعنی جس سے بعض طبائع شدت کے ساتھ متاثر ہوتی ہیں— مترجم

۸ - فن طب سے یعنی جس طرح طبیب جلاب کے ذریعے طبیعت کا تنقیہ کر دیتا ہے اور اس طرح اسے سکون حاصل ہو جاتا ہے

باقی صفحہ ۷۳۹ پر

لہذا یہ ایک قدرتی امر ہے کہ ہر وہ شخص جو رحم دل ہے ، یا جوش و غضب میں آ جاتا ، یاشدت جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے اس کا بلکہ جو لوگ جیسے جیسے بھی ان جذبات سے متاثر ہوتے ہیں ان سب کا علاج ہوگا تو یونہی ، اور یونہی انہیں سکون اور مسرت بھی حاصل ہوگی ۔ بعینہ موسیقی کی ہر وہ شکل جس میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ روح کی اصلاح کرے اس سے جو تفریح حاصل ہوگی اس میں ضرر کا کوئی اندیشہ نہیں ۔ گویا جو لوگ اس امر کے خواہشمند ہیں کہ ناٹکوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جائیں وہ ویسے ہی الحان اور ویسا ہی راگ اختیار کریں ۔ مگر پھر سامعین چونکہ دو جماعتوں پر مشتمل ہوں گے، ایک طرف آزاد اور تربیت یافتہ انسان دوسری جانب اجڈ ، ادنیٰ پیشہ ور اور محنت مزدوری کرنے والے اور کثرت بھی انہیں کی ہوگی، اس لئے کچھ گانے اور کچھ تماشے ایسے بھی ہونا چاہئے جن سے انہیں تفریح اور تسکین حاصل ہو ۔ ان کے عادات و خصائل نے چونکہ ان کا ذہن مسخ کر رکھا ہوگا

---

بقیہ حاشیہ ۷۳۸

ارسطو کے نزدیک بھی اثر بعض موقوں پر موسیقی سے مترتب ہوتا ہے ۔ پھر جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں (باب ماسبق حاشیہ ۱۱) تحلیلی نفسیات میں وہ یونانی لفظ جو ارسطو نے یہاں استعمال کیا ہے (کتھارسس) آج بھی بطور اصطلاح کے استعمال ہوتا ہے ۔ معالج نفسیات بھی تحلیل و تجزیے کے ذریعہ دماغ کا بوجھ ہلکا کر دیتا ہے جس سے اسے سکون اور راحت ملتی ہے ۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ انسان کے دماغ میں جس جذبے نے فتور پیدا کر رکھا ہے اس کا اخراج ہو جائے—مترجم

لہٰذا ان کے لئے غیر طبعی الحانات اور ایسا ہی راگ مناسب رہیگا جس میں بہت زیادہ شور و شغب ہو، کیونکہ یہی ان کے مزاج کے مطابق ہوگا ۔ پھر جب ہر کسی کو اسی چیز سے حظ حاصل ہوتا ہے جو اس کی طبیعت کے عین مطابق ہے تو جو لوگ ناٹکوں میں حصہ لیتے ہیں انہیں ہر قسم کے گانوں کی اجازت ہونی چاہئے ۔ تعلیم میں البتہ ترنم اور ان الحانات کی جن کی نوعیت اخلاقی ہے، یعنی ڈوروی موسیقی کی جیسا کہ ہم اس سے پہلے کہہ آئے ہیں(۹) ، یا کسی ایسی طرز کی جس کو موسیقی کے ماہر فلسفیوں نے تعلیم کےلئے مناسب قرار دیا ہے ۔ رہا افلاطون کی جمہوریہ میں سقراط کا یہ کہنا کہ تعلیم دینی چاہئے تو صرف فریگوی اور ڈوری موسیقی کی سواس کا یہ قول بڑا غلط ہے بالخصوص اس صورت میں جب سازوں میں نے کی اس نے قطعی ممانعت کر دی ہے۔ بات یہ ہے کہ فریگوی موسیقی کے الحانات سے ایسا ہی اثر مترتب ہوتا ہے جیسے سازوں میں نے سے ۔ دونوں کی درد بھری آواز سے دل میں رقت پیدا ہوجاتی ہے اور یہ وہ بات ہے جسے شعرا کے طرز عمل نے ثابت بھی کر دیا ہے ۔ وہ جب کوئی طرب انگیز گیت لکھتے، یا کسی شدید جذبے کا اظہار کرتے ہیں تو اس میں زیادہ تر نے ہی کا استعمال ہوتا ہے ۔ پھر یہ صرف فریگوی الحان ہے جو اس صورت میں رہتا بھی سب سے زیادہ موزوں ہے ۔ دراصل یہ امر کہ جذباتی(۱۰) بحر فریگی الاصل ہے بہتوں کے نزدیک مسلم ہے ۔ چنانچہ جن لوگوں نے اس کی تحقیق کی ہے وہ اسکے متعدد ثبوت بھی پیش کرتےہیں۔مثلاً جب فلو کسے نس (۱۱) نے کوشش کی کہ ڈوروی الحان کےلئے جذبات بھری موسیقی تالیف

---

۹ - پچھلے باب میں—مترجم

۱۰ - Dithyrambic

۱۱ - Philoxenus

کرے تو اسے قدرتاً فریگوی الحان ہی سے کام لینا پڑا، اس لئے کہ یہی اس کے لئے موزوں ترین الحان تھا۔ پھر جب یہ بھی مسلم ہے کہ ڈوروی موسیقی میں از حد متانت پائی جاتی ہے اور اس سے شجاعت کو بھی بالخصوص تحریک ہوتی ہے۔علیٰ ہذا یہ کہ جہاں دو انتہائیں ہوں وہاں ہم وسط ہی کو ترجیح دیں گے اور یہ ڈوروی الحان ہے جسے انتہائی الحانات میں وسط کا درجہ حاصل ہے تو پھر ظاہر ہے نوجوانوں کو اسی کی تعلیم دینی چاہئے (۱۲) ۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ دو اور باتیں بھی پیش نظر رہیں۔ ایک یہ کہ ممکن کیا ہے، دوسری یہ کہ مناسب کیا۔ اس لئے کہ ہر کسی کو چاہئے وہی کچھ حاصل کرے جس میں یہ دونوں خصوصیتیں موجود ہیں اور جس کا اہتمام بہتر ہوگا عمر کے مختلف حصوں میں کر لیا جائے ۔ مثلاً جن لوگوں کی عمر زیادہ ہے وہ ایسے گیت تو مشکل ہی سے گا سکیں گے جن میں

۱۱ - اس گیت کے ساتھ رقص بھی کیا جاتا تھا اور ابتدا میں اس کا تعلق اس تقریب سے تھا جو ڈیونے سئیس دیوتا کی پیدائش کی یاد میں منائی جاتی تھی۔لیکن آگے چل کر اس کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہوتا گیا۔ یہ گیت بڑی بلند آواز سے اور زور دے دے کر گایا جاتا - پھر اس کا انداز چونکہ فریگوی تھا لہٰذا اس کے ساتھ نے کا ہونا بھی ضروری تھا -

اس دیوتا اور اس سلسلے میں میلوں (Orgies) وغیرہ کے لئے ملاحظہ ہو یونانی فلسفہ اور یونانی مذہب کی کوئی تاریخ۔ ڈیونے سئیس دیوتا کی پرستش چونکہ مشرق سے یونان پہنچی لہٰذا اس کا طرز بھی فریگوی تھا - جدید زمانے میں نیٹشے نے اس دیوتا کا نام جس طرح زندہ کیا اور اسے جو فلسفیانہ شکل دی اس کے لئے ملاحظہ ہو نیٹشے کی کوئی سوانح حیات ——مترجم

۱۲ - پچھلے باب کی طرح ارسطو ۔ پھر یہ امر نظر انداز کر دیا ہے کہ دوران فراغت میں کس قسم کا ترنم موزوں رہیگا ، علیٰ ہذا تہذیب نفس کے لئے ——مترجم

بہت اونچے سروں کی ضرورت ہوتی ہے ۔ ان کا میلان طبع قدرتاً ہلکے سروں کی طرف ہوگا جن کےلئے زیادہ طاقتور آواز کی ضرورت نہیں ہوتی (چنانچہ ماہرین موسیقی نے اس امر پر اعتراض بھی کیا ہے کہ سقراط نے نوجوانوں کے لئے لطیف الحانات کی ممانعت کی ہے تو کیوں ؟ کیا اس لئے کہ شراب کی طرح وہ انہیں بد مست کر دیں گے ، حالانکہ ان سے مقصود ہے انسان کے اندر طرب پیدا کرنا ۔ یہ نہیں کہ وہ سستی اختیار کرلیں) اور اس لئے بڑی عمر کے لئے یہی الحانات موزوں رہیں گے ۔ پھر اگر کوئی ایسا الحان بھی ہے جس میں بچپن کے لئے موزونیت کے علاوہ بلندی بھی پائی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تعلیمی شان بھی تو معلوم ہوتا ہے یہ وصف باقی سب الحانات کی نسبت صرف لیڈوی ہی میں ملیگا ۔ لہٰذا یہ تین حدود ہونگی تعلیم کی : اعتدال ، امکان اور مناسبت (۱۳) ۔

---

۲۳ وسط کو اگر معیار تسلیم کرلیا جائے تو بارکر کہتا ہے ہمیں ڈوروی طرز ہی اختیار کرنا پڑے گا۔ لیکن اگر معیار امکان ہے تو بہت زیادہ اونچے سروں کے گانے ترک کرنا پڑیں گے اور انکی جگہ ہلکے ہلکے سروں یعنی فریگوی گیتوں کو ملے گی ۔ مگر پھر چونکہ بہ لحاظ عمر ارسطو کے نزدیک جوانی میں اونچے سروں میں گانا ممکن ہے ۔ لہٰذا اس قسم کے گانے بھی گا لیناچاہئیے ۔ البتہ اگر معیار ہے مناسبت تو پھر لیڈوی طرز سب سے بہتر رھیگا بالخصوص نوجوانوں کے لئے کیونکہ اس میں حسن بھی ہے اور تعلیمی شان بھی ۔

لیکن پھر مثالی ریاست کا جو خاکہ ارسطو پیش کرنا چاہتا تھا ۔ یہاں پہنچ کر دفعۃً ختم ہو جاتا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ موسیقی کی بحث بھی اتمام کو نہیں پہنچتی ۔ رہی یہ بات

باقی صفحہ ۷۴۳ پر

بقیه حاشیه ۷۳۲

که حصول تعلیم کے بعد شہریوں کی زندگی اور سرگرمیاں کیا
ہوں گی وہ اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتا - تعلیم
اور ورزش جسمانی کے علاوہ سیرت ارر تربیت کے بارے میں
بھی کتنی باتیں کہنے کی تھیں - لیکن ارسطو نے گفتگو کی
تو زیادہ تر موسیقی ھی میں - تعلیم میں اس کی توجہ ابتدائی مراحل
سے آگے نہیں بڑھی - پھر جب مختلف امور کی
وضاحت کے سلسلے میں وہ بار بار کہتا ھے اس کا موقعہ آگے
آئے گا تو یہ موقعہ کبھی نہیں آتا - بات بہر حال یہاں
ختم ھوتی ھے کہ رسالہ سیاسیات چونکہ ارسطو کی یادداشتوں اور
خطبات پر مشتمل ھے لہذا اس کی حیثیت ایک باقاعدہ تصنیف
کی نہیں - جس طرح پہلے اس رسالے کی ھر بحث ایک خاص
مرحلے پر پہنچ کر دفعتاً رک جاتی تھی ، بعینہ اختتام مضمون
پر بھی ایسا ھی ھوا —مترجم

# اشاریہ

## س

## نطق—



## وسط—